مغربی بنگال

یکم جنوری سنہ ۱۹۸۱ء



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

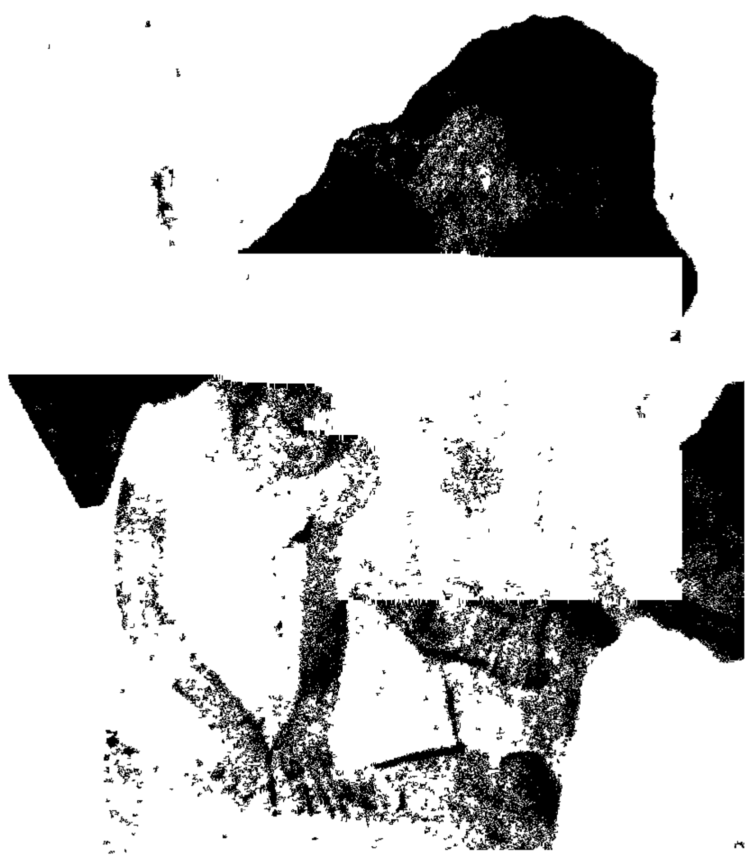
جلد [illegible] یکم جنوری ۱۹۸۱ء شمارہ ۱

مدیر اعلیٰ :۔ ایس کے سین گپتا

مدیر معاون :۔ محمد اعظم

شرح خریداری
سالانہ ۔ ۳ روپئے
قیمت ۔ ۱۲ ر پیسے فی پرچہ

اپنے محدود وسائل کے باوجود بائیں محاذ حکومت نے دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ تعلیمی محاذ پر بھی کامیابی حاصل کی ہے ۔ ریاستی حکومت نے کلاس XII تک تعلیم مفت کر دی ہے ۔ پرائمری اسکولوں میں طلباء کو درسی کتابیں مفت سپلائی کی جا رہی ہیں ، انھیں مفت ٹفن بھی سپلائی کیا جا رہا ہے بائیں محاذ حکومت نے دیہی علاقوں میں بہت سارے پرائمری اور سیکنڈری اسکول قائم کئے ہیں ۱۹۶۹ء میں متحدہ محاذ حکومت نے گرو رابندر ناتھ ٹیگور کی کتاب سہج پاٹھ کو پرائمری اسکولوں کے نصاب میں درسی کتاب کی حیثیت سے شامل کیا ۔ نیز بائیں محاذ حکومت گرو دیو کی تصانیف کو زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہونچانے کیلئے ارزاں قیمت پر رابندر رچناولی شائع کر رہی ہے ۔ ان کتابوں کی اشاعت پر بائیں محاذ حکومت ایک کثیر رقم بطور امداد دے رہی ہے ۔



زر سالانہ بھیجنے کا پتہ :۔
بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور حکومت مغربی بنگال
۲۳ ۔ آر این مکھرجی روڈ ۔ پانچویں منزل
کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱

بچوں کیلئے درسی کتابیں

تعلیمی بہتری کیلئے ریاستی حکومت کے مستحسن اقدامات

مختلف اوقات میں تشکیل کردہ مختلف تعلیمی کمیشن اور کمیٹیاں اور ٹیچروں کی مختلف تنظیمیں اس بات پر زور دے رہی ہیں کہ ابتدائی (پرائمری) سطح پر تعلیم کا جو نصاب ہے اس میں تبدیلی لائی جائے اور اسے جدید طرز پر ڈھالا جائے لیکن مغربی بنگال میں جو نصاب ۱۹۵۰ء میں رائج کیا گیا تھا وہ آج بھی قائم ہے۔ پرائمری سطح پر مختلف کمیشنوں کی سفارشات کے مطابق نصاب میں کوئی خاص تبدیلی نہیں کی گئی۔

۱۹۷۴ء میں اس وقت کی ریاستی حکومت نے ابتدائی تعلیم کو جدید طرز پر لانے اور اسے با مقصد بنانے کے لئے ابتدائی تعلیم نصاب کمیٹی کی تشکیل کی اور شری ہمانگشو بمل مجمدار، صدر شعبہ تعلیم، بنوئے بھون، وشو بھارتی یونیورسٹی، کو اس کمیٹی کا چیئرمین مقرر کیا لیکن اس وقت کی ریاستی حکومت نے اپنے دور میں اس قسم کے اقدامات نہیں کئے جن کے ذریعہ مذکورہ کمیٹی اپنے فرائض انجام دے سکے۔

بائیں محاذ حکومت نے ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی دیگر شعبوں کے ساتھ ساتھ تعلیم کے شعبہ میں بھی تجدید کاری کے وسیع پروگرام کو بروئے عمل لانا شروع کر دیا۔ تعلیمی ترقی اور بہتری کے لئے جو اقدامات کئے گئے مندرجہ ذیل ان میں شامل ہیں:۔

کلاس XII تک تعلیم مفت میں کردی گئی۔ پرائمری اسکولوں کے ۶۰ لاکھ طلبا کو دوپہر کا ٹفن مفت فراہم کیا جا رہا ہے۔ غریب طلبا کو اسکول یونیفارم بھی سپلائی کئے جا رہے ہیں۔ نئے نئے پرائمری اور سکینڈری اسکول قائم کئے گئے اور انہیں تسلیم بھی کر لیا گیا۔ تعلیم کی مد پر اخراجات کی رقم میں کافی اضافہ کیا گیا۔ اب امتحانات وقت پر منعقد ہو رہے ہیں اور ان کے نتائج بھی وقت پر شائع کئے جا رہے ہیں۔ اب امتحانات کے مراکز میں صحت مند فضا پیدا ہو چکی ہے۔ تعلیمی اداروں (یونیورسٹی، بورڈ آف سکینڈری ایجوکیشن، پرائمری ایجوکیشن بورڈ وغیرہ) کے دستور میں اور کارکردگی میں جمہوری اصولوں کو بروئے عمل لانے کیلئے حسب ضرورت نئے ایکٹ پاس کئے گئے یا موجودہ ایکٹ میں حسب خواہ ترمیم لائی گئی۔ بچوں کے ذہنی ارتقا کے لئے ابتدائی مرحلہ پر تعلیم کو اور بھی زیادہ عام فہم، سائنسی اور موثر بنانے کے لئے ریاستی حکومت نے مندرجہ بالا اقدامات کے ساتھ ساتھ، مذکورہ کمیٹی کے دائرہ اختیار میں اضافہ کیا اور پرائمری تعلیم کے نصاب کو جدید طرز پر ڈھالنے کے لئے کمیٹی کو سرگرم عمل بنا دیا۔

یہ کمیٹی یونیورسٹیوں کے شعبہ جات تعلیم کے پروفیسروں، ماہرین تعلیم نظامت تعلیم کے ڈائرکٹروں، پرائمری ٹیچرس ٹریننگ کالجوں کے پرنسپلوں اور پروفیسروں، ثانوی تعلیم تحریک سے وابستہ ٹیچروں اور اس ریاست کی تمام پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشنوں کے نمائندوں پر مشتمل ہے۔

اس کمیٹی کے کل ۲۴ ممبر ہیں۔ مختلف موضوعات کے نصاب مرتب کرنے کے لئے تشکیل کردہ سب کمیٹیوں میں ۱۸۰ ممبران کام کر رہے ہیں۔ چیرمین پروفیسر مجمدار یوں رقمطراز ہیں۔ " پہلی بار مغربی بنگال میں پرائمری تعلیم کے نصاب مرتب کرنے کے لئے تعلیم کی مختلف سطحوں سے وابستہ تعلیم ایسوسی ایشنوں کے نمائندے اہم خدمات انجام دے رہے ہیں۔ اس کمیٹی نے کئی ایک اخباروں میں اشتہارات بھی شائع کئے جن میں اس نے رائے عامہ معلوم کرنے کے لئے لوگوں سے تبصرہ طلب کیا۔ اس کے علاوہ اس کمیٹی نے دیگر ذرائع سے بھی بہت سارے لوگوں کی رائے اور صلاح حاصل کی۔ مغربی بنگال کی بات کو چھوڑئے، سارے ہندوستان میں پرائمری تعلیم کے سلسلہ میں اس قسم کی جمہوری طریقے سے کبھی کام کوشش نہیں کی گئی۔ اس کمیٹی نے تقریباً دو برسوں کی محنت کے بعد پرائمری تعلیم کا نصاب مرتب کیا۔

نصاب کی کتابوں کی تیاری کے سلسلہ میں اپنی سفارشات میں کمیٹی نے یہ ذکر کیا " ماہرین کے ذریعہ نئے نصاب کے مطابق ہر کلاس کے لئے نصابی کتابیں مرتب کرنے کے کام کو جلد سے جلد پایہ اختتام تک پہونچانا ہے۔ اس کام کو ۱۹۸۲ء تک مکمل کر لینا چاہئے۔ ہر موضوع پر درسی کتابیں مرتب کرنے کے لئے الگ الگ کمیٹیاں ہوں گی۔ ہر کمیٹی ایک پرائمری ٹیچر، پرائمری ٹیچرس ٹریننگ کالج کے ایک پرنسپل یا پروفیسر اور دو ماہرین پر مشتمل ہوگی۔ ہر موضوع پر درسی کتابیں لکھنے والوں کی یہ کمیٹی رہنمائی کریگی اور مصنفوں کو حسب ضرورت سفارشات اور تجاویز پیش کرے گی ہر موضوع پر درسی کتابیں لکھتے وقت صرف زیر غور موضوع، زبان، اور طرز پر ہی دھیان نہیں دیا جائے گا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ

لازمی طور پر نصاب میں شامل کیا تھا۔ اس وقت کی متحدہ محاذ حکومت میں آنجہانی ستیہ پریہ رائے وزیر تعلیم تھے۔ اس سلسلہ میں یہاں یہ ذکر کیا جا سکتا ہے کہ سارے مغربی بنگال کے چند اسکولوں کو چھوڑ کر پرائمری اسکولوں میں سہج پاٹھ کتاب درسی کتابوں میں شامل نہ تھی۔ سہج پاٹھ کو لازمی درسی کتاب کے نصاب میں شامل کرنے کی ایک اور بھی وجہ تھی۔ اس وقت ریاستی حکومت کی شائع کردہ کیشالیہ کلاس III سے کلاس V تک لازمی درسی کتاب تھی۔ لیکن حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ کلاس I اور II میں بچوں کو درسی کتابیں مفت فراہم کی جائیں۔ مغربی بنگال میں تعلیم کی تاریخ میں پہلی بار ایسا فیصلہ کیا گیا۔ اس فیصلہ کو جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے درسی کتاب کی حیثیت سے سہج پاٹھ کا انتخاب کیا گیا کیونکہ اس وقت ایک کتاب لکھنے اور اسے رائج کرنے کے لئے کافی وقت نہیں ملا تھا۔

اس وقت اس فیصلہ کی تنقید کی گئی۔ بعد کے برسوں میں پرائمری ٹیچر اور سرپرست بنگلہ زبان کی ابتدائی کتاب کی حیثیت سہج پاٹھ کی مکمل افادیت کی بابت اپنے شک وشبہ کا اظہار کرنے لگے۔ اس بات پر بعد میں بحث ومباحثہ بھی ہوئے۔ بہت سارے حلقوں کی طرف سے شعبۂ تعلیم کی توجہ بھی اس بات کی طرف مبذول کرائی گئی۔ اس کے نتیجہ میں ۱۹۷۱ء میں اس وقت کی حکومت نے (اس وقت مغربی بنگال میں صدارتی حکومت قائم تھی اور شری سدھارتھ شنکر رائے مرکزی وزیر تعلیم تھے) نے مندرجہ ذیل اعلانیہ شائع کیا جس میں اس ابتدائی کتاب کے پڑھنے میں جو مشکلات بچوں کو پیش آئی ہیں ان کا ذکر کیا

نمبر آئی۔ٹی۔بی۔ ۲۵ رجنوری ۱۹۷۱ء اس نوٹیفکیشن اعلانیہ نمبر ۲ ٹی بی مورخہ ۲۰ رنومبر ۱۹۶۹ء کی رو سے کلاس I اور II کے لئے رابندر ناتھ ٹیگور کے سہج پاٹھ حصہ اول اور حصہ دوم کے علاوہ تمام اقسام کی منظور شدہ بنگلہ مصور کتابوں کے اٹھا لینے کی وجہ سے بہت سارے بچے جو بنگلہ حروف تہجی کا اچھی طرح واقف نہیں ہوتے ہیں سہج پاٹھ کو آسانی سے پڑھ نہیں سکتے۔ اس کمی کو پورا کرنے کیلئے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ ایک معاون درسی کتاب بھی جس میں حروف تہجی اور خاص طور پر مرکب حروف سیکھنے کے لئے سائنسی تدریجی کورس درج ہوں' نصاب میں شامل کیا جائے۔

ایشور چندر ودیا ساگر کی لکھی ہوئی روایتی کتابیں 'بورنو پوریچے' حصہ اول اور حصہ دوم بچوں کے لئے بہت ہی موزوں کتاب ہے۔ ان کتابوں میں بنگلہ حروف تہجی، مرکب حروف، ہجے وغیرہ پر کافی زور دیا گیا ہے اور بچے بہت ہی آسانی سے بنگلہ سیکھ سکتے ہیں۔ ان تمام باتوں کو زیر غور رکھتے ہوئے

سا کی صلاحیت اور قوت، افادیت اور تجربہ وغیرہ کو بھی پیش نظر رکھا جائیگا کے ساتھ ہی پرائمری تعلیم کے عام مقصد اور ہر موضوع کے سائنسی مقصد کو زیر غور رکھا جائے گا۔ ہر پانچ سال کے تجربہ کی بنیاد پر درسی کتابوں کی نظر ثانی شدہ ایڈیشن شائع کرنا ہوگا۔"

اس کمیٹی کی سفارشات میں کہیں بھی اس بات کا ذکر نہیں ہے کہ گرو رابندر ناتھ کی کتاب سہج پاٹھ کی نظر ثانی کی جائے یا اس میں کچھ ترمیم لائی جائے بلکہ ایسا کرنا نہایت ہی غیر ضروری ہے اور یہ اقدام حقیقت پر مبنی نہ ہوگا۔

ریاستی حکومت نے تجربہ کار لوگوں اور ماہرین پر مشتمل کمیٹی کی سفارشات بلا جلد از جلد پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے پہل کی ہے۔ سب سے پہلے اس کمیٹی موجودہ پرائمری تعلیم اور درسی کتابوں کے اغراض ومقاصد کی وضاحت کی اور اس وضاحت کی روشنی میں چند خصوصی سفارشات بھی کیں۔ ان سفارشوں میں سب سے پہ پرائمری تعلیم کے اغراض ومقاصد کی نشاندہی کی گئی اور پھر ہر کلاس کے لئے ہر موضوع موجودہ درسی کتابیں مرتب کرنے کی ضرورت پر کمیٹی نے اپنی سفارشات میں نصاب کو مقصد اور بامعنی بنانے پر زور دیا۔

ماضی کے تجربات کے سلسلہ میں اس کمیٹی میں جو بحث ومباحثہ ہوا اس کا جائزہ لیتے ہوئے یہ بات معلوم ہوئی کہ زبان سیکھنے کے لئے شروعات سے صرف سہج پاٹھ کتاب موزوں نہیں ہوگی۔ عام اسکولوں کو ایک بدل کتاب کی مدد لینی چاہیے۔

لہذا میں پروفیسر پربودھ چندر سین نے ایک مضمون شائع کیا جس میں اس حقیقت کو بہت ہی واضح طور پر تسلیم کیا گیا۔ پروفیسر لکھتے ہیں "لیکن اس وقت تک میں نے اپنی بچی کو سہج پاٹھ سے سبق پڑھانا شروع نہیں کیا کیونکہ اس وقت مجھے یہ احساس ہوا کہ بچوں کو ابتدائی سبق دینے کے لئے سہج پاٹھ موزوں کتاب نہیں ہے۔ حروف تہجی کی مشق سے بچوں کو روشناس کرانا ہی مقصد نہ تھا۔ بچوں کو بنگلہ حروف تہجی کے دوسرے تیسرے حروف علت اور ملے حروف جیسے شو [illegible]، [illegible] اور [illegible] سے بچوں کو روشناس کرانے کی کوئی کوشش ہی نہیں کی گئی۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ پہلے سے ہی اس بات کا قیاس کر لیا گیا کہ حروف تہجی اور چند الفاظ کے ہجے سے واقف ہونے کے بعد بچے اس کتاب کو پڑھ سکیں گے۔ یہ کتاب بچوں کے لئے ادب میں پہلا سبق ہے۔" وشو بھارتی کی شائع کردہ کتاب سہج پاٹھ حصہ اول میں بھی اس حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اس کتاب کے دیباچہ میں یہ بات لکھی ہے "حروف سے واقف ہونے کے بعد ہی اس کتاب کو پڑھنا چاہیے۔"

اگر ہم مغربی بنگال میں پرائمری تعلیم کے نصاب پر غور وخوض کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ۱۹۶۹ء میں اس وقت کی متحدہ محاذ حکومت نے ہی سہج پاٹھ کتاب کو

حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ سہج پاٹھ حصہ اول اور حصہ دوم کی معاون درسی کتابوں کی حیثیت سے کلاس I اور II کے لئے ایشور چندر ودیا ساگر کی کتاب بورنو پریچے حصہ اول اور دوم' رائج کی جائے۔ چنانچہ مغربی بنگال میں تعلیمی اداروں کے تمام سربراہوں کو یہ ہدایت دی گئی کہ وہ ان دونوں کتابوں کو متعلقہ کلاسوں کے لئے فوری طور پر تاحکم ثانی درسی کتابوں میں شامل کرلیں"۔

اس طرح ۱۹۸۱ء سے بنگلہ سیکھنے کے لئے ان دونوں کتابوں کو مذکورہ اعلانیہ کی رو سے کلاس I اور II کے لئے درسی کتابوں میں شامل کرلیا گیا۔ سرپرستوں کو اپنے بچوں کے لئے مذکورہ دونوں کتابیں خریدنی پڑیں اور سہج پاٹھ' جو معاون درسی کتاب کی طرح استعمال کی جارہی تھی' حکومت کی طرف سے مفت فراہم کی جانے لگی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ سہج پاٹھ کتاب' زبان کی ندرت اور تنوع' نظم کی روانی اور ترنم' خیالات کی گہرائی اور تصور کی وسعت کے لحاظ نہ صرف بچوں کے لئے بلکہ کسی بھی قاری کے لئے بہت ہی اچھی کتاب ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں ابتدائی تعلیم سے وابستہ لوگوں کے خیالات' بہت سارے ماہرین تعلیم اور سرپرستوں کے تجربات' حقائق' حکومت کے مذکورہ بالا اعلانیہ اور نئی کتابوں کی اشاعت کے لئے نصاب کمیٹی کی سفارشات اس بات کی وضاحت کرتی ہیں کہ ہمارے ملک کے تعلیمی لحاظ سے پسماندہ طبقہ کے بچوں کے لئے سہج پاٹھ کتاب موزوں نہیں ہوسکتی۔

بنگلہ زبان سیکھنے کے لئے مختلف مرحلوں میں سہج پاٹھ کتاب میں جو کمی رہ گئی تھی' اسے مشہور و معروف اساتذہ جیسے رابندرناتھ ٹیگور کشتی موہن سین وغیرہ اور برہمچاریہ آشرم کے طلبا کے سرپرست پورا کرسکتے تھے' لیکن ہمارے روایتی پرائمری اسکولوں میں پڑھانے والے بہت سارے معلموں سے اس بات کی امید نہیں کی جاسکتی کہ مذکورہ بالا اساتذہ کی طرح پڑھانے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ ایسے حالات میں مذکورہ بالا تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت نے درسی کتابیں مرتب کرنے کے سلسلہ میں ابتدائی تعلیم کی نصاب کمیٹی کی سفارشات کو بہت ہی معقول اور قابل عمل سمجھتی ہے۔ درس تدریس کو دلچسپ اور مؤثر بنانے کے لئے درسی کتاب کے متن میں جہاں تک قابل عمل ہوسکے بچے کی فطری امیدوں اور تمناؤں اور اس کے قدرتی اور سماجی ماحول کے درمیان اتفاق ہونا چاہیئے۔ رابندرناتھ ٹیگور نے خود' جاندار سماجی ماحول کے نقطۂ نگاہ سے سہج پاٹھ کے لئے مضامین کا انتخاب کیا تھا۔

اس پس منظر میں تعلیم کی توسیع کے مدنظر ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ پرائمری تعلیم کی نصاب کمیٹی کی سفارشات کی بنیاد پر ایک نئی کتاب شائع کی جائے اور اسے پرائمری اسکول کے نصاب میں شامل کیا جائے۔ اس کتاب کے لئے رابندرناتھ کی نظمیں اور کہانیاں کے لئے مضامین' نیز ملک کے بچوں کے ادب کے مصنفوں کے مضامین درج ہوں گے۔ نیز ایسی کتاب مرتب کرتے وقت بچوں کی اکثریت کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے پرائمری ٹیچروں کے تجربات کو تسلیم کرتے ہوئے' انھیں بروئے کار لایا جائے گا اور زبان سیکھنے کے لئے سائنسی طریقہ کو اپنایا جائے گا۔ یہ نئی کتاب ۱۹۸۲ء کے تعلیمی سال سے رائج کی جائے گی اور سہج پاٹھ درسی کتاب رہے گی اور گزشتہ سال کی طرح اسے بلاقیمت طلبا کو فراہم کیا جائے گا۔

بقیہ:- صفحہ ۱۲ کا

اب بازار تک ہی محدود رہے۔ معاشی لحاظ سے دستکاروں کو مایوسی کا سامنا کرنا پڑتا ہے تب وہ دستکاری کو چھوڑ کر دوسرے کام سے لگ جاتے ہیں جہاں انھیں بسر اوقات کیلئے روزگار فراہم ہوجاتا ہے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ قبائلی سماج میں تخلیقی آرٹسٹوں' دستکاروں اور کاریگروں کی تعداد تیزی سے کم ہوتی ہے۔

قبائلیوں کے فن اور کاریگری کے جمالیاتی اور معاشی دونوں پہلوؤں پر مساوی غور وخوض کرنا چاہیئے۔ کیونکہ ان دونوں کی بہتری کے ذریعہ ہی ان کے معیار زندگی میں بہتری لاسکتے ہیں۔ بنائی' پتھر پر نقاشی' رسیاں' ملبوسات کی تیاری' چاندی اور دیگر دھاتوں کے کام۔ ان تمام دستکاریوں کے احیاء اور ان کی ترقی سے ہی قبائلی حیثیت کو بحال کیا جاسکتا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ قبائلی آرٹس اور دستکاری' قبائلیوں اور غیر قبائلیوں دونوں کے لئے ایک صحت مند سماج تعمیر کرنے میں معاون ثابت ہوں گی۔ اس لیے یہ حکومت کا فرض ہے کہ وہ قبائلی دستکاروں کو اس حقیقت سے روشناس کرائے ورنہ قبائلیوں کی دستکاری' ان کی تنظیم' یا کوآپریٹو کو بہت ہی شدید بحران کا سامنا کرنا پڑے گا اس کے ساتھ ساتھ اس کی وجہ سے ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ قبائلی فن اور دستکاری کی بہتری کے لئے اب تک جو ... رہا ہے۔ وہ بے سود ہوجائے۔

پوشیدہ زمینوں کی تلاش

از :- سُومین بندھو پادھیا

مشہور "آپریشن بوگر" پروگرام سے متعلق لوگوں میں مختلف ردعمل ہوئے
۔ لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس پروگرام نے تقریباً دس لاکھ بٹائی داروں کے
یں حقوق کا تحفظ کیا ہے اُن کے اندر اپنی اہمیت کا احساس پیدا کیا ہے اور
ن کی دکھ بھری زندگی کو مسرت آشنا کیا ہے۔ حکومت بائیں محاذ اس کو ایک بڑی
امیابی سمجھتی ہے۔

اس کامیابی کے بعد ریاستی حکومت نے اب پوشیدہ زمینوں کا پتہ
لگانے کا فیصلہ کیا ہے۔ حکومت زمین کی مقررہ انتہائی حد سے زائد زمینوں کی ملکیت
حکومت کو حاصل ہونے اور اُن کی تقسیم کے کام کی رفتار سے مطمئن نہیں ہے۔ اس
ضمن میں ۳۰ رجون ۱۹۸۰ء تک ۱۱۹۷۰۳۱۵ ایکڑ زرعی زمینوں کی ملکیت حکومت
کو حاصل ہوئی اور ۶۵۰۸۰۳۱۱ ایکڑ زمین تقسیم کی گئی۔ اگرچہ یہ اعداد و شمار دوسری
ریاستوں کے مقابلہ میں قابل تعریف ہیں تاہم ریاستی حکومت ان سے مطمئن نہیں
ہے۔ حکومت کو یقین کامل ہے کہ اور بھی زیادہ منظم اور بھرپور کوششوں سے مزید پوشیدہ
زمینوں کا پتہ چلے گا اور اُن کی تقسیم کا کام بھی زیادہ تیزی سے ہونے لگا۔

قانونی دشواریاں

زمین کی مقررہ انتہائی حد سے زیادہ زمینوں کا پتہ لگانے میں سب سے پہلے موجودہ قوانین کی وجہ سے دقتیں درپیش ہوتی ہیں۔ مغربی بنگال حصول املاک ایکٹ مجریہ ۱۹۵۳ء کے تحت درمیانی اشخاص کو کسی ۲۵ ایکڑ زمین اپنے قبضہ میں رکھنے کی اجازت ہے۔ مزید برآں ان کو کسی ۲۰ ایکڑ غیر زراعتی زمین نیز مکان بنانے کے لئے زمین بھی اپنے قبضہ میں رکھنے کی اجازت ہے۔ علاوہ ازیں پھلوں اور چائے کے باغات اور مچھلی پالن کے لئے تالابوں کی زمینیں مقررہ انتہائی حد سے مستثنیٰ ہے۔

بصورت موجودہ اس ایکٹ میں بہت سی خامیاں ہیں جن کا کوئی بھی زمیندار آسانی سے ناجائز فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ زمینداروں نے زمین کی مقررہ انتہائی حد کے قواعد سے بچنے کے لئے بہت سے طریقے نکال لئے ہیں۔ اولاً تو اس
ہے

بات کا پتہ چلانا مشکل ہوتا ہے کہ کس زمیندار کے قبضہ میں مقررہ حد سے زیادہ زمین ہے اور دوئم یہ کہ بڑی تعداد میں زمینوں کی منتقلی ہونے لگی ہے۔ این۔ کے۔ باسو اور سایس کے بٹاچاریہ کے ۱۹۶۳ء میں اور نظامت کاغذات آراضی اور اور سروے کے ۱۹۶۹ء میں لئے گئے جائزوں سے معلوم ہوا کہ مذکورہ ایکٹ کے پاس ہوتے ہی نیز اس قانون کے وضع ہونے سے پہلے بھی بڑی تعداد میں زمینوں کی منتقلی عمل میں آئی۔

زمینیں بیویوں، بیٹوں، رشتہ داروں کے حق میں منتقل کی گئیں اور بڑی تعداد میں جعلی انتقال زمین کے بھی واقعات ہوئے۔ یہاں جعلی انتقال زمین کی ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ مناپور میں ایک شخص کا نام کاغذات میں ۱۲۵ ایکڑ زمین کے مالک کی حیثیت سے درج تھا۔ جانچ کے بعد معلوم ہوا کہ اُسے اس کا کوئی علم ہی نہیں تھا۔

اس ایکٹ میں ۱۹۵۴ء میں یہ ترمیم کی گئی کہ ۵ رمئی ۱۹۵۳ء اور ضم ہونے کی تاریخ کے درمیان کی گئی غیر حقیقی منتقلی کو مسترد کیا جا سکتا ہے۔ لیکن ترمیم بھی بے سود رہی اور ۵ رمئی ۱۹۵۳ء سے پہلے زمینوں کے غیر رجسٹرڈ بیعناموں کے دقوع پذیر ہونے کی روک تھام کرنے میں ناکام رہی کیونکہ ان بیعناموں میں اس امر کی صراحت کردی جاتی تھی کہ مذکورہ تاریخ سے قبل منتقل الیہ سے زمینوں کی منتقلی کا اقرارنامہ ہوچکا تھا۔ جبکہ زرعی ایکٹ زرعی زمین کے بندوبست کے لئے رجسٹریشن لازمی نہیں تھا اور زمینوں کے غیر رجسٹرڈ بیعناموں کو یکسر مسترد نہیں کیا جا سکتا تھا۔

وراثت کے ہندو قانون یعنی متاکشرا کچھ بڑے زمینداروں کو غیر حقیقی انتقال زمین کے کافی مواقع فراہم کرتا تھا۔ اس قانون کے تحت متاکشرا قانون کے تحت آنے والے خاندان کا ہر باحیات رکن خاندان کے کرتا کی زمین جائیداد کا حصہ دار ہوتا ہے۔ اس طرح متاکشرا خاندان کا ہر رکن ایک زمین کی علیحدہ حد کا حقدار تھا بشرطیکہ ضم ہونے کی تاریخ کو یا اُس سے پہلے جائیداد کی تقسیم ہوگئی ہو۔ زمیندار اس طرح خاندان کے ہر ایک رکن کے لئے علیحدہ علیحدہ زمین کی مقررہ انتہائی حد کے برابر زمین قبضہ میں رکھ لیتے تھے۔

علاوہ ازیں زمیندار لوگ پھلوں کے باغات یا تالابوں کی زمینوں کے انتہائی حد سے مستثنیٰ ہونے کے قانون سے فائدہ اٹھا کر مقررہ انتہائی حد سے بچنے کا راستہ نکال لیتے تھے۔ نظامت کاغذات اراضی اور سروے۔ مغربی بنگال کے ۱۹۶۹ء میں لئے گئے سروے سے معلوم ہوا کہ ایک کیس سے ۲۰۲/۵۰

رقبہ کے ۱۵۲ قطعات اراضی کاغذات میں مچھلی پالن۔ تالاب کے طور پر درج تھی مگر ان میں سے ۱۶۸٫۸۴ ایکڑ رقبہ کے ۱۳۸ قطعات اراضی واقعتاً دھان کے کھیت پائے گئے اور اُن میں اس دھان کی فصل موجود تھی۔ ایک حالیہ جائزہ سے ظاہر ہوا ہے کہ سندر بن علاقہ میں ۵۴۰۰۰ ایکڑ زرعی اراضیات مچھلی پالن۔ تالاب کے طور پر درج ہیں۔

مزید برآں فاضل زمینوں کا پتہ لگانے کی کوششوں کو ناکام بنانے کے لئے دستور ہند کے آرٹیکل ۲۲۶ - ۲۲۷ کو بروئے کار لایا گیا۔ یہی نہیں بلکہ ماتحت عدالتوں میں بہت سے دیوانی کے مقدمات دائر کیے گئے۔ مغربی بنگال میں ۳۰ / جون ۱۹۸۰ء تک ۱۷۸۲۴۳٫۵۴ ایکڑ زمین کے رقبہ سے متعلق عدالتوں نے حکم امتناعی جاری کئے۔

دقتوں کو دور کرنے کیلئے نئی تجاویز

موجودہ دقتوں کو دور کرنے کے لئے اصلاحات اراضی سے متعلق تیسرے ورکشاپ نے جو ۱۵ - ۱۶ / ستمبر ۱۹۸۰ء کو راج بھون کلکتہ میں منعقد ہوا تھا، چند اہم تجاویز پیش کیں۔

ورکشاپ نے اصلاحات اراضی ایکٹ کی دفعہ ۱۴ پی میں یہ ترمیم کرنے کی تجویز پیش کی کہ مذکورہ ایکٹ کے ترمیمی بل میں اس بات کا صریحی طور پر ذکر کیا جائے کہ "بیعنامہ" ہبہ نامہ وغیرہ کے ذریعہ ۷ / اگست ۱۹۶۹ء اور موجودہ ترمیمی بل کی کلکتہ گزٹ میں اشاعت کی تاریخ کے درمیان زمینوں کی جو منتقلی ہوئی ہے اسے باطل قرار دیا جائے اور جن کی ملکیت کی منتقلی مقصود ہے وہ ملکیت منتقل کرنے والے رعیت کی زمین، اس کے تصرف سے جو زمینیں ان کا مجموعی رقبہ کا حساب لگانے اور مقررہ انتہائی حد کے تعین کرنے کے لئے سمجھی جائے۔

ورکشاپ نے اس امر پر زور دیا کہ ترمیم کا مقصد انتقال زمین کے تمام معاملوں کو چاہے وہ کسی بھی تاریخ کے ہوں، بنیادی کی جانچ کے دائرہ اثر میں لانا چاہئے۔ اس اقدام سے حصول املاک ایکٹ میں جو گڑبڑی پیدا ہوئی ہے، اسے ختم کرنے میں مدد ملے گی۔ ورکشاپ نے یہ بھی تجویز پیش کی کہ بنیادی انتقال ثابت ہوجانے پر جو زمین منتقل کرنے والے کو واپس مل جائے اُسے ایکٹ کے تحت مقررہ انتہائی حد کے تعین کے لئے شامل کرنا چاہئے اور اس زمین کے متعلق عدالتی امتناعی احکام جاری کردیے گئے ہوں۔

ورکشاپ نے یہ تجویز بھی پیش کی کہ اصلاحات اراضی ایکٹ میں مستقل

عورتوں کے معاملوں سے نپٹنے کے لئے ترمیم کی جائے جن میں ہر مطلقہ۔ طلاق کی بنیاد پر زمین کی علیحدہ علیحدہ حد کی دعویدار ہوتی ہے۔

ورکشاپ نے اصلاحات آراضی ایکٹ کے جامع ترمیمی بل کے لئے کل گیارہ تجاویز پیش کیں اور یہ اُمید ظاہر کی کہ اگر یہ تمام تجاویز منظور کرلی گئیں تو کم سے کم امکانی مدت میں کم سے کم دس لاکھ ایکڑ زمینوں کی ملکیت کے حقوق حکومت کو حاصل ہو جائیں گے۔

اس امر کے پیش نظر زمینوں کی ملکیت کے حکومت کو حاصل ہو جانے ہی سے تمام تر مقصد پورا نہیں ہو سکے گا حاصل ہونے والی زمینوں کی سریع تقسیم کے سوال پر بھی ورکشاپ میں غور و خوض کیا گیا۔ ورکشاپ کی رائے میں ایسی زمینوں کی سریع تقسیم میں مندرجہ ذیل رکاوٹیں سدراہ ہیں۔

(۱) بلاک سطح اصلاحات آراضی مشاورتی کمیٹی کی سفارشات کے بعد الاٹمنٹ کی منظوری میں غیر معمولی دفتری تاخیر۔

(۲) پٹہ کی تیاری اور تقسیم میں تاخیر۔

(۳) مستقل کمیٹیوں کی میٹنگوں میں کورم کی کمی نیز بہت کم میٹنگوں کا انعقاد۔

(۴) ایسی میٹنگوں میں کورم ہونے کے باوجود بہت کم زمینوں کی تقسیم کی سفارش

(۵) حسب ذیل معاملوں میں ترجیحی فہرستوں کو قطعی کرنے سے دقتیں۔

(اے) دفتر کے ذریعہ تیار کردہ ترجیحی فہرستوں میں مستقل کمیٹی کے ذریعہ ترمیم یا ردو بدل۔

(بی) مستقل کمیٹی کے ذریعہ متبادل اور / یا اضافی فہرستوں کی تیاری میں تاخیر۔

(سی) بہت سے مستحق افراد میں سے چند مستحق افراد کے انتخاب میں پس و پیش۔

(۶) ایسی زمینوں کی تقسیم کے بارے میں جو کھیتی باڑی کے لئے ناموزوں سمجھی گئی ہیں۔ سفارش کرنے میں مستقل کمیٹی کا پس و پیش۔

بلاشبہ پوشیدہ زمینوں کا پتہ لگانا، اُن کی ملکیت کا ضم ہونا اور اُنکی تقسیم اصلاحات آراضی کے خاص مسائل ہیں اب تک نوکر شاہی ہی تمام تر ان کاموں کو کرتی ہے لیکن نوکر شاہی کے سست اور مجہول طرز عمل کی وجہ سے حکومت کی اس خواہش کی تکمیل میں رکاوٹ ہو رہی ہے کہ پورے طریقہ کار کو سریع بنایا جائے۔ شری کاڈی. بندو پادھیا' اصلاحات آراضی کمشنر نے خود اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ "نوکر شاہی کے لئے کسی ایسی کارروائی یا قانون کے خلاف تعصب برتنا فطری امر ہو جاتا ہے" جس کا مقصد جائیداد کے موجودہ قوانین وضع ابلا میں ردو بدل کرنا ہوتا ہے۔ نوکر شاہی کے اس رویہ میں تبدیلی لانے

میر کی شاعری

سید احمد قادری

میر کے شعر جو زمین کی وسعت سے سادہ مضامین دلوں میں اتر جانے والے ہوتے ہیں۔ اور یہی وہ اوصاف ہیں جو میر کو انفرادیت بخشتے ہیں۔ مثال کے لئے چند اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

نازکی اس کے لب کی کیا کہئے
پنکھڑی اک گلاب کی سی ہے

مجھے کام رونے سے اکثر ہے ناصح
تو کب تک مرے منہ کو دھوتے رہیگا

ہم تو ناکام ہی جہاں میں رہے
یاں کبھو اپنا مدعا نہ ہوا

مت ڈھلک مژگاں سے اب تو اے سرشک آبدار
مفت ہی جاتی رہے گی تیری موتی کی سی آب

پھرتے ہو میر صاحب سب سے جدا جدا تم
شاید کہیں تمہارا دل ان دنوں لگا ہے

الٹی ہو گئیں سب تدبیریں کچھ نہ دوا نے کام کیا
دیکھا اس بیماری دل نے آخر کام تمام کیا

عہد جوانی رو رو کاٹا پیری میں لیں آنکھیں موند
یعنی رات بہت تھے جاگے صبح ہوئی آرام کیا

پتا پتا بوٹا بوٹا حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے باغ تو سارا جانے ہے

ایسے نہ جانے خوبصورت اور سادہ اشعار کہہ کر میر نے اپنی روایت

کو قائم کیا اور یکے بعد دیگرے [illegible] اپنے ہم عصر شعراء مثلاً مرزا محمد رفیع سودا، خواجہ میر درد، مرزا جان جاناں مظہر، مصحفی، انشاء اللہ خان انشاء، قائم، سوز اور حاتم جیسے اساتذہ شعر کو بہت پیچھے چھوڑ دیا اور اپنے [illegible] غزل گوئی کا ایک خاص اور منفرد مقام بنایا۔ یوں تو میر نے مرثیہ، مثنوی، رباعی، قصیدہ، مسدس، مستزاد، ترجیع بند، ترکیب بند لکھا ہے اور اس وقت جیسے مختلف اصناف شاعری پر طبع آزمائی کی لیکن جو مقام میر کو حاصل ہوا وہ ان کی غزلوں کی بنا پر ہے۔ اور [illegible] اردو شاعری میں ان سے زبردست غزل گو نہ کوئی پیدا ہوا ہے نہ ہوگا۔

میر کی بے مثال غزل گوئی کا اعتراف غزل کو نیم وحشی صنف سخن کہنے والے ناقد کلیم الدین احمد نے بھی کیا ہے [illegible] میں فرماتے ہیں۔ "سوز و گداز سے میر کی چھاتی جلا کرتی ہے" اسی وجہ سے میر کی شاعری [illegible] ایک شعلہ رقصاں ہے۔

آج کل بے قرار ہیں ہم بھی
بیٹھ جا چلنے یار ہیں ہم بھی

آن میں کچھ ہیں آن میں کچھ ہیں
تحفۂ روزگار ہیں ہم بھی

نالے کر یو سمجھ کر اے بلبل
باغ میں یک کنار ہیں ہم بھی

کیسی [illegible] کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ اس طرح [illegible] پاکیزگی اور ترنم کے ساتھ بیان ہے۔ جب میر اپنے جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ایسے جذبات [illegible] طور پر [illegible] ان کے اشعار میں ایک [illegible] انگیز سادگی پائی جاتی ہے [illegible] میں وہ اپنے [illegible] احساسات اور تاثرات کو [illegible] اور جامعیت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اور ان کے شعر [illegible] ایسا ترنم [illegible] ہے کہ گویا ان میں روح موسیقی [illegible] ایسا جادو بھر دیتے ہیں کہ جس سے دل پر گہرا اثر ہوتا ہے [illegible] الفاظ کی ترتیب [illegible] جو بول چال میں مستعمل ہے۔ یہ [illegible] ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا کوئی باتیں کر رہا ہے [illegible] گریباں گیر ہو جاتی ہیں [illegible] کو احساس کرتی

خاص بات نہیں لیکن ان کے میل سے ایک عجب سحر پیدا ہو جاتا ہے:

[illegible] سے مجھے میر کی طرف [illegible]
تعالیٰ کو ہم ان کی جانب متوجہ ہونا پڑا [illegible]
عالمگیر مقبولیت کا حامل بتایا ہے [illegible] "میر کا عالمگیر تصور [illegible]"
کے تحت لکھتے ہیں "میر کے [illegible] آنسوؤں میں [illegible]
دوستوں اور گھرانوں کا اندازہ ہوتا ہے میر کے [illegible]
ہواؤں کی سنسناہٹ ہے" [illegible]

میر جب اپنے دل پر ہاتھ رکھتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ [illegible]
انسانیت کے دل پر ہاتھ رکھا ہے [illegible]

لیکن ان تمام خوبیوں کے ساتھ ساتھ میر کے کلام کو پڑھنے کے بعد یہ
احساس بڑی شدت سے ہوتا ہے کہ میر کا مطالعہ و مشاہدہ بہت
ہی محدود دائرہ تک مخصوص تھا۔ اکثر و بیشتر ان کے کلام میں درد و غم کے نغمے
ہی پائے جاتے ہیں اور جب کبھی میر نے اپنے اس محدود مخصوص دائرہ
سے باہر نکلنے کی کوشش کی ہے۔ انہیں بری طرح ناکامی کا سامنا کرنا پڑا
ہے۔ مثلاً ایک جانب میر [illegible]

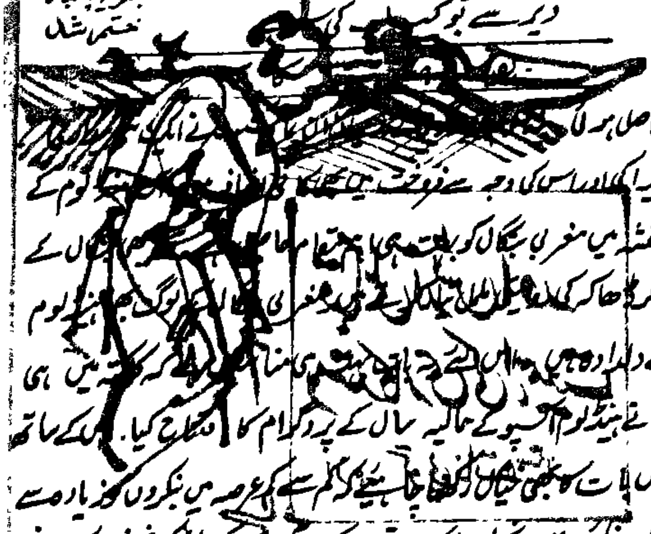
[illegible] حباب کی سی ہے [illegible]
[illegible] نازکی اس لب کی کیا کہیے
[illegible] ایک گلاب کی سی ہے
جیسے بے پناہ اور [illegible] مخصوص رنگ کی شاعری [illegible]
انہوں نے [illegible]
[illegible] خیال ہے [illegible]
[illegible] آتش غم میں دل بھنا شاید
دیر سے بو کباب کی سی ہے
جیسے [illegible] اور رعنائیوں سے پر شاعری [illegible]
بھی محروم نہیں رہ سکتا۔ لیکن ان تمام تعریفوں کے باوجود
میر کی شاعری کے متعلق کسی کی یہ رائے کہ [illegible] نہایت بلند و [illegible]
بلاشبہ میر کے خیال میں صحیح ہے کیونکہ

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کارگہ شیشہ گری کا

جیسے اشعار کہنے والے شاعر کے یہاں ایسے اشعار بھی اکثر مل جاتے ہیں کہ

آتش غم میں دل بھنا شاید
دیر سے بو کباب کی سی ہے

بشکریہ پاسبان
ختم شد



حاصل ہو [illegible]
پیدا کیا اور اس کی وجہ سے [illegible] قوم کے
نقشہ میں مغربی بنگال کو بھی [illegible]
[illegible] کے
کے [illegible] قوم
[illegible] ہی
نام نے ہندو قوم [illegible] سال کے پروگرام کا افتتاح کیا۔ [illegible] کے ساتھ
اس بات کا بھی خیال رکھا جانا چاہیے کہ کم سے کم عرصہ میں بنکروں کو زیادہ سے
زیادہ فائدہ پہونچے اور اس مقصد کی برآوری کے لئے کوششیں کی جانی
چاہئیں۔ [illegible]

[illegible] مجھے
اس تقریب میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے مجھ سے قبل [illegible]
[illegible] شرکت کرنے کی دعوت [illegible]
کی وجہ سے [illegible]
شرکت کرنے کی دعوت [illegible] قبول کر لیا۔ مجھے [illegible]
بڑی خوشی [illegible]
و بہبود اور ان کی سرگرمیوں [illegible]
کے [illegible]
[illegible]
[illegible]

[illegible] پوشیدہ زمینوں کی تلاش

کے لیے منعقدہ جدید کاری کیمپوں سے بھی کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد [illegible]
لہذا یہ ضروری ہے کہ [illegible]
زمینوں [illegible]
کریں گے [illegible]
زمین کو [illegible]
[illegible]



قبائلی آرٹس اور دستکاری کی اہمیت

از:۔ گوپی ناتھ سین

مغربی بنگال کے قبائلی آرٹ اور دستکاری کو صرف آرٹ برائے آرٹ نہیں کہا جا سکتا، کیونکہ یہ دونوں قبائلی لوگوں کی زندگی اور ثقافت سے وابستہ ہیں۔ قبائلیوں کے خیال میں آرٹس اور دستکاری ان کی زندگی کے فنکشنل ہیں، کیونکہ ان کی بسر اوقات ان پر منحصر ہیں۔ مجموعی طور پر قبائلی آرٹسٹ ہوتے ہیں۔ ان کے لئے آرٹ اور دستکاری کی ایک الگ افادیت ہے، کیونکہ جس مقصد کے لئے آرٹ اور دستکاری کی مصنوعات تیار کی جاتی ہیں، اسی مقصد کے لئے وہ کام میں آتی ہیں۔ قبائلی آرٹس اور دستکاری کو دیسی آرٹ کہنے کی جگہ عوامی آرٹس کہا جا سکتا ہے۔

قبائلی آرٹس کو چار حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے (۱) بصری یا ترسیمی (گرافک) آرٹس، (۲) اطلاقی آرٹس، (۳) موسیقی، ناچ اور ناٹک اور (۴) زبانی ادب۔ دستکاری کو تخلیقی یا اطلاقی آرٹس کہا جاتا ہے اور اس کی مصنوعات آرٹسٹ کے ذہنی اپج اور فنی کمال کو منعکس کرتی ہیں۔ قبائلی آرٹس اور دستکاری میں سادگی ہوتی ہے، ان میں حقیقت کا پرتو ہوتا ہے اور ان میں ان کی زندگی کی جھلک نظر آتی ہے۔

قبائلی آرٹس اور دستکاری میں آرٹسٹوں اور دستکاروں کی آزاد سوچ بچار، ہوشیاری اور تخلیقی قوت کارفرما ہوتی ہے۔ مغربی بنگال کے قدیم آلات، اوزار، ہتھیار، پینٹنگس، ملبوسات اور دیگر تمام اقسام کی دستکاریوں میں ہندوستان کے دیگر آدی باسی لوگوں کے مقابلہ میں مغربی بنگال کی قبائلی مصنوعات میں بہت ہی کم مشابہت ہے۔

مغربی بنگال میں استخراجی قدیم آرٹ کے بہت سارے نمونے آج بھی پائے جاتے ہیں۔ ہمیں اس بات کو یاد رکھنی چاہئے کہ بہت سارے قبائلیوں کو ذاتوں میں ضم کر لیا گیا ہے یا انھیں ذاتوں سے وابستہ کر لیا گیا ہے۔ اب وہ دستکاروں کی ذات کی حیثیت سے زندگی گزارتے ہیں۔ دوسری طرف ہندو مذہب کے مسلک اور مذہبی رسومات میں کبھی کبھی مذہب کی بہت ہی قدیم ابتدائی رسومات کو بھی شامل کر لیا جاتا ہے اور اس طرح مذہبی آرٹ میں اس انضمام کا عکس نظر آتا ہے۔ غیر ویدیائی اور غیر رسمی ہندو اعتقادات اور مذہبی طریقہ کار کے زیر اثر مسلک اور مذہبی رسومات کا پورا نظام رسوم پرستی کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ یہ باتیں ہمیں مقامی دیوی دیوتاؤں کی تصویریں لکڑی پر منقش اور پیتل کے مجسموں میں صاف نظر آتی ہیں۔ یہ سب یا تو ہندو ثقافت کے بہت ہی واضح نمونوں سے اخذ کئے گئے ہیں یا انھیں قدیم قبائلی مسلک سے منسلک کیا جا سکتا ہے۔

مغربی بنگال میں قبائلی لوگوں کی تیار کردہ مصنوعات میں آدی باسی آرٹس اور دستکاری کا عکس نظر آتا ہے۔ بھوٹیاؤں کے دیومالا کے اژدھے کی شکل کے لکڑی کے نقاب، لیپچاؤں کے خوش رنگ اور مزین دستکاری او رخیمہ ضلع دارجلنگ میں بہت ہی مشہور رہا ہیں۔ اس طرح ضلع بانکوڑا میں قبائلیوں کے مٹی کے کھلونے ہاتھی گھوڑے کافی مشہور رہیں۔ قبائلی لوگ مہوا اور برگد کے درختوں کے نیچے اپنے دیوتاؤں کی پوجا کرتے وقت انھیں ان کھلونے کا نذرانہ پیش کرتے ہیں سنتھالوں اور بھومی جاؤں کی لوک پینٹنگس ہیں جادو پٹیا، یعنی کرپچ پر پینٹنگس اور ڈوکرا دھات کی ڈھلائی میں قدیم آرٹس اور دستکاری کی خصوصیات نمایاں ہوتی ہیں۔ اس ریاست میں سنتھالوں کی تعداد زیادہ ہے۔ ان کا اپنا ایک الگ خصوصی آرٹس اور دستکاری ہے، جس کی بابت یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں دیگر قبائلی لوک آرٹ و دستکاری کے مقابلہ میں ابتدائی افادیت قدیم وضع اور امتیازی خصوصیت کی زیادہ جھلک نظر آتی ہے۔ ذیل میں ان کے آرٹس اور دستکاری کی چند مثالیں درج ہیں، جن میں ان کی قدیم خصوصیت نظر آتی ہیں۔

(۱) ٹوٹکو (Totko) یہ ایک لکڑی کی گھنٹی ہے جسے گائے یا بیل کی گردن سے لٹکا دیا جاتا ہے۔ یہ گھنٹی ڈا کا لکڑی سے بنتی ہے۔

(۲) چاندی کے زیورات — ہاسلی (گلہ کا ہار)، جھجر (گلہ کی زنجیر)، باز و (بازو بند) بالا (کنگن)، بانکی (پازیب)۔

(۳) موسیقی کے آلات ـــــ تمک (نقارہ)، تمدک (ڈھول)، ڈھاک (لمبا ڈھول)، ٹیر تیو (بانس کی بانسری)، بنم (نرا تلن کی طرح ایک ساز جسے ناریل کے خول سے تیار کیا جاتا ہے) رنگڑا (ایک قسم کا ڈھول) اور بوانگ (ستار نما ساز)

ڈاکٹر دیریئر الیون نے اپنے ایک مضمون بنام 'قبائلی آرٹ' میں سنتھالوں کی کاریگری کی بہت ہی واضح تصویر کھینچی ہے۔ اس مضمون کو حکومت ہند نے 'آدی باسی' نام کی کتاب میں شائع کیا ہے۔ اس مضمون میں مصنف یوں رقمطراز ہیں: سنتھال اپنی شادی بیاہ کے موقعہ پر ان پالکیوں کی طرف خصوصی دھیان دیتے ہیں جن میں دولہا اور دلہن کو گھر گھر لے جایا جاتا ہے۔ وہ لوگ پالکیوں کی لکڑیوں میں نقش نگار بناتے ہیں یا ایسا بھی ہوتا ہے کہ پہلے لکڑیوں کو تراش کر انھیں نقش و نگار سے مزین بنایا جاتا ہے۔ پھر ان منقش لکڑیوں سے پالکیاں بنائی جاتی ہیں۔ دستکار اس کام کے لئے بسولا اور تیشہ اور ایک قسم کی داو، استعمال کرتے ہیں۔ یہ نقش و نگار شادی کے جذبہ رفاقت اور خوشیوں کے مظہر ہوتے ہیں، ساتھ ہی ان سے یہ بھی مراد ہوتا ہے کہ شادی شدہ جوڑوں کو اولاد کی خوشیاں نصیب ہوں۔ ان نقش نگاری میں منبت کاری بھی ہوتی ہے اور کبھی کبھی مرد عورت یا جانوروں کی ملاقات کا منظر بھی پیش کیا جاتا ہے۔ مثلاً ایک گائے دوسری گائے کو خوش آمدید کہتی ہے، دونوں کے سر ایک دوسرے سے ملے ہوتے ہیں، دو دوست آپس میں گلے مل رہے ہیں، بندر پنجہ سے پنجہ ملا کر ایک دوسرے کو خوش آمدید کہتے ہیں زرخیزی کی علامتیں بھی منقش کی جاتی ہیں جیسے گائے اپنے بچھڑے کے ساتھ، چڑیاں اپنے بچوں کے ساتھ، اپنے بچہ کو دودھ پلاتی ہوئی عورت، حاملہ عورت وغیرہ۔ ہر منقش تصویر کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پالکی اور شادی کو مقدس بنادیا جائے۔ قبائلی آرٹس اور دستکاری تصنع سے پاک ہوتی ہیں۔ ان میں خلوص اور وقار ہوتا ہے یہ سماجی، مذہبی ثقافت کی علامت ہوتی ہیں۔

ہم لوگ سنتھال کے فن اور ہنر کا نمونہ خود ان کی کٹیا میں دیکھتے ہیں۔ سنتھال اپنی کٹیا کی دیواروں کو بہت ہی خوشنما اور جاذب نظر پینٹنگس سے مزین کرتے ہیں۔ فطرت اور فطرتی چیزوں سے ان کے فنکارانہ شعور کا نشو و نما ہوتی ہے۔ وہ اپنی مصوری میں خاص طور سے تین رنگ کالا، زرد اور لال، استعمال کرتے ہیں۔ ان تین رنگوں کی آمیزش سے وہ اپنے گھروں کی دیواروں پر بہت ہی خوش رنگ اور خوشنما تصویریں بناتے ہیں۔ وہ سب لکڑی کے کوئلہ سے کالا رنگ، زرد مٹی سے زرد رنگ اور لال مٹی سے لال رنگ تیار کرتے ہیں۔ ان کے گھروں کی مزین دیواروں اور ان کی پینٹنگس قبائلی فن اور ہنر کے نمونے ہوتے ہیں۔

مغربی بنگال میں ضلع مدنا پور کے مہالی ٹوکری ساز قبیلہ کے نام سے مشہور ہے۔ ڈاکٹر بی کے رائے چودھری نے اپنے ایک مضمون بنام 'مہالی، مغربی بنگال کا ٹوکری ساز قبیلہ' جسے کلچرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ بلیٹین (جلد ۲ شمارہ ۱ صفحہ ۳۲) میں شائع کیا گیا تھا، اس قبیلہ کی معاشی سماجی حالت کا بہت ہی دردناک تصویر پیش کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے "اس گاؤں کے زیادہ تر مہالی ٹوکریاں بناتے ہیں اور ان میں نفی کے برابر خاندان کھیتی باڑی بھی کرتے ہیں اور فرصت کے وقت ٹوکریاں بھی تیار کرتے ہیں۔ یہ لوگ چند میلوں کی دوری پر واقع نزدیک کے گاؤں سے ہفتہ میں ایک بار کچا بانس خریدتے ہیں اور ہر شخص ایک بانس سے ایک ہفتہ تک کام کرتا ہے۔ اس طرح ایک یا دو بانس سے ایک شخص ایک ہفتہ میں جتنی ٹوکریاں تیار کرتا ہے انھیں مقامی بازار میں فروخت کرنے سے اسے چار پانچ روپئے ملتے ہیں۔ اس طرح ایک شخص کی اوسط ماہانہ آمدنی بیس تا پچیس روپئے ہوتی ہے۔ اس رقم میں اس کی محنت اور خام اشیاء کی قیمت بھی شامل ہوتی ہے۔ اس سے اس قبیلہ کی معاشی بدحالی کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے"۔

مغربی بنگال میں ضلع پرولیا کے بھوپتی پلی میں 'برہور' اپنے بال بچوں کے ساتھ رہتے ہیں۔ یہ چیہور (ایک قسم کے ریشہ) سے رسی بناتے ہیں۔ ڈاکٹر بی کے رائے چودھری اپنے ایک اور مضمون میں برہوروں کی معاشی بدحالی کا یوں ذکر کیا ہے۔ "چیہور کی بیل ان کے گاؤں کے آس پاس آسانی سے دستیاب نہیں ہوتی۔ اس کے لئے انھیں دس میل کا چکر لگانا پڑتا ہے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ صرف آنے جانے میں دو کام کے دن ضائع ہو جاتے ہیں۔ یہی ان کی عام شکایت ہے اور اسی لئے وہ نئی جگہ میں جاکر آباد ہونا نہیں چاہتے کیونکہ پرانی جگہ کے ارد گرد انھیں چیہور فراہم ہو جاتا ہے" ان لوگوں میں یہ بات دیکھی گئی ہے کہ اگر ایک خاندان میں دو فرد کمانے والے ہوتے ہیں تو کھانے والے سولہ افراد ہوتے ہیں۔ برہور قبیلہ کی عورتیں گھریلو استعمال کیلئے اور بازار میں فروخت کرنے کے لئے تاڑ کے



پتوں سے چٹائیاں تیار کرتے ہیں۔

آج کل سرکار کے ساتھ ہی غیر سرکاری لوگوں کی طرف سے معاشی امداد اور ہمت افزائی کی کمی کی وجہ سے قبائلی آرٹس اور دستکاری اپنی شاندار روایت کھو رہی ہے۔ اگر ان کی سماجی اور معاشی حالت میں بہتری لانی ہے تو اس کے لیے پہلے ان کے آرٹس اور دستکاری کی ہمت افزائی کی جانی چاہیے اور ان کی مصنوعات کو اندرون اور بیرون ملک فروخت کرنے کا انتظام کرنا چاہیے۔

قبائلیوں کی دستکاری کے جمالیاتی اور معاشی مسائل پر بھی خصوصی غور و خوض کرنا چاہیے۔ اس بات کو کبھی بھی فراموش نہیں کرنا چاہیے کہ ان کے آرٹس اور دستکاری کی بہتری سے ان کے معیار زندگی میں بہتری لائی جا سکتی ہے قبائلی معیشت کی بحالی میں بنائی اور دھات کے کام کے احیا اور ترقی کافی معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔

مغربی بنگال میں تمام قبائلیوں کی سماجی معاشی حالت بہت ہی ابتر ہے۔ ضلع دارجلنگ میں بھوٹیا اور لیپچا قبیلے کے لوگ اپنی قدیم قسم کے کرگھے سے سوتی کپڑا تیار کرتے ہیں جو رنگ اور ڈیزائن کے لیے لحاظ بہت ہی خوشنما ہوتے ہیں، لیکن فنڈ کی کمی کی وجہ سے یہ اپنے کپڑوں کو بازاروں میں فروخت نہیں کر سکتے۔ دارجلنگ میں قبائلیوں نے چند دوکانیں کھولی ہیں جہاں وہ دستکاری کی تمام اقسام کی مصنوعات فروخت کرتے ہیں۔ ایسی چیزیں غیر ملکی سیاح بہت زیادہ پسند کرتے ہیں۔ پہاڑوں پر رہنے والے قبائلیوں میں سے کچھ تو کھیتی باڑی کرتے ہیں اور باقی کاروبار کرتے ہیں، لیکن یہ بات دیکھی گئی ہے کہ مناسب رہنمائی اور تعلیم کی کمی کی وجہ سے ان کی سماجی معاشی حالت میں بہتری لائی جا سکی ہے۔

جلپائی گوڑی ضلع میں امبھاس، اُڑاؤں اور دیگر قبیلے کے لوگ کاشتکار رہتے ہیں اور چائے باغات میں مزدوری کرتے ہیں۔ دستکاری میں بُنائی کے علاوہ اور انھیں کوئی کام نہیں آتا اور ان کے بُنے ہوئے کپڑے گھریلو استعمال کے لیے بھی ناکافی ہوتے ہیں۔

بعض قبیلے کے لوگ دستکاری میں بڑے ماہر ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر سنتھال بہت ہی اعلیٰ قسم کی چٹائیاں تیار کرتے ہیں، بھومی جی پتھر سے بہت ہی خوبصورت چیزیں بناتے ہیں، جہالی لاکھ، سے زیورات تیار کرتے ہیں بیر ہور رسہ سازی میں مشہور ہیں۔ یہ قبیلے دیسی خام اشیاء کے لیے جنگلوں پر انحصار کرتے ہیں۔ فی الحال ان کے لیے جنگلوں سے خام اشیاء حاصل کرنا بہت ہی مشکل کام بن چکا ہے، کیونکہ جن جنگلوں سے یہ خام اشیاء حاصل کرتے تھے، اب انھیں صاف کرکے وہاں صنعتیں قائم کی جا رہی ہیں دوسری طرف ان کی مالی حالت بھی اچھی نہیں ہوتی اس لیے یہ اپنے روایتی آرٹس اور دستکاری کی مصنوعات کاروباری پیمانہ پر تیار نہیں کر سکتے اس لیے ان کا یہ روایتی فن روبہ زوال ہوتا جا رہا ہے اس کے علاوہ اور بھی بہت سارے مسائل جیسے خام اشیاء کی خریداری مصنوعات کی فروخت، اور ان کی تقسیم وغیرہ ہیں جن سے یہ دوچار ہیں۔

مجموعی طور پر ہم یہ دیکھتے ہیں مغربی بنگال کی قبائلی دستکاری دھیرے

باقی صفحہ پر

کلکتہ میں قومی ہینڈلوم نمائش کا افتتاح

آج ہینڈلوم کے نقشہ میں مغربی بنگال کو نمایاں مقام حاصل ہے (صدر جمہوریہ ہند)

شری نیلم سنجیوا ریڈی، صدر جمہوریہ ہند نے حال میں کلکتہ میں قومی ہینڈلوم نمائش (ایکسپو) کا افتتاح کیا۔ صدر کی افتتاحی تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

مجھے اس بات سے بڑی خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ میں آج کی صبح اس عظیم شہر میں قومی ہینڈلوم نمائش کے افتتاح کے موقع پر آپ لوگوں کے درمیان ہوں۔ ہینڈلوم صنعت ہمارے ملک کی قدیم صنعتوں میں سے ایک ہے گھریلو صنعتوں میں سب سے بڑی صنعت ہے اور ہماری معیشت کی یہ ایک اہم ستون ہے۔ اہمیت کے لحاظ سے زراعت کے بعد ہی اس کا نمبر آتا ہے۔ اس صنعت میں ایک کروڑ سے زیادہ افراد براہ راست برسر روزگار ہیں اور اتنے ہی لوگوں کی گذر بسر کا انحصار بلا واسطہ اسی صنعت پر ہے۔ اسی لئے حکومت ہند نے بھی ہینڈلوم سیکٹر کی ترقی کو بہت ہی اعلیٰ ترجیح دی ہے۔ تمام پنجسالہ منصوبوں میں ہینڈلوم کی ترقی پر کافی زور دیا گیا ہے اور معاشی لحاظ سے نفع بخش صنعت کے طور پر ہینڈلوم صنعت کو برقرار رکھنے کے لئے بہت سارے اقدامات کئے گئے۔ ۱۹۷۶ء میں ہینڈلوم کے لئے ترقیاتی کمشنر کے ایک الگ دفتر کے قیام سے اس صنعت کے ترقیاتی پروگراموں کو کافی تقویت پہونچی۔

ہینڈلوم دیہی اور گھریلو صنعت ہے اور یہ صنعت ہندستان کے دیہی علاقوں میں پھیلی ہوئی ہے۔ اس لئے کوآپریٹو سیکٹر میں ہی یہ صنعت بہتر طور پر ترقی کر سکتا ہے۔ اس صنعت میں استحصال کے وسیع امکانات ہیں، اس لئے عام طور پر اس حقیقت کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ اس قسم کے استحصال کو ختم کرنے کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ تمام بنکر مشترکہ طور پر کوآپریٹو قائم کریں۔ چنانچہ ہینڈلوم کی ترقی میں بنکروں کی کوآپریٹو کے قیام اور اس کی ترقی کو بہت ہی اہم مقام حاصل ہے۔ جہاں تک میرا خیال ہے کہ سارے ملک میں ہینڈلوم کا صرف ۳۵ فی صد کوآپریٹو سوسائٹیاں ہیں۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہمیں اس سمت ابھی بھی بہت فاصلہ طے کرنا ہے۔

کوآپریٹو سیکٹر میں اور ہینڈلوم کارپوریشن کے تحت بنکروں کی تنظیموں کی وجہ سے پیداوار میں اضافہ ہوگا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس صنعت کے دوسرے شعبہ یعنی بازار میں مصنوعات کی کھپت کی طرف بھی دھیان دینا ضروری ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہینڈلوم کی ترقی کے مسئلہ کا مرکزی نقطہ، مصنوعات کی بازار میں فروخت ہے۔ حالیہ عرصہ تک ہینڈلوم کی مصنوعات کی فروخت کا انتظام خصوصی طور پر غیر سرکاری تاجروں اور ماسٹر بنکروں کے ہاتھوں میں تھا۔ نتیجہ میں بنکروں کو ان کی محنت کی بہت ہی کم اجرت ملتی اور نفع کا بیشتر حصہ تاجروں کی جیب میں جاتا۔ بنکروں کی کوآپریٹو کی تعداد میں بتدریج اضافہ اور ہینڈلوم کارپوریشن کے قیام سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ اب یہ دونوں ادارے ہینڈلوم کی مصنوعات کی فروخت کا بھی انتظام کرنے لگے۔ بہرحال ان میں اب بھی حسب ضروری مارکٹنگ لنک کی کمی ہے۔ میں اکثر ایسی باتیں سنتا ہوں کہ ہینڈلوم کارپوریشن اور کوآپریٹو کے پاس اسٹاک بہت جمع ہو گیا ہے اور ان کی فروخت کے مسئلہ سے دوچار ہیں۔ ہمیں اس سلسلہ میں تن دہی اور خلوص سے کام کرنا ہوگا اور اس طرح کے اقدامات کرنے ہوں گے کہ منظم ہینڈلوم سیکٹر میں تیار کردہ مصنوعات کی بہت ہی آسانی سے اور منظم طریقہ سے بازار میں فروخت ہو۔

مجھے یہ جان کر بڑی خوشی حاصل ہوئی ہے کہ گھریلو ضرورتوں کو پورا کرنے کے علاوہ ہینڈلوم کی صنعت ملک کے لئے کافی غیر ملکی زر مبادلہ بھی کما رہی ہے۔ ترقی یافتہ ملکوں میں باذوق لوگ ہندستان کے ہینڈلوم کے کپڑے کافی پسند کرتے ہیں۔ آج ہمارے ہینڈلوم کے کپڑے دنیا کے ۱۳۰ سے زیادہ ملکوں میں برآمد کئے جاتے ہیں۔ صرف دس سال قبل ہینڈلوم کپڑوں کی برآمدات کی مجموعی مالیت ۱۵ کروڑ روپئے تھی۔ لیکن گذشتہ سال تقریباً ۱۳۰ کروڑ روپئے کی مالیت کے ہینڈلوم کپڑے برآمد کئے گئے۔ اس بازار کو برقرار رکھنے کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ نئے ڈیزائن اور نئی مصنوعات کی ترقی کے لئے مسلسل کوششیں کی جائیں۔ اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ اس سلسلہ میں بھی اطلاعات حاصل کی جائیں کہ لوگوں کو کس قسم کے کپڑے، ڈیزائین وغیرہ پسند ہیں اور ان اطلاعات پر مبنی پیداواری پروگرام مرتب کئے جائیں۔

اس قسم کی قومی نمائشوں کی بھی ضرورت ہے تاکہ لوگوں کو ہینڈلوم کی مصنوعات اور ڈیزائین وغیرہ کی بابت معلومات فراہم ہوں۔ مجھے یہ جان کر بڑی مسرت حاصل ہوئی ہے کہ اس سے قبل کلکتہ، نئی دہلی، مدراس، بمبئی، بنگلور اور کباکونم میں اس قسم کی نمائشیں منعقد ہوئیں اور انھیں بڑی کامیابی

باقی ص ۹ پر

۱۹۸۱ء میں عام تعطیلات

حکومت مغربی بنگال نے ۱۹۸۱ء سال میں مندرجہ ذیل دنوں کو عام تعطیل کے دن قرار دئے ہیں۔

میلاد النبی (فاتحہ دوازدہم) ۱۹ر جنوری، نیتا جی کا جنم دن - ۲۳ر جنوری، یوم جمہوریہ - ۲۶ر جنوری، شری پنچمی - ۹ر فروری، دول جاترا - ۲۰ر مارچ، بنگلہ سال کا پہلا دن - ۱۴ر اپریل، گڈ فرائی ڈے - ۱۷ر اپریل، یوم مئی - یکم مئی، بینک اکاؤنٹس کی نصف سالہ بندی - ۳۰ر جون، یوم آزادی - ۱۵ر اگست، گاندھی جی جنم دن - ۲ر اکتوبر، درگا پوجا - ۵، ۶، ۷ اور ۸ر اکتوبر، عید الاضحیٰ - ۹ر اکتوبر، لکشمی پوجا - ۱۳ر اکتوبر، کالی پوجا - ۲۷ر اکتوبر، گرونانک کا جنم دن اور راس ناتھ کا رتھ جاترا - ۱۱ر نومبر، کرسمس ڈے - ۲۵ر دسمبر، بینک اکاؤنٹس کی سالانہ بندی - ۳۱ر دسمبر۔

نوٹ - (۱) (الف) نیگوشی ایبل انسٹرومنٹس ایکٹ کے تحت اتوار عام تعطیل کے دن ہوتے ہیں۔ (ب) اگر مسلمانوں کا کوئی تہوار مذکورہ بالا دنوں میں نہ ہو تو مسلمان سرکاری ملازمین کو مذکورہ دن کے علاوہ اس دن بھی شعبہ جاتی چھٹی دی جائے گی جس دن وہ تہوار منائیں گے۔

(ج) چونکہ ۱۹۸۱ء سال میں عید الفطر (۲ر اگست) جنم اشٹمی (۲۳ر اگست) مہالیہ (۲۷ر ستمبر) اور محرم (۸ر نومبر) اتوار کو پڑتے ہیں جو این۔ آئی۔ ایکٹ کے تحت تعطیل کے دن ہیں اس لئے ان دنوں کو عام تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

★ ایک اعلانیہ نمبر ۹۱۸۵ - الف، مورخہ ۱۳ر اکتوبر ۸۰ء میں این آئی ایکٹ کے تحت ۳۰ر جون ۸۱ء اور ۳۱ر دسمبر ۸۱ء کو عام تعطیل کا دن قرار دیا گیا ہے، لیکن ان دو دنوں ٹریزریز اور سب ٹریزریز کے دفاتر کے علاوہ دیگر تمام سرکاری دفاتر کھلے رہیں گے۔

نوٹ - (II) ۱۹۸۱ء سال میں مندرجہ ذیل دنوں میں جنہیں عام تعطیل کا دن قرار نہیں دیا گیا ہے رجسٹرار آف انشورنسیز، کلکتہ اور کلکٹر آف اسٹامپ ریونیو، کلکتہ کے دفاتر کے علاوہ ریاستی حکومت کے دیگر تمام دفاتر بند رہیں گے۔

نئے سال کا پہلا دن یکم جنوری، ربندر ناتھ کا جنم دن - ۸ر مئی درگا پوجا - ۱۰، اور ۱۱ر اکتوبر۔

نوٹ - مندرجہ ذیل دنوں میں مختلف فرقوں کے سرکاری ملازمین شعبہ جاتی تعطیل منا سکتے ہیں۔

ایسٹر سٹر ڈے (عیسائیوں کے لئے) - ۱۸ر اپریل، بودھ پرنیما (بودھوں کے لئے) ۱۸ر مئی، بیساکھی (سکھوں کے لئے) تاریخ کا اعلان بعد میں کیا جائیگا۔

نوٹ - IV چونکہ مہاویر جینتی کا دن ۱۷ر اپریل ۱۹۸۱ء کو پڑا ہے اور اسی دن گڈ فرائی ڈے بھی ہے جو عام تعطیل کا دن ہے۔ اس لئے مہاویر جینتی کے دن کو شعبہ جاتی تعطیل کی فہرست میں شامل نہیں کیا گیا ہے۔

بے مثال بہادری کے لئے انعامات

بدمعاشوں سے نپٹنے کے سلسلے میں ہمت اور بہادری کا مظاہرہ کے لئے کلکتہ پولس کی طرف سے سات افراد کو ۱۰۰ روپئے سے ۵۰۰ روپئے تک زر نقد میں انعامات دیئے گئے۔ حال ہی میں لال بازار، کلکتہ میں منعقدہ ایک تقریب میں کلکتہ پولس کمشنر نے مذکورہ افراد کو یہ انعامات تقسیم کئے۔ انعامات پانے والوں کے نام درج ذیل ہیں۔

(۱) شری گوپال چندر داس، ۲۲/۲، راجہ موہندر رار روڈ، کلکتہ ۲۶ء (۲) شری سرن سہا، ۲۲/۲۰ راجہ موہندر رار روڈ، کلکتہ، (۳) شری تورن داس، ۲۲/۲، راجہ موہندر رار روڈ، کلکتہ، (۴) شری شمیر گھوش، ۸/۲۸، راش بہاری ایونیو، کلکتہ اور (۵) شری ارون بوس، ۲۰۸، راش بہاری ایونیو، کلکتہ، (۶) شری بوکل مہتا، ۱۱/۳، جتیر بخن ایونیو، کلکتہ)

شری شمیر گھوش، شری ارون بوس اور شری رام تیواری - تینوں ایک ہی محلہ کے رہنے والے۔ کو علی الترتیب ۵۰۰ روپئے، ۱۵۰ روپئے اور ۱۰۰ روپئے بطور انعام دیئے گئے۔ انھوں نے اس سال جولائی کے مہینہ میں راش بہاری ایونیو پر واقع دوکان پر دو بدمعاشوں کو رنگے ہاتھوں گرفتار کیا جب وہ بدمعاش اس دوکان میں ڈکیتی کرنے والے تھے۔

راجہ موہندر رار روڈ کے باشی شری جی داس، شری ایس ساہا اور شری ٹی داس کو تین مسلح بدمعاشوں کو پکڑنے کے لئے فی کس ۲۰۰ روپئے بطور انعام دیئے گئے۔ بدمعاش وٹیرنیری کالج کلکتہ کے کیشیئر سے کیش بیگ چھین کر بھاگ رہے تھے۔

شری بوکل مہتا کو ۵۰۰ روپئے بطور انعام دیئے گئے شری مہتا نے ۵ر جولائی ۸۰ء کی رات کو دو گاڑی چوروں کا اپنی اسکوٹر میں پیچھا کیا اور ان میں سے ایک چور کو گرفتار کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ نیز اس کے قبضہ سے ایک چرائی ہوئی گاڑی بھی برآمد کی گئی۔

[illegible] بنگال کی پابندی۔ وزیر اعلیٰ نے ستمبر ۱۹۷۷ء کو یہ اعلان کیا کہ فصل کٹائی کے سلسلے میں صرف اسی کسان کو فصل کاٹنے کا حق حاصل ہوگا جس نے فصل اگائی ہے۔ اس سلسلے میں حکومت نے حسب ضرورت اقدامات بھی کیے۔ فصل کٹائی کے سلسلے میں حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ اگر برگدار یا بٹائی دار نے اپنے خرچ پر کاشتکاری کی ہے تو وہ فصل کا تین حصہ لے گا اور باقی ایک حصہ مالک زمین یا جوتدار کو دے گا اور جہاں مالک زمین نے سب اخراجات برداشت کئے اور برگدار نے صرف اپنی محنت دی ہے تو ایسی حالت میں مالک کو فصل کا نصف اور برگدار کو دوسرا نصف ملے گا۔ گزشتہ سات آٹھ برسوں میں حکومت کی پالیسی بڑی کامیاب ثابت ہوئی۔ حقیقی کاشتکار اپنی فصل اپنے گھر لے جاسکے اور فصل کی کٹائی نسبتاً پر امن فضا میں ہوئی۔ آپریشن برگا: برگداروں کے نام کاغذات اراضی میں درج کرنے کیلئے ستمبر ۱۹۷۸ء سے ایک نئی پالیسی بنام آپریشن برگا کو بر سر عمل لایا جا رہا ہے۔ آپریشن برگا رائج کرنے کے بعد کاغذات اراضی میں نام درج کرانے کی اوسط شرح میں ۳۰۰ فیصد کا اضافہ ہوا یہ کچھ کم اہم کامیابی نہیں ہے۔ آپریشن برگا دیہی ترقی اور بہتری کے پروگرام کا ایک اہم جزو ہے۔ اس آپریشن سے برگداروں کی ہمت افزائی ہوئی ہے اور اس طرح انھوں نے اپنا نام درج کرا کے اس زمین پر جہاں وہ برابر کاشتکاری کیا کرتے تھے کاشتکاری کرنے کیلئے اپنے حقوق کو مستحکم بنا لیا ہے۔ برگداروں کے نام کاغذات اراضی میں درج کرنے، بے زمینوں اور حاشیائی کسانوں کے درمیان حکومت کے زیر ملکیت زمین تقسیم کرنے کے ساتھ ساتھ ان غریبوں کو زرعی قرضوں کی سہولتیں بھی فراہم کی جا رہی ہیں۔



Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

MAGHREBI BENGAL

1st JANUARY

Regd. No. WB/CC-52

PRICE-12 Paise



مغربی بنگال

۱۵ر جنوری ۱۹۸۱ء

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد ۲۸	۱۵ر جنوری سنہ ۱۹۸۰ء	شمارہ ۲

مدیر اعلیٰ

ایس۔ کے سین گپتا

مدیر معاون

محمد اعظم

شرح خریداری:- سالانہ ۳ر روپئے

قیمت :- ۱۲ پیسے فی پرچہ

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے کا پتہ:-

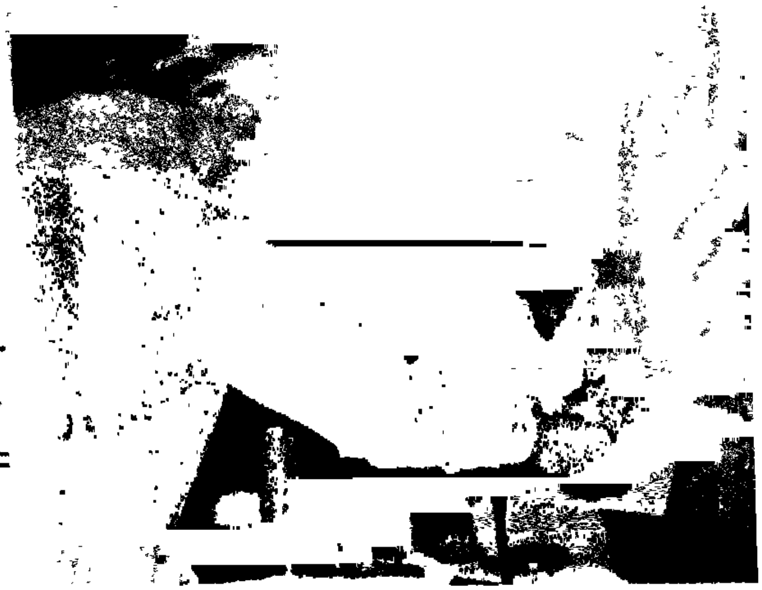
بزنس منیجر

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور،

حکومت مغربی بنگال

۱۴۳ آر۔ این مکھرجی روڈ

کلکتہ۔ ۷۰۰۰۰۱



بہادری کیلئے خصوصی انعام

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے حال ہی میں رائٹرس بلڈنگس میں شریمتی بھارتی سور کو ان کی بہادری کو سراہتے ہوئے ۵۰۰۰ ہزار روپئے کا چک پیش کیا۔ شریمتی سور نے اپنے شوہر کے قاتل کے ساتھ مقابلہ کرنے میں بے مثال جرأت کا مظاہرہ کیا۔

یہ واقعہ ۲ر اگست سنہ ۱۹۸۰ء کا ہے، جو بجدر شیو ضلع ہگلی میں رونما ہوا۔ اس علاقہ میں ایک غنڈہ بسودیب داس نے بہت عرصہ تک خوف و ہراس پھیلا رکھا تھا۔ ۲ر اگست سنہ ۱۹۸۰ء کو بسودیب نے شریمتی سور کے شوہر شری ابھیت سور کو ہلاک کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے شریمتی سور اور گھر کے دیگر افراد پر حملہ کرنے کی کوشش کی۔

پڑوس کے لوگ بھی سہمے ہوئے تھے، ان میں اس سماج دشمن شخص کی مزاحمت کرنے کی ہمت نہ تھی۔ لیکن شریمتی بھارتی سور نے ہمت کی اور اپنا دفاع کرتے ہوئے بسودیب پر ایک داؤ سے وار کیا۔ بسودیب زمین پر گر گیا۔ اس کے بعد دیگر لوگ بھی لاٹھی لیکر وہاں پہنچ گئے اور بسودیب کو پیٹنا شروع کیا تاکہ پھر وہ حملہ نہ کر سکے۔ بسودیب آخر میں مر گیا۔

از جینیفن مراٹھے

مغربی بنگال میں کام کے بدلہ اناج پروگرام

بائیں محاذ حکومت کی نمایاں کامیابی کا ایک جائزہ

کام کے بدلہ اناج پروگرام موضوع بحث بن چکا ہے اور پارلیامنٹ کے اندر اور اس کے باہر اس پروگرام پر مسلسل بحث ومباحثہ ہو رہا ہے۔ مرکز میں حکمراں پارٹی جنوری ۱۹۸۰ء سے بائیں محاذ حکومت کو بدنام کرنے اور غلط اور کبھی کبھی من گھڑت اعداد و شمار پیش کرکے دیگر ریاستوں کے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے اناج کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ مرکزی حکومت یہ دکھانے کی کوشش کر رہی ہے کہ مغربی بنگال کی حکومت نے مرکز کی ہدایت کی خلاف ورزی کی ہے اور یہ کہ ریاستی حکومت نے کام کے بدلہ اناج پروگرام کے تحت دیئے گئے ۵۰ فی صد اناج کی بابت مصرف میں لانے کا سرٹیفکیٹ پیش نہیں کیا گیا۔ اس دلیل پر جو بالکل بے بنیاد ہے (اس بات کو ہم اس مضمون میں ثابت کر دکھائیں گے) مرکزی حکومت نے مئی ۱۹۸۰ء کے بعد سے اس ریاست میں اناج کی سپلائی بند کر دی۔

ایک قومی اخبار کا نامہ نگار یوں رقمطراز ہے۔ "کام کے بدلہ اناج پروگرام کی تکمیل کے طریقۂ کار کی بابت مرکز اور حکومت مغربی بنگال کے درمیان اختلاف رائے ہے اور اس اختلاف کا شکار خود یہ پروگرام بن گیا۔"

"گذشتہ سال (۱۹۷۹ء) سپلائی کردہ اناج کا کچھ اسٹاک فاضل رہ گیا تھا۔ اس اسٹاک کے ذریعہ انتظامیہ نے کسی نہ کسی طرح اس پروگرام کو جاری رکھا۔ یہ پروگرام اس وقت تقریباً بند ہو گیا جب اسے فصل کی کٹائی سے قبل کے موسم میں زیادہ سے زیادہ روزگار فراہم کرنے کے لئے اور بھی تیزی سے چلانے کی ضرورت تھی۔ اس پروگرام کے تحت اکتوبر سے جون تک کام ہوتا ہے۔ اس پروگرام کے تحت دیہی علاقوں میں فوراً اناج بھیجنے کے لئے دیہی علاقوں سے رائٹرس بلڈنگس میں پیغامات موصول ہو رہے ہیں۔"

(انڈین ایکسپریس، ۳۰ رنومبر ۱۹۸۰ء)

ریاستی وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے مرکزی حکومت کے وزیر زراعت شری راؤ بیریندر سنگھ کو اس سلسلہ میں ایک خط لکھا جس میں انھوں نے کہا "اس سال (سنہ ۱۹۸۰ء) میں جو کچھ ہوا اسے ایک المیہ ہی کہا جا سکتا ہے۔ ہماری ریاست میں ستمبر کے وسط سے نومبر کے وسط تک کی مدت میں کھیتی باڑی کا کام نہیں ہوتا۔ چونکہ آپ نے اناج فراہم کرنے سے انکار کر دیا اس لئے گذشتہ سال (سنہ ۱۹۷۹ء) کے مقابلہ میں اس سال (سنہ ۱۹۸۰ء) دیہی علاقوں میں روزگار کے بہت ہی کم نئے مواقع فراہم کئے جا سکے۔ کام کے بدلہ اناج پروگرام کے تحت ریاستی حکومت نے گرام پنچایتوں کو نقد روپئے دے دئے، لیکن ہمیں اس سلسلہ میں مسلسل رپورٹیں موصول ہو رہی ہیں کہ بہت سارے بلاکوں میں اناج کی عدم دستیابی کی وجہ سے کام کے شروع کرنے میں دشواریاں ہو رہی ہیں"۔

اس ریاست کے لئے کام کے بدلہ اناج پروگرام کے تحت اناج فراہم کرنے سے انکار کی تائید میں مرکزی حکومت دو دلائل پیش کرتی ہے۔

(۱) ریاستی حکومت نے سپلائی کردہ ۵۰ فیصد اناج کی بابت مصرف میں لانے کا سرٹیفکیٹ داخل نہیں کیا اور (۲) ریاستی حکومت نے مرکزی حکومت کی ہدایت کے مطابق کام کے بدلہ اناج پروگرام کے تحت مختلف اسکیموں کی تکمیل کی نگرانی اور دیکھ بھال کرنے کے لئے ضلع سطح پر ضلع مجسٹریٹوں کی سربراہی میں اسٹیئرنگ کمیٹیوں کی تشکیل نہیں کی۔

مرکز کی دلیل پر روشنی ڈالنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ اس پروگرام کے پس منظر کا اختصار کے ساتھ ذکر کر لیا جائے تاکہ تمام باتوں کی

ضاحت ہو جائے۔

پس منظر :- گذشتہ تین برسوں سے مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کام کے بدلہ اناج پروگرام کو برسرِ عمل لا رہی ہے۔ ۱۹۷۷ء کے وسط میں اس وقت کی جنتا حکومت نے اس پروگرام کو نافذ کیا تھا۔ اس وقت کی مرکزی حکومت کی ہدایت کے مطابق مرکزی حکومت مرکزی اسٹاک سے اناج سپلائی کرے گی اور ریاستی حکومتیں اس پروگرام کے تحت زرِ نقد فراہم کریں گی۔ ریاست میں موجودہ معروضی حالات کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے عام ہدایت کی بنیاد پر خاص طور پر ریاستی حکومت ہی اس پروگرام کے تحت اسکیموں کو برسرِ عمل لائے گی۔ مرکز سے اس بات کی توقع کی جاتی ہے کہ وہ ان اسکیموں کی تکمیل کے کام میں مداخلت نہیں کرے گا کیونکہ دیہی ترقیات ریاستی موضوع ہے۔

کام کے بدلہ اناج پروگرام کے اہم مقاصد یہ ہیں (۱) دیہی علاقوں میں اس عرصہ میں جب کہ کھیتی باڑی کا کام نہیں ہوتا، زرعی مزدوروں کو روزگار فراہم کرنا اور (۲) مسلسل اور مستحکم بنیاد پر روزگار کے مواقع کو مزید وسعت دینے کے لئے پائیدار اثاثے (جیسے غیر مزروعہ زمین کو مزروعہ میں تبدیلی، آبپاشی، جنگل لگانا وغیرہ) کی تعمیر کرنا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس میدان میں مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت رہنمائی کی خدمات انجام دے رہی ہے۔ اس وقت کی جنتا حکومت نے بھی مغربی بنگال کے رہنما کردار کو تسلیم کیا تھا۔

اس پروگرام کی رفتارِ ترقی :- ۷۸-۱۹۷۷ء، ۷۹-۱۹۷۸ء اور ۸۰-۱۹۷۹ء (دسمبر ۱۹۷۹ء تک)

اس پروگرام پر آسانی سے بلا روک ٹوک عملدرآمد ہوتا رہا۔ بائیں محاذ حکومت دیہی آبادی کی پنچایتوں کے ذریعہ عوام کے فعال تعاون کے ساتھ دیہی ترقی کے تین پروگراموں یعنی کام کے بدلہ اناج، دیہی کام اور دیہی تعمیرات کو برسرِ عمل لا رہی ہے۔

روزگار کے مواقع پیدا کرنے اور پائیدار پیداواری اثاثے بنانے کے سلسلہ میں مذکورہ پروگرام کو بڑی کامیابی حاصل ہوئی ہے۔

پارلیمنٹ میں کئے گئے سوالوں اور ان کے جوابوں سے مرتب کردہ چند اعداد و شمار درج ذیل ہیں۔

کام کے بدلہ اناج پروگرام :-

۷۹-۱۹۷۸ء میں روزگار کے پیدا کردہ مواقع

(کام کے دن لاکھ میں)

۱) بہار	۶۹۵۴۲
۲) مغربی بنگال	۵۳۳۶۴۴
۳) مدھیہ پردیش	۴۵۰۶۰۰
۴) راجستھان	۵۰۰۶۷۴
۵) گجرات	۲۸۱۶۰۰
۶) اڑیسہ	۳۶۲۶۳۹
۷) مہاراشٹر	۱۲۳۶۰۹
۸) اتر پردیش	۲۲۳۶۲۲۰

(لوک سبھا۔ سوال نمبر ۷۹۳ کا جواب ۔ ۱۷ مارچ ۱۹۸۰ء)

مذکورہ گوشوارہ اس بات کا شاہد ہے کہ روزگار کے مواقع پیدا کرنے کے معاملہ میں مغربی بنگال دوسرے نمبر پر ہے۔

۷۸-۱۹۷۷ء سے ۸۰-۱۹۷۹ء (دسمبر ۱۹۷۹ء تک) مغربی بنگال میں روزگار کی فراہمی کے سلسلہ میں ۰۰۰۱۱۳۸۱۰۱ کام کے دن فراہم کئے گئے

(لوک سبھا، سوال نمبر ۲۱۳۸ کا جواب ۱۴ جولائی ۱۹۸۰ء)

یہ اعداد و شمار موجودہ مرکزی حکومت نے جس کی وزیرِ اعظم شریمتی اندرا گاندھی، وزیرِ زراعت شری راؤ بیریندرا سنگھ ہیں، فراہم کئے۔

اگر ہم ۷۸-۱۹۷۷ء سے لیکر ۸۰-۱۹۷۹ء (دسمبر ۱۹۷۹ء تک) کے عرصہ پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ روزگار کے نئے مواقع فراہم کرنے کے سلسلہ میں مغربی بنگال کو سب سے اعلیٰ مقام حاصل ہے۔ کام کے بدلہ اناج پروگرام کا بنیادی مقصد روزگار کے مواقع فراہم کرنا ہے۔ چنانچہ یہاں اس بات کا بجا طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے کہ اس مقصد میں ریاستی حکومت کو خاطر خواہ حد تک کامیابی حاصل ہوئی۔ لیکن اناج کے اعلان کردہ پورا کوٹہ فراہم کرنے سے مرکزی حکومت کے انکار کی وجہ سے ۸۰-۱۹۷۹ء کے بعد روزگار کے نئے مواقع پیدا کرنے کے کام میں دشواری پیدا ہوگئی۔ اس کے باوجود بائیں محاذ حکومت نے اس محاذ میں جو کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ کچھ کم اہم نہیں ہیں۔

مغربی بنگال میں کام کے بدلہ اناج پروگرام کی کامیابی کا اندازہ دیگر طریقوں سے بھی لگایا جاسکتا ہے۔

لوک سبھا میں ایک سوال (نمبر ۴۱۳ مورخہ ۱۶ رجون ۱۹۸۰ء) جواب دیتے ہوئے وزیر زراعت شری راؤ بیریندرا سنگھ نے مندرجہ ذیل اعداد و شمار پیش کیے۔

کام کے بدلہ اناج پروگرام میں فی دن کام کرنے والے لوگوں کی اوسط تعداد

	۱۹۷۹ء لوگوں کی تعداد (لاکھ میں)
مغربی بنگال	۸٫۰۰
راجستھان	۷٫۶۵
اترپردیش	۴٫۶۵
مدھیہ پردیش	۲٫۴۶
بہار	۴٫۷۲
اڑیسہ	۳٫۵۵

بہت ساری رکاوٹوں اور پابندیوں کے باوجود اس پروگرام کے تحت کام کرنے والوں کی تعداد کے لحاظ سے بھی مغربی بنگال کا نام سرفہرست ہے۔

یہاں یہ ذکر کیا جاسکتا ہے کہ صرف ایک سال کے عرصہ میں ۴۵ ہزار ہیکٹیئر یعنی ایک لاکھ ایکڑ سے زیادہ قطعات آراضی کو چھوٹے پیمانہ کی آبپاشی کے تحت لایا گیا۔ کیا اسے پائیدار پیداواری اثاثہ کی تعمیر نہیں کیا جاسکتا؟

اس کے علاوہ مغربی بنگال میں تین دیہی ترقیاتی پروگراموں کی کامیابی کا اندازہ صرف روزگار کے نئے مواقع کی فراہمی سے ہی نہیں لگایا جاسکتا۔

حال ہی میں حکومت مغربی بنگال کی شائع کردہ ایک کتابچہ میں بجا طور پر اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ روزگار کے علاوہ زرعی مزدوروں کی اجرتوں پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔ سنہ ۱۹۷۶ء اور سنہ ۱۹۷۹ء میں اضلاع میں بوائی کے موسموں میں رائج زرعی اجرت' اناج کے بدلہ زر نقد کی ادائیگی کی بابت نظامت محنت نے دوبار جائزہ لیا۔ جائزہ کے نتائج درج ذیل ہیں:-

یومیہ اجرت روپیے میں
(زر نقد اور اجناس)

	سنہ ۱۹۷۶ء	سنہ ۱۹۷۹ء
بیربھوم	۶٫۰۱	۶٫۴۴
ندیا	۵٫۶۸	۶٫۷۵
ہگلی	۵٫۷۴	۸٫۵۰
جلپائی گوڑی	۷٫۱۹	۶٫۸۰
مغربی دیناجپور	۴٫۷۹	۵٫۷۵
کوچ بہار	۶٫۰۱	۶٫۵۷
۲۴ پرگنہ	۶٫۵۸	۸٫۴۷

مذکورہ بالا فہرست سے یہ بات عیاں ہوجاتی ہے کہ سنہ ۱۹۷۶ء اور سنہ ۱۹۷۹ء کے درمیان مغربی بنگال کے اضلاع میں (ضلع جلپائی گوڑی کو چھوڑ کر) زرعی اجرتوں کی شرحوں میں اضافہ ہوا ہے۔ نیز اضلاع ہگلی اور ۲۴ پرگنہ میں اجرت کی شرح قانونی کم سے کم اجرت کی شرح (یعنی ۸٫۱۰ روپیے) سے کچھ زیادہ ہے۔ یہ اچھا اور نمایاں کارنامہ ہے جس پر بجا طور پر فخر کرنا چاہیئے۔

حکومت مغربی بنگال کی شائع کردہ اکنامک ریویو سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء (اقتصادی جائزہ) میں اس بات کا بجا طور پر ذکر کیا گیا ہے کہ اجرت کی شرح میں بہتری کی وجہ صرف یہ نہیں کہ زرعی اور اس سے متعلق شعبوں میں مزید پیداواری پروگراموں کو بروئے عمل لایا گیا بلکہ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اب زرعی مزدوروں کی سودا بازی کرنے کی قوت میں اضافہ ہوا ہے۔ اس اضافہ کی ایک اور وجہ یہ ہے کہ زرعی مزدوروں کے جائز مفاد کے تحفظ کے لیے انتظامی مشینری کے ساتھ ساتھ پنچایتیں بھی بحسن و خوبی خدمات انجام دے رہی ہیں۔

یہ تو ظاہر ہے کہ مرکزی حکومت نے جو من گھڑت دلائل کی بنیاد پر بائیں محاذ حکومت کو بدنام کرنے کے لئے منظم طریقہ سے مہم چلا رہی ہے، مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت نے جو اچھے کام کیے' ان کی تعریف میں ایک لفظ بھی نہیں کہا۔

مصرف میں لانے کیلئے سرٹیفکیٹ کی بابت اتنا شور و غل کیوں؟

اب ہم ان امور کا ذکر کریں گے جن کے سلسلہ میں مرکز بہت ہی شور و غل مچا رہا ہے۔ وہ امور یہ ہیں :-

رہنما اصولوں کے مطابق عمل نہ کرنا، اناج کو مصرف میں لانے کے سرٹیفکیٹ کا داخل نہ کرنا اور ضلع مجسٹریٹوں کی سربراہی میں ضلع سطح پر اسٹیئرنگ کمیٹیاں تشکیل کرنے سے انکار کرنا۔ وزیر زراعت شری راؤ بیریندرا سنگھ نے مغربی بنگال میں ان کی پارٹی کے لوگوں کی یکطرفہ رپورٹ کی بنیاد پر بائیں محاذ حکومت پر سیاسی کنبہ پروری کا الزام عائد کر دیا۔ لیکن ان کی وزارت نے جائے وقوع پر تفتیش کرنے کے لئے جن دو افسروں کو بھیجا تھا وہ بھی کام کے بدلے اناج پروگرام کے تحت کاموں کی تکمیل کے سلسلہ میں بدعنوانی، غبن اور سیاسی مداخلت کا ایک بھی واقعہ پیش نہ کر سکے۔ لیکن ان دونوں افسروں نے بھی، جنھوں نے چند اضلاع میں صرف چند دیہاتوں کا دورہ کیا، سرسری اور غیر ضروری رائے کا اظہار کیا (ان کا بعد میں ذکر کیا جائے گا)

جہاں تک کام کے بدلے اناج پروگرام کا تعلق ہے، تو اس سے متعلق چار بنیادی سوالات ہیں:—

(۱) مرکز سے حکومت مغربی بنگال کے کیا کیا مطالبات ہیں۔

(۲) مرکزی حکومت نے کیا دیا۔

(۳) مرکزی حکومت نے درحقیقت کتنا اناج فراہم کیا اور

(۴) اناج کے مصرف میں لانے کے سلسلہ میں رہنما اصولوں کو کس حد تک بروئے عمل لایا گیا۔

۱۷ نومبر ۱۹۸۰ء کو لوک سبھا میں شری سوناتھ چٹرجی، سی پی آئی (ایم)، کے سوال کا جواب دیتے ہوئے مرکزی وزیر زراعت و دیہی نو تعمیر شری راؤ بیریندرا سنگھ نے کہا تھا:

"اناج کو مصرف میں لانے کے سلسلہ میں حکومت مغربی بنگال نے جو اعداد و شمار پیش کئے وہ مرکزی حکومت کے اعداد و شمار سے مختلف ہیں۔"

چند اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے وزیر موصوف اس نتیجہ پر پہونچے:

"اناج کو مصرف میں لانے کے جو سرٹیفکیٹ موصول ہوئے ہیں ان سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ جتنا اناج الاٹ کیا گیا تھا اس کا نصف سے بھی کم استعمال میں لایا گیا۔"

وزیر موصوف کی ان باتوں میں سیاست کار فرما ہے، جو مندرجہ ذیل حقائق سے ظاہر ہے۔

مرکزی حکومت کے فوڈ سکریٹری شری ورما نے حکومت مغربی بنگال کے چیف سکریٹری کے نام اپنے ایک ڈی او خط مورخہ ۳ جون ۱۹۸۰ء میں یوں رقمطراز ہیں۔

"جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ گذشتہ سال آپ کی ریاست کے لئے کام کے بدلے اناج کے حسب معمول اور خصوصی پروگرام کے تحت ۱۵ء۲ لاکھ ٹن اناج فراہم کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ گذشتہ سال کے ۵۰ ہزار ٹن اناج بچا تھا جسے مصرف میں نہیں لایا جا سکا۔

اناج کی فراہمی کے نظر ثانی شدہ اعداد و شمار تک اناج کو مصرف میں لانے کی جو رپورٹیں موصول ہوئی ہیں ان سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ۱۵،۲۷۸،۰۰ میٹرک ٹن اناج مصرف میں لایا گیا۔"

شری ورما کے بیان کے مطابق جنوری ۱۹۸۰ء تک ۱۹۷۹-۸۰ء میں سپلائی کردہ اناج کا ۹۴ فی صد اناج کو استعمال میں لانے کے سرٹیفکیٹ داخل کر دیئے گئے ہیں۔ بر خلاف اس کے ۱۷ نومبر ۱۹۸۰ء کو مرکزی وزیر خوراک پارلیمنٹ میں کھڑے ہو کر یہ بیان دیا کہ حکومت مغربی بنگال نے مرکز کی سپلائی کردہ اناج کی نصف مقدار کے مصرف میں لانے کے سرٹیفکیٹ داخل نہیں کئے۔ کس کا بیان صحیح ہے۔ مرکزی وزیر زراعت کا یا ان کے شعبہ کے سکریٹری کا؟

اس ریاست کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور وزیر مالیات ڈاکٹر اشوک مترا نے وزیر اعظم، مرکزی وزیر زراعت اور مرکزی وزیر منصوبہ بندی کے نام اپنے بہت سارے خطوط میں بار بار اس بات کی وضاحت کی کہ اناج کو مصرف میں لانے کے سلسلہ میں ریاستی حکومت کا کیا رویہ اور نظریہ ہے۔ لیکن اس کے باوجود مرکزی وزیر زراعت پرانا راگ الاپ رہے ہیں۔

مغربی بنگال کے وزیر مالیات نے مرکزی وزیر منصوبہ بندی کے نام اپنے ایک ڈی او خط نمبر ایف ڈی ایم ۔ ۲۶۵ مورخہ ۱۲ نومبر ۱۹۸۰ء میں یوں رقمطراز ہیں۔

"۱۹۷۷-۷۸ء، ۱۹۷۸-۷۹ء اور ۱۹۷۹-۸۰ء کے آخر تک اس مقدار میں سے کل ۳،۴۲،۳۵۱ ٹن اناج درحقیقت فراہم کیا گیا۔ اس مقدار کی بابت حکومت مغربی بنگال نے ۳۱ مارچ ۱۹۸۰ء تک ۲،۹۲،۰۱۲ ٹن اناج کو مصرف میں لانے کے سلسلہ میں سرٹیفکیٹس داخل کر دیئے۔ دوسرے الفاظ میں ۳۱ مارچ ۱۹۸۰ء تک مذکورہ تین برسوں میں الاٹ کردہ ۶۰ فی صد اناج اور درحقیقت فراہم کردہ ۸۶ فی صد اناج کی بابت مذکورہ سرٹیفکیٹس داخل کر دیئے گئے ہیں۔"

ریاستی وزیر مالیات کے اس وضاحتی بیان کے بعد مصرف میں لانے سے متعلق تمام بحث و مباحثہ کو ختم ہو جانا چاہئے تھا لیکن اس بحث و مباحثہ کا ایک سیاسی مقصد بھی ہے (اور جو مرکز کا چھپا کردہ ہے) اس لئے یہ اتنی آسانی سے ختم نہیں ہو سکتا کیونکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ عوام کی نظر میں بائیں محاذ حکومت کو گرا دیا جائے۔ مذکورہ خط میں ڈاکٹر اشوک مترا نے مزید لکھا۔

"نظریاتی طور پر گذشتہ تین برسوں میں مجموعی طور پر جتنا اناج الاٹ [illegible] درحقیقت فراہم کیا گیا، ان دونوں میں ۵۲۸۸۹ ٹن کا فرق ہے۔ [illegible] اناج حالیہ مالی سال میں مصرف میں لانے کے لئے فراہم ہوا۔ [illegible] مئی کے مہینہ میں فراہم کردہ ۲۰ ہزار ٹن اناج کو شامل کیا جائے تو کل ۱۱۵۲۸۸ ٹن اناج بھی [illegible] فوڈ کارپوریشن آف انڈیا نے ابتک ۶۲۳۰۳ ٹن اناج فراہم کیا۔

گذشتہ سال کے ستمبر کے آخر تک ریاستی حکومت نے اس مقدار سے ۴۵۰۰۰ ٹن یعنی ۵۲ فی صد سے زیادہ اناج کو مصرف میں لانے کے سرٹیفکیٹس اور ۱۱ نومبر ۱۹۸۰ء تک ۵۳۰۰۰ ٹن یعنی ۶۱ فی صد سے زیادہ اناج کو مصرف میں لانے کے سرٹیفکیٹس داخل کر دیئے۔

مرکزی وزیر کا بیان بہت ہی مبہم ہے، لیکن یہ تو ظاہر ہے کہ مرکز نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ وہ اپنے نظریہ میں تبدیلی نہیں لائے گا۔

اسی صورت حال کے پیش نظر ریاست کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کو شری راؤ بیریندرا سنگھ کے نام اپنے ایک خط میں مجبوراً یوں لکھنا پڑا "میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مغربی بنگال کے خلاف کچھ حد تک امتیاز برتا جا رہا ہے گرچہ اس کے لئے کوئی معقول وجہ نہیں ہے"۔

مرکزی حکومت کی امتیاز کرنے کی پالیسی خود مرکز کے فراہم کردہ درج ذیل اعداد و شمار سے ظاہر ہو جاتی ہے۔

۸۱-۱۹۸۰ء کے دوران کام کے بدلہ اناج پروگرام کے تحت الاٹ کردہ اور فراہم کردہ اناج (ٹن میں)

	الاٹ کردہ اناج	فراہم کردہ اناج
(۱) مغربی بنگال	۷۰۰۰۰	۲۰۰۰۰
(۲) مہاراشٹرا	۴۰۰۰۰	۴۰۰۰۰
(۳) مدھیہ پردیش	۱۹۹۰۰۰	۱۹۹۰۰۰
(۴) اڑیسہ	۸۲۰۰۰	۸۲۰۰۰
(۵) راجستھان	۱۳۰۰۰۰	۱۳۰۰۰۰
(۶) اترپردیش	۱۹۵۰۰۰	۱۹۵۰۰۰

(زراعت - لوک سبھا سوال نمبر ۲۰۶ مورخہ ۲۸ جولائی ۱۹۸۰ء کا جواب) یہاں اس بات کا بجا طور پر ذکر کیا جا سکتا ہے کہ مغربی بنگال کو چھوڑ کر باقی پانچ مذکورہ بالا ریاستوں میں ودھان سبھا کے لئے وسط مدتی انتخابات ہوئے۔ یہ تو ایک مثال ہے کہ کس طرح مرکزی حکومت مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے خلاف جس نے دیہی علاقوں میں روزگار کے نئے مواقع اور پائیدار اثاثے پیدا کرنے کے سلسلہ میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے، اناج کو سیاسی ہتھیار کے طور پر استعمال کر رہی ہے۔ اس سلسلہ میں متعلقہ اعداد و شمار اوپر درج کئے جا چکے ہیں۔

مغربی بنگال کے علاوہ دیگر ریاستوں کو جولائی ۱۹۸۰ء تک الاٹ کردہ اناج کا پورا کوٹہ مل چکا ہے۔

اکتوبر ۱۹۸۰ء میں شری جیوتی باسو کے شائع کردہ ایک نوٹ کے مطابق مرکز نے ریاستوں کو مزید ۴ لاکھ ٹن اناج فراہم کیا۔ جس میں سے مغربی بنگال کا حصہ صرف ۳۰۰۰۰ ٹن تھا۔ ریاستی حکومت کو اس سلسلہ میں ایک خط ملا جس میں یہ درج ہے کہ مرکزی وزیر زراعت نے فوڈ کارپوریشن آف انڈیا سے کہا کہ وہ مذکورہ ۳۰۰۰۰ ٹن اناج اس ریاست کو فراہم کرے۔

اب صورت حال یہ ہے مغربی بنگال کو کل ایک لاکھ ٹن اناج الاٹ کیا گیا جس میں سے حالیہ سال میں صرف ۵۰۰۰۰ ٹن فراہم کرنے کا آرڈر موصول ہوا۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے صاف صاف کہا ہے کہ اتنی مقدار میں اناج کی فراہمی کا مصرف کے سرٹیفکیٹ داخل کرتے میں ریاستی حکومت کی ناکامی سے کوئی واسطہ نہیں۔ یہ بات تو مرکزی وزیر منصوبہ کے نام ڈاکٹر اشوک مترا کے ۱۲ نومبر ۱۹۸۰ء کے خط سے بھی واضح ہو جاتی ہے۔

جیسا کہ قبل ذکر کیا جا چکا ہے کہ مرکزی وزارت دیہی نو تعمیر نے دو افسروں پر مشتمل جس مطالعاتی ٹیم کو بھیجا تھا، اس نے چند ضلعوں میں صرف چند دیہاتوں کا دورہ کیا۔ لیکن کہیں بھی انھیں سیاسی جانبداری کا کوئی ثبوت نہیں ملا، نہ ہی وہ وسائل کے غلط استعمال کا یا ہر کے ٹھیکیدار کے روزگار کے جیسا کہ دیگر ریاستوں میں ہو رہا ہے کسی کیس کا ذکر کر سکے۔

شریمتی جیوتی باسو، شری مادھو سنگھ کو لکھتے ہیں۔

"ان دو افسروں نے مثبت نقطوں کو نظر انداز کر دیا اور چند اسکیم کی تکمیل کے معیار کی تنقید کی۔ انہوں نے جان بوجھ کر ایسے بیانات دیئے جن کا مقصد یہ ظاہر کرنا ہے کہ جتنے بھی کام ہوئے ان میں سے زیادہ تر غیر تشفی بخش تھے۔ صورت حال کی متوازن تصویر پیش کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ وہ اپنی رپورٹوں میں ان باتوں کا ذکر کرتے کہ کتنی اسکیمیں انہوں نے دیکھیں، وہ کس قسم کی اسکیمیں تھیں، ان میں کتنی تشفی بخش اور کتنی غیر تشفی بخش تھیں، اس کے بعد ہی صحیح اور پوری تصویر نظر آتی۔"

(وزیر اعلیٰ کا خط نمبر ۳۴۵ سی ایم مورخہ ۳۱ اکتوبر ۱۹۸۰ء)

مغربی بنگال سے منتخب لوک سبھا کے ممبر شری جیوتر موئے باسو نے ۲۴ نومبر ۱۹۸۰ء لوک سبھا میں اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:-

"ایک جنید ماسٹر کی طرف سے دو افسروں کو معائنہ کرنے کے لئے مغربی بنگال بھیجا گیا۔ میں ذاتی طور پر ان کے خلاف نہیں ہوں لیکن مجھے مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ میں نے ان کی رپورٹ دیکھی ان میں زیادہ باتیں [illegible] ہیں، کیونکہ ۶۵۰۰ دیہی پنچایتوں کا دورہ کرنا ہے اور [illegible] شاید ہی تین پورے دنوں میں ان لوگوں نے جائزہ لیا اور ایک رپورٹ داخل کر دی کہ بہت سی غلطیاں ہوئی ہیں۔ وہ اپنے حد اختیار کو تجاوز کر گئے۔"

قومی دیہی روزگار پروگرام:-

یہ پروگرام چھٹا منصوبہ کا جزو لاینفک بن چکا ہے۔ مرکز نے ایک رہنما اصول مرتب کیا ہے اور اسے ریاستوں کے پاس بھیج دیا ہے۔

مغربی بنگال نے اپنی رائے ظاہر کر دی۔ چونکہ یہ قومی پنجسالہ منصوبہ کا ایک جزو ہے، اس لئے یہ نہایت ہی مناسب ہے اس کی تفاصیل کی بابت منصوبہ بندی کمیشن اور ریاستی حکومتوں کے درمیان بات چیت ہو۔ اس پروگرام کے تحت کتنی رقم مخصوص کی جانی چاہئے، اس کا تعین منصوبہ بندی کمیشن کو کرنا چاہئے۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۱۸ نومبر ۱۹۸۰ء کو مرکزی وزیر زراعت کے نام اپنے ایک خط میں اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ چونکہ دستور کے تحت دیہی ترقیاتی پروگرام ریاستی فہرست سے وابستہ ہے۔ اس لئے مرکزی حکومت کو رہنما اصولوں کی بابت یکطرفہ فیصلہ نہیں کرنا چاہئے۔ ریاستی حکومتوں سے مشورہ کرنے کے بعد ہی رہنما اصولوں کا اعلان کرنا چاہئے۔

بائیں محاذ حکومت نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ عوام کے منتخب نمائندوں یعنی پنچایتوں کے ذریعہ اس پروگرام کے تحت اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا جائے۔ اس سلسلہ میں ایک ریاستی اسٹیرنگ کمیٹی موجود ہے۔ ضلع سطح پر بھی اسٹیرنگ کمیٹیاں قائم کی جا رہی ہیں۔ ایسی کمیٹیوں کے چیئرمین ضلع پریشد کے چیئرمین اور ضلع مجسٹریٹ وائس چیئرمین ہوں گے۔

بنگلہ رسالہ کا شمارہ ضبط

حکومت مغربی بنگال نے ایک اعلانیہ کے ذریعہ بنگلہ پندرہ روزہ "پریورتن" کے یکم نومبر ۱۹۸۰ء کے شمارہ کو بحق حکومت ضبط کر لیا ہے۔ اس رسالہ کے ایڈیٹر اشوک چودھری ہیں۔ اور اسے ارون کانتی لال نے آسیاری پرکاشنی (پرائیویٹ) لمیٹیڈ پریس ۱/۲/۲، لینن سرانی کلکتہ ۷۰۰۰۱۳ میں طبع کرکے آسیاری پرکاشنی (پرائیویٹ) لمیٹیڈ ۲ بی پی الوکل چندرا اسٹریٹ کلکتہ سے شائع کیا۔ حکومت سمجھتی ہے کہ رسالہ کے مذکورہ شمارہ میں شائع شدہ آرٹیکل بعنوان "اسلام دھرم مدومتو ماچی" میں ایسا مواد موجود ہے جس کا مقصد دیدہ دانستہ اور بدنیتی کے ساتھ مسلمانوں کے مذہب اور مذہبی اعتقادات کی اہانت کرکے ان کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانا ہے اور جس کی اشاعت تعزیرات ہند کی دفعہ ۲۹۵ ا کے تحت ایک قابل تعزیر جرم ہے۔ حکومت کے اعلانیہ کے مطابق مذکورہ شمارہ کی ہر کاپی نیز تمام دستاویزات جن میں اس کی نقل، طبع ثانی، [illegible] شامل ہوں، ضابطہ فوجداری ۱۹۷۳ء کی دفعہ ۹۵ کے تحت بحق حکومت ضبط کر لی گئی ہیں۔

پہاڑی علاقوں کی ترقی کیلئے ۷ لاکھ روپیہ کی منظوری

حکومت مغربی بنگال نے دارجلنگ کی ترقی کی مختلف اسکیموں پر عملدرآمد کیلئے ۷،۸۴،۰۰۰ روپیہ منظور کیا ہے۔ چیئرمین دارجلنگ ہل [illegible] اسکیموں پر عملدرآمد کرینگے۔

ساحر لدھیانوی

ایک نذرانۂ عقیدت

یہ کس کا لہو ہے؟

(جہازیوں کی بغاوت۔ فروری ۱۹۴۶ء)

۱۹۴۶ء میں بمبئی میں انگریز افسروں کی بالادستی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے ہندوستانی جہازیوں نے بغاوت کی، جن کی حمایت میں بمبئی شہر میں مظاہرے ہوئے تھے۔ اس پر پولیس نے گولی چلائی اور کچھ مظاہرین ہلاک ہو گئے۔ اس پر کانگریسی لیڈروں نے بیان دیا تھا کہ جو لوگ مارے گئے وہ غنڈے تھے۔ ایسا بیان دراصل انگریز حکمرانوں کو خوش کرنے کیلئے دیا گیا تھا۔ اس پر ساحر نے یہ نظم لکھی تھی ——— محمد امین

وزیر ٹرانسپورٹ
حکومت مغربی بنگال

اے رہبر ملک و قوم ذرا
آنکھیں تو اٹھا نظریں تو ملا
کچھ ہم بھی سنیں ہم کو بھی سنا
یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟

دھرتی کی سلگتی چھاتی کے بے چین شرارے پوچھتے ہیں
تم لوگ جنہیں اپنا نہ سکے وہ خون کے دھارے پوچھتے ہیں
سڑکوں کی زباں چلاتی ہے ساگر کے کنارے پوچھتے ہیں
یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟
اے رہبر ملک و قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟

وہ کون سا جذبہ تھا جس سے فرسودہ نظام زیست ہلا
جھلسے ہوئے ویراں گلشن میں اک آس امید کا پھول کھلا
جنتا کا لہو نوجوں سے ملا فوجوں کا لہو جنتا سے ملا
اے رہبر ملک و قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟

اے رہبر ملک و قوم بتا

کیا قوم و وطن کی جے گا کر مرتے ہوئے راہی غنڈے تھے؟
جو دیش کا پرچم لے کر اٹھے وہ شوخ سپاہی غنڈے تھے؟
جو بارِ غلامی سہہ نہ سکے وہ مجرم شاہی غنڈے تھے؟
یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟
اے رہبر ملک و قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟

یہ عزم فنا دینے والو، پیغام بقا دینے والو!
اب آگ سے کیوں کتراتے ہو، شعلوں کو ہوا دینے والو!
طوفان سے اب کیوں ڈرتے ہو، موجوں کو صدا دینے والو!
کیا بھول گئے اپنا نعرہ؟
اے رہبر ملک و قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے کون

سمجھوتے کی امید سہی، سرکار کے وعدے ٹھیک سہی
ہاں مشق ستم افسانہ سہی، ہاں پیار کے وعدے ٹھیک سہی
اپنوں کے کلیجے مت چھیدو، اغیار کے وعدے ٹھیک سہی
جمہور سے یوں دامن نہ چھڑا
اے رہبر ملک و قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟

ہم ٹھان چکے ہیں اب جی میں، ہر ظالم سے ٹکرائیں گے
تم سمجھوتے کی آس رکھو، ہم آگے بڑھتے جائیں گے
ہر منزل آزادی کی قسم، ہر منزل پر لہرائیں گے
یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟
اے رہبر ملک و قوم بتا
یہ کس کا لہو ہے کون مرا؟

بھوپیندر ناتھ دت کی یادیں

از :- تاروپد مکھوپادھیا

بھوپیندر ناتھ دت کا شمار اُن ہستیوں میں ہوتا ہے جن کا ہمسر ملنا مشکل ہوتا ہے۔ وہ ایک انقلابی تھے اور اپنی زندگی کی آخری سانسوں تک مظلوم اور استحصال کے شکار لوگوں کی نجات کے لئے کام کرتے رہے۔ لیکن وہ محض مرد میدان عمل ہی نہیں تھے بلکہ وہ ایک متبحر عالم اور [illegible] ثقافت کے امین بھی تھے۔ اُن کی جنم صدی اس سال ۱۹۸۰ء منائی گئی۔ مگر ایک عظیم ہستی کے لئے عزت و احترام کے جذبہ کا محض اظہار ہی کافی نہیں ہوتا کیونکہ عزت و احترام کے جذبہ کا اظہار بسا اوقات محض روایتی خراج عقیدت بن کر رہ جاتا ہے۔ لہٰذا یہ ضروری ہے کہ ہم بھوپیندر ناتھ دت کی زندگی سے پوری طرح روشناس ہو جائیں۔ وہ ایک عملی انسان یا ایک مفکر کی حیثیت سے اپنی کامیابیوں سے کہیں زیادہ عظیم تر تھے۔ ہمیں ان کو جاننا اور سمجھنا چاہئے۔ آج کے سماجی حالات میں بھی اُن کی حیات اور کارنامے ہمارے لئے سرچشمہ تحریک عمل ہو سکتے ہیں۔

انھوں نے برطانوی حکومت کو ختم کرنے کے عزم مصمم کے ساتھ ایک انقلابی کی حیثیت سے اپنی جد و جہد کا آغاز کیا اور انجام کار وہ کمیونزم کے زبردست حامی ہو گئے۔ انھیں اس کا یقین کامل ہو گیا کہ کمیونزم نہ صرف ہندوستان بلکہ دیگر ممالک کے محنت کش عوام کے استحصال، مصائب اور زبوں حالی کو دور کرنے کا واحد حل ہے۔

انھیں عنفوان شباب ہی میں ملک کے لوگوں کی ناداری اور مصائب اور پریشانیوں کو دیکھ کر گہرا دکھ ہوا۔ انھیں اپنے ملک کی اس وقت کی سماجی اور مذہبی اصلاحی تحریکوں میں عوام کی پریشانیوں اور مصائب کا کوئی حل نظر نہیں آیا یہاں تک ہندو دھرم کے احیا کی تحریک بھی ان کیلئے باعث کشش نہیں ہوئی جسے ان کے نامور بڑے بھائی نریندر ناتھ جو سوامی وویکانند کے نام سے مشہور رہیں، بہت زیادہ بڑھاوا دیا۔ تاہم بعد میں انھوں نے اپنے مشہور بھائی کو ایک محب وطن پیغمبر کہا اور انھیں خراج عقیدت پیش کیا وہ اس امر کے سختی سے قائل ہو گئے کہ لوگوں کی پریشانیوں اور مصائب کا بنیادی سبب برطانوی حکومت ہے۔ لہٰذا اس حکومت کو جلد از جلد ختم کرنا سب سے مقدم کام ہے۔ انڈین نیشنل کانگریس کی پالیسی اور پروگراموں سے وہ بالکل متاثر نہیں ہوئے۔ وہ قومی انقلابی تحریک سے حد درجہ متاثر ہوئے اور "انوشیلن سمیتی" یعنی قومی انقلابیوں کی تنظیم میں شامل ہو گئے اور اس کی سرگرمیوں میں تن من سے حصہ لینے لگے۔ اس میں شمولیت خطرات سے پُر تھی لیکن وہ آہنی عزم کے انسان تھے اور ایک بار کوئی فیصلہ کرنے کے بعد وہ کسی قسم کے خوف کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ بعد میں امریکہ میں وہ سوشلسٹوں سے ملے اور امریکہ میں اس وقت سوشلزم کے جو تصورات تھے اُس سے روشناس ہوئے۔ بعد ازاں جب وہ جرمنی میں برلن کمیٹی (وہ اس کے چار سال تک سکریٹری رہے) میں کام کر رہے تھے، جو حصول آزادی کے لئے تارکین وطن ہندوستانی قومی انقلابیوں کی ایک تنظیم تھی، وہ اکتوبر ۱۹۱۷ء کے روس کے سوشلسٹ انقلاب سے بے حد متاثر ہوئے۔ اور انھوں نے انقلاب کی اہمیت اور پیغام کو اچھی طرح سمجھ لیا۔ انھوں نے مارکسزم۔لیننزم کا غائر مطالعہ کیا اور اس بات کے قائل ہو گئے کہ کمیونزم ہی ہندوستان کے محنت کش عوام کو ہر قسم کے استحصال سے نجات دلا سکتی ہے جیسا کہ اُس نے روس میں کیا۔ انھوں نے اس نظریہ کو مانا اور اس پر پوری طرح قائم رہے۔ انھوں نے قومی آزادی کے محدود مقصد سے اوپر اٹھ کر نہ صرف ہندوستان بلکہ ہر جگہ کے محنت کش عوام کی فلاح اور بہبود کے کام کو اپنا نصب العین بنا لیا۔ اور ان آدرشوں یا شخصیتوں سے جن کو وہ پہلے مانتے تھے ان کی جذباتی وابستگی ختم ہو گئی۔ انھوں نے ہمیشہ معروضی اور عقلی نقطہ نظر اپنایا۔

وہ ۱۹۲۵ء میں ہندوستان واپس آئے اور مزدوروں کسانوں کی تنظیموں کو مستحکم کرنے کے کام میں لگ گئے کیونکہ اُن کے خیال میں یہ قوتیں ملک کو برطانوی حکومت کی غلامی سے نجات دلانے نیز محنت کش عوام کو اُن لوگوں کے استحصال سے چھٹکارا دلانے میں اہم رول ادا کر سکتی تھیں جو محدود تعداد میں ہونے کے باوجود پیداوار کے ذرائع پر غاصبانہ طور پر قابض ہو گئے تھے۔ انھوں کی اکثر [illegible]

معاذ کے لئے اکثریت کا تحریک یعنی کمیونسٹ تحریک کو مضبوط بنانے کے لئے اپنے کو وقف کر دیا۔ وہ اس بات پر فخر کر سکتے تھے کہ محنت کش عوام آگے بڑھ رہے ہیں اور وہ اس تحریک کو مضبوط اور فعال بنانے میں معاون ہوئے ہیں۔ ملک میں اس وقت جو صورت حال تھی اس کو دیکھتے ہوئے ان کا یہ کارنامہ بہت عظیم ہے۔

وہ ایک اعلیٰ پایہ کے عالم اور دانشور تھے اور ہندوستان نیز بیرون ہند کے علمی حلقوں میں ایک ممتاز ماہر عمرانیات تسلیم کئے جاتے تھے۔ ایک انقلابی کی حیثیت سے وہ بے حد مصروف رہتے تھے تاہم وہ ریسرچ کے لئے وقت نکال لیتے تھے۔ انھوں نے عمرانیاتی اور تاریخی تحقیق میں نمایاں پیش رفت کی۔ ان کے تحقیقی مقالات میں تبحر علمی اور اعلیٰ ذہانت کی چھاپ ہے۔

انھوں نے براؤن یونیورسٹی امریکہ سے ایم اے کی ڈگری حاصل کی اور برلن یونیورسٹی سے پی۔ ایچ ڈی کیا۔ یہاں ہم ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہیں جس نے ان کی بعد کی تحقیق کو ایک نئی سمت عطا کی۔

اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کے لئے سنہ ۱۹۲۰ء میں جب سویڈن کی لائبریری سے مواد اکٹھا کر رہے تھے انھوں نے محقق مسٹر سیون ہیڈن سے تبادلہ خیالات کیا اور اسکنڈے نیویا کے مشہور سائنسداں پروفیسر لنڈبرگ سے ملے جو اپسالا یونیورسٹی سے وابستہ تھے اور ان سے تبادلہ خیالات کیا۔ پروفیسر لنڈبرگ ان کے طرز فکر کی ندرت سے بے حد متاثر ہوئے اور کہا کہ "وقت آ گیا ہے کہ ہندستانی آزادانہ طور پر سائنس کے میدان میں کام کریں"۔ بھوپیندر ناتھ نے اس مشورہ پر سنجیدگی سے عمل کیا۔ ہندستانی عمرانیات پر ان کے تحقیقی مقالوں میں ان کے طبعزاد نقطۂ نظر کی گہری چھاپ ملتی ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ انھوں نے ہندستانی معاشرہ کے مطالعہ میں ہندو معاشرہ کی تشکیل پر ایک نئے زاویۂ نظر سے روشنی ڈالی ہے جو پرانے ماہرین ہندستانیات کے یہاں نہیں ملتا۔ درحقیقت دنیا کی بڑی قوموں میں نوآبادیاتی سامراجیت کے فروغ کے ساتھ مغربی اسکالر نسل کے نظریہ یعنی برتر نسلوں کا کمتر نسلوں پر تسلط کے نظریہ کی بنیاد پر دنیا کی تاریخ کی توضیح کرنے لگے تھے۔ ہندستان کے ضمن میں بیشتر مغربی عالموں نے ذات پات کو اس کی امتیازی خصوصیت قرار دیا اور ان کے نزدیک ذات پات کی تفریق سفید فام آریائی لوگوں اور ہندستان کے سیاہ فام غیر آریائی لوگوں کے درمیان آویزش سے وجود میں آئی۔ سر ہربرٹ رسلے کا رائے تھی ذات پات کے نظام کی بنیاد نسل ہے۔ اس کی تائید میں انھوں نے یہ مفروضہ پیش کیا کہ جو نسل جتنی برتر ہوگی ذات بھی اتنی ہی برتر ہوگی۔ بھوپیندر ناتھ نے مختلف ذاتوں سے متعلق علم الانسان کے مطابق اعداد و شمار کا تجزیہ کر کے اس مفروضہ کو یکسر غلط ثابت کر دیا۔ انھوں نے یہ دعویٰ کیا کہ ذات پات کے نظام کی بنیاد معاشیات ہے۔ اور اس دعویٰ کی تائید میں سنسکرت کی کتابوں نیز کتبوں کی تحریروں سے ناقابل تردید ثبوت پیش کئے۔ انھوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ ذات پات کی ایک مخصوص طبقاتی نوعیت ہے اور یہ ذات پات لوگوں کی اکثریت پر محدود اقلیت کے طبقاتی کے تسلط اور بالادستی کا ایک رواج بن گئی۔

انھوں نے ہندستان کے نظام زمینداری کا بھی تفصیلی مطالعہ کیا اور اس سلسلہ میں پہلے جو جانچ پڑتال کی گئی تھی اس سے گریز کیا۔ پہلے جو بھی جانچ پڑتال کی گئی تھی ان میں عہد ماضی کی تاریخ مرتب کرنے میں محض قدیم سنسکرت متنوں کو اساس بنایا گیا تھا اور تمام نتائج ان سنسکرت متنوں پر مبنی تھے۔ بھوپیندر ناتھ نے صرف کتباتی ریکارڈس پر انحصار کیا جو کہیں زیادہ مستند ہیں اور انھوں نے جو نتائج اخذ کئے ان کو بعد کے مورخوں نے درست اور صحیح قرار دیا۔ یہاں ہم مغلوں سے پہلے کے ہندستان کے نظام زمینداری سے متعلق بھوپیندر ناتھ دت کی تحقیق کے کچھ اہم نتائج کا اجمالی طور پر ذکر کرتے ہیں۔

انھوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ "سر ہنری مین کی رائے کے برخلاف ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہندستان نے عہد وسطیٰ میں اپنا جاگیردارانہ نظام مکمل کر لیا تھا جس نے پیداوار سابق سیاسی۔ اقتصادی نظام کی جگہ لے لی۔ کتباتی شواہد سے انھوں نے یہ ثابت کیا کہ ریاست یعنی بادشاہ زمین کا مالک تھا اور بادشاہ کے زیر نگیں زمینوں کے پٹہ دار تھے اور یہ سلسلہ برگداروں کی سطح تک پہنچا جو ٹھیکہ پر زمین پر کاشت کرتے تھے۔

انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہندستان کے عوام کے ارتقاء کے دوران ہندستان کے جاگیردارانہ نظام کا آغاز ہوا۔ انھوں نے کہا کہ "اینگلز نے یورپ میں جاگیردارانہ نظام کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ تاریخی حقائق کا بیان ہے۔ لیکن ہندستان کے جاگیردارانہ نظام کو یورپ کے جاگیردارانہ نظام کی ہو بہو نقل نہیں کہا جا سکتا۔" اپنی اس رائے کی تائید انھوں نے کافی شواہد پیش کئے۔

سائنس کے میدان میں آزادانہ کام کرنے کے ضمن میں ان کا عمرانیاتی اور تاریخی مطالعہ مشعل راہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔

بھوپیندر ناتھ نے ہمارا زمیندار معیشت کی بابت جو کچھ کھوج کی ہے وہ زمین کے متعلق ہمارے موجودہ مسائل کے ضمن میں اہمیت رکھتی ہے۔ مزید براں فرقہ وارانہ اور ذات پات کے جھگڑوں کے سلسلہ میں بھی ان کے

باقی صفحہ ۱۴ پر

اسکول کے بچوں کیلئے اسپورٹس اور ورزش کی تعلیم

از ۔ پارتھو دے وزیر انچارج شعبہ تعلیم (پرائمری سکینڈری اور لائبریری)

ہمیں مغربی بنگال میں اس بات سے مسرت حاصل ہو رہی ہے کہ سالٹ لیک کلکتہ میں واقع نئے این آئی ایس کمپلکس میں ۲۶ ویں نیشنل اسکول گیمس چیمپین شپ ونٹر میٹ سنہ ۱۹۸۰ء منعقد ہو رہا ہے۔ اس اسپورٹس نے مختلف اسپورٹس ایسوسی ایشنوں کے درمیان کافی جوش و خروش پیدا کیا ہے۔ اسپورٹس کاؤنسل اور مغربی بنگال اسکول اسپورٹس ایسوسی ایشن نے مذکورہ اسپورٹس کو یہاں منعقد کرنے کی ذمہ داری کو خوشی خوشی قبول کیا ہے۔ اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ ہمیں نہ صرف سارے ہندستان کے اسکولوں کے طلبا کی کھیل کود کے میدان میں کارکردگی کو دیکھنے کا موقعہ ملے گا، بلکہ مستقبل میں ہمارے اسکولوں کے بچوں کے درمیان کھیل کود اور ورزش کی تعلیمی سرگرمیوں کے میدان میں ہمارے منصوبوں اور سرگرمیوں میں تیزی لانے کے لئے ہمارے دلوں میں جذبہ اجاگر کریگا۔

آج اسپورٹس کی بہتری کے سلسلے میں ایک جامع اور وسیع پروگرام کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں اسکول ہی کو ہمارا مرکزی نقطہ ہونا چاہیئے جہاں ہمارے نوجوان منصوبہ بند طریقہ سے تعلیم حاصل کر رہے ہیں اسکولوں کو صرف کتابی تعلیم کا مرکز نہیں ہونا چاہیئے۔ اسپورٹس اور ورزش کو بھی تعلیم کا لازمی جزو بنانا چاہیئے۔ اس طرح کا ایک جامع منصوبہ مرتب کرنا چاہیے جس کی رو سے اسپورٹس اور کھیل کود کے تحت ملک کے تمام نوجوانوں کو چاہئے وہ اسکولوں میں زیر تعلیم ہوں یا نہ ہوں' لانا چاہئے۔ اس اقدام کو ایک طرح سے اسپورٹس سرگرمیوں کو عالمگیر یا جمہوری بنانا کہا جا سکتا ہے۔ لیکن نام خواہ کچھ کیوں ہو کسی بھی جامع اور وسیع پروگرام کو صرف فنڈ کے سوال یا تنظیم کے سوال یا ماہرین کی خدمات کی فراہمی کے سوال سے وابستہ نہیں کیا جا سکتا۔ یہ تو ایک نئے نظریہ کا' نئے رویہ اور جدت کا سوال ہے۔

ہمارا کام یہ ہے کہ باضابطہ عملی سرگرمیوں میں نوجوانوں کو شامل کیا جائے اس اقدام سے انھیں بہترین کارکردگی انجام دینے کا موقعہ فراہم ہوگا ہمیں اپنے تمام فراہم وسائل کو یک جا کرنا چاہئیے' ماہرین کی خدمات حاصل کرنی چاہیے۔ اور بہترین عملی طریقہ کار مرتب کرنا چاہئے اور کھیل کود کے ایسے ایسے آئیٹموں کا سائنسی طریقہ سے انتخاب کرنا چاہئے جن کی طرف نوجوان مائل ہوں ان میں معروف رہیں۔

ہمارے عوام صحیح معنوں میں اسپورٹس کے دلدادہ ہیں۔ درحقیقت اس محبت کو اثاثہ کہا جا سکتا ہے۔ اسپورٹس کے منتظمین کی ذمہ داری یہ ہے کہ وہ عوام اور نوجوانوں کے جوش و خروش کو صحیح سمت میں موڑ دیں۔ اگر ایک بار ہم اپنی سرگرمیوں کے ذریعہ لوگوں کے دلوں میں یہ اعتماد پیدا کریں کہ نوجوانوں کی جسمانی اور ذہنی بہتری کے لئے صحیح معنوں میں کوششیں کی جا رہی ہیں تو لوگ اپنے وسائل کے ساتھ اور اپنی بساط کے مطابق ہمارے ساتھ رضاکارانہ طور پر تعاون کرینگے

مغربی بنگال میں چھوٹا سا مگر اہم تجربہ کیا گیا ہے۔ بچوں کے بین الاقوامی سال میں ریاستی حکومت کے شعبہ تعلیم نے یہ فیصلہ کیا کہ ساری ریاست میں تمام پرائمری اسکولوں کے ۶ سے ۱۱ سال کے بچوں کا اسپورٹس منعقد کیا جائے۔ اس کام کے لئے ۱۲ لاکھ روپیئے منظور کئے گئے اس اقدام نے ٹیچروں' والدین' طلبا' ضلع سطح پر اسپورٹس کی تنظیموں اور اسپورٹس کے چاہنے والوں کے درمیان کافی جوش و خروش پیدا کیا۔ تمام حلقوں سب ڈویژنوں اور ضلعوں میں اس پروگرام کو مکمل کامیابی حاصل ہوئی۔ اب اس بات کا مطالبہ کیا جا رہا ہے کہ اس قسم کا اسپورٹس باقاعدگی کے ساتھ ہر سال منعقد کیا جائے۔ حکومت نے اس مطالبہ کو خوشی کے ساتھ منظور کر لیا۔

ہمارے لئے یہ بڑی اچھی بات ہے اگر ایسے حالات پیدا کئے جائیں جہاں عوام دلچسپی کے ساتھ شرکت کریں تو یہ توسیع اور ترقی کے کام میں کافی معاون ثابت ہوں گے۔

کلکتہ میں قومی اسکول گیمس کا افتتاح

کلکتہ کے سالٹ لیک میں واقع این آئی اس اسٹیڈیم میں سارے ہندستان کے اسکولوں کے طلبا کا ۲۶ واں نیشنل اسکولس گیمس چیمپین شپ سنہ ۱۹۸۰ء ۲۶ دسمبر سے ۳۱ دسمبر سنہ ۱۹۸۰ء تک منعقد ہوا۔ پہلے دن یعنی ۲۶ دسمبر کو شری ٹی این سنگھ' گورنر' مغربی بنگال نے مذکورہ اسٹیڈیم میں اسکولوں کے طلبا کی رنگین مارچ پاسٹ کی سلامی لی اور اس قومی اسکول گیمس کا افتتاح کیا۔ اس تقریب میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی بحیثیت مہمان خصوصی شریک تھے۔ انھوں نے پرچم لہرایا۔ پہلے دن ثقافتی پروگرام بھی منعقد ہوا۔ اس

سپورٹس میں ۲۰۰ ریاستوں اور مرکزی علاقوں کے اسکولوں کے لئے ۳۰۰ طلباء نے شرکت کی۔ اس اسپورٹس میں طلباء کے درمیان ٹیبل ٹینس، جمناسٹک، ہاکی، والی بال، کشتی، باکسنگ اور دیگر کھیل کود کا مقابلہ ہوا۔ ۱۳ جنوری ۱۹۸۰ء کو قومی اسکول گیمس بحسن وخوبی پایۂ تکمیل تک پہونچا۔

مزید ۲۰۰ پرائمری اسکول

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ پانچ اضلاع میں پروگرام کے دوسرے مرحلہ میں تخمیناً ۰۵ لاکھ روپیہ کی لاگت سے ۲۰۰ پرائمری اسکول تعمیر کئے جائیں گے۔ یہ خرچ ریاستی حکومت اور کیئر (سی۔ اے۔ آر۔ ای) برداشت کرے گی۔ ریاستی حکومت کل خرچ کا ۵۵ فی صدی یعنی ۲۷۶۵ لاکھ روپیہ ادا کرے گی اور بقیہ رقم کیئر تین قسطوں میں دے گی۔ ان ۲۰۰ اسکولوں میں سے ۴۶ ضلع ۲۴ پرگنہ، ۴۹ ضلع ہگلی، ۳۸۰ ضلع بانکوڑا اور ۲۵ ضلع ہوڑہ میں تعمیر کئے جائیں گے۔ تعمیراتی کام ضلع پریشدوں اور پنچایت سمیتیوں کے ذریعہ ہوگا۔

ریاستی ہومیوپیتھک ڈسپنسریاں

حکومت مغربی بنگال نے ریاست میں ۱۲۰ ریاستی ہومیوپیتھک ڈسپنسریوں کے قیام کے لئے منظوری دیدی ہے۔ ہر ڈسپنسری میں ایک میڈیکل افسر، ایک کمپاؤنڈر، ڈریسر اور ایک خدمت گار ہوگا۔ متعلقہ اضلاع کے چیف میڈیکل ہیلتھ افسران اکثر ولنگ افسران ہوں گے۔ کلکتہ میں واقع ریاستی ہومیوپیتھک ڈسپنسریوں کے لئے ایڈمنسٹریٹیو افسر نظامت ہومیوپیتھی کو روپیہ نکالنے اور ادا کرنے کے اختیارات ہوں گے۔

صنعتی مزدوروں کو ۹۲ لاکھ روپیہ کی ادائیگی

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ ملازمین ریاستی بیمہ کارپوریشن نے اکتوبر ۱۹۷۹ء کے دوران ریاست کے صنعتی مزدوروں کی فلاح وبہبود کے لئے ۹۲،۴۱،۰۰۰ روپیہ کی ادائیگی کی۔ یہ ادائیگیاں کام کے دوران زخمی ہونے، علاج اور زچگی کے لئے کی گئیں۔ زیر نظر مدت

میں کارپوریشن نے ۷۶۱، ۱۳۶۲ صنعتی مزدوروں کا تحفظ کیا۔ کام کے دوران زخمی ہونے پر ۲۰۰، ۲۶۳، ۵۲ روپیہ کے لئے، ۵۰۰، ۶۵ روپیہ اور زچگی کے لئے ۷۶ ہزار روپیہ دیا گیا۔ مزید برآں دھوکہ باز تاجروں کے خلاف چندہ کے بقایا کی وصولی کے لئے قانونی کارروائی کی گئی۔

کرسیانگ اسپتال میں پانی کی سپلائی

حکومت مغربی بنگال نے مالی سال ۸۰-۱۹۷۹ء کے دوران کرسیانگ میں ٹی بی اسپتال میں پانی کی سپلائی بڑھانے کی اسکیم پر عملدرآمد کے لئے ایک لاکھ روپیہ الاٹ کیا ہے۔

چائے باغات کے مزدوروں کی شرائط ملازمت سے متعلق ٹیکنیکل کمیٹی

حکومت مغربی بنگال نے ریاست میں چائے باغات کے مزدوروں کی موجودہ شرائط ملازمت اور صحت کو لاحق خطرات پر غور وخوض کرنے کے لئے ڈاکٹر این سین پر مشتمل یک نفری ٹیکنیکل کمیٹی مقرر کی ہے کمیٹی اپنی سفارشات تین مہینے کے اندر پیش کرے گی۔

بقیہ ـ بھوپیندر ناتھ

ارشادات کی اہمیت آج بھی برقرار ہے۔ یہاں مغربی بنگال میں ہم آج بھی برگہ دار سسٹم کے مسئلہ میں الجھے ہوئے ہیں جو عہد ماضی کے جاگیردارانہ نظام کی آخری نشانی ہے۔ ان مسائل سے نپٹتے وقت بھوپیندر ناتھ کی تحقیق کے نتائج کا موجودہ تحقیق کے نتائج سے موازنہ کرنا سودمند ہوگا۔

اپنے جملہ کارناموں سے بالاتر بھوپیندر ناتھ ایک ہمدرد نوع انسانی کی حیثیت سے ایک نمایاں مقام رکھتے ہیں اور استحصال کے شکار اور مظلوم انسانوں کی نجات کے لئے سرگرم عمل ہونے کے لئے سرچشمہ فیضان ہیں۔ ان کی پوری زندگی دیانت سادگی اور خلوص سے عبارت تھی اور ان کا کردار بے داغ تھا۔ ہم بالیسویں صدی کے لوگوں سے کہہ سکتے ہیں کہ "ان کے نقش قدم پر چلو"۔



متحدہ امارت العربیہ کے وزیر انصاف کے ساتھ کلکتہ میں وزیر ٹرانسپورٹ جناب محمد امین
اور وزیر عدلیہ جناب ہاشم عبدالحلیم کی ملاقات



شریمتی کملا باسو کلکتہ میں ویتنام کے وفد کا استقبال کر رہی ہیں۔

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate . Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs **Deptt, Govt. of West Bengal** and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012





پندرہ روزہ :-

مغربی بنگال

کلکتہ

جمہوریہ نمبر

جلد نمبر [illegible] | یکم فروری سنہ ۱۹۸۰ء | شمارہ نمبر ۲

مدیر اعلیٰ

ایس کے سین گپتا

مدیر معاون

محمد اعظم

شرح خریداری ———— سالانہ ۳ روپئے

قیمت ———— ۱۲ پیسے فی پرچہ

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے کا پتہ :-

بزنس منیجر

شعبہ اطلاعات و ثقافتی امور

حکومت مغربی بنگال

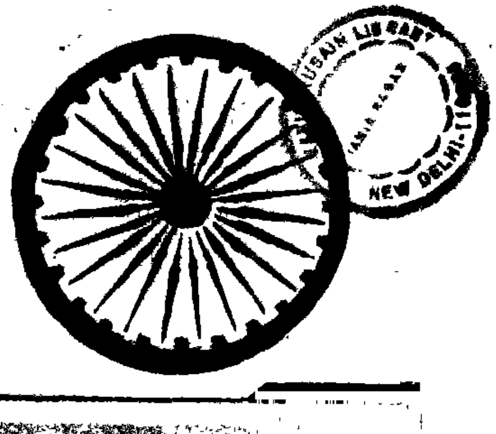
۳۳ آر این مکرجی روڈ

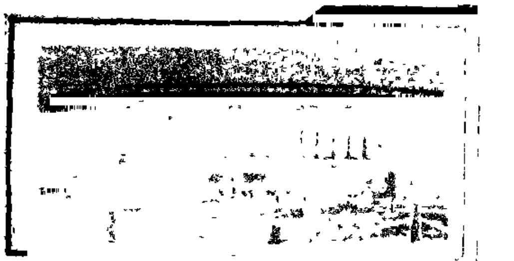
کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱



اس شمارہ میں :-

ترئین کار :- تارا پرشاد داس







ہمارا دستور

— از:- ای - ایم - ایس - نمبودری پد :—

دستورِ ہند اپنی کارکردگی کے ۳۱ برس پورے کر رہا ہے - ایک طاقت ور طبقہ کہ جو ابھی حال تک اس کی حمایت میں بہت پُرجوش تھا اب اس میں بہت سی خامیاں نظر آرہی ہیں - انھوں نے پہلے دستور کو ہر ملک کے لئے قابلِ تقلید قرار دیا تھا لیکن اب اُن کا یہ موقف ہے کہ اس میں بنیادی تبدیلیاں ہونا چاہئیں۔

ہم کمیونسٹوں سوشلسٹوں اور ہندستانی سیاست میں بائیں رجحانات کی حامل پارٹیوں کے لئے کبھی بھی یہ دستور باعث کشش نہیں رہا - درحقیقت ہم اس کے سخت نکتہ چین رہے ہیں کیونکہ ہماری رائے میں یہ ایک ایسا آلہ ہے جسے حکمراں طبقے جمہوریت کی بڑھتی ہوئی طاقتوں اور سماجی - اقتصادی نظام میں جدید تبدیلیوں کے خلاف استعمال کر سکتے ہیں - اس کی کارکردگی کے ۳۱ برسوں نے اس رائے کی صداقت ثابت کر دکھائی ہے۔

حقیقت تو یہ ہے کہ دستور کی پہلی ہی آزمائش میں ہماری تنقید بالکل درست ثابت ہوئی - یہاں اُس صورت حال کی جانب اشارہ ہے جو دستور کے تحت ۱۹۵۲ء میں منعقدہ عام انتخابات کے بعد تین ریاستوں میں پیدا ہوئی -

یہ ریاستیں ٹراونکور - کوچین، مدراس اور پیپسو تھیں ان میں سے ہر ایک ریاست میں کانگریس تو منتخب مجلسِ قانون ساز میں اقلیت میں ہو گئی تھی - ٹراونکور - کوچین اور مدراس میں جہاں کمیونسٹ پارٹی کے ممبران سب سے زیادہ تعداد میں منتخب ہوئے تھے [illegible] کانگریس حکومتیں برسرِ اقتدار آگئیں - [illegible]
[illegible]

حاصل کر لی۔

تاہم مذکورہ بالا دو ریاستوں میں فتحیاب محاذ کو حکومت بنانے سے روکا گیا اور اس کے لئے مرکزی حکومت نے راج پرمکھ اور گورنر کو فتحیاب محاذوں میں دل بدلی کرانے اور کانگریس کو برسر اقتدار لانے کے لئے استعمال کیا۔

لیکن پیپسو میں مرکز کی حکومت ایسا نہیں کر سکی کیونکہ اکالی پارٹی کی قیادت میں محاذ اس قسم کی چالوں کی سختی سے مزاحمت کرنے کی پوزیشن میں تھا۔ لیکن چند ہی مہینوں کے اندر مرکزی حکومت نے پیپسو حکومت کو برطرف کر دیا حالانکہ اسے بدستور مجالس قانون ساز میں اکثریت حاصل تھی۔

پانچ برسوں بعد ۱۹۵۷ء میں دستور کو ایک اور زیادہ کٹھن آزمائش سے دوچار ہونا پڑا۔ اس بار یہ صورت حال نو تشکیل ریاست کیرالا میں پیدا ہوئی جہاں کمیونسٹ پارٹی نے مجالس قانون ساز میں غالب اکثریت حاصل کی اور ریاست میں پہلی منتخب حکومت بنانے کی دعویدار ہوئی۔ یہاں بھی گورنر کے عہدہ کو فتحیاب پارٹی میں دل بدلی کرانے اور اسے حکومت بنانے سے روکنے کے لئے استعمال کیا گیا۔

لیکن یہ کوشش بری طرح ناکام ہوئی اور کمیونسٹ پارٹی کی سربراہی میں کیرالا میں پہلی غیر کانگریسی حکومت وجود میں آئی۔ اٹھائیس مہینوں تک اس حکومت کو مجالس قانون ساز میں اکثریت کی حمایت حاصل رہی حالانکہ یہ اکثریت بہت ہی معمولی تھی یعنی ۱۲۷ ممبروں کے ایوان میں اس کے ممبروں کی تعداد محض ۶۵ تھی۔ حکمراں پارٹی کے دو یا تین ممبروں کی دل بدلی کرانے کی ہر کوشش ناکام ہو گئی اور حکمراں پارٹی کا ہر ایک ممبر ثابت قدمی سے حکومت کے ساتھ رہا۔

یہ دیکھ کر کیرالا کی حکومت کو برطرف کرنے کا کوئی دستوری امکان نہیں رہ گیا ہے، مرکز میں حکمراں پارٹی اور ریاست میں حزب مخالف نے ریاستی حکومت کو گرانے کے لئے اندولن شروع کیا۔ ملک بھر میں نظم ونسق جس پارٹی کے ہاتھوں میں تھا اس نے یہ نعرہ دیا "یہ نظم ونسق کو مفلوج کر دو"۔ اس طرح سے ریاست

کیرالا میں عدم استحکام کے حالات پیدا کر کے اس پارٹی نے مرکز میں حکمراں پارٹی کی حیثیت سے مداخلت کی۔ وزیر اعظم نے صدر جمہوریہ ہند کو منتخب ریاستی حکومت کو برطرف کرنے کا مشورہ دیا حالانکہ اسے مجالس قانون ساز میں اکثریت کا اعتماد حاصل تھا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ بعد کے عبوری انتخاب سے یہ امر بالکل واضح ہو گیا کہ کیرالا میں کمیونسٹ پارٹی کے لئے عوام کی حمایت اس کے ۲۸ مہینوں کے دور حکومت میں کم نہیں ہوئی بلکہ اس میں اضافہ ہوا۔

اگرچہ بالکل اسی طرح نہیں جیسے ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۷ء میں ہوا ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۹ء میں بھی یہی کہانی دہرائی گئی۔ جیسا کہ پہلے ہوا تھا، کانگریس محض ایک دو ریاستوں میں نہیں بلکہ نصف درجن سے زیادہ ریاستوں کی مجالس قانون ساز میں اقلیت میں ہو گئی۔ مختلف سیاسی پارٹیوں کے محاذوں نے جنوب کی چار ریاستوں میں سے دو میں اور تقریباً تمام شمالی ریاستوں میں اکثریت حاصل کر لی اگرچہ کانگریس نے پارلیمنٹ میں اکثریت حاصل کر لی لیکن ریاستوں میں جن کی مجموعی آبادی ہندستان کی آبادی کی دو تہائی تھی، اقلیت میں ہو گئی۔ اس سے قبل کانگریس کبھی بھی انتخابات میں ایسی ذلت آمیز پوزیشن سے دوچار نہیں ہوئی تھی۔ لہذا کانگریس دس ریاستوں اور دو مرکزی علاقوں میں غیر کانگریسی حکومتوں کی تشکیل کو نہیں روک سکی۔

صورت حال اس درجہ خراب تھی کہ مرکز میں حکمراں پارٹی ان ہتھکنڈوں کو بروئے کار نہ لا سکی جن کو اس نے ۱۹۵۲ء اور ۱۹۵۷ء میں استعمال کیا تھا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیر کانگریسی حکومتوں کو کئی مہینوں تک اور اڑیسہ، تامل ناڈو اور کیرالا کے معاملوں میں کئی برسوں تک قائم رہنے دیا گیا۔ لیکن کانگریس مرکز میں طاقت ور پوزیشن میں تھی اور اس طاقت کے بل پر مختلف جوڑ توڑ کر سکتی تھی خاص طور پر اس وجہ سے کہ غیر کانگریسی محاذی حکومتوں کے شرکا مختلف مسائل پر متفق نہیں تھے اور وزارت کی کارکردگی کے بارے میں آپس میں ان بن تھی۔ لہذا ایک سال سے کم عرصہ میں اڑیسہ، تامل ناڈو اور کیرالا کو چھوڑ کر ہر ایک غیر کانگریسی حکومت برطرف کر دی گئی۔ کیرالا حکومت کو بھی اس کی تشکیل سے دو سال سات مہینوں بعد

برطرف کر دیا گیا۔

لیکن اس سے کانگریس کو سیاسی طور پر اپنی طاقت کی بحالی میں مدد نہیں ملی۔ عبوری انتخابات میں جو پانچ میں سے چار ریاستوں میں جہاں سنہ ۱۹۶۷ء-۶۹ میں غیر کانگریسی حکومتیں برطرف کر دی گئی تھیں منعقد ہوئے۔ پھر وہی کہانی دہرائی گئی۔ کانگریس ہریانہ کو چھوڑ کر مذکورہ ریاستوں میں سے ہر ایک میں شکست سے دوچار ہوئی۔

مزید براں مغربی بنگال میں سی پی آئی (ایم) کی قیادت میں بایاں محاذ مزید طاقت کے ساتھ برسراقتدار آیا اور کانگریس کی طاقت میں مزید کمی ہو گئی جس سے اس کے "چھکے" چھوٹ گئے۔ مغربی بنگال کی دوسری نیز کیرالا کی حکومتوں کی برطرفی کے بعد کانگریس نے بائیں رجحان اور عوامی نوعیت کی کئی حکمت عملی جیسے 'غریبی ہٹاؤ' کے نعرہ' کو اپنایا لیکن اس کے باوجود سی پی آئی (ایم) نے دو ریاستوں میں واحد غالب اکثریت کی پارٹی کی حیثیت سے اپنی پوزیشن برقرار رکھی۔ تامل ناڈو میں بھی غیر منقسم ڈی۔ایم۔کے نے اپنی اکثریت برقرار رکھی اور کانگریس کچھ نہیں کر سکی۔ مغربی بنگال اور کیرالا (بعد میں تریپورہ کا بھی اضافہ ہو گیا) میں بایاں محاذ اور تامل ناڈو میں ڈی۔ایم۔کے پارٹی سنہ ۱۹۷۱ء اور سنہ ۱۹۷۲ء میں انتخابات میں زبردست کامیابی کے بعد حکمراں پارٹی کی آنکھوں میں خار کی طرح کھٹکنے لگی۔ مغربی بنگال اور کیرالا میں بائیں بازو کی طاقتوں کے مسلسل برسراقتدار رہنے کے متوازی کانگریس کے یک جماعتی تسلط کی مخالفت کی ایک زبردست لہر ابھر رہی تھی۔ ایک طرف بائیں جماعتوں کے اتحاد اور محنت کش طبقوں کی بڑھتی ہوئی ایکتا، جو سنہ ۱۹۷۴ء کی ریلوے ہڑتال وغیرہ کے دوران دیکھنے میں آئی اور دوسری طرف گجرات اور بہار میں عوامی تحریکوں کی بنا پر کانگریسی مطلق العنانیت کے خلاف مزاحمت کی قوتیں ابھر رہی تھیں۔ ان دو متوازی دھاروں کا اتحاد کانگریس کی مطلق العنان حکومت کے وجود کے لئے زبردست خطرہ بن گیا تھا۔ ایک بار پھر حکمراں پارٹی اور ذاتی مفادات کے لئے دستور ہند کو استعمال کرنے کا طریقہ آزمائش سے دوچار ہوا۔

یہاں اس آزمائش، ایمرجنسی جو نافذ کی گئی یا ایمرجنسی کے تحت جو مختلف غیر قانونی طریقے اپنائے گئے ان کو تفصیل سے بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہاں صرف یہ کہنا کافی ہے کہ دستور کی اس سخت آزمائش نے ایک بار پھر دستور سے متعلق بائیں بازو کی نکتہ چینی کو صحیح ثابت کر دیا جس کا لب لباب یہ تھا کہ ایک حکمراں پارٹی جو اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے جمہوری دستور کی تخریب کرنے پر تل جائے تو بظاہر جمہوری دفعات کو تبدیل کر کے ان کے بالکل برعکس کیا جا سکتا ہے۔

دوسرے الفاظ میں اس سارے تجربہ نے دستور کے منفی خصوصیات کے بارے میں کمیونسٹوں، سوشلسٹوں اور بائیں بازو کی دیگر پارٹیوں کی تنقید کی صداقت کی توثیق کر دی ہے۔ اس طرح اس نے اس کی ایک مثبت خصوصیت کو بھی اجاگر کر دیا ہے وہ یہ ہے کہ دستور میں مندرج پارلیمانی جمہوری نظام کو باشعور، منظم اور سرگرم عمل محنت کش طبقہ اور محنت کش عوام کے دوسرے طبقے نہ صرف اپنے لئے اقتصادی مراعات حاصل کرنے بلکہ استحصال کرنے والے طبقوں کی سیاسی اہمیت کو کم کرنے کے لئے بھی بروئے کار لا سکتے ہیں۔ یہ معمولی بات نہیں ہے کہ اب تک محض تین ریاستوں تک محدود ہوتے ہوئے بھی کمیونسٹ تحریک کی قیادت میں بائیں اور جمہوری قوتیں بورژوا۔ زمیندار حکمراں طبقوں کو اقتدار سے ہٹانے میں کامیاب ہوئی ہیں اور حکومت کی مشنری کو محنت کش عوام کے تحفظ کے لئے استعمال کر رہی ہے اور اس طرح انقلابی قوتوں کو مستحکم کر رہی ہیں۔

لہٰذا تمام پارٹیوں میں جمہوری عناصر بائیں بازو اور جمہوری قوتوں کو متحد کر کے بڑھتے ہوئے اقتصادی اور سیاسی بحران سے باہر نکلنے کی راہ تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ جو لوگ حکمراں پارٹی کی مطلق العنانیت کے خلاف جنگ کرنا چاہتے ہیں نیز جنھیں محنت کش عوام کے مفادات کا تحفظ مقصود ہے۔ وہ ہمارے دستور کی ان باتوں جیسے بالغ رائے دہندگی وقفوں کے ساتھ انتخابات، انتظامیہ کا مجالس قانون کو جواب دہ ہونا اور عبوری انتخابات کو بروئے کار لا سکتے ہیں۔

اس دستور کی ۳۰ برسوں کی کارکردگی سے یہ امر مسلّم ہو گیا ہے کہ جہاں ایک حکمراں پارٹی اس کی دفعات کو بائیں اور جمہوری قوتوں کی آگے بڑھنے کی رفتار کو شکست کرنے کے لئے استعمال کر سکتی ہے وہیں بائیں اور جمہوری قوتیں اسی دستور کی دفعات کو حکمراں طبقوں

باقی [illegible]



خواب

از:۔ فکری بدایونی

سفید و سرخ سرخ تھا
سیاہ دودھ کا بھنور
نظر اٹھی تو آگ سے تمام چہرہ جل گیا
دھوئیں نے آنکھ ڈھانپ لی
نظر میں آگ آگ ہے
کسی کی تتلیوں کا کرب
بہہ رہا ہے چار سو
کوئی نہیں ہے دور تک
کوئی کرن تک نہیں
ہمارے برف کے مکاں بھی تو گرمیوں میں سرد ہیں
میں سسکیوں کی لے پہ گیت گا رہا ہوں چیخ کر
مگر
مری صدائے ہُو
مرے لہو کے تھرتھراتے دائروں میں بند ہے
بچھے ہوئے وجود میں
ہر ایک چیز موت ہے
نہ جانے کس صدی کا "میں"
اُٹھے گا میری خاک سے
عذاب سے نجات پھر ملے گی میری ذات کو
جمود توڑ دے گا لمحہ لمحہ اپنے خواب کو
[illegible]
[illegible] آگ کو بجھائے گا

تمام تتلیوں کا کرب کہکشاں بنائے گا۔
ہمارے برف کا مکان بھی
پگھل پڑے گا دم بدم
صدائے ہُو سے آب و گِل کا سینہ شق کروں گا میں
ہمارے غم کا نغمہ سب
زماں مکاں میں گائیں گے۔

وجود بربراتی ریت کے مکاں کو بھول جائے گا
زماں مکاں کی قید سے نکل کے بھاگ جائے گا
پہاڑ کائنات کی بلندیوں کو چھونے پاس اُسے بلائیں گے
ہوائیں بستیوں کی راس اب اُسے نہ آئیں گی
خلاؤں میں اڑیگا وہ
زمیں اُس کے دونوں پیر چھوڑ دے گی ایک دن
گریگا منہ کے بل مگر
نئے سراب کے لئے
خلا میں پھر اڑیگا
عذاب سے نجات پھر
ملے گی اُسکی ذات کو
جمود توڑ دیگا لمحہ لمحہ اپنے خواب کو

امکانات اور خطرات

از:- گئوتم چٹوپادھیہ

پچاس سال سے زیادہ عرصہ قبل جب آزادی کی جنگ جاری تھی، جواہر لال نہرو نے بڑے پُرجوش الفاظ میں کہا تھا۔ "میں اس بات کا کھلا اعتراف کرتا ہوں کہ میں ایک سوشلسٹ ہوں، ایک ریپبلکن ہوں۔ میں بادشاہوں اور شہزادوں پر یقین نہیں کرتا، اور نہ ہی مجھے اس نظام پر یقین ہے جو صنعتوں کا بادشاہ پیدا کرتا ہے۔ عوام کی زندگی اور قسمت پر صنعتی بادشاہوں کا پرانے زمانہ کے بادشاہوں سے زیادہ اختیار ہوتا ہے اور ان کے طریقۂ کار اتنے ہی سفاکانہ ہوتے ہیں جتنے کے زمانہ قدیم کے جاگیرداروں کے . . . . اگر ہندستان اپنی غربت اور نابرابری دور کرنا چاہتا ہے تو اسے سوشلسٹ راستہ پر چلنا ہوگا (نہرو — صدارتی خطبہ، لاہور کانگریس، ۱۹۲۹ء) اس کے بعد ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی کا پرچم لہراتے ہوئے نہرو نے اس بات کو دہرایا تھا۔ بہت سال قبل ہم نے اس بات کا عہد کیا تھا کہ ہم اپنی قسمت کو بدل کر رہیں گے، اور آج وہ وقت آچکا ہے کہ اس مقدس عہد کو پورا کیا جائے۔

آج ۲۶ جنوری ۱۹۸۱ء ہے۔ ۵۱ برس گذر چکے جب سارے ملک نے پورے جوش و خروش کے ساتھ ملک کو مکمل آزادی دلانے کے لئے قسم کھائی تھی۔ ۳۳ برس گذر چکے جب جواہر لال نہرو نے اس مقدس عہد کو پورا کرنے کی بات کہی تھی اور یہ سال ہماری خودمختار ریپبلک کا ۳۱واں سال ہے۔ آزادی اور ریپبلک ہندستان میں ایک پوری نسل پیدا ہو چکی ہے۔ اور اب جوان ہو چکی ہے۔ اگر ہم اپنی ریپبلک پر بالائی طور پر نگاہ ڈالیں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ آج مایوسی کن حقیقت کیا ہے

غریبی اور نابرابری ہندستان سے غائب نہیں ہوئی ہے۔ سرکاری ذرائع بھی اس بات کا اعتراف کرتے ہیں کہ جنوری ۱۹۸۱ء میں حالیہ سردی کی لہر کی وجہ سے تقریباً ۳۰۰ بے گھر مرد، عورت اور بچے سردی سے اکڑ کر مر گئے رجسٹرڈ بے روزگاروں کی تعداد میں دن دوگنی رات چوگنا اضافہ ہو رہا ہے۔ حکومت ہند کے فراہم کردہ ایک تخمینہ کے مطابق ۱۹۷۱ء میں ہندستان میں رجسٹرڈ بے روزگاروں کی تعداد ۴۰ لاکھ تھی۔ اندرا گاندھی کی دس سالہ حکومت کے بعد ۱۹۷۷ء کے اوائل میں ایسے بے روزگاروں کی تعداد بڑھکر تقریباً ۱۱۰ لاکھ ہو گئی یعنی پانچ سال کے مختصر عرصہ میں اس تعداد میں تین گنا اضافہ ہوا۔ جنتا حکومت کی کارگزاری بھی کچھ بہتر نہ تھی، کیونکہ ملک میں ہی لاکھوں بے روزگار ایسے ہیں جنہوں نے اپنا نام رجسٹرڈ نہیں کرایا۔

پھر ۱۹۷۱ء میں حکومت کے تخمینہ کے مطابق ہمارے ملک کی ۵۰ فی صد آبادی غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی بسر کرتی ہے۔ ۱۹۷۶ء کے اوائل میں یہ تعداد سرکاری رپورٹ کے مطابق بڑھ کر ۶۰ فی صد اور ۱۹۷۹ء کے آخری دور میں ۷۰ فی صد ہو گئی۔ تحریک "غریبی ہٹاؤ" سے غریبی کم نہیں ہوئی بلکہ غریبی میں اضافہ ہوا۔

اس دوران امیروں کی کیا حالت ہوئی۔ ۲۱ ستمبر ۱۹۷۹ء کو حکومت ہند کے شعبہ امور کمپنی نے ایک بیان جاری کیا۔ (دی اسٹیٹسمین کلکتہ ۲۲ ستمبر ۱۹۷۹ء) جس سے ایک معتبر طور پر یہ معلوم ہوا کہ ۱۹۷۱ء میں ہندستان کے بڑے بیس صنعتی گھرانوں کے مجموعی اثاثے کی مالیت ۹۸ء۲۰۷۱ کروڑ روپے تھی۔ ۱۹۷۷ء میں یہ بڑھکر ۱۰۴۵ کروڑ روپے ہو گئی یعنی صرف ۵ سال کے عرصہ میں ۷۵ فی صد کا اضافہ ہوا۔ ٹاٹا جارہ دار برلا برادرس کے پاس ۱۹۷۲ء میں کل ۵۹۰ کروڑ روپے کی مالیت کا اثاثہ تھا۔ ۱۹۷۷ء میں مالیت ۱۰۶۷ کروڑ روپے ہو گئی یعنی صرف ۵ برس میں ۸۰ فی صد کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۰ء تک ان کروڑپتیوں نے حد سے زیادہ نفع کمائے۔

۱۹۷۹ء سال بچوں کا سال تھا۔ ہندستان میں ۱۵ سال سے کم عمر کے لڑکے اور لڑکیوں کی تعداد ۲۶ کروڑ تھی

صحت کی اطلاعات کے مطابق ان میں سے ہم اگر وڑ بچوں کو پیٹ بھر کھانا میسر نہیں ہوتا اور خوراک کی کمی کی وجہ سے وہ سب مختلف امراض میں مبتلا رہتے ہیں۔ ایک کروڑ بچے غیر قانونی طور پر نیم غلاموں کی حیثیت سے کام کرتے ہیں۔ ناقص تغذیہ کی وجہ سے ہمارے ایک کروڑ بچے اندھے ہو چکے ہیں۔ کیا اس طریقہ سے گزشتہ تیس برسوں سے مرکز میں جواہر لال نہرو، لال بہادر شاستری، اندرا گاندھی، مرارجی ڈیسائی اور پھر اندرا گاندھی کی حکومتوں نے غریبی اور نابرابری کو دور کرنے کے لئے عوام کو دیئے گئے مقدس عہد کو پورا کیا؟

چھوت چھات اور فرقہ واریت کی برائیوں کی بات کیا کہا جائے ۱۹۶۵ء سے ۱۹۶۹ء تک حکومت نے سرکاری طور پر اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ سارے ملک میں ہریجنوں کے خلاف امتیاز برتنے اور ان پر ظلم کرنے کے ایک لاکھ واقعات رونما ہوئے۔ اس طرح تین ہزار فرقہ وارانہ فسادات ہوئے۔ ۱۹۷۰ء سے ۱۹۷۹ء کے دوران یعنی ۹ برسوں میں ہریجنوں کے خلاف ظلم کے واقعات اور فرقہ وارانہ فسادات کی تعداد میں بہت تیزی سے اضافہ ہوا۔ ۱۹۸۰ء میں ہمارے کو ہستان کے خلاف فرقہ وارانہ فسادات اور ہریجنوں پر حملوں نے بڑی بدنما شکل اختیار کر لی۔

• آزادی کے لئے جدوجہد کے دوران تمام ہندستانی اپنی بہت ساری علاقائی قومیت، زبان اور مذاہب کے باوجود غیر ملکی برٹش حکمرانوں سے ایک ٹھوس قومی جماعت یعنی صرف ہندستانی کی حیثیت سے نبرد آزما ہوئے۔ بدقسمتی سے برٹش حاکموں نے اپنے شاطرانہ جوابی حملوں سے لوگوں میں فرقہ وارانہ تقسیم کا بیج بویا اور اقتدار منتقل کرتے وقت ہندستان کو فرقہ وارانہ بنیاد پر تقسیم کر دیا۔ آزادی کے بعد قوم کے لیڈروں نے جو مرکز میں برسر اقتدار آئے غریبی اور نابرابری کو دور کرنے کے لئے عوام کے دلوں میں جذبہ پیدا کرنے میں ناکام رہے، حالانکہ اگر وہ ایسا کرتے تو اس کار خیر میں پوری قوم متحد رہتی۔ اس کے برخلاف ہم نے یہ دیکھا کہ ایک چھوٹے سے طبقہ کے لوگ امیر بن گئے اور عوام کی بڑی اکثریت کی مصیبتوں میں اضافہ ہو گیا اس کے ساتھ ہی چوٹی کے لوگ ذاتی مفاد کے لئے لوٹ کھسوٹ کرنے لگے۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام پسماندہ جذبات جیسے فرقہ واریت ذات پات کا تعصب، علاقائی جنگجویانہ وطن پرستی اور اسی طرح کی عصبیتیں ابھریں اور پھیلتی گئیں۔ حکمران طبقوں میں بھی گزشتہ ۳۰ برسوں سے اقتدار کی بھوکی جماعتیں عوام سے فرقہ، ذات پات یا جنگجویانہ وطن پرستی کے نام پر بار بار اپیل کرتی ہیں، اور آج ایسا کرنا تو ایک طرح سے عام بات ہو گئی ہے۔ مرکز میں اور بہت ساری ریاستوں میں حکمراں پارٹی کی اکثریت کے باوجود استحکام کا فقدان ہے کیونکہ ان کے آپس میں اور وہ بھی مذہب ذات یا دیگر علاقائی جذبات پر مبنی جھگڑے فسادات ہمیشہ ہوتے رہتے ہیں۔

فی الحال ایسے واقعات نے ملک کے بعض علاقوں میں بڑی بدنما شکل اختیار کر لی ہے، جہاں علاقائی لوگوں کے جائز مفادات کی حفاظت کے نام پر ہندستان کے دیگر علاقوں کے لوگوں کو غیر ملکی قرار دیا جا رہا ہے اور جس کی وجہ سے زبان یا مذہب کی بنیاد پر بھائی بھائی میں جھگڑا ہو رہا ہے اور اس طرح ہندستانیوں کے درمیان پھوٹ ڈالنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ اگر ایسا بلا روک تھام جاری رہا ہے اگر اس مسئلہ کا بہت جلد جمہوری حل ڈھونڈ نکالا گیا تو اس سے بہت ہی شدید خطرہ پیدا ہو جائے گا اور ہندستانی خود ایک دوسرے سے برسر پیکار ہو جائیں گے۔ ۲۶ جنوری ۱۹۸۱ء کو ہندستانی ریپبلک اس کی ۳۱ ویں سالگرہ کے موقعہ پر کے سر پر ہیبت خطرہ منڈلا رہا ہے۔

کیا اس صورت حال کا کوئی مثبت پہلو نہیں ہے کیا کوئی امید یا اطمینان کا پہلو نہیں ہے، کیا اس بات پر اعتماد کرنے کی کوئی بنیاد نہیں ہے کہ ایسے خطرات پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ اعتماد اور امید کی کرن اور امراء کی سیاست سے پیدا نہیں ہو سکتی، بلکہ مظلوم عوام اور ۲۶ جنوری کے مقدس عہد کی تکمیل کے لئے جس کے سلسلہ میں ۱۹۳۰ء سے کوششیں ہو رہی ہیں ان کی عملی جدوجہد کے ذریعہ اعتماد پیدا ہو سکتا ہے۔ آج ہمارا ملک جس سنگین صورتحال سے دوچار ہے اس کی بنیادی وجہ یہ نہیں ہے کہ کسی ایک فرد یا جماعت نے ایسا کیا ویسا کیا۔ خود مختار ریپبلک ہونے کے بعد ہندستان نے ترقی کے لئے سرمایہ دارانہ طریقہ کار کو اپنایا اور اسی کا نتیجہ یہ ہیبت صورت حال ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ سرمایہ داری کا بحران شدید تر ہوتا جاتا ہے اور اس بحران کے بوجھ کو عوام کے کاندھوں پر منتقل کر دیا جاتا ہے۔ تقسیم تو حکمران طبقہ کا ہتھیار ہے اور اسی لئے وہ فرقہ وارانہ ذات

بات سے متعلق اور علاقائی تصادم اور جھگڑوں کو لاتعداد طور پر ہوا دیتے ہیں۔ اس کے برعکس محنت کش طبقہ، دیہی عوام اور کام کرنے والا تعلیم یافتہ طبقہ موجودہ نظام میں بہت زیادہ پریشانیوں سے دوچار ہیں اور وہ متحد ہو کر ایک متبادل قومی راہ کی تلاش میں لگے ہوئے ہیں۔

حالیہ چند مہینوں میں ہندستان کے مختلف طبقوں کی اُن پالیسیوں کے خلاف متحدہ اور طوفانی جدوجہد دیکھنے میں آرہی ہے جو ملک میں غریبی اور نابرابری میں اضافہ کر رہی ہیں۔ نوجوان طبقہ بے روزگاری کے خلاف جنگجویانہ جدوجہد کر رہا ہے خواتین بھی اپنے خلاف بے انصافیوں اور ظلم و ستم کے خلاف میدان عمل میں آگئی ہیں بہت سی ریاستوں میں زرعی مزدوروں نے اجرت میں اضافہ اور زمین کے لیے اور مختصر یہ کہ زرعی سوسائٹی کی جمہوری نو تنظیم کے واسطے بڑے پیمانہ پر جدوجہد شروع کر دی ہے۔ طلبا نے بھی حال میں نہ صرف اپنے مطالبات بلکہ عوام کی جمہوری مانگوں کے لیے بھی جنگجویانہ جدوجہد کا آغاز کیا ہے۔

صنعتی مزدور بھی سرگرم عمل ہو گئے ہیں۔ جس کا ثبوت یہ واقعات ہیں۔ بنگلور میں پبلک سیکٹر میں ورکروں کی ہڑتال اور پورٹ اور ڈک ورکروں کی متحدہ جدوجہد اور پنجاب میں ورکروں کی ایک دن کی کامیاب ہڑتال۔

اس ضمن میں یہ امر نمایاں اہمیت رکھتا ہے کہ کسان طبقہ بھی زرعی پیداوار کی بہتر قیمتوں اور قرضوں وغیرہ سے نجات کے لئے متحدہ اور جنگجویانہ جدوجہد میں شامل ہو گیا ہے۔ اس سلسلہ میں مہاراشٹر میں کسانوں کی بڑے پیمانہ پر عوامی جدوجہد خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ کسانوں کی جدوجہد چاہے وہ اتر پردیش میں ہو یا مہاراشٹر میں، ہمیشہ ہر گیر رہی ہے ذات یا فرقہ وارانہ تفریق سے بالاتر ہو کر کسان طبقہ نے ایک منظم عوامی نظام تقسیم کی فوری اہمیت اور ضرورت کو نمایاں اور اُجاگر کر دیا ہے۔

حالیہ مہینوں میں متمول طبقہ اور حکمراں پارٹی میں ان کے ترجمانوں کی یہ مذموم کوششیں بھی دیکھنے میں آئی ہیں کہ سخت گیر اقدامات اور ملک میں صدارتی نظام حکومت قائم کرنے کی ناپاک چالوں کے ذریعہ ملک کو انحطاط پذیر اقتصادی پالیسیوں کی راہ پر لے جایا جائے۔ اس ضمن میں بھی خوش آئند بات یہ ہے کہ ملک بھر میں عوام متحدہ

طور پر مزاحمت کے لئے اُٹھ کھڑے ہوئے ہیں جس کے نتیجہ میں مغربی بنگال کیرالا، بہار، آندھرا پردیش اور اڑیسہ میں کامیاب بند ہوئے۔

ہم ایک ایسے المیہ میں رہ رہے ہیں جس میں عدم نظری کی قطعاً کوئی جگہ نہیں ہے۔ دُنیا بھر میں نیوکلیائی جنگ کی حامی سامراجیت اور اقتصادی بالادستی اور امن نیز صلح جوئی کی طاقتوں کے درمیان قومی آزادی اور ایک منصفانہ قومی اقتصادی نظام کے حصول کے لئے بڑے پیمانہ پر جدوجہد جاری ہے۔ ہندستان کے لوگوں کی یہ قدیم روایت رہی ہے کہ وہ جنگ، استعماریت اور جارحیت کی قوتوں کے خلاف ہمیشہ عالمی امن، قومی آزادی اور سوشلزم کی حمایت کرتے رہے ہیں۔ اور یہی وجہ ہے کہ یکے بعد دیگرے ہندستانی حکومتیں اپنے عوام دشمن اور رجعت پسندانہ رجحانات کے باوجود خارجہ پالیسی کے کلیدی میدان میں عوامی خواہشات اور قومی ضرورت کو ملحوظ رکھنے پر مجبور رہی ہیں۔ لہذا ۱۹۸۱ء میں ہماری جمہوریہ کے مثبت پہلو یہ رہے ہیں۔ سوویت یونین اور سوشلسٹ ممالک کے ساتھ مستحکم دوستی، تمام ناوابستہ ترقی پذیر ممالک کے ساتھ خوشگوار تعلقات اور ان جارحانہ اور جنگجویانہ قوتوں کے خلاف ہمارا سخت رویہ جو ہمارے ملک کو بلیک میل کرنے اور اس پر دھونس جمانے کی برابر کوششیں کر رہی ہیں۔

درحقیقت خطرہ یہ ہے کہ ہندستان کے برصغیر اور بحر ہند کے اردگرد سامراجی قوتیں اور ان کے پٹھو ہماری خود مختار جمہوریہ اور اس کی امن، آزادی اور ناوابستگی کی پالیسی کے لئے خطرہ بن گئے ہیں۔ اس خطرہ کا بھی کامیابی سے سدباب کیا جا سکتا ہے اگر ہندستان کے عوام کو غریبی اور نابرابری کے چنگل سے نجات دلائی جا سکے۔

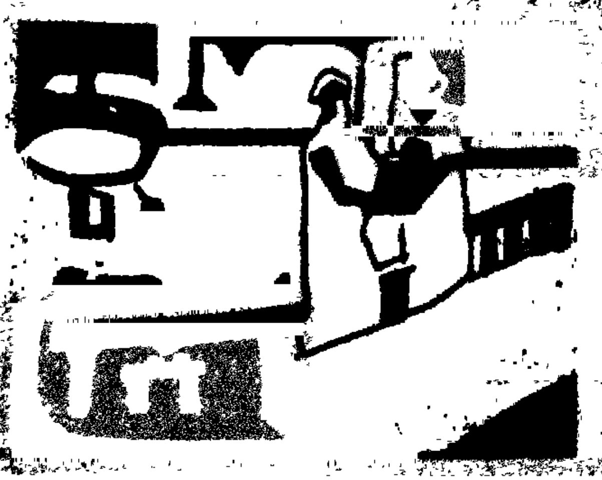
سرمایہ داری کے مضر اثرات کو دور کرنے کی عوامی جدوجہد اور ملک کے کچھ علاقوں میں بشمول مغربی بنگال، بائیں بازو کی چند ریاستی حکومتوں کا وجود ۱۹۸۱ء کے یوم جمہوریہ کے ابر آلود آسمان میں امید اور روشنی کی واحد کرنیں ہیں۔

بائیس سالہ حکومت کی ترقیاتی سرگرمیاں

[illegible] حکومت نے محدود وسائل اور اختیارات کے باوجود [illegible] زندگی بہتر [illegible] [illegible] لاکھ [illegible] حکومت [illegible] [illegible] کیلئے [illegible] فراہم کئے جا چکے ہیں

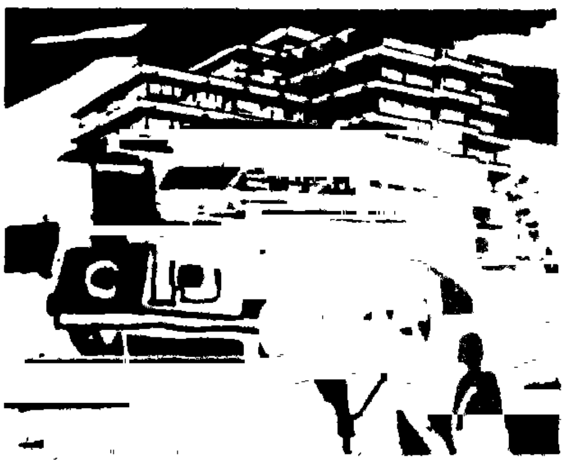


نقل و حمل:- [illegible] حکومت نے نقل و حمل کی بہتری کیلئے بہت سارے اقدامات کئے ہیں [illegible] سرکاری بسوں [illegible] پرائیویٹ بسوں [illegible] [illegible] سرکاری بسوں [illegible] حکومت [illegible] [illegible] اضافہ ہوا [illegible] [illegible] جاری ہے۔



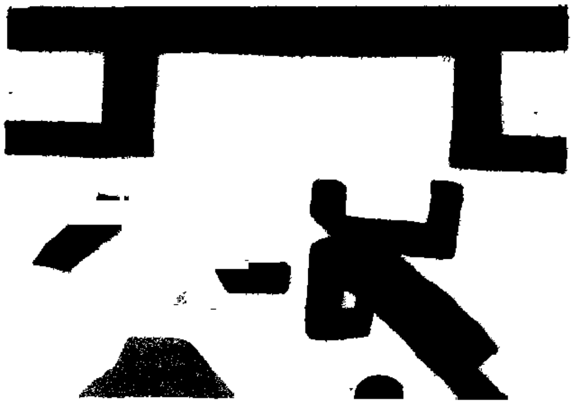


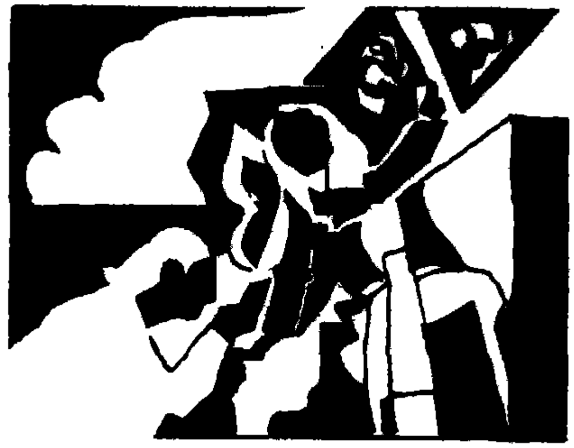
آبپاشی:- چھوٹے پیمانے کی آبپاشی کی اسکیموں کے ذریعہ ۱۶٫۵۲ لاکھ ہیکٹیئرس کھیتوں کو آبپاشی سہولتیں فراہم کی گئیں ۸۱-۱۹۸۰ء میں ایسی سہولتیں ۲٫۳۶ لاکھ ہیکٹیئر رقبہ کو فراہم کرنے نیز ۴۵۰ گہرے ٹیوب ویل دریا سے پانی چڑھانے کیلئے ۳۲۰ لفٹ پمپ اور بہت سارے کم گہرے ٹیوب ویل بٹھانے کے لئے بجٹ میں گنجائش رکھی گئی ہے۔ اسکے علاوہ چھوٹے تالابوں اور چھوٹی نہروں کی کھدائی کا کام پنچایتوں کے ذریعہ انجام دیا جا رہا ہے۔



طبی سہولتیں:- عوام کو علاج و معالجہ کی خدمات فراہم کرنے کے نقطہ نظر سے دیہاتوں میں [illegible] مراکز قائم کئے گئے۔ اسکے علاوہ ۵۰ بستروں [illegible] ہسپتال [illegible] [illegible] حکومت [illegible] [illegible] [illegible]

اسپورٹس اور کھیل :- اسپورٹس اور کھیل کود کی بہتری کیلئے ریاستی حکومت ایک جامع اور وسیع پروگرام کو بروئے عمل لا رہی ہے۔ ورزش اور اسپورٹس کو اسکولوں کے نصاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ہر ضلع میں ایک اسٹیڈیم تعمیر کرنے کا کام جاری ہے۔ حال ہی میں سالٹ لیک کلکتہ میں سارے ہندوستان کے اسکولوں کے طلبا کا ۲۶ واں نیشنل گیمس چیمپین شپ ۱۹۸۰ء کا انعقاد ہوا۔ نیز ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر سال اس ریاست کے تمام پرائمری اسکولوں کے ۶ سے ۱۱ سال کے بچوں اور بچیوں کا اسپورٹس منعقد کیا جائے۔





ثقافت :- شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور حکومت کی پالیسیوں اور اغراض و مقاصد کی عکاسی کرنے اور ایک صحتمند ثقافت کو دینے میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔ عوام سے خاص طور پر دیہی عوام سے قریبی رابطہ قائم کرنے کیلئے دیہی اطلاعاتی تنظیم میں نئی جان ڈالی گئی۔ چھ زبانوں میں رسالے شائع کئے جا رہے ہیں۔ جگہ جگہ ریاستی حکومت کی ترقیاتی سرگرمیوں سے متعلق نمائشیں منعقد کی جا رہی ہیں۔ ریاستی سطح پر درگاپور اور سلی گوڑی میں انفارمیشن سنٹر اور چائے باغات اور کوئلہ کی کان کے علاقوں میں لیبر انفارمیشن سیل کھولے گئے۔ صحتمند ثقافت کے فروغ کیلئے ریاستی سطح پر اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

تعلیم :- دیہی اور شہری علاقوں میں ۶۷۲۱ نئے پرائمری اسکولوں کو منظوری دی گئی۔ ان کے لیے ۱۶۵۵۶ اساتذہ مقرر کئے گئے۔ سکینڈری اور ہائیر سکینڈری اسکولوں کیلئے ۶۵۰۰ اساتذہ کو ملازمت پر بحال کیا گیا۔ ۸۵۰۰۰ اساتذہ اور ۲۰۰۰۰ غیر تدریسی اسٹاف کو قومیائے گئے بنکوں کے ذریعہ تنخواہیں دی جا رہی ہیں۔ سنہ ۸۱ء سے پرائمری اسکولوں میں نیا نصاب رائج کیا جا رہا ہے۔ پرائمری اسکولوں کے اور پسماندہ طبقہ کے طلبا کو نصاب کی کتابیں لکھنے کی کاپیاں سلیٹ مفت سپلائی کی جا رہی ہیں۔





صنعت :- بائیں محاذ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے اس ریاست میں صنعتی سرگرمیوں کو کافی تیزی آگئی۔ جون ۱۹۷۷ء سے اپریل ۱۹۸۱ء تک ۲۰۰ بڑے پروجیکٹوں کے سلسلہ میں جن کیلئے مجموعی طور پر [illegible] کروڑ روپے کی سرمایہ کاری ہوگی، مرکز کی منظوری حاصل ہو گئی۔ کلیانی، کھڑگپور اور ہلدیہ میں ۴۳ نئی صنعتیں قائم کی جا رہی ہیں۔ چھوٹے پیمانے کی صنعتوں، ہینڈلوم اور ریشم سازی کی صنعتوں میں گذشتہ تین برسوں میں ایک لاکھ سے زیادہ لوگوں کو روزگار فراہم کیا گیا۔ چھوٹی صنعتوں کے [illegible] کی وجہ سے صنعتی تعلقات میں کافی بہتری ہوئی۔ ٹیکسٹائل مزدوروں، انجینئرنگ صنعت، سوتی کپڑا اور کلکتہ ڈاک اور پورٹ کے مزدوروں کو اجرتوں میں بہتری ہوئی۔ ریاستی حکومت نے بہت ساری بیمار اور غیر نفع بخش اور بند صنعتوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا۔ اس سے بہت سے لوگوں کو روزگار فراہم ہوا۔





ہندستان اور نیتاجی

ازد۔ شری ضمیر گھوش، وزیر اعلیٰ تعلیم

عام طور پر یہ سوال کیا جاتا ہے کہ سارے ہندستان میں سامراجی نظام کے قیام کے تقریباً ایک سو سال کے بعد کیوں قومی سطح پر آزادی کی تحریک کی بیداری پیدا ہوئی اگر ہم ۱۸۵۷ء سنہ سال کو قومی جد وجہد کی ابتدا کا سال تسلیم کرلیں تو قدرتی طور پر اس بات کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ایک سیاسی جماعت کی زیر قیادت نہ ہونے کے باوجود سپاہیوں کی بغاوت سامراجیت کے خلاف پہلی قومی جد وجہد تھی۔ اس سے قبل سامراجیوں کے خلاف جگہ جگہ تحریکیں چلائی گئی تھیں۔ یہ ملک گیر پیمانہ کی نہ تھیں مثلاً نیل ورکروں کی بغاوت، سیناسی بغاوت مختلف علاقوں میں ملاحوں اور کسانوں کا اندولن۔

اس سوال کے جواب کے لئے ہمیں ہندستان کے عہد ماضی کی تاریخ پر غور کرنا ہوگا۔ آریا ہندستان میں آئے لیکن ان کی تہذیب

ایک محدود علاقہ تک پھیلی۔ جنوبی ہندستان میں ایک قدیم تہذیب قائم و دائم تھی۔ بہت ساری غیر ملکی قومیں ہندستان میں آئیں۔ انھوں نے مختلف علاقوں پر قبضہ کر کے وہاں استحصال کرنا شروع کیا۔ لیکن ۔ برٹش سامراجیوں نے سارے ملک پر اپنی حکومت قائم کر لی۔ اس طرح ان لوگوں نے حکومت بھی کی اور استحصال بھی کیا۔ اپنے مقصد کی برآوری کیلئے جو کچھ کرنا ضروری تھا سو انھوں نے کیا۔ مختصر الفاظ میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ انگریزوں نے لوٹ کھسوٹ اور استحصال کرنے کی پالیسی کے ذریعہ مختلف حصوں میں بٹے ہندستان کو متحد کر دیا۔ گرچہ ۱۷۵۷ء میں انگریزوں نے ہندستان میں پہلی بار اپنی برتری قائم کی تاہم سارے ملک میں سامراجی نظام کو رائج کرنے میں انھیں کافی عرصہ لگا۔

یہ بات بھی صحیح نہیں ہے کہ ہمارے دیش میں بہت عرصہ کے بعد حکمراں طبقہ کے خلاف بیداری پیدا ہوئی۔ شری چیتنیہ جب وشنو مذہب کا پرچار کر رہے تھے تو انھوں نے پہلی بار حکمراں طاقت کی ہدایت کو رد کرتے ہوئے نوادیپ میں مذہبی جلوس نکالنے کا حکم دیا۔ یہاں بھی ان کا یہ اندولن عوامی شکل کا نہ تھا۔ ان کا مذہبی پرچار ایک مخصوص علاقہ تک محدود تھا۔ ان کے بعد کے عرصہ میں راجہ رام موہن رائے نے حکمرانوں کے مختلف اقدامات کے خلاف براہ راست احتجاج کیا۔ تعلیمی میدان میں بھی ودیا ساگر نے اہم کردار ادا کیا۔ گرچہ ان لوگوں نے قدامت پسندی اور توہم پرستی کے غلبہ کو توڑ کر ایک نئی قسم کی سماجی بیداری اجاگر کرنے میں پیش قدمی کی تاہم حکمرانوں کے خلاف ان کے کردار کو غیر اہم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ ان کے بعد سوامی ویویکانند نے مذہبی پرچار کے ذریعہ قومی شعور کو اور بھی زیادہ اجاگر کیا۔ ان تمام باتوں کے علاوہ بنکم چندر کے بندے ماترم نے تمام لوگوں کے دلوں میں ایک اٹوٹ یکتا کا شعور بیدار کیا۔ ساتھ ہی اس نے ہندستان میں سامراجی حکومت جو بدی کی علامت تھی کے خاتمہ کی طرف قومی بیداری کو ایک سمت عطا کی۔ بنکم چندر نے جن باتوں کا اظہار کیا تھا انھیں رابندر ناتھ ٹیگور نے آخری شکل عطا کی۔ شاعر اعظم نے اپنی نظموں میں سرزمین ہند کو تمام بنی نوع انسان کے لئے مقدس زمین قرار دیا۔ ٹیگور نے اپنی نظموں کے ذریعہ ہندستان کا قومی بیداری کا اجاگر کیا ۔

قومی بیداری کی ارتقاء کی تاریخ میں شرت چندر نے کر رابندر ناتھ ٹیگور جیسی عظیم ہستیوں کے کردار کی اہمیت کا شاید ہی صحیح طور پر اندازہ لگایا جا سکے مذہبی پرچار سماجی اصلاحات اور تعلیمی سرگرمیوں کے ذریعہ قومی بیداری کو اجاگر کرنے اور اسے فروغ دینے کے سلسلہ میں ان کی پُر خلوص کوشش کو احترام کے ساتھ تسلیم کرنا پڑے گا۔ سیاسی میدان میں سامراجیوں کے خلاف انقلابی جد وجہد میں پہلے درجہ کے لیڈر کی حیثیت سے شری اروبندو کا نام ہمیشہ سرفہرست رہیگا۔ بہت ہی مختصر عرصہ کے لئے انھوں نے پوری قوم میں ایک نیا جذبہ پیدا کیا۔ سامراجیوں کے خلاف عدم تعاون تحریک کے بانی صحیح معنوں میں شری اروبندو ہی تھے ۱۹۰۵-۱۰ء کے عرصہ میں ایثار اور حب الوطنی کے کافی مظاہرہ ہوئے۔ گرچہ یہ جد وجہد علاقائی تحریک تک محدود رہی تاہم یہ لوگوں کے دلوں میں آزادی کی جوت جلانے میں معاون ثابت ہوئی۔ بعد میں سودیشی تحریک نے سیاسی تحریک کے لئے مناسب فضا پیدا کی۔ شری اروبندو، اور تلک نے سیاسی بیداری پیدا کی اور کھدی رام، کنائی لال اور بھگت سنگھ نے آزادی کے کاز کے لئے ایثار اور قربانی کی مثال پیش کی۔

ہندستان کی سیاسی تحریک میں گاندھی جی نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا یہ ان کی ہی خصوصیت تھی کہ انھوں نے ہندستانی عوام کی علاقائی وفاداری کو ایک جامع متحدہ سیاسی بیداری کی لڑی میں پرو دیا۔ مفکر و شاعر اقبال کے ترانہ ہندی 'سارے جہاں سے اچھا ہندستاں ہمارا' نے ہندستان کے عوام کے دلوں میں ایک نئے الہامی جذبہ بیدار کیا۔ اس طرح گاندھی جی کی زیر قیادت عدم تعاون تحریک نے ہندستان کے قومی شعور کو اجاگر کیا۔ سوراج کی بابت گاندھی جی کے تصورات کی بابت اختلاف رائے ہو سکتا ہے لیکن اس بات پر شک نہیں کیا جا سکتا کہ وہ ہندستان کے اتحاد کے علمبردار تھے۔

سوراج کے لئے گاندھی جی کی جد وجہد روحانی قدروں سے عبارت تھی۔ لیکن نیتاجی سبھاش چندر بوس نے سوراج کی بابت تصورات کو حقیقی شکل عطا کی سوراج کی بابت گاندھی جی کے خیالات مابعد الطبیعی اور سیاسی تھے۔ یہ صحیح ہے کہ انھوں نے سوراج کے تصور کو ایک نیا مفہوم عطا کیا۔ اس کے نتیجہ میں وہ سیاسی میدان میں صحیح سمت کی نشاندہی نہ کر سکے۔ سبھاش چندر بوس گاندھی جی سے زیادہ حقیقت

مصطفیٰ اکبر

یوم جمہوریہ

آؤ منائیں جشن کہ یوم خوشی ہے آج

گائیں ترانے ہنستے ہیں زخم گلو تو کیا
ہے جرم آج لب پہ خموشی کا ارتکاب
بولیں کہ آج قوم کی عظمت کی بات ہے
پھر ادیبِ آج عہدِ گذشتہ کے واقعات
اپنی تباہی اپنی ہی قسمت کی بات ہے
آؤ کہ خوں سے رنگ لیں بے رنگیٔ حیات
اپنے لبوں میں گوندھ لیں جھوٹی ہنسی کے پھول
آنکھوں سے آنسو پونچھ لیں، دھو لیں جبیں کی دھول
تن ڈھانپ لیں لباس کرائے کا ہی سہی
محنت کی روٹی مل نہ سکی بھیک کی سہی
پی لیں لہو کے گھونٹ ہے خالی سبو تو کیا

آؤ منائیں جشن کہ یوم خوشی ہے آج

بقیہ - ہمارا دستور

کی جہاں کہیں ناکام بنانے کے لئے بروئے کار لاتی ہیں۔ حقیقت میں یہی بات حکمراں طبقہ کے لئے پریشانی کا باعث بن گئی ہے جنھیں دستور کا ان منفی پالیسیوں کا احساس ہو گیا ہے اور جو موجودہ پارلیمانی

باقی صفحہ ۱۳ کا

پسند تھے۔ اس لئے وہ بین الاقوامی صورتحال کو اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔ اور یہی اس بات کی وضاحت کرتی ہے کہ کیوں انھوں نے مذہب اور فلسفہ سے زیادہ سیاست پر زور دیا تھا۔

نیتا جی نے پہلی بار قومی شعور کو بیدار کرنے کی کوششوں پر سیاسی چھاپ لگا دی۔ انھوں نے حب الوطنی کو ایثار سے ملا دیا۔ حب الوطنی پر گاندھی جی کے الفاظ ان کے خیالات کے حرارت مند اسلوبِ بیان تھے۔

لیکن برٹش سامراجیوں کے خلاف جد وجہد میں انھوں نے کافی پس و پیش کیا تھا۔ انھیں گیتا اور دیگر کتابوں میں درج ایثار پر یقین تھا۔ انھیں لفظ قربانی کے فلسفیانہ معنی پر یقین تھا۔ لیکن سبھاش چندر نے آزادی کے کاز کے لئے برٹش سامراجیت کے خلاف جد وجہد میں قربانی کے جذبہ پر زور دیا۔ اسی لئے گاندھی جی کی عدم تعاون تحریک میں تعاون کے کافی امکانات تھے، لیکن نیتا جی کی جد وجہد مکمل تھی، اس میں مصالحت کی گنجائش نہیں تھی۔

ایک عام کہاوت یہ ہے کہ صرف عمل ہی کے ذریعہ اتحاد قائم ہو سکتا ہے۔ سبھاش چندر نیتا جی کی حیثیت سے ایک متحد اور غیر منقسم ہندستان تعمیر کرنے میں کامیاب ہوئے۔ گاندھی جی نے قومی شعور کو بیدار کیا۔ نیتا جی نے جد وجہد کے ذریعہ اس شعور کو حقیقت کا جامہ پہنایا۔ آزادی کے لئے آزاد ہند فوج کی قومی جد وجہد نے پوری قوم کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا کسی اور تحریک نے پوری قوم کو اس حد تک متاثر نہیں کیا تھا۔ ۱۹۴۲ء کی تحریک نے پوری قوم کو جھنجھوڑا تھا لیکن اس نے پوری قوم کو متحرک نہیں بنایا۔ آزاد ہند فوج کے تحت تمام فرقوں۔ ہندو، مسلمان، سکھ، عیسائی، مرد، عورت اور بچے — کے لوگوں نے ایک ہو کر آزادی کے لئے جد وجہد شروع کر دی۔ یہ ایک انوکھی بات تھی۔ وہ سب متحدہ طور پر آزادی کی جد وجہد میں شامل ہو گئے۔ ان کا یہ جوش و خروش میکانیکی نہ تھا بلکہ یہ پر خلوص قومی بیداری کا مظہر تھا۔ اسی لئے سارا ملک جے ہند کے نعرہ سے گونج اٹھا تھا۔

نظام کی جگہ صدارتی نظام کو لانے کی کوشش کر رہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ ہم کمیونسٹ، سوشلسٹ اور دیگر بائیں بازو کی پارٹیاں حکمراں طبقوں کی اس کوشش کو ناکام بنانے کے لئے کمربستہ ہو گئی ہیں۔

جہانِ نو

مخدوم محی الدین

ایسا جہاں جس کا اچھوتا نظام ہو
ایسا جہاں جس کا اخوت پیام ہو
ایسا جہاں جس کی نئی صبح و شام ہو
ایسے جہانِ نو کا تو پروردگار بن



انقلاب

مخدوم محی الدین

(آنے والے نئے نظامِ عالم کے پیش رس کی تمنائیں)

اے جانِ نغمہ جہاں سوگوار کب سے ہے
ترے لئے یہ زمین بے قرار کب سے ہے
ہجوم شوق سرِ رہگذار کب سے ہے
گذر بھی جا کہ ترا انتظار کب سے ہے



از:- دنیش رائے

بین الاقوامی تنظیم محنت کا جائزہ

زیر غور مضمون کا عنوان ہے "دیہی پسماندگی کا مقابلہ — بین الاقوامی تنظیم محنت ۱۹۸۰ء"

اس مضمون میں تین مختلف نظاموں کے تحت دیہی غربت کو دور کرنے کی کوششوں پر بحث و مباحثہ کیا گیا ہے۔ مذکورہ نظام یہ ہیں

(۱) نجی کاشتکاری جیسی کہ ہندوستان سمیت ایشیا کے زیادہ تر ملکوں میں کی جاتی ہے۔

(۲) اجتماعی کاشتکاری، جیسی سوویت سنٹرل ایشیا اور چین میں کی جاتی ہے اور

(۳) تبدیلی پذیر، عارضی یا درمیانی قسم کی کاشتکاری جس کی سب سے اچھی مثال، تنزانیہ میں دیہی ترقی پروگرام اور اُوجاما گاؤں ہے۔

مذکورہ مضمون کے مصنفوں نے یوں اظہار خیال کیا ہے۔

"ہندوستان اور بنگلہ دیش جیسے ملکوں میں جہاں زرعی ڈھانچہ میں بہت زیادہ نابرابری ہے وہاں انتہائی حد تک زرعی پیداوار میں اضافہ کرنے کی حکمت عملی کا مطلب یہ ہے کہ ترقی پذیر علاقوں اور کسانوں کے ہاتھوں میں وسائل مرکوز ہونے چاہئیں۔ یہاں ترقی پذیر سے مراد امیر کسان ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ترقیاتی وسائل کی صورت میں بہت ہی کم وسائل باقی رہ جاتے ہیں اور ان سے عوام کی غربت دور نہیں کی جا سکتی ہے۔ اس طرح پیداوار میں اضافہ کے باوجود غربت اپنی جگہ قائم و دائم رہتا ہے (صفحہ ۶۵) اس مطالعہ کے مطابق یہ حکمت عملی بھی پیداوار کی رفتار میں تیزی لانے میں ناکام رہی۔ اس مضمون میں مزید درج ہے کہ "بنگلہ دیش اور ہندوستان کے مطالعہ سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ پیداوار میں اضافہ کے مقصد میں جب اسے مکمل طور پر دیہی معیشت کی بہتری کے لئے نہ کر ایک چھوٹے سے علاقہ میں تجربے کے طور پر بروئے کار لایا جاتا ہے، بہت ہی مشکل سے یہ مکمل کامیابی حاصل

ہو سکتی ہے۔ ہندستان میں گذشتہ پچیس (۲۵) برسوں میں اضافہ کے لئے بہت سارے تغیر پذیر اقدامات کئے گئے تاہم ان سے زرعی پیداوار کے اضافہ کی رفتار میں تیزی نہیں آئی۔ بنگلہ دیش میں کومیلا کی نقل کرنے کی کوشش کی گئی لیکن فی کس زرعی پیداوار کی گرتی ہوئی شرح پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا"

دوسری طرف اگر کوآپریٹو سرمایہ داری کو وسیع پیمانہ پر دیہی ترقی کے لئے ایک ذریعہ کے طور پر بروئے کار لایا جائے تو ایک ایسی صورتحال میں جہاں اثاثے بہت ہی غیر مساوی طور پر منقسم ہیں اور جہاں کسانوں کی ایک اچھی خاصی تعداد مفلس و نادار ہے، اُسے مشکل سے ہی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ صحیح ہے کہ کومیلا کے تجربہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ایک چھوٹے سے علاقہ میں بہت زیادہ وسائل یکجا کر دئے جائیں، کھیتی باڑی کے لیے نئی نئی چیزوں کے سلسلہ میں فیاضانہ طور پر امداد فراہم کی جائے، تو اس سے پیداوار میں بہت زیادہ اضافہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس تجربہ سے یہ بات بھی ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس طرح کی مصنوعی سازگار صورتحال میں بھی آمدنی کی مساوی تقسیم کا نشانہ پورا نہ کیا جا سکا دیہی غریبوں کی معاشی بدحالی روکی نہ جا سکی اور امیروں کے مفاد میں کوآپریٹو کے استعمال کی مزاحمت کی نہ جا سکی۔

ہم یہاں مزید یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جہاں تک ہندستان کا سوال ہے، جلد اور زیادہ پیداوار والے بیج کے استعمال نے دیہی علاقوں میں سماجی تناؤ کو اور بھی ابتر بنا دیا، حالانکہ ایسے بیجوں کی بابت یہ کہا جاتا ہے کہ ان کی وجہ سے سارے ملک میں سبز انقلاب آجائے گا۔ امیر امیر تر بن گئے اور غریب غریب تر۔ حکومت ہند کے فراہم کردہ اعداد و شمار مظہر ہیں کہ سبز انقلاب کے علاقوں میں دیہی مزدوروں کی معاشی حالت گذشتہ پندرہ برسوں میں اور بھی ابتر ہو گئی۔

بائیں محاذ حکومت کے تحت مغربی بنگال

بین الاقوامی تنظیم محنت کے مذکورہ بالا جائزہ کی رپورٹ میں سات صفحات (صفحہ ۴۵ تا ۵۱) بائیں محاذ حکومت کے تحت مغربی بنگال میں اصلاحات آراضی پروگرام کی تکمیل سے متعلق ہیں۔ اس رپورٹ سے مصنفوں نے جو نتائج اخذ کئے ان کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

دوسری طرف مغربی بنگال کا تجربہ بہت زیادہ بامعنی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ تجربہ حوصلہ مندانہ نہ ہو، کیونکہ اس کا مقصد یہ نہیں ہے کہ رعیتی کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا جائے یا بڑے بڑے کسانوں کی زمینیں بغیر معاوضہ دئے لے لی جائیں یا اجتماعی طور پر کھیتی باڑی کی جائے۔ لیکن اس حقیقت کو تسلیم کرتے ہوئے کہ کسانوں کی اکثریت کے ساتھ امتیاز برتا گیا ہے، ریاستی حکومت نے زمینداروں اور امیر کسانوں کے خلاف غریب کسانوں بٹائی داروں اور زرعی مزدوروں کے حق میں اقدامات کئے۔ اصلاحات آراضی انتہائی حد سے زیادہ زمینوں، خواہ وہ بے نامی ہوں یا دیگر ذرائع سے پوشیدہ رکھی گئی ہوں، کی کھوج اور شناخت اور ان کی تقسیم اور بٹائی داروں کو ان کے حقوق کے تحفظ کے لئے رسمی طور پر تسلیم کرنے پر مشتمل ہیں۔ اس سلسلہ میں مغربی بنگال کی نمایاں خصوصیت اسکے اصلاحات آراضی قوانین نہیں بلکہ ان قوانین کی تکمیل پر مبنی ہے۔ مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت نے اس بات پر بھروسہ کیا کہ سیاسی طور پر لوگوں کو یکجا کیا جائے اور ان سے اس طرح براہ راست بات چیت کی جائے کہ جس کی وجہ سے غریبوں میں اعتماد پیدا ہو۔

اس مطالعہ میں مغربی بنگال کے خط و خال کا ذکر کیا گیا ہے اور ان میں بڑی دلچسپ تفاصیل بھی ہیں کہ کس طرح حکومت مغربی بنگال نے زرعی ڈھانچہ کو ایک ایسے ملک میں جہاں دیہی غریب امیروں کے مسلسل خوف اور ڈر کی چھاؤں میں زندگی بسر کرتے ہیں سیاسی، سماجی اور معاشی لحاظ زیادہ مساوی بنانے میں بہت حد تک کامیابی حاصل کی۔

ہم یہ جاننے کے بڑے متمنی ہیں کہ بین الاقوامی تنظیم محنت کے مذکورہ بالا مطالعاتی رپورٹ کی بابت اور خاص طور پر جہاں مغربی بنگال کا ذکر ہے بائیں محاذ حکومت کے نقاد کیا کہنا چاہتے ہیں۔ (اکنامک اینڈ پولیٹیکل ویکلی بمبئی)

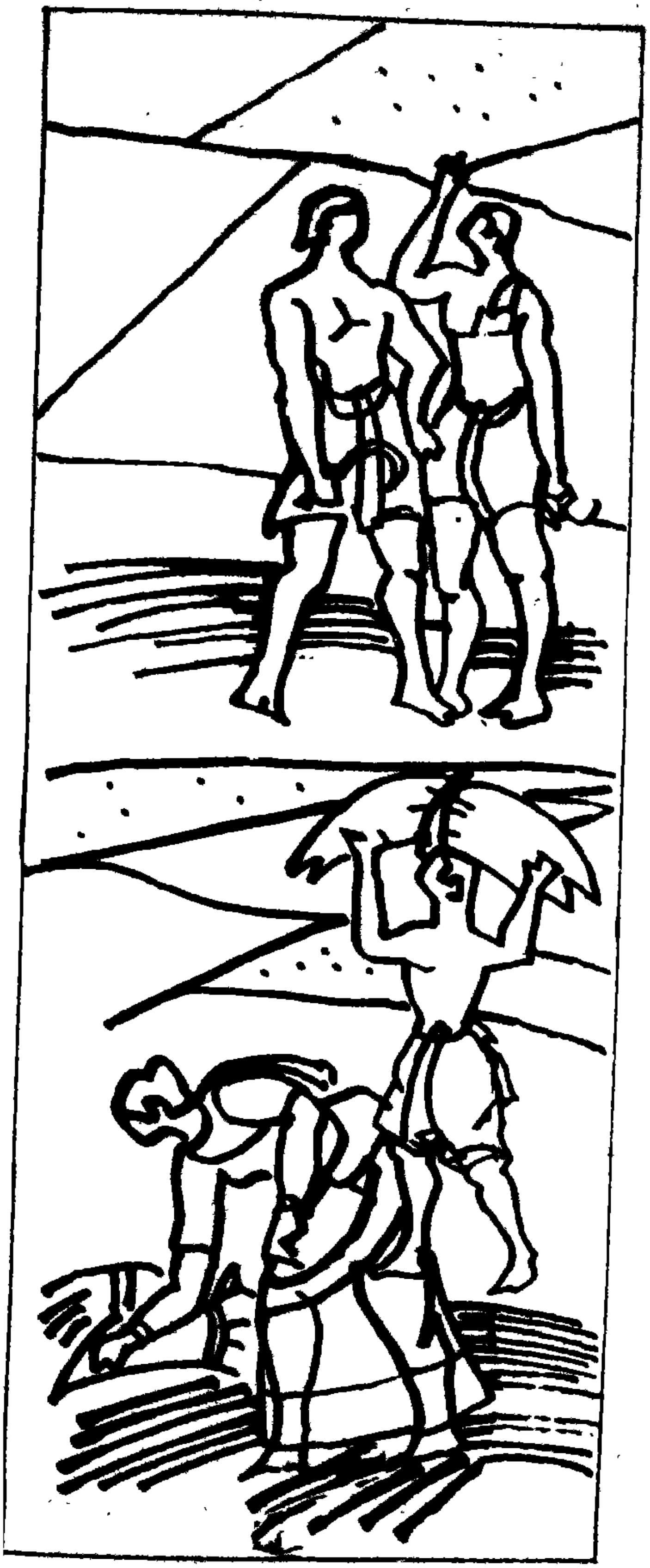
نقادوں کی نظر میں

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کی کارکردگی کی بابت دیگر ریاستوں سے شائع ہونے والے اخباروں کے تبصروں کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں۔

دکن ہیرالڈ، بنگلور

اس اخبار نے اپنے ۴ اپریل سنہ ۱۹۸۰ء کے شمارہ میں مرکز ریاست تعلقات کے زیر عنوان مندرجہ ذیل اداریہ شائع کیا:۔

مغربی بنگال میں امن و امان کی صورتحال کی بابت مرکز کے بار بار پوچھ



تائید کرنے پر ناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے مسٹر جیوتی باسو کے پاس معقول اسباب ہیں۔ یقیناً اس ریاست میں صورت حال بعض ریاستوں، جہاں اسی مصارتی حکومت ہے، کی صورت حال سے ابتر نہیں ہے۔ دور کی بات چھوڑیئے، دہلی کا کیا حال ہے؟ یہ تو پوچھ گچھ کرنے والے حکام کی آنکھوں کے سامنے ہے۔ ایسے سوالات کرنا تو اپنے اختیارات سے تجاوز کرنے کے مترادف ہے، لیکن بڑے تعجب کی بات ہے کہ اس کے ساتھ ہی مغربی بنگال کانگریس (آئی) اور اس کے نوجوانوں اور طلبا کی تنظیموں نے اس بات کی قصداً کوشش کی کہ آسام میں مال و اسباب کی آمد و رفت میں رکاوٹ پیدا کر کے، جو اسے اب چاروناچار معطل کر دیا گیا ہے، علاقائی جوش و خروش کو ابھارا اور وہاں امن میں خلل ڈالا جائے۔ ان تمام باتوں کے کیا معنی ہیں؟ اس سلسلے میں کسی کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو، چند مرکزی وزرا اور حکمراں پارٹی کے لیڈروں نے بڑے بڑے وضاحتی بیانات دیے۔ مسٹر غنی خان چودھری کی مشہور ریکارڈ تو سبھوں کو معلوم ہے۔ انھوں نے مغربی بنگال کے کانگریس (آئی) کے لوگوں سے کہا تھا کہ وہ اس وقت تک چین سے نہ بیٹھیں جب تک کہ بائیں محاذ حکومت کو خلیج بنگال میں پھینک نہ دیا جائے۔ دوسری طرف سی ایم اسٹیفن نے یہ فرمان صادر کیا: "ریاستوں کو مرکز کی اطاعت کرنی چاہیے۔"

"ہمارے وفاقی نظام کی طرح ایک نظام میں ایسا سوال کیوں کیا جاتا ہے کہ مرکز کو ریاستی حکومتوں کو برداشت کرنا چاہیے یا نہیں؟ کسی بھی ریاست میں ایک منتخب حکومت کو جب تک وہ دستور میں درج حدود کے اندر رہتے ہوئے ریاستی نظم و نسق کو مناسب طور پر چلاتی رہے، زندہ رہنے کا اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا کہ مرکز میں منتخب حکومت کو۔ یہ کسی کے تحمل یا سخاوت پر انحصار نہیں کرتی اور نہ یہ بات لازمی ہے کہ تمام ریاستوں کو مرکز کے سیاسی ڈھانچے میں خود کو ڈھال لینا چاہیے۔ کسی بھی ریاست کے ساتھ سیاسی اختلافات کی وجہ سے امتیاز برتنا دستور کی بنیادی خصوصیت کی خلاف ورزی کرنا ہوگا یہ تو ایسی بات ہے جیسے کہ غیر کانگریسی (آئی) حکومتیں مرکز سے لڑائی کرنے کے لئے تیار بیٹھی ہوں۔ اب تک تمام غیر کانگریسی (آئی) ریاستی حکومتوں نے حالات کو اچھی طرح سمجھتے ہوئے بہت شاندار ضبط و تحمل کا مظاہرہ کیا ہے لیکن اب بھی مرکز ان کی کارگزاری سے مطمئن نہیں ہے کہ اسے

دستور کی آرٹیکل ۲۶۳ کو روبہ عمل لانے کے لئے کیرالا کے وزیراعلیٰ کی تجویز پر غور کرنا چاہیے۔ اس آرٹیکل میں درج ہے کہ مرکز ریاست کے اختلافات کو تصفیہ کرنے کے لئے کھل کر تفصیل سے بات چیت کی جانا چاہیے۔

اس اخبار نے ۳۱ راکتوبر ۱۹۸۰ء کو مرکز۔ مغربی بنگال تناؤ کے زیرعنوان اپنے اداریہ میں یوں تبصرہ کیا۔

مرکز مغربی بنگال تناؤ

اگرچہ وزیراعظم نے اس بات کا ایک سے زیادہ بار اعلان کیا کہ مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کو گرانے کا ان کا کوئی ارادہ نہیں ہے، لیکن ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی حکومت کا ریاستی حکومت سے کام کرنے کے بہتر تعلقات قائم کرنے اور رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مغربی بنگال میں سی پی آئی (ایم) کے زیرقیادت حکومت کو ۱۹۶۷ء اور ۱۹۶۹ء میں کی متحدہ محاذ حکومتوں کے برخلاف ودھان سبھا میں بڑی اکثریت حاصل ہے۔ اس لئے مرکز کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ ہوگا کہ وہ اس حکومت کو برطرف کردے یا دل بدلی کے ذریعہ اس حکومت کو گرادے۔ لیکن مرکز کو اتنا اختیار حاصل ہے کہ وہ ریاستی حکومت پر عرصہ زندگی تنگ کردے۔

اس سلسلہ میں ایک تازہ ترین مثال الیکشن کمیشن کا فیصلہ ہے، اس فیصلہ کے تحت مغربی بنگال میں ۶ اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب اور ایک پارلیمانی حلقہ انتخاب میں ذیلی انتخابات نہیں ہوئے۔ بہرحال الیکشن کمیشن نے دیگر چھ ریاستوں میں ۲۳ ردسمبر کو ذیلی انتخابات کی تاریخ مقرر کی۔ بہار اور اترپردیش کے معاملہ میں اس نے ان دونوں ریاستی حکومتوں کی اس درخواست کو قبول کرلیا کہ ان کی ریاستوں میں ذیلی انتخابات کو ملتوی کردیا جائے یہ تو ظاہر ہے کہ ان ریاستوں کی حکومتیں ووٹروں کا سامنا کرنے کو تیار نہیں ہیں سی پی آئی (ایم) یہ چاہتی تھی کہ ذیلی انتخابات نومبر میں ہوں، لیکن اس ریاست کے کانگریس (آئی) کے صدر مسٹر اجیت پانجہ یہ چاہتے تھے کہ انتخابات ملتوی ہوجائیں۔

الیکشن کمیشن کی اس تشریح سے شاید ہی کسی کو تشفی ہو کہ التوا کا سوال کو پیدا ہی نہیں ہوتا جبکہ کوئی تاریخ مقرر نہیں کی گئی۔ ان باتوں کے پیش نظر [illegible] یہ تو صاف صاف کہا جاسکتا ہے کہ چیف الیکشن [illegible] وزیراعلیٰ مسٹر جیوتی باسو ناراض ہیں اور ان کے خیال میں ذیلی انتخابات کو ملتوی کرنے کا فیصلہ تو ایک ثبوت ہے کہ الیکشن کمیشن حکمران پارٹی کی خواہش کی تکمیل کرنے میں اپنی بات سے پھر گیا۔ اس سلسلہ میں الیکشن کمیشن کا ایسا فیصلہ ہونا چاہیے تھا کہ کسی کو کسی قسم کا شبہ نہ ہو۔ اگر الیکشن کمیشن خود کو اس الزام میں ملوث کرلے کہ وہ انتخاب کے لئے تاریخ مقرر کرنے کے سلسلہ میں حکمران پارٹی کی طرفداری کرتا ہے تو آزاد اور غیرجانبدار انتخابات کرانے کی اس کی صلاحیت پر شک کیا جانے لگے گا۔

اس کے علاوہ یہ بات بھی تو اچھی نہیں ہے کہ بہت لمبے عرصہ تک نشستیں خالی رکھی جائیں کیونکہ اس کی وجہ سے متعلقہ لوگوں کو ان کے اپنے منتخبہ نمائندوں کو ودھان سبھا اور لوک سبھا میں بھیجنے کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے۔ نیز کام کے بدلہ اناج پروگرام کے تحت دیئے گئے اناج کو مصرف میں لانے کا کام کون انجام دے گا۔ سی پی آئی (ایم) کے زیر اختیار پنچایتیں یا ضلع مجسٹریٹوں کی سربراہی میں سرکاری کمیٹیاں؟ اس بات کے سلسلہ میں بھی مرکز اور مغربی بنگال کے درمیان تعلقات میں تناؤ پیدا ہوگیا۔ ریاستی حکومت کا نظریہ یہ ہے کہ اس کام کو پنچایتوں کے ذریعہ انجام دینا چاہیے اس سے فائدہ یہ ہوگا کہ کام نچلی سطح سے ہوگا، کام کی نگرانی خود دیہی عوام ہی کریں گے۔ اس کی وجہ سے کام بحسن وخوبی پایہ تکمیل تک پہونچیگا۔ دوسری طرف مرکز کی رائے یہ ہے کہ ریاستی حکومت اپنی بات پر اس لئے بضد ہے کہ دیہی ووٹروں میں مارکسسٹوں کے رسوخ کو تقویت پہونچے۔ بہرحال یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ ایک وفاقی ڈھانچہ میں مرکز۔ ریاست تعلقات کے بڑے مسئلہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان اختلافات پر غور کرنا چاہیے۔

دکن ہیرلڈ

بنگلور (کرناٹک) کا ایک کثیرالاشاعت انگریزی روزنامہ ہے۔ اس کے مذکورہ بالا اداریوں میں غلطی سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ مغربی بنگال میں موجودہ حکومت "مارکسسٹ کی زیرقیادت حکومت" ہے حقیقت میں یہ ایک بائیں محاذ حکومت ہے جس میں سی پی آئی (ایم) بھی ایک پارٹنر ہے۔ بایاں محاذ، مغربی بنگال میں مختلف بائیں بازو کی پارٹیوں پر مشتمل ہے جس میں سی پی آئی (ایم) بھی شامل ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ حکومت میں سی۔ پی۔ آئی۔ (ایم) ایک بڑا پارٹنر ہے۔ لیکن یہ کہنا صحیح نہیں

ہوگا کہ یہ مارکسٹ کی زیر قیادت حکومت ہے۔ بہر حال اس اخبار نے مغربی بنگال میں جو صورت حال ہے اس کا معروضی تجزیہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

"ہندوستان ٹائمز" نے اپنے شمارہ مورخہ ۲۴ اگست ۱۹۸۰ء میں ایک دستخط شدہ رپورٹ بہ عنوان "پارٹی کا استحکام یا تصادم" شائع کی ہے۔ مخالفانہ نوعیت کی آراء کے اظہار کے بعد رپورٹر درج ذیل نتیجہ پر پہنچا۔

"درحقیقت اپنی تمام خامیوں کے باوجود سی پی آئی (ایم) اور بائیں محاذ کی کارکردگی بہت خراب نہیں رہی ہے۔ اس کے متبادل حکومت کے تصور سے مغربی بنگال کے زیادہ تر لوگ اب بھی خوفزدہ ہیں۔ علاوہ ازیں سی پی آئی (ایم) کو اب بھی عام لوگوں کی زبردست حمایت حاصل ہے اور تصادم کی صورت میں کانگریس آئی کو منہ کی کھانا پڑ سکتی ہے۔ ریاست کے وزیر محنت مسٹر کے پی گھوش نے مسٹر پانجہ کے اعلان پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا "وہ بظاہر تصادم کے لئے کوشش کر رہے ہیں لیکن یہ عوام کی سیاسی مخالفت سے بالکل مختلف بات ہے۔ مغربی بنگال کے عوام اس قسم کی صورتحال سے نپٹنا اچھی طرح جانتے ہیں"۔

"انڈین ایکسپریس" مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۸۰ء میں شائع شدہ سندیپ فیئر کے آرٹیکل سے اقتباسات درج ذیل ہیں۔

"ایسی بہت سی مثالیں ہیں جو یہ ظاہر کرتی ہیں کہ مرکز اور ریاستیں بعض اوقات ایک دوسرے سے اختلاف رکھتی ہیں۔ دونوں کو اپنے حقوق کا شدید احساس ہے۔

یہ کہنا کہ مرکز کو ریاستوں پر فوقیت حاصل ہے، جیسا کہ کچھ مرکزی وزراء وثوق سے کہتے ہیں، دستور میں اختیارات کی تقسیم سے متعلق مندرجات کی نفی کرتا ہے۔ درحقیقت جب انڈیا ایکٹ ۱۹۳۵ء کو اپنایا گیا اس وقت ایک وفاقی صورتحال موجود تھی۔ دستور ساز اسمبلی نے اسی وفاقی صورت کو اپنایا۔ ریاستوں کے کنٹرول کے دائرہ کو وسیع کرنے کی بات حق بجانب ہو سکتی ہے نہ کہ اس کو محدود کرنے کی۔

"کچھ تو اصول ترتیب پا رہے ہیں۔ مسٹر ذیل سنگھ کی وزارت نے مرکز اور ریاست کے تعلقات پر ایک نوٹ تیار کیا تھا جس میں تنبیہ کیا گیا تھا: وقت اتنی تیزی سے گذر رہا ہے اس لئے یہ اشد ضروری ہے کہ مرکز۔ ریاست کے تعلقات سے متعلق خوب غور وخوض کے بعد جلد از جلد فیصلے کئے جائیں"۔

فیئر نے آگے کہا ہے "علاقائی کاؤنسلوں کا تجربہ" جس میں دو دو یا تین تین ریاستیں اپنے باہمی مسائل یا مرکز کے ساتھ درپیش مسائل پر غور وخوض کرنے کے لئے پابندی کے ساتھ ملتی ہیں، کامیاب نہیں ہوا ہے۔ شاید کانگریس (آئی) دستور کے آرٹیکل ۲۶۳ کے مطابق بین ریاستی کاؤنسل کے قیام پر غور کرے جس میں ایسے موضوعات پر غور وخوض اور بحث ومباحثہ کیا جائے جن میں چند یا تمام ریاستیں یا مرکز اور ایک یا ایک سے زیادہ ریاستیں دلچسپی رکھتی ہوں"۔

"لیکن اس کے لئے طرفین میں کچھ لینے اور کچھ دینے کے خاص معقول جذبہ کا ہونا ضروری ہے۔ مرکز کو بحیثیت سینئر پارٹنر کے خاص طور پر سب سے زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے تاکہ ریاستوں کے ساتھ کوئی زیادتی نہ ہو۔ لیکن ایسا ہونا ممکن نہیں اگر مسٹر اسٹیفن جیسے ذمہ دار وزیر ریاستوں کو چیلنج کرتے رہیں اور ان کو مرکز کی اطاعت کرنے کا حکم دیتے رہیں"۔

اقتصادی ترقی میں علاقائی نابرابری کا مسئلہ

حکومت مغربی بنگال نے چھٹے پنجسالہ پلان" سے متعلق اپنے نوٹ میں جو قومی ترقیاتی کونسل میں غور وخوض کے لئے منصوبہ بندی کمیشن کو پیش کیا گیا، حسب ذیل باتوں کا ذکر کیا۔

حالیہ پریشان کن واقعات نے ان نابرابریوں کی جانب توجہ مبذول کرائی ہے جو علاقائی ترقی میں گذشتہ ۳۰ برسوں سے حائل ہیں۔ ملک کے کچھ حصوں میں اقتصادی ترقی کی سالانہ شرح ۶ - ۷ یا ۸ فیصدی رہی ہے جبکہ دیگر حصوں میں اس کی اوسط شرح تقریباً صفر رہی ہے۔ لہذا مرکزی حکومت اور پبلک مالیاتی اداروں کے لئے ضروری ہے کہ وہ علاقہ وار سرمایہ کاری کے طرز کا سنجیدگی کے ساتھ از سر نو جائزہ لے۔ نجی سرمایہ کاری میں پس وپیش کا بھی جائزہ لینا چاہئے جو حکومت کی مخصوص پالیسیوں، جیسے کچھ اشیاء کے لئے ریلوے کا محصول یکساں ہونا اور دیگر اشیاء کے لئے ایسا نہ ہونا، کی وجہ سے ہوتا ہے۔

یہاں برسبیل تذکرہ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ گذشتہ ۱۵ برسوں کے دوران مشرقی منطقہ کی صنعتوں میں عام طور پر اور مغربی بنگال کی صنعتوں

ین خاص طور پر مرکزی سرمایہ کاری تقریباً صفر رہی ہے۔

اس غیر متوازن اقتصادی ترقی کے نتیجہ میں علاقائی نابرابریوں کا مسئلہ ور زیادہ سنگین ہوگیا ہے۔ حکومت مغربی بنگال کے مذکورہ نوٹ میں ہیں کہا گیا ہے "متعدد ریاستوں میں اقتصادی ترقی اور روزگار کے واقع میں توسیع واضافہ برائے نام ہوا ہے۔ اس صورت حال کا ایسی قتیں ناجائز فائدہ اٹھانے کی کوشش کررہی ہیں جو قوم کے اتحاد اور سالمیت کو پارہ پارہ کرنے پر تلی ہوئی ہیں۔ یہ دلیل گمراہ کن ہے کہ ان ریاستوں میں محل وقوع کی سہولتوں کی کمی ہے۔ کیونکہ ترقی کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ صرف ایسی صنعتیں ہی قائم کی جائیں جن میں سب سے زیادہ سرمایہ کی ضرورت ہوتی ہے۔ آنے والی پنجسالہ مدت میں ترقی کے اعتبار سے پس ماندہ چیز ایسے علاقوں میں بڑے پیمانہ پر سرمایہ کاری کے پروگرام منصوبہ بندی کمیشن کو سنجیدگی سے غور کرنا چاہئے۔

بڑھتی ہوئی علاقائی نابرابری کی مثالیں

راجیہ سبھا میں ۱۱ دسمبر ۱۹۸۰ء کو ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے مرکزی وزیر منصوبہ بندی اور محنت شری این ڈی تیواری نے مندرجہ ذیل بیان دیا۔

۱۹۶۰-۶۱ء اور ۱۹۷۵-۷۶ء کے درمیان فی کس آمدنی سے ظاہر ہونے والی ریاستوں کی معاشی حالت دکھانے کے لئے جو اعداد وشمار اکٹھا کئے گئے ان کے مطابق فی کس زرعی آمدنی میں نابرابری میں اضافہ ہوا غیر زرعی آمدنی میں نابرابری میں کچھ کمی ہوئی اور مجموعی طور پر فی کس آمدنی کی تقسیم میں جو نابرابری تھی اس میں کچھ اضافہ ہوا۔

لیکن جو اعداد وشمار منصوبہ بندی وزیر نے راجیہ سبھا میں پیش کئے ان سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ ہر شعبہ میں نابرابری میں اضافہ ہوا ہے۔

پندرہ ریاستوں میں حالیہ قیمتوں کے مطابق فی کس اوسط پیداوار ۱۹۶۰-۶۱ء میں ۳۳۲ روپے سے بڑھ کر ۱۹۷۵-۷۶ء میں ۹۰۰ روپے ہوگئی۔

اس عرصہ میں کم سے کم ۶ ریاستوں میں فی کس آمدنی میں کمی ہوئی۔ ۱۰ ریاستوں میں فی کس آمدنی یکا یک یا حاشیائی طور پر بڑھی۔

باقی ریاستوں کے معاملہ میں فی کس آمدنی نہ بڑھی اور نہ گھٹی۔

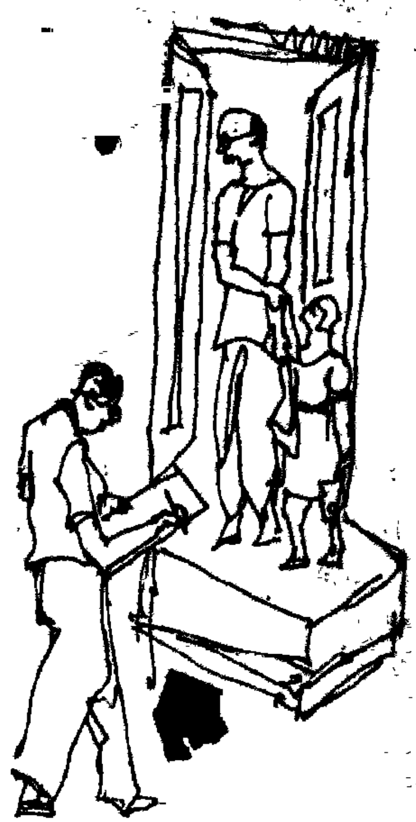
جہاں تک مغربی بنگال کا تعلق ہے تو اس کی معیشت کے ہر شعبہ میں ابتری ہوئی ۱۹۶۰-۶۱ء اور ۱۹۷۵-۷۶ء کے دوران اس ریاست کی فی کس آمدنی" زرعی اور متعلقہ سیکٹر سے فی کس آمدنی، صنعتی شعبہ سے فی کس آمدنی، ملازمت شعبہ سے فی کس آمدنی میں بہت زیادہ اور تیزی سے کمی ہوئی۔

ریاستوں میں فی کس آمدنی

(ریاستوں کے لئے اوسط کے ساتھ انڈکس ــــ ۱۰۰)

		مجموعی فی کس آمدنی انڈکس	
		۱۹۶۰-۶۱ء	۱۹۷۵-۷۶ء
۱)	مغربی بنگال	۱۴۰	۱۱۱٫۶۱
۲)	اترپردیش	۸۹٫۶۵	۷۳٫۶۴
۳)	مدھیہ پردیش	۸۵٫۶۸	۷۹٫۶۸
۴)	جموں وکشمیر	۸۷٫۶۰	۸۴٫۶۳
۵)	آسام	۱۰۰٫۶۳	۸۹٫۶۹
۶)	بہار۔	۹۹٫۶۹	۹۷٫۶۹ (قدرے اضافہ)
۷)	گجرات	۱۱۸٫۶۴	۱۲۴٫۶۸
۸)	کرناٹک	۹۱٫۶۹	۱۰۴٫۶۸
۹)	کیرالا	۹۴٫۶۹	۱۰۱٫۶۰
۱۰)	مہاراشٹر	۱۴۱٫۶۳	۱۴۷٫۶۰
۱۱)	اڑیسہ	۸۲٫۶۱	۸۴٫۶۲ (قدرے اضافہ)
۱۲)	پنجاب	۱۳۳٫۶۷	۱۵۷٫۶۱
۱۳)	راجستھان	۸۰٫۶۴	۸۸٫۶۲
۱۴)	تامل ناڈو	۱۰۰٫۶۹	۱۰۰٫۶۷
۱۵)	آندھرا پردیش	۹۹٫۶۴	۹۰٫۶۹

مردم شماری ۱۹۸۱ء

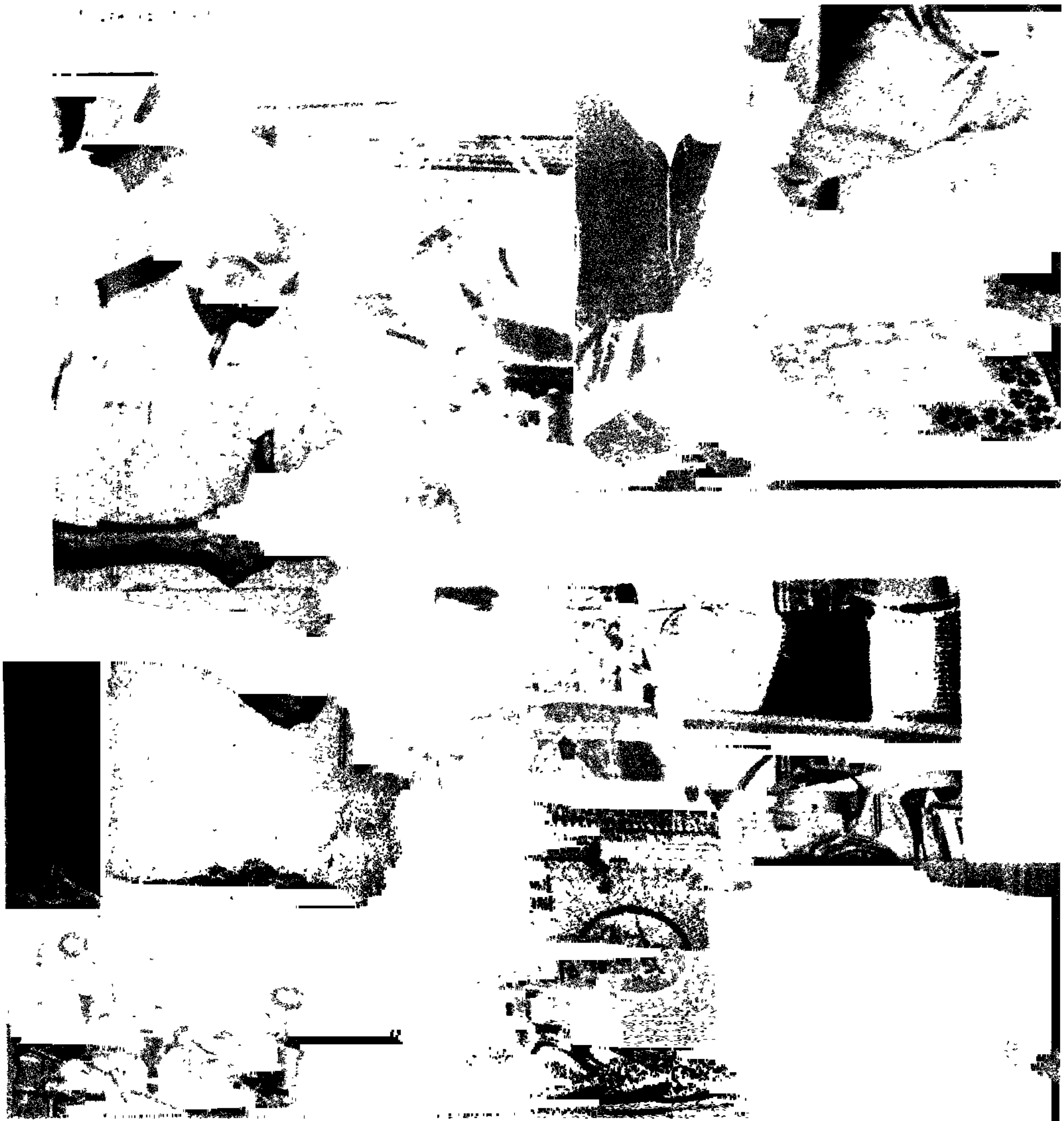


ہر دس سال کے بعد مردم شماری ہوتی ہے۔ گذشتہ مردم شماری ۱۹۷۱ء میں ہوئی۔ اب ۱۹۸۱ء میں مردم شماری ہوگی۔ مردم شماری کے تحت لوگوں کی صرف تعداد معلوم کرنا نہیں ہے، جیسا کہ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں۔ اس کی اہمیت اس سے کہیں زیادہ ہے۔ مردم شماری سے آبادی میں اضافہ کی شرح تو معلوم ہوتی ہے تاہم اس گنتی سے ہمیں یہ بھی معلوم ہوگا کہ آبادی میں مرد اور عورت کا تناسب کیا، مختلف عمر کے کتنے لوگ ہیں۔ ان کے علاوہ مردم شماری سے اور بھی بہت ساری باتیں معلوم ہوں گی اس تجزیہ سے ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ گذشتہ دس برسوں میں کیا کیا تبدیلیاں ہوئی ہیں اور اس کی وجہ سے ان برسوں میں ہمارے پروگراموں اور منصوبوں، ہمارے کام اور کوششوں کا تخمینہ کرنے میں آسانی ہوگی۔ اس کے ساتھ ہی ماضی کی روشنی میں ہمیں مستقبل میں منصوبہ مرتب کرنے میں سہولت ہوگی۔ اس سال کی مردم شماری سے ہمیں عوام کی تعلیم، معاشی حالت، روزگار، آمدنی وغیرہ کی کی بابت کافی معلومات فراہم ہوگی۔ مردم شماری سے حاصل کردہ رپورٹ کی روشنی ہم اس بات کا اندازہ لگا سکیں گے کہ ہماری ضروریات کیا ہیں اور اس کے مطابق ہم منصوبہ اور پروگرام مرتب کرینگے۔ اگر مردم شماری سے غلط اطلاعات کی وجہ سے غلط اعداد و شمار مرتب ہونگے، اور اس کا اثر منصوبہ بندی پر پڑیگا۔ اسلئے یہ نہایت ضروری ہے کہ مردم شماری میں کسی قسم کی غلطی نہ ہو۔ مردم شماری کرنیوالے گھر گھر جاکر لوگوں سے ان کی تعداد، ان کی تعلیم، انکی آمدنی، ان کی زبان، انکے مذہب اور دیگر ضروری باتوں کی بابت معلومات حاصل کرینگے۔ یہ بہت ہی اہم اور بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ اس سلسلے میں عوام کو بھی بہت ہی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ اس لئے عوام سے پرزور اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مردم شماری کرنیوالوں سے بھرپور تعاون کریں اور انہیں حسب ضروری معلومات صحیح صحیح فراہم کریں۔ مغربی بنگال میں امسال مردم شماری کا کام ۹ فروری ۱۹۸۱ء سے شروع ہوگا ۲۸ فروری تک جاری رہیگا۔

(راجیہ سبھا۔ سوال نمبر ۱۹۱۷ کا جواب مورخہ ۱۸ دسمبر ۱۹۸۰ء)

مندرجہ بالا جدول کافی وضاحتی ہے۔ آزادی کے ۲۸ سال اور منصوبہ بندی کے ۲۵ سال کے بعد معاشی ترقی میں علاقائی نابرابری بہت زیادہ ہوگئی۔ ملک کی معیشت جامد رہی۔ بعض شعبوں میں تنزلی شروع ہوگئی۔

گذشتہ ۲۸ برسوں سے مرکز میں حکمران پارٹی جن معاشی پالیسیوں کو بروئے عمل لا رہی ہے، ان کی وجہ سے ملک کی معیشت کے ہر پہلو پر بہت خراب اثر پڑا ہے۔ ۱۹۷۵-۷۶ء کے بعد سے صورت حال اور بھی بدتر ہو گئی۔



مغربی بنگال کی دستکاریاں اور دستکار

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 28 No 8
PRICE-12 Paise

MAGHREBI BENGAL
1st FEBRUARY

چھبیس جنوری

ملک کی نو تعمیر کا عہد

چھبیس جنوری

سنہ ۱۹۵۰ء میں اسی دن ہندستان کو ایک عوامی جمہوری ریاست قرار دینے کا اعلان کیا گیا۔ ۲۶ جنوری کی تاریخ اور بھی پرانی ہے۔ اور بھی زیادہ تابناک ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء میں اس دن کو سمندر سے لے کر ہمالہ تک پھیلے ہوئے پورے ہندوستان میں مکمل آزادی کے مطالبہ کے دن کے طور پر منایا گیا۔ اس کے بعد دو دہائی تک اس دن کو یوم آزادی کے دن کے طور پر منایا جاتا رہا۔ ۲۶ جنوری سنہ ۱۹۵۰ کو عوامی جمہوریہ کے وجود میں آنے سے بہت پہلے یہ دن ایک بیدار قوم کی جرأت اور ایثار کا یادگار دن ہو گیا تھا۔



لیکن نصف صدی قبل مکمل آزادی کا ہمارا عہد کیا آج پورا ہو گیا ہے؟ سیاسی آزادی حاصل کر لینے کے تین دہائی گذر جانے کے بعد کیا لاکھوں کروڑوں مظلوم اور غریب لوگوں کو ان کے حقوق مل گئے ہیں؟ کیا دستور کے تحت دیئے گئے محدود حقوق بھی عام لوگوں کو حاصل ہو سکے ہیں؟ دستور کے پہلے آرٹیکل میں درج ہے کہ ہندوستان مختلف ریاستوں کا وفاق ہے۔ گذشتہ تیس برسوں میں چالیس سے زیادہ ترمیموں کے ذریعہ دستور کا حلیہ مسخ ہو گیا ہے اور ریاستوں کا مرکز پر انحصار لازمی ہو کر رہ گیا ہے۔ آج سیکولر ہندوستان میں فرقہ واریت کا دور دورہ ہے۔ تنگ نظری اور علاقائی عصبیت کے سبب آج قومی ایکتا خطرہ میں پڑ گئی ہے۔ پارلیمانی جمہوریت میں دستور کے تحت عوام کو دیئے گئے حقوق کو سلب کرنے کے لئے آمریت اپنے زہریلے پنجے دراز کر رہی ہے۔ ایسی ہی غفلت اور بدنظمی سے پیدا ہونے والی تمام دشواریوں اور مشکلات کے باوجود آج مغربی بنگال کا آسمان امید کی کرنوں سے جگمگا رہا ہے۔ جمہوریت اور آزادی کا شعور جاگ اٹھا ہے۔ گاؤں اور شہروں میں محنت کشوں کے دل و دماغ میں ایک نئی ہمت اور توانائی پیدا ہو گئی ہے۔ گذشتہ تین برسوں سے وہ اپنے دلوں میں مسرت بخش خواب بسائے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے حقوق کی جمہوریت اور استحصال سے نجات کا ایک نیا دور نسل میں آج مزاحمت کا عزم اور بھی مستحکم ہے۔ ابھی عزم مستحکم کا اعلان ہے۔
... آخری فیصلہ عوام کے ہاتھوں میں ہے۔

حکومت مغربی بنگال

18 CA/CAS-1/81 URDU

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

ربی بنگال

۱۵ رفروری

میری حکومت نے دیہی ترقی
اور بہتری کی طرف زیادہ زور
دیا ھے —

شری ٹی این سنگھ
گورنر مغربی بنگال



پندرہ روزہ سرکاری رسالہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد ۲۸	۱۵؍ فروری ۔ سنہ ۱۹۸۱ء	شمارہ ۴

مدیر اعلیٰ ـــــ ایس ۔ کے ۔ سین گپتا
مدیر معاون ـــــ محمد اعظم

شرح خریداری ۔ سالانہ ۳؍ روپئے
قیمت ۔ ۱۲ پیسے فی پرچہ

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے کا پتہ :۔
بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۲۳ آر ۔ این مکھرجی روڈ
پانچویں منزل
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

مردم شماری

سنہ ۱۹۸۱ء

ملک بھر کے ساتھ مغربی بنگال میں بھی ۱۹۸۱ء کی مردم شماری کا قطعی مرحلہ ۹؍ فروری ۱۹۸۱ء سے شروع ہو گا ۔ تاریخ مذکور سے ۲۸؍ فروری ۱۹۸۱ء تک تقریباً ایک لاکھ شمار کنندگان پورے مغربی بنگال میں مردم شماری کا کام کریں گے۔

اس مردم شماری کا مقصد محض افراد کی گنتی کرنا نہیں ہے بلکہ اس کے دوران شمار کنندگان ہر فرد سے متعلق خصوصی نوعیت کی بہت سی ذاتی معلومات بھی حاصل کریں گے ۔ شمار کنندگان جو سوالات کریں گے وہ حکومت کے ذریعہ منظور شدہ ہیں اور ان کا سرکاری گزٹ میں باضابطہ اعلان کر دیا گیا ہے ۔ آپ ان سوالات کے جو بھی جواب دیں گے وہ بہ صیغۂ راز رکھے جائیں گے ۔ براہ مہربانی بغیر کسی ہچکچاہٹ کے ان سوالات کے صحیح جواب دیجئے ۔

سوالنامہ کچھ طویل ضرور معلوم ہو گا لیکن آپ تحمل سے کام لیجئے اور شمار کنندگان کی مدد کیجئے جو ایک مشکل کام کو اپنی بہترین صلاحیتوں کے ساتھ انجام دینے کی کوشش کریں گے آپ ان کے سوالات کے جواب میں ٹھیک ٹھیک اور پوری معلومات بہم پہنچا دیجئے اس سے نہ صرف شمار کنندگان کا کام آسان ہو جائے گا بلکہ آپ کا وقت بھی بچے گا ۔

مردم شماری کا کام عوام کے تعاون ہی سے بہ حسن و خوبی پورا ہو سکتا ہے اتنا بڑا کام ہر ایک فرد کے دلی اور بھرپور تعاون کے بغیر کامیابی کے ساتھ پورا نہیں کیا جا سکتا لہٰذا میں سبھی لوگوں سے پر زور اپیل کرتا ہوں کہ وہ مردم شماری کرنے والوں سے مکمل طور پر تعاون کریں ۔

جیوتی باسو
وزیر اعلیٰ مغربی بنگال

ہماری معاشی ترقی صرف سماجی انصاف کی فضا میں ہو سکتی ہے

یوم جمہوریہ کے موقعہ پر شری ٹی۔ این سنگھ، گورنر مغربی بنگال کا نشری پیغام

شری ٹی این سنگھ، گورنر مغربی بنگال نے ۲۶ جنوری ۱۹۸۱ کو آل انڈیا ریڈیو کلکتہ سے ایک تقریر نشر کی جس کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

اکتیس سال قبل ہم لوگوں نے خود اپنے لئے ایک دستور مرتب کیا تھا۔ اس دستور میں درج جمہوری اصولوں، وفاقی سیاسی طریقہ کار اور معاشی اور سماجی انصاف کے مقاصد کو سبھوں نے کافی سراہا۔ مجھ جیسے شخص کیلئے جسے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد کے ہیجان خیز دور سے گزرنا پڑا، اور جسے آزادی کے قبل کے دنوں کی سرگرمیوں سے قریبی تعلق رکھنے کا فخر حاصل ہوا، ۲۶ جنوری خلوص اور ایثار کے خوشگوار دنوں، ساتھ ہی ہماری کامیابیوں اور ناکامیوں کی یاد دلاتا ہے۔ ہم سبھوں کے لئے یوم جمہوریہ یہ موقعہ فراہم کرتا ہے کہ ہم اپنے نصب العین کو پورا کرنے کے لئے پھر سے عزم مصمم کریں اور اس بات کا اندازہ لگائیں کہ ہمارے دستور کے تحت ہم پر عائد ذمہ داریوں اور فرائض کو ہم نے کس حد تک انجام دیا۔

ہمارے جمہوری دستور میں معاشی ترقی اور سماجی تبدیلی کو کافی اہمیت دی گئی ہے۔ دونوں ایک دوسرے پر انحصار کرتی ہیں۔ ہمارے منصوبہ بندی کے طریقہ ہائے کار بھی ان دونوں مقاصد کے مابین انحصار کی عکاسی کرتے ہیں۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا کہ ہماری معاشی ترقی صرف سماجی انصاف کی فضا میں ہی ہو سکتی ہے عوام کے مختلف طبقوں کو سماجی انصاف سے محروم رکھا جائے تو اس کے نتیجہ میں ترقی کی رفتار سست ہو جائے گی۔

اس روشنی میں اگر ہم اس بات پر غور کریں تو ہمیں معلوم ہوگا کہ ہمارے ملک کی کامیابیاں مجموعی طور پر غیر تشفی بخش نہیں ہیں۔ چند شعبوں میں ہم نے نہایت شاندار کارنامے انجام دیئے ہیں۔ ہمارے ملک میں لاکھوں لوگ استحصال کے شکار ہیں ساتھ ہی غربت کی سطح سے نیچی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ہماری معاشی اور سماجی پسماندگی کے سامنے ہماری تھوڑی بہت کامیابیاں غیر اہم بن جاتی ہیں۔ اب بھی ہمارے ملک میں ناخواندگی، ناانصافی نابرابری، بے روزگاری، ناکافی خوراک وغیرہ کا تناسب بہت زیادہ ہے۔ ۱۹۰۰ویں صدی کے ہمارے دستور سازوں اور مصلحین نے ماضی قریب کے

ہمارے قومی لیڈروں نے ہمارے دستور سازوں نے ہم پر جو فرائض عائد کئے وہ محال نہیں ہیں، وہ ناقابل تکمیل نہیں ہیں۔ لیکن ان کے خوابوں کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لئے ہمیں اب بھی بہت کچھ کرنا ہے۔

یہ تو روایت بن چکی ہے کہ اس جیسے موقعہ پر ماضی قریب کی نمایاں خصوصیات کا جائزہ لیا جائے اور اس کی روشنی میں عنقریب مستقبل میں رونما ہونے والی باتوں کا صحیح طور پر تجزیہ کیا جائے۔ بلاشبہ گذشتہ سال سارے ملک کے لئے تناؤ اور دباؤ کا سال رہا ہے اور اب بھی افق پر تذبذب کے بادل منڈلا رہے ہیں۔ تیل کی کمی، بجلی کا بحران، چند چیزوں کی وقتاً فوقتاً کمی، افراط زر کا دباؤ، بڑھتی ہوئی قیمتیں۔ یہ سب اس بات کی نشاندہی کرتے ہیں کہ ہماری معاشی حالت تشفی بخش نہیں ہے۔ ملک کے بعض علاقوں میں ذات اور فرقہ کی بنیاد پر شرپسند طاقتوں نے جھگڑے فساد کو ہوا دی۔ ان لوگوں نے غریبوں اور ناداروں پر ظلم ڈھائے اس سے بھی بڑی بات یہ ہوئی کہ چند علاقوں میں جنگجویانہ وطن پرستی اور علیحدگی کی تحریکیں بھی دیکھی گئی ہیں۔ ان سے قومی اتحاد اور سالمیت کو شدید خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔

اس سلسلہ مغربی بنگال کی صورت حال کی بات سب سے پہلے ذہن میں آتی ہے۔ یہ بات تشفی بخش اور باعث افتخار ہے کہ مغربی بنگال کے عوام کی بڑی اکثریت کبھی بھی فرقہ وارانہ نعروں سے متاثر نہیں ہوئی۔ گذشتہ کئی برسوں میں اشتعال کے باوجود اس ریاست میں بڑے پیمانہ پر فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوئے۔ مغربی بنگال میں علیحدگی کی شورشوں کو کامیابی نصیب نہیں ہوئی۔ اس کے لئے انتشار پسند قوتوں کے خلاف لوگوں کی جو کسی کا میں شکریہ ادا کرتا ہوں۔

وسیع پس منظر میں دیکھا جائے تو ایک طرف یہ تمام باتیں مغربی بنگال کی روایت اور ثقافت کا مرہون منت ہیں تو دوسری طرف اس میں سماج کی نچلی سطح پر جمہوری اداروں، جہاں عوام کے حقوق اور مراعات کو تحفظ حاصل ہو، کے استحکام کے لئے میری حکومت کی پرخلوص کوششوں کا بھی حصہ ہے۔

بے وعدوں کے مطابق میری حکومت نے دیہی بہتری کی طرف زیادہ توجہ دی ہے۔ دیہی ترقی اور بہتری کے لئے نظام پنچایت، اصلاحات اراضی کے اقدامات، آپریشن برگا جس سے بٹائی دار کسانوں کے مفاد کا تحفظ، کام کے بدلے اناج پروگرام اور غریبوں کے لئے روزگار فراہم کرنے کے سلسلے میں دیہی تعمیر پروگرام، دیہی اثاثہ تیار کرنا، کسانوں اور کاریگروں کے لئے ادارہ جاتی قرض کی فراہمی اور اسی طرح کے دیگر اقدامات شامل ہیں۔ میری حکومت کا بنیادی اصول یہ ہے کہ عام آدمی کی خدمت کی جائے اور اسی اصول کے پیش نظر میری حکومت نے لسانی اور تعلیمی پالیسیاں مرتب کی ہیں۔ کلاس XII تک تعلیم مفت کر دی گئی ہے اور پرائمری تعلیم کے لئے نیا نصاب رائج کیا گیا ہے۔ ان اقدامات کا مقصد یہ ہے کہ عوام کے درمیان تعلیم کی اشاعت ہو۔

اس سلسلے میں میری حکومت کے چند ترقی پذیر اقدامات جیسے کسانوں کو پنشن، بیوہ پنشن اسکیم، بے روزگاری امداد کی توسیع اور اجتماعی عملی تعلیم اسکیم، خصوصی ذکر کے مستحق ہیں۔ ایک ریاستی حکومت کے لئے جس کے وسائل اور اختیارات محدود ہیں اور صرف ساڑھے تین برس کے مختصر عرصہ میں یہ کارنامے کچھ کم اہم نہیں ہیں۔

بدقسمتی سے صنعتی میدان میں بہت ساری وجوہ سے کوئی خاص بہتری نہیں ہوئی۔ ہلدیہ پیٹرو کیمیکل کمپلکس اور جہاز سازی کے ڈاک کی تعمیر کے لئے ابھی تک منظوری نہیں ملی کیونکہ ابھی بھی کئی ایک باتوں کو سلجھانا ہے۔ مرکز نے حال ہی میں نظر ثانی کردہ منظوری نامہ بھیجا ہے جس میں مجوزہ پیٹرو کیمیکل کمپلکس کی منظور شدہ صلاحیت میں اضافہ کر دیا گیا ہے۔ بجلی اور نقل و حمل کے مسائل کو حل کرنے کے لئے میری حکومت مسلسل کوشش کر رہی ہے۔

اس ریاست میں امن و امان کی صورت حال مناسب طور پر زیر قابو ہے۔ میری حکومت اس بات سے واقف ہے کہ اس معاملہ میں مطمئن رہنا نہیں چاہئے کیونکہ انتشار پسند اور سماج دشمن عناصر خواہ ان کی تعداد کتنی کم کیوں نہ ہو، اس حکومت کو بدنام کرنے کے لئے فسادات برپا کر سکتے ہیں۔

میں نے یہ بات دیکھی ہے کہ گذشتہ چند برسوں میں میری حکومت کے بہت سارے معاشی بہتری اور سماجی رفاہ کے پروگراموں کو مغربی بنگال کے عوام کی بڑی اکثریت کی تائید حاصل ہے۔

ایک وفاقی دستور میں مرکز۔ ریاستوں کے درمیان وقتاً فوقتاً تنازعات پیدا ہو جاتے ہیں لیکن وہ دانشمندی اور دانشمندی سے مرکز اور ریاستی حکومتیں ... اس طرح استوار کر سکتی ہیں کہ جس سے تمام علاقوں میں معاشی

اب سبھی لوگ آسانی سے تعلیم پا سکتے ہیں

انسانی حقوق سے متعلق ۱۹۴۸ء میں کئے گئے تنظیم اقوام متحدہ کے اعلان میں عام اور لازمی تعلیم کو ایک بنیادی امر تسلیم کیا گیا تھا۔ ہر فرد کو تعلیم حاصل کرنے کا حق حاصل ہے، تعلیم ایک قومی ذمہ داری ہے، تعلیم اب محض بازار کی جنس نہیں رہ گئی ہے۔ دستور ہند میں ایک ہدایتی اصول کے طور پر یہ اعلان کیا گیا برسوں گذر گئے۔ دنیا نے ترقی کی راہ پر نمایاں پیش رفت کی لیکن تعلیم کی روشنی عوام تک نہیں پہنچ سکی۔ اس سلسلہ رابندر ناتھ کے الفاظ میں: تعلیم، عزت اور دولت حاصل کرنے کے موقع کو مٹھی بھر لوگوں نے سمیٹ لیا اور صرف یہی تھوڑے سے لوگ ذہین اور روشن خیال سمجھے جانے لگے۔ ملک کے اس روشن بچھے سے جزو سے پرے ایک بہت وسیع حصہ کمل تاریکی میں تعلیم کی روشنی سے محروم

بایاں محاذ حکومت نے درجہ XII تک تعلیم مفت کر کے نیز گذشتہ تین برسوں کے دوران اپنی کوششوں کے ذریعہ انسانی حقوق کے منشور و دستور کے ہدایتی اصولوں اور محبان وطن کی دیرینہ امیدوں کو ٹھوس حقیقت بنا دیا ہے۔ کو کھانا، کتابیں اور دیگر ضروری سامان مفت تقسیم کرنے کے انتظامات کئے گئے ہیں تاکہ ہر زمرہ میں تعلیم کی سہولتوں سے مستفید ...

بایاں محاذ حکومت نے تعلیم کے دروازے تمام لوگوں کیلئے کھول دیئے ہیں

ترقی، بہتری، سماجی انصاف، برابری اور اخوت، ترقی کی رفتار کو برقرار رکھا جا سکتا ہے۔ جیسا کہ میں کہہ چکا ہوں، معاشی اور سماجی تبدیلیاں ایک دوسرے پر انحصار کرتی ہیں اور ہمیں ان جڑواں مقاصد کو پیش نظر رکھنا پڑے گا۔ اگر ہم میں عوام کی بے لوث اور پرخلوص خدمت کرنے کے جذبہ کا فقدان ہو تو ہمارے دستور سازوں نے اس عظیم ملک کے لئے جن مقاصد کو پیش نظر رکھا تھا، انہیں صرف ہمارے نیک ارادوں خواہ وہ خلوص سے پُر ہوں کے اظہار سے پایہ تکمیل تک نہیں پہونچایا جا سکتا۔ ہم میں سے ہر ایک کو ہر مرد اور ہر عورت کو ملک کے لئے اپنا فرض ادا کرنا چاہئے۔ دعاگو ہوں کہ اکتیس سال قبل ہم سبھوں نے جو عہد کیا تھا، ہماری کارگزاری اس کے عین مطابق ہو۔

ہندوستان میں پرائمری سطح پر انگریزی کی تعلیم، چند اعداد و شمار

ہندوستان کی ۲۲ ریاستوں میں سے ۱۵ ریاستوں میں اسکول کی سطح پر لازمی دوسری زبان کی حیثیت سے انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ چھ ریاستوں میں (سکم کے اعداد و شمار ابھی دستیاب نہیں ہوئے) انگریزی لازمی دوسری زبان ہے۔ ہر ریاست میں کس جماعت سے انگریزی کی تعلیم شروع کی جاتی ہے اور ایک دوسری زبان کے ساتھ تعلیمی سال کے شروع سے مادری زبان کی تعلیم کیلئے کتنا وقت لگتا ہے، اس کی تفصیل مندرجہ ذیل فہرست میں درج ذیل ہے: -

ریاست	جماعت جس میں انگریزی کی تعلیم شروع کی جاتی ہے	وقت - گھنٹے کے لحاظ سے (دوسری زبان - پہلی زبان)
آندھرا پردیش	کلاس V	۲۲۵ - ۱۸۰
آسام	کلاس IV	۱۲۲ - ۱۰۹
بہار	کلاس VI	۱۹۸ - ۱۳۲
گ[illegible]	کلاس V (اختیاری)	۲۰۷ - ۱۱۵
[illegible]	کلاس VI	۲۱۷ - ۲۱۷
ہ[illegible]چل	کلاس IV	۲۰۱ - ۱۰۴
جموں کشمیر	کلاس VI (اختیاری)	۲۶۶ - ۲۱۱
کرناٹک	کلاس V	۲۶۶ - ۱۶۰
کیرالا	کلاس V	۱۸۶ - ۸۰
مدھیہ پردیش	کلاس VI	۱۳۳ - ۱۳۳
مہاراشٹر	کلاس V	۲۲۳ - ۱۹۵
میگھالیہ	کلاس IV	۱۸۴ - ۱۸۴
منی پور	کلاس III	۱۳۳ - ۱۳۳
ناگالینڈ	کلاس I	۱۰۶ - ۱۰۶
اڑیسہ	کلاس IV	۱۷۰ - ۹۷
پنجاب	کلاس VI	۲۱۶ - ۲۱۶
راجستھان	کلاس VI	۳۰۶ - ۲۲۹
تمل ناڈو	کلاس III	۳۱۳ - ۱۰۳
تریپورا	کلاس III	۳۳۶ - ۱۳۰
اترپردیش	کلاس VI	۱۹۰ - ۱۹۰
مغربی بنگال	کلاس III	۲۳۰ - ۱۵۳
سکم	—	—

نو میں سے پانچ مرکزی علاقوں میں انگریزی لازمی دوسری زبان ہے۔ انڈمان اور نکوبار جزائر میں انگریزی کی پڑھائی کلاس V سے اور گوا، دمن، ڈیو میں انگریزی اور ہندی کی پڑھائی کلاس III سے شروع ہوتی ہے۔ انگریزی کی پڑھائی لکادیپ میں کلاس III سے، میزورم میں کلاس V سے اور پانڈیچری میں کلاس III سے شروع ہوتی ہے۔

اروناچل، چنڈی گڑھ، دہلی، دادرا اور نگر حویلی میں انگریزی لازمی دوسری زبان نہیں ہے۔

گجرات، مہاراشٹر، دادر اور نگر حویلی میں انگریزی لازمی تیسری زبان ہے، اور کلاس V اور اس سے اوپر کے کلاسوں میں اس کی تعلیم کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ لیکن کلاس V میں انگریزی کو اختیاری مضمون میں شامل کرنے کی گنجائش ہے۔

اب اس بات کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے کہ انگریزی کی تعلیم پر مختلف ریاستوں میں کل کتنے گھنٹے صرف کئے جاتے ہیں۔ مغربی بنگال میں پرائمری سطح پر اب تک انگریزی کی تعلیم کیلئے سالانہ ۵۰۷ تعلیمی گھنٹے اور تمل ناڈو اور کیرالا میں علی الترتیب ۵۷۵ اور ۴۶۶۵ گھنٹے صرف کئے جا رہے ہیں۔ تمل ناڈو اور مغربی بنگال میں ایک ہی کلاس سے یعنی کلاس III سے انگریزی کی پڑھائی شروع ہوتی ہے۔ گرچہ پرائمری سطح پر سالانہ تعلیمی گھنٹے مغربی بنگال میں تمل ناڈو کے مقابلہ ۱۰ ہزار گھنٹے کم ہیں۔ تاہم انگریزی کی تعلیم کیلئے مغربی بنگال ۵۰۶ گھنٹے اور تمل ناڈو ۴۶۶ گھنٹے صرف کرتے ہیں۔

کیرالا میں کلاس V تک سالانہ ۴۶۶۵ گھنٹے صرف کئے جاتے ہیں۔ یہ اوقات مغربی بنگال کے مقابلہ میں ۲۰۰ گھنٹے زیادہ ہیں۔ لیکن کیرالا میں انگریزی کی پڑھائی کیلئے ۱۸۶ گھنٹے صرف کرتا ہے۔

باقی ص ۱۴ پر

وزیر اعلیٰ جیوتی باسو نے اردو اکاڈمی کی عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا

اردو زندہ اور عوامی زبان ہے اسے کوئی طاقت مٹا نہیں سکتی، وزیر اعلیٰ

اردو کے ساتھ بے انصافی نہیں ہوگی، یہاں اسے جائز مقام دیا جائے گا

حاجی محمد محسن اسکوائر کلکتہ

میں ۹ فروری ۱۹۸۱ء کو مغربی بنگال اردو اکیڈیمی کی مجوزہ عمارت کا سنگ بنیاد رکھتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے کہا کہ ہمارے ملک میں مختلف مذاہب اور زبانیں ہیں اور ان کا باہمی اتحاد ہی ملک کو آگے بڑھا سکتا ہے۔ اردو ہماری مشترکہ تہذیب کی ایک روشن علامت ہے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے جس سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اردو کو اس کا صحیح مقام دینا ہی ہوگا۔

ماضی میں اردو کے ساتھ بے انصافی کی گئی اور اس پر دوسری زبان کو مسلط کرنے کی کوشش کی گئی جبکہ اکثریت کا فرض ہے کہ وہ اقلیتوں کے حقوق کا خاص خیال رکھے۔ شری باسو نے کہا کہ آج ان کے لئے بڑی خوشی کا دن ہے کہ وہ اردو اکیڈیمی کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھ رہے ہیں۔ کلکتہ کارپوریشن نے یہ قانون بنایا تھا کہ اب کھلے میدانوں اور پارکوں میں کسی طرح کی عمارت بنانے کی اجازت نہیں دی جائے گی لیکن اس عمارت کے لئے اردو اکیڈیمی کو قانون سے مستثنیٰ قرار دیا گیا اس لئے کہ دستور انسان کے لئے ہے نہ کہ انسان دستور کے لئے۔ ادب و تہذیب کے فروغ کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ سرکاری اثرات سے پاک ہو اس لئے حکومت مغربی بنگال نے اردو اکیڈیمی کو خود اختیار بنانے کا فیصلہ کیا تاکہ وہ آزادی سے کام کر سکے۔

آئندہ بجٹ میں ہم عمارت کی تعمیر کے لئے رقم مختص کریں گے۔

آسام تحریک کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ یہ تحریک کسی طرح بھی جائز نہیں ہے۔

[illegible] حاضرین کے سامنے [illegible]

تقریر کی جس سے سامعین خاصے محظوظ ہوئے۔ سنگ بنیاد کی اس تقریب کے مہمان خصوصی وزیر بلدیات شری پرشانت کمار سور نے اردو کی دلنشینی کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ ۱۹۵۰ء میں جب وہ اور ان کے سیکڑوں ساتھی جیل میں تھے تو مرحوم پرویز شاہدی بھی ان کے ساتھ تھے۔ خوف و دہشت کے اس اندوہناک ماحول میں جہاں قیدیوں پر لاٹھیاں بھی برستی تھیں۔ پرویز شاہدی کی ولولہ انگیز اردو شاعری نے قیدیوں کو حوصلہ اور جینے کا عزم بخشا۔ اردو ایک طاقتور اور زرخیز زبان ہے۔ اس زبان کے ذریعہ بنا سکتے ہیں۔

وزیر ٹرانسپورٹ محمد امین صاحب نے بڑی سلجھی ہوئی غیر معمولی تقریر کی اور فرمایا کہ آج کا دن اردو ادب کی تاریخ میں ایک یادگار دن ہوگا۔ اور تاریخ کے اوراق میں اس باب کا اضافہ شری جیوتی باسو نے کیا ہے جن کے مبارک ہاتھوں سے اردو اکیڈیمی کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جا رہا ہے۔

امین صاحب نے مغربی بنگال اردو اکیڈیمی کی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ اکیڈیمی نے مرحوم شاعروں اور ادیبوں کے پس ماندگان کو وظیفے دیئے اور غریب اردو طبقہ کو مالی امداد دی۔ مرحوم مضطر حیدری کی المناک خودکشی کا ذکر کرتے ہوئے امین صاحب نے فرمایا کہ اردو اکیڈیمی اس بات کا خاص خیال رکھے کہ مستقبل میں اردو کا کوئی ادیب، شاعر یا صحافی خودکشی کرنے پر مجبور نہ ہو۔

امین صاحب نے وضاحت کی کہ اکیڈیمی کی سرگرمیوں میں کوئی سیاسی مصلحت نہیں ہے سیاست بذات خود کوئی بری چیز نہیں ہے سیاست اگر علم و ادب کی خدمت کرتی ہے تو اس میں کیا برائی ہے۔

وزیر ٹرانسپورٹ نے اردو کے ہمدردوں سے اپیل کی کہ وہ سیاسی اختلافات کو

بالائے طاق رکھ کر اُردو کی خدمت کے لئے متحد ہو جائیں۔

ڈپٹی اسپیکر کلیم الدین شمس نے اپنی حکومت کی لسانی پالیسی کی مدافعت کرتے ہوئے بتایا کہ مادری زبان میں تعلیم دینے سے اقلیتوں کو خصوصی فائدہ ہوگا۔ دوسری ریاستوں کو بھی مغربی بنگال کے نقش قدم پر چلنا چاہیئے۔

اس موقعہ پر خواجہ احمد فاروقی نے بھی تقریر کی جو اکیڈمی کی سہ روزہ تقریبات میں حصہ لینے کے لئے آئے تھے۔ فاروقی صاحب نے فرمایا کہ وہ کمیونسٹ نہیں ہیں لیکن مغربی بنگال کی محاذی حکومت کی اردو نوازی دیکھ کر ان کا جی چاہتا ہے کہ وہ بھی کمیونسٹ ہو جائیں۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد حسن نے اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے اُردو والوں کی طرف سے حکومت مغربی بنگال کا شکریہ ادا کیا کہ وہ اُردو کو اس کا مناسب مقام دے رہی ہے۔ ہندستان میں یہ پہلی اُردو اکیڈمی ہے جس کا اپنا گھر تعمیر ہو رہا ہے۔

موصوف نے کہا کہ زبانیں نہ حکومتیں بنا سکتی ہیں اور نہ مٹا سکتی ہیں بلکہ زبانوں کو عوام بناتے ہیں۔ اُردو کا رشتہ عوام سے اتنا مضبوط ہے کہ اس کو کوئی حکومت مٹا نہیں سکتی۔ مغربی بنگال میں جو کرن آج نمودار ہوئی ہے وہ سارے ہندستان کو منور کرے گی۔ جمہوریت کی اصل پہچان یہ ہے کہ اقلیتیں مطمئن ہوں۔ اُردو کی گرفت عوام پر اتنی مضبوط ہے کہ وہ قائم ہے اور قائم رہے گی۔

کامریڈ ابوالحسن ایم۔ ایل۔ اے نے بھی اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے ایک شعر پڑھا کہ ؎

قیامت ہو گئی برپا دیار علم و دانش میں
کہ میخانے سے پھوٹی صبح کی پہلی کرن ساقی

اس جلسے میں اکیڈیمی کی سہ روزہ تقریبات میں حصہ لینے والے بیرونی اُردو ادیبوں اور دانشوروں کو بھی ایک بڑی تعداد نے شرکت کی جن میں عصمت چغتائی، رام لعل، اسلم پرویز، ڈاکٹر عنوان چشتی، ڈاکٹر مظفر حنفی، محترمہ صالحہ عابد حسین، ڈاکٹر لطف الرحمن اور رونق نعیم قابل ذکر ہیں۔

جناب محمد نظام الدین ایم۔ ایل۔ اے کی محنت سے یہ تقریب بے حد کامیاب رہی۔ اُردو کے ہزاروں شیدائیوں نے اس جلسے میں شرکت کر کے اُردو سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔

بقیہ:۔ صفحہ ۸ کا

اسکول ٹیچروں، صحت عامہ کے کارکنوں، نیم طبی تغذیہ اور خاندانی منصوبہ بندی کے اسٹاف کے سلسلہ میں دیسی اور مقامی وسائل پر اعتماد کی کمی کی وجہ سے ان شعبوں پر مضر اثر پڑا ہے۔ اس کے باوجود تدریجی نصاب تربیت اور ملازمت کے دوران تربیت، تربیت یافتہ شخص کی سربراہی میں عملی تربیت کی مدد سے نوجوان دیہی مردوں اور عورتوں کو بہت ہی مختصر عرصہ میں اس حد تک تربیت دی جا سکتی ہے کہ وہ اچھے اسکول ٹیچر، صحت عامہ کے کارکن، چھوٹی موٹی بیماری کے علاج کے اچھے نیم طبی کارکن، خاندانی منصوبہ بندی کے اچھے کارکن بن سکتے ہیں۔

آج جس بات کا احساس نہیں ہو رہا ہے، حالانکہ سارے ملک میں اس کی بہت ساری درخشاں مثالیں موجود ہیں لیکن جن کی ماہرین آج بھی ہلکی پھلکی تعریف کر کے مجموعی طور پر مذمت کرتے ہیں، وہ یہ کہ مقامی طور پر حاصل کردہ اور تربیت یافتہ کارکنان باہر کے سند یافتہ لوگوں سے پیشہ ورانہ اور اخلاقی لحاظ سے کہیں زیادہ ذمہ دار ہوتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے یہ لوگ اپنی کارکردگی کے لئے خود اپنے مقامی لوگوں کو جوابدہ ہوتے ہیں۔

مقامی لوگوں کو جوابدہ ہونا ہی ایک اچھے اور موثر کارکن اور ایک ضابطہ پرست اور کرایے کے کارکن کے درمیان فرق کو نمایاں کر دیتا ہے۔ اس کے علاوہ مقامی کارکن تو مقامی سماجی اور معاشی ڈھانچہ کا جزو لاینفک ہوتے ہیں۔ اس کے ساتھ ہی مقامی لوگوں کو بھی اس بات سے اطمینان ہوتا ہے کہ ان ہی میں سے سب سے اچھے کارکنوں کی تقرری ہوتی ہے۔ اور پھر ایسے کارکنوں کی ترقی کی کافی گنجائش بھی ہوتی ہے۔ موجودہ پالیسی بیرونی امداد پر بہت زیادہ انحصار کرتی ہے ضرورت تو اس بات کی ہے کہ اپنی مدد آپ کر کے جامع پروگرام کو اپنایا جائے اور درآمدات کا بدل دریافت کیا جائے۔

دوسروں کی نظر میں :-

تین سالہ ایل - ایم - ایس کورس ضرورت کے عین مطابق ہے

شری اشوک مترا

کلکتہ کے انگریزی اخبار "دی اسٹیٹسمین" کے ۳۱ جنوری ۱۹۸۱ء کے شمارہ میں شری اشوک مترا کا ایک مضمون شائع ہوا - اس مضمون میں شری مترا نے ریاستی حکومت کے تین سالہ ایل ایم ایس کورس کی تعریف کی - نیز انھوں نے ریاستی حکومت کی تعلیمی پالیسی کو سراہا - ذیل میں شری اشوک مترا کے مذکورہ مضمون کے اقتباسات "دی اسٹیٹسمین" کلکتہ کے شکریہ کے ساتھ شائع کئے جا رہے ہیں -

حکومت مغربی بنگال کو مبارکباد دینا چاہئے کیونکہ اس نے انڈین میڈیکل ایسوسی ایشن کی ناراضگی کو، ساتھ ہی شہر کلکتہ میں ممتاز ڈاکٹروں کے خدشوں کو نظر انداز کر دیا - اس نے ستمبر میں تین اضلاع میں میڈیسن اور سرجری میں تین سالہ اسسٹنٹ کورس رائج کیا اس کے ساتھ ہی اس نے یہ اعلان کیا کہ اس کورس میں داخلہ کے لئے قرب و جوار کے جوان مرد اور عورتوں کو ترجیح دی جائے گی - یہ بات کتنی اچھی ہوتی اگر ریاستی حکومت برسر اقتدار آنے کے فوراً بعد ہی یعنی جون ۱۹۷۷ء میں یہ اصلاحی اقدام کرتی تو آج اس وقت اسے اس کا ثمر حاصل ہوتا -

پرائمری اور مڈل اسکول تعلیم کے میدان میں اسی طرح کی جرأت مندانہ فیصلہ کی شدید ضرورت ہے - حکومت نے جوان مرد اور عورتوں کی ہمت افزائی کرنے کیلئے کثیر رقم خرچ کی اور اس کے عوض میں ان نوجوانوں سے کوئی صلہ نہیں مانگا - اس کے مایوس کن نتائج اس حقیقت سے ظاہر ہو جاتے ہیں کہ خواندگی اور تعلیم میں تمام ریاستوں اور مرکزی علاقوں میں ۱۹۵۱ء کی مردم شماری کے مطابق مغربی بنگال دوسرے نمبر پہ تھا لیکن ۱۹۷۱ء کی مردم شماری کے مطابق مغربی بنگال گھٹ کر دسواں نمبر پہ آ گیا ... تعلیم میں دسویں نمبر پہ آ گیا - اور ۱۹۸۱ء میں مغربی بنگال کی پوزیشن اور بھی ابتر ہو جائیگی - دہلی میں مرکزی وزارت تعلیم اب مغربی بنگال کو تعلیمی لحاظ سے پسماندہ علاقہ شمار کرتی ہے -

۱۹۴۰ء اور ۱۹۵۲ء کے دوران مغربی بنگال اور بنگلہ دیش میں کام کرنے والے لوگ اس بات کی تصدیق کریں گے کہ ان دنوں چھوٹے چھوٹے شہروں اور دیہی علاقوں میں ایل ایم ایف ڈاکٹروں نے جو طبی صحت عامہ کی سہولتیں فراہم کیں وہ ۱۹۸۰ء میں فراہم سہولتوں سے کہیں زیادہ تھیں - اس کی وجہ یہ ہے کہ ان دنوں ضلعوں میں ایل ایم ایف / ایل ایم ایس ڈاکٹر پریکٹس کیا کرتے تھے یہی ڈاکٹر دیہی علاقوں سے مریضوں کو سب ڈویژنل ہسپتالوں، ضلع کے صدر مقام شہروں میں اور وہاں سے پھر شہر کلکتہ میں ایم بی بی ایس ڈاکٹروں کے پاس مزید علاج کے لئے بھیجا کرتے -

مجھے ایسے کئی مواقع یاد ہیں جب ڈاکٹر بی سی رائے نے اپنے دیہی دورہ کے دوران ان مریضوں کا طبی معائنہ کیا جنھیں مقامی ایل ایم ایف / ایل ایم ایس ڈاکٹروں نے ان کے پاس بھیجا تھا - نیز ایل ایم ایف / ایل ایم ایس ڈاکٹر گاؤں چھوڑ کر جانا پسند نہیں کرتے - انھیں وہاں جو عزت ملتی اور جتنے پیسے وہ کماتے ان سے وہ اضلاع میں آسودگی سے زندگی بسر کرتے ہیں -

گزشتہ ۱۵ برسوں میں تعلیم کی اشاعت کے ساتھ ساتھ آنا ... ۵ سے زیادہ آبادی والے گاؤں خواہ کتنی ہی دور افتادہ کیوں نہ ہوں اس بات کا دعویٰ نہیں کر سکتے کہ ان کے گاؤں میں مڈل اسکول یا ہائی اسکول پاس دو تین نوجوان خواندہ مرد اور عورتیں نہیں ہیں - ہمارے دل میں یہ بات قوس گئی ہے کہ پرائمری اسکولوں کے ٹیچروں کا تربیت یافتہ ہونا ضروری ہے اور اسی وجہ سے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سارے ملک میں بہت سارے اسکولوں میں برسوں سے ٹیچروں کی تقرری نہیں ہوتی حالانکہ بہت سارے غیر تربیت یافتہ مرد اور عورت ٹیچرس موجود ہیں اور جن کی خدمات سے استفادہ کیا جا سکتا ہے -

باقی صفحہ ... پر

عبدالودود انصاری
شعبۂ اردو، ملت کالج۔ پرسا، ایس پی

اقبال کی نظم
ماہِ نو

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقابِ نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آبِ نیل
طشتِ گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب
نشترِ قدرت نے کیا کھولی ہے فصدِ آفتاب

چرخ نے بالی چرا لی ہے عروسِ شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیمِ خام کی

قافلہ تیرا رواں بے منتِ بانگِ درا
گوشِ انساں سن نہیں سکتا تری آوازِ پا
گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو
ہے وطن تیرا کدھر؟ کس دیس کو جاتا ہے تو
ساتھ اے سیارۂ ثابت نما لے چل مجھے
خارِ حسرت کی خلش رکھتی ہے اب بے کل مجھے
نور کا طالب ہوں، گھبراتا ہوں اس بستی میں میں
طفلکِ سیماب پا ہوں مکتبِ ہستی میں میں

شارحین نے شرحیں لکھی ہیں ناقدین نے فنی تجزیہ بھی کیا ہے لیکن یہ نظم جس توجہ کی مستحق ہے وہ اب تک پورا نہ ہو سکا۔ شرح لکھنے والے سب اسی قدر لکھتے ہیں جس سے فنی اور فکری تجزیہ صاف طور پر واضح نہیں ہو پاتا ہے۔

جناب ناصر زیدی صاحب کچھ تفصیل سے کام لیتے ہیں:-

یہ نظم اپنے عنوان جیسی حسین اور بہترین ہے۔ نئی تشبیہیں انوکھے استعارے خیالات کی بلندی پروازی ہر طرح کیل کانٹے سے درست اور بندش بھی چست ہے۔ سورج کو کشتی تصور کر کے نیلے آسمان کو دریائے نیل سے تشبیہ دی۔ ماہِ نو کو یعنی پہلی کے باریک چاند کو اس کشتی کا ایک ٹکڑا قرار دیا اور الفاظ کی ترتیب کے بعد حسنِ معنی یہ پیدا کیا کہ سورج ڈوب گیا جیسے دریائے نیل میں کوئی کشتی ٹوٹ کر ڈوب جائے۔ لیکن اس کا کنارہ پانی پہ تیرتا رہ گیا یہ کنارہ "ماہِ نو" ہے جو "نیل" کے پانی کی سطح پر تیر رہا ہے۔ چونکہ یہ سورج جیسی کشتی کا ٹکڑا ہے اس لئے یہ بھی نورانی ہے پھر آسمان کو ایک تھال تصور کیا، جس میں شفق کی سرخی کو تازہ خون قرار دیا اس طشت میں ٹپکتے ہوئے بتایا۔ یہ منظر ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے سورج کی فصد، قدرت کے نشتر نے کھولی ہے، اور اس کی رگوں سے خالص خون نکل کر افق کی وسعتوں پر پھیل گیا ہے۔ پھر اس چاند کو دولہن کے کانوں کی بالی سے تشبیہ دی ہے اور کہتے ہیں کہ عروسِ شام کے کانوں کی بالی شاید فلک نے چرا لی یا نیل کے پانی کے رنگ جیسے آسمان پر کچی چاندی کی مچھلی تیر رہی ہے اقبال اب اس کے بعد اپنے حقیقی رنگ پر آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے ماہِ نو! تو ستاروں کا قافلہ اپنے ہمراہ لے کر بڑی خاموشی سے گزر جاتا ہے، نہ تو صدائے جرس کا تو محتاج ہے اور نہ نالہ و فریاد ہے ایسا خاموش قافلہ کہ تیرے قدموں کی چاپ تک سنائی نہیں دیتی۔ انسان دیکھتا رہ جاتا ہے اور تیرا قافلہ دبے پاؤں گزر جاتا ہے۔ ذرا مجھے یہ تو بتلا کہ تیرے اس گھٹنے بڑھنے میں کیا راز پنہاں ہے؟ اور یہ بھی بتلا کہ تیرا یہ قافلہ کہاں جا رہا ہے، تیرا وطن کس جگہ ہے؟ تو اپنے ساتھ مجھے بھی لے چل، میں تجھے اس طرح رواں دواں دیکھ کر حسرت بھری نگاہوں سے تکتا ہوں، یہ ایسی خلش ہے جس سے میں ہمیشہ بے چین رہتا ہوں۔ اے چاند! تو سراپا نور ہے اور خاک کا پتلا ہوں میں۔ اس خاکدان میں اب دل نہیں لگتا ہے، خدا نے جو شعور بخشا ہے وہ ہمیشہ اکساتا ہے۔ اب اس تاریک دنیا میں کچھ بھی نظر نہیں آتا یہاں میرا وجود ایک ایسے بچے کی مانند ہے، جس کے پاؤں میں بجلی بندھی ہوں میں ہمیشہ سیماب صفت بے چین رہتا ہوں، جیسے دم بھر بھی کہیں قرار نہیں بس یہی فکر رہتی ہے کہ کائنات کی وسعتوں میں کھو جاؤں اور ہر شے کا علم حاصل ہو جائے۔

شرح بانگ [illegible] بہار پبلی کیشن، پٹنہ -۴)

"ماہِ نو" [illegible] اقبال کے پہلے مجموعہ "بانگ درا" کی مکمل نظموں میں شمار ہونے کے لائق ہے۔ یہ ایک مختصر مگر تخلیقی ہے۔ اس مقالے میں حالی تنقید کے سہارے "ماہِ نو" کا فنی تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔

ملاحظہ ہو شاعر کی احساسی بیداری اور ذکاوت ان اشعار میں:-

طشت گردوں میں ٹپکتا ہے شفق کا خونِ ناب
نشتر نے کیا کھولی ہے فصدِ آفتاب

چرخ نے بالی چرا لی ہے عروسِ شام کی
نیل کے پانی میں یا مچھلی ہے سیم خام کی

غروبِ آفتاب اور اس وقت آسمان میں پھوٹتی ہوئی شفق کی لالی کا نقشہ کس خوبصورتی سے کھینچا ہے اور پھر نوخیز چاند کو عروس شام کی بالی سے تشبیہ دینا کتنی بلیغ مثال ہے۔ جس میں رومانیت بھی ہے۔ پھر اس نوخیز چاند کا جھلملاتا ہوا عکس جو پانی پر پڑ رہا ہے۔ اس کے لئے شاعر نے سیم خام کی مچھلی جیسی نادر تشبیہ ڈھونڈی ہے۔ یہ سب باتیں ایسی ہیں جن سے شاعر کے احساس کی نزاکت اور ذکاوت کا اظہار ہوتا ہے۔

جذبات کے فطری ہونے سے شاعری میں صلابت آجاتی ہے۔ جذبات کے فطری ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جو جذبات کلام میں بیان کئے جائیں ان کے اظہار میں فطرت انسانی کو ملحوظ رکھنا چاہئے۔ کیونکہ اگر جذبات فطرت کے خلاف ہوں گے تو کلام میں اصلیت باقی نہ رہے گی۔ پھر اصلیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ کلام مقتضائے مقام کے موافق ہو اور اس کے اجزا میں تضاد نہ ہو۔ جذبات سے متعلق متذکرہ بالا باتوں کو مدِ نظر رکھتے ہوئے جب ہم اس نظم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں وہ ساری باتیں جو بیان کی گئی ہیں اس میں پوری طرح ملتی ہیں۔ شاعر نے خورشید کو ڈوبتے دیکھا پھر آسمان پہ نوخیز چاند کو دیکھا اور پھر اس نوخیز چاند کی کشش نے شاعر کے بالیدہ ذہن میں خوبصورت تشبیہیں گڑھ دیں۔ پھر چند سوالات اس کے ذہن میں جنم لیتے ہیں اور آخر میں نور کے طلب کی تمنا ہوتی ہے۔ پھر اپنی کمزوری کا احساس ہوتا ہے۔ شاعر کے جذبات جو ابھی بیان کئے گئے۔ بالکل فطرتِ انسانی کے مطابق ہیں اس میں ابتداء سے انتہا تک جذبات کا توازن برقرار ہے اور کسی پر کہیں بھی عدم توازن کا احساس نہیں ہوتا۔ جذبات منظم اور مربوط ہیں پھر یہ کہ ان جذبات میں کتنی اصلیت ہے کہ نظم کو پڑھنے کے بعد ہر شخص اپنے دل

میں وہی محسوس کرتا ہے جو شاعر نے خود محسوس کیا تھا اس طرح فنکار اور قاری کا براہِ راست تعلق ہو جاتا ہے۔

جہاں تک اس نظم میں تخیل کا سوال ہے۔ تو اس سلسلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ تخیل میں اصلیت ہے۔ شاعرانہ اصلیت، سادگی ہے (سادگی سے مراد یہ ہے کہ خیال میں پیچیدگی اور کسی قسم کا الجھاؤ نہ ہو) بلندی ہے، باریکی ہے سوز و گداز ہے۔ ملاحظہ ہو شاعرانہ اصلیت:-

ٹوٹ کر خورشید کی کشتی ہوئی غرقابِ نیل
ایک ٹکڑا تیرتا پھرتا ہے روئے آبِ نیل

عموماً ایسا ہوتا ہے کہ ڈوبتے سورج کے جسم کو بادل کا کوئی پتلا سا لمبا سا ٹکڑا دو حصوں میں بانٹ دیتا ہے اور ہمیں دیکھنے سے سورج ٹوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔ اس ٹوٹے ہوئے نچلے حصے کو جو کہ آہستہ آہستہ نیچے چلا گیا اور کسی ندی کے کنارے پہ سے دیکھنے پر لگتا ہے کہ پانی میں ڈوب گیا اس کو شاعر نے خورشید کی کشتی سے تشبیہ دی ہے کیونکہ اس کی شکل تقریباً کشتی کی طرح ہوتی ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ یہاں پہ ندی کا ذکر ہے اسلئے اسکی رعایت سے کشتی کا لفظ لایا گیا۔ شاعرانہ اصلیت کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ وہ چیز جو شاعر دیکھتا ہے وہ اُسے کیا معلوم ہوتی ہے نہ کہ فی حقیقہ کیا ہے۔

سادگی تخیل اور بلندی خیال اس شعر میں ملاحظہ کیجئے:-

نور کا طالب ہوں گھبراتا ہوں اس بستی میں میں
طفلکِ سیماب پا ہوں مکتبِ ہستی میں میں

یہاں خیال میں کسی قسم کی پیچیدگی یا الجھاؤ کا احساس نہیں ہوتا۔ باریکیٔ خیال کی مثالیں اِس نظم میں ملاحظہ ہوں:-

قافلہ تیرا رواں بے منت بانگ درا
گوشِ انساں سن نہیں سکتا تری آوازِ پا
گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو
ہے وطن تیرا کدھر کس دیس کو جاتا ہے تو

خیال سطحی نہیں بلکہ اعلیٰ ہیں۔ کائنات کے وسیع مشاہدے کا نتیجہ ہیں۔ سیدھی سی بات سیدھے سے انداز میں بیان کی گئی ہے۔ ان سب باتوں کے امتزاج نے خیال میں باریکی پیدا کر دی ہے اور اشعار حسین ہو گئے ہیں۔

جب کلام میں خیالات کے ساتھ ساتھ جذبات بھی پائے جائیں تو کلام میں سوز و گداز پیدا ہو جاتا ہے ورنہ باوجود تمام خوبیوں کے کلام

"گئی بے رنگ و بُو" ہو کر رہ جائے گا اور خیال بجائے شاعرانہ ہونے کے حکیمانہ اور واعظانہ ہو کر رہ جائے گا۔ مثلاً غالب کا یہ شعر۔

نہ سنو گر برا کہے کوئی
نہ کہو گر برا کرے کوئی

لیکن اس کے برخلاف میر کا یہ شعر ملاحظہ ہو۔

ہمارے آگے ترا جب کسی نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

میر کے شعر میں غالب کے شعر کے برخلاف بیان خیالات کے ساتھ ساتھ جذبات بھی ہیں۔ اب آئیے زیر مطالعہ نظم کی طرف دیکھئے اس شعر میں کتنا سوز و گداز ہے۔

نور کا طالب ہوں گھبراتا ہوں اس بستی میں میں
طفلکِ سیماب پا ہوں مکتبِ ہستی میں میں

اس سے کچھ کم مگر اس شعر میں بھی سوز و گداز ہے۔ ملاحظہ ہو۔

گھٹنے بڑھنے کا سماں آنکھوں کو دکھلاتا ہے تو
ہے وطن تیرا کدھر کس دیس کو جاتا ہے تو

اب ہم اس نظم کی صوری اور معنوی صنعتوں اور ہنرمندیوں کا جائزہ لیں گے۔

الفاظ کا استعمال شاعری میں خود ایک آرٹ کی حیثیت رکھتا ہے۔ اچھے شاعر کا کمال یہ ہے کہ وہ خیالات و جذبات کے مطابق الفاظ کا انتخاب کرتا ہے۔ یعنی یہ کہ اگر خیالات لطیف ہیں تو اسی نسبت سے الفاظ بھی ملائم ہونے چاہئیں۔ اور اگر رعب و دبدبہ کی بات بیان کی جا رہی ہے تو اس کے لئے ویسے ہی الفاظ کا انتخاب کرنا چاہئے۔ جن سے رعب و دبدبہ ظاہر ہو مثلاً۔

تیرا جلال و جمال مردِ خدا کی دلیل
وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل

اب آئیے اصل موضوع پر:- چنانچہ اس نظم میں بھی شاعر نے الفاظ کو خیالات کے مطابق خوب انتخاب کیا ہے۔ مثلاً شروع ہی میں دیکھئے شاعر غروب آفتاب کے وقت کا نقشہ کھینچا ہے اور پھر غروب آفتاب کے بعد نوخیز چاند جو بڑا باریک ہے اس کے نمودار ہونے کا نقشہ کھینچا ہے اور اس نوخیز چاند کا پانی میں کیسا عکس پڑتا ہے۔ اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ اس کے لئے اس نے ایسے الفاظ منتخب کئے ہیں کہ اس وقت کی پوری تصویر اپنے اصل رنگ و روپ کے ساتھ ہماری نظروں کے سامنے آ جاتی ہے جیسی کہ خود شاعر نے دیکھی ہے۔ گویا الفاظ نے خیالات میں جان ڈال دی ہے کہ جس سے تصویر حقیقی اور جاندار معلوم پڑتی ہے۔ ذرا آگے بڑھئے تو دوسرے بند میں شاعر کے ذہن میں چند سوالات ابھرتے ہیں اور چونکہ سوالات سنجیدہ ہیں۔ اس لئے اس کے لئے الفاظ بھی ایسے ہی منتخب کئے گئے ہیں جن سے سنجیدگی کا اظہار ہوتا ہے۔ کائنات کا ہر جاندار روز ازل سے سرگرداں ہے وہ ازل و ابد کی جستجو یعنی نور کی تلاش جس کے لئے اور آخر میں شاعر اپنی ہم انسانوں کی جستجو کا ذکر کرتا ہے مگر ساتھ ہی اپنی کم مائیگی کا بھی ذکر کرتا ہے۔

نور کا طالب ہوں گھبراتا ہوں اس بستی میں میں
طفلکِ سیماب پا ہوں مکتبِ ہستی میں میں

الفاظ پوری طرح خیالات و جذبات کی ترجمانی کرتے ہیں۔ مصرعوں کی تنظیم یوں ہے۔ فاعلاتن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن۔ بحرِ رمل مثمن محذوف۔

خورشید کی کشتی، ظلمت گردوں، شفق کا خونِ ناب، فصدِ آفتاب، عروسِ شام کی بالی، سیمِ خام کی مچھلی وغیرہ بڑی خوبصورت اور نادر تشبیہات و استعارے ہیں۔ جن کی مثال اردو شاعری میں کہیں نہیں ملتی۔

——— بشکریہ پاسبان جنڈی گڑھا

انگریزی کی تعلیم کو ختم نہیں کیا جا رہا ہے۔ نئی تعلیمی پالیسی کا بنیادی مقصد یہ ہے کہ تعلیم دینے کے اہمیت پر زور دیا جائے۔ میں نے مشرق اور مغرب میں بہت سارے ملکوں کا دورہ کیا اور ہر جگہ میں نے یہی دیکھا کہ پرائمری سطح پر بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جاتی ہے۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

اُردو ایک [illegible] جاندار زبان ہے

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

ربندر اسدن کلکتہ میں منشی پریم چند، آغا حشر کشمیری، مولانا حسرت موہانی اور رضا علی وحشت کی صد سالہ سالگرہ تقریبات

مغربی بنگال اُردو اکیڈمی کے زیر اہتمام ربندر اسدن ہال، کلکتہ میں پریم چند، آغا حشر کشمیری، مولانا حسرت موہانی اور علامہ رضا علی وحشت کی صد سالہ سالگرہ کی سہ روزہ یعنی ۶ر فروری سے ۹ر فروری ۱۹۸۱ء تک تقریبات ربندر سدن میں منعقد ہوئیں۔ ۶ر فروری کو اسی ہال میں جناب محمد امین، وزیر ٹرانسپورٹ، حکومت مغربی بنگال کے زیر صدارت اس تقریب کا افتتاح کرتے ہوئے جناب سید ابو المنصور حبیب اللہ اسپیکر مغربی بنگال اسمبلی نے کہا کہ اُردو مغربی بنگال کی اسی طرح ایک زبان ہے جس طرح یہ ملک کی دوسری ریاستوں کی ہے۔ بنگال سے اُردو کا خصوصی تعلق ہے کیونکہ اُردو نثر یہیں سے پروان چڑھی۔ انھوں نے مزید کہا کہ اردو نے اس ملک کی تاریخ میں اہم رول ادا کیا ہے اور آج بھی صحیح معنوں میں یہ ایک عوامی زبان ہے۔ کلکتہ سے بنگال کے پرانے تعلقات کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے کہا آج بھی کلکتہ کے علاوہ اس ریاست کے صنعتی علاقوں میں اردو بولنے والوں کی تعداد کافی ہے۔

ریاستی وزیر ٹرانسپورٹ جناب محمد امین نے اپنی صدارتی تقریر میں بائیں محاذ حکومت کی لسانی پالیسی کی وضاحت کی۔ انھوں نے کہا کہ یہ پالیسی دو بنیادوں پر مبنی ہے۔ اوّل یہ کہ ذریعہ تعلیم مادری زبان ہونا چاہئے اور دوئم یہ کہ سبھی زبانوں کا یکساں احترام کیا جائے۔ انھوں نے مزید کہا کہ بائیں محاذ حکومت مادری زبان کو تعلیم کا ذریعہ بنانے کے لئے اقدامات کر رہی ہے اور سبھی لسانی اور مذہبی اقلیتوں کا احترام کرتی ہے۔ سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ہر لسانی اقلیت کو اس کی مادری زبان میں تعلیم دینے سے قومی اتحاد مضبوط ہوگا اور قومی یکجہتی کو فروغ حاصل ہوگا۔ انھوں نے مزید کہا کہ حکومت نے مزید اردو اسکول قائم کرنے کی گنجائش بھی نکالی ہے۔

مغربی بنگال اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر جناب کلیم الدین شمس نے اُردو کی ترقی کے لئے بائیں محاذ حکومت کے اقدامات کا ذکر کرتے ہوئے اردو داں عوام سے اپیل کی کہ وہ سیاسی اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر اس سلسلے میں حکومت کے ساتھ تعاون کریں۔ آپ نے کہا کہ ۹ر فروری سے مردم شماری شروع ہونے جا رہی اور اگر اس موقع پر اُردو کے بہی خواہ چوکس ہو جائیں تو کلکتہ میں بڑی آسانی کے ساتھ اُردو بولنے والوں کی تعداد دس فیصد یا اس سے زائد ثابت کی جا سکتی ہے اور اگر ایسا ہوگیا تو وزیر اعلیٰ کے وعدے کے مطابق کلکتہ کارپوریشن اُردو کو کلکتہ کی دوسری سرکاری زبان قرار دینے کے لئے پابند ہو جائے گی۔

اس موقع پر ڈاکٹر محمد حسن نے بھی تقریر کی۔ انھوں نے مغربی بنگال میں اُردو کے فروغ کے کئے جانے والے اقدامات پر اظہار مسرت کرتے ہوئے اُردو دنیا کی طرف سے حکومت مغربی بنگال کا شکریہ ادا کیا۔ آپ نے کہا کہ حکومت مغربی بنگال اُردو کی ترقی اور فروغ کیلئے جو کچھ کر رہی ہے وہ اس بات کا ثبوت ہے کہ جہاں اردو کو عوامی زبان کی حیثیت اور عوامی جد وجہد کے پس منظر میں دیکھا جائے گا وہاں اس کو اس کا حق ملتا رہے گا۔ آپ نے اُردو والوں کو مشورہ دیا کہ وہ مقامی زبان سے اپنا رشتہ استوار کریں اور اسے سیکھیں۔ خواجہ احمد فاروقی نے اپنی تقریر کے دوران حکومت مغربی بنگال کو اس کی اردو دوستی پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے

کہا کہ ایک ترقی پسند حکومت ہی اُردو کو اپنا سکتی ہے اور اس کے ساتھ منصفانہ سلوک کر سکتی ہے۔ عصمت چغتائی نے کہا ملک کے بٹوارے کے بعد کچھ لوگوں نے کہا کہ اُردو بھی تقسیم ہو کر پاکستان چلی گئی لیکن اردو آج بھی ہندوستان میں برقرار ہے۔ اردو کو کسی حکومت نے نہیں بلکہ عوام نے جنم دیا تھا۔ اس لئے اسے ختم کرنا کسی حکومت کے بس کی بات نہیں۔

جناب سالک لکھنوی نے اس تقریب میں اناؤنسر کے فرائض انجام دیئے۔ اردو اکاڈمی کے سکریٹری جناب مجتبیٰ فخرالدین نے رپورٹ پیش کی جس میں اکاڈمی کی اب تک کی سرگرمیوں اور آئندہ کے منصوبوں پر روشنی ڈالی گئی تھی۔ تقریب کا آغاز علامہ وحشت کی غزل سے اور اختتام حسرت موہانی کی غزل سے ہوا۔ جناب کلیم الدین شمس نے "بنگال میں اُردو" نمائش کا افتتاح کیا۔ نمائش کے افتتاح کے بعد "فنکار" کے تعاون سے آغا حشر کا ڈرامہ "نیک پروین" پیش کیا گیا۔

صد سالہ تقریبات کے دوسرے دن (۱۰ فروری) کو کل ہند سیمینار کا وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے رابندرا سدن میں افتتاح کیا۔ اپنی افتتاحی تقریر میں انہوں نے منشی پریم چند، آغا حشر کشمیری، مولانا حسرت موہانی اور رضا علی وحشت کو خراج عقیدت پیش کیا اور کہا کہ اُردو ایک میٹھی اور طاقتور زبان ہے جس سے بنگلہ اور دیگر زبانوں کو بجا طور سے آہنگ حاصل کرنا چاہئے۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ قومی یکجہتی کا حصول اسی صورت میں ممکن ہے جب تمام زبانوں کو پھلنے پھولنے کے مساوی مواقع دیئے جائیں۔ موصوف نے ہندی پریمیوں کے رویہ پر اظہار افسوس کیا جنہوں نے ہندی کو ادنیٰ اور بوجھل بنا کر عوام سے اس کا رشتہ کاٹ دیا ہے۔ اس ذیل میں سری باسو نے پنڈت جواہر لال نہرو کے حوالے سے کہا کہ وہ سنسکرت آمیز ہندی سے بڑی نالاں رہتے تھے۔ زبان کے معاملہ میں وزیر اعلیٰ نے بائیں محاذ کی پالیسی کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہم لوگوں نے بہت غور و فکر کے بعد پانچویں جماعت تک مادری زبان میں تعلیم دینے کا فیصلہ کیا ہے اس کے بعد انگریزی حسب دستور لازمی زبان کی حیثیت سے پڑھائی جائیگی۔ وزیر اعلیٰ نے اپنی تقریر میں کہا کہ مرکز نے مختلف علاقوں میں مختلف طبقات کی پستی کا تقابلی مطالعہ نہیں کیا ہے۔ لازم ہے کہ پس ماندہ طبقوں اور علاقوں کی شناخت کی جائے اور ان کی مربوط و منظم ترقی کی فکر کی جائے۔

صد سالہ تقریبات کے دوسرے دن کا آغاز رابندرا سدن میں آغا حشر کاشمیری پر سیمینار سے ہوا۔ سیمینار کی صدارت ڈاکٹر محمد حسن نے کی اور افتتاح ڈپٹی اسپیکر کلیم الدین شمس نے۔ شمس صاحب نے فن ڈرامہ پر سیر حاصل بحث کی اور بتایا کہ آغا حشر نے اپنے ڈراموں کے ذریعہ عصری تقاضوں کو پورا کیا۔ آغا حشر کاشمیری کے بھتیجے جمیل کاشمیری نے اپنا مقالہ "آغا حشر حیات اور کارنامے" کے عنوان سے پیش کیا اور بتایا کہ آغا حشر ایک اچھے اداکار بھی تھے اور انہوں نے مذہبی مناظروں میں بھی حصہ لیا۔ ان کی مذہبی تقریریں عالمانہ شان کی حامل ہوا کرتی تھیں۔ اردو، ہندی کے علاوہ آغا حشر نے بنگلہ میں بھی "ابراجیتیا" کے نام سے ڈرامہ لکھا۔ ڈاکٹر عطیہ نشاط (الٰہ آباد یونیورسٹی) نے اپنے مقالہ "آغا حشر کی ڈرامہ نگاری" پیش کرتے ہوئے حشر کے ڈراموں سے مصیبتوں اور پریشانیوں میں احساس شکست کے بجائے مصیبتوں سے لڑنے کا حوصلہ ملتا تھا۔ ڈاکٹر اسلم پرویز (دہلی) نے اپنا مقالہ "آغا حشر! اردو ڈرامے کی دوسری آواز" پیش کرتے ہوئے بتایا کہ آغا حشر کے ڈراموں میں اندرونی تصادم کا عنصر زیادہ پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر لطف الرحمٰن (بھاگلپور یونیورسٹی) نے "آغا حشر! جدید اردو ڈرامہ کا معمار" کے عنوان سے اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے کہا کہ ہر ادب عصری حقیقت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔ اردو میں جدید ڈرامہ نگاری کی بنیاد آغا حشر نے رکھی ہے اس لئے وہ اردو ڈرامہ کے آدم اول ہیں ان کے ڈرامے قومیت اور حب الوطنی کے جذبات سے بھی معمور ہوا کرتے تھے۔

اسی اثنا میں شام کو ۴ بجے اسمبلی ہاؤس لابی میں ولیم کوپر کی اقبال کی بنائی ہوئی روغنی تصویر کی نقاب کشائی کی رسم انجام دیتے ہوئے گورنر مغربی بنگال شری ٹی این سنگھ نے اقبال کو خراج عقیدت پیش کیا۔ اس موقع پر ڈپٹی اسپیکر کلیم الدین شمس نے بھی تقریر کی۔ وزیر ٹرانسپورٹ محمد امین نے اقبال کی ایک نظم سنائی۔ شام کو ۶ بجے سیمینار کی دوسری نشست ڈاکٹر محمد حسن کی صدارت میں منشی پریم چند پر ہوئی اور اس کا افتتاح وزیر اعلیٰ جیوتی باسو نے کیا۔ اس نشست میں ڈاکٹر محمد صابر خاں نے "پریم چند اور اردو" کے عنوان سے مقالہ سنایا۔ وزیر ٹرانسپورٹ محمد امین صاحب نے جو اردو صحافی بھی ہیں اپنا مقالہ "میدان ادب کا شہسوار پریم چند" کے عنوان سے پیش کرتے ہوئے مختلف حوالوں سے ثابت کیا کہ پریم چند اردو ادب میں حقیقت نگاری کے پہلے معمار تھے۔ سالک لکھنوی نے اپنا ایک پرانا مقالہ "اردو کہانی کو پریم چند کا دین" کے عنوان سے پیش کیا۔ سالک صاحب یہ مقالہ پہلے

بھی وہ سیمیناروں میں پڑھ چکے ہیں۔ ڈاکٹر ظ انصاری نے منشی پریم چند کے ساتھ کچھ ناانصافیاں بھی ہوئی ہیں انہوں نے واقعات کو بیان کرتے ہوئے جب مقالہ لکھا تو بعض حلقوں نے احتجاج کیا تھا۔ عصمت چغتائی نے اپنی تقریر میں کہا کہ منشی پریم چند خوش نصیب تھے کہ اشعار ہندی اردو دونوں زبانیں ان پر اپنا دعویٰ کر رہی ہیں۔

سیمینار کے بعد "شب افسانہ" شروع ہوئی جس کی صدارت نامور افسانہ نگار عصمت چغتائی نے کی۔ مشہور افسانہ نگار عصمت چغتائی نے پرتھی چھالا نام سل نے اللہ کو ضد کا افتتاحی جملہ استار نے سات سلام کہانیاں سنائیں۔ مقامی افسانہ نگاروں میں انیس رفیع، فیروز عابد اور محمد اسرائیل نے اپنے افسانے پڑھے۔

تیسرے دن دوپہر مولانا حسرت موہانی اور رضا علی وحشت پر سیمینار ہوا جس کی صدارت جناب ظ انصاری نے کی۔

ڈاکٹر خلیق انجم نے اپنے مقالے میں حسرت کی ابتدائی شاعری کا جائزہ لیتے ہوئے ان کے "پاکباز عشق" اور "غیر پاکباز عشق" پر مدلل بحث کی اور آخر میں یہ کہا کہ حسرت ان شاعروں میں سے ہیں جنہوں نے غزل کو اس کا کھویا ہوا مقام واپس دلایا۔ ڈاکٹر عنوان چشتی نے "حسرت۔ روایات و تجربات" کے عنوان سے اپنا مقالہ سنایا جس میں انہوں نے مختلف حوالوں سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ حسرت کو جہاں روایات شعری کا بہت لحاظ تھا۔ وہیں انہیں نئے تجربے کرنے کا بھی شوق تھا۔ اس ضمن میں انہوں نے حسرت کے گیتوں اور بعض نظموں کا ذکر کیا۔ ڈاکٹر مظفر حنفی نے اپنے مقالے میں حسرت کی شخصیت کے تقریباً تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ سیمینار کے صدر جناب ظ انصاری نے "مولانا حسرت اور اردوئے معلیٰ" کے موضوع پر بڑی دلچسپ تقریر کی۔ انہوں نے کہا کہ مولانا بڑے انقلابی، بڑے مخلص، بڑے نیک انسان اور بہت بڑی شخصیت کے مالک تھے۔ لیکن المیہ یہ ہے کہ وہ اپنے دور کے صف اول کے صحافی اور فنکار ہوتے ہوئے بھی کوئی ادارہ نہ بنا سکے۔

سہ پہر ۳ بجے علامہ رضا علی وحشت سے متعلق سیمینار ہوا جس کا افتتاح کلکتہ یونیورسٹی کے رجسٹرار پروفیسر ایم کے مکرجی نے کیا۔ صدارت ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے کی۔ ڈاکٹر محمد حسن اور ڈاکٹر عنوان چشتی نے اپنی تقریروں میں علامہ وحشت کی شخصیت اور شاعری کے بعض گوشوں پر روشنی ڈالی۔ مولانا منصور نے اپنا ایک طویل مضمون کے بعض حصے پڑھ کر سنائے اور علامہ وحشت کی خدمات کو خراج عقیدت پیش کیا۔ سیمینار کے صدر ڈاکٹر خواجہ احمد فاروقی نے اپنی صدارتی تقریر میں علامہ وحشت کی شخصیت اور شاعری پر روشنی ڈالتے ہوئے انہیں خراج عقیدت پیش کیا۔

پیش کرتے ہوئے کہا کہ وحشت کی شاعری نے لکھنؤ اور دہلی کی حدبندیاں توڑ دیں اور ایک ایسا امتزاج پیش کیا جس کی داد تمام ہم عصر شاعروں نے دی۔ انہوں نے مغربی بنگال اردو اکاڈمی کو مشورہ دیا کہ وہ علامہ وحشت کے کلام کو دو جلدوں میں شائع کرنے کا اہتمام کرے۔

شام کو ساڑھے ۷ بجے جناب ابراہیم ہوش کی صدارت میں کل ہند مشاعرہ ہوا جس کا افتتاح مغربی بنگال اسمبلی کے ڈپٹی اسپیکر جناب کلیم الدین شمس نے کیا۔ آپ نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ کلکتہ صرف اردو ادب ہی کا ایک اہم مرکز نہیں بلکہ یہ اردو فلموں کا بھی مرکز رہ چکا ہے۔ آپ نے مشورہ دیا کہ بمبئی کی طرح کلکتہ میں بھی اردو اور ہندی کی فلمیں بنائی جائیں اور امید ظاہر کی کہ حکومت مغربی بنگال اس سلسلے میں موثر کارروائی کرے گی۔ مشاعرے کے ناظم نسیم اکبر ملک زادہ منظور احمد نے اس بات پر خوشی ظاہر کی کہ عام روایت کے برعکس منتظمین مشاعرہ نے کسی وزیر یا سیاسی لیڈر کی بجائے مشاعرے کا صدر ایک ایسے شخص کو بنایا ہے جس کا اردو ادب سے براہ راست تعلق ہے۔

آپ نے ابراہیم ہوش صاحب کی شاعرانہ کاوشوں کو سراہتے ہوئے کہا کہ انہوں نے اردو ادب کی نمایاں خدمت کی ہے۔ مشاعرے کا آغاز علامہ وحشت کی غزل سے ہوا۔ مقامی شعراء کے علاوہ جن بیرونی شعراء نے مشاعرے میں شرکت کی ان میں عنوان چشتی، رضا ملک پوری، زبیر رضوی، نازش پرتاب گڑھی، مظفر حنفی، اویس احمد دوراں، بسمل اتساہی، داراب بانو وفا اور وسیم بریلوی وغیرہ شامل تھے۔ مشاعرہ بڑی کامیابی کے ساتھ رات گیارہ بجے ختم ہوا۔

بقیہ صفحہ ۱۷

ناگالینڈ میں انگریزی کی تعلیم کلاس I سے شروع ہوتی ہے اور وہاں پرائمری سطح پر کل ۳۸۰۲ ۵۶ تعلیمی گھنٹے صرف ہوتے ہیں۔ ناگالینڈ میں انگریزی کی تعلیم کیلئے ۱۰۳۰ گھنٹے صرف کئے جاتے ہیں۔ یعنی اس مقصد کے لئے مغربی بنگال سے ۴۲ گھنٹے، تمل ناڈو سے ۴۶ گھنٹے اور کیرالہ سے ۳۴۴ گھنٹے زیادہ صرف کرتا ہے۔

اب اعداد و شمار سے چند سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ کیا ان ریاستوں میں انگریزی کی تعلیم کا معیار کا انحصار اس بات پر ہے کہ ان میں انگریزی تعلیم کس کلاس سے شروع کی جاتی ہے۔ کیا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تمل ناڈو اور کیرالہ میں انگریزی کی تعلیم کا معیار مغربی بنگال سے نیچا ہے۔ کیا انگریزی کی تعلیم کے سلسلے میں ناگالینڈ سر فہرست نہیں ہے۔ کیونکہ پرائمری سطح پر اس زبان کی تعلیم کیلئے اسی ریاست میں سب سے زیادہ گھنٹے صرف کئے جاتے ہیں۔



مغربی بنگال پنچایتوں کی سرگرمیاں

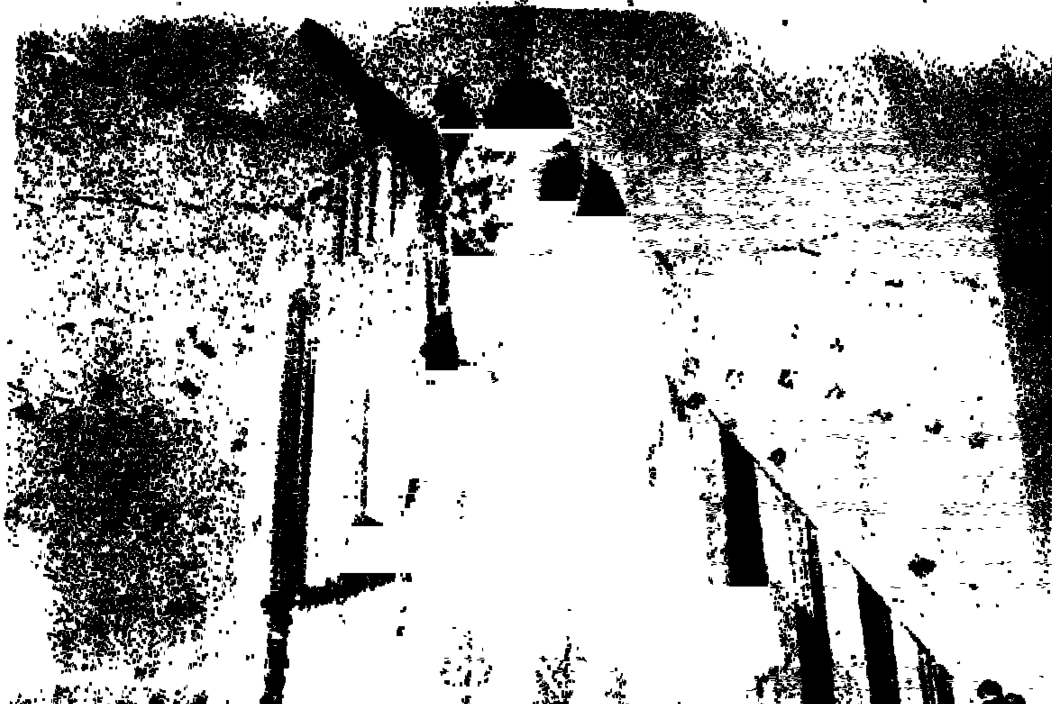
کلکتہ میں ۲۶ رجنوری سنہ ۸۱ء کو یوم جمہوریہ کی پریڈ میں مغربی بنگال کی ترقیاتی سرگرمیوں کے مرقعے



معذوروں کے بین الاقوامی سال کے موقع پر معذوروں کی فلاح و بہبود سے متعلق سرگرمیاں۔

Vol. 28 No. 4
PRICE 12 Paise

MAGHREBI BENGAL
15th FEBRUARY



خراجِ عقیدت ۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کلکتہ میدان میں نیتاجی سبھاش چندر بوس کے مجسمہ کی گلپوشی کر رہے ہیں۔



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو [illegible]

Chief Editor: K. Sen Gupta, Associate: Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impression 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

مغربی بنگال

یکم مارچ ۱۹۸۱ء



فیض احمد فیض

تم اپنی کرنی کر گزرو
اب کیوں اس دن کی فکر کرو

جب دل ٹکڑے ہو جائے گا
اور سارے غم مٹ جائیں گے
تم خوف خطر سے در گزرو
جو ہونا ہے سو ہونا ہے

گر ہنسنا ہے تو ہنسنا ہے
گر رونا ہے تو رونا ہے
تم اپنی کرنی کر گزرو
جو ہوگا دیکھا جائے گا

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد ۳۰	یکم مارچ سنہ ۱۹۸۱ء	شمارہ ۵

مدیر اعلیٰ — ایس کے سین گپتا
مدیر معاون — محمد اعظم

شرح خریداری۔ سالانہ ۳ روپے
قیمت — ۱۲ پیسے فی پرچہ

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے کا پتہ :-
بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۲۴ آر۔ این مکھرجی روڈ
پانچویں منزل
کلکتہ ۷۰۰۰۰۱

بجٹ اجلاس کا افتتاح

میری حکومت نے عوام سے کئے گئے وعدوں کو پورا کرنے، انکے مسائل کی طرف دھیان دینے اور انکی سماجی۔معاشی زندگی میں بہتری لانے کیلئے پُرخلوص اور انتھک کوشش کی ہے۔

شری ٹی۔ این سنگھ، گورنر مغربی بنگال

شری ٹی۔ این۔ سنگھ، گورنر مغربی بنگال نے ۱۶ فروری ۱۹۸۱ء کو مغربی بنگال کی ودھان سبھا کے بجٹ اجلاس کا افتتاح کیا۔ انھوں نے اپنے افتتاحی خطبہ میں بائیں محاذ حکومت کے تحت مغربی بنگال کی ہمہ جہت ترقی کا ذکر کیا۔ اپنے خطبہ میں انھوں نے کہا "اس ریاست میں سماج کے کمزور طبقوں کے لوگوں کو قانونی تحفظ فراہم کیا گیا ہے۔ نیز مذہبی اور دیگر اقلیتوں کی جان و مال پر منظم حملہ کے واقعات رونما نہیں ہوئے"۔ گورنر کے خطبہ کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

گزشتہ سال ملک کے مختلف علاقوں کو پریشان کن صورت حال سے دوچار ہونا پڑا جبکہ ہمارے ملک کی سالمیت اور اتحاد کو کمزور بنانے کی کوشش کی گئی۔

ہماری ریاست میں اس قسم کی کوشش کو ناکامی کا منھ دیکھنا پڑا۔ مجھے یقین ہے کہ اس ریاست کے عوام اس قسم کی انتشار پیدا کرنے والی تحریک کے خلاف ہمیشہ چوکس رہیں گے۔ مفاد پرستوں اور گمراہ عناصر کی سازشوں کو ناکام بنانے کے لئے پوری قوم کو مستحکم اور متحدہ طور پر کام کرنا چاہئے۔

میری حکومت کی ہمیشہ اور مسلسل یہی کوشش رہی ہے کہ امن و امان برقرار رہے اور تمام طبقوں کے لوگوں کو انصاف ملے۔ یہ بہت ہی مشکل کام ہے۔ بڑھتا ہوا معاشی بحران، بڑھتی ہوئی بے روزگاری، لازمی چیزوں کی کمی، چیزوں کی قیمتوں میں تیزی سے اضافہ۔ یہ ابتری ان وجوہ سے ہوئی جن پر میری حکومت کو کوئی اختیار نہیں۔ ان کی وجہ سے عام لوگوں کی روزمرہ کی زندگی پر بہت ہی برا اثر پڑا ہے۔ بے چینی بڑھ گئی ہے اور اسے بدنیت عناصر بدنظمی پیدا کرنے کے لئے مصرف میں لاتے ہیں۔ میری حکومت نے عوامی زندگی میں خلل ڈالنے کی گمراہ کن کوششوں سے نپٹنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اس ریاست میں بڑے پیمانے کے فرقہ وارانہ فسادات نہیں ہوئے۔ عوام کے کمزور طبقے کے لوگوں کو قانونی طور پر تحفظ فراہم کیا گیا۔ مذہبی یا دیگر اقلیتوں کی جان و مال پر منظم حملہ کا کوئی واقعہ رونما نہیں ہوا۔

اس سال اچھی فصل ہونے کے امکانات کافی روشن ہیں۔ ایک اندازہ کے مطابق اس سال زرعی پیداوار ۹۳ لاکھ ٹن ہوگی۔ اس سلسلہ میں اس بات پر زیادہ زور دیا گیا ہے کہ آبپاشی کے نئے وسائل پیدا کئے جائیں اور زمین کے اوپر اور نیچے کے پانی کو استعمال میں لایا جائے۔

۷۹-۱۹۸۰ء کے آخر تک ۱۴۴۹۶۳۰ ہزار ہکٹار پر مشتمل کھیتوں کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں۔

۸۰-۱۹۸۱ء میں مزید ۱۰۳۶۱ ہزار ہکٹار پر مشتمل کھیتوں کو سیراب کرنے کی سہولتیں فراہم کی گئی ہیں۔

۸۱-۱۹۸۲ء میں زرعی پیداوار کا نشانہ ۱۰۰ لاکھ ٹن مقرر کیا گیا ہے۔ آلو کی فصل کو آفات ناگہانی سے بچانے کے لئے فصل بیمہ اسکیم کے تحت اس فصل کو بھی لایا گیا۔ اس اسکیم پر ۴۵ لاکھ روپے خرچ ہونگے

سماجی تحفظ کے اقدامات کے طور پر حاشیائی کسانوں، بٹائی داروں اور بے زمین مزدوروں کو ضعیفی پنشن دینے کی اسکیم کو چالو کیا گیا اور اس سال اس مد کے تحت ایک کروڑ روپے منظور کئے گئے۔ آئندہ سال اس اسکیم کے تحت اور بھی زیادہ لوگوں کو لایا جائے گا۔

دیہی ترقی کے لئے میری حکومت نے اصلاحات آراضی پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ بہت ساری دشواریوں کے باوجود میری حکومت نے اس سال اصلاحات آراضی کے اقدامات کو پُر خلوص طریقہ سے پایۂ تکمیل تک پہونچایا ہے۔ دسمبر سنہ ۱۹۸۰ء کے آخر تک ۱۰ لاکھ سے زیادہ برگا داروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کئے گئے۔ جون سنہ ۱۹۸۰ء تک ۱۵۰۸۰۳ ایکڑ پر مشتمل قطعات آراضی جن پر حکومت کو حق ملکیت حاصل ہو گیا تھا۔ دیہی علاقوں میں بے زمینوں کو دے گئے۔ مستفید ہونے والوں میں ۵۶ فیصد لوگ شیڈولڈ ٹرائب و کاسٹ طبقہ کے تھے۔ جون سنہ ۱۹۸۰ء تک اس ریاست میں ۱۱۶۹۷ لاکھ ایکڑ زرعی زمینوں پر ریاستی حکومت کو حق ملکیت حاصل ہو گیا۔

خاص طور پر دیہی علاقوں میں گھریلو اور چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں کی ترقی کے ذریعہ میری حکومت کا گھریلو اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت شعبۂ اس ریاست کی بے روزگاری کے مسئلہ کو حل کرنے میں نمایاں کردار ادا کر رہا ہے۔ میری حکومت مقامی کاریگروں کی مصنوعات کی فروخت کے لئے ۸۱-۱۹۸۰ء میں ساری ریاست میں منتخب جگہوں پر دیہی مارکٹنگ سنٹر قائم کرنے کی ایک نئی اسکیم کو بروئے عمل لا رہی ہے۔

سنہ ۱۹۸۰ء میں ۱۲۶ پروجکٹوں جن کے لئے مجموعی ۱۳۶ کروڑ روپے کا سرمایہ لگایا جائے گا، صنعتی منظوری حاصل ہوئی اور ان میں سے ۳۳ صنعتی پروجکٹوں کو مکمل طور پر پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔ دسمبر سنہ ۱۹۸۰ء کے آخر تک مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن نے ۱۹۵ صنعتی یونٹوں کو ۵۳۶۵۸ کروڑ بطور امداد فراہم کئے۔ اس سال میں اس کارپوریشن نے پرنٹڈ ڈولومائیٹ پروجکٹ، کلیانی اور واچ (گھڑی) اسمبلی پروجکٹ، ہلدیہ کرسیو بلک کاروباری پیمانہ پر کام شروع کر دیا ہے۔ نیز اسی طرح سے دیگر صنعتی پروجکٹوں پر کام جاری ہے۔

میری حکومت کا بند اور بیمار صنعت شعبۂ بھی بیمار صنعتوں کے احیاء کے لئے گرانقدر خدمات انجام دے رہا ہے۔ فی الحال ۱۵ بیمار صنعتی یونٹوں

کو مغربی بنگال ریلیف انڈرٹیکنگ (خصوصی گنجائش) ایکٹ سنہ ۱۹۷۲ء کے تحت امداد فراہم کی جا رہی ہے تاکہ وہ جلد از جلد اپنی دشواریوں پر قابو پالیں۔ اس اقدام سے ایک اور فائدہ یہ ہوا کہ ۲۷ ہزار سے زیادہ افراد کو روزگار کا تحفظ فراہم ہوا۔

بجلی کے شعبہ میں حالیہ مالی سال میں تنصیبی صلاحیت کی کارکردگی کو مستحکم بنانے اور اس میں بہتری لانے کے لئے کوششیں کی گئی ہیں۔ کولاگھاٹ اور سنتال ڈیہہ پروجکٹوں پر تیزی سے کام جاری ہے اور ان کی پہلی یونٹیں ایک اندازہ کے مطابق سنہ ۱۹۸۲ء سے چالو ہو جائینگی۔ ریاستی یونٹوں کی بہتر کارگزاری کے باوجود ڈی وی سی سے بجلی کی سپلائی میں بتدریج کمی کی وجہ سے اس ریاست میں بجلی کی دستیابی میں کمی ہوئی ہے۔ امید کی جاتی ہے کہ آنے والے برس میں اس ریاست میں بجلی کی پیداوار میں کافی اضافہ ہوگا۔

نقل و حمل کرنے والی گاڑیوں کی کمی، پٹرولیم کی مصنوعات کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ ——— تازہ ترین اضافہ ۱۲ جنوری سنہ ۱۹۸۱ء کو ہوا ——— اور ٹرانسپورٹ صنعت کے لئے ضروری ساز و سامان کی قیمتوں میں تیزی سے اضافہ ——— ان تمام وجوہ نے اس ریاست میں ٹرانسپورٹ کے مسئلہ کو اور بھی شدید بنا دیا ہے۔

کلکتہ میں شہری سروس میں بہتری لانے کے لئے کلکتہ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن عالمی بنک کی امداد سے ایک تین سالہ پروجکٹ کو بروئے عمل لا رہا ہے۔ اس پر کام جون سنہ ۱۹۸۰ء سے شروع ہوا اور دسمبر سنہ ۱۹۸۳ء تک جاری رہیگا۔ اس پروجکٹ کے تحت کلکتہ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن ۵۲۰ بسیں خریدیگا، جن میں سے ۲۹۱ دو منزلہ بسیں اور ۲۲۹ یک منزلہ بسیں ہونگی۔ کلکتہ ٹراموے ز بھی ۷۵ نئی ٹرام گاڑیاں حاصل کریگا۔ ۶۰ ٹرام گاڑیوں کو از سر نو بنائے گا اور ۱۵۰ ٹراموں کی تجدید کاری کریگا۔ میری حکومت کو مجبوراً ٹرام اور بسوں کے کرایوں میں اضافہ کرنا پڑا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ پٹرولیم کی مصنوعات کی قیمت میں اضافہ کر دیا گیا۔ یہ ایک کل ہند معاملہ ہے اور اس پر میری حکومت کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔ اس لئے بسوں کے کرایے میں اضافہ کرنا لازمی ہو گیا۔ اسی طرح کوئلہ اور تیل کی گراں قیمتوں کی وجہ سے بجلی کی شرحوں میں اضافہ ہوا اور اسکے نتیجہ میں ٹراموں کے کرایہ میں اضافہ کرنا پڑا۔ اسکے باوجود یہاں کلکتہ کی شرحیں ہی سارے ہندوستان کے مقابلہ میں سب سے کم ہیں۔ میری حکومت کی تحفظ کی تعمیر کیلئے تمام امدادی کی

ہمت افزائی کرنے کی پالیسی کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے ہیں۔ پوجا سے قبل بہت سارے صنعتی تنازعات کا باہمی بات چیت اور مصالحت کے ذریعہ تصفیہ ہو گیا۔

دیہی ترقی کے کام کو تیزی سے پایہ تکمیل تک پہونچانے کے سلسلہ میں مغربی بنگال میں پنچایتیں بہت ہی گرانقدر خدمات انجام دے رہی ہیں حکومت کے مختلف شعبوں کی طرف سے دیئے گئے بہت سارے پروگراموں کو پنچایتیں پایہ تکمیل تک پہونچا رہی ہے، اور پہلی بار ۹۰ پنچایت سمیتوں نے حکومت کی سہارہ قیمت اسکیم کے تحت دیہی بازاروں سے دھان کی خریداری کا کام شروع کیا ہے۔ ایک تجویز کے مطابق دیہی علاقوں میں بے زمین مزدوروں کے لئے پنچایت سمیتوں کے ذریعہ ۱۱۲۵۰ جھونپڑیاں تعمیر کی جائینگی۔

میری حکومت نے عوامی نظام تقسیم کی موثر کارکردگی پر بہت زیادہ زور دیا ہے۔ اس مقصد کے پیش نظر ساری ریاست میں راشن کی دکانوں اور مناسب قیمت کی دکانوں سے کنٹرول قیمتوں پر مختلف لازمی چیزوں کی تقسیم کے لئے زیر غور سال میں ہر ممکن کوشش کی گئی۔ پہلی بار میری حکومت نے پنچایتوں، کوآپریٹو اور شعبہ زراعت کے ذریعہ پروڈیوسروں سے براہ راست دھان خریدنے کی اسکیم کو بر سر عمل لا رہی ہے۔

صحت عامہ اور خاندانی فلاح و بہبود اور پانی کی سپلائی کے شعبوں میں حالیہ مالی سال میں بہت سارے ترقیاتی اقدامات کئے گئے۔ پہلی بار بانکوڑا، پرولیا، بیر بھوم اور ضلع مدناپور کے جھاڑگرام سب ڈویژن کے خشک سالی سے متاثر علاقوں میں ہمیشہ پینے کے پانی کی سپلائی کو جاری رکھنے کے سلسلہ میں کامیابی حاصل ہوئی ہے کیونکہ اب تک ان علاقوں میں ۵۵۰۰ رگ بورڈ ٹیوب ویل بٹھائے گئے ہیں۔ دارجلنگ کے علاقوں میں پانی کی سپلائی میں اضافہ کرنے کے لئے سر نیدرپیٔ دارجلنگ میں پانی کا ایک اور ریزروائر تعمیر کیا گیا ہے۔ بلدیہ واٹر سپلائی اسکیم، رانی گنج کول فیلڈ ایریا واٹر سپلائی اسکیم کے تحت تعمیر[illegible] کام تیزی سے جاری ہے۔

دیہی علاقوں میں موثر طریقہ سے طبی سہولتیں فراہم کرنے کے مد نظر اجتماعی طبی خدمات میں تین سالہ ڈپلومہ کورس رائج کیا گیا ہے اور اس مقصد کے لئے علاقائی بنیاد پر ۶ ادارے قائم کئے گئے۔

موجودہ مالی سال میں میری حکومت نے جنوری ۱۹۸۱ء سے ۱۲۰۰ نئے پرائمری اسکولوں کو کھولنے کی منظوری دی، نیز ان کے لئے ۲۸۰۰ مزید ٹیچروں کی تقرری کی۔ ہائیر سکینڈری سطح تک (کلاس XI اور XII) تک یکم جنوری ۱۹۸۱ء سے تعلیم مفت کر دی گئی ہے۔ میری حکومت نے ۰۰ نئے غیر سرکاری ہائی اسکولوں/ہائی مدرسوں اور ۲۰۰ نئے غیر سرکاری جونیئر ہائی اسکولوں/جونیئر ہائی مدرسوں کو حالیہ مالی سال میں منظوری دی ہے۔ کالجوں میں اعلیٰ تعلیم کے سلسلہ میں میری حکومت کی پالیسی یہ ہے کہ پسماندہ علاقوں میں جہاں زیادہ تر شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی آبادی ہے اور ان علاقوں میں جہاں لڑکیوں کی تعلیم کے لئے کوئی کالج نہیں ہیں، نئے ڈگری کالج کھولے جائیں۔ گزشتہ تین برسوں میں میری حکومت نے بعد کالی، سوری، رانی گنج، دھنیا کھالی اور کھترا میں کل ۵ پانچ ڈگری کالجوں کے قیام کی منظوری دے دی ہے۔ ان میں سے پہلے کے تین کالج لڑکیوں کے کالج ہیں اور بعد کے دو میں طلبا اور طالبات ایک ساتھ تعلیم حاصل کرینگے۔ اب یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ۱۹۸۰-۸۱ء اور ۱۹۸۱-۸۲ء میں ۱۲ اور ڈگری کالج کھولے جائیں۔

میری حکومت نے ۱۹۷۸-۷۹ء میں اردو اکیڈیمی قائم کی۔ اس اکیڈیمی نے دسمبر ۱۹۷۹ء سے کام کرنا شروع کر دیا۔ اب یہ ایک سرکاری ادارہ جو شعبۂ تعلیم کے ماتحت ہے اور میری حکومت نے اس اکیڈیمی کی بہتری کیلئے بہت ساری اسکیموں کو منظور کیا ہے۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ یکم جنوری ۱۹۸۰ء سے ۱۸ نئے سینیئر مدرسوں کو منظوری دی جائے۔

میری حکومت نے اپنی پالیسی کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا کہ پرائمری کلاسوں کے طلبا کو صرف ایک زبان، یعنی ان کی مادری زبان میں تعلیم دی جائے۔ اس مرحلہ پر ایک اور زبان کا رائج کرنا ان کے لئے غیر ضروری بوجھ بن جائے گا۔ انگریزی زبان کی تعلیم دوسری زبان کی حیثیت سے ثانوی درجوں میں لازمی ہوگی۔

میری حکومت کے تین بڑے آبپاشی پروجکٹس یعنی سورا کشی، کنگسا بتی اور ڈی۔ وی۔ سی کی تعمیر کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ تیستا بیراج پروجکٹ کے پہلے اسٹیج کی تعمیر کا کام تشفی بخش رفتار سے جاری ہے۔

یہ اس ریاست میں سب سے بڑا آبپاشی پروجکٹ ہے۔ مکمل ہونے پر ۵۰۰ کروڑ کی لاگت کے اس پروجکٹ سے ۹۲۶۵ ہزار ہکٹائرس قطعات آراضی کی آبپاشی کی جائے گی۔ سیلاب کنٹرول پروگرام کے تحت سال رواں میں میری حکومت سیلاب پر کنٹرول، پانی کی نکاسی اور ساحلی علاقوں کے اور ساحلوں کے تحفظ وغیرہ کے کام کو بر سر عمل لا رہی ہے۔

دیہی علاقوں میں غریب عوام کو امداد فراہم کرنے کے سلسلے میں کام کے بدلے اناج پروگرام بہت ہی زیادہ فائدہ مند ثابت ہوا ہے۔ میری حکومت نے اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا ہے اور اس سلسلے میں اقدامات بھی کئے ہیں کہ اس مقصد کے لئے الاٹ کردہ اناج کا صحیح طور پر استعمال ہو۔

اس پروگرام کی تکمیل کے سلسلہ میں مرکز کے پاس رپورٹ اور حساب و کتاب داخل کر دئے گئے۔ لیکن بدقسمتی سے اس معاملہ میں میری حکومت اور مرکز کے درمیان بعض نکات پر اختلاف رائے ہے۔ یہ نہایت ضروری ہے کہ ان اختلاف کو فوری طور پر دور کیا جائے ورنہ دیہی علاقوں میں ان مہینوں میں جب کہ کھیتی باڑی کا کام کم ہوتا ہے، غریبوں کو امداد فراہم کرنے کا کام بری طرح متاثر ہوگا۔

۱۹۸۱ء کو اقوام متحدہ نے معذور لوگوں کا بین الاقوامی سال قرار دیا ہے۔ میری حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ اس سال کو شایان شان طور پر منایا جائے۔ اس مقصد کے لئے بہت ساری اسکیمیں جیسے معذوری پنشن، معاشی بحالی معذور طلبا کے لئے وظیفہ، رضاکار تنظیموں کے معذوروں کی ادارہ جاتی دیکھ بھال وغیرہ، رائج کی گئی ہیں۔ سارے مغربی بنگال میں ویسٹ بنگال چلڈرن ایکٹ کو نافذ العمل قرار دیا گیا۔

میری حکومت کا یہ نشانہ ہے کہ سال رواں میں مختلف سوشیل ہاؤزنگ اسکیموں کے تحت ۱۴۶۸ رہائشی یونٹیں تعمیر کی جائیں۔ میری حکومت کم اور درمیانی آمدنی والے لوگوں کے درمیان رہائشی قطعات آراضی کی تقسیم کے لئے زمین کی حصولیابی اور ترقی اسکیم کے تحت ایک پروگرام کو بر سر عمل لا رہی ہے۔ اس سلسلہ میں بھی ایک پروگرام مرتب کیا گیا ہے کہ ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۲۰۰۰ رہائشی یونٹیں تعمیر کی جائیں اور تقریباً ۵۰ ایکڑ قطعات آراضی کی ترقی کی جائے۔

بہتر تعلقات عامہ اور ثقافت کے فروغ کے لئے میری حکومت بہت ساری اسکیموں کو بر سر عمل لا رہی ہے۔ ان اسکیموں میں چند زگرام (؟) لالبازار، کاکدیپ اور اسلام پور کے انفارمیشن سنٹر، اگرتلہ اور سلی گوڑی کے علاوہ ریاستی سطح کے دو انفارمیشن سنٹر، شمالی بنگال کے چائے باغات کے علاقوں کے لئے تین انفارمیشن سنٹر اور آسنسول۔ رانی گنج کے کوئلہ کان والے علاقوں میں دو انفارمیشن سنٹر قائم کرنا شامل ہے۔ نیپالی زبان کی ترقی کے لئے دارجلنگ میں قائم کردہ نیپالی اکیڈمی کو مالی امداد دی جا رہی ہے۔ کلکتہ میں دو جدید تھیئٹروں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ قبائلیوں کی ثقافتی سرگرمیوں کے فروغ کے لئے سوری، بیر بھوم میں ایک قبائلی ثقافتی مرکز قائم کیا گیا ہے۔ بیہالہ میں چھوٹے پیمانہ کے لوک ثقافت عجائب خانہ کا افتتاح کیا گیا۔

کلکتہ کے نزدیک سالٹ لیک شہر میں اسٹیڈیم کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ مکمل ہو جانے پر اس اسٹیڈیم میں ایک لاکھ ۲۰ ہزار لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ ہوگی۔ اسی طرح ضلع اور سب ڈویژنل ہیڈ کوارٹرس میں بھی چھوٹے چھوٹے اسٹیڈیم کی تعمیر کا کام جاری ہے۔

میری حکومت ہماری ریاست میں نوجوانوں کی فلاح و بہبود کے پروگراموں کی تکمیل پر بہت زیادہ زور دیتی ہے، نوجوانوں کے مسائل کا مطالعہ کرنے اور انھیں حل کرنے کے لئے اس ریاست کے ۳۳۵ میں ۲۲۷ بلاکوں میں بلاک یوتھ آفس کھولے گئے ہیں۔ ان دفتروں کے ذریعہ نوجوانوں کی رفاہ کے پروگراموں کو بر سر عمل لایا جاتا ہے۔ ناخواندگی دور کرنے اور اس کام میں تعلیم یافتہ نوجوانوں کو شامل کرنے کے لئے اس ریاست کے مختلف علاقوں میں بالغ خواندگی مراکز کھولے جا رہے ہیں۔

اس سال ہماری منصوبہ بندی کوشش میں ایک اہم قدم پنجسالہ منصوبہ برائے ۸۵-۱۹۸۰ء اس کے ساتھ ہی سالانہ منصوبہ برائے ۸۲-۱۹۸۱ء مرتب کرنا ہے۔ دسمبر ۱۹۸۰ء میں منصوبہ بندی کمیشن سطح پر بات چیت کے نتیجہ میں ہماری ریاست کے چھٹے پنجسالہ منصوبہ (۸۵-۱۹۸۰ء) کے لئے ۳۶۶۰ کروڑ روپئے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ۸۲-۱۹۸۱ء کے سالانہ منصوبہ کے سلسلہ میں منصوبہ بندی کمیشن نے ۶۷۰ کروڑ روپئے کے مصارف کی گنجائش رکھنے پر رضامندی کا اظہار کیا۔ موجودہ حدود میں رہتے ہوئے میری حکومت کی منصوبہ بندی کا مقصد یہ ہوگا کہ اس ریاست میں علاقائی نابرابری کو کم کر دیا جائے اور معیشت کی مناسب ترقی کو برقرار رکھا جائے، اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ سماج کے کمزور اور غریب لوگوں کے ساتھ پورا پورا انصاف کیا جائے۔ زراعت اور اس سے متعلق خدمات، آبپاشی اور سیلاب پر کنٹرول کو اعلیٰ ترجیح دی گئی ہے اور پنجسالہ منصوبہ کے مصارف کا ایک چوتھائی رقم ان مدوں پر خرچ کی جائے گی۔ ریاستی منصوبہ میں اخراجات کا جو طریقہ اپنایا گیا ہے، اس کا خاص مقصد یہ ہے کہ سماج کے غریب

لوگوں کو فائدہ پہونچے۔ ایسے لوگ زیادہ تر دیہی علاقوں میں رہتے ہیں اور ان میں بے زمین زرعی مزدور، دیہی دستکار، بٹائی دار اور چھوٹے اور حاشیائی کسان اور شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے لوگ شامل ہیں۔ منصوبہ کے مصارف کا ایک چوتھائی سے زیادہ حصہ بجلی کیلئے مختص کیا گیا۔

میں نے اپنی حکومت کے پروگرموں اور اہم کامیابیوں کی خاص خاص باتوں پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ گزشتہ سال میری حکومت نے عوام کے ساتھ کیے گئے وعدوں کو پورا کرنے، ان کے مسائل پر دھیان دینے اور ان کی سماجی اور معاشی زندگی میں بہتری لانے کے لئے پُرخلوص اور انتھک کوشش کی ہے۔ آیئے ہم سب سوجھ بوجھ اور تعاون کے جذبہ کے ساتھ ایک ہوکر کام کریں تاکہ اس ریاست کی گوناگوں ترقی کے مقاصد کو تکمیل ہو سکے اور سماج کے کچلے ہوئے اور غریب لوگوں کے معیار زندگی میں بہتری لانے کے لئے ایک مساوی اور بہتر سماجی نظام قائم کیا جا سکے۔

بقیہ :- صفحہ ۱ کا

اصولی طور پر سدھارت شنکر رائے نے تسلیم کر لیا تھا مگر اس کی تکمیل شری جیوتی باسو کے عہد میں ہوئی اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شری باسو اور ان کی حکومت نے اُردو کی ترقی و ترویج کے لئے وہ سب کچھ کیا جس کا مطالبہ کیا گیا۔ مستقبل میں بھی اردو داں افراد ان سے اسی فیاضی کی توقع رکھتے ہیں۔

مغربی بنگال کی اُردو اکیڈیمی نے کئی مفید قدم اٹھائے ہیں جن میں مرحوم اہل قلم کی بیواؤں کے لئے وظائف اور معذور اہل قلم افراد کی اعانت بھی شامل ہے۔ یقین ہے کہ یہ اعانت و امداد وقت سے مطابقت رکھیں گی جیسا کہ محمد امین صاحب نے فرمایا ہے کہ اب کوئی اہل قلم خودکشی نہیں کرے گا، مگر اسے خودکشی سے اس وقت بچایا جا سکتا ہے جب اکیڈیمی سے ملنے والی امداد بطور خیرات نہ ہو بلکہ کم از کم اتنی ہو کہ امداد پانے والے افراد اسے کوئی سہارا محسوس کر سکیں۔

مغربی بنگال کے اُردو داں عوام کو اس بات پر جتنا فخر ہو وہ کم ہے کہ ان کی ریاست نے اُردو کی بقا کے لئے مسلسل تعمیری قدم اٹھائے ہیں اور اب اُردو اکیڈیمی کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھ کر ایک اور قابل فخر قدم اٹھایا ہے بہت ممکن ہے کہ اس کے بعد دوسری ریاستوں میں بھی اُردو اکیڈیمیوں کے لئے اپنی عمارتوں کے مطالبات ہوں اور بہت ممکن ہے کہ ان ریاستوں میں بھی اردو اکیڈیمیوں کو اپنی عمارتیں مل جائیں مگر یہ حقیقت بہرحال امتیازی حیثیت رکھے گی کہ سب سے پہلے مغربی بنگال اُردو اکیڈیمی کو اپنا گھر ملا۔

ہم شری جیوتی باسو ان کی ترقی پسند حکومت اور بائیں بازو محاذ کی تمام پارٹیوں کو مبارکباد دیتے ہیں کہ انھوں نے اُردو کے مقاصد کی حمایت کی اگر تمام پارٹیاں اس سلسلے میں متحد نہ ہوتیں تو اتنی آسانی سے اُردو کا کارواں آگے نہیں بڑھتا ہمیں یقین ہے کہ مناسب آبادی کی نشاندہی کے بعد ریاستی حکومت ان علاقوں میں اُردو کو ایک سرکاری زبان کی حیثیت سے بھی تسلیم کرلے گی جن علاقوں میں اُردو بولنے والوں کی تعداد دس فیصد یا اس سے زائد ہوگی۔

بقیہ - صفحہ ۹ کا

قبائلی ثقافت کے تحفظ اور فروغ کے لئے دو قبائلی کلچرل سنٹر، جھارگرام اور سوری میں قائم کرنے کی تجاویز بھی زیر غور ہیں۔ سوری میں سنٹر قائم کیا جا چکا ہے اور سوری کے سرکٹ ہاؤس میں واقع اس سنٹر میں کام شروع ہو گیا ہے۔

ترقی پسند ادیبوں کی مالی امداد دینے کی تجویز زیر غور ہے اور اس کو جلد ہی عملی جامہ پہنایا جائے گا۔ مزید براں حکومت ایسے لٹریچر کی اشاعت پر غور کر رہی ہے جس میں جمہوری قدروں کو اجاگر کیا گیا ہو۔

ضلع افسران اطلاعات کو تمام زندہ لوک فنکاروں کو درج رجسٹر کرنے کی ہدایات جاری کر دی گئی ہیں تاکہ حکومت اُن کی حالت بہتر بنانے کے لئے اقدامات کرے۔

ریاست میں نیپالی زبان اور کلچر کے فروغ کے لئے نیپالی اکیڈمی قائم کی گئی ہے۔

میں وزیر اعلیٰ کے درج ذیل پیغام کے ساتھ جو انھوں نے ۱۹۸۱ء میں لوک فیسٹول کی کامیابی کی خواہش کا اظہار کرتے ہوئے دیا تھا اپنے مضمون کو ختم کرتا ہوں وزیر اعلیٰ نے اپنے پیغام میں کہا تھا۔ "ہماری حکومت کے سامنے اس وقت فوری اہمیت کا کام یہ ہے کہ لوک ثقافت جس کا عام آدمیوں کی زندگی سے گہرا رشتہ ہے کی وسیع پیمانہ پر پبلسٹی کی جائے تاکہ ایک صحت مند سماج کی ضروریات پوری ہو سکیں اور گمراہ کن تہذیب کی بیخ کنی کی جا سکے جو ہماری نئی نسل کی ثقافتی زندگی کو آلودہ کر رہی ہے۔"

لوک ثقافت اور سماجی زندگی

از:- محمد عبد الباری
(وزیر ریاست برائے پرائمری تعلیم)

لوک گیت اجتماعی زندگی کے آئینہ دار ہوتے ہیں۔ تہذیب انسانی اور لوک ثقافت کا آغاز ایک ساتھ ہوا۔ لوک ثقافت ابتدا ہی سے مسلسل ارتقاء پذیر رہی ہے۔ سماجی زندگی کے آغاز سے ہی انسان کو مختلف قدرتی آفات اور جنگلی جانوروں کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا۔ اُس نے تمام آفات پر قابو پانے کے لئے اوزار اور ہتھیار بنائے۔ اس طرح ایک اجتماعی زندگی وجود میں آئی۔ اپنے دن بھر کی محنت و مشقت کے بعد لوگ رقص و سرود کے ذریعہ اپنا دل بہلاتے تھے۔ اس طرح ماضی بعید میں صوت اور آہنگ پر مبنی ایک ثقافتی زندگی کی شروعات ہوئی۔ اس ضمن میں کارل مارکس کی بات بہت زیادہ صادق آتی ہے "تمام جانداروں میں صرف انسان ہی اپنی روزمرہ ضروریات کے علاوہ کسی شئے کی تخلیق کر سکتا ہے اور یہ تخلیق ہے آرٹ اور کلچر کی دولت۔"

لوک ثقافت محض ماضی بعید کے انسان کی زندگی ہی کی عکاسی نہیں کرتی بلکہ وہ اُس کی زندگی کی مختلف کیفیات۔ دکھ اور سکھ کا جزو لاینفک بھی ہے۔ آج بھی یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ محنت کش عوام نغمات و آہنگ کی گونج میں اپنے مختلف کام جیسے کشتی کھینا اور چھت کی سطح ہموار کرنا، انجام دیتے ہیں۔ اجتماعی زندگی میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔

لہٰذا کسی بھی ملک میں لوک ثقافت کی ہمہ جہت اہمیت اور اثرات سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔ نوع انسان کی مشترکہ ضروریات کے لئے دھرتی کی ہیئت کو بدلنے کے کام میں لگے ہوئے ثقافتی زندگی کی شدید طلب اور خواہش نے مختلف لوک گیتوں، ڈراما اور آرٹ کو جنم دیا۔ لیکن غلامی، جاگیردارانہ اور سرمایہ دارانہ نظام کے آغاز کے بعد کسانوں، کاریگروں اور محنت کش عوام کو اپنی آزادی کے لئے پیہم جد و جہد کرنا پڑی۔ اس طرح طبقاتی جد و جہد انسانی تاریخ کا ایک اہم جزو بن گئی ہے۔ یہ طبقاتی جد و جہد انسان کی ثقافتی زندگی پر بھی حد درجہ اثر انداز ہوتی ہے۔ کامریڈ لینن کے الفاظ میں "جس طرح انسان کا علم فطرت (یعنی ترقی پذیر شئے) کو منعکس کر سکتا ہے اس طرح انسان کا علم و ادراک (اُس کے مختلف نظریات اور اُصول۔ فلسفیانہ، مذہبی اور سیاسی وغیرہ) سماج کے اقتصادی روپ کا مظہر ہوتا ہے۔ سیاسی ادارے اقتصادی اساس کا بالائی ڈھانچہ ہوتے ہیں۔" کسی بھی سماج میں طبقاتی جد و جہد اُس کے ثقافتی اداروں میں منعکس ہوتی ہے۔ استحصال کرنے والے نیز حکمران طبقہ، عوام کے کلچر کو پامال کرنے کے لئے خود اپنے ایک علیحدہ کلچر کی تخلیق کرنے کے لئے کوشاں رہے ہیں۔ اس طرح حکمراں طبقوں کے ہاتھوں ثقافتی زندگی کی ترقی کی خواہش مختلف طریقوں سے تشنۂ تکمیل رہی ہے۔ سرمایہ دارانہ سماج کی جدید کاری اور شہری زندگی کی توسیع کی بنیاد پر لوک ثقافت یکسر نظر انداز کر دی گئی۔

ہندوستان ایک ایسا ملک ہے جس کی جغرافی، سماجی، لسانی اور ثقافتی زندگی میں زمانۂ قدیم سے کثرت میں وحدت کی جلوہ گری ملتی ہے۔ ہندوستان کی ثقافتی تہذیب میں متضاد عناصر کی ہم آہنگی دیکھنے میں آتی ہے۔ بیشتر لوک گیت مخصوص سماج کی ضرورت پوری کرتے ہیں۔ یہ لوک ثقافت کھیتی باڑی کے کام میں لگے ہوئے دیہات کے لوگوں کے لئے دلبستگی، مسرت اور اُمنگوں کا سرچشمہ ہے۔

برطانوی دور حکومت میں ہمارے سماج میں مغربی تہذیب کے نام پر ایک نیا اور جدید کلچر اُبھر کر سامنے آیا۔ برطانوی سامراجی یہاں ہمارے ملک کی دولت لوٹنے کے لئے آئے تھے۔ ملک کی اقتصادی لوٹ کھسوٹ کے لئے انھوں نے زمینداروں اور بورژواؤں میں ایک نام نہاد سربرآوردہ طبقہ بنایا۔ یہ طبقہ برطانوی حکومت اور استحصال کا خاص محور بن گیا۔ یہ نئے طبقے مغربی تہذیب کے حد درجہ دلدادہ ہو گئے۔ اعلیٰ طبقہ کے نام نہاد تعلیم یافتہ افراد نے ہندوستان کی ثقافتی تہذیب کے احیاء کے لئے کچھ بھی نہیں کیا۔ اس کے برعکس ہندوستان کی ثقافتی تہذیب، جو ہندوستانی تہذیبی زندگی کا ایک قدرتی خزینہ ہے، کے خلاف بے حسی اور تنفر پیدا ہو گیا۔ بسا اوقات انھوں نے دیہاتوں اور دیہی زندگی پر مبنی کچھ لوک گیتوں کی ہمت افزائی کی تاکہ کسان اور پچھڑے ہوئے لوگ اپنی زندگی کے تمام مصائب اور پریشانیوں کو بھلا سکیں۔

انگریزوں کی بے حسی اور بے توجہی کے باوجود بنگال کی ثقافتی تہذیب کے سوتے خشک نہیں ہوئے۔ بنگال کے غریب کسانوں اور قبائلیوں کو

کھیتوں، ندیوں، جنگلوں اور پہاڑوں سے سخت محنت اور مشقت کی زندگی بسر کرنی پڑتی ہے۔ یہ لوگ اپنی فرصت اور کام کے اوقات میں اپنے روایتی گیتوں اور ناچوں کے ذریعہ مسرت اور جینے کی اُمنگ حاصل کرتے ہیں۔ اس طرح چرواہوں کے گیتوں، ملاحوں کے بھاٹیالی گیتوں اور چھت کی سطح ہموار کرتے وقت مزدوروں کے گیتوں کی اہمیت اور قدر و قیمت اب بھی باقی ہے۔

بنگلہ لوک گیتوں، ناچ اور ناٹک کو مختلف سازوں نے حد درجہ دلپذیر اور موثر بنا دیا ہے۔ سماجی شعور کو بیدار کرنے میں ان کا ایک مثبت رول رہا ہے۔ حصول آزادی کی جدوجہد کے دوران بنگال کی لوک ثقافت نے مجاہدینِ آزادی کو حوصلہ اور ولولہ عطا کیا تھا۔ اس زمانہ میں بنگال کی لوک ثقافت نے ہماری تحریک آزادی میں ایک نمایاں رول ادا کیا تھا کچھ لوک گیتوں میں جیسے شبد ے، فیقری، پاٹ داری اور باؤل میں جمہوریت، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور ہر قسم کی برائیوں اور بے انصافیوں کے خلاف نبرد آزمائی کے جذبات کی موثر ترجمانی کی گئی ہے۔ گمراہ کن تہذیب کے اس دور میں جس کے اثرات بنگال کے دیہی علاقوں تک پہنچ گئے ہیں، لوک ثقافت ہی اس کا نعم البدل ہو سکتا ہے۔

طبقات پر مبنی سماج میں عام آدمیوں خاص طور پر محنت کش عوام کی تہذیبی زندگی کی ترقی اور اس کا مکمل اظہار ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ایسے سماج میں آرٹ، گیت اور ناٹک اور تھیٹر محض ایک محدود طبقہ کی دلبستگی کیلئے مخصوص ہوتے ہیں۔ اپنی خوشی اور آرام کے لئے نہیں۔ اس لئے مسرت اور تہذیبی زندگی کے لئے ان کی تشنگی قدرتی طور پر باقی رہتی ہے۔ ایک سوشلسٹ ملک میں ہر شہری کی سماجی ضروریات پر پوری توجہ دی جاتی ہے۔ اور ہر فرقہ کی ثقافتی زندگی بغیر کسی رکاوٹ کے ترقی کر سکتی ہے۔ روس میں اکتوبر کے عظیم انقلاب کے بعد لوک ثقافت کی ترقی نے مختلف ممالک کو متوجہ کیا۔ اپنے ملک میں ہم لوگ بھی مختلف موقعوں پر اُن سے لطف اندوز ہوتے ہیں۔ روس کی لوک ثقافت کی روایتی، انسانی اور تہذیبی قدروں نیز اُن کے رقص میں جسمانی ورزش کے مظاہروں سے ہم بے حد متاثر ہوئے ہیں۔ مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت مختلف جمہوری جدوجہد اور تحریکوں کے ذریعہ برسرِ اقتدار آئی ہے۔ ہم نے یہ عہد کیا ہے کہ منزلِ مقصد تک پہنچنے یعنی سوشلزم کے حصول کے لئے عوام کی رہنمائی کریں گے ایک ایسی سوشلزم جو استحصال اور جمود سے پاک ہوگی۔ اس اثنا میں ہم عوام کو فوری طور پر کچھ راحت دینے کی بھرپور کوشش کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے پیش نظر عوام کی فلاح و بہبود کے لئے مختلف پلان اور پروگرام شروع کئے گئے ہیں۔ محکمۂ اطلاعات و ثقافتی امور نے جہاں تک لوک ثقافت کا تعلق ہے مختلف تعمیری پلان اور پروگرام پر عمل درآمد شروع کر دیا ہے جو حسب ذیل موضوعات کا احاطہ کرتے ہیں۔ ڈرامہ، جاترا، لوک ثقافت، لوک گیت، فنون لطیفہ ثقافت کی بقا، قبائلی تہذیب، ادب، لوک آرٹ، لوک ثقافت سے متعلق لٹریچر کی اشاعت، نیپالی زبان کی ترقی اور ترویج۔

لوک ثقافت کے احیاء، بقا اور فروغ کے پس پشت جو قوتیں ہیں اُن کو مستحکم کرنے نیز ایک تخلیقی جذبہ پیدا کرنے کے مقاصد کے حصول کے پیش نظر ڈراموں اور جاتراؤں کے لئے انعامات، امدادی گرانٹ اور وظائف دینے کی تجویز کو عملی جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ سرکاری تھیٹروں کے مسئلہ کا بھی مطالعہ کیا جا رہا ہے۔ اس ضمن میں خاص رکاوٹ یہ ہے کہ سستی شرح پر کوئی تھیٹر آڈیٹوریم دستیاب نہیں ہے۔ حکومت دو پبلک تھیٹر آڈیٹوریم کی تعمیر کی تجاویز منظور کر چکی ہے۔ یہ آڈیٹوریم، جو گریش چندر گھوش اور مائیکل مدھوسودن کے نام سے موسوم ہوں گے، بالترتیب شمالی اور جنوبی کلکتہ میں قائم کئے جائیں گے۔

جہاں تک ہماری لوک ثقافت کا تعلق ہے ریاستی حکومت نے ضلع اور منطقہ کی سطح پر لوک فیسٹول منعقد کئے ہیں اور ورکشاپ قائم کئے ہیں۔ لوک سنسکرتی پریشد (لوک ثقافت مشاورتی کمیٹی) کا قیام عمل میں آگیا ہے۔ اور یہ کمیٹی ابتدا میں یہ طے کرتی ہے کہ لوک ثقافت کی ترقی کے لئے کون سے کام شروع کئے جائیں اور مناسب عمل درآمد کے لئے کمیٹی کی تجاویز ضلع افسروں کو بھیجدی جاتی ہیں۔ کمیٹی ضلع اور ریاست کی سطح پر لوک فیسٹول کے انعقاد کی تجاویز پیش کر چکی ہے۔ محکمہ مذکور جلد ہی یہ تقریبات منعقد کرے گا۔

لوک ثقافت کے تحفظ کے لئے سنتین راے روڈ بہالا میں ایک میوزیم قائم کیا جا چکا ہے۔ مزید براں ریاستی حکومت نے لوک ثقافت سے متعلق ایک لائبریری کے قیام کے لئے اقدامات کئے ہیں۔ کتابوں، بلیٹنوں کی اشاعت نیز لوک ثقافت پر ریسرچ کے لئے شایان شان انعامات دینے کی اسکیم بھی زیر غور ہے۔ ریاستی حکومت پریشان حال لوک گیت گلوکاروں کو مالی امداد دینے کی اسکیم بھی شروع کر چکی ہے۔ علاوہ ازیں انحطاط پذیر ناٹک اور سازکی موسیقی کے احیاء کے لئے آرٹ گیلری اور ایک میوزیم کے قیام کی تجاویز بھی زیر غور ہیں۔

باقی صفحہ پر

افکار و آرا

دوسروں کی نظر میں

نئی تعلیمی پالیسی اور احتجاج

حکومت بائیں محاذ نے پرائمری سطح پر انگریزی کو ہٹانے کا جو فیصلہ کیا ہے اس کے خلاف مسلسل کئی دنوں سے کلکتہ میں دانشوروں کی طرف سے مخالفت میں تحریک چلائی جا رہی ہے۔ اس تحریک میں صرف اساتذہ حضرات ہی حصہ نہیں لے رہے ہیں بلکہ ہائی کورٹ کے جج، ڈاکٹر، پروفیسر، انجینئر، ماہر تعلیم، طلبا اور گارجین بھی شامل ہیں۔ ان کے ساتھ مختلف سیاسی پارٹیاں بھی دے رہی ہیں۔

بہرحال اس بات کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ گزشتہ چند برسوں سے پہلے مغربی بنگال کے اندر تعلیمی نظام میں زبردست ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ وقت پر امتحانات کا ہونا ناممکن ہو گیا تھا۔ اگر امتحان ہو جاتا تو امتحانات کے نتائج نکلنے میں ۸-۹ ماہ لگ جاتے تھے بلکہ ۱۰-۱۱ ماہ کا عرصہ لگ جاتا تھا۔ امتحان کے دوران امیدوار نقلیں کیا کرتے تھے اور اگر سختی کرنے کی کوشش کی جاتی تو ان کو ڈرانے اور دھمکانے کی کوشش کی جاتی جو امتحان کے وقت ہال میں موجود رہا کرتے تھے۔ ان باتوں پر قابو پانے کی اگر کسی نے پوری کوشش کی تو وہ بائیں محاذ حکومت ہی تھی۔

بائیں محاذ حکومت جب برسر اقتدار آئی تو اس نے سب سے پہلا کام یہی کیا کہ طلبا کے اندر جو انتشار اور بے ضابطگی پیدا ہو گئی ہے اسے ختم کرے اور اس نے ایسا ہی کرنا شروع کیا۔ کالجوں اور اسکولوں میں یہاں تک کہ یونیورسیٹیوں کے اندر جو لاقانونیت پھیلی ہوئی تھی اس پر قابو پانے کی پوری کوشش کی گئی اور بائیں محاذی حکومت نے قابو پا کر ثابت کر دیا کہ حکومت اگر چاہے تو سب چیزوں پر قابو پایا جا سکتا ہے۔ مخالفت کی گئی، دھمکیاں دی گئیں، نعرے لگائے گئے، مظاہرے کئے گئے، احتجاج کئے گئے لیکن لاقانونیت کو بہرحال ختم کر دیا گیا۔ جب تعلیمی اداروں میں سکون کی فضا قائم ہوئی تو حکومت نے ریاست کے اندر تعلیم کو زیادہ سے زیادہ فروغ دینے کی سعی کرنی شروع کی اور اس طرح بہت سارے اسکولوں کو امدادی جانے لگی۔ سیکڑوں اسکولوں کو منظوریاں دی گئیں، سیکڑوں اساتذہ لگائے گئے، آہستہ آہستہ کر کے بارہویں درجے تک تعلیم مفت کر دی گئی۔ صرف اسی لئے تو کہ زیادہ سے زیادہ افراد تعلیم حاصل کر سکیں کیونکہ اگر تعلیم رہے گی تو مستقبل میں انہیں پریشانیوں کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔

مغربی بنگال میں تعلیمی پالیسی کے خلاف جو تحریک چلائی جا رہی ہے اس کے بارے میں وزیر اعلیٰ مسٹر باسو نے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ جو لوگ مخالفت کر رہے ہیں وہ رجعت پرستوں کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ان کا کام تخریبی سرگرمیوں میں حصہ لینا ہے۔ انہوں نے یہ بھی الزام لگایا کہ تعلیمی پالیسی کے خلاف اساتذہ، وکلا، شاعر، ادیب اور دوسرے لوگ جو احتجاج اور مظاہرہ کر رہے ہیں وہ سیاسی طور پر کر رہے ہیں اور ان کے احتجاج سے مرکزی حکومت کو اس سے فائدہ پہنچے گا۔ مسٹر باسو نے یہ بھی کہا کہ نئی تعلیمی پالیسی کو اس وقت اپنانے کے لئے کہا گیا جب ماہر تعلیم سے مشورہ لیا گیا۔ غیر ملکوں کے تعلیمی پالیسی کے بارے میں معلومات کی گئیں اور حکومت جب ہر طرح سے مطمئن ہو گئی تو قومی تعلیمی پالیسی کو لاگو کرنے کی کوشش کی۔

(شان ملت مورخہ ۲۴ فروری)

سنگ بنیاد

مغربی بنگال کے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے پیر ۹ فروری کی شام کو حاجی محسن اسکوائر میں مغربی بنگال اردو اکیڈمی کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھ کر اردو زبان کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں ایک تاریخی قدم اٹھایا ہے۔ مغربی بنگال اردو اکیڈمی کی عمارت کا سنگ بنیاد رکھا جانا خود ایک تاریخی واقعہ ہے، اگرچہ مغربی بنگال اردو اکیڈمی سے پہلے متعدد ریاستوں میں اردو اکیڈیمیاں بن چکی تھیں مگر ابھی تک کسی ریاست کی اکیڈمی کو اپنا گھر نہیں مل سکا۔ اس راستے پر چلنے کی سبقت مغربی بنگال اردو اکیڈمی کو حاصل ہوئی۔ وزیر اعلیٰ نے آئندہ بجٹ میں عمارت کی تعمیر کے لئے رقم مہیا کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ مغربی بنگال کی ترقی پسند حکومت نے اقلیتوں کے ساتھ ہمیشہ فراخدلانہ برتاؤ کیا ہے خصوصاً اردو کی جس قدر حوصلہ افزائی مغربی بنگال میں کی گئی اس کی مثال کسی دوسری ریاست میں نہیں ملتی کیونکہ اردو اکیڈمی کا قیام

باقی صـ پر

غزل

علی جواد زیدی

کہاں رکے یہ مرا کارواں خدا معلوم
کہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

یہ عشق فتنہ ہے، معلوم تھا زمانے کو
مگر کچھ آپ کو بھی آج ہو گیا معلوم

ہر ایک دیکھتا ہے آئینوں میں شکل اپنی
حکایت غم ہستی کسی کو کیا معلوم

پہنچ گئے ترے کوچے میں وہ بھی آخر کار
چلے تھے جب تو نہ تھا جنکو راستا معلوم

کسی سے منزل مقصد کا کیوں پتہ پوچھے
جسے ہو آپ کا انداز نقش پا معلوم

یہ ناصحوں کی خطابت کی بارشیں گویا
ہمیں کو خود نہیں اپنا برا بھلا معلوم

جلوس نخوت شاہی بھی ہم نے دیکھ لیا
ہماری راہ میں آئے تو ہو مزا معلوم

جس ایک بات پہ صدیوں نے خوں بہایا ہے
ہے عام طور سے وہ بات اب بھی نامعلوم

پہن لیا ہے یہ چہرہ جنوں کا زیدؔی نے
کہ بزم عقل کا سب حال اس کو تھا معلوم

فہرست رائے دہندگان سنہ ۱۹۸۱ء کی بھرپور نظر ثانی

الیکشن کمیشن آف انڈیا کی ہدایت کے مطابق مانک تلہ اسمبلی حلقۂ انتخاب کو چھوڑ کر کلکتہ کے اکیس اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب کی فہرست رائے دہندگان کی بھرپور نظر ثانی کا کام متعلقہ الیکٹورل رجسٹریشن افسران ووٹر کے اہل ہونے کی تاریخ یکم جنوری سنہ ۱۹۸۱ء کو ملحوظ رکھتے ہوئے کر رہے ہیں۔

کسی بھی اسمبلی حلقۂ انتخاب میں ایک ووٹر کی حیثیت سے فہرست میں نام درج کرانے کیلئے ایک شخص کو، عوامی نمائندگی ایکٹ مجریہ ۱۹۵۰ء کی دیگر شرائط کو پورا کرتے ہوئے، لازم ہے کہ وہ ——

(i) یکم جنوری سنہ ۱۹۸۱ء کو ۲۱ برس سے کم عمر کا نہ ہو۔

(ii) ہندوستان کا شہری ہو، اور

(iii) عام طور پر اس حلقۂ انتخاب کا باشندہ ہو۔

فہرست رائے دہندگان کی بھرپور نظر ثانی کے کام کے لئے شمار کنندگان ۱۴ اپریل سنہ ۱۹۸۱ء کو یا اس سے قبل متعلقہ حلقۂ انتخاب میں گھر گھر جاکر پوچھ گچھ کریں گے۔ وہ ہر خاندان کے ان تمام افراد کے، جن کی عمر یکم جنوری ۱۹۸۱ء کو اکیس سال کی ہو گئی ہے، نام اور دیگر تفاصیل رائے دہندگان شماری فارم مع نقل میں درج کریں گے۔ شمار کنندہ رائے دہندگان شماری فارم مع نقل کی مکمل خانہ پوری کرنے کے بعد اس فارم مع نقل پر دستخط کرے گا اس کے ساتھ ہی اس فارم مع نقل پر متعلقہ خاندان کے سربراہ کا یا سربراہ کے غیر حاضر رہنے پر اس خاندان کے سب سے معمر بالغ ممبر کا، جو شمار کنندہ کے گھر میں آنے کے وقت موجود ہوں گے دستخط ہوگا۔ ایک خاندان سے متعلق مکمل طور پر خانہ پری کئے گئے رائے دہندگان شماری فارم جس پر شمار کنندہ اور اس خاندان کے سربراہ یا اس خاندان کے سب سے معمر ممبر کے دستخط ہوں گے، کی نقل کو رائے دہندگان کارڈ (الیکٹورل کارڈ) کہا جائے گا۔ شمار کنندہ اس وقت رائے دہندگان شماری پیڈ میں اصل فارم پر متعلقہ خاندان کے سربراہ یا سب سے معمر بالغ فرد کا دستخط لینے کے بعد اس خاندان کا الیکٹورل کارڈ اس سربراہ کو یا سب سے معمر فرد کو دے گا۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ عوامی نمائندگی ایکٹ مجریہ ۱۹۵۰ء کی دفعہ ۳۱ میں یہ باتیں درج ذیل ہیں کہ اگر کوئی شخص (الف) فہرست رائے دہندگان کی تیاری، نظر ثانی یا تصحیح یا (ب) فہرست رائے دہندگان میں ایک نام درج کرنے یا اس فہرست سے خارج کرنے سے متعلق تحریری طور پر ایسا بیان دے یا اعلان کرے کہ وہ غلط ہے، یا جس کی بابت اسے معلوم ہے یا اسے یقین ہے کہ وہ (بیان یا اعلان) غلط ہے۔ یا جس کی بابت اسے یقین ہے کہ وہ بیان یا اعلان صحیح نہیں ہے تو اسے ایک سال تک قید کی سزا یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ اس لئے تمام متعلقہ افراد کو دفعہ ۳۱ کی مذکورہ باتوں کو بہت اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے۔

فہرست رائے دہندگان پر مکمل طور پر نظر ثانی کرنے اور انہیں جدید بنانے کا عظیم کام تمام متعلقہ افراد کے بھرپور تعاون کے بغیر مکمل نہیں کیا جاسکتا۔ اس مشکل کام کو تشفی بخش طور پر الیکشن کمیشن کی ہدایات کے مطابق مکمل کرنے کے لئے تمام شہریوں اور سیاسی جماعتوں کی مدد ناگزیر ہے۔ اس کام میں ہم سبھی لوگوں سے تعاون اور مدد کی درخواست کرتے ہیں۔

فہرست رائے دہندگان پر نظر ثانی سے متعلق شکائیتیں اگر کچھ ہوں، تو متعلقہ حلقہ ہائے انتخاب کے الیکٹورل رجسٹریشن افسروں کے یہاں جن کی تفاصیل درج ذیل ہیں، بھیجی جاسکتی ہیں

اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب	الیکٹورل رجسٹریشن افسر
(i) بلگچھیہ مشرق (ii) انٹالی (iii) بلیہ گھاٹ (iv) بڑتلہ (v) بلگچھیہ مغرب	کلکٹر کلکٹر آف کلکتہ ۱۱ نیتا جی سبھاش روڈ کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱
(i) کاشی پور (ii) شیام پوکھر (iii) جوڑا بگان (iv) جوڑا ساکو (v) بڑا بازار	جوائنٹ ڈائرکٹر آف پنچایتس ۱۱ اے۔ کے۔ ایس رائے روڈ کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

سرکاری خبریں

میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں میں داخلہ کیلئے مشترکہ امتحان

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ میڈیکل، انجینئرنگ اور ٹیکنالوجیکل کالجوں میں داخلہ کے مشترکہ امتحان میں بیٹھنے والے امیدواروں کو مطلع کیا جاتا ہے کہ مغربی بنگال کونسل برائے اعلیٰ ثانوی تعلیم نے ہائر سکنڈری امتحان برائے ۱۹۸۱ء کا پروگرام اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے مرتب کیا ہے کہ ایسے امیدواروں کو، جو ۱۳ اپریل ۱۹۸۱ء سے شروع ہونے والے ہائیر سیکنڈری امتحان نیز ۲۵، ۲۶ اور ۲۷ اپریل ۸۱ء کو ہونے والے مذکورہ مشترکہ امتحان میں شریک ہو رہے ہیں، کسی قسم کی دقت اور پریشانی کا سامنا کرنا نہ پڑے۔

شمالی بنگال میں اسکولوں کی عمارتوں کی نوتعمیر و مرمت

حکومت مغربی بنگال نے شمالی بنگال کے تین اضلاع، مالدہ، مرشد آباد اور دارجلنگ میں ۱۹۸۰ء کے سیلاب میں پرائمری اسکولوں کی جن عمارتوں کو نقصان پہنچا تھا یا جو منہدم ہوگئی تھیں ان کی مرمت اور نوتعمیر کے لئے مالی سال رواں کے دوران ۵۵ لاکھ روپیہ کے صرفہ کی منظوری دیدی ہے۔ اس رقم میں سے تین اضلاع میں ۱۱۶۰ اسکولوں کی نوتعمیر ۴۸ لاکھ روپیہ کے صرفہ اور بقیہ ۷ لاکھ روپیہ سے نقصان زدہ اسکولوں کی مرمت کی جائے گی۔ مالدہ اور مرشد آباد کے اضلاع میں نوتعمیر اور مرمت کا کام ضلع پریشدوں اور پنچایت کمیٹیوں اور ضلع دارجلنگ میں ضلع اسکول بورڈ کے ذریعہ کیا جائے گا۔

ریاستی حکومت کے افسر کا آنکھوں کا عطیہ دینے کا فیصلہ

شری کارمنی موہن چیٹرجی، اسسٹنٹ سکریٹری، محکمۂ ترقی اور منصوبہ بندی، حکومت مغربی بنگال نے آنکھ بینک کو اپنی آنکھوں کا عطیہ دینے کے فیصلہ سے ریاستی حکومت سے مطلع کر دیا ہے۔ شری چیٹرجی فروری ۱۹۸۱ء میں ۳۴ سال کی ملازمت کے بعد ریٹائر ہونے والے ہیں۔

دیہی اسپتال کو جنرل اسپتال میں تبدیل کر دیا گیا

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ بابرہ ضلع ۲۴ پرگنہ میں ۶۰ بستروں پر مشتمل بابرہ دیہی اسپتال کو ۱۳۱ بستروں پر مشتمل جنرل اسپتال میں تبدیل کیا جا رہا ہے۔ اس اسپتال کو چلانے کے لئے حکومت نے مکرر اخراجات کے علاوہ ۲۲۷۰۰۰ روپیہ غیر مکرر اخراجات کے لئے منظور کیا ہے۔ دیہی اسپتال کے احاطہ میں نئی عمارتوں کی تعمیر مکمل ہو جانے تک موجودہ عمارتوں اور اسٹاف کوارٹروں کو جنرل اسپتال کے لئے استعمال کیا جائے گا۔

ضلع دارجلنگ میں ریشم کے کیڑے پالنے کیلئے ۲ لاکھ روپیہ کی امداد

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ ریاستی حکومت نے ضلع دارجلنگ میں ریشم کے کیڑے پالنے کو فروغ دینے کے لئے سردست ۲ لاکھ روپیہ مخصوص کیا ہے۔ اس رقم میں سے ریشم کے کوئے تیار کرنے والوں کو مالی امداد دی جائے گی۔ اس پروجیکٹ پر کل تخمیناً ۴ لاکھ روپیہ خرچ آئے گا۔ اس اسکیم کے تحت نجی پروجیکٹ کا پچاس فیصدی (۴ ہزار روپیہ تک) خرچ متعلقہ فرد برداشت کرے گا۔ حکومت کی امداد تین قسطوں میں دی جائیں گی یعنی ۵۰۰ روپیہ باغ لگانے کے بعد ۲۵۰ روپیہ آلات کی خریداری کے بعد اور ۱۲۵۰ روپیہ ریشم کے کیڑے پالنے کے گھر کی تعمیر کے بعد دیئے جائیں گے۔

یونیورسٹی کالج آف میڈیسن کیلئے ۲ لاکھ روپیہ

حکومت مغربی بنگال نے ادارہ برائے بنیادی میڈیکل سائنس اور گوشا اسپتال پر مشتمل یونیورسٹی کالج آف میڈیسن کے اخراجات کے لئے ۲ لاکھ روپیہ کی غیر مکرر گرانٹ منظور کی ہے۔

قبائلی خواتین کو سلائی کی ٹریننگ

ریاستی حکومت نے ضلع دارجلنگ میں مربوط قبائلی پروجیکٹ کے علاقوں میں قبائلی خواتین کو سلائی کی ٹریننگ دینے کی اسکیم کے لئے منظوری دیدی ہے۔ مالی سال رواں کے دوران اس اسکیم کے لئے ۵۵ ہزار روپیہ کی منظور کیا گیا۔

کوآپریٹیو سوسائٹیوں کی مالی امداد

حکومت مغربی بنگال نے ضلع بانکوڑا میں دو کوآپریٹیو سوسائٹیوں کو ان کے سرمایہ حصص میں سرکاری حصہ کے طور پر فی سوسائٹی ۵۰ ہزار روپیہ کے حساب سے ایک لاکھ روپیہ دینے کی منظوری دیدی ہے۔ مزید براں اس مقصد کے لئے مزید ایک لاکھ روپیہ الاٹ کیا گیا ہے اور یہ رقم ڈسٹرکٹ افسر بانکوڑا کے زیر اختیار دیدی گئی ہے۔

تپ دق کے مریضوں کیلئے بلامعاوضہ بستر

حکومت مغربی بنگال نے سریرام پور اور گوربانا تپ دق اسپتال میں حکومت کے نامزد تپ دق کے غریب مریضوں کے علاج کے لئے ۴۹ بلامعاوضہ بستروں کے ریزرویشن کو جاری رکھنے کے لئے منظوری دیدی ہے۔ مزید براں حکومت نے ان بلامعاوضہ بستروں کے یکم جنوری ۱۹۸۰ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء تک کے اخراجات کے لئے مالی سال رواں کے دوران ۵۵۱۲۵ روپیہ کی ادائیگی کے لئے منظوری دیدی ہے۔

کوچ بہار میں نیا اسپتال

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ دینہاٹا سب ڈویژن

کوچ بہار میں ۲۵ بستروں پر مشتمل ابتدائی صحت مرکز کا درجہ بلند کر کے ۴۰ بستروں پر مشتمل سب ڈویژنل اسپتال قائم کیا جا رہا ہے۔ اس اسپتال کے قائم ہو جانے تک گوسا مینی ذیلی صحت مرکز واقع دینہاٹا بلاک، عارضی طور پر ابتدائی صحت مرکز کے طور پر کام کرے گا۔

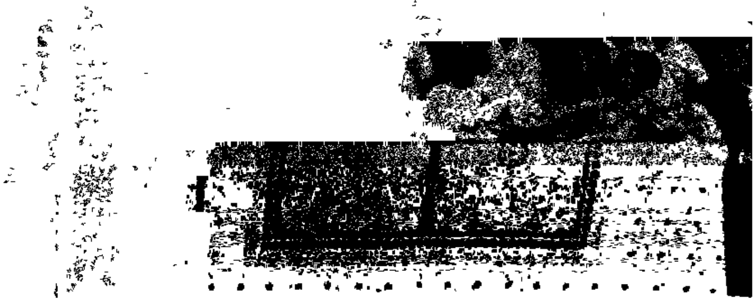
بقیہ: صفحہ ۱۲ کا

(i) کوی تیرتھ (ii) علی پور (iii) راش بہاری ایونیو (iv) ٹالی گنج	ڈپٹی ڈائرکٹر آف سرویز، ۳۵ر گوپال نگر روڈ کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۲۷
جورنگی ڈھکوریہ بالی گنج	انسپکٹر جنرل آف رجسٹریشن ۲ر گارسٹن پلیس کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱
بوبازار تالتلہ (لینڈ ولڈ کلاسٹ)	فرسٹ لینڈ اکیوزیشن کلکٹر ۲ر چرچ لین، کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱
سیالدہ ودیا ساگر	سیکنڈ لینڈ اکیوزیشن کلکٹر ۲ر چرچ لین، کلکتہ ۔ ۷۰۰۰۰۱

چیف الیکٹورل آفیسر مغربی بنگال

(چیف الیکٹورل آفیسر مغربی بنگال کی ہدایت کے تحت جاری کردہ)

بیلور، ہوڑہ، میں واقع نیشنل آئیرن اینڈ اسٹیل کمپنی ریاستی
حکومت کی نگرانی میں پھر سے کھل گیا۔ اس موقع پر ایک
افتتاحی تقریب میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو افتتاحی تقریر کر رہے ہیں





اسلام پور میں بچوں کا ڈرائنگ مقابلہ



یر اعلیٰ شری جیوتی باسو دارجلنگ میں 'بھانو بھکت
وارڈ' کی تقسیم کے موقع پر منعقدہ ایک نمائش میں ۔

Regd. No. WB/CC-[illegible]
Vol. 28 No. 5
PRICE-12 Paise
MAGHRIBI BANGA
1st MARCH

حکومت مغربی بنگال

محکمۂ تعلیم

راشن دکانوں سے طلباء، اسکولوں اور سرپرستوں کو دررن لپی چھاتر لپی، بنگو لپی اور تامر لپی کاپیاں سستے دام پر تقسیم کرنے کا بندوبست کیا گیا ہے۔

طلباء اور سرپرستوں کی ضرورت کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ حکومت نے ریاست بھر میں درج ذیل کاپیوں کی تقسیم کا معقول اور مکمل بندوبست کیا ہے۔

(الف) ۵۲ صفحات کی غیر مجلّد (کور کے ساتھ) ۲۰ پیسے

(ب) ۱۰۰ صفحات کی مجلّد (کور کے ساتھ) ۸۰ پیسے

(ج) ۱۹۶ صفحات کی مجلّد (کور کے ساتھ) ایک روپیہ ۳۵ پیسے

یہ کاپیاں راشن دکانوں سے فروخت کی جارہی ہیں۔ اس کے علاوہ کوآپریٹیو سٹور، مختلف ایجوکیشن سیلس کاونٹر اور طلباء کوآپریٹیو سنٹر ضرورت کے مطابق کاپیاں فروخت کرسکیں گے اور ہر سطح پر ضرورت کے مطابق کافی تعداد میں کاپیاں موجود ہیں۔ اگر کاپیوں کی تقسیم ٹھیک سے نہ ہو یا وہ نہ ملیں تو مقامی بی۔ ڈی۔ او، ایس۔ ڈی۔ او، ضلع مجسٹریٹ، ڈسٹرکٹ انسپکٹر آف اسکولس اور ضلع سوشل ایجوکیشن افسر سے رجوع کیجئے وہ فوراً جانچ کرکے ضروری اقدامات کریں گے۔

یاد رکھئے

زیادہ دام دیکر غلط کام کی ہمّت افزائی نہ کیجئے

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impression 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

مغربی بنگال

۱۵ر مارچ سنہ ۱۹۸۱ء

بجٹ کے ذریعہ ہم کچھ بھی کرنا چا
ہیں اس کا مقصد عوام کو فائدہ پہو
ہے۔ اس چیلنج میں ہمیں مالی اور دیگ
میں سخت دشواریوں کا سامنا کر
گا، لیکن ہم آگے بڑھیں گے کیونکہ ہم
بات پر پورا اعتماد ہے کہ عوام ہ
ساتھ ہیں اور ہم عوام کے ساتھ
—— ڈاکٹر [illegible] مترا وزیر مالیات

ریاستی بجٹ برائے ۸۱-۱۹۸۲ء

ٹیکس میں رعایت

★ نئی چھوٹی صنعتی یونٹوں کے لئے سیلس ٹیکس کی ادائیگی سے معافی کی مدت کو شہر کلکتہ میں ۳ سال سے بڑھا کر ۵ سال اور اس شہر کے باہر کے علاقوں میں ۷ سال تک کر دیا گیا ہے۔ ایسی صنعتوں میں سرمایہ کاری کی انتہائی حد دس لاکھ روپئے سے بڑھا کر ۲۰ لاکھ روپئے کر دی گئی ہے۔

★ بڑی مقدار میں دواؤں کی فروخت پر سیلس ٹیکس ۳ فی صد سے گھٹا کر ایک فی صد اور تیار کردہ دواؤں میں ۸ فی صد سے گھٹ کر ۴ فی صد کر دیا گیا ہے۔

★ غیر آہنی ٹیوب، پائپ، روڈ سیکشن، تار اور چادر پر بین ریاستی سیلس ٹیکس کی شرح ۴ فی صد کی جگہ دو فی صد کر دی گئی ہے۔

★ اخبارات شائع کرنے والوں پر عائد نیوز پرنٹ کی بین ریاستی فروخت پر ٹیکس کو ختم کر دیا گیا ہے۔ نیز چھوٹے اور درمیانی درجہ کے اخباروں اتنی رقم گرانٹ۔ اِن۔ ایڈ کے طور پر دیا جائے گا جتنی رقم وہ نیوز پرنٹ کی خریداری پر بطور سیلس ٹیکس ادا کریں گے۔

★ پی۔ وی۔ سی ٹائیل اور لائنولیئم پر علی الترتیب ۸ فی صد اور ۲۰ فی صد کی جگہ سیلس ٹیکس کی مقررہ شرح ۱۵ فی صد ہوگی۔

★ گھریلو استعمال کے برتنوں پر انٹری ٹیکس کو ۲ فی صد سے گھٹا کر نصف فی صد کر دیا گیا ہے۔

★ سگریٹ، سگار اور چروٹ پر انٹری ٹیکس علی الترتیب ایک اور ۱۵ پیسے فی صد سے گھٹ کر ہر دس عدد پر علی الترتیب ۱۰ پیسے اور ۵ پیسے کر دیا گیا ہے۔

پندرہ روزہ :-

مغربی بنگال

کلکتہ ۵

شمارہ نمبر ۶	۱۵ مارچ ۱۹۸۱ء	جلد ۱۲

مدیر اعلیٰ :-
ایس کے سین گپتا
مدیر معاون
محمد اعظم

شرح خریداری ———— سالانہ ۳ روپے
قیمت ———— ۱۲ پیسے فی پرچہ

زر سالانہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے کا پتہ :-
بزنس منیجر
شعبہ اطلاعات و ثقافت
حکومت مغربی بنگال
۲۳ آر۔ این مکھرجی روڈ
کلکتہ - ۷۰۰۰۰۱

ریاستی بجٹ برائے سنہ ۸۱-۱۹۸۲ء

عام آدمی پر فاضل ٹیکس کا بوجھ نہیں ڈالا گیا۔ دیہی قرض معاف کر دیا گیا
سیلس ٹیکس اور انٹری ٹیکس میں رعایتیں۔ چھوٹی صنعتی یونٹوں کیلئے سیلس ٹیکس میں رعایت

ڈاکٹر اشوک مترا، وزیر مالیات، حکومت مغربی بنگال نے ۲۷ فروری سنہ ۱۹۸۱ء کو ریاستی اسمبلی کے بجٹ اجلاس میں سنہ ۸۱-۸۲ء سال کے لئے ریاستی بجٹ پیش کیا۔ بجٹ تخمینہ پیش کرتے ہوئے انھوں نے اپنی تقریر میں عوام کی فلاح و بہبود کیلئے ریاستی حکومت کی گوناگوں کارگزاریوں اور کامیابیوں کا ذکر کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ سنہ ۸۱-۸۲ء کے آخر میں بجٹ میں ۱۰۷ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی، لیکن سیلس ٹیکس کے ڈھانچہ کو سہل بنا کر اور پیداوار میں کرنے کیلئے بہت ساری مراعات دیکر اور دیگر اقدامات کے ذریعہ ایک اندازہ کے مطابق ۴۲ کروڑ روپئے اکٹھا کئے جائیں گے۔ اس طرح ۸۱-۸۲ء کے آخر میں صرف ۶۵ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔ وزیر مالیات کی بجٹ تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

ایک ریاستی حکومت کو اس بات کی اجازت نہیں ہے کہ وہ ایک لمحہ کے لئے بھی اس امر کو فراموش کردے کہ موجودہ دستوری دفعات کے تحت اس کے مالی اختیارات بہت ہی محدود ہیں۔ اس کے باوجود ان برسوں میں ہم نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں ان سے ہمیں کچھ حد تک تشفی حاصل ہوئی ہے۔

سنہ ۱۹۷۶-۷۷ء میں۔ یعنی ہمارے برسر اقتدار آنے سے قبل۔ ریاستی بجٹ میں ۷۶۶ کروڑ روپئے کے مصارف کی گنجائش رکھی گئی تھی۔ حالیہ برس یعنی سنہ ۱۹۸۰-۸۱ء میں یہ مصارف اور نظر ثانی کردہ تخمینے بڑھ کر ۱۵۸۵ کروڑ روپئے ہو گئے۔ دوسرے الفاظ میں گذشتہ چار برسوں میں مختلف مدوں کے تحت ریاستی حکومت کے اخراجات دوگنا سے زیادہ ہو گئے اگر حالیہ برسوں میں قیمتوں میں اضافہ کو۔ اس اضافہ کے لئے ہم لوگ کسی بھی حالت میں ذمہ دار نہیں ہیں۔ بھی زیر غور رکھا جائے تو بجٹ اخراجات میں اس قسم کے اضافہ کی ہندوستانی مالیات کی تاریخ میں کہیں بھی نظیر نہیں ملتی۔ ان مصارف کا زیادہ تر حصہ ترقیاتی کاموں کے لئے مختص کیا گیا ہے۔ سنہ ۱۹۷۶-۷۷ء میں ریاستی بجٹ کے ۷۶۶ کروڑ روپئے میں سے ۲۰۴ کروڑ روپئے منصوبہ کے لئے مخصوص تھے اور غیر منصوبہ اور منصوبہ اخراجات کا تناسب ۳:۱ تھا۔ سنہ ۸۰-۸۱ء میں منصوبہ اور منصوبہ اخراجات کا تناسب گھٹ کر ۲:۱ ہو گیا ہے۔ صرف چار برسوں میں منصوبہ کے اخراجات بڑھ کر تقریباً تین گنا ہو گئے۔ ایک ریاستی حکومت کے لئے یہ ایک بے مثال کامیابی ہے۔

حکومت کی سرگرمیوں میں غیر معمولی توسیع سے اس ریاست کے عام لوگوں کو کافی فائدہ پہونچا ہے۔ سرکاری اخراجات سے پہلی بار لاکھوں لاکھ دیہی لوگ، معہ بے زمین مزدور، بٹائی دار اور چھوٹے اور درمیانی درجہ کے کاشتکار، مستفید ہوئے۔ حکومت کے کئے گئے ترقیاتی اقدامات سے چھوٹے کاریگروں کو فائدہ پہونچا۔ ان سے ان صنعت کاروں کو فائدہ پہونچا ہے۔ جو بیمار صنعتی یونٹوں کے احیاء کے لئے کوشش کر رہے ہیں یا جو نئی یونٹ چالو کرنے کے خواہاں ہیں، ان اقدامات سے ان لاکھوں طلباء کو فائدہ پہونچا جن کے لئے ہائیر سکینڈری اسٹیج تک (کلاس XII تک) تعلیم مفت کر دی گئی ہے اور جن میں سے بہت سارے طلباء کو اسکول کے دوران مفت کھانا، مفت اسکولی لباس اور نصاب کی کتابیں سپلائی کی گئی ہیں۔ سارے مغربی بنگال میں پنچایتوں کے ذریعہ دیہی ترقیاتی پروگراموں کو تیزی سے بر سر عمل لایا گیا ہے اور لایا جا رہا ہے۔ نیز قبائلی اور پہاڑی لوگوں کو بھی بہت ساری مراعات دی جا رہی ہیں۔ ان تمام اقدامات سے عوام مستفید ہوئے ہیں۔

بجٹ کے کاغذات کے ساتھ ساتھ کتابچہ اکنامک ریویو (معاشی جائزہ) بھی آپ کو دیا گیا ہے۔ اس کے مطالعہ سے آپ پر یہ بات عیاں ہو جائیگی کہ یہ ریاست مجموعی طور پر کس حد تک ترقی کی راہ پر آگے بڑھی ہے۔ زراعت اور صنعت، تعلیم اور صحت عامہ اور دیگر سماجی خدمات، تعمیرات عامہ اور شہری اور دیہی منصوبہ بندی میں ترقیاتی سرگرمیوں میں بڑی تیزی آگئی ہے۔

بجلی کے شعبہ میں سنہ ۸۰-۱۹۷۷ء سے ہماری کامیابیاں خصوصی طور پر ذکر کی مستحق ہیں۔ موجودہ بجلی بحران کی اہم وجہ یہ ہے کہ سنہ ۱۹۶۵ء اور سنہ ۱۹۷۷ء کے دوران اس ریاست میں بجلی کی پیداواری صلاحیت میں ایک میگاواٹ کا بھی اضافہ نہیں کیا گیا۔ درمیانی عرصہ میں بجلی کی پیداوار میں اضافہ اور سپلائی میں بہتری کے لئے مختصر عرصہ کے اقدامات کرنے کے علاوہ ہم لوگوں نے سنہ ۸۰-۱۹۷۷ء میں طویل مدتی اقدامات کے لئے پہل کی جس کے نتیجے میں اس ریاست میں ۸۲-۱۹۸۱ء سے لیکر ۸۸-۱۹۸۷ء تک ہر سال اس ریاست میں بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت میں مسلسل اضافہ ہوتا رہیگا۔ امید کی جاتی ہے کہ ان اقدامات سے مغربی بنگال میں بجلی کی تنصیبی صلاحیت سنہ ۱۹۷۷ء میں جتنی تھی سنہ ۸۸-۱۹۸۷ء میں اس سے کم سے کم ۲ گنا زیادہ ہو جائیگی۔

اصلاحات آراضی کے بہتر اقدامات، ہماری آبپاشی کے نظام میں تجدید کاری، پنچایتوں کی ترقیاتی سرگرمیاں، قرض کی فراہمی میں آسانی اور زرعی مزدوروں، درمیانی درجہ اور چھوٹے کسانوں اور بٹائی داروں کی ضرورتوں کے سلسلے میں ریاستی حکومت کی مکمل واقفیت کی وجہ سے دیہی علاقوں میں آمدنی میں اضافہ سے زیادہ سے زیادہ دیہی عوام مستفید ہو رہے ہیں۔ حکومت اور عوام کی پُرخلوص کوشش سے دس لاکھ سے زیادہ برگا داروں کے نام کاغذات آراضی میں درج ہو چکے ہیں اور اب وہ بینکوں کے قرض کی سہولتوں سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ سنہ ۱۹۷۷ء کے بعد سے اس ریاست کے تقریباً تمام ضلعوں میں زرعی مزدوروں کی اجرت بڑھ کر دوگنی ہو گئی۔

ہمارا صنعتی ڈھانچہ ہمارے معاشی ڈھانچہ کا جزو لاینفک ہے۔ جب تک اس ملک کے عوام کی بڑی اکثریت کی وسیع پیمانہ پر ادارہ جاتی اصلاحات کے ذریعہ قوت خرید میں اضافہ نہیں ہوگا اس وقت تک صنعتی ترقی کے لئے اندرون ملک بازار کی کمی محسوس ہوتی رہیگی اور صنعتی ترقی کی رفتار سست رہیگی۔

مرکزی حکومت کی مختلف اہم چیزوں کی قیمتوں کے سلسلہ میں پالیسیاں، مختلف ریاستوں کو دی جانے والی پلان امداد سے متعلق پالیسیاں، مرکزی مصارف کی علاقہ وار تقسیم میں جانب داری اور بینکوں اور دیگر عوامی مالیاتی اداروں سے فراہم کردہ ایڈوانس کی علاقہ وار تقسیم میں رواداری — ان تمام باتوں کی وجہ سے ایسا عدم توازن پیدا ہو گیا ہے جہاں مشرقی علاقہ کو — اور خاص طور پر مغربی بنگال کو غیر نشوونما سے پیدا ہونے والے قومی بحران کا بوجھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔

سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء اور سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء کے درمیان ہم نے اپنے منصوبہ کے مصارف میں ۱۰۰ کروڑ روپئے کا اضافہ کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ لیکن اب منصوبہ بندی کمیشن نے اس بات کا اصرار کیا کہ آئندہ سال سے ریاستی پلان میں صرف ۹۰ کروڑ روپئے کا اضافہ ہونا چاہئے، اس کے ساتھ ہی خصوصی پروجیکٹ کے لئے جیسے قبائلی رفاہ کا فروغ اور پہاڑی کی ترقی وغیرہ مرکزی حکومت کے اخراجات بھی اسی اضافہ میں شامل ہو۔ ان باتوں کے پیش نظر ہم صرف یہی نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ مرکزی حکومت یہ نہیں چاہتی کہ ریاستوں میں، جہاں ترقی کے ثمر پر صرف امیروں کی اجارہ داری نہیں ہوگی بلکہ اس سے تمام لوگ مستفید ہوں گے ترقی کی رفتار میں تیزی آئے۔

ہماری تجویز یہ تھی کہ ہمارے ریاستی پلان لگ بھگ ۵۰۰ کروڑ روپئے کا ہو، لیکن ہماری اس تجویز کو انتہائی حد تک کم کر دی گئی اور دوسری طرف ایک ریاست کے لئے جس کی آبادی مغربی بنگال کی آبادی کی نصف سے بھی کم ہے، ہمارے پلان کی سائز سے بھی بڑے سائز کے پلان کی اجازت دی گئی۔ اس تجویز کے مطابق کہ ان ریاستوں کو جو وسائل اکٹھا کر سکتے ہیں، انھیں زیادہ سے زیادہ وسائل اکٹھا کرنے کی اجازت دی جانی چاہئے، اس اصول کی روشنی میں بھی اس قسم کی تفریق کی وضاحت نہیں کی جا سکتی۔ ریزرو بنک آف انڈیا کے حالیہ جائزہ سے یہ حقیقت عیاں ہو گئی ہے کہ سال رواں میں ۲۲ ریاستوں نے یہ تجویز پیش کی کہ وہ سب ملکر ۴۶ کروڑ روپئے بطور مزید محاصل اکٹھا کریں۔ اس رقم کا نصف یعنی ۲۳ کروڑ روپئے صرف مغربی بنگال نے اکٹھا کیا۔ وسائل اکٹھا کرنے کے لئے ہماری کوششوں کا مرکزی حکومت پر کچھ اثر نہیں پڑا۔ اس سے زیادہ غیر معمولی بات یہ تھی کہ مغربی بنگال والی ریاست سے جس کے لئے

ریاستی بجٹ سنہ ۱۹۸۲-۸۱ء ایک نظر میں

(ہزاروں [illegible])

آمدنی	حقیقی ۱۹۸۰-۷۹ء	بجٹ ۱۹۸۱-۸۰ء	نظر ثانی کردہ ۱۹۸۱-۸۰ء *	بجٹ ۱۹۸۲-۸۱ء
ابتدائی روکڑ باقی :-	+۱۸,۲۳,۴۳	-۲۳,۰۰,۰۰	-۶۵,۰۱,۰۰	-۶۵,۰۱,۰۰
محاصل سے آمدنی	۹,۶۳,۱۴,۵۰	۱۱,۲۳,۷۲,۸۸	۱۱,۷۵,۷۰,۸۵	۱۲,۹۷,۰۶,۵۳
قرضوں کی مد سے آمدنی عوامی قرض :-	۹,۰۱,۰۶,۲۸	۵,۳۴,۹۹,۸۵	۹,۶۲,۸۱,۰۴	۷,۲۰,۲۶,۳۰
قرض :-	۲۸,۹۲,۱۰	۴۶,۷۱,۹۰	۵۴,۸۷,۴۵	۳۹,۸۶,۶۴
اتفاقی ضروریات (کنٹنجنسی) فنڈ اور پبلک اکاؤنٹس سے آمدنی :-	۱۳,۹۸,۸۳,۴۶	۱۳,۷۴,۸۶,۷۱	۱۵,۷۱,۴۳,۴۷	۱۵,۷۲,۷۹,۹۱
کل :-	۳۳,۱۰,۱۹,۷۷	۳۱,۵۶,۹۱,۲۴	۳۶,۹۹,۸۱,۸۱	۳۵,۶۵,۴۸,۳۸

اخراجات

مکررہ (ریونیو) اخراجات	۹,۷۶,۸۴,۹۰	۱۱,۰۹,۵۵,۶۴	۱۱,۷۹,۷۳,۳۲	۱۲,۹۳,۰۵,۹۵
غیر مکررہ (کیپٹل) اخراجات	۸۰,۸۵,۷۰	۱,۷۱,۷۹,۶۲	۲,۰۰,۳۰,۶۷	۱,۴۸,۷۰,۱۵
قرضوں کے مد پر اخراجات عوامی قرض :-	۷,۱۵,۶۹,۸۶	۳,۲۷,۲۴,۰۸	۶,۹۲,۷۷,۴۱	۵,۲۱,۴۴,۷۶
قرض	۱,۴۶,۱۰,۱۷	۲,۰۴,۸۱,۴۳	۲,۰۵,۴۸,۹۶	۲,۱۶,۰۸,۹۴
اتفاقی ضروریات (کنٹنجنسی) فنڈ اور پبلک اکاؤنٹس پر خرچ :-	۱۴,۳۰,۹۶,۲۳	۱۳,۲۶,۵۰,۲۲	۱۴,۸۶,۵۲,۴۵	۱۵,۲۲,۸۸,۸۰
آخری روکڑ باقی :-	-۴۰,۲۷,۰۹	-۸۳,۲۹,۶۴	-۶۵,۰۱,۰۰	-۱,۰۷,۰۱,۰۰
کل :-	۳۳,۱۰,۱۹,۷۷	۳۱,۵۶,۹۱,۲۴	۳۶,۹۹,۸۱,۸۱	۳۵,۶۵,۴۸,۳۸

کل نتیجہ :-

فاضل (+) کمی (-)

(الف) ریونیو اکاؤنٹ پر	-۱۳,۷۰,۴۰	+۱۴,۱۷,۲۴	-۴,۰۲,۴۷	+۲۳,۵۰,۵۸
(ب) ریونیو اکاؤنٹ کے باہر مد پر	-۴۴,۸۰,۱۲	-۷۴,۴۶,۸۸	+۴,۰۲,۴۷	-۷۵,۵۰,۵۸
(ج) کل ابتدائی روکڑ باقی کو چھوڑ کر	-۵۸,۵۰,۵۲	-۶۰,۲۹,۶۴	—	-۴۲,۰۰,۰۰
(د) کل ابتدائی روکڑ باقی کو لیکر	-۴۰,۲۷,۰۹	-۸۳,۲۹,۶۴	-۶۵,۰۱,۰۰	-۱,۰۷,۰۱,۰۰
(ہ) اکٹھا کئے گئے مزید وسائل	—	(۱) ۱۵,۰۰,۰۰ (۲) ۲۵,۰۰,۰۰	—	+۴۲,۰۰,۰۰
(ز) کل مع ابتدائی روکڑ باقی (د) اور (ہ) میں درج رقوم	—	-۴۳,۲۹,۶۴	—	-۶۵,۰۱,۰۰

* جیسا کہ ریزرو بینک آف انڈیا نے بتایا ہے۔ [illegible] کے نتیجہ میں [illegible] سلسلہ میں [illegible] میں مرکزی حکومت کے پاس تجویز پیش کی گئی تھی۔

۸۱-۱۹۸۲ء کے منصوبہ کے لئے مرکزی امداد ۱۱۹ کروڑ سے گھٹ کر ۹۰ کروڑ روپئے ہوگئی۔ اس سلسلہ میں میں آپ کے سامنے ایک مثال پیش کروں گا۔ ملک کے مشرقی اور شمال مشرقی علاقہ میں بجلی کی شدید قلت ہے۔ لیکن اس حقیقت کے باوجود چھٹے پنجسالہ منصوبہ میں اس علاقہ کے لئے بجلی کی پیداواری صلاحیت میں اضافہ کے لئے بہت ہی کم گنجائش رکھی گئی ہے۔

آپ سبھی اس امر سے واقف ہیں کہ مرکز قیمتوں میں اضافہ کی پالیسی پر عملدرآمد کر رہا ہے۔ جب قیمتیں بڑھتی ہیں تو مقررہ آمدنی والے لوگ اور محنت کش طبقہ کے لوگ بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ ان لوگوں کی اعانت کے لئے ہم لوگ مرکز سے برابر اس بات کی درخواست کر رہے ہیں کہ وہ سارے ملک میں شہروں اور دیہاتوں کے عوام کے درمیان چودہ اہم لازمی چیزوں کی مناسب قیمتوں پر تقسیم کے لئے عوامی تقسیم کے انتظام کو توسیع کرے۔ ایک سال سے زیادہ عرصہ قبل وعدہ کرنے کے باوجود مرکزی حکومت نے اس سلسلہ میں ایک ٹھوس قدم نہیں اٹھایا۔

اس ریاست کے مالیاتی اور معاشی مسائل اس بات سے اور بھی پیچیدہ بن گئے ہیں کہ مرکز کا رویہ ہمارے اس نظریہ کے سلسلہ میں کہ ریاستوں کے درمیان تقسیم کئے جانے والے مجموعی وسائل میں کافی اضافہ کرنا چاہئے، نہایت ہی غیر ہمدردانہ ہے۔ دوسری طرف مرکز نے کئی ایک ایسے اقدامات کئے جن کا مجموعی اثر یہ ہوگا کہ ریاستوں کے محدود اختیارات میں اور بھی کمی ہو جائے گی۔

اس ریاست میں نئی صنعتی یونٹیں قائم کرنے یا بیمار یونٹوں کے احیاء کے سلسلے میں مرکزی حکومت کا تعاون عام طور پر مایوس کن رہا ہے بہت سی باتوں کے سلسلے میں جیسے ہلدیہ میں جہازوں کی مرمت کا کارخانہ، درگاپور میں ٹرک تیار کرنے کا کارخانہ، سالٹ لیک شہر میں الیکٹرونڈ پروجیکٹ وغیرہ، ماضی میں کئے گئے وعدوں کو پورا نہیں کیا گیا۔ مرکز نے اب تک چھٹے پنجسالہ منصوبہ میں ہلدیہ میں ہمارے پٹرو کیمیکل کمپلکس کے قیام کے لئے رقوم مختص نہیں کیں حالانکہ کئی ایک ریاستوں میں اس طرح کے پروجیکٹوں کے لئے گنجائش رکھی گئی۔

اس سال اس ریاست میں بہت ہی اچھی فصل ہونے کی امید ہے۔ اس سلسلہ میں یہاں پاٹ اگانے والے چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کی پریشانیوں کا ذکر کروں گا، کیونکہ مرکز کے رویہ کی وجہ سے یہ بری طرح متاثر ہوئے۔ اس ریاست میں سال رواں میں پاٹ کی کافی اچھی فصل ہوئی، لیکن جوٹ کارپوریشن آف انڈیا کو اس بات پر کسی طرح بھی آمادہ نہیں کیا جا سکا کہ وہ مقررہ سہارہ کی قیمتوں کی کم سے کم شرحوں پر کافی مقدار میں پاٹ خریدے۔ اس کے نتیجہ میں پاٹ کی قیمتیں بہت زیادہ گر گئیں اور بے ایمان تاجروں اور دیگر افراد نے اس کا فائدہ اٹھایا۔

ریاستی حکومت ۱۹۵۳ء سے کسانوں کو کھاد، بیج اور جراثیم کش ادویہ خریدنے کے لئے موسمی قرض دے رہی ہے۔ اب تک اس مد میں بقیہ قرض، اصل اور سود ملا کر ۳۶ کروڑ روپئے سے زیادہ کا ہو گیا ہے۔ قرض کی زیادہ رقم چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کے ذمہ باقی ہے۔ یہ ایسے کسان ۱۹۷۸ء کے سیلاب اور افراط زر کی وجہ سے قرض ادا کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت نے یہ اعلان کرتے ہوئے مسرت محسوس کر رہی ہے کہ غیر سیراب کردہ علاقوں میں چھ ایکڑ زمین اور سیراب کردہ علاقوں میں چار ایکڑ زمین رکھنے والے کسانوں کے ذمہ قرض کو فوری طور پر معاف کر دیا گیا ہے۔

درمیانی طبقہ اور نچلے درمیانی طبقہ کے لوگ، ساتھ ہی مزدور اور کسان مرکزی حکومت کے افراط زر کی پالیسیوں کا شکار بنے ہیں۔ اس لئے مجھے گروپ انشورنس کے ایک نئے پروگرام کا اعلان کرتے ہوئے خوشی حاصل ہو رہی ہے۔ اس پروگرام سے مذکورہ طبقوں کے بہت سارے لوگوں کو فائدہ پہونچیگا۔ بے روزگاری امدادی پروگرام ۳۱ مارچ ۱۹۸۰ء کو تین سال مکمل کرے گا۔ اس پروگرام سے تقریباً ۳ لاکھ افراد کو فائدہ پہونچا۔

تنخواہ کمیشن نے حال ہی میں اپنی رپورٹ داخل کی ہے۔ اس کمیشن کی سفارشات پر غور کیا جا رہا ہے۔ ریاستی حکومت نے کمیشن کی ان سفارشات کو کہ ایک سرکاری ملازم کی کم سے کم تنخواہ ۲۲۰ روپئے فی ماہ ہو اور تعلیمی اداروں کے اساتذہ اور دیگر ملازمین کو فی ماہ ۳۱-۳۹ روپئے کی مہنگائی تنخواہ دی جائے، کو تسلیم کر لیا۔ ان لوگوں کو مہنگائی تنخواہ نہیں دی جاتی تھی۔

اس کے علاوہ تنخواہ کمیشن کی سفارش کے مطابق ان سرکاری ملازمین کو جنہوں نے یکم اپریل ۱۹۷۸ء یا اس کے بعد ریٹائرڈ کیا ہے، ریٹائرمنٹ مراعات دی جائے گی۔

اب میں آپکے سامنے آنے والے سال کے لئے بجٹ کے مالیاتی پہلوؤں کی تفاصیل پیش کروں گا۔ ریزرو بنک آف انڈیا کے مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۸۰ء کو ریاستی حکومت کے اکاؤنٹس میں منفی اور آخری روکڑ باقی ۶۵ کروڑ روپیہ تھا۔ اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ۸۱-۱۹۸۰ء کے مالی سال میں بھی آخری روکڑ باقی ۶۵ کروڑ روپیہ ہوگا۔ تخمینی ہمارا مرکزی امداد کے پیش نظر ہمیں ۸۲-۱۹۸۱ء کے منصوبہ کو جس میں ۸۱-۱۹۸۰ء کے منصوبہ کے مقابلہ مزید ۹۰ کروڑ روپیہ کے مصارف کی گنجائش رکھی گئی ہے، پایۂ تکمیل تک پہونچانا ہوگا۔ اس کے علاوہ تنخواہ کمیشن کی سفارشات کی تکمیل کے لئے بھی رقم مختص کرنے کا سوال ہے، اگرچہ موجودہ تخمینہ میں اس مد میں اخراجات کو پیش نظر نہیں رکھا گیا۔

مزید وسائل اکٹھا کرنے کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے ساتھ ہمیں مزید ٹیکس عائد کرنے کے سلسلہ میں ایک حد کے اندر رہنا پڑتا ہے — اس لئے ہم چھوٹی بچت سے رقم اکٹھا کرنے پر زیادہ زور دے رہے ہیں، کیونکہ جتنی رقم اس مد میں ہم اکٹھا کریں گے اس کی دو تہائی ہمیں قرض کے طور پر واپس مل جائے گی۔ سال رواں میں نشانہ یہ ہے چھوٹی بچت کے تحت ۲۱۶ کروڑ روپئے اکٹھا کئے جائیں تاکہ ہمیں ۱۴۴ کروڑ روپئے مرکز سے بطور قرض مل سکے۔ ہمارے اندازہ کے مطابق ۳۱ مارچ ۱۹۸۲ء کو کل ۱۰۷ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔ اس لئے میں محاصل حاصل کرنے کے لئے کئی ایک تجاویز پیش کرنا چاہتا ہوں۔

اس قسم کے اقدامات کے سلسلہ میں فیصلہ کرنے میں میں نے بہت ساری باتوں کو زیر غور رکھا۔ بجٹ میں جو خسارہ ہے، اسے کم کرنے کی اشد ضرورت ہے ساتھ ہی اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ ریاست کے محصول کے ڈھانچہ میں اس طرح رد و بدل کیا جائے کہ اس سے عوام کو کچھ نہ کچھ راحت پہونچے اور صنعت و کاروبار کو کچھ بڑھاوا ملے تاکہ مغربی بنگال میں روزگار کے مواقع اور معاشی سرگرمیوں میں تیزی سے اضافہ ہو۔ بہرحال وسائل اکٹھا کرنے کے سلسلہ میں میری چند تجویزیں ہیں۔ میری تجویز یہ ہے کہ سیلس ٹیکس کے ڈھانچہ کو سہل بنا دیا جائے اور روزگار اور پیداوار کی ہمت افزائی کرنے کے لئے بہت ساری مراعات دی جائیں۔ اس سلسلہ میں میں ایک جامع بل پیش کروں گا، جس میں بنگال فائننس (سیلس ٹیکس) ایکٹ ۱۹۴۱ء، بنگال سیلس ٹیکس ایکٹ ۱۹۵۴ء اور اس طرح کے دیگر ایکٹ، ایک ایکٹ کی شکل میں شامل ہونگے۔ اہم مراعات کے اقدامات کے سلسلہ میں

میں یہ اعلان کرتا ہوں کہ سیلس ٹیکس کی ادائیگی سے چھوٹ کی مدت کو شہر کلکتہ میں واقع چھوٹی صنعتی یونٹوں کے لئے تین سال بڑھاکر پانچ سال اور کلکتہ کے باہر کے علاقوں میں بڑھاکر سات سال کر دیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس چھوٹ سے مستفید ہونے والی یونٹوں کے انتہائی سرمایہ کو دس لاکھ سے بڑھاکر ۲۰ لاکھ کر دیا گیا ہے۔ میری تجویز یہ ہے کہ تیار کردہ ادویہ پر سیلس ٹیکس کی شرح ۷ فی صد سے گھٹاکر ۴ فی صد کر دی جائے۔ نیز غیر آہنی ٹیوب پائپ، روڈس، تار اور چادروں پر جب انھیں رجسٹرڈ ڈیلروں اور صنعتکاروں کے ہاتھ فروخت کیا جائے گا، سیلس ٹیکس کی شرح ۴ فی صد سے گھٹاکر ۲ فی صد کر دی جائے۔ اخبارات شائع کرنے والوں نیوز پرنٹ کی بین ریاستی فروخت پر عائد ٹیکس کو ختم کر دیا جائیگا۔ نیز چھوٹے اور درمیانی درجہ کے اخباروں کو اتنی رقم بطور گرانٹ۔ ان ایڈ دی جائے گی جتنی رقم وہ نیوز پرنٹ کی خریداری پر بطور سیلس ٹیکس ادا کرتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت کسی بھی سال میں ان اخباروں کو جن کی گذشتہ سال جانچ کردہ اوسط سرکولیشن ۱۵ ہزار اور ۵۰ ہزار سے زیادہ نہ ہو، علی الترتیب چھوٹا اور درمیانی درجہ کا اخبار سمجھا جائیگا۔ اسی طرح میری تجویز یہ ہے کہ سگریٹ پر عائد انٹری ٹیکس اور تمباکو، سگار اور چیروٹ پر عائد ٹیکس کی شرحوں میں کمی کی جائے۔ سیلس ٹیکس اور انٹری ٹیکس میں کمی کی وجہ سے بہت ساری صنعتی مصنوعات اور اشیاء صارفین کی قیمتوں میں کمی ہوگی۔ اس کے نتیجہ میں اس ریاست میں ان چیزوں کی زیادہ پیداوار ہوگی اور اس طرح روزگار کے مواقع میں بھی کافی اضافہ ہوگا۔ نیز اس طرح صنعتی سرگرمیوں میں تیزی اور توسیع سے ۸۲-۱۹۸۱ء میں محصول میں ۵ کروڑ روپئے تک کا اضافہ ہوگا۔ سیلس ٹیکس اور ابواب میں مجوزہ تبدیلی لانے کے لئے اسمبلی کے موجودہ اجلاس میں مناسب ترمیمی بل پیش کئے جائیں گے۔

مزید محصول اکٹھا کرنے کے بہتر سے اقدامات کی وجہ سے لگ بھگ ۴۲ کروڑ روپئے وصول ہوں گے اور اس طرح ۸۲-۱۹۸۱ء کے آخر میں بھی ہمارے بجٹ میں آخری روکڑ باقی میں ۶۵ کروڑ روپئے کی کمی ہوگی۔ اس لئے میری تجویز یہ ہے مرکزی حکومت ہمارے معاملہ پر ہمدردی سے غور کرے اور ۶۵ کروڑ روپئے کی اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ہمیں لمبی مدت کا قرض دے۔

(باقی صفحہ ۱۱ پر)



ریاستی بجٹ برائے ۸۲-۱۹۸۱ء کی خاص خاص باتیں

★ عام لوگوں پر مزید ٹیکس کا بوجھ عائد نہیں کیا گیا۔

★ تقریباً ۴ کروڑ روپے کے دیہی قرض معاف کر دینے کی تجویز پیش کی گئی۔

★ بائیں محاذ حکومت کے برسراقتدار آنے کے بعد سے اس ریاست کے تقریباً تمام ضلعوں میں زرعی مزدوروں کی اجرتیں دوگنی ہو گئیں۔

★ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ریاستی بجٹ میں مصارف کا تخمینہ ۷۶۶ کروڑ روپیہ تھا۔ لیکن سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء میں یہ تخمینہ بڑھ کر ۱۵۸۵ کروڑ روپیہ ہو گیا۔ اس کی وجہ سے حکومت کی ترقیاتی سرگرمیوں میں کافی توسیع ہوئی اور ان سے اس ریاست کے عام لوگوں کو کافی فائدہ پہنچا۔

★ مرکزی حکومت کی افراط زر کی پالیسیوں سے درمیانی طبقہ اور نچلے درمیانی طبقہ کے لوگ، ساتھ ہی مزدور اور کسان بری طرح متاثر ہوئے ان لوگوں کو راحت پہنچانے کے لئے ریاستی حکومت نے گروپ انشورنس پروگرام کا اعلان کیا۔

★ ریاستی حکومت نے تنخواہ کمیشن کی اس سفارش کو تسلیم کر لیا کہ سرکاری سیکٹر میں ایک ملازم کی بنیادی تنخواہ کم از کم ۲۲۰ روپئے فی ماہ ہونی چاہیئے۔

★ دیہی علاقوں میں روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع پیدا کرنے اور ترقیاتی سرگرمیوں میں مزید تیزی لانے کے لئے ریاستی حکومت اپنا ایک بنک کھولنے کے لئے ریزرو بنک آف انڈیا کے پاس درخواست داخل کی ہے۔

★ ریاستی حکومت نے ریٹائرڈ سرکاری ملازمین کی پنشن میں مزید اضافہ کا اعلان کیا ہے۔

★ عام لوگوں کے فائدہ کیلئے ریاستی حکومت نے بہت ساری اشیاء صارفین پر سیلز ٹیکس اور انٹری ٹیکس میں کمی کرنے کا اعلان کیا ہے۔

ہمیں اپنی روایات پر مبنی قدیم اور مالامال اپنے تہذیبی ورثہ پر فخر ہے

شری بودھ دیو بھٹاچاریہ، وزیر اطلاعات وثقافتی امور

شری بودھ دیو بھٹاچاریہ، وزیر اطلاعات وثقافتی امور، حکومت مغربی بنگال نے ۶ مارچ سنہ ۸۱ء کو ریاستی اسمبلی کے بجٹ اجلاس میں اپنے محکمہ کا بجٹ پیش کرتے ہوئے اپنے محکمہ کی مختلف سرگرمیوں کا ذکر کیا۔ انھوں نے کہا کہ ہم انسانیت پر مبنی ثقافت کو فروغ دینا اور پھیلانا چاہتے ہیں۔ وزیر موصوف کی تقریر کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے :-

شری بدھ دیو بھٹاچاریہ، وزیر اطلاعات وثقافتی امور نے اسمبلی میں ۸۲-۱۹۸۱ء کے لئے اپنے محکمہ کا بجٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں "اطلاعات اور پبلسٹی" کی مد کے تحت ۴۸،۶۷،۰۰۰ روپیہ "اطلاعات اور پبلسٹی پر مصارف سرمایہ" کی مد کے تحت ۴۰،۷۲،۰۰۰ روپیہ اور "اطلاعات اور پبلسٹی کے لئے قرضہ" کی مد کے تحت ۲۷،۳۰،۰۰۰ روپیہ کی گرانٹ کی منظوری کی تجویز پیش کرتا ہوں۔

انھوں نے مزید کہا کہ حکومت بائیں محاذ تین برسوں سے زیادہ مدت سے ریاست کا نظم ونسق چلا رہی ہے۔ اس دوران پروگراموں کی تکمیل اور کامیابیوں کے حصول کو ریاست بھر میں عوام کے بہت بڑے طبقہ نے دلی طور پر تائید اور حمایت کی ہے۔ میرے محکمہ کا کام اس ریاست میں تمام سطحوں پر حکومت اور عوام کے درمیان رابطہ کو برقرار رکھنا ہے۔ میرے محکمہ کی یہ اہم ذمہ داری ہے کہ وہ اُن تمام اقدامات اور پالیسیوں نیز اُن پر عملدرآمد کے بارے میں عوام کو معلومات بہم پہنچائے جو حکومت نے محنت کش عوام کے مفادات کے لئے اپنائی ہیں اور اس کے ساتھ ہی حکومت کے مختلف محکموں کے پروگراموں کے بارے میں عوام کی آراء اور ردعمل سے متعلق صحیح معلومات بہم پہنچائے حکومت کو اُن کی بنیاد پر محکمہ جاتی پروگرام بنانے میں مدد ملے۔

ریاستی حکومت دیانت داری پر مبنی آزاد اخباروں اور صحافت کی ہمت افزائی کرتی ہے۔ حکومت اشتہارات کی تقسیم میں بلالحاظ سیاسی وابستگی ایک جمہوری اور غیر جانبدارانہ پالیسی پر عمل کرتی ہے۔ چھوٹے اور درمیانی درجہ کے اخبارات کے معاملوں میں جانچ کا کام مکمل ہوگیا ہے اور اس کی مختلف سفارشات پر عملدرآمد کے لئے رپورٹوں کی بھرپور جانچ کا کام ہو رہا ہے۔

ایک سفارش یہ ہے کہ چھوٹے اور درمیانی درجہ کے اخبارات کے پریشان حال صحافیوں کو مالی امداد دینے کی اسکیم شروع کی جائے۔ اس مقصد کے لئے ضروری اقدام کیا جارہا ہے۔

حکومت نے بنگلہ اخبار "دینک بسومتی" کی مالی اور دیگر ذمہ داریاں قبول کر کے ایک اخبار کو تباہی سے بچا لیا اور اُسے صحافتی دنیا میں پھر سے اعلیٰ مقام دلادیا۔ گزشتہ سال اس اخبار کو ۲۲،۴۶ لاکھ روپیہ کا قرضہ دیا گیا۔ اس سال بھی مشینوں کی خریداری کے لئے ۱۵ لاکھ روپیہ اور انتظامی اخراجات کے لئے ۱۴ر۳۵ لاکھ روپیہ کا قرضہ دیا گیا ہے۔ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اس روزنامہ کو مالی سال رواں کے دوران کو مزید رقم کی ضرورت نہیں پڑے گی جب مختلف سرکاری محکموں کے ذمہ بقایا رقم ۱۸،۲۶ لاکھ روپیہ وصول ہو جائے گی۔ تب یہ اخبار خود کفیل ہو جائے گا۔ اس اخبار کی تعداد اشاعت ستمبر ۱۹۷۹ء میں ۱۸۶۲۳ تھی جو ستمبر ۱۹۸۰ء میں بڑھ کر ۳۱۸۷۰ ہوگئی۔ اس تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے اب یہ تعداد ۵۰ ہزار کے قریب ہوگئی ہے۔ سنہ ۱۹۷۸ء میں اخبار کو اشتہارات سے ۱۵،۴۶ لاکھ روپیہ کی آمدنی ہوئی۔ سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء کے پہلے نصف میں یہ رقم بڑھ کر ۱۰،۱۴ لاکھ روپیہ ہوگئی جو بلاشبہ ایک شاندار کامیابی ہے۔

ہم اس سے باخبر ہیں کہ کچھ مفاد پرست حلقے حکومت کی ہمہ جہت ترقیاتی سرگرمیوں کو دیدہ ودانستہ توڑ مروڑ کر پیش کر رہے ہیں۔ یہ قومی پریس کی نیز دیگر ریاستوں میں بہت زیادہ سرگرم ہیں۔ لہٰذا ان ریاستوں میں انفارمیشن سنٹروں کے قیام کے ذریعہ اپنی سرگرمیوں سے براہ راست عوام کو روشناس کرا رہے ہیں۔ سردست ایسے دو سنٹر مدراس اور اگرتلہ میں کھولے گئے ہیں اور کٹک میں ایسا

خبر کرنے کے انتظامات کئے جا رہے ہیں۔ اگلے سال پٹنہ، بمبئی، ترویندرم اور مدراس میں [illegible] قائم کئے جائیں گے۔

ریاستی محکمہ اطلاعات سرکاری جریدہ "پچھم بنگلہ" چھ زبانوں میں شائع کرتا ہے۔ ان کے خریداروں کی تعداد میں برابر اضافہ ہو رہا ہے۔ ان جریدوں کی مقبولیت کا اندازہ ان خطوط سے لگایا جا سکتا ہے جو بڑی تعداد میں ان جریدوں کے بارے میں روزانہ اضلاع، شہروں اور دیہی علاقوں سے اس محکمہ میں موصول ہوتے ہیں۔

مادری زبان میں سرکاری کام کرنے کے ضمن میں کچھ پیش رفت ہوئی ہے۔ سو بنگلہ ٹائپ رائٹر خریدے گئے ہیں اور ان کو ضرورت کے مطابق کلکتہ اور اضلاع کے دفتروں کو بھیجا جا رہا ہے۔ پچاس نیپالی ٹائپ رائٹر دارجلنگ میں مختلف سرکاری دفتروں کو بھیجے گئے ہیں۔ دارجلنگ میں نیپالی زبان کا ایک چھاپہ خانہ کھولنے کا کام کافی آگے بڑھا ہے۔

اس سال ہم نے دہلی، چنڈی گڑھ، لکھنؤ، جے پور، پٹنہ، کٹک، حیدرآباد، ترویندرم، مدراس، کانپور، لدھیانہ نیز اس ریاست کے ہر ضلع اور سب ڈویژن میں نمائشیں منعقد کی ہیں۔ یہ نمائشیں مختلف موضوعات جیسے "رابندر ناتھ کے تعلیمی افکار" اور "فرقہ واریت اور علیحدگی پسندی رابندر ناتھ کی نظر میں" وغیرہ پر منعقد کی گئیں جن کو بڑی تعداد میں لوگوں نے دیکھا۔

محکمہ کے عوامی تفریح سیکشن، پڑوسی ریاستوں سے ثقافتی روابط قائم کرنے میں بہت زیادہ معاون رہا ہے۔ اس کے پروگراموں کو دہلی میں بار بار سراہا گیا علاوہ ازیں ڈنڈکارنیہ اور کیرالا میں بھی بے حد پسند کیا گیا۔ دارجلنگ کے کلچرل گروپ کے ناچ اور گیت کے پروگرام پہاڑی علاقوں میں بہت زیادہ مقبول ہیں۔

ریاست کی نیم جان فلمی صنعت کے احیاء کے لئے مختلف اسکیمیں شروع کی گئی ہیں۔ ایک کارپوریشن قائم کیا گیا ہے جسے ایک رنگین فلم لیبارٹری قائم کرنے کا کام سپرد کیا گیا ہے۔ حکومت نے دو فلم اسٹوڈیو کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا ہے۔ ان اسٹوڈیو کے لئے انتظامی اخراجات نیز ضروری سازوسامان کی خریداری کے لئے مالی سال رواں کے دوران ۵۶۲۳ لاکھ روپیہ خرچ کیا گیا ہے۔ پروڈیوسروں کو فلم سازی کے لئے ضروری سہولتوں کی فراہمی اور اداکاروں کی مدد کے لئے ایک اسکیم تیار کی جا رہی ہے۔

اس محکمہ نے پوری لمبائی کی دو فیچر فلمیں ممتاز فلم سازوں کی ہدایت کاری میں بنائی ہیں۔ مزید تین فلمیں زیر تکمیل ہیں۔ علاوہ ازیں بچوں کی سات فلمیں مکمل کی جا چکی ہیں اور تین فلمیں تکمیل کے مراحل میں ہیں۔

اس سال چھ دستاویزی فلمیں بنائی گئی ہیں اور مزید پانچ فلمیں قریب تکمیل ہیں۔ فلم پروڈیوسروں کو قرضے دینے کی اسکیم کی جگہ اب [illegible] دینے کی اسکیم شروع کی گئی ہے۔ اس اسکیم کے تحت زیادہ سے زیادہ ۲ لاکھ روپیہ ایک سادی فلم اور ۳ لاکھ روپیہ ایک رنگین فلم کے لئے بالترتیب ۲۵-۵۰ اور ۷۵ فیصدی کام ہونے پر تین قسطوں میں دیا جا رہا ہے۔

اس سال اس مد کے تحت کل ۱۳ فلموں کے لئے ۱۱۶۸۳ لاکھ روپیہ دیا گیا ہے۔ گذشتہ سال اپریل میں کلکتہ میں علاقائی زبانوں کی فلموں کا ایک فیسٹول منعقد کیا گیا۔ اور اس سال جنوری میں بچوں کی فلموں کا فیسٹول منعقد کیا گیا۔ شہری اور دیہی علاقوں میں تھیٹروں کی تعمیر کے لئے نیشنل فلم ڈیولپمنٹ کارپوریشن اور کنارا بنک کے اشتراک سے ایک اسکیم شروع کی گئی ہے۔ ان تھیٹروں میں بڑی تعداد میں بنگلہ فلمیں دکھائی جائیں گی۔

محکمہ تعمیرات عامہ رابندر سدن کے قریب ۸۵ لاکھ روپیہ کی مالیت سے آرٹ فلم تھیٹر کمپلیکس تعمیر کر رہا ہے۔ ایک بل کا مسودہ، جس کے تحت ریاست کے تھیٹر ہالوں میں سال میں کم سے کم ۱۲ ہفتوں تک اس ریاست میں تیار کی گئی فلموں کی نمائش کو لازمی قرار دینے کی تجویز ہے، نومبر ۱۹۷۹ء میں دہلی بھیجا گیا ہے۔ اس بل کو ابھی تک صدر جمہوریہ ہند کی منظوری حاصل نہیں ہوئی ہے۔

ہمیں روایات پر مبنی قدیم اور مالامال اپنے تہذیبی ورثہ پر فخر ہے۔ ہم انسانیت پر مبنی کلچر کو فروغ دینا اور پھیلانا چاہتے ہیں۔ ڈرامہ، ادب، موسیقی، پینٹنگ، فوک کلچر اور آثار قدیمہ کے میدانوں میں ہماری کوششیں اسی مقصد کے حصول کے لئے ہیں۔ کلکتہ، اضلاع، قصبوں اور دیہی علاقوں کے پیشہ وارانہ اور شوقیہ جاترا اور تھیٹر گروپوں کو اس عوامی آرٹ کو مقبول بنانے کے سلسلہ میں اُن کے اہم رول کے لئے گرانٹ اور انعامات دیئے گئے ہیں۔ مزید برآں ڈرامہ کے میدان میں نوجوان اور ہونہار فن کاروں کو وظیفے دیئے گئے ہیں اور غریب ایکٹروں کو مالی امداد دی گئی ہے۔ بچوں کے ادب کا انتخاب "آلور جھلکی" اس محکمہ نے شائع کیا تھا اس کے پہلے ایڈیشن کی ۵۰ ہزار کاپیاں فروخت ہو گئیں اور اب اس کا دوسرا ایڈیشن

شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ ایڈیشن بھی ۵۰ ہزار کاپیوں پر مشتمل ہوگا۔ علاوہ ازیں مشہور انقلابی بھوپیندر ناتھ دت اور لافانی ادیب پریم چند کی تصانیف شائع کرنے کے اقدامات کیے جا رہے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت ریاستی حکومت مانک بندوپادھیا اور نذر الاسلام کی تخلیقات شائع کرنے پر غور کر رہی ہے۔ مالی سال رواں کے دوران ۲۵۰ منتخب ادبی کتابوں کی ۲۴۴-۲۴ نسخے خریدے جائیں گے اور یہ کتابیں ضلع اور سب ڈویژنل انفارمیشن سنٹر کو بھیجی جائیں گی۔ ہم نے خوبی کے اعتبار سے ۱۰۰ مسودوں کو منتخب کیا ہے جن کے مصنفین ان کو شائع نہیں کرا سکے ہیں۔ ان کتابوں کی اشاعت کے اخراجات کا ۵۰ فیصد تک بطور امداد دیا جائے گا۔ اس پر اس سال تقریباً ۳ لاکھ روپیہ کے خرچ ہونے کا تخمینہ ہے۔ پریشان حال آرٹسٹوں کو مالی امداد دینے کی بھی ایک اسکیم شروع کی گئی ہے ریاستی حکومت کلکتہ میں ایک پینٹنگ گیلری کے قیام کی اسکیم پر بھی غور کر رہی ہے۔

پریشان حال مجسمہ سازوں اور پینٹروں کو مالی امداد دینے کے لئے جو اشتہار شائع کیا گیا تھا اس کے جواب میں موصولہ درخواستوں پر غور کیا جا رہا ہے۔ مغربی بنگال میں لوک کلچر کی تنوع ترقی اور احیاء کے لئے ایک کلچر انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں مختلف اضلاع میں لوک کلچر فیسٹول منعقد کئے گئے ہیں۔ انسٹی ٹیوٹ کے ایک جزو کے طور پر ایک میوزیم کا قیام بھی عمل میں لایا گیا ہے۔ علاوہ ازیں میلوں کو مالی امداد دی گئی ہے۔ قبائلی ثقافت میں ریسرچ کے لئے سوری میں ایک سنٹر قائم کیا گیا ہے۔ جھاڑ گرام میں ایک ایسا ہی سنٹر قائم کرنے کی تجویز ہے۔

ریاستی آثار قدیمہ میوزیم کا مالی سال رواں کے دوران ایک نئی عمارت واقع بہالا میں افتتاح کیا گیا۔

تین منطقائی میوزیم ۲۴ پرگنہ، مدناپور اور پورلیا میں قائم کئے جا رہے ہیں۔ اس محکمہ نے مرشد آباد میں ہزار دواری محل اور راما بلڑہ میں تاریخی اور فنی اہمیت کی اشیاء کے تحفظ کی ذمہ داری لی ہے۔ دو جدید تھیٹر، ایک باگ بازار اور دوسرا جودھپور پارک میں۔ تعمیر کرنے کی اسکیم منظور کی گئی ہے اور ان کی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا ہے۔ اضلاع میں پبلک ہالوں کی تعمیر اور تجدید کے لئے مالی امداد دی گئی ہے۔ صدر جمہوریہ ہند نے اس بل کے لئے منظوری دیدی ہے جس کے تحت ریاستی حکومت کو اضلاع اور سب ڈویژنوں کے صدر مقامات کے رنبدر بھونوں کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لینے کا اختیار دیا گیا ہے۔

ہمارے شاندار ثقافتی ورثہ کے ساتھ ساتھ، انحطاط پذیر کلچر کا تاریک سایہ، بغض اور عناد انگیز طبقاتی تفریق ابھر کر سامنے آگئی ہے۔ یہ انحطاط پذیر کلچر سرمایہ دارانہ عیش اور عشرت اور اسراف بیجا کی بیہودہ اور مذموم نمائش اور ایسے مصنفین کی عریاں اور فحش تخلیقات کے سہارے پروان چڑھ رہا ہے، جنہوں نے فوری فائدہ کے لئے اپنا ضمیر بیچ دیا ہے۔ ہماری ریاست کے لوگوں اور متعدد تنظیموں نے جنھیں اپنا کلچر عزیز ہے، ان رجحانات کے خلاف ایک تحریک شروع کی ہے۔ ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا چاہیئے کہ ان مستحسن مساعی کو کس طرح تقویت پہنچائی جائے۔ ہم امید کرتے ہیں کہ ان انفرادی کوششوں میں حکومت کے تعاون اور دونوں کی متحدہ مساعی سے ہماری سماجی زندگی میں صحت مند ثقافتی ماحول کو بحال کیا جا سکے گا۔ ✽

بقیہ ۔ صٹ کا

حالیہ افراط زر، معاشی نشو و نما میں تقریباً انجماد اور اس کے نتیجہ میں بڑھتی ہوئی بے روزگاری نے ریاستی حکومت پر بہت زیادہ بوجھ ڈال دیا ہے۔ ریاستی حکومت کے پاس جو وسائل ہیں، ان سے یہ ان مسائل کو حل نہیں کر سکتی۔ اگر مرکزی حکومت اپنا حکم منوانے پر بضد رہے تو مستقبل میں ان وسائل میں اور بھی کمی ہو جائے گی۔ اس طرح کی صورت حال سے معیشت کو کافی نقصان پہونچے گا اور اس سے نظام حکومت پر بھی اثر پڑے گا۔

ہم لوگ اس ریاست میں برسر اقتدار آئے، اس کی وجہ یہ تھی کہ عوام کی بڑی اکثریت نے ہماری تائید کی اور یہی ان کی خواہش بھی تھی۔ ہم لوگ اب تک برسر اقتدار ہیں کیونکہ ہمیں عوام کی محبت، ہمدردی اور تائید حاصل ہے۔ بجٹ کے ذریعہ ہم کچھ بھی کرنا چاہتے ہیں اس کا مقصد عوام کو فائدہ پہونچانا ہے۔ اس چیلنج میں ہمیں مالی اور دیگر شعبوں میں سخت دشواریوں کا سامنا کرنا پڑے گا، لیکن ہم آگے بڑھیں گے کیونکہ ہمیں اس بات پر پورا اعتماد ہے کہ عوام ہمارے ساتھ ہیں اور ہم عوام کے ساتھ ہیں۔

اقبال

شاہوار بیگم

اردو ادب میں آج بھی ادبی لطائف خصوصی توجہ کے محتاج ہیں۔ گو ادبی لطائف کا آغاز بیسویں صدی کی ابتدا ہی سے شروع ہو چکا تھا، مضمون اور ہر خواجہ الطاف حسین حالی اور محمد حسین آزاد نے اپنی شاہکار تصانیف "آب حیات" "افشائے حالی" میں کچھ لطائف جمع کئے تھے اس کے بعد ابدالی آسی نے اپنی تصنیف "خندہ گل" میں کچھ ظریف شعراء کے لطائف کو یکجا کر کے شائع کیا تھا۔ نریش کمار شاد مرحوم ایک عرصہ تک ہند و پاک کے متعدد رسائل میں مختلف شعراء اور ادباء کے لطائف جب تک وہ بقید حیات تھے لطائف شائع کراتے رہے۔

علامہ اقبال کا جشن صد سالہ سالگرہ پوری دنیا میں دھوم دھام سے منایا گیا۔ علامہ اقبال کی شخصیت اور شاعری پر کئی کتابیں لکھی گئیں اور اب علامہ کے فن کو نئے نئے زاویے سے پرکھا جا رہا ہے۔ میں اب ذیل میں علامہ اقبال کے کچھ لطائف درج کر رہی ہوں۔

وطن کی بہنیں

علامہ اقبال کے ہاں مولوی انشاء اللہ خان مدیر "اخبار وطن" آیا جایا کرتے تھے ان دنوں ڈاکٹر صاحب انارکلی میں قیام فرما تھے۔ انارکلی میں کشمیری طوائفیں بھی رہتی تھیں۔ میونسپلٹی نے طوائفوں کے لئے دوسری جگہ تجویز کی اور انہیں وہاں سے اٹھا دیا گیا اس زمانے میں مولوی انشاء اللہ صاحب کئی مرتبہ ڈاکٹر صاحب سے ملنے گئے آئے لیکن ہر مرتبہ یہی معلوم ہوا کہ ڈاکٹر صاحب باہر گئے ہوئے ہیں۔ اتفاق سے ایک دن جب مولوی صاحب گئے تب ڈاکٹر صاحب گھر پر موجود تھے مولوی صاحب نے پوچھا۔

جب سے طوائفیں انارکلی سے اٹھا دی گئی ہیں آپ کا دل بھی یہاں نہیں لگتا ہے تو ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا۔

"مولوی صاحب آخر وہ بھی تو وطن کی بہنیں ہیں"

میموں کا سایہ

شیخ محمد حبیب اللہ سیدن پور ضلع بارہ بنکی یو پی کے معروف و مشہور تعلقہ دار تھے اور اودھ کے دوسرے تعلقہ داروں کی طرح زیادہ تر لکھنؤ میں رہا کرتے تھے ان دنوں بچوں کو ولایت بھیج کر تعلیم حاصل کرانا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی چنانچہ علی بہادر بھی اپنے بھائیوں کے ساتھ عالم کم سنی میں لندن بھیج دیئے گئے آٹھ سال کی عمر میں لندن جانا اور پورے پندرہ سال بعد وہاں سے وطن واپس ہوئے۔ اس زمانے میں پندرہ سال کا عرصہ ذرا کم نہیں ہوتا تھا سوجھ بوجھ کے ساتھ سیاسیات میں حصہ لینا بھی شروع کیا جب وہ مسلم لیگ کے کارکن کی حیثیت سے لاہور آئے اور ڈاکٹر اقبال سے بطور خاص ملاقات کی۔

تو ڈاکٹر صاحب نے ان سے دریافت کیا۔

"کیوں بھئی ولایت ہو آئے"۔

اس کے جواب میں وہ فخریہ انداز میں بولے۔

"جی ہاں میں تو آٹھ سال کی عمر ہی میں انگلینڈ چلا گیا تھا"

اس جواب کو سن کر ڈاکٹر صاحب کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی اور وہ یک لخت یوں بول اٹھے۔

"پھر آپ کو یوں کہنا چاہیئے۔

"میموں کے سائے میں ہم پل کر جواں ہوئے ہیں"

تہذیب کا پیمانہ

ایک مرتبہ تہذیب و تمدن کے متعلق باتیں ہو رہی تھیں ایک شخص نے کہا کہ تہذیب بڑی نمایاں ترقی کر رہی ہے۔ ڈاکٹر صاحب نے کہا ذرا مجھے بھی تو بتایئے کہ آپ نے تہذیب کو کس پیمانے سے ناپ کے یہ معلوم کیا ہے کہ وہ برابر ترقی کرتی جا رہی ہے۔ اگر آپ کے پاس تہذیب کو ناپنے کا کوئی پیمانہ نہیں تو آپ کو ماننا پڑے گا کہ دور حاضر میں تہذیب روبہ تنزل ہے۔

شاعر کی آنکھیں

ایک مرتبہ فقیر وحید الدین نے زمانہ کی قدر شناسی کا ذکر کیا اور کہا کہ

لوگ اپنے ملک کے بڑے بڑے شاعروں قومی رہنماؤں اور عظیم المرتبت انسانوں کی زندگی میں ان کی قدر نہیں کرتے ڈاکٹر صاحب اس سوال سے بہت متاثر ہوئے اور کسی قدر تامل کے بعد فرمایا تم غور کرو تو معلوم ہوگا کہ جب شاعر کی آنکھیں کھلی ہوتی ہیں تو دنیا کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور جب شاعر کی آنکھیں ہمیشہ کے لئے بند ہو جاتی ہیں تو دنیا کی آنکھیں کھل جاتی ہیں' اور وہ صدیوں تک تعریف و توصیف کے گیت گاتی رہتی ہے۔

کتے

سید واجد علی کو کتے پالنے کا بڑا شوق تھا ایک مرتبہ فقیر وحید الدین صاحب سید واجد علی کے ساتھ علامہ اقبال سے ملنے ان کی کار میں آئے۔ کار میں واجد علی صاحب کے کتے بھی تھے اور وہ ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کرنے اندر چلے گئے اور کتوں کو کار ہی میں چھوڑ آئے تھے۔

تھوڑی ہی دیر بعد علامہ اقبال کی بیٹی منیرہ دوڑتی ہوئی آئی اور کہنے لگی۔

ابا جان موٹر میں کتے آئے ہیں"

ڈاکٹر اقبال واجد علی صاحب اور فقیر وحید الدین صاحب کو دیکھ کر کہنے لگے۔

"نہیں بٹیا یہ تو آدمی ہیں"۔

کاڈلیور آئل

لارڈ کچنر جو ایک زمانہ میں ہند کا کمانڈر ان چیف تھا، بڑے مشہور برطانوی جرنیلوں میں سے تھا۔ پہلی عالمگیر جنگ کے دوران وہ ڈوب چکا تھا۔ جس طرح آج ہٹلر کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہے اور دنیا کے سامنے آنے کے لئے مناسب موقع کا منتظر ہے اسی طرح کچنر کے متعلق بھی یہ افسانہ تراشا گیا تھا کہ وہ ڈوبا نہیں زندہ ہے۔

ڈاکٹر اقبال ایک روز والد بزرگوار کے ساتھ گفتگو تھے اتنے میں ایک خوش فکر بزرگوار نے کہا۔

"سنا ہے کچنر زندہ ہو گیا ہے"

تب ڈاکٹر اقبال نے یک لخت جواب دیا' ممکن ہے کاڈلیور آئل کی صورت میں آگیا ہو۔

بیڈ پوئٹری

۱۹۱۸ء کا ذکر ہے کہ گورنمنٹ کالج لاہور میں ایک مزاحیہ مشاعرہ ہوا ڈاکٹر محمد اقبال صدر مشاعرہ تھے۔ اس مشاعرہ کی خصوصیت یہ تھی کہ سنجیدہ اور فکر آمیز شاعری کی بجائے بے تکلفانہ ظرافت آمیز شاعری سے سامعین کی تواضع کی جائے ریاض قریشی صاحب اس وقت ... علم تھے۔ وہ ہر چند اختر مرحوم کی ایک نظم پر پیروڈی کہہ لائے۔ اور انہوں نے اسٹیج پر اس انداز کے شعر پڑھے۔

کہاں تھوڑی سی مئے پی لوں کہا تھوڑی سی مئے پی لو
کہا قرآن کا ڈر ہے کہا ... آتا ... ہو گا
کہا میں جھوٹ بھی بولوں کہا تم جھوٹ بھی بولو
کہا ایمان کا ڈر ہے کہا ایمان تو ہوگا

ان اشعار نے مشاعرہ کو دیوار قہقہہ بنا دیا لوگ ہنسی کے مارے لوٹے جا رہے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے ریاض قریشی کو BADPOETRY کا پہلا انعام مرحمت فرمایا۔۔۔

(بشکریہ آندھرا پردیش)

تپ دق کے مریضوں کیلئے ۲۱ بستر

حکومت مغربی بنگال نے بردوان میڈیکل کالج اور اسپتال میں تپ دق کے مریضوں کے لئے ۲۱ بستروں کے قیام کے لئے منظوری دیدی ہے۔ اب تک اس اسپتال میں تپ دق کے مریضوں کے لئے کوئی بستر نہیں تھا۔ ان بستروں کے مریضوں کے کھانے کے اخراجات کے لئے ۵۶۵۸ روپیہ سالانہ مکرر رقم منظور کی گئی ہے۔

پہاڑی علاقوں میں اُون کی بنائی کی صنعت

حکومت مغربی بنگال کے ضلع دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں اون کی بنائی کی صنعت کے قیام کے لئے منظوری دیدی ہے اس پروجیکٹ کے لئے حکومت نے ۹۰ و ۳ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔

سرکاری خبریں

سندربن کی ترقی کیلئے ۱۶۸۰ء۳۱ کروڑ روپیہ کی اسکیم

حکومت مغربی بنگال نے زرعی ترقی کے لئے بین الاقوامی فنڈ کے اشتراک سے سندربن کے علاقوں کی ترقی کے لئے ایک جامع پروجیکٹ شروع کیا ہے۔ اس پر تخمیناً ۳۱۶۸۰ کروڑ روپیہ خرچ آئے گا۔ وزیر آبپاشی اور آبی گذرگاہ شری پربھاس رائے نے ۱۰ مارچ ۱۹۸۱ء کو اسمبلی میں سندربن کی ترقی کا بجٹ پیش کرتے ہوئے یہ اطلاع دی۔ انھوں نے مزید بتایا کہ سندربن کا تقریباً ۶۲ فی صدی حصہ جو نسبتاً نیم ترقی یافتہ ہے اس پروجیکٹ میں شامل کر لیا گیا ہے۔ اس پروجیکٹ پر اپریل سے عمل درآمد شروع ہو جائے گا۔ اس پروجیکٹ کی خاص خاص باتیں یہ ہیں (۱) پانی کی نکاسی کو بہتر بنانا اور آبپاشی کی سہولتیں بہم پہنچانا (۲) مچھلی پالن (۳) عوام کے فائدہ کے لئے جنگل لگانا (۴) درمیانی مدت کے قرضے دینا (۵) امداد باہمی سوسائیٹیوں کی امداد (۶) رسل و رسائل کی ترقی اور (۷) اطلاقی ریسرچ اور ٹریننگ۔ شری رائے نے بتایا اس پروجیکٹ کی کامیاب تکمیل سے ۲۰۰۰۰ ہیکٹر زمین سے پانی نکالا جائے گا جس سے اس دھان کی پیداوار میں تقریباً ۵۰ فیصدی اضافہ ہوگا۔ مزید براں ۱۵۰۰۰ ہیکٹر زمین ربیع میں سیراب کی جائے گی اور مچھلی کی پیداوار ہر سال ۶۵۰ میٹرک ٹن کا اضافہ ہوگا۔

سندربن میں ناخواندگی کے خلاف مہم

ناخواندگی کو ختم کرنے کے لئے سندربن ترقی بورڈ نے اکتوبر ۱۹۸۰ء سے تعلیم بالغان کا پروگرام شروع کیا تھا۔ اس وقت بورڈ ۳۸۴ تعلیم بالغان سنٹر چلا رہا ہے۔ ان مرکزوں کے ذریعہ اس سال ۲۳ ہزار افراد کو خواندہ بنایا گیا۔ ان میں ۷۴۴۰ خواتین اور ۱۵۵۶۰ مرد ہیں۔ ریاستی حکومت نے کرشی وگیان کیندر کے لئے تقریباً ۸۰ ایکڑ زمین دی ہے۔ اس کیندر میں چھوٹے کسانوں کو کھیتی باڑی کے بہتر طریقوں کی ٹریننگ دی جائے گی۔

کسانوں کیلئے تربیتی پروگرام

حکومت مغربی بنگال نے راناگھاٹ سب ڈویژن کے ۱۰ حلقوں میں کسانوں کی تربیت کا ایک پروگرام شروع کیا ہے۔ یہ اس پروگرام کے لئے جو راناگھاٹ I بلاک میں شروع کیا گیا ہے۔ ایک ٹیکنیکل اسسٹنٹ مقرر کیا گیا ہے۔ جو ہفتہ میں چار دن کسانوں کو کھیتی باڑی کے بہتر طریقوں کے بارے میں مشورے دیگا۔

ضلع مرشدآباد میں نگہداشت مویشیان کی اسکیمیں

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ ضلع مرشد آباد ۸۱-۱۹۸۰ء کے دوران تقریباً ۸۷ ہزار روپیہ کی لاگت کی نگہداشت مویشیان کی متعدد اسکیموں پر عمل درآمد کرے گا۔ ان اسکیموں کے تحت بکریوں اور بھیڑوں کی پرورش کی ۶۰ - ۶۰ یونٹیں مرغی پالن کی ۱۸۰ اور ڈیری کی ۲۰ یونٹیں قائم کی جائیں گی۔

جلپائی گوڑی ڈویژن کے لئے سیلس ٹیکس مشاورتی کمیٹی

حکومت مغربی بنگال نے جلپائی گوڑی ڈویژن کے اضلاع کے لئے ۱۶ ممبروں پر مشتمل ایک علاقائی سیلس ٹیکس مشاورتی کمیٹی مقرر کی ہے جو سیلس ٹیکس کے قوانین کے متعلق امور کے بارے میں مشورے دے گی۔ کمیٹی سیلس ٹیکس کے ضابطہ اور انتظامی امور سے متعلق جو حکومت یا کوئی فرد جو اس کے پاس بھیجے گا، اپنے مشورے دے گی لیکن حکومت کمیٹی کی سفارشات کو ماننے کے لئے پابند نہیں ہوگا۔

مغربی دیناج پور میں مندرج فہرست کی فلاح

مغربی دیناج پور میں مالی سال رواں کے دوران مندرج فہرست اقوام کی فلاح کے لئے جنگل لگانے کی متعدد اسکیموں پر عمل درآمد کیا جائیگا حکومت نے اس سلسلہ میں ۲ لاکھ روپیہ کے صرفہ کے لئے منظوری دیدی ہے۔



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، حال ہی میں 'مدھوسدن منچ' کلکتہ میں منعقدہ ایک تقریب میں معیاری ناٹک ڈرامہ اور جاترا کے فروغ کیلئے، تھیٹر اور جاترا آرٹسٹوں کو، ان کی گرانقدر خدمات کو سراہتے ہوئے' اعزازنامہ پیش کر رہے ہیں۔

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 28 No. 6
PRICE-12 Paise

MAGHREBI BENGAL
15th MARCH



وزیر اطلاعات شری جیوتی باسو حال
ہی میں مدھوسدن منچ کلکتہ
میں منعقدہ ایک تقریب میں
مغربی بنگال کے مایہ ناز آرٹسٹ
شری کیرتن مو ترائے کو اعزاز
نامہ پیش کر رہے ۔



شری اے۔ کے سین
چیف سکریٹری حکومت مغربی بنگال
شری کالیپدا ودت اسسٹنٹ
ڈائرکٹر، قومی بچت حکومت
ہند سے ۲۴۴۶۰ لاکھ روپے
کا چیک قبول کرتے ہوئے۔

مغربی بنگال

یکم اپریل ۱۹۸۱ء



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۲۸	یکم / اپریل سنہ ۱۹۸۱ء	شمارہ نمبر

مدیر اعلیٰ :-
ایس۔ کے۔ سین گپتا ۔

مدیر معاون :-
محمد اعظم

شرح خریداری ______ سالانہ ۳ روپے
قیمت ______ ۱۲ پیسے فی پرچہ

زرِ سالانہ بذریعہ منی آرڈر بھیجنے کا پتہ :-
بزنس منیجر
شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور
حکومت مغربی بنگال
۲۳-آر۔ این۔ مکرجی روڈ
کلکتہ ______ ۷۰۰۰۰۱

مادری زبان میں تعلیم

ابتدائی تعلیم کے سلسلہ میں غیر منصوبہ پر اسی وقت بہت ہی آسانی سے عملدرآمد کیا جا سکتا ہے جب آپ بچّوں کے کاندھے سے ایک مشکل غیر ملکی زبان سیکھنے کا بوجھ اتار دیں گے۔

(مہاتما گاندھی کی تقریر سے اقتباس مورخہ ۱۱ ستمبر سنہ ۱۹۳۷ء)

تعلیم کی بنیاد مادری زبان کی مناسب تعلیم ہے۔ مادری زبان میں صحیح طور پر بولنے پڑھنے اور لکھنے کی صلاحیت کے بغیر کسی بھی شخص میں اپنے خیالات کو صحیح طور پر ظاہر کرنے اور ان کی وضاحت کرنے کی صلاحیت کی نشوونما نہیں ہو سکتی۔

(ذاکر حسین کمیٹی کی رپورٹ)

مادری زبان ماں کی زبان ہے، یہ ابلاغ کا بیش قیمت ذریعہ ہے جو انسانی فہم اور ادراک کی گہرائیوں کو چھو لیتا ہے۔ اور تمام تشریحات اور ترجموں سے بالاتر ہے۔

(ڈیوڈ سکبورن)

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impression 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

صنعت کاروں سے مغربی بنگال میں زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری کرنے کی اپیل

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کا بنگال چیمبر آف کامرس کے سالانہ جلسہ سے خطاب

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۱۱ر مارچ سنہ ۸۱ء کو کلکتہ میں بنگال چیمبر آف کامرس کی سالانہ میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے اس بات کو دہرایا کہ صنعت کاروں کو جب وہ اپنی سرگرمیوں سے متعلق یہاں کے قوانین پر عمل کرتے رہیں گے، ریاستی حکومت سے پوری مدد ملے گی۔ وزیر اعلیٰ نے اپنی اس خواہش کا اظہار کیا کہ صنعت کاروں کو چاہئے کہ وہ موجودہ صنعتی یونٹوں کی توسیع، پیداوار میں تنوع کے ذریعہ صنعتی پیداوار میں انتہائی اضافہ کرکے یا مغربی بنگال میں اور خاص طور پر اس ریاست کے پسماندہ علاقوں میں نئی صنعتی یونٹیں قائم کرکے اس ریاست میں جو نفع کماتے ہیں، انھیں پھر سے بطور سرمایہ اپنی اپنی صنعتوں میں لگا دیں۔

وزیر اعلیٰ کی تقریر کا متن درج ذیل ہے:

آپ کی سالانہ تقریب میں آپ لوگوں سے ایک بار پھر مل کر مجھے بڑی خوشی حاصل ہو رہی ہے۔ مسلسل کئی برسوں سے آپ کے سالانہ عام جلسوں میں شرکت کرنے کی دعوت کو میں قبول کرتا آ رہا ہوں، کیونکہ مجھے اس بات کا احساس ہے کہ اس ریاست کی معیشت میں صنعتی سیکٹر کو بہت ہی اہم کردار ادا کرنا ہے۔ یہ ہماری حکومت کی پالیسی رہی ہے کہ ہمارے عوام کے تمام طبقوں اور ان کی تنظیموں سے قریبی رابطہ قائم رکھا جائے۔ صنعت کاروں کے جن کی نمائندگی یہ چیمبر کرتا ہے، نظریے اور ان کی ٹھوس تجویزوں سے ہمیں ایک مثبت پالیسی مرتب کرنے میں بڑی مدد ملے گی

میں یہ بہتر سمجھتا ہوں کہ شروعات ہی میں اس فورم میں چند باتیں آپ کے گوش گزار کی جائیں۔ ہم نے حکومت کی طرف سے ان باتوں کو چھٹے پنجسالہ منصوبہ پر بحث و مباحثہ کے دوران قومی ترقیاتی کاؤنسل کی میٹنگ میں پیش کیا تھا۔ اس کاؤنسل میں ہم نے یہ کہا تھا کہ ہمارے ملک میں جس نظام کی تعمیر کرنے کی کوششیں کی گئی ہیں وہ ہے سرمایہ دارانہ نظام — نیز جاگیردارانہ نظام سے مصالحت کرکے سرمایہ دارانہ نظام کی تعمیر کی جا رہی ہے۔ اس لئے اس وقت ہمارے ملک میں منصوبہ بندی کی پابندیوں سے ہم بخوبی واقف ہیں۔ لیکن ہم نے اس بات کا بھی ذکر کیا کہ چند اقدامات ایسے ہیں، جنھیں بر سر عمل لایا جا سکتا ہے اور جن سے عوام کو کچھ حد تک راحت مل سکتی ہے۔ ہم نے اس بات سے اتفاق نہیں کیا کہ ہم جس نظام کی تعمیر کر رہے ہیں وہ سوشلزم ہے۔

اس بنیادی فرق کو پیش کرتے ہوئے ہم نے اس جلسہ میں شریک اصحاب کو یاد دہانی کرائی تھی کہ منصوبہ بندی کمیشن کے خیال کے مطابق منصوبہ بندی کے بنیادی مقاصد جدید کاری، خود اعتمادی اور سماجی انصاف ہیں۔ ہم نے اس سلسلہ میں یہ بھی ذکر کیا تھا کہ یہ مقاصد، مختلف اصطلاحوں میں پہلے پنجسالہ منصوبہ کے آغاز ہی سے موجود تھے۔ ہندستان کی معاشی زندگی میں یہ مقاصد بہت زیادہ اہمیت کے حامل ہیں، لیکن ان مقاصد کے سلسلہ میں کم سے کم کامیابی حاصل کرنے میں ناکامی حاصل ہوئی ہے۔

مثال کے طور پر اس بات کا کبھی بھی تجزیہ نہیں کیا گیا کہ کیوں پنجسالہ منصوبوں کے بعد بھی منصوبہ بندی کمیشن کے مطابق تقریباً ۴۹ فی صدی لوگ غریبی کی سطح سے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں، جبکہ ہمارے اندازہ کے مطابق دیہی علاقوں میں اوسطاً کے پیش نظر ۷۰ فیصد کا افراد غریبی کی سطح کے نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں، اور آخر کیوں بے روزگاری میں تیزی سے اضافہ ہو رہا ہے اور کیوں ۷۰ فیصد کا آبادی ناخواندہ ہے۔ کمیشن کا یہ کہنا ایک ہی بات کو مختلف الفاظ میں دہرانا ہے کہ سرمایہ پیداوار کے انتہائی زیادہ تناسب کی

بنا پر اقتصادی ترقی کی شرح تسلی بخش نہیں ہو پائی ہے۔ کمیشن نے اس کی جانب توجہ نہیں دی ہے۔ پلان میں اگرچہ خامیوں کا بیان کیا گیا ہے لیکن اس کے اسباب پر روشنی نہیں ڈالی گئی ہے۔

ہم نے نیشنل ڈیولپمنٹ کونسل کی توجہ اس حقیقت کی جانب مبذول کی کہ ۱۹۵۱ء سے تقریباً ۳۰ برسوں میں اقتصادی ترقی کی شرح تقریباً ۳.۱ فیصد سالانہ رہی ہے۔ یہ افسوسناک امر ہے کہ اس معمولی ترقی کو بھی طبقوں اور علاقوں میں بہت زیادہ غیر مساوی طور پر تقسیم کیا گیا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ہمارے ملک کے اندر بھی جس کی آبادی ۶۸ کروڑ ہے، مال کی کھپت کی راہ نہیں نکل پائی ہے۔ غریبوں کے اندر قوت خرید نہیں ہے اور جب اُن کے اندر قوت خرید کی کمی ہوگی، مانگ میں بھی کمی ہوگی جو ہماری معیشت کی ترقی میں سد راہ ہوگی۔

ہم نے اس امر کی بھی یاددہانی کرائی کہ کسی بھی جگہ نہ تو اصلاحات آراضی پر سنجیدگی سے عملدرآمد کیا گیا ہے اور نہ اسے کوئی اہمیت دی گئی ہے۔ ہم مغربی بنگال میں کسانوں اور زرعی مزدوروں کے مفاد کے لیے اصلاحات آراضی کے لیے اقدامات کر رہے ہیں۔ ہم نے اس امر پر بھی زور دیا کہ مستحکم قیمت کا ماحول مستحکم اقتصادی ترقی کا جزو لاینفک ہے۔ لیکن یہ استحکام گذشتہ دو برسوں میں ناپید رہا ہے۔ اس کے لیے مرکزی حکومت کی پالیسیاں تمامتر ذمہ دار ہیں۔

ہم نے ملک کی معیشت میں شدید بحران کی جانب بھی اشارہ کیا جو ایک آرڈیننس کے مذموم اجراء کی صورت میں دیکھنے میں آیا جس کے تحت کالے دھن کو جائز اور قانونی بنایا گیا ہے اور ناجائز منافع خوروں اور بے ایمان افراد کو فائدہ پہنچایا گیا ہے جبکہ دیانتدار ٹیکس ادا کرنے والوں کو یہ سہولتیں دستیاب نہیں ہیں۔ ہم نے اس بات پر زور دیا کہ اگر مقصد غیر ملکی تبادلہ زر کو بچانا اور پیٹرولیم کی مصنوعات کی کھپت کو کم کرنا ہے تو صحیح اقدام یہ ہوگا کہ اس کی راشننگ کی جائے۔ اس کی مصنوعات کی بار بار قیمتیں بڑھانا مسئلہ کا صحیح حل نہیں ہے۔ ہماری رائے میں کچھ برآمدات یقیناً ضروری ہیں اور ہماری معیشت کے لیے معاون ہوں گی۔ لیکن ہمیں برآمدات کو فروغ کی بے تحاشا پالیسی اور برآمدات کو ریاستی پالیسی کا کلی مقصد قرار دینے پر اعتراض ہے۔ کیونکہ یہ ہمارے قومی مقاصد جیسے خود اعتمادی، روزگار اور تقسیم آمدنی پر اثرانداز ہوگا۔

منصوبہ بندی کے دوسرے اہم پہلو جس کی ہم نے میٹنگ میں نشاندہی کی وہ مختلف علاقوں اور ریاستوں کے رفتار ترقی میں نابرابری کو بڑھانے سے متعلق ہے۔ یہ صورت حال سرمایہ کاری کے بین علاقائی ڈھانچہ اور مرکز کے دیگر مصارف، پبلک مالیاتی اداروں کے ذریعہ سرمایہ کاری کے بین علاقائی ڈھانچہ نیز بینکوں کے قرضوں کے بین علاقائی ڈھانچہ اور مرکزی حکومت قیمتوں سے متعلق مخصوص پالیسیوں کی وجہ سے پیدا ہوئی ہے۔ ہم جارحانہ وطن پرستی یا علاقائی جذبات کی ہمت افزائی نہیں کرنا چاہتے بلکہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ ایسے عناصر کو بے اثر کردیا جائے جو صرف یہ چاہتے ہیں کہ اس علاقہ یا اُس علاقہ یا اس ریاست یا اُس ریاست کے ساتھ کی گئی بے انصافیوں کی بنا پر قومی اتحاد کو نقصان پہنچایا جائے۔ ہم اس کی توجیہہ کرنے سے قاصر ہیں کہ مشرقی اور شمالی مشرقی علاقوں میں بجلی کی زبردست قلت کے باوجود، پلان کے مسودہ میں بجلی کی پیداواری صلاحیت میں مجوزہ اضافہ مذکورہ علاقوں کے لیے سب سے کم کیوں رہا ہے؟

ہم نے پورے وثوق سے کہا کہ پلان سے ہمارے بنیادی اختلافات کے باوجود ہم پلان سے متعلق بیشتر ریاستوں کے نمائندوں سے بہتر کارگذاری پیش کریں گے جو پلان کے حامی سمجھے جاتے ہیں۔

آپ لوگوں کے غور و فکر کے لیے مذکورہ اُمور پیش کرنے کے بعد میں اب تفصیل سے مغربی بنگال سے متعلق کچھ اہم مسائل کا ذکر کروں گا جو بنگال چیمبر آف کامرس اور انڈسٹری کے لیے بھی اہمیت رکھتے ہیں۔ بنگال چیمبر آف اور انڈسٹری کے ممبران بڑے صنعتی اداروں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ریاستی حکومت نے یہ امر بالکل واضح کر دیا ہے کہ جب تک وہ اپنی سرگرمیوں میں متعلقہ قوانین کی پابندی کریں گے انھیں ہر قسم کی حمایت حاصل رہے گی۔ ہم یقیناً یہ اُمید کرتے ہیں کہ صنعت کاروں نے اس ریاست میں جو منافع حاصل کیا ہے وہ اُس کو موجودہ یونٹوں میں توسیع پیداوار میں تنوع یا مغربی بنگال میں خاص طور پر اس کے پسماندہ علاقوں میں نئی یونٹوں کے قیام کے لیے پھر بطور سرمایہ لگائیں گے۔ ملک کی معیشت کی ترقی کی موجودہ صورتحال میں شاید ایسی ٹیکنالوجی موزوں ہوگی جس سے روزگار کے زیادہ مواقع فراہم ہوں لیکن ایسی ٹیکنالوجی میں ترقی کے وسیع امکانات ہیں جس میں بہت زیادہ سرمایہ لگے اور جس کی مصنوعات بین الاقوامی مارکیٹ میں دیگر مصنوعات کا مقابلہ کر سکے اور ایسی ٹیکنالوجی کو پسند کرنے کا ایک جواز یہ بھی ہے کہ ایسی صنعتوں سے براہ راست روزگار کے کم مواقع فراہم ہو سکیں گے لیکن

ایسی صنعتوں کے آس پاس ذیلی اور چھوٹی صنعتیں قائم کی جا سکتی ہیں جن سے بالواسطہ طور پر روزگار کے زیادہ مواقع فراہم ہو سکیں گے۔ اسی میدان میں چیمبرس کے ممبران کو زیادہ توجہ دینا چاہئے۔ اگر ان کو سماج کے ایک ذمہ دار سیکٹر کے طور پر اپنا رول ادا کرنا ہے تو یہ بالکل بجا اور مناسب ہوگا کہ بڑی صنعتیں، جن کے ساز و سامان اور دیگر محرکات میں ریاستی حکومت کثیر سرمایہ لگاتی ہے، اصولی طور پر اپنے ارد گرد ذیلی اور چھوٹی صنعتیں قائم کریں تاکہ اس علاقہ کے لوگ بھی اس سرمایہ کاری سے مستفید ہو سکیں۔

چیمبرس کے صدر نے اپنی تقریر میں متعدد بندشوں کا ذکر کیا جو اقتصادی ترقی میں حائل ہو سکتی ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ اہم سیکٹروں جیسے بجلی، ٹرانسپورٹ، کوئلہ اور فولاد میں صورت حال تسلی بخش نہیں ہے۔ ہم نے منصوبہ بندی کمیشن اور نیشنل ڈولپمنٹ کونسل کے ساتھ مذاکرات میں ان مسائل کو اجاگر کیا ہے۔

صنعتوں کے سربراہوں کے لئے لازم ہے کہ وہ اعتماد کا ماحول پیدا کریں تاکہ صنعت کار اپنی مہارت کا مظاہرہ کر سکیں۔ انکے تعاون ہی سے بندشوں کا حلقہ توڑنے میں مدد ملے گی۔ صنعتی ترقی کے لئے ضروری فیصلوں اور اقدامات پر عملدرآمد کا تعلق بڑی حد تک مرکزی حکومت سے ہے۔ ریاستی حکومت یقیناً مزید ترقی کے لئے ضروری ساز و سامان اور محرکات بہم پہنچائے گی اور اگر چیمبرس اس سلسلہ میں خصوصی تجاویز پیش کرے گی تو ریاستی حکومت ان پر پورے طور پر غور و خوض کرے گی۔

مختلف دقتوں اور مسلسل اقتصادی بحران اور کبھی کبھی مرکزی حکومت کی غیر معاون پالیسیوں کے باوجود اس ریاست میں نئی صنعتی ترقی میں سرمایہ کاری کو بڑھانے میں اب تک جو پیش رفت ہوئی ہے اور نتائج حاصل ہوئے ہیں ان کا ذکر کرنا اس لئے ضروری ہے کیونکہ اخباروں میں کچھ غلط بیانات شائع ہوئے ہیں۔ لہذا میں ریاست صنعتی ترقی کے نئے رجحانات کا اجمالی طور پر ذکر کرنا چاہوں گا۔ نئی صنعتوں کے قیام کی منظوری کے لئے درخواستوں کی مجموعی تعداد میں نمایاں اضافہ ہوا ہے۔ سنہ ۱۹۸۰ء میں ایسی درخواستوں کی تعداد ۲۱۵ تھی جبکہ سنہ ۱۹۷۹ء، سنہ ۱۹۷۸ء اور سنہ ۱۹۷۷ء میں یہ تعداد بالترتیب ۵۵، ۱۵۲ اور ۱۲۸ تھی۔ جنوری سنہ ۱۹۷۷ء سے دسمبر سنہ ۱۹۸۰ء تک چار برسوں میں ۴۳۰ پروجیکٹوں کے لئے جن میں مجموعی طور پر ۹۰۰ کروڑ روپیہ سے زیادہ سرمایہ لگے گا، منظوری حاصل ہوئی۔ میں اس بات سے بے حد خوش ہو کر سرمایہ کاری کے ضمن میں، پس ماندہ اضلاع کا حصہ کل تخمینی سرمایہ کاری یعنی ۹۰۰ کروڑ روپیہ میں ۸۷ فیصدی ہے۔ مذکورہ چار سال کے دوران ۱۵۰ کروڑ روپیہ کی لاگت کے ۲۰۰ سے زیادہ پروجیکٹوں پر عملدرآمد ہوا۔

مغربی بنگال میں مالیاتی اداروں اور کمرشیل بینکوں نے جو سرمایہ کاری کی ہے وہ ہرگز تسلی بخش نہیں ہے جس سے ہماری اقتصادی ترقی میں جمود پیدا ہو گیا ہے۔ درحقیقت پورے مشرقی منطقہ کی یہی صورت حال ہے جس کی بنا پر مزید منطقائی عدم توازن پیدا ہو گیا ہے۔ مغربی بنگال میں صنعتوں کے لئے مالیاتی اداروں کی امداد جو سنہ ۷۸-۱۹۷۷ء میں ۸۴ کروڑ روپیہ تھی سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں بڑھ کر ۱۳۶ کروڑ روپیہ ہو گئی۔ مگر اس اضافہ نیز مغربی بنگال صنعتی ترقی کارپوریشن کی اضافہ شدہ امداد سے ریاست میں صنعتی سرگرمیوں میں کچھ تیزی آئی ہے۔

صنعتی سیکٹر میں رجسٹرڈ ورکنگ فیکٹریوں نیز ان میں کام کرنے والوں کی یومیہ اوسط تعداد میں اضافہ ہوا ہے۔ مغربی بنگال میں رجسٹرڈ ورکنگ فیکٹریوں کی تعداد سنہ ۱۹۷۸ء میں ۵۹۶۷ کے مقابلہ میں سنہ ۱۹۷۹ء میں بڑھ کر ۶۱۴۴ ہو گئی اور ان میں کام کرنے والوں کی یومیہ اوسط تعداد بھی سنہ ۱۹۷۸ء میں ۸ لاکھ ۳۹ ہزار کے مقابلہ میں سنہ ۱۹۷۹ء میں بڑھ کر ۸ لاکھ ۵۷ ہزار ہو گئی۔ مزید براں اپریل سنہ ۱۹۷۹ء اور دسمبر سنہ ۱۹۷۹ء کے درمیان مغربی بنگال میں منظم سیکٹر میں روزگار میں ۴۳ ہزار کا اضافہ ہوا جبکہ سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں اس میں ۱۷ ہزار کی کمی ہوئی تھی۔ تاہم بے روزگاری مغربی بنگال میں ایک بڑا مسئلہ بنی ہوئی ہے اور اس مسئلہ کو حل کرنے کے لئے میں اس امر پر زور دیتے ہوئے کہ حکومت ہند ایک مثبت موقف اختیار کرے، چیمبرس کے ممبران سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ مزید سرمایہ کاری اور مزید توسیعی مساعی کے ذریعہ براہ راست یا بالواسطہ طور پر منفعت بخش روزگار کے مواقع فراہم کرنے کے لئے پوری پوری کوشش کریں۔

جہاں تک ریاستی حکومت کی کوششوں یا مداخلت کا تعلق ہے، میں جانتا ہوں کہ چیمبرس کے ممبران پرامن صنعتی تعلقات اور بجلی کی کافی سپلائی چاہتے ہیں۔ صنعتی تعلقات دو طرفہ رشتہ ہے۔ بحیثیت آجر آپ پر کچھ ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں اور جہاں کہیں ریاستی حکومت ابلاغ اور تفہیم میں مدد دے سکتی ہے اس نے اس میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے۔ سنہ ۱۹۸۰ء کے دوران ہڑتالوں اور تالہ بندیوں کی تعداد کم ہو کر

۲۱۲ر۵ گی جبکہ سنہ ۱۹۷۹ء، سنہ ۱۹۷۸ء اور سنہ ۱۹۷۷ء میں یہ تعداد بالترتیب ۲۹۶، ۳۷۱ اور ۳۹۷ تھی۔

ریاست میں صنعتی تعلقات کے تمام میدانوں میں نمایاں سُدھار ہوا [illegible] تین برسوں کے دوران جوٹ، انجینئرنگ، سوتی کپڑا اور چائے کی صنعتوں میں سمجھوتے کر لئے گئے۔ کام کے دنوں کا نقصان سنہ ۱۹۷۹ء میں ۸۴ر۲ کرور کے مقابلہ میں سنہ ۱۹۸۰ء میں کم ہو کر ۶۰ر۵۲ لاکھ ہو گیا۔ جبکہ ریاستی حکومت کی پالیسی کا مقصد پیداوار میں محنت کشوں کو اُن کا مناسب حصہ دلانا ہے۔ ہم نے صنعت کی حقیقی دقتوں کو بھی ملحوظ رکھا ہے۔

ریاستی حکومت ہمارا منظم اور ذمہ دار ٹریڈ یونین تحریک جو محنت کشوں کی خواہشات اور اُمنگوں سے ہم آہنگ ہو کی ضرورت پر زور دیتی رہی ہے۔ اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے، ٹریڈ یونینوں کو تسلیم کرنے سے متعلق ایک بل سنہ ۱۹۷۹ء میں ریاستی اسمبلی میں پاس کیا گیا لیکن ابھی تک اس کے لئے صدر جمہوریہ ہند کی منظوری حاصل نہیں ہوئی ہے۔

کلکتہ پورٹ کے مسائل سے نپٹنے کے لئے مرکزی حکومت نے ریاستی حکومت کی ایما پر ایک اعلیٰ اختیاری کمیٹی مقرر کی ہے۔ ہلدیا کے مسائل پر غور کرتے ہوئے ریاستی حکومت نے مختلف ٹریڈ یونینوں اور آجروں کے صلاح و مشورہ سے ٹھیکہ داروں کے آدمیوں نیز اُن افراد کو جن کی زمینیں لی گئی ہیں کام پر لگانے کے سلسلہ میں رہنما اصول بنائے ہیں۔

ریاستی حکومت اجتماعی سودہ بازی کے ذریعہ مختلف مسائل جیسے اُجرت اور کام کے طریقے وغیرہ کو طے کرنے میں یقین رکھتی ہے۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ صنعت وار سمجھوتوں کے بعد جوٹ اور کپڑے کی صنعتوں میں گریڈ، اسکیل اور کام اور کام کے طریقوں وغیرہ پر غور و خوض کرنے کے لئے ماہرین کی کمیٹیاں بنائی گئی ہیں۔

اب میں بجلی کی کمی کے موضوع پر آتا ہوں جو نہ صرف صنعت کو بلکہ مغربی بنگال کے تمام لوگوں کے لئے نمایاں اہمیت رکھتا ہے۔ یہ مسئلہ بہت زیادہ پیچیدہ ہے اور اس پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ اس پر سرسری طور سے غور کرنا ٹھیک نہیں ہے جیسے کہ کچھ اخبارات کر رہے ہیں۔ ہم تقریباً ایک دہائی سے لوڈ شیڈنگ سے دوچار رہے ہیں لیکن اس سلسلہ میں حال ہی میں [illegible] کے مسئلہ سے سنجیدگی سے اقدامات کئے گئے ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ جب تک تنصیبی پیداواری صلاحیت میں اضافہ نہیں کیا جاتا اُس وقت تک اس مسئلہ کو حل کرنا ناممکن ہے۔ سنتالڈیہ کی چوتھی یونٹ چالو ہونے کے لئے تیار ہو گئی ہے اور اُمید کی جاتی ہے کہ بنڈیل کی پانچویں یونٹ بھی ستمبر میں چالو ہو جائے گی۔ اپریل سنہ ۱۹۷۷ء سے چار برسوں کی مدت میں بجلی کے پروجیکٹوں پر مجموعی مصارف کی رقم ۳۰۵ کروڑ روپیہ ہو گئی ہے جو اس سیکٹر میں سنہ ۱۹۷۷ء سے پہلے کی گئی سرمایہ کاری کی مجموعی رقم سے بھی زیادہ ہے۔ کولاگھاٹ پروجیکٹ پر مارچ سنہ ۱۹۷۷ء تک مصارف صرف ۱۰ فیصدی تھے جو اب ۶۰ فیصدی ہو گئے ہیں۔ اس پروجیکٹ کی پہلی یونٹ کے سنہ ۱۹۸۲ء کے آخر تک چالو ہو جانے کی امید ہے۔ اس کے دوسرے مرحلہ کے لئے ہمیں منظوری مل گئی ہے اس سے سنہ ۱۹۸۶ء کے بعد اس کی صلاحیت میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔

بجلی سیکٹر میں کام کرنے والوں کے لئے یہ منصفانہ بات نہیں ہوگی اگر ہم یہ کہیں کہ بجلی کی سپلائی میں میں کوئی بہتری نہیں ہوئی ہے۔ ریاستی بجلی بورڈ کے ذریعہ بجلی کی پیداوار جو سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۲۳۴۴ ملین یونٹ تھی تین برسوں کی مدت میں یعنی سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں بڑھ کر ۲۸۰۷ ملین یونٹ ہو گئی اور اُمید کی جاتی ہے کہ اس سال یہ بڑھ کر ۲۹۷۰ ملین ہو جائے گی۔ اس طرح مغربی بنگال ریاستی بجلی بورڈ نے بجلی کی پیداوار میں اوسطاً ۷ء۶ فیصد کا اضافہ برقرار رکھا ہے۔ درگاپور پروجیکٹ سے بجلی کی سپلائی میں کمی ہوئی۔ تاہم دامودر وادی کارپوریشن سے بجلی کی سپلائی میں بہت زیادہ کمی ہوئی یعنی سنہ ۷۶-۱۹۷۵ء میں بجلی کی سپلائی ۶۸۴ ملین یونٹ تھی جو سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں کم ہو کر ۳۷۲ ملین یونٹ رہ گئی۔ حال میں ان دونوں ایجنسیوں کی کارکردگی میں کچھ بہتری آئی ہے اور اگر وہ اسی سطح پر بجلی سپلائی کرتی رہیں جس سطح پر وہ پانچ سال پہلے کرتی تھیں، تو بحیثیت مجموعی صورت حال میں یقیناً بہت زیادہ سُدھار ہوگا۔

شمالی بنگال کو بجلی کی سپلائی نمایاں اہمیت رکھتی ہے۔ ہم جنوبی بنگال کو شمالی بنگال سے ملانے کے لئے ۱۳۲ کے وی لائین بچھانے کا کام کر رہے ہیں۔ یہ لائین گنگا کو پار کر چکی ہے اور اب ضلع مالدہ کو جنوبی بنگال سے بجلی سپلائی کی جا رہی ہے۔ ہم نے یہ محسوس کیا ہے کہ زیادہ قابل اعتماد اور متوازن سپلائی کے لئے شمالی بنگال میں ایک تھرمل بجلی گھر کا ہونا ضروری ہے۔ بھوٹان، سکم اور دارجلنگ میں پن بجلی پروجیکٹوں کی تکمیل کے بعد بھی ایک تھرمل بجلی گھر کا قیام سودمند ہوگا۔ شمالی بنگال میں ایک اور گیس ٹربائین لگانے سے متعلق ہماری درخواست کو حکومت ہند نے نامنظور کر دیا ہے۔ ایسے فیصلوں سے شمالی

بنگال میں ترقیاتی سرگرمیاں متاثر ہوں گی۔ ہم دوبارہ اپنی مانگوں پر زور دے رہے ہیں۔

اس میدان میں سیکٹر سے تعاون اور مدد کا خیر مقدم کیا جائے گا۔ اس کے ساتھ ہی ہم اپنے اس ارادہ کا اظہار کرتے ہیں کہ ٹیٹا گڑھ میں کلکتہ الیکٹرک سپلائی کارپوریشن کے بجلی گھر قائم کرنے کے سلسلہ میں اعتراضات اور دشواریوں کو دور کرنے میں ہم کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے اور اس بجلی گھر کے قیام کے کام میں مالی لحاظ سے بھی شریک ہوں گے۔

توانائی کے بہتر اور باضابطہ استعمال کے سلسلہ میں اس چیمبر کے تعاون کو میں کافی سراہوں گا۔ آنے والے دنوں میں صنعت کے لئے توانائی سب سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوگی اور اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ تمام صنعتیں توانائی کے مصرف پر غائر نظر رکھیں گی اور کفایت شعاری کرنے کی کوشش کریں گی، دوسرے الفاظ میں توانائی کی دی ہوئی مقدار کو مصرف میں لاکر پیداوار میں اضافہ کریں گی۔

ریاستی حکومت کے وسائل پر شدید پابندی کے باوجود بجلی سیکٹر میں سرمایہ کاری کو ترجیح دی گئی ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس ریاست کے پسماندہ علاقوں میں صنعتوں کے قیام کے لئے حسب ضرورت سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلہ میں بھی ہم سرمایہ کاری کر رہے ہیں۔ ہم لوگ جیسا کہ آپ سبھوں کو معلوم ہے، کلیانی، کھڑگپور اور ہلدیہ میں صنعتی مرکزوں کی ترقی کے لئے کوشش کر رہے ہیں اور اسی طرح کے مراکز دیگر ضلعوں میں بھی قائم کئے جائیں گے۔

مرکزی سیکٹر میں گذشتہ پنجسالہ منصوبوں میں صنعت اور معدنیات کے پروجیکٹوں میں کل ہند سرمایہ کاری میں مغربی بنگال کے لئے بہت ہی کم گنجائش رکھی گئی۔ ریاست مغربی بنگال کے لئے چھٹے منصوبہ میں صرف ایک ہی بڑے پروجیکٹ کو شامل کیا گیا ہے اور وہ ہے ہلدیہ میں تیل صاف کرنے کے کارخانہ کی صلاحیت میں توسیع۔ لیکن اس اہم پروجیکٹ کے کام کی تکمیل کے لئے حکومت ہند نے رسمی منظوری اب تک جاری نہیں کی ہے۔

پٹرولیم کے شعبہ کے تحت ۴۳۰۰ کروڑ روپے مختص کئے گئے لیکن ان میں سے ہلدیہ ریفائنری کے لئے صرف ۲۱ء۸۴ کروڑ روپے کی گنجائش رکھی گئی۔ اسی طرح پٹرو کیمیکلس کے شعبہ کے تحت ۹۳۵ کروڑ روپے کی مزید مصارف کی گنجائش رکھی گئی، لیکن مغربی بنگال میں سرمایہ کاری کے لئے اس مرکزی منصوبہ میں کسی قسم کی گنجائش رکھی گئی ہے۔

اختتام میں آپ سے پرزور اپیل کرتا ہوں کہ آپ لوگ صنعت کار اور ہندستان کے شہری ہونے کے ناطے قومی یکجہتی کے فروغ میں تمام ممکنہ طریقوں سے مدد کریں۔ مغربی بنگال میں ۴۰ فی صد مزدور غیر بنگالی ہیں، اس کے باوجود ہم نے اتحاد اور اخوت کی ایک روایت قائم کی ہے۔ ہم اس شاندار روایت کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں اور ایک لمحہ کے لئے بھی اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہتے کہ ہماری زبان خواہ کچھ کیوں نہ ہو، ہم سب ہندستانی ہیں۔

کمزور طبقوں کو مفت قانونی سروس

حکومت مغربی بنگال نے ضلع کی سطح سے بلاک سطح تک سماج کے کمزور طبقوں کو مفت قانونی سروس بہم پہنچانے کے لئے ۳ کروڑ روپیہ کی لاگت کی ایک اسکیم منظور کی ہے۔ اس اسکیم کے تحت ہر ضلع اور سب ڈویژن (صدر کو چھوڑ کر) نیز ہر میونسپل علاقہ اور بلاک کے لئے قانونی امداد کمیٹیاں بنانے کی تجویز ہے۔ کلکتہ کے لئے ایک کمیٹی کے علاوہ کلکتہ کارپوریشن کے ایک یا اس سے زیادہ وارڈوں نیز میونسپل علاقوں اور بلاکوں کے لئے قانونی امداد کے مشیر مقرر کئے جائیں گے۔ ان سب کی نگرانی کے لئے ایک ریاستی قانونی امداد اور مشاورتی بورڈ ہوگا۔

اس امر کا انکشاف وزیر عدلیہ شری ہاشم عبدالحلیم نے ۱۷ مارچ ۱۹۸۱ء کو اسمبلی میں اپنے محکمہ کا بجٹ پیش کرتے ہوئے کیا۔

نیشنل میڈیکل کالج کے مرد طلبا کیلئے ہوسٹل

حکومت مغربی بنگال نے کلکتہ نیشنل میڈیکل کے مرد طلبا کے لئے ۲۰۰ نشستوں پر مشتمل ایک ہوسٹل کھولنے کے لئے منظوری دیدی ہے۔ یہ ہوسٹل ۳۲ لنٹن اسٹریٹ میں واقع ایک عمارت میں کھولا جائے گا جو اس وقت زیر تعمیر ہے۔

انگریزی زبان کے خلاف موقف

(از: ڈیوڈ سیلبورن)

("این آئی فار انڈیا" کے مصنف ڈیوڈ سیلبورن آکسفورڈ میں پولیٹیکل تھیوری کے استاد ہیں اور اس وقت ہندوستان میں انڈین کونسل آف سوشل سائنس ریسرچ میں بحیثیت سینیر ریسرچ فیلو کام کر رہے ہیں)

جبکہ بنگالی دانشور انگریزی زبان کی حمایت میں سڑکوں پر نکل آئے ہیں میں مخالف سمت میں گامزن ہونا چاہتا ہوں۔ میں ان کے نیک ارادوں کو سراہنے میں کوئی ہرج نہیں سمجھتا۔ بہر حال میرے بہت سے گہرے دوست انگریزی بولنے والے بنگالی ہیں۔ کچھ احباب غیر شعوری طور پر بغیر کسی الجھاوے کے بڑی روانی کے ساتھ انگریزی بولتے اور لکھتے ہیں اور کچھ احباب جذباتی وابستگی اور کرب کے ساتھ یہ غیر ملکی زبان بولتے ہیں۔ بسا اوقات ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ پرانا وکٹورین پرائمری انگریزی کے مضحکہ لہجے کی نقل ہے جسے انگریز ہندوستان سے جاتے وقت یہاں چھوڑ گئے تھے۔

شیفیلڈ شہر میں انگریزی بولنے والے یہ افراد مجھ سے کہیں زیادہ اچھی طرح انگریزی بولتے ہیں اور ان کا لہجہ مجھے یہ محسوس کرنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ میں دہلی میں کسانوں کے کسی اجتماع میں مشرقی اتر پردیش کے ایک کسان کی طرح ہوں۔ میں کسی گوشہ عافیت میں جا کر اپنی انگریزی کی اصلاح کرنے سے پیشتر ان کی لسانی برتری اور ان کے اظہار کی نفاست اور شائستگی کے آگے سر تسلیم خم کرتا ہوں۔ وہ اکثر بادشاہ سے زیادہ شاہ، نپولین سے زیادہ نپولین کی خوبیوں کے حامل اور کبھی کبھی [illegible] سے زیادہ مارکسسٹ ہوتے ہیں۔ ان میں سے بہتوں کے نزدیک بنگلہ محض ایک مقامی بولی ہے اور دیسی لوگوں ہی کے لئے موزوں ہے۔ میری نظر میں یہ دیسی صاحب لگتے ہیں جو گوروں کا بار ان کی غیر موجودگی میں جذبہ ممنونیت کے ساتھ اٹھا رہے ہیں۔ اگر ان کو ان کی مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو مرکزی کلکتہ، لندن کے کلب میں بدل جائے گا جس کے تمام ممبران بی۔ بی۔ سی کی بے عیب انگریزی بولتے ہوں اور بنگلہ بولنے والے ملازمین کے کوارٹروں یا بیوپاریوں کے دفاتر تک محدود ہو کر رہ جائیں گے۔

ان لالاؤں اور فیشن پرستوں میں کچھ کے نزدیک مادری زبان انگریزی ہے چاہے وہ انگریزی اچھی طرح بول سکتے ہوں یا نہیں۔ اس طرح جیسے انگریزی مدر آف پارلیمنٹ (پارلیمنٹ کی ماں) ہے اور مدر انڈیا وکٹوریہ کی نسبتاً سیاہ فام بیٹیوں میں سے ایک ہے۔ وہ اندر ہی اندر تلملانے لگتے ہیں جب میں بنگلہ کی غنائیت، اس کے عظیم ڈرامہ نگاروں، ناول نگاروں اور شاعروں اس کی توانائی، اور اس کے فلم سازوں اور تھیٹر کے فن کاروں کی فنی عظمت کی تعریف کرتا ہوں۔ جس کا ساری دنیا میں بجا طور پر اعتراف کیا گیا ہے۔

ذریعہ تعلیم

کیا میں مذاق کر رہا ہوں؟ میں دیکھ رہا ہوں کہ وہ محوِ فکر ہیں شیکسپیر اور نرود چودھری کی انگریزی ذریعہ تعلیم کی برتری ثابت کرتے ہیں ٹیگور ٹینی سن اور ورڈز ورتھ کے مقابلہ میں محض ایک مبتدی اور مقامی زبان کے شاعر ہیں۔ اور ستیہ جیت رے یا مرنال سین یا اتپل دت فلم دنیا کی سر رچرڈ اٹن برو جیسی عظیم شخصیت یا اسٹریٹفورڈ آن ایون میں رائل شیکسپیئر کمپنی کے ڈائرکٹروں کے مقابلہ میں محض شوقیہ فن کار ہیں۔

استعماریت نے ہندوستان کو اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی اعتبار سے تباہ و برباد کیا۔ کوئی مرد یا خاتون جو خراب انگریزی بولتی ہے، اکثر یہ محسوس کرتی ہے کہ اس خامی کے لئے اُسے مجھ سے معذرت خواہ ہونا چاہئے۔ وہ احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتے ہیں، ذہنی طور پر اپنے کو پست اور جاہل سمجھتے ہیں۔ جو مرد یا خاتون مجھ سے زیادہ انگریزی بولتے ہیں، وہ جوش مسرت میں اتنے مگن ہو جاتے ہیں جیسے کوئی خوبصورت مور راجستھان کے ریگزار میں محو رقص ہو۔ وہ پارٹیوں میں اپنے خزانۂ الفاظ اور لہجے کے پر پھیلاتے ہیں اور ان کی آب و تاب کے آگے وہ لوگ جو صرف بنگلہ بول سکتے ہیں، ماند پڑ جاتے ہیں مؤخر الذکر دوران گفتگو اسی طرح الگ تھلگ رہ جاتے ہیں جیسے محفل شادی

ہوائیں۔ جبکہ انگریزی بولنے والے ۔۔۔ وقار اور اعلیٰ مرتبے کا ایک مسحور کن حلقہ میں سلسلہ کلام جاری رکھتے ہیں، وہی حلقہ جو استعماریت نے اپنے پیچھے چھوڑا ہے۔ تاکہ اس کی یاد ہندستان کی آنے والی نسلوں کے دلوں میں بار بار آتی رہے۔

اس رجحان کو ختم کرنے کے لئے ایک تعلیمی اور سیاسی اصلاح بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ صحیح معنوں میں ایک ثقافتی انقلاب کی ضرورت ہے۔ اندیشہ یہ نہیں ہے کہ باؤ (bough) اور کف (cough) کا صحیح تلفظ ادا کرنے کی صلاحیت خطرہ میں پڑ جائے گی۔ اور نہ اصل سوال یہ ہے کہ کلکتہ کلب میں آپ اپنا سر فخر سے بلند رکھ سکتے ہیں یا نہیں اور انگریزوں کی طرح صحیح طریقہ سے نوشی کر سکتے ہیں یا نہیں۔

فرد کی ذات اور اس کی ثقافت کی سالمیت گورے آقاؤں کے طرز گفتگو ہی نہیں بلکہ اُن کے انداز فکر کی بھی غلامانہ نقالی سے نجات اور آزاد ہندستان کے بنگالیوں کی آئندہ نسلوں میں محض لسانی صلاحیت ہی نہیں بلکہ ذہنی صحت مندی کا بدرجہ اتم موجود ہونا۔ بس یہی اصل مسائل ہیں۔ مغربی بنگال کے پرائمری اسکولوں میں مادری زبان کی اہمیت پر زور دینا محض ایک چھوٹا اقدام ہے مگر صحیح سمت میں ہے۔

اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے کہ انگریزی بحیثیت زبان ختم ہو جائے گی جو ہر اعتبار سے اچھی طرح سیکھنے کے لائق زبان ہے۔ حسن، توانائی اور موثر اظہار کی زبان جو کبھی شہنشاہیت کی کامیابی کی زبان تھی۔ لیکن انگریزی کو برصغیر کی غیر ملکی غلامی کے بغیر ہندستان میں وہ اہمیت اور مرتبہ نہ مل پاتا جو اُسے حاصل ہے۔ جرمنی یا روسی یا فرانسیسی زبان کی طرح انگریزی سیکھنا چاہئے۔ لیکن یہ کہنا کہ انگریزی کو مغربی بنگال کے بچوں کی پرائمری تعلیم میں مساوی درجہ ملنا چاہئے بظاہر "آزاد" ہندستان کی آزادی کے ۳۰ برسوں سے زیادہ مدت کے بعد اس ہولناک حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ ہندستان آزاد نہیں ہوا اور شاید حقیقتاً آزاد ہونا نہیں چاہتا تھا جب نہرو نے ۱۹۴۷ء میں ماؤنٹ بیٹن کی جگہ اقتدار کی باگ ڈور سنبھالی۔

مادری زبان ماں کی زبان ہے۔ یہ ابلاغ کا بیش قیمت ذریعہ ہے جو انسانی فہم اور ادراک کی گہرائیوں کو چھو لیتا ہے اور تمام تشریحات اور ترجموں سے بالاتر ہے۔ مزید براں انگریزی، یا روسی یا فرانسیسی یا منگریائی زبانیں خود اپنی موروثی اور روزمرہ کی زبان میں گہرے اعتماد اور مکمل علم کے بغیر اچھی طرح سیکھی نہیں جا سکتیں۔ یہ سمجھنا درست نہیں کہ بنگلہ "نصاب" کی دیگر زبانوں میں سے محض ایک ہے۔ کیونکہ انگریزی، بنگلہ زبان کے محاوروں اور آہنگ کی غنائیت سے بھرپور بازگشت سے عاری ہے جو بنگالیوں کی کے لئے اس کی دین ہے۔ ایک بنگالی کے لئے یہ ایک بنگالی تجربہ ہے۔ ایک انگریزی مضافات کا تجربہ نہیں جسے وہاں سے اٹھا کر علی پور پارک یا ۴۳ پرگنہ میں منتقل کر دیا گیا ہے اور جو انگریزی زبان کی بھونڈی اور مضحکہ خیز نقل کرتا ہے۔

آج مجھے ایسا لگتا ہے کہ بیشتر بنگالی بشمول طلباء نہ تو اچھی انگریزی بول سکتے ہیں اور نہ ہی اچھی بنگلہ، پڑھنا اور لکھنا تو دور کی بات ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دونوں صورتوں میں خرابی ہی خرابی ہے، یعنی جہاں ایک طرف وہ اسی سرزمین میں گم ہو کر رہ جاتے ہیں جہاں ناخواندگی کا دور دورہ ہے وہاں دوسری طرف محض چینی انگریزی (وہ بگڑی ہوئی انگریزی جو چینیوں اور اہل یورپ کے درمیان کاروباری معاملات میں استعمال ہوتی ہے) ابھرتی ہے۔ کلکتہ کلب کی انگریزی کی بجا بلاشبہ چینی انگریزی اچھی ہے اس کو بولنے کا انداز کتنا ہی نستعلیق کیوں نہ ہو۔ بنگلہ کو پرائمری اسکول کے مرحلہ پر انگریزی پر مکمل ترجیح دینے سے متعلق حکومت مغربی بنگال کی تجویز، جہاں تک مجھے معلوم ہے، سبھی کے نزدیک تاخیر سے پیش کی گئی ہے۔ بلاشبہ یہ صحیح ہے کہ جیسا کہ "ٹائمز آف انڈیا" کی رائے ہے کہ انگریزی سماجی اور اقتصادی کی بلندیوں تک پہنچنے کا سریع ترین وسیلہ ہے۔ مظاہرہ کرنے والے پیرس اور سویڈن کے نظریہ تعلیم کی نصابی کتابوں کے ساتھ آگے بڑھ سکتے ہیں گے مگر میں جسمانی یا ذہنی طور پر اُن کا ساتھ دینے کے لئے تیار نہیں ہوں۔

غیر ملکی حکومت ختم ہو گئی

غیر ملکی حکومت ختم ہو گئی (جیسا کہ مجھے بتایا گیا) خواہ اس کا کلچر اُن لوگوں کے اذہان اور دلوں میں جو اب بھی غلامانہ ذہنیت کے حامل ہیں، زندہ ہے، میں ایک غیر ملکی کی حیثیت سے بھی اُن کا ساتھ نہیں دوں گا۔ بنگلہ بولنے والے بنگالیوں کے درمیان مجھے جو دقت اور پریشانی ہوگی اُسے مجھے برداشت کرنا ہوگا۔ اگر کوئی غیر ملکی اسے پسند نہیں کرتا تو اُسے ایک دن یہ زبان سیکھنا ہوگی جیسا اُسے بہت سے ملکوں میں کرنا پڑتا ہے۔ ہندستان اس لحاظ سے مختلف ہے کہ یہاں یہ توقع رہتی ہے کہ ہندستانی انگریزی بولیں گے۔

کتنی زبانیں جاننا اچھا ہے اور انگریزی کو ہندستان میں اس کا مقام باقی رہے

مقالہ

ساحر کی لاثانی نظم

پرچھائیاں

"پرچھائیاں" ساحر کی ایک طویل اور خوبصورت نظم ہے۔ اس نظم کا موضوع امنِ عالم ہے۔ ساحر نے اپنی اس لاثانی نظم میں جنگِ عظیم کو انسانیت کے لئے ایک سنگین خطرہ قرار دیا ہے۔ اس نظم کا ایک افسانوی پس منظر بھی ہے جو اس کے تاثر کو بخوبی اُبھارتا ہے۔

نظم "پرچھائیاں" کی اہمیت کو اُجاگر کرتے ہوئے مشہور ترقی پسند ادیب خواجہ احمد عباس لکھتے ہیں ـــــ ... "پرچھائیاں" میں انھوں نے ایک ایسے موضوع پر قلم اٹھایا ہے جو عالمگیر بھی ہے اور ابدی بھی اور آج جو بین الاقوامی سطح پر اخباروں کی سب سے اہم اور نمایاں سرخی بن گیا ہے۔ جبکہ ایک بار پھر جنگی مشینوں کو حرکت دی جا رہی ہے اور ایٹمی بادل اُفق کو تیرہ کئے ہوئے ہیں ـــ یہ بہت اہم اور بہت ضروری ہے کہ ایک شاعر امن کے حق میں آواز اٹھائے اور سلامتی کا ترانہ گنگنائے" کم و بیش سب ہی ترقی پسندوں کا شیوہ رہا ہے کہ وہ جنگ و جدل کی لعنتوں کو بیان کریں اور امن و آشتی کے لئے زمین ہموار کریں۔ دو بڑی لڑائیوں نے یہ ظاہر کر دیا کہ دنیا کی بقا کو جتنا خطرہ بھوک سے لاحق ہے، اس سے کہیں زیادہ جنگِ عظیم سے ہے۔ یہ تیسری بڑی لڑائی صرف ہماری ہی نہیں، ہماری آئندہ نسلوں کا بھی خاتمہ کر دے گی۔ کسی بھی بڑی ایٹمی لڑائی کے نتیجے میں ہر چہار سمت آدمی کی نرم سانسیں ناپید ہو جائیں گی اور ہر طرف گرد و غبار کی سلگتی چنگاریں اڑتی پھریں گی۔ خوبصورت جلوؤں کو وحشت و ویرانی کا روپ اختیار کرتے ہوئے دیر نہیں لگے گی ـــ خاک و خون میں لتھڑی ہوئی لاشوں کو دیکھ کر نالہ و شیون کرنے والا بھی کوئی نہ ہوگا۔

اپنے ساتھی ترقی پسندوں کی طرح ساحر نے بھی اس اندیشے کو محسوس کیا ہے۔ بنیادی طور پر ساحر کے یہاں احساس کی شدت کا مادہ مقابلتاً زیادہ ہے۔ اس لئے انھوں نے اس موضوع کو "پرچھائیاں" کے توسط سے کارگر ڈھنگ سے پیش کیا ہے۔ بقول دیویندر ستیارتھی ـــــ

"امنِ عالم کے موضوع پر دیس بدیس کے شاعروں نے اپنی اپنی زبان میں بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن داخلی تاثر اور خارجی کیفیات کا جو خوبصورت تال میل "پرچھائیاں" میں ملتا ہے، اس کی مثال بہت کم نظموں میں نظر آئے گی۔ پوری نظم ایک نئے تجربہ کی حامل ہے۔ ..." دیویندر ستیارتھی آگے لکھتے ہیں ـــ" ... قدم قدم پر شاعر ایک مصور کا روپ دھارن کر لیتا ہے، حسبِ حال نظم کے آنگن میں گیت کا دامن پھیلنے لگتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ناول کی مختلف جھانکیاں گلے مل رہی ہیں"۔

نظم کے آغاز میں ہی شاعر نے قدرت کی جلوہ سامانیوں سے اپنے بے پناہ لگاؤ کا ذکر کیا ہے ـ

جوان رات کے سینے پہ دودھیا آنچل
مچل رہا ہے کسی خوابِ مرمریں کی طرح
حسین پھول حسین پتیاں، حسیں شاخیں
فضا میں گھُل سے گئے ہیں اُفق کے نرم خطوط!
زمیں حسیں ہے خوابوں کی سرزمیں کی طرح

اِس سحر زدہ اور خواب ناک ماحول میں تصورات کی پرچھائیاں اُبھرتی ہیں، شاعر کو بھولی بسری باتیں یاد آتی ہیں۔ اُس کے ذہن کے دریچوں سے سارے کے سارے مناظر جھانکنے لگتے ہیں۔ یہی وہ جگہ ہیں۔ جہاں شاعر نے اپنی محبوبہ کی زلفوں کو اس کے چہرہ پہ بکھرا دیا تھا۔ دو دل دھڑکے تھے۔ دو جوان دلوں نے چاہا تھا ـ

کہ آرزو کے کنول کھل کے پھول ہو جائیں

دلِ دلفگار کی دعائیں قبول ہو جائیں

شاعر کو بیتی ہوئی ساری باتیں یاد آتی ہیں —— وہ اپنی محبوبہ کی ایک ایک ادا یاد کرتا ہے۔ زمانے کی آنکھ سے بچ کر، اپنے بدن کو چرائے ہوئے اپنے ہی قدموں کی آہٹ سے جھینپتی، ڈرتی، خود اپنے سائے کی جنبش سے خوف کھائے ہوئے وہ اس سے ملنے آئی تھی وہ اس کے ہمراہ چھوٹی سی کشتی میں سوار ہو کر ندی کی سیر بھی کرتا تھا۔ وہ لہروں کے جھکولوں سے ڈر کر اس کی بانہوں میں جھول جاتی تھی۔ کبھی وہ اس کے جوڑے میں پھول ٹانک رہا ہوتا۔ اُس کی پلکیں مسرت سے جھکی جاتیں۔ دلوں کی بات زبان پر آنے سے پہلے ہماری زبان خشک ہونے لگتی۔ اُس کی گداز بانہیں اپنے محبوب کے گلے میں حائل ہو جاتیں اُس کے ہونٹوں پہ اُس کے لبوں کے سائے ڈول جاتے۔ محبوب کو یقین ہوتا کہ اب وہ کبھی نہ بچھڑیں گے۔ محبوبہ اس گمان میں رہتی کہ دونوں مل کر بھی رہتے ہیں۔ وہ اس کی پلنگ پر منتشر کتابوں کو قرینے سے رکھنے کی کوشش کرتی۔ سہاگ رات میں ڈھولک کی تھاپوں پہ گائے جانے والے گیت بھی ہولے ہولے گنگنائے جاتی۔ یہ سارے لمحے شاعر کے لئے متاعِ حیات کے مانند تھے وہ اعتراف کرتا ہے کہ۔

وہ لمحے کتنے دلکش تھے، وہ گھڑیاں کتنی پیاری تھیں
وہ سپنے کتنے نازک تھے وہ لڑیاں کتنی پیاری تھیں

بستی کی ہر ایک شاداب گلی خوابوں کا جزیرہ تھا گویا
ہر موجِ نفس، ہر موجِ صبا نغموں کا ذخیرہ تھی گویا

یکایک پچھم سے ایک بھیانک بدلی اُمڈ آئی —— بارود کی بو لئے تیز ہوائیں اٹھیں کھیتوں سے ٹاپوں کی آوازیں آنے لگیں۔ تعمیر کی روشنی کو تخریب کے اندھیروں نے نگل لیا۔ گاؤں گاؤں، شہر شہر وحشت اور بربریت کا راج ہوا۔ مغرب کے خود ساختہ مہذب ملکوں سے مغرور مدہوش بادردی فوجیں دندناتی چلی آئیں اور پھر ——

خاموش زمین کے سینوں میں خیموں کی طنابیں گڑنے لگیں
مکھن سی ملائم راہوں پر بوٹوں کی خراشیں پڑنے لگیں

فوجوں کے بھیانک بینڈ تلے چرخوں کی صدائیں ڈوب گئیں
جیپوں کی دھول تلے پھولوں کی قبائیں ڈوب گئیں

اس کے دور رس نتائج نکلے۔ ایک طرف چیزوں کی قیمتیں بڑھیں کہ آکاش کو چھونے لگیں۔ دوسری طرف انسانوں کی قدر و قیمت میں گراوٹ پاتال کی تہ تک پہنچ گئی۔ گاؤں کے چوپالوں کی رونق گھٹ گئی اور فوجوں کی بھرتی کے لئے جگہ جگہ پر دفاتر کھل گئے۔ بستی کے سجیلے اور شوخ نوجوان محاذوں پر گئے تو پھر لوٹ کر گھر نہیں آئے۔ ان میں ماؤں کے جوان بیٹے بھی تھے اور بہنوں کے چہیتے بھائی بھی تھے۔

اس افتاد کے سبب ساری بستی پر اداسی کے بادل چھا گئے، میلوں کی بہاریں ختم ہو گئیں۔ گاؤں کی قدرتی چہل پہل جاتی رہی، بازاروں میں دھول اڑنے لگی اور کھلیانوں میں 'بھوک'، 'اُگنے لگی۔ چیزیں بازار سے روپوش ہو کر تہ خانوں میں چلی گئیں۔ منافع خوروں اور کالے دھندہ بازوں کی بن آئی۔ تنگ دستوں کی بدحالی میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا۔ مہنگائی بڑھتے بڑھتے جی کا جنجال بن گئی۔ ساری بستی کنگال بن گئی۔ صرف اتنا ہی نہیں ہوا بلکہ ——

پنہہ راہیاں رستہ بھول گئیں پنہاریاں پنگھٹ چھوڑ گئیں
کتنی ہی کنواری ابلائیں، ماں باپ کی چوکھٹ چھوڑ گئیں

محض اسی پر اکتفا نہیں ہوا بلکہ مادی، روحانی، اخلاقی، ہر طرح کا زوال رونما ہوا۔ بھوک کے مارے ہوئے دہقانوں کے گھر کے سارے ساز و سامان بِک چکے تو ظالم پیٹ کی خاطر سرِ عام جسموں کی خرید و فروخت ہونے لگی۔ کسی میں شرم رہی نہ حیا، خلوت کی باتیں جلوت میں ہونے لگیں۔

ایسے میں شاعر کو اپنی محبوبہ کی بے بسی کی یاد بھی آتی ہے۔ سب طرف سے اٹھتی ہوئی ہوس پرست نگاہوں کا سامنا کر کے بھی وہ اس سے ملنے آتی ہے۔ حالات سے نبرد آزما ہونے کے لئے شاعر گاؤں چھوڑ کر شہر کی راہ لیتا ہے۔ وہاں وہ دربدر بھٹکتا ہے لیکن اس کے علم و ہنر کا مول کچھ بھی نہیں ملتا۔ سیاست کے قمار خانے میں دانش و فراست کی قیمت کچھ بھی نہیں! اُدھر محبوبہ کا بھائی محاذِ جنگ پر جان بحق ہو چکا ہے۔ ایسی منحوس خبر نے گھر میں کہرام مچا دیا ہے۔ شاید زندگی میں پہلی بار آج شاعر کو شدت سے محسوس ہوتا ہے کہ قدم قدم پر رسوائیوں کا جنگھٹ اور ہر موڑ پہ رسوائیاں سر اٹھائے کھڑی ہیں۔ زندگی کی تنہائی

آج اُسے بے طرح کھلتی ہے۔

نہ دوستی، نہ تکلف، نہ دلبری نہ خلوص
کسی کا کوئی نہیں آج سب اکیلے ہیں

زندگی بھر کا اندوہ اسی شاعر کی تقدیر بننے والا ہے۔ اسے اپنے مقدر کا پتہ معلوم ہے نہ اپنی محبوبہ کے مستقبل کی اسے کچھ خبر ہے۔ البتہ اندیشہ ضرور ہے کہ شاید دل کی تمناؤں کا خون ہو جائے۔ وہ جو ضمیر کے قاتل ٹھہرے اُس کی محبوبہ کو خریدنے کے درپے ہیں۔ اُس کی محبوبہ کے بھولے بھالے چہرے پر سجی ہوئی بچپنے کی مسکان بھی جب بک جاتی ہے تو شاعر پر انکشاف ہوتا ہے۔

اُس شام مجھے معلوم ہوا، جب باپ کی کھیتی چھن جائے
ممتا کے سنہرے خوابوں کی انمول نشانی بکتی ہے
اُس شام مجھے معلوم ہوا جب بھائی جنگ میں کام آئیں
سرمائے کے قحبہ خانوں میں بہنوں کی جوانی بکتی ہے

شاعر چپ چاپ خون کے آنسو روتا ہے۔ وہ اپنی نامرادیوں کے لئے اپنی محبوبہ کو ذمہ دار نہیں ٹھہراتا۔ جس قدر خود کو وہ مجبور سمجھتا ہے۔ اُسی قدر اُسے بھی مجبور جانتا ہے۔ اُسے تو اس حد تک یقین ہے کہ وہ پرانی آغوشں میں بھی اُسے ہی یاد کئے جاتی ہوگی اپنی مایوسیوں کے باوجود زندگی میں جینے کی خاطر وہ جدوجہد کرتا ہے۔ زندگی کے حقائق سے وہ منہ نہیں موڑتا وہ زندگی سے سمجھوتہ کر لیتا ہے۔ کتاب زندگی کے اوراق پلٹتے ہیں۔

ستم رسیدہ اور غم خوردہ شاعر ایک مدت کے بعد آج پھر وہ جواں سایوں کو دیکھ رہا ہے جو انہیں پیڑوں کے نیچے محو راز و نیاز ہیں جو اس کی اپنی محبت کے امین ہیں۔ آج بھی حالات ویسے ہی ہیں جن میں کہ وہ اپنی محبوبہ سے جدا ہوا تھا۔ جنگ کے بادل چھائے ہیں، موت کی آندھی اُٹھی ہے۔ شاعر کو اندیشہ ہے کہ کہیں ان عاشقوں کو بھی مایوسیاں دبوچ نہ لیں جن کا خود وہ شکار ہوا تھا۔ ان کی محبت کے مایوس کن انجام کے متعلق سوچ کر وہ یک لخت سہم جاتا ہے۔

شوریدہ سری کے اس عالم میں وہ اپنی محبوبہ کی لے میں لے ملا کر اس نوجوان جوڑے کی محبت کی ثابت کے لئے خلوص دل سے دعا کرتا ہے۔

ہلا نہ پائیں حوادث کی تاب لا نہ سکا
مگر انہیں تو مرادوں کی رات مل جائے

ہمیں تو کشمکش مرگ بے اماں ہی ملی
انہیں تو جھومتی گاتی حیات مل جائے

بین الاقوامی سطح پر یہ لڑائیاں، یہ جنگیں در اصل سیاست دانوں کا دلچسپ مشغلہ ہیں۔ جنگ کے بغیر سیاست کا مقصد حل نہیں ہوتا۔ خبط الحواس حکمراں ملک و قوم کے نوجوانوں کی زندگی میں کوئی دلچسپی نہیں رکھتے وہ یہ روا سمجھتے ہیں کہ بچے جوان ہو کر قتل ہو جائیں۔ ملکی مفاد کے لئے انہیں جنگ میں قربان کر دینے کا جائز رویہ سمجھتے ہیں۔ سیاست دانوں کے اس سستے مشغلے سے دور دراز کے ممالک میں اناج کی نہیں، قحط کی کھیتی ہوتی ہے۔

بہت دنوں سے ہے یہ مشغلہ سیاست کا
کہ جب جوان ہوں بچے تو قتل ہو جائیں
بہت دنوں سے ہے یہ خبط حکمرانوں کو
کہ دور دور کے ملکوں میں قحط بو جائیں

جنگ زندگی سے حسن، جوانی سے عشق، دلوں سے محبت، نگارِ زیست سے عصمت چھین لیتی ہے۔ یہ روحوں کو پامال کرتی ہے، بلا امتیاز سب کو لہولہان کرتی ہے۔ اسی لئے شاعر آج کمر بستہ ہے کہ ؎

چلو کہ چل کے سیاسی مقامروں سے کہیں
کہ ہم کو جنگ و جدل کے چلن سے نفرت ہے
جسے لہو کے سوا کوئی رنگ راس نہ آئے
ہمیں حیات کے اس پیرہن سے نفرت ہے

تمام جنگ جو قوموں کو شاعر یہ تنبیہ کرتا ہے کہ وہ اس کی مقدس سرزمین کی طرف حرص و ہوس کی نگاہ نہ اٹھائیں ورنہ کف افسوس ملیں گے وہ بہ بانگِ دہل اعلان کرتا ہے کہ اسے اور اس کی قوم کے لوگوں کو دوسروں کی زمین چھیننے اور غصب کرنے کا کوئی شوق نہیں وہ تو صرف اپنی زمینوں پر محض ہل چلانے کی حاجت رکھتے ہیں۔ وہ ان استحصال پسند تاجروں کو بھی خبردار کرتا ہے کہ وہ بے بس و مجبور دہقانوں کے کھیتوں پر غاصبانہ نظر نہ ڈالیں۔ اب یہ کھیت جاگ پڑے ہیں۔ ان کی فصلوں میں بڑی برکت ہو رہی ہے۔ اب وہ اتنے لاچار نہیں کہ پیٹ کی آگ بجھانے کی خاطر اپنی کنواری بیٹیوں کو ان کے ہاتھوں بیچ ڈالیں گے زمین کا چپہ چپہ محفوظ رہے گا۔ ایک انچ زمین بھی جابروں کے ہاتھ نہیں لگے گی۔ شاعرانہ یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ پاک سرزمین بھی جابروں کے ہاتھ

نہیں بچے گی۔ شاعر یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ پاک سرزمینِ ہندوستان گوتم اور نانک کی دھرتی ہے، یہ انسانوں اور دیوتاؤں کی نگری ہے، یہاں وحشیوں کا قطعی گذر نہیں۔ اس کا اور اس کے ہم وطنوں کا خون آنے والی نسلوں کی امانت ہے، یہ محض ضائع کرنے کے لئے نہیں ہے۔ اسے ضائع کر کے کسی لشکر کی پرورش نہیں کی جائے گی۔ شاعر جوشِ جنون میں یہ سب اس لئے کہہ رہا ہے کہ ؎

کہو ــــ کہ آج بھی ہم سب اگر خموش رہے
تو اس دمکتے ہوئے خاکداں کی خیر نہیں
جنوں کی ڈھالی ہوئی ایٹمی بلاؤں سے
زمیں کی خیر نہیں آسماں کی خیر نہیں

جس کسی نے بھی پچھلی دو عظیم جنگوں کی تباہ کاریاں دیکھی یا سنی ہیں، وہ اپنے تمام تر ہوش و حواس کے ساتھ تیسری جنگِ عظیم کی مخالفت کرے گا۔ جوہری ہتھیاروں کے فروغ نے ہمارے اس خوف کو اور بھی بڑھا دیا ہے کہ اگر تیسری بڑی لڑائی ہوئی تو اس سُندر دھرتی کا نام و نشان ہمیشہ کے لئے مٹ جائے گا۔ اس پر کوئی بھی ذی نفس صحیح سلامت نہیں بچے گا۔ اس کی کھیتیاں سوکھ جائیں گی۔ اس کی ندیاں خشک پڑ جائیں گی اس کے پہاڑ رُوئی کے گالوں کی طرح اُڑتے پھریں گے۔ ہر طرف راکھ اور چنگاریاں بکھری پڑی ہوں گی۔ یہی وجہ ہے کہ ایشیا اور یورپ، امریکہ اور افریقہ ــ ہر جگہ کے دانشوروں نے کھل کر مستقبل کی کسی بھی بڑی لڑائی کے خلاف تحریکیں چلائی ہیں۔ ہر زبان کے شاعروں اور ادیبوں نے اپنے قلم سے جنگ کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے کی مہم چلائی ہے۔ اس مہم میں اپنی نظم پرچھائیاں کے توسط سے ساحر نے بھی ہاتھ بٹایا ہے۔ ان کے ذہن کے گوشوں میں بھی امکانی تیسری جنگ کے متعلق ہزار وسوسے کلبلا رہے ہیں۔ کہتے ہیں۔

گذشتہ جنگ میں گھر بار جلے، مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ تنہائیاں بھی جل جائیں
گذشتہ جنگ میں پیکر جلے، مگر اس بار
عجب نہیں کہ یہ پرچھائیاں بھی جل جائیں

اپنی طوالت کے باوجود نظم "پرچھائیاں" اپنا حُسنِ بیان، اپنا طلسمِ خیال اپنا دیرپا تاثر برقرار رکھتی ہے۔ شاعر نے خواب و خیال کی ایک نئی دنیا آباد کی ہے۔ اس نے فکر و نظر کے نئے چراغ جلائے ہیں، انداز بیان کی تازگی و شگفتگی کے نئے نمونے پیش کئے ہیں۔ "پرچھائیاں" کے سحر آفریں ماحول کا ذکر کرتے ہوئے سجّاد ظہیر لکھتے ہیں۔

"۔۔۔ گویا ہم ایک مغموم حُسن کی ایک طلسماتی دُنیا میں پہنچ گئے ہیں۔ جہاں دو معصوم اور سادہ رُوحوں کی دل گداز داستان جنہیں جنگ، نفرت اور لُوٹ کھسوٹ کے ہاتھوں تباہی اور بربادی کا شکار ہونا پڑا۔ ایک لمحہ کے لئے ہمیں غم و اندوہ سے معمور کر دیتی ہے اور دوسرے لمحے ہماری نہایت درجہ نیک اور شریف جذبات کو امنِ عالم کے قیام اور ایک ایسے معقول اور منصفانہ سماجی نظام کی تشکیل کے لئے اُبھارتی ہے جو اس قسم کے المیوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ناممکن بنا دے۔"

معنی اور مطلب سے الگ ہٹ کر بھی "پرچھائیاں" ساحر کی بیشتر نظموں کی طرح محاکات کا ایک اچھا نمونہ ہے اور بیک وقت غنائی اور بیانیہ کیفیات کی ہے۔۔۔۔ ایسی محاکاتی کیفیت کو پیدا کرنے کے لیے ساحر نے لفظوں کے استعمال میں بھی بڑی خوش مذاقی دکھائی ہے۔ اس نے بعض مقامات پر لفظوں سے نقاشی اور رنگ کاری کا کام لیا ہے اور وہاں اُس کا قلم شاعر کے قلم کے بجائے مصوّر کا موقلم بن گیا ہے۔ الفاظ جو چند حروف کی اجتماعی شکل میں پگھل کر رنگ اور خطوط میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور کاغذ کے صفحہ پر ایک منظر کھینچ دیتے ہیں، ان کی صوتی کیفیت میں بھی ٹکراؤ اور جھنکار کے بجائے ایک خاموش اور بے آواز روانی ہے جیسے صاف اور چکنی سطح پر آہستہ آہستہ پانی بہہ رہا ہو۔"

مختصراً نظم "پرچھائیاں" کی اہمیت اُس وقت تک ماند نہیں پڑے گی جب تک کہ جنگ اور اس سے پیدا شدہ استحصال کی امکانی صورتحال برقرار رہتی ہے۔

✶ ✶ ✶

(بشکریہ۔ پاسبان۔ چندی گڑھ)

بقیہ۔ صـ ۹ کا

حاصل ہے۔ لیکن اگر ثقافتی آزادی اور ترقی ایک حقیقت ہے تو انگریزی کو اولیت یا مساوی درجہ بھی نہیں مل سکتا۔ مظاہرہ کرنے والے مظاہرہ کریں گے، شاید وہ پریزیڈنسی کالج کلکتہ سے، سینٹ اسٹیفن کالج دہلی تک اور ہندوستان کے ایک کنارے سے دوسرے کنارے تک مظاہرہ کریں گے۔ لیکن وہ ایک غلط کاز کے لئے غلط وقت پر اور غلط سمت میں مارچ کر رہے ہیں۔ اگر ایک انگریز کو یہ بات کہنا پڑ رہا ہے تو ایسا ہی سہی۔

سرکاری خبریں

پریسیڈنسی جیل میں شہیدوں کی یادگار

کلکتہ ۱۲ مارچ:۔ وزیر تعمیرات عامہ شری جوتن چکرورتی نے ملک کی آزادی کی جدوجہد میں مسلح انقلابی تحریک نے جو نمایاں رول ادا کیا ہے، اس کی قدر کرنے کی اہمیت پر زور دیا ہے۔ انھوں نے اس امر پہ اظہار افسوس کیا کہ جنگ آزادی کے انقلابی جانبازوں کی مناسب طور پہ قدر نہیں کی گئی ہے۔ انھوں نے کہا کہ حکومت بایاں محاذ ان کی قدر و قیمت کا صحیح تجزیہ کر کے نئی نسل کو اس سے روشناس کرانا چاہتی ہے۔

شری چکرورتی شہیدوں کے یادگار ستون کے سنگ بنیاد رکھنے کی حالیہ تقریب میں تقریر کر رہے تھے۔ یہ ستون پریسیڈنسی جیل کے اندر تعمیر کیا جائے گا۔ یہ ستون شہیدان آزادی کنائی لال دت، ستیندر ناتھ بوس، چارو چندر بوس، بریندر ناتھ دت گپتا اور گوپی موہن ساہا کی یاد میں تعمیر کیا جائے گا جنہیں پریسیڈنسی جیل میں پھانسی دی گئی نیز موہن داس کی بھی یاد میں جو اسی جیل میں جاں بحق ہوئے۔ شری چکرورتی نے سنگ بنیاد رکھا۔ وزیر جیل اور پنچایت شری دیوبرت بندوپادھیائے نے اس تقریب کی صدارت کی۔

اس تقریب میں مشہور انقلابی شری گنیش گھوش، شری رادھا بلبھ گوپ اور بہت سے دیگر اشخاص نے شرکت کی۔

شری گھوش اور شری رادھا بلبھ نے اپنی تقریروں میں نوجوانوں سے سماجی تبدیلی کے لئے انقلابی جدوجہد جاری رکھنے کے لئے اپیل کی۔

پل کی تعمیر کے لئے ۱٫۷۵ لاکھ روپیہ

حکومت مغربی بنگال نے ضلع جلپائی گوڑی میں گرولانی ندی کے اوپر پل کی نو تعمیر کی اسکیم کے لئے منظوری دے دی ہے۔ اس پر [illegible] لاکھ روپیہ خرچ آئے گا۔ اس سے پہلے حکومت نے اس کی مرمت کے لئے [illegible] روپیہ منظور کیا تھا مگر یہ پل سیلاب میں ٹوٹ گیا اس لیے اس کی نو تعمیر ضروری ہو گئی ہے۔ حکومت نے باقی رقم ۱۵ء۱ لاکھ روپیہ کے لئے منظوری دیدی ہے۔

---

۱۷ لاکھ روپیہ سے زائد کی مالیت کا کھانے کا تیل پکڑا گیا

کلکتہ پولس کی انفورسمنٹ برانچ نے مارچ ۸۱ء کے پہلے پندرہواڑہ میں چھاپوں کے دوران ۱۷ لاکھ روپیہ سے زائد کی مالیت کا شیرہ اور کھانے کا تیل پکڑا گیا۔ قلندر موہن ایونیو کی ایک دکان میں چیکنگ کے دوران کھانے کے تیل کی بہت بڑی تعداد کا پتہ لگا جس کی مالیت ۱۹۳۳۰۰۰ روپیہ تھی اس سلسلہ میں ایک شخص کو گرفتار کیا گیا اور پورا اسٹاک ضبط کر لیا گیا۔

ہومیوپیتھک اداروں کو ۸ لاکھ روپیہ کی گرانٹ

حکومت مغربی بنگال نے مالی سال رواں کے دوران چار ہومیوپیتھک اداروں کو لیبارٹری کے ساز و سامان اور لائبریری کے لئے کتابوں وغیرہ کی خریداری کے لئے ۸ لاکھ روپیہ کی گرانٹ منظور کی ہے۔ یہ ادارے ہیں:۔

(۱) مہیش بھٹاچاریہ ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اور اسپتال۔
(۲) کلکتہ ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اور اسپتال۔
(۳) مدناپور ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اور اسپتال۔
(۴) ڈی۔ این۔ ڈے ہومیوپیتھک میڈیکل کالج اسپتال۔

راسبندر سروور اسٹیڈیم میں بین الریاستی الیکٹریسیٹی
فٹبال ٹورنامنٹ کے انعام کی تقسیم کی تقریب
وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو کی صدارت میں منعقد ہوئی۔
وزیر اعلیٰ نے فتح یاب ٹیم یعنی مغربی بنگال الیکٹریسیٹی
فٹبال ٹیم کے کیپٹن کو انعام دیا۔ تصویر میں وزیر اعلیٰ
راجستھان الیکٹریسیٹی بورڈ فٹبال ٹیم اور
مغربی بنگال ٹیم کے کھلاڑیوں کے درمیان
دیکھے جا سکتے ہیں۔





پنچایت سمتیاں آبپاشی کے ذرائع کی تعمیر کرا رہی ہیں

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 28 No. 7
PRICE-12 Paise

MAGHREBI BENGAL
1st APRIL

مادری زبان کے ذریعہ تعلیم سارے ہندستان میں تعلیمی تحریک کی قومی مانگ رہی ہے۔ مہاتما گاندھی نے کہا تھا کہ مادری زبان کے سلسلہ میں کوتاہی کرنی، خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔ ربندرا ناتھ اور آچاریہ ستین بوس نے بار بار مادری زبان کے ذریعہ تعلیم کی سماجی اہمیت کا ذکر کیا۔ کوٹھاری کمیشن نے نہ صرف اس بات کی سفارش کی کہ مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دی جائے' بلکہ اس نے اس بات پر بھی زور دیا کہ ابتدائی سطح پر یعنی ۱۱ سال کی عمر تک کے طلبا کو صرف مادری زبان کی تعلیم دی جانی چاہئے۔" حکومت مغربی بنگال نے تعلیم کے میدان میں عرصہ دراز کی اس قومی مانگ کو تسلیم کر لیا اور تمام سطحوں پر مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دینے کا انتظام رائج کیا۔ ابتدائی سطح پر تعلیم دینے کے لئے ریاستی حکومت سائنسی اصولوں کو بروئے عمل لائے گی۔

(وزیراعظم کے نام اے۔ بی۔ ٹی۔ اے' اے بی۔ پی۔ ٹی۔ اے اور دیگر تعلیمی تنظیموں کے خط سے اقتباس)

[illegible]

مغربی بنگال

۱۵ اپریل ۱۹۸۱ء

۲ اپریل سنہ ۱۹۸۱ء کو بنگلہ بند

کے دوران تشدد کے شکار



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۲۸ | ۱۵ اپریل ۱۹۸۱ء | شمارہ نمبر ۸

مدیر اعلیٰ: ایس کے سین گپتا
مدیر معاون: محمد اعظم
شرح خریداری:
سالانہ - ۳ روپے
قیمت: ۱۲ پیسے فی پرچہ

ٹرانسپورٹ ورکروں کو خراج عقیدت - عوام سے چوکس رہنے کی اپیل

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے بدھ ۸ اپریل کو مغربی بنگال کے عوام سے اپیل کی کہ وہ چوکس رہیں اور اس ریاست میں کانگریس (آئی) کی دہشت پیدا کرنے کی کوششوں کو ناکام بنا دیں۔ ایسا کرنا نہ صرف بائیں محاذ حکومت کی بقا کے لئے ضروری ہے بلکہ جمہوریت کو برقرار رکھنے اور مہذب طریقہ سے زندگی بسر کرنے کے لئے بھی ضروری ہے۔

وزیر اعلیٰ نے اسپلینیڈ ایسٹ، کلکتہ میں ایک بڑے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے شہر کے ان تمام ٹرانسپورٹ ورکروں کو جنہوں نے ۳ اپریل کو ٹرانسپورٹ سروس کو چالو رکھنے کی کوششیں کیں، خراج عقیدت پیش کیا۔ انہوں نے کہا کہ ان میں سے چند ورکر ہلاک ہوئے اور ۱۰۰ سے زیادہ زخمی ہوئے۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ کانگریس (آئی) کے ورکر جنہوں نے ۱۹۷۲ء سے لیکر ۱۹۷۷ء تک دہشت پھیلا رکھی تھی، چند برسوں تک چپ چاپ بیٹھے مگر ہمیشہ تاک میں لگے تھے اور اس لئے شریمتی گاندھی کے اقتدار میں آتے ہی وہ بھی سامنے نکل پڑے۔ انہوں نے مزید کہا کہ شریمتی گاندھی اس بات کا دعویٰ کرتی رہی ہیں کہ وہ بائیں محاذ حکومت کو ختم کرنے کی خواہاں نہیں ہیں، لیکن مغربی بنگال میں انہوں نے اپنے ممبروں کی جو ریاستی حکومت کو توڑنا چاہتے ہیں کبھی مذمت نہیں کی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شریمتی گاندھی مغربی بنگال کی صورت حال سے اچھی طرح واقف ہیں، لیکن یہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ انہوں نے کلکتہ میں ۳ اپریل کو کانگریس (آئی) کے مظاہروں کے دوران تشدد کی مذمت نہیں کی۔

میٹنگ کی صدارت شری سمر داس گپتا نے کی۔ بائیں محاذ کے دیگر لیڈروں، سی آئی ٹی یو اور ۱۲ جولائی کمیٹی کے لیڈروں نے بھی مجمع سے خطاب کیا۔ اختتام پر سرکاری بس کے ڈرائیور شہید شیال رائے کی ارتھی کو جلوس کی شکل میں سرکریا مکر شمشان گھاٹ لے جایا گیا۔

ہنگامہ خیز بنگلہ بند، بم اندازی کی شدید وارداتوں میں ۹ ہلاک ہوئے سینکڑوں زخمی

دفاتر اور کل کارخانے کھلے رہے - ٹرامیں اور بسیں آمدورفت کرتی رہیں

کانگریس (آئی) نے دہشت پھیلا کر بند منایا، جو ناکام رہا - وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

کلکتہ اور اضلاع میں ۳ اپریل ۱۹۸۰ء کو 'بنگلہ بند' کے دوران بہت ساری متشدد وارداتیں ہوئیں جن میں کم از کم ۹ افراد ہلاک اور سینکڑوں افراد زخمی ہوئے۔

اس سے قبل یعنی ۲ اپریل کی شام کو ایک ٹرام گاڑی میں آگ لگا دی گئی۔ بم اندازی کے بھی بہت سے واقعات رونما ہوئے۔ ان تمام باتوں کا مقصد یہ تھا کہ لوگوں میں خوف ہراس پیدا کیا جائے تاکہ وہ ۳ اپریل کو اپنے گھروں میں رہیں اور کام کاج پر نہ جائیں۔ لیکن شر پسند اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکے۔ اور 'بند' کے دن لوگوں نے اپنا حسب معمول کام کاج کیا۔ اس دن سرکاری دفتروں میں ۵۴ فی صد سے زیادہ لوگ کام پر آئے۔ ہائی کورٹ میں حاضری ۷۵ فی صد کے قریب تھی، کلکتہ میں دیگر غیر سرکاری دفاتر بھی کھلے رہے۔

بڑی بڑی شاہراہوں میں دکانیں بند تھیں لیکن بستیوں میں زندگی حسب معمول تھی۔ اضلاع میں بھی، موصولہ رپورٹوں کے مطابق 'بند' کا روزمرہ کی زندگی پر کچھ اثر نہیں پڑا۔ صنعتی علاقوں میں تمام کارخانوں میں حسب معمول کام ہوا۔ شمالی بنگال کے چائے باغات میں روزمرہ کی طرح کام ہوا۔

کلکتہ میں ۳ اپریل کو ۴۴ سرکاری بسیں اور ۴۸ ٹرام گاڑیاں چلیں۔ کئی روٹوں پر منی بسیں بھی آمدورفت کیں۔ پرائیویٹ گاڑیوں کو بھی آمدورفت کرتے ہوئے دیکھا گیا۔ اس دن صبح کو ایک دو مقامی ٹرینوں نے بھی آمدورفت کیں۔ لیکن بعد میں ریلوں کی آمدورفت بند ہو گئی۔ اس دن

انڈین ایرلائنس کے طیاروں کی پرواز حسب معمول رہی۔ انٹرنیشنل ایرپورٹ اتھورٹی کے ترجمان کا کہنا ہے کہ ۳ اپریل کو ہوائی اڈہ میں ۵۷ فیصد ملازمین ڈیوٹی پر آئے۔ اس طرح یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۳ اپریل کا نام نہاد 'بنگلہ بند' بالکل ناکام رہا۔

۳ - اپریل کو 'بند' کے دوران ریاستی حکومت نے حفظ ماتقدم کے طور پر بہت سارے اقدامات کئے تاکہ امن وامان برقرار رہے لیکن شر پسند عناصر نے اس دن عوامی املاک کو نقصان پہونچانے کی ہر ممکن کوشش کی ان کے سامنے انسانی جان کی گویا کوئی اہمیت ہی نہ تھی۔ اس لئے کلکتہ میں ۳ اپریل کی صبح سے انھوں نے بم اندازی شروع کر دی۔ انھوں نے اپنا نشانہ زیادہ مسافروں سے بھری سرکاری بسوں اور ٹرام گاڑیوں کو بنایا کلکتہ میں اس دن سب سے زیادہ ہنگامے ٹالی گنج، کھدر پور، رفیع احمد قدوائی روڈ، سیالدہ، امہرسٹ اسٹریٹ اور کالج اسٹریٹ کے علاقوں میں ہوئے۔ بم اندازی کی وجہ سے اس دن تقریباً ۹ افراد ہلاک اور ۱۰۰ سے زیادہ افراد بری طرح زخمی ہوئے۔ پتھراؤ اور بم اندازی سے تقریباً بہت ساری سرکاری بسوں اور ٹرام گاڑیوں کو کافی نقصان پہونچا، اور ۱۰۰ سے زیادہ ڈرائیوروں اور کنڈکٹر زخمی ہوئے صبح کے وقت رفیع احمد قدوائی روڈ پر ایک ٹرام گاڑی میں اور ڈلکشا اسٹریٹ میں ایک سرکاری بس میں آگ لگا دی گئی۔ سہ پہر کو تقریباً پونے چار بجے جنوبی کلکتہ میں ایک سرکاری دو منزلہ بس کی نچلی منزل پر پٹرول بم پھینکا گیا، جس کی وجہ سے بہت سارے مسافر بری طرح

زخمی ہو گئے۔ تین عورتیں تو بُری طرح جل کر جھلس گئیں، ان میں سے ایک [illegible] جاتے جاتے جاں بحق تسلیم ہوئی، اور باقی دو عورتیں بھی زخمی [illegible] ہسپتال میں مر گئیں، یہ دونوں عورتیں سرکاری ملازمین تھیں۔

وزیراعلیٰ جیوتی باسو، اور دیگر ریاستی وزراء شری پُرمود داس گپتا اور بائیں محاذ کے دیگر سربراہوں اور بہت سارے یونینوں اور ایسوسی ایشنوں نے اس 'بند' کی پرزور مذمت کی۔

۳ر اپریل ۸۰ء کی شام کو رائٹرس بلڈنگس میں اخباروں کے نمائندوں کو مخاطب کرتے ہوئے وزیراعلیٰ شری جیوتی باسو نے کہا کہ 'بنگلہ بند' پوری طرح ناکام ہوا۔ بند کی پکار دینے کے باوجود کانگریس کو عوام کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی۔ انھوں نے کہا اگر عوام پر ان لوگوں کا کچھ اثر ہوتا، تو خود بخود 'بند' ہو جاتا۔ چونکہ عوام پر ان کا کچھ اثر نہیں ہے اس لئے کانگریس (آئی) نے دن بھر کلکتہ میں بم اندازی کی۔ اگر اسے وہ سب اپنی فتح سمجھیں تو یہ ان کی بھول ہے۔

انھوں نے مزید کہا ان لوگوں (کانگریس آئی) کو یہ بات معلوم ہے کہ عوام انھیں پسند نہیں کرتے، اسی لئے جمعرات کی شام سے ان لوگوں نے ٹرام گاڑی جلا کر اور بم، پستول، چھری، لاٹھی لیکر لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے کی کوشش کی۔ اسی وجہ سے لوگ سہم گئے اور دوکانیں بند رکھیں۔ انھوں نے اعتراف کیا کہ کلکتہ میں ۸۰ فی صد دوکانیں بند تھیں اور یہ سب دوکانیں بند ہوئیں ڈر کی وجہ سے۔ کانگریس (آئی) والے یہ سمجھ چکے تھے کہ ان کا بند ناکام ہوگا۔ اسی لئے ریلوے حکام، ریڈیو، ٹی۔وی بھی ایک ساتھ ان کا پرچار کرنے لگے۔ انھوں نے کہا کہ دفتروں، عدالتوں میں ملازمین اپنے کام پر آنا چاہتے تھے لیکن ریلوے حکام نے ٹرینیں نہیں چلائیں، اس لئے وہ کام پر نہ آسکے۔ ہزاروں کی تعداد میں لوگ اسٹیشنوں میں دفتر جانے کے لئے آئے اور ٹرینوں کی آمد و رفت بند ہونے پر اسٹیشنوں میں احتجاج کیا۔ اگر ریلوے حکام ٹرینیں چلاتے تو کلکتہ کی شکل ہی بدل جاتی۔ ریڈیو اور ٹی۔وی کے خلاف شکایت کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ ہم لوگوں نے بہت سارے اندولن کئے، لیکن کبھی بھی ان اداروں نے ہم لوگوں کا پرچار اس طرح نہیں کیا۔ انھوں نے کہا ایک سال [illegible] جانبدارانہ پرچار ہماری نظروں سے گذرا ہے۔

انھوں نے کہا بائیں محاذ حکومت اور بائیں محاذ پارٹیوں نے اس بند کی مخالفت کی۔ انھوں نے کہا کہ سنا گیا ہے کہ وزیراعظم شریمتی اندرا گاندھی نے اس اندولن کی حمایت کی۔ انھوں نے پُر امن طریقہ سے یہ اندولن چلانے کو کہا تھا۔ انھوں نے مزید کہا کہ آپ لوگوں نے خود دیکھا کیسے پُر امن طریقے سے بند منایا گیا، لوگوں (کانگریس آئی) کا کہنا ہے کہ یہ بند تو ابتدا ہے، اس کے بعد یہ بھی کہا کہ اور بھی دہشت انگیزی کے کتنے واقعات رونما ہوں گے اس کی بابت صحیح صحیح کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ عوام کو ہشیار کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس سال کے آخر میں عام انتخابات ہوں گے۔ وہ سب اس سال بھر اس قسم کی دہشت انگیزی کو برقرار رکھیں گے۔ یہی ان کی فطرت ہے۔

وزیراعلیٰ نے اس دن ٹرام اور بس چلانے کے لئے ملازمین کو مبارکباد دی۔ انھوں نے کہا کہ ٹرانسپورٹ کے ملازمین نے اس دن بہت ہی بہادری کا کارنامہ انجام دیا۔ ۳ر اپریل کو شام کے ½ ۶ بجے کلکتہ میں ٹراموں اور بسوں کی آمد و رفت بند کر دی گئی۔ رائٹرس بلڈنگس میں رپورٹروں کو انھوں نے بتایا کہ انھوں نے ½ ۶ بجے شام کے بعد ٹراموں اور بسوں کی آمد و رفت بند کر دینے کا حکم صادر کیا۔ انھوں نے مزید کہا کہ جو لوگ دن کو بم پھینک سکتے ہیں وہ رات کو بھی ایسا کر سکتے ہیں۔ چونکہ ہم اس بات کی اجازت دے سکتے کہ اور بھی جانی اور مالی نقصان ہو، اس لئے ہم نے ٹراموں اور بسوں کی آمد و رفت بند کرنے کا حکم دیا۔

وزیراعلیٰ نے مزید بتایا کہ اس دن صبح کے وقت ۴۰۴ سرکاری بسیں اور ۴۸ ٹرامیں چلیں۔ ان میں ۴۹ بسوں کو بموں اور پتھراؤ سے کافی نقصان پہونچا۔ اس کے علاوہ تین بسوں میں آگ لگانے کی کوششیں کی گئیں۔ اسی طرح ۳۶ ٹراموں کو بھی بم اندازی سے کافی نقصان پہونچا۔ انھوں نے مزید بتایا کہ اس دن شام کے وقت ۲۱۲ سرکاری بسیں اور ۱۴۰ ٹرام گاڑیاں آمد و رفت کیں۔ ان میں ۱۷ بسوں اور ۲۳ ٹرام گاڑیوں پر کانگریس (آئی) کے لوگوں نے بم پھینکے جس کی وجہ سے ٹراموں کے چند مسافر بری طرح زخمی ہوئے۔ بم اندازی سے ۸۹ افراد بری طرح زخمی ہوئے جنھیں [illegible] ہسپتال میں [illegible]۔ ان میں سے ۶۷ افراد کو فرسٹ ایڈ دینے کے بعد ہسپتال سے چھوڑ دیا گیا لیکن ابھی بھی ہسپتال میں ۲۲ افراد زیر علاج ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ کچھ غیر سرکاری بسوں اور منی بسوں نے بھی آمد و رفت کی ہیں۔

وزیر اعلیٰ نے مزید بتایا کہ رائٹرس بلڈنگس میں ۴۴ یا ۴۵ فی صد ملازمین ڈیوٹی پر آئے۔ ہائی کورٹ میں حاضری ۵۵ فی صد تھی۔ بنکوں میں شروع میں حاضری کم تھی لیکن بعد میں حاضر ہونے پر ملازمین کی تعداد بڑھ گئی۔ وزیر اعلیٰ نے مزید بتایا کہ ملازمین کے ڈیوٹی پر حاضر ہونے کے باوجود بنک میں کام کاج کرنا ممکن نہ ہو سکا کیونکہ جن کے پاس خزانہ کی چابی تھی وہ کام پر نہ آئے۔ انھوں نے شکایت کی کہ بنکوں کے حکام یہ نہیں چاہتے تھے کہ اس دن بنک چالو رہے، اسی لئے انھوں نے ویسا ہی کیا۔ مرکزی حکومت کے دفتروں میں ملازمین تو آئے لیکن افسران نہ آئے اس لیے ان دفتروں میں حسب معمول کام کاج نہ ہو سکا۔ انھوں نے مزید بتایا کہ اضلاع میں ڈیوٹی پر حاضر ہونے والے ملازمین کی تعداد ۵۰ فی صد تھی۔

وزیر اعلیٰ نے بتایا کہ اس دن شمالی بنگال کے چائے باغات میں حسب معمول کام کاج ہوئے۔ تیز ہوڑہ، ہگلی، درگاپور اور آسنسول کے صنعتی علاقوں میں حسب معمول طریقے سے کام کاج ہوا۔ ضلع ۲۴ پرگنہ میں جگتدل اور ٹیٹا گڑھ کے علاوہ دیگر علاقوں میں واقع کارخانوں میں کافی تعداد میں مزدور کام پر آئے۔ لیکن بی ٹی۔ روڈ پر واقع کارخانوں میں سے کچھ کھلے تھے اور کچھ بند۔

وزیر اعلیٰ نے مزید بتایا کہ جمعہ کی دوپہر کو کاندی تھانہ کے بیتھواری علاقہ میں کانگریس (آئی) کے لوگوں نے مقامی کرشک سبھا کے ایڈیٹر شیخ خلافت کا اغوا کیا اور انھیں ہلاک کر دیا۔ بعد میں سی پی آئی (ایم) کے کارکنوں نے ان کی لاش ایک دھان کھیت سے برآمد کی۔ مدنا پور کے بلدا کے علاقہ میں کانگریس (آئی) کے لوگوں نے سی پی آئی (ایم) کے جلوس پر حملہ کیا۔ یہاں فائرنگ ہوئی۔ اس طرح مرشد آباد کے بلڈا نگہ ریلوے اسٹیشن میں بھی گولی چلائی گئی۔ یہاں ریلوے لائن سے کانگریس (آئی) کے لوگوں کو ہٹانے کے لیے پولس کو فائرنگ کرنی پڑی۔ اس طرح بھوریشور میں بھی ریلوے لائن سے دھرنا دینے والوں کو ہٹانے کے لیے پولس کو ایک راؤنڈ گولی چلانی پڑی۔ اندپور بانکوڑا کے علاقہ میں سی پی آئی (ایم) کے ایک جلوس پر کانگریس والوں نے حملہ کیا۔ اس کے علاوہ ساینتھیا میں کانگریس والوں کے حملوں سے سی پی آئی (ایم) کے ایم۔ ایل۔ اے شری دھیرین سین کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سارے لوگ مجروح ہوئے۔ انھوں نے مزید بتایا۔ کانگریس (آئی) کے حملوں کو روکنے کے لیے "ڈومکل" مرشد آباد میں پولس کو مجبوراً گولی چلانی پڑی۔ یہاں ۱۵ افراد زخمی ہوئے۔ اسی طرح بانکستان میں بھی پولس کو ۵ راؤنڈ گولی چلانی پڑی۔

اس کے بعد رپورٹروں نے جب ان سے پوچھا کہ آپ لوگوں نے اس بند کا سیاسی طور پر کس طرح مقابلہ کیا؟ اس کے جواب میں وزیر اعلیٰ نے کہا کہ سیاسی مقابلہ کس کے ساتھ؟ ایک سیاسی پارٹی کے خلاف سیاسی مقابلہ ہو سکتا ہے۔ لیکن اس دن جو واقعات رونما ہوئے وہ تو غنڈہ گردی تھی۔ ان لوگوں نے چوری چھپے تو کچھ نہیں کیا۔ ان لوگوں نے 'بند' کے نام پر محض اینٹ پتھر پھینک کر جو دہشت انگیزی کی اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ خوف و ہراس پیدا کیا جائے۔

بقیہ:- اخباروں کی نظر میں

گشتی گاڑیاں سڑکوں کے چاروں طرف گشت کرتی ہوئی نظر آئیں۔ کانگریس (آئی) کے لیڈر شری اجیت پانجہ نے گذشتہ دن اپنے بیان میں خود اس بات کا اعتراف کیا کہ بایاں محاذ حکومت کو پولس سے زیادہ عوام اور اپنے حمایتیوں پر بھروسہ ہے اور انہی کے تعاون سے وہ امن و قانون کی صورت حال بحال رکھتی ہے۔ اس میں تو کوئی شک نہیں اگر عوام حکومت سے تعاون کرتے ہیں تو پھر صورتحال کے بگڑنے کا کوئی اندیشہ باقی نہیں رہتا ہے پولس کا فرض یہ ہے کہ وہ بگڑتی ہوئی صورت حال پر قابو پا جائے۔ جب عوام خود ہی پولس اور حکومت پر بھروسہ کر رہے ہیں تو پھر مداخلت کا سوال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے۔ وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو خود بھی پولس کو عوام سے قریب تر کرنے کے لیے کوشاں ہیں اگر ان کی کوشش سے یہ ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے تو گویا ہندوستان کی تاریخ میں ایک اہم تبدیلی واقع ہوگی یہ یہاں دوسری ریاستوں کا ذکر تضیع اوقات میں شامل ہوگا جہاں آئے دن پولس اور عوام کے درمیان تصادم کی واردات میں ہوتی رہتی ہیں۔

(آبشار کلکتہ مورخہ ۱۴ اپریل ۱۹۸۱ء)

سے کوئی اہمیت ہی نہیں سمجھی جارہی ہے۔ یہ حقیقت کہ کانگریس آئی دہشت گردی کی اسی پالیسی پر عمل کر رہی ہے۔ جو ماضی میں بائیں بازو پارٹی کا طرۂ امتیاز رہی ہے تو اسے کوئی ایسی پارٹی جو کمیونسٹ حکومت کے لئے ایک جمہوری چیلنج پیش کرنے کا دعویٰ کرتی ہے دلیل کے طور پر قطعی استعمال نہیں کر سکتی پوچھا جاسکتا ہے کہ بنگال بند کے پس پشت کون سی عقل کارفرما تھی؟ ہم بائیں بازو کی حکومت پر انتظامی ناکامیوں پر کڑی نکتہ چینیاں کر چکے ہیں، اس کے بعض مقاصد اور عمل پر اعتراض بھی کیا ہے اور اس کے متعدد پالیسیوں سے شدید اختلاف ظاہر کیا ہے لیکن اس کے باوجود اگر اس کے ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے اسے برطرف کر دیا جائے تو ہندوستان کی شاید ہی کسی ریاست کو جائز اور قانونی طور پر برقرار رکھا جاسکتا ہے، خود مرکز کا اپنا ریکارڈ بھی کوئی مثالی ریکارڈ نہیں ہے، اگر کسی حکومت کی بدنظمی کی تعریف یہ کی جائے کہ وہاں امن وقانون کا نظام چوپٹ ہے تو پھر کانگریس (آئی) کی بعض ریاستی حکومتیں خاص توجہ کی مستحق ہیں جہاں تک سوموار کے روز پولس فائرنگ کا سوال ہے بائیں بازو حکومت نے اس کی انکوائری کا مطالبہ مان لیا ہے گر وہ عدالتی نہیں ہے، پولس کارروائی کے متعلق شکوک کے باوجود یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اگر پولیس فائرنگ سے اموات کے سوال کی بنیاد پر کسی حکومت کے برسر اقتدار رہنے پر اعتراض کیا جائے تو پھر گجرات کی کانگریس (آئی) حکومت کو بہت پہلے ہی چلتا کر دینا چاہیئے تھا۔ کیا گجرات فائرنگ میں جتنے لوگ مارے گئے ہیں حکومت نے اس کا کوئی شمار رکھا ہے؟

اب جہاں تک سیاسی ایمانداری کا سوال ہے تو یہ اسی سے ظاہر ہے کہ آسام کی کانگریس آئی حکومت کو کس طرح بچایا گیا۔ اس کے باوجود شریمتی گاندھی نے مغربی بنگال کانگریس آئی کی ہمت افزائی کرنے میں بظاہر کوئی جھجک نہیں دکھائی کہ وہ اپنی مہم نہ صرف جاری رکھے بلکہ اسے اور وسیع کرے، اگرچہ کہا جاتا ہے کہ وزیر اعظم نے پر امن طریقے سے کام کرنے کا مشورہ دیا ہے لیکن اس سے جو عوامی انتشار اور بدنظمی پھیل سکتی ہے اس سے وہ ناواقف نہیں ہیں۔ شاید وہ خود یہی چاہتی ہیں کہ بائیں محاذ کی حکومت کا خاتمہ ہو جائے۔ کہا جا رہا ہے کہ بائیں محاذ حکومت میں اگر الیکشن ہوا تو کانگریس آئی اس میں کامیابی کا مطلق امکان نہیں دیکھتی اس لئے اسے توقع ہے کہ وہ صرف اسی وقت کامیابی حاصل کر سکتی ہے کہ الیکشن اس وقت ہو جب حکومت خود اس کے کنٹرول میں ہو ——— اسٹیٹسمین کلکتہ مورخہ ۵ر اپریل۔

۲ر اپریل سنہ ۸۱ء کا بنگلہ بند

اخباروں کی نظر میں

کیا کانگریس آئی جمعہ کے بنگال بندکی کامیابی پر بجا طور پر اپنے آپ کو مبارکباد دے رہی ہے؟ کامیابی کا حصول کچھ مشکل نہیں تھا مصیبت اور پریشانی سے بچنے کے لئے لوگ اپنے کام پر جانے سے باز رہے، دوکانیں اور دفاتر بند رہے، سوموار کے روز کلکتہ میں جو واقعات ہوئے تھے اس سے لوگوں میں خوف بڑھ گیا تھا اور جمعرات کی شام کو تشدد کی جو وارداتیں ہوئی تھیں اس سے لوگوں نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ دوسرے روز یعنی بنگال بند کے دن کیا ہوگا۔ جو لوگ اپنے گھروں میں بند ہو کر بیٹھ رہے تھے انہوں نے یقینی طور پر اس وقت اپنے آپ کو دانشمند گردانا ہوگا جب بسوں اور ٹراموں پر دسیع پیمانے پر حملوں اور سڑکوں پر اندھا دھند بم بازیوں کی پہلی رپورٹ انھیں ملی ہوگی۔ غالباً اس سے پہلے سواریوں سے لدی ٹراموں اور بسوں پر اس طریقے سے مسلسل متواتر اور وحشیانہ حملے نہیں ہوئے تھے۔ ہلاک ہونے والوں کی تعداد غالباً اور بڑھے گی کیونکہ زخمیوں میں سے بہتیرے تشویشناک حالت میں ہیں۔ تشدد کے طریقہ کار سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کیلئے خوب تیاریاں کی گئی تھیں جو لوگ اس کے ذمہ دار تھے شاید ان میں سے کچھ کانگریس آئی کے حامی نہ ہوں اور سماج دشمن عناصر نے بھی اس میں حصہ لیا ہو کیونکہ ان کے طریقہ کار کو دیکھ کر دونوں میں کچھ امتیاز کرنا دشوار ہے۔ بلاشبہ کانگریس آئی کے لیڈران بنگال بند کے نتائج سے بخوبی آگاہ تھے۔ یہی نہیں بلکہ انھوں نے تشدد کا بھی اندازہ لگایا تھا اور انہیں معلوم تھا کہ اس میں جانوں کا اتلاف اور جائدادوں کا نقصان ہوگا اس سے کشیدگی بڑھے گی جو ان کے سیاسی مقصد کے لئے کارآمد ثابت ہوگی اگر مزید انتشار اور بدنظمی سے ان کے اس دعوے کو تقویت پہونچے گی کہ بائیں بازو کی حکومت میں امن و قانون کا نظام چوپٹ ہو کر رہ گیا ہے، ایسی سیاسی مقصد برآری کا تصور ہی مشکل سے کیا جاسکتا ہے جس میں انسانی جانوں کی کوئی قدر و قیمت نہ سمجھی جائے۔ عوامی جائدادوں کی تباہی اور بربادی کی تو بہت دنوں ۴

گزشتہ چند روز کے واقعات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اندرا کانگریس نے محاذی حکومت کے خلاف صف آرائی کی پالیسی اختیار کر لی ہے۔ بظاہر اس معاملہ میں اس کو اپنے مرکزی لیڈروں کی حمایت حاصل ہے اس لئے یہ کہنا شاید غلط نہ ہوگا کہ اس ریاست میں اس وقت جو کچھ ہو رہا ہے اس کی ذمہ داری سے مرکزی لیڈر بھی بچ نہیں سکتے۔ ۳۱ مارچ کو اندرا کانگریس نے مرکز سے بھیجے گئے شری اشوک سین کی قیادت میں جو ہنگامہ خیز مظاہرہ کیا تھا اس میں ہونے والی پولیس فائرنگ کی جائز یا ناجائز ہونے کے بارے میں دو رائیں تو ہو سکتی ہیں لیکن ۲ اپریل کی شام کو ٹرام جلانے کا جو واقعہ ہوا تھا اور اس کے بعد ۳ اپریل کو بنگال بند کے موقع پر ٹراموں اور بسوں پر بموں سے جو لگاتار اور ہلاکت خیز حملے ہوئے تھے ان کے بارے میں کسی دو رائے کی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ ان کا کھلا ہوا مقصد یہ تھا کہ دہشت پھیلا کر ان گاڑیوں کو سڑکوں سے ہٹ جانے پر مجبور کر دیا جائے۔ بلاشبہ اندرا کانگریس کے لیڈروں کا یہ دعویٰ ہے کہ ٹراموں اور بسوں پر ہونے والے ان حملوں سے ان کا تعلق نہیں ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ اگر ان کا کوئی تعلق نہیں تھا تو پھر کس کا تھا۔ کیونکہ محاذی پارٹیوں کے ورکر یہ کام اس لئے نہیں کر سکتے تھے کہ ان کی یہ خواہش تھی کہ بسیں اور ٹرامیں بند نہ ہوں اور زیادہ سے زیادہ لوگ سڑکوں پر نکل آئیں اور ان میں سفر کریں۔ ان حالات میں عام لوگ ان تمام واقعات کے بارے میں رائے قائم کرنے پر مجبور ہوں گے جو اندرا کانگریس کے لیڈروں کے لئے تکلیف دہ ہوگا۔

انھوں نے بنگال بند کا نعرہ دیا تھا اور اسے کامیاب بنانے کی کوشش کرنے کا انھیں پورا پورا حق تھا۔ لیکن اس کوشش میں جبر اور تشدد کی کوئی گنجائش نہیں ہونی چاہیئے تھی اور جو لوگ اس بند میں حصہ لینا نہیں چاہتے تھے ان پر بموں سے حملے نہ ہونے چاہئیں تھے جو لوگ بسوں اور ٹراموں میں سفر کر رہے تھے وہ عام لوگ تھے اور وہ ہلاک اور مجروح ہوئے ہیں بظاہر انھیں صرف اس بات کی سزا ملی ہے کہ انھوں نے بند سے قبل ٹرام جلا کر دی گئی وارننگ کو نظر انداز کر کے اپنے گھروں میں بند رہنے سے انکار کر دیا تھا۔

جہاں تک بند کا تعلق ہے اس کے بارے میں ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ اس قسم کی حرکتوں سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا۔

کسی بھی بند کے بارے میں یہ نہیں کہا جا سکتا کہ عوام نے رضاکارانہ طور پر اس میں حصہ لیا ہے۔ یہ بات گزشتہ جمعہ کو ہونے والے بند پر بھی صادق ہوتی ہے کیونکہ اسے دہشت پھیلا کر کامیاب بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ اس رجحان کی حوصلہ شکنی کرنے کے بجائے اس کی حوصلہ افزائی کی جا رہی ہے اور سیاسی اغراض سے یہ فرض کیا جاتا ہے کہ اس سے جمہوریت کو فروغ حاصل ہوگا۔

(عصر جدید کلکتہ ۵ اپریل ۱۹۸۱ء)

یوں تو بنگال بند کو ہمیشہ ہی ایک خاص اہمیت دی گئی ہے لیکن موجودہ "بنگال بند" جس کا اہتمام کانگریس (آئی) کی طرف سے کیا گیا تھا ایک خاص انفرادی حیثیت کا حامل تھا۔ موجودہ بند سے تین چار روز پہلے سے بنگال میں جو متشددانہ واقعات رونما ہو رہے تھے اس کی وجہ سے لوگوں کے اندر خوف و ہراس پھیلا ہوا تھا جمعرات کی رات کو یعنی بند سے ایک روز پہلے کلکتہ کے مختلف علاقوں میں ٹراموں پر بم پھینکے گئے اور ایک ٹرام کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔ ان حالات میں "بند" کو ایک خاص اہمیت حاصل ہو گئی یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ "بند" کو خاص اہمیت دینے کے لئے ایک روز قبل لوگوں میں خوف و ہراس پیدا کرنے کے لئے متشددانہ واقعات کو دہرایا گیا ہو۔ حکومت مغربی بنگال نے تو حفظ ماتقدم کے طور پر احتیاطی تدابیر میں کوئی کسر نہیں چھوڑی اور اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ آرائی نہیں ہے کہ وہ اپنی کوششوں میں ۹۰ فیصد تک کامیاب رہی ہے بلکہ یہاں محاذ حکومت کا یہ اقدام دلیرانہ ہے کہ اس نے قبل از وقت ہی یہ اعلان کر دیا کہ حکومت صرف بند کی مخالفت کرے گی اسے روکنے کی کوشش قطعی نہیں کرے گی۔ دوم یہ کہ وہ بند کی حمایت کرنے والوں کو دوکان کھلوانے کی کوشش نہیں کرے گی۔ کانگریس (آئی) کے اس بنگال بند کو اس لئے کامیاب نہیں کہا جا سکتا کہ بسوں ٹراموں و لوکل ٹرینوں کی آمد و رفت میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ دوسرے یہ کہ [illegible] بازار۔ اور دکانیں بھی کھلی رہیں۔ بہت سے دکانداروں نے اپنی دکانوں کو بند رکھا لیکن اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے بند کی حمایت کی ہوگی۔ بلکہ گزشتہ دنوں کے متشددانہ واقعات نے انھیں خوفزدہ کر دیا تھا جس کی وجہ سے انھوں نے اپنی دکانوں کو بند رکھا۔ سرکاری دفاتر میں بھی ملازمین کی حاضریاں حسب معمول رہیں۔ پولیس نے اپنے فرائض بخوبی انجام دیئے انھیں جس طرح خاص خاص مقامات پر گشت کرنے اور تعینات رہنے کی ہدایتیں دی گئی تھیں انہوں نے اس سے انحراف نہیں کیا۔ پولیس کی

باقاعدہ



کلکتہ میں ۲/اپریل
کو نام نہاد 'بند' کے
دن زندگی حسب
معمول ہما ہمی۔

بنگلہ بند پوری طرح ناکام ہوا۔ بند کی
پکار دینے کے باوجود کانگریس
کو عوام کے ہاتھوں شکست کھانی پڑی۔
انھوں نے کہا اگر عوام پر ان لوگوں
کا کچھ اثر ہوتا تو خود بخود 'بند' ہو جاتا
چونکہ عوام پر ان کا کچھ اثر نہیں ہے
اس لئے کانگریس (آئی) نے دن بھر
کلکتہ میں بم اندازی کی۔ اگر اسے
وہ سب اپنی فتح سمجھیں تو یہ
ان کی بھول ہے۔

وزیر اعلیٰ
شری جیوتی باسو





مادری زبان میں تعلیم

از۔ پارتھو دے،
وزیر برائے ابتدائی اور ثانوی تعلیم

مجھے یہ نہیں معلوم ہے کہ انگریزی بمقابلہ بنگلہ مسئلہ کیا ہے۔ زبانیں تو نہیں لڑتیں لیکن لوگ کبھی کبھی زبان کے ساتھ اور زبان کے لئے ایک دوسرے سے لڑتے ہیں۔

موجودہ سوال کو صرف تعلیمی ہونا چاہیئے تھا، لیکن چونکہ چند افراد غیر تعلیمی زاویہ سے اس کی مخالفت کر رہے ہیں، اس لئے آخری تجزیہ میں یہ ایک تصوراتی سوال بن چکا ہے۔ زبان ایک واسطہ ہے، ایک آلہ ہے جس کے ذریعہ لوگ ایک دوسرے سے بات چیت کرتے ہیں، ایک دوسرے کے خیالات، تصورات اور اقدامات کو سمجھتے ہیں۔ تبادلۂ خیال کرنا ایک لازمی ضرورت ہے، ایک مسلسل طریقہ کار ہے۔ تبادلۂ خیال کئے بغیر فطرتی طاقتوں کے خلاف انسان کی جدوجہد اور عوام کی کامیاب منظم اجتماعی سرگرمیوں کے ذریعہ مادی افادیت کی چیزیں تیار کرنے کی کوشش ناممکن ہوتی۔ اسی لئے تمام قوموں کی ایک زبان ہونی چاہیئے، ایسی زبان جسے آسانی سے لوگ سمجھ سکیں، جس میں بات چیت کر سکیں اور وہ زبان ہے مادری زبان۔ جہاں کہیں بھی ایک خاص قوم کے اظہار خیال کرنے، تبادلۂ خیال کرنے کی اور پیداواری سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے وہیں عوام پر ایک غیر ملکی زبان لادنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ سامراجی غیر ملکیوں کی زبان کو آلۂ تسلط کے طور پر استعمال کیا گیا۔ لیکن اسی غیر ملکی زبان کو کبھی کبھی ایک ہی قوم کے حکمران طبقے عام لوگوں پر اپنا غلبہ قائم رکھنے کے لئے آلہ تسلط کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ "ایک خاص زبان کے عفروری عناصر دوسری زبان کے مقابلہ میں کم درجہ کے ہوتے ہیں" —— یہ بات تو حکمران طاقت کی دریافت ہے جو اسے اپنے سیاسی مقصد کی برآمدی کے لئے استعمال کرتے ہیں۔ یونیسکو نے سنہ ۱۹۵۱ء اعلان کیا تھا کہ اس سرزمین میں کوئی بھی زبان ایسی نہیں ہے جس میں جدید اور سائنسی خیالات کی تعلیم نہ دی جا سکے۔ لیکن اس کے باوجود چند لوگوں پر تسلط کا خبط سوار رہتا ہے وہ عام لوگوں کی زبان پر ان کی سیکھی ہوئی زبان کی برتری کو ثابت کرنے کے لئے اس زبان کی تعریف کے پل باندھتے ہیں۔ تسلط کی نفسیاتی پہلو کے ساتھ ساتھ درمیانی لوگوں کا ایک چھوٹا سا طبقہ ایسا بھی ہے جو ہمیشہ عملی اور ٹھوس نتائج کو پیش نظر رکھتا ہے۔ یہ طبقہ ایک غیر ملکی زبان کی جسے ملازمت کے انتخاب میں ایک آلہ کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، فرضی برتری کو تسلیم نہ کرنے کے سلسلہ میں پس و پیش کرتا ہے۔ اس طبقہ کو اپنے مستقبل کی بابت بڑی فکر لاحق ہو جاتی ہے کہ اگر عام لوگوں کی بول چال کی زبان نے انگریزی زبان کی جگہ لے لی تو ملازمت کے لئے مقابلہ کے امتحانات میں اسے دشواری ہوگی۔ سماجی ترقی کے ایک اس زاویہ نظر کو دوراندیشی نہیں کہا جا سکتا ہے اور اس کی وجہ سے کبھی کبھی درمیانی طبقہ کے لوگوں کو بڑی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

اگر صرف یہی بات زیر غور ہے کہ طلباء کے لئے انگریزی زبان اچھی طرح جاننا سمجھنا لازمی ہے، تو حزب اختلاف کے خدشہ کو حکومت کے اس فیصلہ سے دور ہو جانا چاہیئے کہ اسکول کے نصاب میں بعد میں یعنی ثانوی درجوں میں انگریزی کو رائج کیا جائے اور اس کی تعلیم کے لئے مرکوز طور پر کوششیں کی جائیں۔ انگریزی ایک ایسی زبان ہے جس کا ہمارے ملک میں بچوں کی بڑی اکثریت کے سماجی ماحول سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔ نیز کلاس روم کے باہر کی فضا اس زبان کے سیکھنے میں معاون ثابت نہیں ہوتی۔ اسے تو صرف کلاس روم میں مشق کے ذریعہ سیکھا جا سکتا ہے۔ ایک طالب علم کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ سب سے پہلے مادری زبان سیکھے پھر جب زبان کی بنیادی باتوں کی بابت اس کا شعور بیدار ہو جائے تو اس کے بعد اسے انگریزی سیکھنی چاہیئے۔ ایک بچہ کو اپنی مادری زبان میں باتوں کی نقل کرنے، غیر شعوری طور پر سیکھنے، باتوں کو دہرانے، آزمائش اور غلطی کرنے کے کئی مواقع فراہم ہوتے ہیں لیکن

جب وہ ایک غیر ملکی زبان سیکھنے کی کوشش کرتا ہے تو اسے اپنے ماحول میں [illegible] وہ باتیں نہیں ملتیں۔ چنانچہ انگریزی کی تعلیم دینے کے لئے بہت سارے وجوہ کے ساتھ مختلف طور پر انتظام کرنا چاہئے یعنی ایک غیر ملکی زبان رائج کرنے کے لئے طلبا کے شعور کی پختگی کو بھی نظر رکھنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی دوسری ملکی زبان کی تعلیم کے لئے اچھا انتظام ہونا چاہئے اور اسے سکھانے کے لئے اہل اساتذہ کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس اقدام کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا کہ ایک بچے کو ابتدا ہی میں جب وہ دوسروں کی باتوں کو دہرا دہرا کر زبان سیکھتا ہے ایک غیر ملکی زبان سکھائی جائے۔ ابتدائی اسکولوں میں اس قسم کے اقدام کے ناقص نتائج برآمد ہوں گے۔ کبھی کبھی بچے کو بہت زیادہ عرصے تک غیر ملکی زبان کے زیر اثر رکھا جاتا ہے۔ یہ طریقہ بھی غلط ہے اس کے نتائج بھی اچھے نہیں ہوتے۔ نئی ہفتہ کلاسوں میں انگریزی کی جتنے گھنٹے تک تعلیم دی جاتی ہے اس سے انگریزی بولنے کا شوق تو پیدا ہوتا لیکن کلاس روم کے باہر اس زبان کو استعمال کرنے کے مواقع کی عدم موجودگی سے یہ شوق خود بخود غائب ہو جاتا ہے۔ آپ ہزار بار کوششیں کریں کہ ایک بچہ اس زبان کو یاد رکھے جسے اسے دس سال قبل سکھایا گیا ہے لیکن وہ بچہ اس زبان کو فراموش کر دیگا، اگر اس کے خاندان کے لوگ اور رشتہ دار اور بازار میں لوگ اس زبان میں بات چیت نہیں کرتے۔ اس لئے یہ بہتر ہے کہ ایک نوجوان کو جب اسے ایک زبان کو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لئے ایک واسطے کی طرح یا ملازمت کے لئے استعمال کرنے کی ضرورت ہو تو ٹھیک اس سے چند سال قبل اسے اس زبان کی نہایت ہی باقاعدہ اور زور پر تعلیم دی جانی چاہئے۔

قومی اور بین الاقوامی مقابلہ کی بات کوئی خاص اہمیت کی حامل نہیں ہے۔ تمام ممالک خواہ قومی ہوں یا بین الاقوامی منتخب کرنے سے قبل امیدواروں کا اس سلسلے میں جائزہ کریں گے کہ آیا وہ کام جانتے ہیں یا نہیں۔ ایک شخص انگریزی جانتا ہے لیکن کام نہیں جانتا تو اسے اسپتال چلانے والے کا عہدہ دیکر ملازم رکھیگا۔ جب انگریزی کے اساتذہ کی بھرتی کی جاتی ہے تو [illegible] انگریزی میں ان کی صلاحیت کی جانچ کی جاتی ہے۔ میں بیرونی ممالک میں انگریزی کے ایسے اساتذہ کو جانتا ہوں جنہوں نے انگریزی کی ٹیچنگ کے اسکولوں میں [illegible] حاصل نہیں کی۔ بعض لوگ ہمیں یہ بتلاتے ہیں کہ انگریزی کا ٹیچنگ کورس [illegible] ہوتے ہیں۔ کیا ایسا کچھ ہو سکتا ہے؟

کیا مادری زبان ایک غیر ملکی زبان کے واسطے سے کمتر واسطہ ہے؟ کیا مادری زبان میں پڑھائے جانے والا علم ریاضی انگریزی میں پڑھائے جانے والے علم ریاضی سے کمتر ہوتا ہے۔ نہیں اس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔

زبان ایک سماجی شئے ہے۔ اس کی ابتدا ایک خاص سماج کی ابتدا سے ہوئی اور اس کی نشو و نما اس سماج کی نشو و نما کے ساتھ ساتھ ہوتی ہے۔ نہ اپنی ابتدا کے لئے نہ اپنی ترقی کے لئے اور نہ اپنی بقا کے لئے ایک زبان کو کسی اور باتوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ ایک زبان کی ترقی اور کا انحصار ایک خاص سماج کی پیداواری اور ثقافتی سرگرمیوں کی ترقی اور شدت پر ہے۔ جیسے جیسے ایک خاص سماج کی تبادلۂ خیال کرنے کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے، ویسے ویسے اس کی زبان بھی نئے نئے الفاظ اور محاورے اپنے میں ضم کر کے ترقی کرتی جاتی ہے۔ نیز اس کے قواعد میں جدید کاری ہوتی جاتی ہے۔ بنگلہ زبان نے بہت سارے انگریزی الفاظ کو اپنایا انگریزی زبان نے بھی ساری دنیا کی زبانوں کے بہت سارے الفاظ کو اپنایا نہ بنگلہ زبان اپنی ترقی کے لئے انگریزی پر اور نہ انگریزی اپنی نشو و نما کے لئے دنیا کی دیگر زبانوں پر انحصار کرتی ہے۔ بنگلہ زبان نے فارسی سے بہت سارے الفاظ لئے۔ گرچہ بنگال میں فارسی زبان تقریباً فراموش کر دی گئی ہے لیکن بنگلہ زبان کی ترقی رک نہ سکی۔

ایک اور خدشہ بھی ہو سکتا ہے کیا لوگوں کی متعلقہ مادری زبانوں کے ذریعہ تعلیم اور انگریزی کی دوسری زبان کی حیثیت سے ملک میں جہاں بہت ساری زبانیں بولی جاتی ہیں، انتشار پسند قوتوں کی ہمت افزائی ہوتی ہے؟ کیا رابطہ کی ایک لازمی زبان کی عدم موجودگی سے ملک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں گے؟ حالات تو ایسے دکھائی نہیں دیتے۔ حکومت کی زبان میں حکمرانوں کے لئے آسانی ہو سکتی ہے لیکن اس سے عوام کو آسانی نہیں بھی ہو سکتی۔ ملک کی یکجہتی اور سالمیت زبان کا کام نہیں ہوتا یہ عوام کی شعوری بیداری کی کارکردگی ہے اور عوام کی بیداری کی نشو و نما اس وقت ہوتی ہے جب وہ اپنی اپنی مادری زبانوں کو بطور واسطہ استعمال کرتے ہیں۔ ایک رابطہ کی زبان میں فائدہ مند ہو سکتی ہے لیکن رابطہ کی زبانیں خود بخود ترقی کرتی ہیں۔ انہیں صرف سرکاری نصیحتوں کے ذریعہ عوام پر لادا نہیں جا سکتا۔ ایک جمہوری سیاسی فضا میں، جہاں تمام دیسی زبانوں کو ترقی کرنے کی اور سرکاری کام کاج میں استعمال کرنے کی کھلی آزادی ہے، وہاں لوگوں کو خود بخود آہستہ

آہستہ اس بات کا احساس ہوگا کہ ملک کے دوسرے کونے کے لوگوں سے بات چیت کرنے میں کون سی زبان یا زبانیں جنھیں عوام کی اکثریت استعمال کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں، نہایت فائدہ مند واسطے کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہیں۔ جس لمحہ مادری زبان کی طرح اسے سمجھنے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ نہ ہوگی اسی وقت سے جذباتی یکجہتی کی اس رابطہ کی زبان کی ترقی کے طریقہ کار میں سستی آجائے گی۔ ہندی کو ایک موقع دیا جا سکتا ہے بشرطیکہ ہندی لازمی نہ بنائی جائے اور تمام دیگر زبانوں کو سرکاری اور باہر کے کام کاج میں پھولنے پھلنے کا موقع دیا جائے۔

اس ملک کے عوام ہی اس بات کا بہتر طور پر فیصلہ کر سکتے ہیں کہ کیسے اور کس حد تک سرکاری کام کاج میں اور اعلیٰ تعلیم کے مرکزوں میں انگریزی کو اعلیٰ اور نمایاں مقام حاصل رہنا چاہیے لیکن اپنا فیصلہ صادر کرنے سے قبل انھیں اس بات کی اجازت دی جانی چاہیے کہ انھیں دونوں میں سے انتخاب کرنا ہوگا۔ کم از کم انھیں مادری زبان کی "ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے اور سرکاری زبانوں کی طرح" افادیت معلوم کرنے کی کوشش کرنے کی اجازت دی جانی چاہیے۔ انھیں ذریعہ تعلیم اور سرکاری زبان کی حیثیت سے انگریزی زبان سے تجربہ کرنے کا کافی موقع ملا ہے۔

بقیہ: صفحہ ۱۴ پر

ہمیں امید ہے کہ قوم کی تعمیر کے مفاد میں تعلیم کی گوناگوں توسیع اور ترقی کے لئے بائیں محاذ حکومت کی عوامی، جمہوری اور سائنسی تعلیمی اور لسانی پالیسی کے خلاف گمراہ کن پروپگنڈہ کی اصل نوعیت آپ پر عیاں ہو چکی ہوگی۔ ہم اس بات کی امید کرتے ہیں کہ سارے ملک میں تعلیم کی توسیع اور فروغ کے لئے مندرجہ ذیل پروگرام کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لئے آپ اقدامات کریں گے۔

(۱) دستور میں ترمیم لاکر ریاستی فہرست میں تعلیم کو شامل کرنا۔

(۲) تمام ریاستی حکومتوں اور ٹیچروں کی تنظیموں سے مشورہ کرنے کے بعد ایک جامع اور ترقی پذیر قومی تعلیمی پالیسی مرتب کرنا۔

(۳) کوٹھاری کمیشن کی سفارشات کے مطابق تعلیم کے لئے مرکزی بجٹ کی دس فی صد رقم اور قومی آمدنی کی ۶ فی صد رقم مختص کرنا اور کلاس XII تک مفت تعلیم رائج کرنے کے سلسلہ میں مزید مالی بوجھ کو مرکزی حکومت کا برداشت کرنا۔

(۴) تمام مرحلوں میں مادری زبان کے ذریعہ تعلیم کا نظام رائج کرنا۔

(۵) قوت بخش غذا کی فراہمی کی قومی اسکیم کے تحت پرائمری اسکولوں کے تمام طلبا کو لانے کے لئے خصوصی منصوبہ مرتب کرنا۔

بند کے دوران ہلاک ہونے والوں کے خاندانوں کی مدد

"حکومت مغربی بنگال ان لوگوں کے جو 'بند' کے دن اپنے کام کاج کے لئے ٹرام اور بسوں پر سفر کرتے ہوئے ہلاک ہوئے تھے قریبی رشتہ دار کو روزگار کے مواقع فراہم کرے گی۔ اس دن ٹالی گنج کے نزدیک پٹرول بم سے جل کر ہلاک ہونے والی ایک عورت کے بچوں کو مفت تعلیم اور یتیم خانہ میں رہائش اور طعام کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔"

شری پرشنتو سور وزیر برائے لوکل گورنمنٹ اور شہری ترقی نے سنیچر ۱۱ اپریل ۱۹۸۱ء کو رائٹرس بلڈنگس میں پریس رپورٹروں کو یہ باتیں بتائیں۔ وزیر موصوف نے مزید بتایا کہ انھوں نے تریپورہ کے وزیر اعلیٰ شری نرپن چکرورتی کو بھی خط لکھا ہے جس میں انھوں نے سرکاری بس ڈرائیور آنجہانی شیامل رائے کے چھوٹے بھائی کے لئے ایک ملازمت کی بابت کہا ہے۔ شری شیامل رائے 'بند' کے دن سرکاری بس چلا رہے تھے۔ ان کی بس پر بم پھینکا گیا، جسکی وجہ سے وہ بہت ہی بری طرح زخمی ہوئے۔ انھیں ہسپتال میں زیر علاج رکھا گیا، لیکن وہ جانبر نہ ہو سکے اور ۸ اپریل کو اس دار فانی سے کوچ کر گئے۔ وزیر موصوف نے بتایا کہ شری رائے کے خاندان کے افراد تریپورہ میں آباد ہیں۔ ان کے چھوٹے بھائی مدھیہ مک امتحان پاس کیا ہے۔ شری رائے کنوارہ تھے۔

شریمتی بسنت کاسکا چکرورتی بھی پٹرول بم سے بالکل جھلس گئی تھیں۔ وہ بھی جانبر نہ ہو سکیں۔ انکے تین بچوں کو مفت تعلیم فراہم کی جائیگی۔ انکے چھ اور آٹھ سال کے دو بیٹوں کو یتیم خانہ میں رکھا جائیگا اور انکی تیرہ سالہ بیٹی کو آنند آشرم میں اگر وہاں جگہ ملی تو رکھا جائیگا۔ شریمتی چکرورتی بیوہ تھیں اور ایس ایس کے ایم ہسپتال میں نرس تھیں۔

پٹرول بم کی ایک اور شکار خاتون اِلا رائے ریاستی حکومت کی ملازم تھیں۔ ہلاک انکے دو بیٹے ہیں۔ بڑے بیٹے کو نوکری دی جائیگی۔ 'بند' کے دن ہلاک ہونیوالے شری اتپل داس ریاستی حکومت کے ملازم تھے۔ انکی بیوی اور ایک بچہ ہے۔ بیوی کو ملازمت دی جائے گی۔

وزیر موصوف نے مزید کہا کہ اس دن اپنی ڈیوٹی پر حاضر ہونے کیلئے سفر کے دوران بم اندازی کی وجہ سے جو ہلاک ہونیوالے لوگوں کے خاندان کے افراد اگر انھیں مدد کی ضرورت ہو تو ریاستی حکومت سے رجوع کر سکتے ہیں۔ انھوں نے مزید کہا کہ ریاستی حکومت ان تمام لوگوں کے طبی اخراجات برداشت کریگی جو بند کے دن زخمی ہوئے ہیں اور اب بھی ہسپتالوں میں زیر علاج ہیں۔

مغربی بنگال میں تعلیمی بہتری کیلئے بہت سارے ترقی پذیر اقدامات کئے گئے ہیں

مغربی بنگال کی تعلیمی تنظیموں کی طرف سے وزیر اعظم کے نام خط

آل بنگال ٹیچرس ایسوسی ایشن کے شری کرشنا پدو رائے، سارا بانگلہ بکشک۔ او سکشا کورمی سمیتی کے شری تیاتی کا گولی، بھیم بانگلہ مدھیہ مک سکشک سمیتی کے شری شیاما پدو گوشال، آل بنگال پرائمری ٹیچرس ایسوسی ایشن کے شری گاندل سنترائے، سارا بانگلہ پراتھمک سکشک سنگھ کے شری ماریجرومتا نے مشترکہ طور پر ۲۵ مارچ کو نئی دہلی میں وزیر اعظم شریمتی اندرا گاندھی سے ملاقات کی اور انھیں ایک خط دیا جس میں انھوں نے مغربی بنگال میں تعلیم کی بہتری کے لئے کئے گئے ترقی اقدامات کا ذکر کیا۔ اس خط کا متن اختصار کے ساتھ درج ذیل ہے۔

آپ نے پارلیمنٹ کے حالیہ بجٹ اجلاس میں مغربی بنگال کی تعلیمی صورت حال کی بابت جو تبصرہ کیا تھا، اس کی جانب ہماری توجہ مبذول کرائی گئی ہے۔ آپ نے کہا تھا کہ مغربی بنگال میں تعلیمی میدان میں افراتفری پھیلی ہوئی ہے۔ اس سے قبل آپ نے ۲۰ فروری کو چند اساتذہ کے وفد کے سامنے یہ کہا تھا کہ مغربی بنگال میں ریاستی حکومت نے تعلیمی اداروں میں نامناسب طور پر مداخلت کی ہے۔

آپ کے ان حالیہ تبصروں سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایسی رپورٹوں کو جو صحیح نہیں اور جن کا حقائق سے کوئی واسطہ نہیں ہے، کی بنیاد پر مذکورہ تبصرے کئے۔ یہ بات تو یقینی طور پر کہی جا سکتی ہے کہ آپ کو مغربی بنگال میں تعلیم کے میدان میں کئے گئے ترقی پذیر اقدامات کی بابت مکمل اور صحیح طور پر مطلع نہیں کیا گیا۔

ہم، جو تنظیمیں جو مغربی بنگال کے دو لاکھ سے بھی زیادہ پرائمری اور سکنڈری کے ٹیچروں اور دیگر تعلیمی اداروں کے کارکنندگان کے نمائندہ ہیں، آپ کے غور و خوض کے لئے مغربی بنگال میں تعلیمی میدان میں موجودہ صورت حال کی جانب مندرجہ ذیل حقائق پیش کرتے ہیں۔

یقینی طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپ نے اب تک اس بات کو فراموش نہیں کیا ہے کہ ۱۹۷۰ء سے لیکر ۱۹۷۶ء تک کے عرصہ میں مغربی بنگال میں تعلیم کے میدان میں مکمل افراتفری پھیلی ہوئی تھی۔ اس عرصہ میں شری گوپال چندر سین، وائس چانسلر جادب پور یونیورسٹی کو، اسی یونیورسٹی کے احاطہ میں چھرا مار کر ہلاک کر دیا گیا تھا۔ اس طرح ایک ٹیکنیکل ادارہ کے پروفیسر ستین چکرورتی کو کلاس روم کے اندر ذبح کر دیا گیا تھا۔ اس عرصہ میں ناگپور میں ایک ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر شری بمل داس گپتا کو اسکول کے اندر اسکول کے اوقات میں پٹرول سے جلا کر ہلاک کر دیا گیا۔ نیز ایک لیڈی ٹیچر شریمتی پورل بوس کو ان کے اسکول میں چھرا گھونپ دیا گیا۔ اس عرصہ میں مغربی بنگال کے دو تسلیم شدہ ٹیچروں کے لیڈر شری سنتوش بھٹاچاریہ اور شری سنتوش کیال کو ہلاک کر دیا گیا۔ نیز اسی طرح اور بھی بہت سارے سکنڈری اور پرائمری ٹیچروں کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔ اور بہت سارے تعلیمی اداروں کی عمارتوں کو شر پسند عناصر نے جلا کر راکھ کر دیا۔ ٹیچروں کی تحریک سے وابستہ بہت سارے لیڈروں اور ورکروں کو ان کے کام کرنے کی جگہوں سے زبردستی دور بھگا دیا گیا۔ کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر پر بھی حملے کئے گئے۔ ودیا ساگر، رابندرا ناتھ اور دیگر عظیم ہستیوں کے مجسموں کو توڑ دیا گیا۔

اسی عرصہ میں ہم نے امتحانات کے ہال میں طلباء کو کھلے عام نقل کرتے دیکھا، حالانکہ اس سے قبل مغربی بنگال میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ امتحانات تو مکمل طور پر مذاق اور بے معنی سی چیز بن گئے تھے۔ اس کے نتیجہ میں اس ریاست کی مختلف یونیورسٹیوں سے حاصل کردہ ڈگری اور ڈپلومہ کی ملک کے اندر اور باہر قدر و قیمت گھٹ گئی تھی۔ امتحانات کبھی وقت پر نہیں ہوتے نتیجہ میں طلباء کو امتحانات کے نتائج کی اشاعت کے لئے دو تین سال تک انتظار کرنا پڑتا۔ منظم غنڈہ گردی کے نتیجہ میں تعلیمی اداروں کے حکام کے

حسب معمول کام کاج مفلوج ہو کر رہ گئے۔

۱۹۷۷ء میں انتخابات کے بعد مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت نے تمام ٹیچروں کی ایسوسی ایشن اور جمہوری تنظیموں سے مشورہ کرنے کے بعد تعلیم کے میدان میں چند ٹھوس اقدامات کئے۔ ہم یہ کہنے کی جرأت کر سکتے ہیں کہ ان اقدامات کی وجہ سے تعلیمی میدان میں حسب معمول حالات بحال ہو گئے۔ اب مغربی بنگال میں کہیں بھی کسی شخص کو اپنے سیاسی نظریہ اور جمہوری تحریکوں سے وابستگی کی بنا پر اپنے کام کی جگہ یا اپنے گھر سے دور رہنے کی ضرورت نہیں۔ امتحانات اب وقت پر ہو رہے ہیں۔ امتحانات کے دوران ہنگامے نہیں ہوتے۔ اب وقت پر امتحانات کے نتائج شائع کئے جا رہے ہیں تعلیمی اداروں میں حسب معمول زندگی کی چہل پہل بحال ہو گئی ہے اور تعلیمی اداروں میں عرصہ دراز سے چھائی ہوئی غیر یقینی کی فضا دور ہو گئی ہے۔ تعلیم کے میدان میں ایک اہم تبدیلی یہ کی گئی کہ اس ریاست کے تعلیمی بورڈ کی از سر نو تنظیم کی گئی عرصہ دراز سے اس ریاست میں ثانوی تعلیم کے بورڈ پر بیوروکریسی کا غلبہ تھا۔ ریاستی حکومت نے ثانوی تعلیم کی بابت ایکٹ میں حسب ضرورت ترمیم لائی اور مختلف ٹیچرس ایسوسی ایشن کے مطالبہ کے مطابق نئے تشکیل کردہ بورڈ میں مغربی بنگال میں تمام ٹیچروں کی تنظیموں کے نمائندوں کو نامزد کیا گیا۔ نئے بورڈ نے اپنی زندگی کے مختصر عرصہ میں تقریباً ۲ لاکھ طلباء کا پرامن فضا میں ثانوی امتحان منعقد کیا۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ کسی نے آپ کو اسکولوں کی مینیجنگ کمیٹی کی معطلی کے سلسلہ میں غلط اطلاعات فراہم کیں۔ صرف ان کمیٹیوں کو معطل کیا گیا جہاں خصوصی مالی بے قاعدگی پائی گئی۔ ان اسکولوں میں ایڈمنسٹریٹر مقرر کئے گئے جہاں پرانی مینیجنگ کمیٹیوں کی میعاد بہت عرصہ قبل پوری ہو چکی تھی لیکن ایسی کمیٹیاں نئی کمیٹیوں کی تشکیل کے لئے انتخابات کرانے سے انکار کر رہی تھیں۔ مینیجنگ کمیٹیوں میں تعلیمی اداروں کے کارکنوں کی نمائندگی کے حق کو تسلیم کر لیا گیا۔ یہ اس ریاست کی پرائمری اور سکنڈری ٹیچروں کی تنظیموں کی بہت ہی پرانی مانگ تھی۔ ویسٹ بنگال پرائمری ایجوکیشن ایکٹ کو صدر ہند کی منظوری مل گئی ہے اور اس کے نتیجہ میں اب ابتدائی تعلیم کو جمہوری طرز پر ڈھالنا ممکن ہو سکا۔ نیز مغربی بنگال کے عوام اور حکومت کی مشترکہ کوششوں کے نتیجہ میں ۱۹۷۸ء کے سیلاب میں پرائمری اور سکنڈری اسکولوں کی جن عمارتوں کو نقصان پہنچا تھا، ان کی تعمیر کا کام بھی ممکن ہو سکا۔

اس کے علاوہ تعلیم کے میدان میں اور بھی قابل ذکر اقدامات کئے گئے ابتدائی اسکولوں کے تقریباً ۳ لاکھ طلباء کو دن کا کھانا اور سماج کے غریب اور پسماندہ طبقہ کے بچوں کو اسکول یونیفارم مفت سپلائی کیا جا رہا ہے۔ پرائمری اسکولوں کے طلباء کو نصاب کی کتابیں اور پڑھنے لکھنے کے دیگر سامان مفت سپلائی کئے جا رہے ہیں۔ ہر گاؤں میں جہاں اسکول نہیں ہے، ایک اسکول قائم کرنے کے لئے اقدامات کئے جا رہے ہیں نیز ہر تعلیمی ادارہ کو سرکاری امداد کے تحت لانے کے لئے کوششیں کی جا رہی ہیں۔

ریاستی حکومت نے ۱۹۷۴ء میں پرائمری نصاب کی جدید کاری کے لئے ایک کمیٹی تشکیل کی تھی لیکن اس کمیٹی نے عرصہ دراز تک کچھ کام نہیں کیا۔ ۱۹۷۷ء کے بعد ریاستی حکومت نے اس کمیٹی کی توسیع کی اور اس میں تمام ٹیچروں کی تنظیموں کے نمائندوں اور ماہرین تعلیم کو شامل کیا۔ اب یہ کمیٹی بڑی تیزی سے کام کر رہی ہے۔ ہم اس اقدام کو جمہوری سمجھتے ہیں، کیونکہ عرصہ دراز سے مغربی بنگال کے ٹیچروں کی تنظیموں کی یہ مانگ تھی کہ ٹیچروں اور ماہرین تعلیم سے مشورہ کرنے کے بعد نصاب مرتب کیا جائے۔

مادری زبان کے ذریعہ تعلیم، سارے ہندستان میں تعلیمی تحریک کی قومی مانگ رہی ہے۔ مہاتما گاندھی نے کہا کہ مادری زبان سے غفلت برتنی خودکشی کرنے کے مترادف ہے۔ رابندر ناتھ اور آچاریہ ستین بوس نے بار بار مادری زبان کے ذریعہ تعلیم کی سماجی اہمیت کا ذکر کیا ہے۔ کوٹھاری کمیشن نے بھی اسی طرح کی سفارشات پیش کیں۔ کوٹھاری کمیشن نے نہ صرف اس بات کی سفارش کی کہ مادری زبان کے ذریعہ ہی تعلیم دی جائے بلکہ اس نے اس بات پر بھی زور دیا کہ پرائمری درجوں میں یعنی گیارہ سال تک کے بچوں کو صرف مادری زبان کی تعلیم دی جائے۔

حکومت مغربی بنگال نے تعلیم کے میدان میں عرصہ دراز کی اس قومی مانگ کو تسلیم کر لیا اور تمام سطحوں پر مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دینے کا نظام رائج کیا۔ ریاستی حکومت ابتدائی مرحلہ پر تعلیم دینے کے سائنسی اصول کو بروئے عمل لائے گی۔

آپ کو یہ بات ضرور یاد ہوگی کہ مہاتما گاندھی نے کلاس VII سے قبل تک انگریزی کی تعلیم کے مخالف تھے۔ رابندر ناتھ کی رائے بھی یہی تھی۔ اگر آپ از راہ مہربانی ہندستان کی مختلف ریاستوں کے نصابات کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ معلوم ہوگا سارے ہندستان

میں ایک دو ریاستوں کے علاوہ کہیں بھی پرائمری درجوں میں دوسری زبان کی تعلیم نہیں دی جاتی ہے

ہماری بھی یہی رائے ہے کہ ریاستی حکومت کا یہ سائنسی فیصلہ حقیقت پر مبنی ہے کہ پرائمری درجوں میں مادری زبان ہی واحد زبان ہوگی جس کی تعلیم دی جائے گی۔ ہمیں اخباروں سے یہ معلوم ہوا ہے کہ دہلی میں ماہرین تعلیم کی ایک جماعت کے سامنے آپ نے بذات خود مادری زبان کے ذریعہ تعلیم دینے کی اہمیت پر زور دیا۔ آپ صرف ملک کی وزیر اعظم ہی نہیں ہیں بلکہ آپ ایک سیاسی جماعت کی سربراہ بھی ہیں۔ لیکن مغربی بنگال میں آپ کے پیروں کا خیال بالکل مختلف ہے۔ یہ ایک عجیب حقیقت ہے کہ جو لوگ آج حقیقت پر مبنی اس فیصلہ کی مخالفت کر رہے ہیں وہی لوگ چند سال پہلے اسی امر کی ببانگ دہل تائید کر رہے تھے۔

آپ کو اس بات سے مطلع کیا گیا ہوگا کہ مغربی بنگال میں ثانوی درجوں میں ایک دوسری زبان بھی لازمی طور پر سکھائی جاتی ہے۔ اس طرح تعلیم کے اعلیٰ مرحلوں پر زبان سیکھنے کے امکانات میں کافی وسعت پیدا کر دی گئی ہے۔ اس سے یہ حقیقت آپ پر عیاں ہو جائے گی کہ یہ شور و غل کہ مغربی بنگال کے تعلیمی نظام سے انگریزی کو ختم کیا جا رہا ہے، کتنا بے معنی ہے۔

جموں کشمیر اور دیگر چند ریاستوں کو چھوڑ کر سارے ہندوستان میں ۱۹۵۰ء میں دستور کے نفاذ کے بعد دس سال کی مدت کے اندر اندر ریاستی پالیسی کے رہنما اصولوں کے مطابق ۱۴ سال کی عمر تک کے بچوں کو مفت تعلیم فراہم کرنی ممکن نہ ہو سکی۔ یہ صرف دستور کی ہی ہدایت نہ تھی بلکہ یہ ہندوستان کی تعلیمی تحریک کی پرزور مانگ بھی تھی۔ آپ اس بات سے بخوبی واقف ہوں گی کہ مغربی بنگال میں ۱۹۸۱ء کے تعلیمی سال سے کلاس XII تک تعلیم مفت کر دی گئی ہے۔ آپ کی حکومت کو کلاس XII تک مفت تعلیم فراہم کرنے کے سلسلہ میں مزید مالی ذمہ داری یقیناً ہوگی۔ ہمیں مرکزی حکومت کے حالیہ اعلانیہ سے بڑی تشویش لاحق ہو گئی ہے کہ اب سے کلاس VIII سے اوپر کے کلاسوں کے لئے مفت تعلیم کے لئے مرکزی حکومت مزید مالی اخراجات کی ذمہ داری نہیں لے گی اور یہ کہ ریاستی حکومتوں کو پورا خرچ برداشت کرنا ہوگا۔ ہمارے خیال میں اس فیصلہ کی وجہ سے ملک میں تعلیم کی توسیع پر بہت برا اثر پڑیگا۔ اس سلسلہ ہم آپ کی توجہ آزادی ملک کے فوراً بعد تشکیل کردہ کوٹھاری کمیشن کی سفارشات کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ اس کمیشن نے اس بات کی سفارش کی تھی کہ ہندوستان جیسے ترقی پذیر ملک میں تعلیم کی بہتری کے لئے مرکز کی بجٹ کی دس فی صد رقم اور قومی آمدنی کی ۶ فی صد رقم خرچ کرنی لازمی ہے مرکزی حکومت نے اس سفارش کو اصولاً منظور کر لیا تھا۔ یہ ہندوستان کی تعلیمی تحریک کی بنا پر ایک اہم مانگ تھی۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ اس سفارش پر عملدرآمد نہیں کیا گیا۔ اگر اس سفارش کی تکمیل کی جاتی تو سارے ملک میں کلاس XII تک مفت تعلیم فراہم کرنے کے سلسلہ میں مالی ذمہ داری کو برداشت کرنا مرکزی حکومت کے لئے ممکن ہو سکتا۔

ایک اور اہم بات کی طرف ہم آپ کی توجہ مبذول کرانا چاہتے ہیں۔ ہمارے خیال میں کثیر لسانی ہندوستان کی ریاستوں کی زبانوں اور ثقافتوں کی قدرتی نشوونما اور فروغ کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ تعلیم کو دستور کی ریاستی فہرست میں ہونا چاہئے۔ ریاستی فہرست میں تعلیم کی تحریک ریاستوں کی زبان اور ثقافت کی ترقی میں نہ صرف معاون ثابت ہوگی بلکہ اس ملک کی قومی یکجہتی کو تقویت بھی پہونچیگی۔ ساتھ ہی ہم فرقہ پرستی کی روک تھام بھی کر سکیں گے۔ اس کے نتیجہ میں ریاستی حکومتوں کے لئے یہ ممکن ہو سکے گا کہ وہ عوام کی تعلیمی ضرورتوں کے مطابق منصوبے مرتب کریں۔ ہم امید کرتے ہیں کہ دستور میں ضروری ترمیم لا کر تعلیم کو ریاستی موضوع بنانے کے کام میں آپ کی حکومت پیش قدمی کریگی۔

ہمیں عرصہ دراز سے سارے ہندوستان میں ایک جامع ترقی پذیر تعلیمی پالیسی کی کمی کا شدت سے احساس ہو رہا ہے۔ ہم اس بات کو ضروری سمجھتے ہیں کہ تمام ریاستوں کے ساتھ اور ٹیچروں کی تمام تنظیموں سے مشورہ کرنے کے بعد ایک ترقی پذیر قومی تعلیمی پالیسی مرتب کی جائے۔

۴۵ لاکھ ٹیچروں اور درسگاہوں میں کام کرنے والے دیگر ملازمین کے نمائندگی کرنے والی ٹیچروں کی چند تنظیموں کی طرف سے ہم لوگوں نے مغربی بنگال میں تعلیم کے میدان میں ترقی اور بہتری کے لئے جو اقدامات کئے گئے ہیں ان کی بابت اپنی رائے آپ کے سامنے پیش کر دی۔ ہماری ریاست میں ٹیچروں کی تحریک کے اغراض و مقاصد کو حقیقت کا جامہ پہنایا جا رہا ہے۔ مغربی بنگال میں تعلیمی میدان میں جو ترقی پذیر اقدامات کئے گئے، ان کی ذمہ داری سے مرکزی حکومت سبکدوشی نہیں کر سکتی۔ تعلیم قوم کی ریڑھ کی ہڈی ہوتا ہے۔

باقی صـ۱۱ پر

کلکتہ میں خاموش جلوس



کلکتہ میں سوموار ۶ اپریل کو بائیں محاذ کی پارٹیوں اور سی پی آئی نے مشترکہ طور پر ان لوگوں کی یاد میں جو جمعہ ۳ اپریل ۸۰ء کو 'بند' کے دوران ہوئے خاموش جلوس نکالے۔ یہ جلوس ۳ بجکر ۵۰ منٹ پر جنوبی کلکتہ کے دیش پریہ پارک سے نکلا اور ۶ بجے شام کو کلکتہ کے دیش بندھو پارک میں جاکر منتشر ہوگیا۔ دیش پریہ پارک میں جلوس میں شامل ہونے والے لوگوں نے ایک منٹ کی خاموشی منائی کے بعد وہیں ایک قرارداد پاس کی گئی جس میں کہا گیا کہ ریاست میں جمہوریت اور امن کو پامال کرنے کی کانگریس آئی کی کوششوں کو مغربی بنگال ...ام ناکام بنادینگے۔ نیز اس قرارداد میں تمام جمہوری اور بائیں طاقتوں سے پرزور اپیل کی گئی کہ وہ اس ریاست کے امن کو لاحق خطرہ کا متحدہ طور پر مقابلہ کریں۔ اس جلوس میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، وزیر مالیات ڈاکٹر اشوک مترا، وزیر اطلاعات و ثقافتی امور شری بدھ دیو بھٹاچاریہ ...ت شری نونی بھٹاچاریہ، بائیں محاذ کے چیئرمین شری پرمود داس گپتا، اور دیگر وزراء نے شرکت کی۔

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impression 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 28 No. 8
PRICE-12 Paise

MAGHREBI BEN…
15th APRIL



[illegible]

مغربی بنگال

یکم مئی سنہ ۱۹۸۱ء



وسرمایہ داروں کی نخوت رہے
نہ حکام کا جور بے جا رہے
زمانہ وہ جلد آنے والا ہے جس میں
کسی کا نہ محنت پہ دعویٰ رہے

پندرہ روزہ رسالہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ
ایس۔ کے۔ سین گپتا
مدیر معاون
محمد اعظم

...یداری
سالانہ ... روپیے
قیمت ۱۲ پیسے فی پرچہ

جلد نمبر ۳۸	یکم مئی۔ سنہ ۱۹۸۱ء	شمارہ نمبر ۹



کلکتہ میں مولا علی کے نزدیک ریاستی یوبہ (نوجوان) مرکز کی افتتاحی تقریب میں شری بودھ دیو بھٹاچاریہ، وزیر اطلاعات و ثقافتی امور تقریر کر رہے ہیں۔ اس مرکز کا افتتاح وزیر اعلیٰ جیوتی باسو نے کیا اور اس تقریب کی صدارت شری کے بسواس، وزیر نوجوانوں کی رفاہ شعبہ نے کی۔

محمد شفیق عزمی
چاپدانی، ہگلی

اساس انقلاب

(۱)

چھڑا نہ جس پہ زندگی کا گیت وہ رباب ہو
کھلا نہ جو فسانۂ حیات کا وہ باب ہو
ہیں قید جس کی بجلیاں ہنوز وہ سحاب ہو
ہے انقلاب جس کی انتہا وہ اضطراب ہو
اساس انقلاب ہو

(۲)

ازل سے ہی فریب رہبری کے تم شکار ہو
رکاب ہے نہ زین ہے اگرچہ شہسوار ہو
امور ملک میں صفر ہو گرچہ بے شمار ہو
ہے چشمہ اقتدار کا جہاں وہ ریگزار ہو
بنا راقتدار ہو

(۳)

جو غم سے آشنا نہیں تمہارے غمگسار ہیں
لٹے ہو جن کے ہاتھ تم وہ تم پہ اشکبار ہیں
مجسمے فریب کے سراپا انکسار ہیں
ہے پیاس خون کی انھیں جو جام پر نثار ہیں
مزار کی بہار ہیں

(۴)

ازل سے چل رہی ہے کشمکش حیات کیلئے
لہو دیا گیا ہے ظلم سے نجات کیلئے
جو بن رہا ہے جال ایک اور گھات کیلئے
جو رچ رہا ہے سازشیں تمہاری مات کیلئے
شکست ذات کیلئے

برا نہ ماننا تمہاری صف میں تو شگاف ہے
جنوں کے چند چہروں پر خلوص کا غلاف ہے
مگر تمہارے مدعا سے جن کو اختلاف ہے
غلیظ جن کا ذہن ہے جن کی صاف ہے
اصول؟ انحراف ہے

(۶)

تمہاری پھوٹ پر مدار اس کے اقتدار کا
غلام اس کے بو رہے ہیں بیج انتشار کا
تمہیں سے تم کو کاٹنا غرض جفا شعار کی
ہو ایک تو ملے نہ اس کو راستہ فرار کا
نہ حوصلہ ہو وار کا

(۷)

ہے دہری ان کی شخصیت گذارتے ہیں خول میں
ہے کھوٹ ان کی جنس میں دروغ ان کے مول میں
دماغ سے یہ بس رہے ہیں بھیڑیوں کے غول میں
مٹھاس ہے ضرور پر ہے زہر ان کے بول میں
انیم اسغول میں

(۸)

سیاہ بختیوں کے ساتھ بخت کی جلا بھی ہے
اگر زمیں گرم مادّہ ہے تو طلا بھی ہے
کہیں اُگا ببول تو کنول کہیں کھلا بھی ہے
نظام اکتساب میں پسینے کا صلہ بھی ہے
گہر مراد کا کوئی تمہیں کبھی ملا بھی ہے؟
تمہیں کوئی گلہ بھی ہے!

(۹)

عرق تمہارے جسم کا اُگائے سبز کھیتیاں
جلائے دیو سی ملیں جلائے لال بھٹیاں
یہاں بنائے پشتے تو وہاں بہائے ندیاں
مگر تمہاری محنتوں کا فیض دیکھو ہے کہاں
تجوریوں میں ہے نہاں

(۱۰)

غرور اقتدار کو سرور جام چاہیئے
تمہیں تو بھوک سے نجات صبح و شام چاہیئے
اسے تمہاری محنتوں کا پھل مدام چاہیئے
تمہیں بھی اپنی حسرتوں کا انتقام چاہیئے
مرا سلام چاہیئے

(۱۱)

تمہیں مروڑنا ہے پنجۂ درازِ آمری
تمہیں کو توڑنا ہے نشۂ فسون سامری
تمہیں ہے چھاننی سیاہ بادلوں سے چاندنی
تمہیں نچوڑنی ہے خشک پتھروں سے زندگی
اُتارنی ہے بندگی

(۱۲)

جو وقت کی پکار ہے چہار سو پکار دو
ستم زدوں کا جذبۂ مزاحمت ابھار دو
ستم کے دیوتاؤں کو زمین پر اتار دو
ہے اب تلک جو نامراد زندگی سنوار دو
خزاں کو اب بہار دو

(۱۳)

مٹا دو درمیاں تمہارے جو بھی بھید بھاؤ ہے
وہ دیکھو سامنے ہی تو غنیم کا پڑاؤ ہے
جہاں تمہارے دبدبے سے ذہن کا تناؤ ہے
ہوا تمہاری پشت پر ہے سامنے بہاؤ ہے
تمہارے ہاتھ ناؤ ہے

(۱۴)

بڑھاؤ اپنا قافلہ رکاب اور زین لو
تم اپنا حصہ راحتوں میں بوریا نشین لو
پسینے سے جو سکے ڈھالتی وہ مشین لو
خلف فراعنہ کے گر نہ دیں تو بڑھ کے چھین لو
ہماری آفرین لو

(۱۵)

جو کل ضرور ابھرے گا وہ ڈھلتے آفتاب ہو
مفکّران قوم دیکھتے ہیں جو وہ خواب ہو
لکھا ہے جس میں قوم کا نصیب وہ کتاب ہو
چکا نہیں ازل سے جو ہنوز وہ حساب ہو
مرے عزیز ساتھیو تمہیں سے انقلاب ہے
تمہیں تو انقلاب ہو

یوم مئی اور محنت کش عوام

ا ے ۔ نسیم

مئی کی پہلی تاریخ کو محنت کشوں کے بین الاقوامی استحکام کا دن کہاجاتا ہے۔ ساری دنیا میں محنت کش عوام بڑے تزک و احتشام کے ساتھ یوم مئی مناتے ہیں۔ یوم مئی کو امن کے لئے نئی عالمی جنگ کے خطرہ کو دور کرنے آزادی مساوات کے لئے، جمہوریت اور عوام کے مفادات کے تحفظ کے لئے تمام ترقی پذیر طاقتوں کی جدوجہد میں نمایاں مقام حاصل ہے۔

سب سے پہلی بار سنہ ۱۸۹۰ میں بین الاقوامی طور پر یوم مئی منایا گیا اس سال جرمنی، فرانس، اٹلی، اسپین، ممالک متحدہ امریکہ اور چند دیگر ملکوں میں مزدوروں اور محنت کشوں نے اپنے جائز حقوق کو منوانے کے لئے مظاہرے کئے۔ لیکن یوم مئی کو محنت کشوں کے بین الاقوامی استحکام کے دن کے طور پر منانے کا فیصلہ سنہ ۱۸۸۹ء میں دوسری انٹرنیشنل کی پیرس کانفرنس میں کیا گیا ۔ اس کانفرنس اور اس کی کارگذاری میں ایف انگلس نے بھی شرکت کی تھی۔ اس فیصلہ میں یہ کہا گیا کہ اس دن کو شکاگو ورکروں کی جرأتمند اقدام کی یاد تازہ رکھنے کے لئے ایک ہی دن میں تمام ملکوں اور تمام شہروں میں منایا گیا ۔

یکم مئی سنہ ۱۸۸۶ء میں شکاگو، ممالک متحدہ امریکہ، میں مزدوروں نے آٹھ گھنٹے کام کے دن کی مانگ پر ہڑتال کی تھی۔ لیکن ہڑتالی مزدوروں کے پُرامن مظاہروں پر مسلح پولس نے حملہ کر دیا۔ پولس کی گولی سے وہیں کئی مزدور ہلاک ہو گئے۔ شکاگو کے سورماؤں کی یاد تازہ کرنے کے لئے ایک یادگار دن کی حیثیت سے یوم مئی تمام محنت کش لوگوں کے استحکام اور اتحاد کا ایک اہم دن بن گیا، کیونکہ محنت کشوں کو اس بات کا صحیح معنوں میں احساس ہوا کہ ان کی طاقت ان کے اتحاد میں ہے۔

شروع شروع میں یوم مئی کے مظاہروں میں معاشی مسائل پر، جیسے آٹھ گھنٹے کام کرنے کے دن کی مانگ، ہی زور دیا جاتا ۔ سنہ ۱۸۹۰ء سے روس کے ورکروں نے بھی اس بات کا مطالبہ کیا تھا چونکہ زار نے محنت کشوں کے جلسہ جلوس پر پابندی عائد کر دی تھی اس لئے روس میں مزدوروں نے پیٹرس برگ (موجودہ لینن گراڈ)، ماسکو اور دیگر صنعتی شہروں میں یوم مئی چوری چھپے منایا کرتے۔ سنہ ۱۸۹۵ء سے ساری دنیا میں محنت کش اپنے حقوق کو منوانے کی جدوجہد میں ہڑتال کو بطور ہتھیار استعمال کرنے لگے۔ جیسے جیسے وقت گزرتا گیا ویسے ویسے ہڑتالوں اور یوم مئی کی تقریبات میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں محنت کش لوگ شریک کرنے لگے، نیز معاشی مطالبات کے ساتھ ساتھ سیاسی مطالبات جیسے 'آمریت کا خاتمہ ہو' بھی کئے جانے لگے ۔

عظیم اکتوبر سوشیلسٹ انقلاب سنہ ۱۹۱۷ء، جس کی سربراہی محنت کشوں کی تھی، کامیابی نے ساری دنیا کے ملکوں میں ان لوگوں کے جن کا استحصال کیا جاتا ہے، دلوں میں امید کی جوت جلائی کہ ان کی بھی آرزوئیں پوری ہوں گی، ان کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا۔

سوشیلسٹ ملکوں میں یوم مئی تو تہوار کی طرح منایا جاتا ہے اس دن لوگوں کو ان ملکوں میں سماج کی اشتراکی تعمیر میں ان کی کارگذاریوں کا مظاہرہ پیش کرنے کا موقعہ فراہم کیا جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ ملکوں میں محنت کش عوام جلوس نکالتے ہیں، جلسے منعقد کرتے ہیں اور غریب اور پسماندہ اور استحصال کے شکار لوگوں کے مفادات اور حقوق کی دفاع کرنے کے لئے اپنے عہد کا ادعا کرتے ہیں

بقیہ: مغربی بنگال کی ترقی پذیر تعلیمی پالیسی

ظاہر نہیں ہوتی کہ تعلیمی اداروں میں سیاسی طور پر مداخلت کی جارہی ہے جیسا کہ کانگریس (آئی) اور اسی طرح کے دیگر لوگوں کا کہنا ہے۔ اس پالیسی کا مقصد یہ ہے تعلیم کی لوگوں میں وسیع پیمانہ پر اشاعت کی جائے تاکہ سبھی اس سے فیض حاصل کر سکیں، ریاستی حکومت نے جو بہت سارے اقدامات کئے ہیں ان سے بھی یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے۔ دیگر باتوں کے علاوہ، یہاں یہ ذکر کیا جا سکتا ہے کہ کلاس XII تک تعلیم مفت کر دی گئی ہے، ٹیچروں اور غیر تدریسی اسٹاف کو تنخواہ دینے کی ذمہ داری حکومت نے لے لی ہے۔ اب امتحانات باقاعدہ طور پر ہونے لگے ہیں۔ بائیں محاذ حکومت کی ترقی پذیر تعلیمی پالیسی کی مخالفت کرنے کے معنی یہ ہیں بنگال کے ناخواندہ عوام کو تعلیم کی روشنی سے بے بہرہ رکھا جائے اور اس طرح عالمگیر تعلیم کا تصور ہمیشہ کے لئے سراب ...

[illegible]

تعلیم اور محنت کش طبقہ

شری پارتھو دے سے ایک انٹرویو

ہم نے شری پارتھو دے، وزیر برائے پرائمری اور سیکنڈری تعلیم سے یوم مئی کے موقعہ پر ایک انٹرویو لیا جس میں انھوں نے تعلیم اور محنت کش طبقہ کے درمیان تعلق کی بابت حکومت بائیں محاذ کے موقف کی وضاحت کی۔ (خصوصی نامہ نگار)

سوال: محنت کش طبقہ کے شعور کو بیدار کرنے میں رسمی اور غیر رسمی تعلیم کے رول کے بارے میں آپ کے کیا خیالات ہیں؟

جواب: رسمی اور غیر رسمی، دونوں طریقہ ہائے تعلیم بنیادی اعتبار سے یکساں اہمیت کے حامل ہیں۔ غیر رسمی طریقۂ تعلیم زیادہ لچکدار اور مطابقت پذیر وسیلۂ تعلیم ہے۔ لیکن نظام کو بذات خود محنت کش طبقہ اور دیگر طبقوں کے لئے بہت کچھ کرنا ہے۔ محنت کش طبقہ کے شعور کا مفہوم محنت کشوں کا طبقاتی شعور ہے جس نظام تعلیم کے بارے میں ہم تبادلۂ خیال کر رہے ہیں اس کا اس قسم کے شعور کو بیدار کرنے سے براہ راست کوئی تعلق نہیں ہے۔ موجودہ نظام تعلیم محنت کش طبقہ نیز دیگر طبقوں کے عام شعور اور ادراک کو پروان چڑھانے میں محدود معاون ہو سکتا ہے۔ لیکن اس نظام سے بہت کچھ حاصل کیا جا سکتا ہے اگر اس کو عام شعور اور ادراک کو عام بنانے کے مقصد کے ساتھ بروئے کار لایا جائے۔ تمام طریقہ ہائے تعلیم اب تک کسی نہ کسی طور سے کسی مخصوص طبقہ یا طبقوں کے لئے سہل وسیلے رہے ہیں۔ نئے دور نے تعلیم کو عام کر کے سماجی تبدیلیاں لانے کے ایک وسیلے کے طور پر تعلیم کو ایک نیا مقصد اور مفہوم عطا کیا ہے جو یکساں طور پر استحقاق یافتہ طبقوں نیز محنت کش اور غیر استحقاق یافتہ طبقوں کی دسترس میں ہے۔ محنت کش طبقے اور دیگر تمام غیر استحقاق طبقے رسمی اور غیر رسمی تعلیم کے ذریعہ عام بیداری کی بنیاد پر خود اپنے شعور کو پروان چڑھائیں گے جب وہ ریاضی، نیچرل اور سوشل سائنس کا علم حاصل کریں گے اور اس سے ان کی تہذیبی ترقی بھی ہوگی۔

سوال: ایک ریاستی حکومت کے مالی اور سیاسی اختیارات محدود ہوتے ہیں، لیکن ان حدود میں رہتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے تعلیمی میدان میں گذشتہ چار برسوں میں مغربی بنگال کے محنت کشوں کے لئے کیا کیا اقدامات کئے؟

جواب: تعلیم کے میدان میں بائیں محاذ حکومت نے اب تک جو کچھ کیا ہے، اس کا مقصد یہ ہے کہ عام طور پر مغربی بنگال کے عوام کو اور خاص طور پر شہروں اور گاؤں کے محنت کش عوام کو فائدہ پہونچے۔ کلاس XII تک تعلیم مفت کر دی گئی ہے۔ اس سے یقیناً ان لوگوں کو، جو تعلیم کے لئے خرچ کر سکتے ہیں فائدہ پہونچا، لیکن اس کے ساتھ ہی ان لوگوں کو بھی جو تعلیم یا ثقافت کے لئے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے، یہ حق حاصل ہو گیا کہ وہ اسکولوں میں تعلیم حاصل کریں لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا ہے کہ اس اقدام سے محنت کش خاندان کے بالغ افراد یا بچے تعلیمی مرکزوں کی طرف خود بخود کھنچے چلے آئیں گے۔ کیونکہ بہت سارے معاشی، سماجی اور ثقافتی وجوہ سد راہ ثابت ہوتی ہیں۔ اس لئے اس حکومت نے دوپہر کا کھانا، مفت اسکولی یونیفارم، حاضری کے لئے وظیفہ، نصاب کی کتابوں اور سلیٹوں کی مفت سپلائی وغیرہ جیسے مساوی ترغیب کے ذریعہ تعلیمی مرکزوں میں محنت کش خاندانوں کے بالغوں اور بچوں کو لانے کے لئے ایک

سرسید کی ادبی زندگی ایک جھلک

شہاب عظیم

تمام فنونِ لطیفہ کی طرح اردو ادب بھی ہر صنف میں اپنا علٰحدہ علٰحدہ شاہکار رکھتا ہے۔ لیکن "شاہکار مصنف" کی اصطلاح کہیں استعمال نہیں کی جاتی ہے۔ اگر اس کا کوئی جواز موجود ہو تو اردو ادب میں اُنیسویں صدی کے شاہکار مصنف کی حیثیت سے سر سیدؔ احمد خاں کا نام پیش کیا جا سکتا ہے۔

اگر پیغمبر کسی قوم کو پستی کے غار سے نکال کر اسے ترقی کی معراج پر پہنچا دیتا ہے اور اس قوم کی عاقبت درست کر دیتا ہے تو سر سیدؔ نے بھی تعلیمی دانشگاہ قائم کر کے کم سے کم پہلا کام تو یقیناً انجام دیا ہے اس لحاظ سے انہیں "آدھا پیغمبر" تو کہا ہی جا سکتا ہے۔ سر سیدؔ نے قوم کی مردہ روح کو بیدار کیا، اس کی رگوں میں زندگی کا خون دوڑایا، آج ان کی قوم ترقیات کی جن بلندیوں پر پہنچی ہوئی ہے، اس کا کریڈٹ صرف سر سیدؔ کو جاتا ہے۔

انہوں نے قوم کی آنکھیں کھولیں، اپنی جسمانی محنت کے ذریعہ روحانی قوت کے ذریعہ، قلم کی طاقت کے ذریعے مصمم ارادوں کے ذریعہ مسلسل قربانیوں کے ذریعہ، گہرائی کے ساتھ مطالعہ کا ذوق پیدا کرنے کے ذریعہ اور زبردست جدوجہد کرنے کے ذریعہ۔

اُردو ادب میں سر سیدؔ نے ایک انقلاب عظیم برپا کر دیا تھا۔ ان سے پہلے یہ بے راہ روی کا شکار تھا۔ داستان طرازی، غزل گوئی، مرثیہ خوانی اور قصیدہ سرائی اس کا اوّل و آخر تھا۔ سر سیدؔ نے ان سب پر کاری ضرب لگائی۔ موجودہ ادبی سرمایہ کو بے سود قرار دیا اور ادب میں افادیت کا تصور پیش کیا۔ یہ افادیت کا بادل اُردو ادب کی پوری سرزمین پر برسا اور عرصہ تک اس کی شادابی و تازگی برقرار رہی، اُردو کی ادبی زمین اتنی زرخیز ہوئی کہ اس کے بطن سے ترقی پسندی اور جدیدیت کی تحریکیں پیدا ہوئیں اور اپنے اپنے زمانوں میں خوب کامیاب ہوئیں۔

فکر و خیال کے علاوہ سر سیدؔ نے اردو ادب کو ایک زبان دی۔ سادہ، عام فہم اور آسان زبان۔ اس کا پودا میر امن نے باغ و بہار میں لگایا تھا غالب نے اس باغ کو تیار کیا اور سر سیدؔ کی تحریک سے پھل آ گئے۔ جیسے مولانا حالی۔ عبدالرحمان بجنوری۔ مولوی وحید الدین سلیم۔ فرحت اللہ بیگ، مولوی عبدالحق۔ عابد حسین۔ کلیم الدین احمد۔ رشید احمد صدیقی، خلیل الرحمان اعظمی اور شمس الرحمان فاروقی اور تحقیق میں مسعود حسن رضوی۔ قاضی عبدالودود۔ ڈاکٹر نذیر احمد۔ امتیاز علی خاں عرشی وغیرہ نے اپنا رہنما اور آلۂ کار بنایا ہے۔

ظاہر ہے زبان کو اس لائق بنانے کے لئے سر سیدؔ کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑے ہوں گے۔ اس کی جھلک سر سیدؔ کے اس منشور میں بھی ملتی ہے جس میں انہوں نے لکھا تھا۔

> "جہاں تک ہم سے ہو سکا ہم نے اردو زبان کی علم و ادب کی ترقی میں، اپنے ان ناچیز پرچوں کے ذریعہ سے کوشش کی۔ مضمون کے ادا کا سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا۔ رنگین عبارت سے جو تشبیہات اور استعارات خیالی سے بھری ہوئی ہے اور دل پر اس کا کچھ اثر نہیں ہوتا پرہیز کیا۔ اس میں کوشش کی جو کچھ لطف ہو مضمون کے ادا میں ہو جو اپنے دل میں ہو وہی دوسرے کے دل میں پڑے، تاکہ دل سے نکلے اور دل میں بیٹھے"۔

فکر و خیال اور زبان و بیان کی تبدیلی و اصلاح کے یہ کارنامے

سرسید نے اپنے رسالہ تہذیب الاخلاق کے ذریعہ انجام دیئے۔ یہ رسالہ تین مرتبہ جاری ہوا اور بند ہوا لیکن سرسید نے اس سے اُمید توڑی۔ محی الدین اظہر نے علی گڑھ میگزین، ۷۷ء اور سید محمد ہاشم نے "سرسید آغاز سے انجام تک" میں اس کی تفصیلات بیان کی ہیں۔

تہذیب الاخلاق میں سرسید خود ہی نہ لکھتے تھے بلکہ اُردو کے چیدہ اہل قلم کو اس کیلئے انہوں نے اپنا گرویدہ بنالیا تھا محسن الملک، وقار الملک، نذیر احمد، ذکاء اللہ، حالی، شبلی اسی سلسلے کے چند نام ہیں جو سرسید کے گرد ہالہ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ یہ حضرات مفید اور کارآمد موضوعات پر مضامین لکھتے، اخلاقی، مذہبی، سیاسی، علمی، سائنسی ہر طرح کے مضمون لکھے جاتے۔ دوسری زبانوں سے اخذ یا ترجمہ بھی کئے جاتے تھے۔ زبان سادہ عام فہم اور دلنشیں اور اسلوب منفرد تھا۔

سرسید ایک مسلم ریفارمر کی حیثیت سے ہمارے سامنے ابھرے قوم کی اصلاح ان کی صبح و شام تھی وہ خانگی زندگی کی پابندیوں سے بھی آزاد نہیں تھے، وہ سرکاری ملازم اور گورنمنٹ کے اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے، ان کی ذمہ داریوں اور مصروفیتوں کے باوجود وہ خدمت ملی کے لئے کچھ نہ کچھ وقت ضرور نکال لیتے تھے۔ غدر ۱۸۵۷ء کے بعد تو ان کے اس جذبہ عمل میں مثل دو آتشہ کی سی تیزی اور سرعت آگئی تھی اور بالآخر اس کے لئے انہوں نے اپنی ملازمت کی قربانی دے دی۔ سائنٹیفک سوسائٹی کے قیام اور پھر علی گڑھ آنے کے بعد تو چوبیس گھنٹہ ان کا یہی وظیفہ رہتا، انگلستان گئے واپسی پر وہاں کے طرز کا کالج قائم کرنے کا منصوبہ بنایا اور اپنی عزت و جان و جسم کے سر سے کفن باندھ کر میدان میں نکل آئے۔ کالج قائم ہوگیا اور ان کی حسب منشا ترقی کرنے لگا، وہ ہمہ تن اس میں مصروف رہتے لیکن حیرت ہے کہ قومی کاموں میں انتہائی مصروف رہنے کے باوجود انہوں نے سینکڑوں مضامین اور بے شمار کتابیں کس طرح لکھ ڈالیں اور یہ بھی کوئی ناول یا افسانہ نہیں کہ قصہ ذہن میں آیا اسے آب و رنگ دیا اور پیش کر دیا بلکہ مکمل طور پر علمی، فلسفیانہ اور سائنسی مضمون لکھتے تھے جن کے لئے بے انتہا یکسوئی کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ آدمی کام کے تسلسل سے تو ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔

سرسید کی تحریروں میں کہیں بھی تسلسل مفقود نہیں یہ اور بات ہے کہ زبان میں وہ چاشنی نہیں ملتی جو محسن الملک اور نذیر احمد کا حصّہ ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ سرسید کا کوئی اسلوب نہیں تھا۔ سرسید کا ایک مخصوص اسلوب تھا استدلالی اسلوب، شاید کم لوگ استدلالی اسلوب کو کامیابی کے ساتھ نبھا سکے ہوں گے۔ ہر چیز کے لئے اسلوب ڈھونڈ لانا ان کی فطرت تھی۔ اس سے بلاشبہ وہ کہیں کہیں بھٹک گئے لیکن ان کا یہ اختصاص مسلم ہے۔

زبان کی سادگی اور روانی، اسلوب کی پختگی اور بے نظیری، انگریزی الفاظ کا برمحل، برجستہ و بیساختہ استعمال اسی کے ساتھ ساتھ ان کی سنجیدہ ظرافت انہیں اُردو کا بہت بڑا ادیب بنا دیتی ہے۔

مؤخر الذکر دو باتوں کی تھوڑی سی وضاحت ضروری ہے۔

سرسیّد انگریزوں کی خوبیوں سے متاثر تھے۔ اسی لئے انھوں نے انگریزوں سے دوستی کی، انگریزی تعلیم کو پسند کیا۔ کالج کھولا، انگریزی علوم کی طرف رغبت دلائی اور انگریزی زبان کی خوبیوں کو سراہتے ہوئے اس کے عام فہم الفاظ کو بعینہ قبول کیا جو اُردو میں یا تو بالکل نہیں تھے یا مشکل اور مبہم تھے، کلچر، سولیزیشن، نیچر، کیمسٹری وغیرہ اردو میں استعمال ہو کر اسی کے ہو گئے نامانوس نہیں رہے۔ لفظ "قوم" تو سرسید کا وہ عطیہ ہے جس کے لئے اردو ہمیشہ فخر سے اپنا سر بلند کرتی رہے گی۔ یہ لفظ ملک اور Nation کے لئے استعمال کیا یہ آج بھی اسی فصاحت سے استعمال ہوتا ہے اور آئندہ اس سے زیادہ بہتری کے امکانات ہیں اور یہ سارا کریڈٹ سرسید کو ہی جاتا ہے۔

لیکن اس بات کو بھی فراموش نہیں کیا جا سکتا کہ سرسید پر انگریزی کا اتنا غلبہ تھا کہ کبھی کبھی وہ غیر موزوں اور گراں بار انگریزی الفاظ بھی اُردو میں استعمال کر لیتے تھے ظاہر ہے ان کا قبول کرنا مشکل تھا۔

اس کے علاوہ ان کے اسلوب میں چاشنی اور سپاٹ پن کے بجائے ایک طرح کا کھردرا پن ہے۔ یہ لذت بخش ہونے کی وجہ سے مفید اور اُن کی خوبی ہے ورنہ خامی تصور کی جاتی۔

سرسید کی تحریروں میں ان کی فطری متانت کا بڑا اہم رول ہے لیکن اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ سرسید نے ظرافت کو ہمیشہ کے لئے اپنے سے الگ نہیں کیا تھا، سنجیدہ ظرافت

باقی ص ۱۰ پر

مغربی بنگال میں میونسپل انتخابات

مغربی بنگال میں ۸۹ میونسپلٹیوں میں ۳۱ رمئی ۱۹۸۱ء کو انتخابات ہوں گے۔ ان میں سے ۸۷ میونسپلٹیوں میں ۱۹۴۱ نشستوں کے لئے کل ۴۰۰۷ افراد نے کاغذات نامزدگی داخل کئے ہیں۔ باقی دو میونسپلٹیوں کے سلسلہ میں تفصیلات کی تصدیق کا کام جاری ہے۔ میونسپلٹیوں کے لئے ضلع وار اعداد و شمار درج ذیل ہیں۔

ضلع :- (۱) بردوان

میونسپلٹیوں کے نام - امیدواروں کی تعداد

۱)- بردوان - ۱۱۷
۲)- کلنا - ۶۵
۳)- کٹوا - ۵۶
۴)- ڈین ہاٹ - ۴۱
۵)- رانی گنج - ۶۶
۶)- آسنسول - ۱۵۴

کل - ۴۹۹

ضلع :- (۲) بیربھوم

۷)- سوری - ۷۹
۸)- رامپورہاٹ - ۶۹
۹) بولپور - ۶۰

کل - ۲۰۸

ضلع :- (۳) بانکوڑا

میونسپلٹیوں کے نام - امیدواروں کی تعداد

۱۰)- بانکوڑا - ۱۱۳
۱۱)- وشنوپور - ۸۸
۱۲)- سونامکھی - ۵۲

کل - ۲۵۲

ضلع :- (۴) مدناپور

۱۳)- مدناپور - ۱۲۸
۱۴)- تملوک - ۷۰
۱۵)- گھاٹال - ۷۶
۱۶)- چندراکونہ - ۵۰
۱۷)- رامجی بانپور - ۲۷
۱۸)- کھیرپائی - ۴۰
۱۹)- کھرار - ۳۲
۲۰)- کھڑگپور - ۱۶۹
۲۱)- کونٹائی - ۱۰۰

کل - ۶۹۲

ضلع :- (۵) ہگلی

میونسپلٹیوں کے نام - امیدواروں کی تعداد

۲۲)- ہگلی چنسورہ - ۱۳۰
۲۳)- بانسبریا - ۱۲۴
۲۴)- سرامپور - ۱۶۳
۲۵)- بدیاباٹی - ۸۳
۲۶)- چاپدانی - ۱۲۱
۲۷)- بھدریشور - ۷۶
۲۸)- رشڑا - ۱۱۹
۲۹)- کونگر - ۶۰
۳۰)- اترپاڑہ کوترنگ - ۹۹
۳۱)- آرام باغ - ۶۰
۳۲)- تارکیشور - ۶۲

کل - ۱۱۶۳

ضلع :- (۶) ہوڑہ

میونسپلٹیوں کے نام - امیدواروں کی تعداد

۳۳)- بالی - ۱۱۵

ضلع :- (۷) ۲۴ پرگنہ

۳۴)- کنچڑاپاڑہ - ۱۰۵
۳۵)- ہالی شہر - ۱۰۳

۳۶) - نئی ہاٹی - ۱۰۷
۳۷) - بھاٹ پاڑا - ۱۲۳
۳۸) - گاروليا - ۱۱۲
۳۹) - نارتھ بارکپور - ۹۹
۴۰) - بارکپور - ۸۸
۴۱) - ٹیٹا گڑھ - ۱۱۶
۴۲) - کھردا - ۸۰
۴۳) - پانی ہاٹی - ۱۳۴
۴۴) - کمرہٹی - ۱۲۲
۴۵) - بارہ نگر - ۱۴۴
۴۶) - نارتھ دمدم - ۸۷
۴۷) - ساؤتھ دمدم - ۱۴۸
۴۸) - دمدم - ۶۹
۴۹) - بنگاؤں - ۸۹
۵۰) - ساؤتھ سوبربن - ۱۵۲
۵۱) - بج بج - ۱۱۱
۵۲) - راجپور - ۵۰
۵۳) - برئی پور - ۶۶
۵۴) - جے نگر مجلپور - ۶۲
۵۵) - گارڈن ریچ - ۱۵۱
۵۶) - بارہ سات - ۸۲
۵۷) - گوبرڈانگہ - ۶۴
۵۸) - باڈریا - ۵۵

میونسپلٹیوں - امیدواروں
کے نام — کی تعداد

۵۹) - بشیر ہاٹ - ۶۸
۶۰) - ٹاکی - ۶۶
۶۱) - نیو بارکپور - ۶۳
۶۲) - اشوک نگر -

۱۴

کلیان گڑھ - ۷۶

کل - ۲۸۴۲

ضلع :- (۸) ندیا

۶۳) - کرشنگر - ۱۱۹
۶۴) - نوادیپ - ۷۷
۶۵) - شانتی پور - ۱۱۰
۶۶) - راناگھاٹ - ۸۴
۶۷) - بیر نگر - ۲۸

کل - ۴۱۸

ضلع :- (۹) مرشد آباد

۶۸) - برہمپور - ۱۴۶
۶۹) - مرشد آباد - ۵۸
۷۰) - ضیا گنج عظیم گنج - ۱۷۱
۷۱) - کاندی - ابھی تک تصدیق نہیں ہوئی ہے۔
۷۲) - جنگی پور - ۸۵
۷۳) - ڈھلیان - ۸۵

کل :- ۴۴۵

ضلع - (۱۰) جلپائی گوڑی

۷۴) - جلپائی گوڑی - ۸۹
۷۵) - علی پور دوار - ۵۷

کل - ۱۴۶

ضلع :- (۱۱) مالدہ

میونسپلٹیوں - امیدواروں
کے نام — کی تعداد

۷۶) - انگلش بازار - ۱۰۳
۷۷) - اولڈ مالدہ - ۳۸

کل - ۱۴۱

ضلع (۱۲) دارجلنگ

۷۸) - دارجلنگ - ابھی تک تصدیق نہیں ہوئی ہے۔
۷۹) - کرسیونگ - ۶۸
۸۰) - کلمپونگ - ۹۶
۸۱) - سلی گوڑی - ۱۳۱

کل - ۲۹۵

ضلع :- (۱۳) مغربی دیناجپور

۸۲) - بالور گھاٹ - ۴۸
۸۳) - رائے گنج - ۸۲

کل - ۱۳۰

ضلع :- (۱۴) کوچ بہار

۸۴) - کوچ بہار - ۷۱
۸۵) - دین ہاٹا - ۱۱۱

کل - ۱۸۲

ضلع :- (۱۵) پرولیا

۸۶) - پرولیا - ۱۲۰
۸۷) - جھالدہ - ۶۹
۸۸) - رگھوناتھ پور - ۶۸

کل - ۲۵۷

۱۶) - ہگلی — میونسپل کارپوریشن
۸۹) - چندر نگر - ۹۸



حال ہی میں کلکتہ میں منعقدہ تاریخی دستاویزات کی نمائش

Regd. No. WB/CC-53
Vol. 28 No. 9
PRICE-12 Paise

MAGHREBI BENGAL
1st MAY

بائیں محاذ حکومت کی تعلیمی خدمات

تعلیم کے محاذ میں ۱۹۷۷ء اور ۱۹۸۱ء کے درمیان نمایاں کامیابیاں

تعلیمی اداروں میں حسب معمول فضا بحال ہوگئی۔ اب امتحانات وقت پر ہو رہے ہیں اور ان کے نتائج بھی وقت پر شائع ہو رہے ہیں۔ اب اسکولوں اور [illegible] کے اساتذہ اور غیر تدریسی اسٹاف کو باقاعدہ تنخواہیں مل رہی ہیں۔
[illegible] ۳۴۰۰ پرائمری اسکول کھولے گئے۔ ۴۰۰۰ نئے پرائمری اسکولوں کی عمارتیں [illegible] ۳۱۰۰۰۰۰ طلبا کو مفت کھانا سپلائی کیا جا رہا ہے۔ تمام زبانوں میں نصاب کی کتابیں، لکھنے کی کاپیاں اور سلیٹ مفت سپلائی کی جا رہی ہیں۔ طالبات کو اسکول یونیفارم مفت فراہم کیا جا رہا ہے۔ پرائمری اسکولوں میں کھیل کود اور اسپورٹس کا انتظام کیا گیا۔ ۱۲۸۰۰ نئے پرائمری اساتذہ کی تقرری ہوئی۔

۹۰۰ نئے ثانوی اسکول کھولے گئے۔ تمام تعلیمی اداروں کو امدادی گرانٹ دیے جا رہے ہیں۔ ۲۵۰۰ ثانوی اسکولوں کے لئے عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ ثانوی سطح پر نصاب کی کتابیں مفت فراہم کی جا رہی ہیں۔ اسکولوں میں کھیل کود اور اسپورٹس کے فروغ اور تجربہ گاہوں کی بہتری کے لئے اقدامات کئے گئے۔ ۱۰۰۰ نئے پرائمری اور ثانوی اسکولوں میں زندگی سے وابستہ نصابات رائج کئے گئے۔

تعلیم بہتری کے لئے کئی ایک قوانین مرتب اور نافذ کئے گئے، جیسے پرائمری ایجوکیشن ایکٹ، سکینڈری ایجوکیشن ایکٹ، یونیورسٹی ایکٹ، پبلک لائبریری ایکٹ۔ نیز ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ بورڈ قائم کیا گیا۔

۱۵۰۵ دیہی لائبریریاں قائم کی گئیں۔ اس سے قبل ایسی لائبریریوں کی تعداد صرف ۷۰۰ تھی۔ لائبریریوں کو دیئے جانے والے گرانٹ کی رقم میں دس گنا اضافہ ہوا۔ پرائیویٹ لائبریریوں کو گرانٹ دینے کا انتظام کیا گیا۔ کلکتہ میں کلکتہ میٹروپولیٹن لائبریری قائم کی گئی۔

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impression 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

ٹیگور نمبر

جلد ۲۸ ۱۵/مئی سنہ ۱۹۸۱ء شمارہ ۱۰



مدیر اعلیٰ :۔ ایس کے سین گپتا

مدیر معاون :۔ محمد اعظم



تزئین کار :۔
تارا پرشاد داس

اس شمارہ میں :۔

شرح خریداری۔ سالانہ ۳ روپئے

اس خصوصی شمارہ کی قیمت :۔ ۲۵ پیسے فی پرچہ



ربندرا ناتھ ٹیگور کا
بنگلہ میں دستخط



	تاریخ ولادت	تاریخ وفات
ربندرا ناتھ ٹیگور۔	۲۵۔ بیساکھ ۱۲۶۸ھ بنگلہ سال۔ ۸ رمئی ۱۸۶۱ء	۲۲ شراون ۱۳۴۸ھ بنگلہ سال ۷ راگست ۱۹۴۱ء

وشو بھارتی ہندوستان کی نمائندگی کرتا ہے۔ اس کے
پاس ذہنی دولت ہے جو سبھوں کے لئے عام ہے۔
وشو بھارتی کو ہندوستان کی اس ذمہ داری کا احساس
ہے کہ وہ اپنی اعلیٰ ترین قدروں کو اپنے
مہمانوں کی نذر کرے۔ ساتھ ہی وہ
ہندوستان کے اس حق کو بھی تسلیم کرتا
ہے کہ وہ دوسروں کی بہترین
قدروں کو اپنائے۔

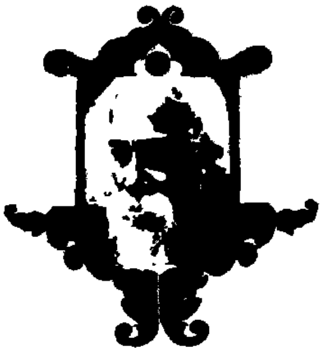
— رابندرناتھ ٹیگور

بچوں کو ان کی مادری زبان میں تعلیم دینی چاہیئے۔
میں اس وقت کا خواب دیکھ رہا ہوں
جب میرے ملک میں تعلیم عام ہو جائیگی
اور ہر گھر میں پہونچیگی اور تمام
لوگوں کو مساوی مواقع فراہم ہوں گے۔

——— رابندر ناتھ ٹیگور







ٹیگور اور بچوں کی تعلیم

از وشورنجن مکھوپادھیہ

لکھتے اور سوچتے، اس کے علاوہ اور کیا کرتے۔ ربندرا ناتھ کے سلسلہ میں اکثر یہ سوال اٹھایا جاتا ہے، اور اس کا جواب یہ ہے۔ سن ۱۹۰۱ء تک زمینداری کی دیکھ بھال کی، اس کے بعد معلمی۔

تخلیقی زندگی میں جنھوں نے ہزار ہزار گیت، نظمیں، کہانیاں، ناٹک، ناول اور مضامین لکھے، عملی زندگی میں انھوں نے منفرد ادارے قائم کئے۔ شانتی نکیتن اور شری نکیتن، اور یہ دونوں ادارے بچوں کے لئے قائم کئے گئے۔ اول الذکر بچوں کی بنیادی تعلیم کے لئے اور آخر الذکر انھیں دستکاری اور دیگر ہنر میں تربیت دینے کے لئے۔ فی الحال یہ دونوں ادارے کن لوگوں کی خدمت کر رہے ہیں، اس بحث میں نہ پڑتے ہوئے یہاں اس بات کا ذکر کرنا بجا ہوگا کہ ربندرا ناتھ نے جلسہ تقسیم اسناد میں اپنے خطبہ میں اس امر کی وضاحت کر دی تھی کہ انھوں نے شانتی نکیتن۔ شری نکیتن آشرم ودیالیہ کو بچوں کے لئے ہی قائم کیا تھا۔ انھوں نے اپنے خطبہ میں بچوں کو مخاطب کرتے ہوئے کہا تھا "بچو! آج سے تم لوگوں نے سچائی کو اپنانے، نڈر بننے اور نیکی کی راہ پر چلنے کا حلف اٹھایا ہے" ربندرا ناتھ نے بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں برہمچاری آشرم کی بات کہی تھی۔ سب بچے آشرم سے ملحق رہائشی مکانوں میں رہیں گے اور برہمچاری بنیں گے۔ وہ قدیم ہندوستانی گرو کے تحت تعلیم حاصل کرنے کے نظام کے حامی تھے۔ انھوں نے بار بار اس بات کا ذکر کیا ہے کہ ہمارے بزرگوں نے کس طرح تعلیم حاصل کی اور تعلیم حاصل کرنے کے لئے انھیں کن کن باتوں کا حلف لینا پڑتا تھا۔ ان لوگوں کو اپنا گھربار چھوڑ کر گرو کے گھر جانا پڑتا تھا۔ وہاں انھیں سخت ڈسپلن اور ضابطہ کے تحت زندگی گذارنی پڑتی۔ گرو کی بے لوث خدمت کرنی پڑتی۔ ان کے تمام کام کاج کرنے پڑتے...... جسم و روح کو پاک رکھنا پڑتا وہ گیروی رنگ کے لباس پہنتے، سخت بستر پر سوتے، جوتا نہیں پہنتے دھوپ میں چھتری استعمال نہیں کرتے، نمائش اور تصنع کی کوئی بات ان میں نہیں ہوتی۔ انھیں تو صرف ایک ہی بات کی لگن ہوتی ہے کہ تعلیم حاصل کی جائے، صرف سچائی کی تلاش کی جائے۔ اپنے نفس کو قابو میں رکھا جائے اور اپنے اوصاف حمیدہ کو اجاگر کیا جائے۔

بچوں سے کسے محبت نہیں ہوتی۔ یہ تو فطری بات ہے۔ اس لئے ربندرا ناتھ کو بچوں سے بڑی محبت تھی۔ انھیں اپنے بچوں سے جتنا پیار تھا، اتنا ہی پیار انھیں دنیا کے دیگر بچوں سے بھی تھا۔ انھوں نے بچوں کے لئے 'شیشو'، 'شیشو بھولاناتھ'، 'کھاپ چھاڑا'، اور 'قصے'، اور وغیرہ نظمیں، کہانیاں لکھیں۔ بڑوں کے لئے جب انھوں نے 'کوتھا' (بات) لکھی تو بچوں کے لئے انھوں نے 'کاج' (کام) کی تخلیق کی۔ بچوں سے ہیں کتنا پیار ہے، اس کا ثبوت تو اس بات سے ملتا ہے کہ ہم انھیں کس طرح تعلیم دیتے ہیں، اور اسی لئے شاعر اعظم بچوں کی تعلیم کے کام میں خلوص اور تندہی سے جٹ گئے۔ اس سلسلہ میں ان کی ایک تقریر سے اقتباس پیش کیا جا سکتا ہے جس میں انھوں نے کہا تھا، "اس بات کا اندیشہ مجھے بھی لاحق ہو گیا تھا۔ شہر کے پنجروں میں مقید رہ کر لوگوں کے بچے گھٹن محسوس کرتے ہیں۔ ان کے اسکولوں میں جو تعلیم دی جاتی ہے وہ

بھی ایک حد کے اندر ہوتی ہے۔ ایک دن میں نے کلکتہ کے کشادہ
(...) ماحول کے کشادہ کو چھوڑ کر یہاں (شانتی نکیتن)
میں آ کر بچوں کی [illegible] کا ارادہ کیا۔ جس قدرتی ماحول میں پرورش
پانے والے بچے اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بڑی خوبی کے ساتھ ظاہر کر سکیں
گے۔ ان کی آنکھوں سے پردہ ہٹ جائے گا۔ میں خوابوں میں ان باتوں
کو دیکھا کرتا۔ جب مجھے یہ معلوم ہوا کہ اس کام کی ذمہ داری سنبھالنے
کے لئے اور کوئی نہیں ہے تب میں نے خود اس بار کو اپنے کاندھوں
پر لیا۔ میرا خیال تھا کہ میرے بچے زندہ دل ہوں گے۔ ان میں نئی نئی باتیں
سیکھنے کی خواہش پیدا ہوگی۔ ان میں یہ لالچ نہ تھی کہ امتحانات اچھے
نمبر سے پاس کئے جائیں۔ ان لوگوں کو خوشی حاصل ہوگی۔ قدرتی ماحول
میں بچوں کے ساتھ ان کے معلموں کا بہت ہی قریبی رابطہ قائم رہیگا۔
یہ میری خواہش تھی۔ میں نے کئی بچوں کو ایک درخت کے نیچے اس مقصد
کو پیش نظر رکھتے ہوئے کام شروع کیا تھا۔ اس بات کے مدنظر
کہ تعلیم حاصل کرنے میں انھیں خوشی حاصل ہو، ان میں تعلیم حاصل کرنے
کا جو شوق و خروش اور امنگ پیدا ہو، میں نے بہت سارے جتن کئے۔
[illegible] رامائن اور مہابھارت پڑھ کر سناتا ..... بچوں کے لئے من ہی
من نئے نئے کھیلوں کا اسکیم تیار کرتا، ان کے ساتھ مل کر ناٹک میں
اداکاری کرتا۔ ان لوگوں کے لئے میں نے ڈرامے لکھے۔ شام کی تاریکی میں
ان پر افسردگی نہ چھا جائے، اس لئے میں ان کی دلبستگی کے لئے نئے نئے
طریقوں کو بروئے کار لاتا۔ میری یہی کوشش ہوتی کہ ان کا پورا وقت سودمند
کام پر صرف ہو۔ ان کے لئے میں نے ناٹک، گیت لکھے۔ ان کے کھیل کود میں
شریک ہوتا۔ اس طرح کے انتظامات اور کسی اسکول میں نہیں پائے
جاتے۔"

ودیہ ساگر کو بنگلہ کا بابائے تعلیم اطفال کہتے ہیں۔ 'بورن پریچے'
کتاب کا حصہ اول اور حصہ دوم لکھ کر انھوں نے بنگالی بچوں کو بنگلہ
کے حروف تہجی سے روشناس کرایا۔ حرف شناس بچوں کو تعلیم کی راہ
میں آگے لے جانے کا ذمہ رابندرناتھ نے سنبھالا، لیکن ان کے نظریۂ تعلیم
میں آزادی اور خوشی دو اہم اجزا ہیں۔ وہ نصابی تعلیم اور رٹا کر
امتحان پاس کرنے کے نظام کے خلاف تھے۔ انھوں نے تعلیم کی جو تعریف
کی [illegible] صلاحیت کے اُبھار کا اظہار، نیز تصورِ احساس

صحت اور نیک خواہشات کی مظہر ہے، ان کے خیال میں ایسی تعلیم کے لئے
پہلی شرط آزاد ماحول ہے، اور ایسا ماحول قدرتی ماحول ہی ہو سکتا ہے۔
اسی لئے انھوں نے بچوں کی تعلیم کے لئے قدیم ہندوستانی آشرمی تعلیم
اور سیدھی سادی زندگی کو اہمیت دی۔

اس مقصد کے پیش نظر انھوں نے جو آشرم - ودیالیہ قائم
کیا وہاں 'گرو' کی ذمہ داری خود سنبھالی۔ انھوں نے بچوں کے ساتھ
مل کر کس طرح ان کی آزادی اور خوشی کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھیں
تعلیم دی، اس کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔

بچوں کو کس طرح تعلیم دی جانی چاہیے اس کا ذکر انھوں نے اپنے
مقالہ بعنوان 'وشو بھارتی' اور 'شانتی نکیتن' میں کیا ہے۔ لیکن انھیں اس
بات کا بھی احساس تھا کہ اتنے بڑے ملک میں صرف ایک مرکز میں
بچوں کی تعلیم کے لئے جس طریقہ کار کو وہ بروئے کار لا رہے ہیں، ملک کے
دیگر علاقوں میں اور ان علاقوں کے بچوں کی تعلیم کے لئے اس طرح کا نظام
کرنا مشکل ہے۔ اس بات کے احساس کے پیش نظر انھوں نے جب وہ
آشرم-اسکول میں بچوں کو پڑھایا کرتے تھے، سارے ملک کے بچوں
کے لئے مثالی نصابی کتابیں لکھیں، نیز امتحانات کے رائج نظام میں اصلاح
کرنے کے لئے نمونے کے سوالات کے پرچے مرتب کئے۔

۱۸۹۱ء میں ودیہ ساگر کا انتقال ہوا۔ ان کے انتقال سے
بچوں کی تعلیم کی دنیا میں جو خلا پیدا ہو گیا، اسے رابندرناتھ نے پُر کیا۔
۱۸۹۵ء سے انھوں نے بچوں کے لئے درسی کتابیں لکھنی شروع کیں۔
بچوں کے لئے انھوں نے تقریباً ۱۳ درسی کتابیں لکھیں جن میں سے چند یہ ہیں:
'سنسکرت شکشا' حصہ اول اور دوم، 'سہج پاٹھ' حصہ اول اور دوم،
'انگریزی سوپان' حصہ اول اور دوم وغیرہ۔ انھوں نے بچوں کی ابتدائی
تعلیم کے لئے بنیادی نصابی کتابیں لکھیں۔ نیز کلاس V سے کلاس
VIII کے طلبا کے لئے جو کتابیں لکھیں ان میں اپنی لکھی ہوئی کہانیاں،
نظمیں اور مضامین بھی شامل کیں۔

بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں رابندرناتھ نے لفظوں کے بجائے اشیاء
پر نیز مظاہرے کے ذریعہ تعلیم دینے پر زور دیا ہے۔ انھیں یہ بات
بالکل پسند نہ تھی کہ بچوں کی یادداشت پر زور دیا جائے اور ان میں رٹنے
کی عادت پڑ جائے۔

رابندرا ناتھ نے بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں درس و تدریس کا تجربہ بہت دنوں تک یعنی ۱۸۵۹ء سے لیکر سن ۱۹۳۰ء تک کیا۔ درسی کتابیں لکھنے، ان کی تدوین کرنے کے علاوہ انھوں نے بچوں کی صلاحیت کی جانچ کرنے کے لئے امتحانات کے رائج نظام میں بنیادی تبدیلی لانے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ انھوں نے سوالات بھی مرتب کئے۔ آج سوالات بنک اور 'مثالی سوالات' کے چرچے ہو رہے ہیں، لیکن یہ کام تو رابندرا ناتھ نے خود اپنے زمانہ میں کیا تھا۔ سن ۱۹۴۷ء میں شائع ہونے والی کتاب 'بعنوں مثالی سوالات'، اس کا ثبوت ہے۔ وشو بھارتی کے عوامی تعلیم کے شعبہ میں ایسے مثالی سوالات بنک قائم کئے گئے ہیں۔

اس سے قبل سن ۱۹۰۶ء میں رابندرا ناتھ کو قومی تعلیمی بورڈ میں نامزد کیا گیا۔ وہاں انہیں سوالات مرتب کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ تعلیم اور امتحان کے سلسلہ میں ان کا نظریہ کیا تھا اور وہ طلباء کی صلاحیت کی جانچ کس طرح کرنا چاہتے تھے وہ مندرجہ ذیل سے عیاں ہو جاتا ہے۔ ایک امتحان میں انھوں نے طلباء کو مضمون لکھنے کو کہا۔ موضوعات یہ تھے۔ (۱) دیومالائی یا تاریخی شخص، (۲) بچپن کے دوست (۳) اپنا پالتو جانور (۴) طلباء کے ہاسٹل کی زندگی، (۵) دیہی علاقوں میں موسم کا اثر اور صحت عامہ کے انتظامات، (۶) اپنے محلّہ کی تعریف اور منظر کشی، (۷) بحث۔

مذکورہ بالا موضوعات ایسے تھے، جن کے لئے طلباء کو ذہن پر زور ڈال کر اپنے طور پر لکھنا پڑتا۔ نقل کر کے یا زبانی یاد کر کے ان کا جواب نہیں لکھا جا سکتا۔ آجکل تو ایسے موضوعات پر سوالات کئے جاتے، جن کا نوٹ بازار میں بکتا ہے۔ طلبا نوٹ سے زبانی یاد کر کے سوالوں کا جواب لکھ دیتے ہیں۔

رابندرا ناتھ کتاب دیکھ کر جواب دینے کے اصول کے حامی تھے۔ اپنے اسکول میں انھوں نے آدو' اور 'مدھو' امتحانات میں سوالات کے پرچوں میں سوالات کے ساتھ طلباء کو یہ بھی ہدایت دی کہ وہ کتاب دیکھ کر ان سوالوں کا جواب لکھ سکتے ہیں، لیکن جواب انھیں اپنی زبان میں لکھنا ہوگا۔

رابندرا ناتھ کے سوالوں میں ایک اور خوبی یہ تھی کہ سوالوں میں ہی جواب کا کچھ حصہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ طلباء کو ذہن پر ذرا زور دینا پڑتا۔ ایسے سوالات طلباء کے ذہن اور شعور کو ابھارتے۔ نیز طلباء کے فہم و ادراک کی جانچ کے لئے بھی سوالات دیتے، جسے کمپریہنشن ٹسٹ کہتے ہیں۔ ایسے سوالوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ طلباء جتنا جانتے ہیں، اتنے ہی کی جانچ کی جائے۔ مثال کے طور پر شوکمار رائے کی نظم 'موچھ کی چوری' سے رابندرا ناتھ نے یہ سوال کیا کہ اس نظم میں کونسی بات سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ آج کے ممتحن بس یہی سوال کر کے رک جاتے، لیکن رابندرا ناتھ نے سوال کرنے کے بعد امتحان دینے والے طلباء کی مدد کرنے کے لئے خود ہی ان باتوں کا اضافہ کیا۔ کیا اس نظم میں اسی بات میں مذاق کا پہلو ہے کہ ایک ذی مرتبت شخص ایک ناقابل یقین بات کو سچ سمجھ کر اپنی عزت کھو دیتا ہے، یا جو واقعہ رونما نہیں ہوا، جس پر کسی کو کبھی یقین نہ ہو، اس پر اشارہ یا کنایہ سے شاعر بہت ہی سنجیدگی سے یقین کرنے کو کہتا ہے، کیا یہ ہنسی کی بات نہیں ہے۔ طلباء سے کہا جاتا کہ ان دونوں میں سے کونسا جواب صحیح ہے، اس کا انتخاب کریں۔ اس طرح انھیں زبانی یاد کرنے کی ضرورت ہی نہیں پڑتی۔

اس طرح کے مضمون نما اور معروضی سوالوں کی بنیاد رابندرا ناتھ ہی نے ڈالی۔ اس کے علاوہ رابندرا ناتھ نے سماعی اور بصری ذریعہ سے بچوں کو ابتدائی تعلیم دینے پر بھی زور دیا۔ اسی لئے انھوں نے اپنی کتاب 'سہج پاٹھ حصہ اول اور حصہ دوم' میں ہم وزن اور ہم آواز الفاظ استعمال کئے۔

رابندرا ناتھ نے بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں مغرب اور مشرق دونوں کے اصولوں سے استفادہ کیا۔ بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں۔ روسو۔ ورڈس ورتھ کی قدرت کی گود میں کھیل کود کے ذریعہ تعلیم، فروبل۔ منٹسری کے کنڈر۔ گارٹن کے کھیل کود کے ذریعہ تعلیم اور قدیم ہندوستان کی آشرم میں رہتے ہوئے گرو کے ذریعہ تعلیم۔ ان تینوں کا امتزاج رابندرا ناتھ نے پیش کیا۔ اسی اصول کو انھوں نے بولپور بربھجاری آشرم ودیالیہ میں بر سر عمل لایا اور اس طرح درس و تدریس کے عملی تجربہ کے ذریعہ انھوں نے بچوں کی تعلیم کے اصول مرتب کئے۔ آج کے دور میں جہاں تعلیم کو جمہوری بنایا جا رہا ہے، تمام بچوں کے لئے ابتدائی تعلیم کا انتظام کیا جا رہا ہے، ناخواندگی کو دور کرنے کے لئے پروگرام مرتب کئے جا رہے ہیں، اس کے ساتھ ہی آبادی

میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور ملک کے لوگوں کی معاشی اور سماجی حالت بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہیں، وہاں ان باتوں پر غور کرنے کے ساتھ بچوں کی تعلیم کے لئے ربندر ناتھ کے مرتب کردہ اصولوں پر بھی غائر غور و خوض کرنے کی ضرورت ہے۔

تمام بچوں کو اقامتی تعلیم دینی چاہئے، ان کی اقامت گاہ یعنی ہاسٹل میں آشرم جیسی فضا تیار کرنی چاہئے اور تعداد کے لحاظ سے استاد اور شاگرد کے تناسب میں کمی کرنی چاہئے —— ان تمام باتوں کا انتظام کرنا ممکن نہیں، تاہم اگر ایسا کیا جا سکتا تو یہ بہت ہی اچھی بات ہوتی۔ اس کے علاوہ نصابی کتابوں اور امتحانات کے سوالات کے پرچوں کی بابت ربندر ناتھ نے جو طریقہ کار بتائے ہیں، ان پر ہمیں عمل کرنا چاہئے۔

ذریعہ تعلیم اور بچوں کی تعلیم میں زبان کے مقام کی بابت ربندر ناتھ نے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ساری زندگی ربندر ناتھ نے مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کے لئے جدوجہد کی ہے۔ وہ انگریزی کو ذریعہ تعلیم بنانے کے خلاف تھے۔ انھوں نے تمام سطحوں پر مادری زبان کو ذریعہ تعلیم بنانے کی حمایت کی۔ یہ باتیں ان کے بہت سارے مضامین، تقاریر اور خطوط سے عیاں ہو جاتی ہیں۔ دوسری طرف انھوں نے ابتدائی درجوں میں اور کنڈر گارٹن کے بچوں کی تعلیم کے سلسلہ صاف صاف لفظوں میں صرف مادری زبان کی حمایت کی۔ ان کے خیال میں بچوں کو مادری زبان پر عبور حاصل کئے بغیر انگریزی کی تعلیم نہیں دینی چاہئے۔ ان کا زمانہ ہی ایسا تھا جب ابتدائی مرحلہ سے انگریزی کو ختم کرنے کی بات کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اسی لئے ربندر ناتھ نے بچوں کی تعلیم کے لئے انگریزی کی کتابیں بھی لکھیں۔ لیکن ان کے خیال میں دس برس تک کے بچوں کو سب سے پہلے مادری زبان میں تعلیم دی جانی چاہئے، اس کے بعد انھیں انگریزی پڑھائی چاہئے۔ نارمل اسکول میں ان کے خاندان کے سبھی بچوں نے پانچویں کلاس سے انگریزی کی پڑھائی شروع کی چنانچہ ابتدائی (پرائمری) درجوں میں انگریزی کی تعلیم کو ختم کر کے بچوں کی صرف ان کی مادری زبان میں تعلیم دینے کے آشرم اصول کی ربندر ناتھ نے مکمل طور پر حمایت کی۔

اپنی 'جیون کہانی' میں ربندر ناتھ اپنے بچپن کی باتوں کا اور بچپن میں تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے بچوں کی تعلیم کی بابت کئی ایک تجویزیں پیش کیں۔ پہلی تجویز تو یہ کہ بچوں کو ہم وزن اور ہم آواز لفظوں پر مبنی چھوٹی چھوٹی نظمیں سکھائی جائیں۔ 'جل پوڑے' پاتا نوڑے (پانی برستا ہے، پتے ہلتے ہیں' بورنو پورچوٹے کی نظم کا مصرعہ) اس مصرعہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے، وہ یوں رقمطراز ہیں کہ اس دن کی خوشی کی بات آج بھی جب یاد آتی ہے تو میں جھوم اٹھتا ہوں آج میری سمجھ میں یہ بات آئی کہ نظموں میں ہم وزن اور ہم آواز لفظوں کی کیوں ضرورت ہوتی ہے۔

آج کے والدین بچوں کو حد سے زیادہ لاڈ پیار کرتے ہیں۔ بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں اس کا نتیجہ اچھا برآمد نہیں ہوتا۔ ربندر ناتھ نے کہا تھا کہ والدین کو بچہ کی ہر ضد پوری نہیں چاہئے، چمک دمک، عشرت، حد سے زیادہ کھیل کود، خوراک و پوشاک کی بابت کے ابتدائی بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں فائدہ مند نہ ہوگی۔ ٹیگور گھرانے کی سبھی بچوں کی پرورش دیکھ بھال ان کے نوکر چاکر کرتے کی سبھوں کو معلوم ہے کہ ربندر ناتھ کا بچپن اور لڑکپن، ان کے نوکروں، کے درمیان گذرا تھا۔ بچوں کو حد سے زیادہ پیار کرنے کے سلسلہ میں شاعر نے کہا ہے کہ والدین بچوں کو خود اپنے لئے پیار کرتے ہیں، بچوں کو حد سے زیادہ پیار نہ ملنا، ایک قسم کی آزادی ہے، اور اس قسم کی آزادی ہمیں ملی تھی"۔

صلاحیت کے لحاظ سے سبھی بچے ایک جیسے ہوتے ہیں، اس سلسلہ میں امیر اور غریب بچوں کے درمیان کچھ فرق نہیں ہوتا۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے شاعر نے کہا کہ بچوں کے لباس، خوراک اور کھلونے کے سلسلہ میں ہر ضد پوری نہیں کرنی چاہئے۔ آج کے امیر گھرانوں کے بچوں کو دیکھتا ہوں، ان لوگوں کو آسانی سے تمام چیزیں مل جاتی، اس لئے وہ ان چیزوں کی قدر نہیں کرتے۔

بچوں کی تعلیم کے سلسلہ میں بڑوں کا بھی تعلیم یافتہ ہونا ضروری ہے۔ ربندر ناتھ نے اپنی بات کہتے ہوئے بچوں اور ان کے والدین، دونوں کو تعلیم دینے کی خواہش کا اظہار کیا تھا۔

(تلخیص)



مجھے معلوم نہیں عبادت کسے کہتے ہیں!
اس لئے تو تیرے در کی خاک پر بیٹھا صرف آنسو بہاتا رہا ہوں!
میں ناسمجھ تھا، اور جس طرح میرے دل میں آیا وہاں چیخ
پکار کر چلا آیا

میں تاریکی میں تجھسے نہیں ڈرا!
لیکن یہ عارف تیرے مجھے سخت طعنہ دیتے ہیں
کہتے ہیں "تو یہاں آنے کی صحیح راہ سے نہیں آیا،
لوٹ جا"
میرے لوٹنے کا راستہ تو نے بند کر رکھا ہے.
تو نے مجھے اپنے بازوؤں میں جکڑ رکھا ہے
اور وہ خواہ مخواہ چیخ رہے ہیں "لوٹ جا لوٹ جا"

______ رابندرا ناتھ ٹیگور، (گیت پنچاشیکا)



رابندر ناتھ ٹیگور اور انکا دور

سی۔آر۔ بنرجی

بنگال کی نشاۃ ثانیہ کا دور دراصل ۱۷۷۸ء سے شروع ہوا جب چارلس ولکنس نے پہلی بار کامیابی کے ساتھ الگ الگ بنگلہ ٹائپ کے ذریعہ ہیلہیڈ کی 'بنگلہ قواعد' کی کتاب چھاپی۔ ولکنس کی یہ ایجاد ہندوستانی اور مغربی تعلیم کی اشاعت اور فروغ میں کافی کافی معاون ثابت ہوئی۔

اب ہر گھر میں چھپی ہوئی کتابوں کے آجانے کے بعد ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابوں کے ذریعہ تعلیم حاصل کرنے کا رواج آہستہ آہستہ ختم ہونے لگا۔ اسی عرصہ میں کلکتہ اور دیگر جگہوں میں جدید تعلیم دینے کے لئے بہت سارے اسکول قائم کئے گئے۔ ان اسکولوں کے اساتذہ اور طلبا کو سرامپور مشن (سنہ ۱۸۰۰ء) اور کالج آف فورٹ ولیم (سنہ ۱۸۰۰ء)، کلکتہ اسکول بک سوسائٹی اور انفرادی طور پر کتابوں کے پبلشروں کی طرف سے حسب ضرورت کتابیں سپلائی کی گئیں۔ نیز لوگوں کو جدید تعلیم سے روشناس کرانے کے لئے بہت سارے رسالے بھی شائع ہونے لگے، ان میں سب سے پہلا رسالہ سنہ ۱۸۱۸ء میں سرامپور سے شائع ہوا۔

۱۸۱۵ء سے سنہ ۱۸۳۳ء کے عرصہ میں راجہ رام موہن رائے کی اعلیٰ شخصیت، تعلیم، مذہب، سیاست اور سماجی اصلاحات کے میدان پر چھائی رہی۔ ایشیاٹک سوسائٹی کی تحقیقات نے ہم پر جاری شاندار ماضی کو عیاں کر دیا۔ راجہ رام موہن رائے نے ہمیں ویدکے اصولوں سے روشناس کرایا۔ انھوں نے سنہ ۱۸۲۸ء میں برہمو سماج قائم کی اور توہم پرستی پر مبنی تمام مذہبی رسومات کی مذمت کی۔ یہ ان کی ہی کاوشیں پیہم کا نتیجہ ہے کہ سنہ ۱۸۲۹ء سے 'ستی' کے رسم کو ختم کر دیا گیا۔ انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے لئے ان کی پرجوش دلالت کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے تسلیم کر لیا جب اس کمپنی نے سنہ ۱۸۳۵ء میں میکالے کی روداد کو قبول کر لیا۔ اپنی دور اندیشی اور گوناگوں سرگرمیوں سے راجہ رام موہن رائے نے ہندوستان کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز کیا۔ اس لئے بجا طور پر انھیں 'بابائے جدید ہندوستان' کہا جاتا ہے۔ وہ ہندوستان کے پہلے بین الاقوامی شخص ہیں جنھوں نے جب ہسپانی نو آبادیات کو پہلی بار ایک دستور ملا تو اس خوشی میں کلکتہ میں عشائیہ کا انتظام کیا۔ اس وقت ہندوستان میں انگریز افسروں کے ساتھ مالک جیسا سلوک کیا جاتا تھا لیکن راجہ رام موہن رائے انھیں اپنا برابر سمجھتے تھے۔

دوارکا ناتھ ٹیگور، ان کے قریبی ساتھی تھے۔ انھوں نے رام موہن سے اس نئے جذبہ کو اپنایا۔ وہ پہلے بنگالی کاروباری تھے جنھوں نے جدید طرز پر کاروباری ادارے قائم کئے۔ وہ اپنے ہم وطنوں کے حالات زندگی میں بہتری لانے کے کام میں گہری دلچسپی لیتے تھے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے خود کو کلکتہ کے بہت سارے تعلیمی اور سماجی اداروں سے وابستہ کر لیا۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے بہت سارے رسالوں

کو جیسے بنگال ہرکارو، بنگال ہیرالڈ اور سنگباد پربھاکر خود چالو کیا یا ان کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لیا۔ انھیں کی کوششوں سے ۱۸۳۸ء میں لینڈ ہولڈرس سوسائٹی قائم ہوئی اور بہت ہی جلد یہ سوسائٹی ہمارے ملک کے لوگوں کو سیاسی طور پر بیدار کرنے میں بہت ہی طاقتور ہتھیار بن گئی۔ دوارکاناتھ نے ہندوستان کے حامی مشہور مقرر جارج تھامسن کو یہاں لانے کا انتظام کیا۔ انھوں نے کلکتہ میں جنوری۔ اپریل ۱۸۴۳ء کے دوران کئی جگہوں میں تقریریں کیں۔ ان کی تقریروں نے بنگالی نوجوانوں کے دلوں کو ایک نئے جذبے سے سرشار کر دیا اور اب وہ سب اپنے ملک کی بہتری اور ترقی کے لئے کوشاں رہنے لگے۔ تھامسن کی آمد سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ یہاں ۱۸۴۳ء میں بنگال برٹش انڈین سوسائٹی قائم ہوئی۔ جس کا نام بعد میں یعنی ۱۸۵۱ء بدل کر برٹش انڈین ایسوسی ایشن رکھا گیا۔ اس ادارہ نے آزادی کی تحریک کے اوائل دور میں جو نمایاں کردار ادا کیا، اس سے سبھی واقف ہیں۔

دوارکاناتھ، رام موہن کے نئے مذہبی عقیدہ کے اچھے پیروکار تھے۔ ان کے بیٹے دیبندرناتھ کے تحت ٹیگور خاندان کا مکان برہمو سماج اور ثقافت کا مرکز بن گیا۔ دیبندرناتھ مذہبی شخص تھے اور سیر و سیاحت کے دلدادہ تھے۔ رام موہن کی موت کے بعد موثر سربراہی کی کمی کی وجہ سے برہمو سماج کی کارگزاریوں میں سستی پیدا ہوگئی تھی۔ انھوں نے برہمو سماج میں نئی روح پھونک دی۔ دیبندرناتھ نے سماج کے ممبروں کے لئے ضابطۂ اخلاق مرتب کیا اور اس سماج کے اصولوں کو صحیح طور پر واضح کرنے کے لئے 'برہمو دھرم' لکھا۔ گرچہ مذہب اور فلسفہ کا مطالعہ کرنا اور ان پر بحث و مباحثہ کرنا ان کا مقبول مشغلہ تھا، تاہم وہ ملک کی سماجی اور سیاسی ضرورتوں سے ناآشنا نہیں تھے۔ ۱۸۵۹ء میں انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ عوام میں تعلیم کی اشاعت کے لئے حکومت اچھے معیار کی نصابی کتابیں چھاپے اور انھیں سستی قیمتوں پر فروخت کرے۔

دیبندرناتھ از سر نو منظم کردہ برٹش انڈین ایسوسی ایشن کے پہلے سکریٹری تھے۔ اس عہدہ پر فائز رہنے کے دوران انھوں نے یو پی لوگوں کی نام نہاد 'بلیک ایکٹ' تحریک کے خلاف جدوجہد کی، نیز نمک ٹیکس کے خلاف پرزور صدائے احتجاج بلند کی۔

رابندرناتھ ٹیگور کی پیدائش سے قبل کے دس سال کا عرصہ جدید تاریخ کا بہت ہی اہم عرصہ تھا۔ بلیک ایکٹ کے لئے اور اس کے خلاف اور بھی زور سے تحریکیں شروع کی گئیں۔

۱۸۵۰ء میں وہابی تحریک شروع ہوئی، اس کے بعد ۱۸۵۵-۵۶ء میں سنتھالوں کی بغاوت ہوئی۔ اس کے فوراً بعد ہی ۱۸۵۷ء میں ہندوستان کی آزادی کے لئے پہلی جنگ چھڑ گئی۔ اس کے ساتھ ساتھ بنگال اور بہار کے بہت سارے علاقوں میں نیل کے کاشتکاروں نے انگریز مالکوں کے ظلم کے خلاف جدوجہد شروع کر دی۔ ان تمام شورشوں کی وجہ سے ہندوستانی نظام حکومت کمپنی کے ہاتھ سے برطانوی حکومت نے اپنے ہاتھوں میں لے لی۔ رانی وکٹوریہ نے ۱۸۵۸ء میں اپنے ایک اعلان میں ہندوستانیوں کو اس بات کا یقین دلایا کہ ان کے ساتھ انصاف کیا جائے گا اور انتظامیہ غیر جانبدارانہ طور پر کام کرے گا۔

اس عرصہ میں سماجی اور معاشی محاذ پر کافی اہمیت کے متعدد اقدامات کئے گئے۔ ذات پات کی نااہلیت کو دور کرنے کے لئے ۱۸۵۰ء میں ایک ایکٹ پاس کیا گیا۔ بیوہ کی دوبارہ شادی ایکٹ ۱۸۵۶ء سے لاگو ہوگیا۔ اس قانون کے لئے ایشور چندر ودیا ساگر نے انتھک کوششیں کی تھیں۔ جان ڈرنک واٹر بیتھون نے ۱۸۴۹ء میں لڑکیوں کا ایک اسکول قائم کیا۔ ودیا ساگر نے عورتوں کی تعلیم کے کام کو اپنے ہاتھوں میں لیا اور اس عرصہ میں اس کے فروغ کے لئے جی توڑ کوششیں کیں۔

۱۸۵۴ء میں ریلوں کے چالو ہو جانے سے مال و اسباب کی نقل و حمل میں آسانی ہوگئی۔ ریلوں کی توسیع سے لوگوں کو ثقافتی، سیاسی اور دیگر مقاصد کے لئے ایک دوسرے کے قریب آنے کا موقعہ ملا۔ کلکتہ اور ہوگلی کے درمیان ۱۸۵۴ء میں ریلوں کی آمد و رفت شروع ہوگئی۔

کلکتہ یونیورسٹی کے قیام (۱۸۵۷ء) سے اعلیٰ تعلیم کے مواقع فراہم ہوئے۔ اس یونیورسٹی سے سب سے پہلی بار میٹرکولیشن کا امتحان پاس کرنے والوں میں رابندرناتھ ٹیگور کے بڑے بھائی ستیندرناتھ ٹیگور رہے۔

گرچہ دیبندرناتھ ٹیگور کی کوششوں سے برہمو سماج میں ایک نئی توانائی پیدا ہوگئی تھی تاہم جب کیشب چندر سین اس سماج میں شامل ہوئے تو اس سے اس سماج کو کافی تقویت پہونچی۔

زیرِ غور عرصہ ادبی لحاظ سے بھی کافی اہمیت کا حامل تھا۔ ودیاساگر کا [illegible] پچوئے' سب سے پہلے ۱۸۵۵ء میں شائع ہوئی۔ یہ بنگلہ کی پہلی کتاب ہے۔ بنگلہ کا پہلا ناول پھولو منی او کرونا ر بیوپارن ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا مسز ہنری مولنس اس کی مصنف تھیں۔ شمار کے لحاظ سے یہ پہلا ناول تھا لیکن معیار کے لحاظ سے پیاری چند مترا کے ناول آلالیر گھورے ر دُلال' (۱۸۵۸ء) کو بنگلہ ناولوں کی تاریخ میں پہلا مقام حاصل ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ بنگلہ ڈراموں کے سنہرے دور کا آغاز بھی ہوا۔ یوگندرا چندر گپتا کا کرتی بلاش (۱۸۵۲ء) 'تاراچرن سکدر کا بھدرا رجن (۱۸۵۲ء) رام نارائن تارک رتن 'کولین کولا سروا سوا' (۱۸۵۴ء) اور رمیش چندر مترا کا 'ودوا ودیا' ناٹک (۱۸۵۶ء) اس دور کے چند قابل ذکر ڈرامے ہیں۔ لیکن ۱۸۶۰ء میں دینا بندھو مترا کا نل درپن ڈرامہ کافی مقبول اور باثر ثابت ہوا۔

رنگلال بندو پادھیہ کے کلام کا مجموعہ 'پدمنی اپادکھیان' ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا۔ برسوں تک ان کی نظموں کے مصرعے جیسے سوادھنیتا ہینا تے کے با نچیتے چہے ہے' وغیرہ ہر محب وطن کے زبان زد ہو گئے۔ بنگلہ شعرا میں سب سے ممتاز شاعر ایشور چندر گپتا کا ۱۸۵۹ء میں انتقال ہوا۔ دوسری طرف اکشے کمار دت' ایشور چند ودیا ساگر' دیبندرا ناتھ ٹیگور' بھودیب مکھو پادھیہ' پیاری چند مترا اور دیگر مصنفوں نے اپنی تحقیقات سے بنگلہ نثر کو مالا مال کیا۔

ورناکولر لٹریچر سوسائٹی ۱۸۵۱ء میں قائم ہوئی۔ اس سوسائٹی کا مقصد یہ تھا بنگلہ میں مقبول عام کتابیں شائع کی جائیں کلکتہ کے ممتاز شہری اس سوسائٹی کی سرپرستی کیا کرتے تھے۔ سوسائٹی نے ۱۸۵۱ء میں ایک بہت ہی خوبصورت رسالہ شائع کیا۔ اس کا نام تھا 'ویوید ھارتھ۔ سنگرہ' اور یہ بنگلہ کا سب سے پہلا مصور رسالہ تھا۔

ایک اور ادبی اور ثقافتی سوسائٹی بنام ودیوتسا ہانی سبھا ۱۸۵۳ء میں کالی پرسنا سنہا نے قائم کی۔ یہ سبھا اپنا رسالہ بھی شائع کرتی۔

عورتوں کے لئے ایک ماہنامہ 'ماسک پتریکا' بھی ۱۸۵۴ء سے چار سال تک شائع ہوتا رہا۔ اس کی ادارت کی ذمہ داری مشترکہ طور پر پیاری چند مترا اور رادھا ناتھ سکدر پر تھی۔

اس دہائی میں رائے عامہ ہموار کرنے کے لئے دو رسالے 'ایڈوکیشن گزیٹ' (۱۸۵۶ء) اور 'سوم پرکاش' (۱۸۵۸ء) شائع کئے جاتے۔

تو یہ تھا سماجی' سیاسی اور ادبی ماحول' جب مئی ۱۸۶۱ء میں رابندرا ناتھ ٹیگور پیدا ہوئے۔ اسی سال مدھوسدن دت کا مجموعہ کلام میگھ ناد بادھ کاویہ شائع ہوا۔ اس میں آزاد نظمیں بھی شامل تھیں اور شاعر نے انسانی زندگی پر ایک نئے زاویہ سے روشنی ڈالی ہے۔ اسی سال یعنی ۱۸۶۱ء میں ان کی بنگلہ تاریخی رزمیہ 'کرشنا کماری' بھی شائع ہوئی۔ ۱۸۶۵ء میں بنکم چندر کے 'دُرگیش نندن' کی اشاعت کے بعد سے بنگلہ ادب کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

رابندرا ناتھ ایک ایسے مخیر زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے اور پرورش پائی جہاں سے جاگیر داری کے آثار ختم ہو رہے تھے۔ ان کے والد دیبندرا ناتھ ٹیگور سنت صفت منش ہونے کے ساتھ ساتھ بڑے روشن خیال شخص تھے۔ ان کے گھرانے میں اب یہی جذبہ کارفرما تھا کہ زندگی کے ہر شعبہ میں۔ ثقافتی' سماجی' مذہبی اور سیاسی۔ مکمل آزادی ہو۔ رابندرا ناتھ بڑی حساس طبیعت کے مالک تھے۔ انھوں نے پہلی بار 'ہندو میلہ' کے نویں اجلاس میں اپنی نظم 'ہندو میلار اُپہار' پڑھی۔ عام جلسہ میں نظم پڑھنے کا یہ پہلا موقعہ تھا۔ اس وقت ان کی عمر ۱۴ برس کی تھی۔ لیکن یہ نظم حب الوطنی کے جذبات سے پُر تھی۔ پھر ۱۸۷۷ء میں ہندو میلہ کے ایک اور اجلاس میں انھوں نے ایک اور نظم پڑھی جس میں انھوں نے دلی دربار پہ تنقید کی۔ ان دونوں نظموں میں انھوں نے ہندستان کو ایک بدنصیب بیوہ کے روپ میں پیش کیا۔ یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ اس زمانہ میں ناولوں اور ڈراموں میں ہندو بیوہ کو بدنصیبی اور فلاکت کے علم کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔

رابندرا ناتھ ٹیگور ۱۸۷۸ء میں انگلینڈ گئے اور وہاں انگریزی زندگی اور سماج سے خود کو روشناس کرایا۔ انگلینڈ میں اپنے تجربات کی بابت انھوں نے بہت سارے خطوط لکھے جو کلکتہ سے جاری ہونے والے رسالہ "بھارتی" میں شائع ہوئے۔ انھوں نے اپنے خطوط میں جگہ جگہ برطانیہ

کے لوگوں کی کڑی تنقید کی۔ اس کے ساتھ ہی انگریزوں کی حرکت پسندی ذاتی آزادی کے لئے احترام سے وہ کافی متاثر ہوئے اور یہی تاثرات ان کی زندگی کے جزو بن گئے۔

انگلینڈ سے واپسی کے بعد رابندرا ناتھ 'سفر کرنے' اور برہمو سماج کے کام میں مشغول ہو گئے۔ گرچہ وہ ملک کے سیاسی ماحول سے اچھی طرح واقف تھے تاہم انھوں نے خود کو عوامی شورش سے الگ رکھا ایسا انھوں نے کیوں کیا؟ اس کی وضاحت انھوں نے البرٹ بل تحریک پر اپنے تبصرہ میں کی۔ ان کا یہ تبصرہ 'بھارتی' کے چیتر ابنگلہ سال ۱۲۸۹ء کے شمارہ میں شائع ہوا تھا۔ اس تبصرہ کا عنوان 'چینچے کولا' (چیخ کر بولنا) تھا۔ بھارتی میں رابندرا ناتھ حالات حاضرہ پر بھی لکھا کرتے تھے۔ اپنے ایک مضمون میں رابندرا ناتھ نے سیاست دانوں کی بڑی تنقید کی کہ یہ لوگ صرف تحریک کے لئے تحریک چلاتے ہیں۔ اس قسم کی تحریروں کی دو اچھی مثالیں 'اکال کشمنڈ' اور 'ٹاؤن ہال پر تماشہ' ہیں۔ شاعر کے خیال کے مطابق تقریروں اور جلوس سے ہمارے مسائل حل نہیں ہو سکتے۔ ہمارے ہم وطنوں کے مصائب کو دور کرنے اور ان کے معیار زندگی میں بہتری لانے کے لئے ٹھوس پروگرام مرتب کرنے چاہئیں اور انھیں بروئے عمل لانا چاہیئے۔ اس نظریہ کی وضاحت انھوں نے اپنے مضمون 'ہاتے کولمے' (ہاتھ میں قلم میں) میں کی۔

رابندرا ناتھ نے ۱۸۸۶ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے کلکتہ اجلاس میں شرکت کی اور وہاں اپنا یہ گیت 'آمرا میلے چھی آج ماں ار ڈاکے' (ماں کے بلانے پر آج ہم لوگ ملے ہیں) گایا۔

۱۸۹۰ء سے شروع ہونے والی دہائی میں انھوں نے بہت سارے مضامین لکھے جن میں ظلم اور عوام کی فلاح و بہبود کے لئے سرکار کی بے حسی کے خلاف بہت سخت نکتہ چینی کی گئی۔ اس کے ساتھ ہی انھوں نے عوام سے بھی کہا کہ وہ بھی اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دیں۔ انھیں کانگریسی لیڈروں کی گداگری پسند نہ تھی۔ ان کی خواہش یہ تھی کہ لوگوں میں خود اعتمادی پیدا ہو اور اس مقصد کے فروغ کے لئے انھوں نے بہت سارے مضامین لکھے۔ اس سلسلہ میں پہلا مضمون 'منتری ابھی شیک' (وزیر کی تاجپوشی) (۱۸۹۰) تھا جو لارڈ کراس کے ہندستانی امور کی بابت غیر ہمدردانہ تبصرہ کے جواب میں لکھا گیا تھا۔ اس مضمون میں دیگر باتوں کے علاوہ انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ وائسرائے کی اکزیکیوٹیو کاؤنسل کے ممبروں کو حکومت نامزد نہ کرے بلکہ عوام انھیں منتخب کریں۔ اس سلسلہ کا آخری مضمون 'کنٹھو رودھ' (۱۸۹۸) (آواز کو روک دینا) تھا۔ اس مضمون میں انھوں نے سیڈیشن ایکٹ (بغاوت ایکٹ) کے خلاف احتجاج کیا نیز اس مضمون میں انھوں نے پریس کی آزادی کی پُر زور حمایت کی۔

رابندرا ناتھ نے ۱۸۹۰ء اور ۱۹۰۲ء کے درمیان اپنے چند شاہکاروں کو جیسے 'مانوسی' 'چترانگدا' 'سونار تاری' 'چترا' 'نوویدیہ' 'پوکھر بالی' اور بہت ساری مختصر کہانیاں وغیرہ تخلیق کی۔ یہ کہانیاں مظہر ہیں کہ دیہی بنگال کی بابت ان کی معلومات کتنی گہری اور وسیع ہیں۔ انھوں نے دیہی عوام کے دکھ سکھ کو واضح طور پر عیاں کیا اور عوام کے ساتھ اپنی دلی ہمدردی کا اظہار کیا۔ لیکن وہ اپنی تخلیقی کام کاج میں محو رہنے کے باوجود سیاسی صورت حال سے غافل نہ تھے۔ انھوں نے دوری سے سیاسی واقعات کی دھاروں کا مشاہدہ کیا اور جب کبھی ضرورت محسوس ہوتی تو ان کے سلسلہ میں اپنی رائے ظاہر کی۔

لیکن سیاست سے ان کا الگ تھلگ رہنا تقسیم بنگال کے خلاف تحریک کے شروع ہوتے ہی ختم ہو گیا۔ انھوں نے جلوس میں شرکت کی۔ تقریریں کیں لوگوں سے پُر زور اپیل کی کہ وہ اس بات کی قسم کھائیں کہ وہ سب سودیشی چیزیں استعمال کریں گے اور اپنے میں خود اعتمادی پیدا کریں گے، حب الوطنی کے گیت اور نظمیں لکھیں۔

تقسیم کردہ بنگال کے بنگالیوں کے درمیان بھائی چارگی کے رشتہ کو مستحکم بنانے کے لئے شاعر اعظم نے ۱۶ اکتوبر ۱۹۰۵ء میں راکھی بندھن کے رسم کا آغاز کیا۔

اس دن لوگوں نے سوراج، سودیشی اور قومی تعلیم کی بابت حلف اٹھایا۔ رابندرا ناتھ نے ان نصب العین کو اپنی تخلیقات میں جگہ جگہ اجاگر کیا۔

بہر حال انھیں جلد ہی احساس ہو گیا کہ لیڈران تعمیری پروگرام کو بروئے عمل لانے کے خواہاں نہیں ہیں۔ اسی لئے انھوں نے افسوس کے ساتھ اس تحریک میں فعال شرکت سے خود کو الگ کر لیا۔ لیکن انھوں نے تعمیری پروگرام کے نصب العین کو فراموش نہیں کیا۔ انھوں نے اپنے طور پر شوبھارتی اور شری نکیتن میں میں ان مقاصد کو حقیقت کا جامہ پہنانے کی کوشش کی۔

رابندرا ناتھ بنگال کی نشاۃ ثانیہ کی عظیم ترین شخصیت تھے۔ انھیں بھی راجہ رام موہن رائے کا بین الاقوامی اتحاد و دیا ساگر کا بنی نوع انسان سے

ہمدردی" دیبندرا ناتھ کے گھر سے مذہبی رجحانات پائے ہیں۔ رام موہن رائے، دیندرا[illegible]ب چندر اور شری رام کرشن سبھوں نے اسی بات کی تبلیغ کی کہ تمام مذہب ایک ہیں۔ شاعر اعظم نے اسی اصول کو اپنایا اور زندگی بھر اسی پر کاربند رہے۔

بچپن ہی سے ربندرا ناتھ کے حساس ذہن کو انگریزی سامراجیت کے ظلم سے بڑی ٹھیس پہونچی۔ ہندو میلا، پہار (۱۸۷۵ء) سے شروع کر کے انھوں نے انگریزی حکومت کے خلاف اپنے مضامین، نظموں، ڈراموں، کہانیوں اور ناولوں میں اپنے جذبات کا اظہار کیا (جیسے گورا، گھورے بائرے یعنی گھر اور باہر، چار ادھیہ یعنی چار ادھیائے وغیرہ)۔ انھوں نے ۱۹۴۱ء میں اپنی آخری سالگرہ کے دن اپنی ایک تقریر میں یوں پیشنگوئی کی "قسمت کا چکر ایک نہ ایک دن انگریزوں کو ہندوستان چھوڑنے پر مجبور کریگا۔ لیکن وہ جب جائیں گے تو اس وقت ہندوستان کی حالت کیا ہوگی؟ ہر طرف مصیبت اور شدید غربت ہوگی۔ جب آخر کار ان کی صدیوں کی حکومت کے چشمے سوکھ جائیں گے تو اس وقت وہ اپنے پیچھے کیچڑ اور غلاظت چھوڑ جائیں گے۔"

"کبھی مجھے اس بات پر یقین تھا کہ یورپ کے دل سے تہذیب کا چشمہ پھوٹے گا۔ لیکن آج جب میں اس دنیا سے رخصت ہونے والا ہوں تو میرا اس بات پر یقین ختم ہو گیا"۔

یہ باتیں جنگ عظیم دوئم کے دوران کہی گئی تھیں۔ اس سے قبل ۱۸۹۴ء افریقہ کے زولو قوم پر ظلم و ستم سے انھیں بہت ملال ہوا اور اس کا اظہار انھوں نے اپنی نظم "اے بار پھر اؤ مورے" (اس بار مجھے لوٹا دو) کیا۔ نیز جنگ بوئر، چین کے خلاف سامراجی جاپان کے حملہ اور اسی طرح کے اور بھی بہت سارے جور و جبر کے واقعات کے خلاف انھوں نے پرزور احتجاج کیا۔ جنگ عظیم اول کی تباہ کاریوں کا ان کی بہت ساری تخلیقات پر گہرا اثر پڑا۔ سامراجیت، فاسزم، نازی ازم سبھی طاقت کی ہوس کرتے ہیں۔ جنگ تو زیادہ تر طاقت اور اقتدار حاصل کرنے کے لئے نہ کہ بنی نوع انسان سے محبت اور ہمدردی کے نصب العین کو حقیقت کا جامہ پہنانے کے لئے لڑی جاتی ہے۔ لوگوں کو اپنی طرف کرنے کے لئے جنگ کے لیڈران قوم پروری کا نعرہ لگاتے ہیں اور قوم پروری کی تعریف ربندرا ناتھ نے یوں کی: "کاروبار اور سیاست میں لوگوں کو کچلنے کے طریقہ کار کو بنایا جا رہا ہے۔ میکانیکی توانائی کے لیے عرصہ کے دوران سے ہوس اور طاقت کے ایسے جدید آلات پیدا ہوئے

جسے مغرب میں قوم کہا جاتا ہے"۔

حب الوطنی سے اکثر تنگ نظر قوم پروری پیدا ہو جاتی ہے۔ اسی لئے شاعر نے بنی نوع انسان سے محبت اور بین الاقوامی اتحاد کو ترجیح دی ہے۔ انھوں نے برطانوی سامراجیت کے خلاف ہندوستان کی جدوجہد کے مختلف پہلوؤں پر ہمدردی سے غائر نظر رکھا۔ کانگریس نے شروعات میں حکومت سے درخواست اور اپیل کرنے کی پالیسی کو اپنایا تھا، لیکن شاعر نے اس پالیسی کو بالکل غلط قرار دیا۔ لیکن جب کانگریس اپنی طاقت کے بام عروج پر تھی تو اسی وقت انھوں نے کہا تھا کہ کانگریس میں اقتدار کے لئے تانہ کشی ہوگی۔ ۱۹۳۹ء میں جب کانگریس ہائی کمانڈ نے سبھاش چندر بوس کو کانگریس سے نکال دیا تو اسی وقت انھوں نے کہا تھا کہ کانگریس بہت سارے ٹکڑوں میں منتشر ہو جائے گی۔

ربندرا ناتھ انقلابیوں کے ایثار کی قدر کرتے تھے لیکن انھیں ان کے طریقے کار پسند نہ تھے۔ انھوں نے گاندھی جی کے سول نافرمانی تحریک میں بہت ساری خامیاں دیکھیں۔ انھوں نے عوام کو انگریزوں کے اس کھیل سے انتباہ کیا کہ انگریز ہندوستانیوں کو ہندو اور مسلمان میں تقسیم کر دیں گے۔ انھیں گاندھی جی کی طرح، اس بات پر یقین تھا کہ ہمارا سب سے اہم کام یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں میں بلند اور اعلیٰ اخلاق پیدا کئے جائیں۔

لیکن ان دونوں کے خیالات میں بہت ساری باتوں میں اختلافات بھی تھے۔ ان میں سے ایک اہم بات یہ تھی کہ ربندرا ناتھ اس دور کے جذبہ سے بخوبی واقف تھے۔ ربندرا ناتھ نے ساری دنیا کی سیر و سیاحت کی۔ اسی لئے وہ عالمی واقعات اور خیالات سے بخوبی واقف ہو سکے۔ گاندھی جی میں ان باتوں کا فقدان تھا۔ ان کے نزدیک چرخہ تو ملک کے احیاء نو کا علم تھا، اور بہار کا زلزلہ قہر الٰہی تھا، اور خدا نے لوگوں کو ان کے گناہوں کی سزا دی۔ لیکن شاعر ان کی بات سے اتفاق نہ کر سکے۔

ربندرا ناتھ وقت کی دھارے سے آشنا واقف تھے کہ قبل اس کے کہ کوئی سیاسی لیڈر جلیانوالا باغ کے سانحہ کے خلاف احتجاج کرے انھوں نے اپنا "سر" کا خطاب انگریزی حکومت کو واپس کر دیا۔

ربندرا ناتھ نے ۱۹۳۰ء میں روس کا دورہ کیا۔ یہ ان کے لئے ایک نیا تجربہ تھا۔ عوام کے حالات زندگی میں بہتری لانے کے لئے سویت ریپبلک نے جو کچھ کیا ان سے شاعر بہت متاثر ہوئے۔ انھیں اس بات کا احساس ہوا کہ

باقی صفحہ ۱۷ پر



از۔ اشیم رائے

ٹیگور کے ذہنی ارتقاء کا سرچشمہ

شاید اس بابت بہت کچھ لکھا گیا ہے کہ جوڑا ساکو خاندان کی مالا مال روایت نے کس طرح رابندرا ناتھ کی پرورش و پرداخت کی لیکن اس بابت بہت ہی کم لکھا گیا ہے کہ کس طرح وہ اس روایت سے بھی آگے نکل گئے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ثقافت نے، بقول ان لوگوں کے جنھوں نے اس موضوع پر لکھا ہے، جوڑا ساکو میں مہارشی کے گھر کے تار و پود کا احاطہ کر لیا ہے۔ مہارشی دیبندرا ناتھ کا خاندان روشن خیالی کا مرکز تھا۔ رابندرا ناتھ ٹیگور کے سب سے بڑے بھائی دوی جیندر ناتھ نہایت ہی مذہبی شخص تھے اور انھوں نے بہت سارے خوبصورت گیت اور بھجن لکھے۔ ان کے دوسرے بھائی ستندرا ناتھ جو انڈین سیول سروس کے پہلے ممبر تھے اور ان کی بیوی، تعلیم یافتہ بنگالی شرفا کے طرزِ رہائش کا نمونہ بن گئے۔ ان کے ایک اور بھائی جیوتندرا ناتھ جنکا نوجوان رابندرا ناتھ پر کافی گہرا اثر پڑا تھا کافی مشہور ڈرامہ نگار تھے۔ ان کے اور دو نوں بھائی گگنیندرا ناتھ اور ابنندرا ناتھ مشہور مصوّر تھے۔ تو اس روشن خیال گھرانے کی یہ مکمل تصویر تھی۔

رابندرا ناتھ کی خودنوشت سوانح حیات 'جیون شرتی' میں بھی ان کے آبائی گھر کی فضا کی واضح طور پر منظر کشی کی گئی ہے۔ لیکن یہ تمام باتیں اس کی وضاحت کرنے کے لئے، کم از کم بعد کی نسلوں کے لوگوں کے سامنے، ناکافی ہیں کہ کس طرح رابندرا ناتھ کے ذہنی ارتقاء میں ماحول معاون ثابت ہوا۔ ایک ہندوستانی زمیندار خاندان کی روایتی بندشوں سے باہر نکلنے کے لئے مہارشی گھرانے کے ثقافتی عناصر تو شروع شروع میں یقیناً معاون ثابت ہوئے، لیکن ایسا بھی تو ہو سکتا

تھا کہ یہ عناصر رابندرا ناتھ کو سیدا سٹریٹ کے رہنے والے لوگوں کی طرح لنو و [illegible] شائق بنا دیتے، کیونکہ اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک [illegible] سکل میں ان کے بڑے بھائی جیوتندرا ناتھ بھی فنون لطیفہ کے شائق تھے۔ لیکن اس کے باہر جانے اور قوم کی بھاری اور گرجدار گونجنے والی آواز بن جانے کے لئے کچھ اور چیز کی ضرورت ہو تی ہے اور جسے مہارشی خاندان یا انگلینڈ کا سفر فراہم نہ کر سکا۔ زمیندار دیبیندرا ناتھ نے اپنے بڑے بیٹے دوجیندرا ناتھ کو اپنی زمینداری کی دیکھ بھال کرنے کے لئے بھیجا۔ ان کی زمینداری غیر منقسم بنگال کے ضلع پبنہ کی پدما اور میگھنا ندیوں کے کنارہ واقع کئی گاؤں پر مشتمل تھی۔ دوجیندرا ناتھ وہاں خالی ہاتھ لوٹے، کیونکہ ان کے خیال میں غریب رعیتوں سے لگان وصول کرنا ایک بے ضرر اور مستحق شخص کے لئے ظلم کرنے کے برابر تھا۔ مہارشی نے اعتراض کیا، لیکن دوجیندرا ناتھ اپنی بات پر اٹل رہے۔ اس کے بعد ان کے دوسرے بیٹے جیوتیندرا ناتھ کی باری تھی لیکن مہارشی نے ان کا انتخاب نہیں کیا۔ انھوں نے اپنے چھوٹے بیٹے رابندرا ناتھ کو منتخب کیا، جنھوں نے اس پیش کش کو خوشی سے قبول کر لیا۔

شاعر کی زندگی کے اولین ارتقائی مرحلے میں شاید یہ بہت ہی اہم فیصلہ تھا جس نے اپنے خاندان کی بعض روایتوں کو اپنے اندر سمو لینے اور بعض کو رد کر دینے میں اور اس طرح عام لوگوں کی زندگی سے رابطہ قائم رکھنے میں مدد کی۔ اس طرح انھیں اپنے حلقے سے باہر نکلنے کا موقع ملا۔ انھوں نے اپنے والد کے لئے صرف لگان وصول کیا اور زمینداری کی دیکھ بھال بہت ہی اچھے طریقے سے کی، بلکہ انھوں نے اس سے زیادہ کیا۔ ایک خلاق ادیب ہونے کے ناطے انھوں نے باہر کی عظیم دنیا سے جذباتی اور روحانی رشتہ قائم کیا۔ ٹیگور خاندان کا کوئی فرد اتنا نہیں کر سکتا۔

ابنندرا ناتھ نے اس عرصہ میں (۱۸۹۲-۹۵ء) میں رابندرا ناتھ کی ایک شبیہ تیار کی۔ اس شبیہ میں رابندرا ناتھ کو تخیل کی دنیا میں کھوئے شاعر کی طرح دکھایا گیا۔ یہ شبیہ ان کے گہرے جذبہ خلوص کا عکاسی نہیں کرتی حالانکہ رابندرا ناتھ اور ان کے بھائیوں میں یہی فرق بہت نمایاں ہے۔ تقریباً ۱۸۸۵ء سے لیکر ایک دہائی سے زیادہ عرصہ تک رابندرا ناتھ نے شہزاد پور، پانی شہرا اور رکالی گرام گاؤں میں واقع اپنی آبائی زمینداری کا دورہ کیا اور اس طرح انھیں وہاں کے عام لوگوں کی زندگی سے واقف ہونے کا موقع ملا۔ اس عرصہ میں انھوں نے اس علاقہ سے زمیندار کی عمارت سے اور کشتی میں سفر کرتے ہوئے اپنی پیاری بھتیجی کو خطوط لکھے جن میں انھوں نے اپنی ذہنی کیفیت کا ذکر کیا۔ گرچہ یہاں نوکر چاکر سبھی موجود تھے تاہم یہاں کی زندگی کلکتہ کی زندگی سے بالکل مختلف تھی۔ شاعرانہ طبیعت کے مالک ہونے کے باوجود ان کے تمام بھائی مہینوں اور برسوں تک دوری پر واقع 'چر' زمین (ندیوں میں تہہ نشین مٹی آہستہ آہستہ پانی کی سطح سے اوپر آجاتی ہے، اسے 'چر' کہتے ہیں) کے اوپر چمکتے ستاروں کو دیکھتے دیکھتے انتہائی حد تک اکتا جاتے۔ اپنی ذہنی اور علمی چاہت کو مطالعہ کے ذریعہ پورا کرنے کی جگہ اگر وہ سب ندیوں کی وسعت کے بیچ بہنے والی ہوا سے لطف اندوز ہونا چاہتے تو یہ ہوا انھیں سلا دیتی۔

دوسری طرف عام لوگوں سے ملنا جلنا بھی اتنا آسان نہیں تھا، کیونکہ وہ ایک زمیندار تھے اور معاشی نابرابری اور قدیم رسم و رواج ان کے اور عوام کے درمیان ایک مستحکم دیوار کی مانند حائل تھی۔ اپنے خطوط میں شاعر یوں رقمطراز ہیں: "میری بات غریب کسانوں کے خیالات بالکل مختلف تھے۔ یہ بات کبھی بھی ان کی سمجھ میں نہ آئی کہ میں بھی ان لوگوں کی طرح ایک ہی انسانی نسل سے تعلق رکھتا ہوں اور اس غلط خیال کو زندہ رکھنے کے لئے کتنے جتن کئے جاتے ہیں۔ میں نے یہ تجویز پیش کی کہ میں کشتی سے کچہری (عدالت) تک پیدل چلوں گا۔ لیکن نائب نے بتایا کہ مجھے ایسا نہیں کرنا چاہئے۔ میری رعیتوں میں میری اصلی حقیقت عیاں نہ ہو جائے اس لئے میں ہمیشہ نقاب پہنے رہتا، اور کاندھوں پر بندوق رکھے دونوں سپاہی آواز دیتے ہوئے میرے آگے آگے جاتے۔ تاکہ کوئی میرے سامنے نہ آسکے"۔

شہزاد پور کے اس نوجوان زمیندار نے اپنی بھتیجی کو لکھے گئے خطوط میں اپنی پریشان کن کیفیت کی وضاحت کی۔ انکار کے باوجود وہ عام لوگوں سے ایک قسم کا رشتہ قائم کر سکے۔ ایسے تعلقات نہ صرف نظم اور گیت لکھنے میں، بلکہ بہت ساری کہانیاں لکھنے میں، ایسی کہانیاں جنکی اس سے قبل بنگلہ نثر میں مثال نہیں ملتی، معاون ثابت ہوئے۔ یہی ٹیگور کے ذہنی ارتقا کا سرچشمہ تھا جو ڈراسانکو گھرانے کی نازک اور شاید بتدریج ختم ہونے والی روایت کے نقطہ نظر سے الگ اور ان کا

بھائیوں کے درمیان اسی بات کا فرق تھا۔

۱۹ویں صدی کی آخری دہائی میں جب ٹیگور اپنی آبائی جاگیر کی دیکھ بھال کر رہے تھے، تو انھوں نے بہت سی کہانیاں لکھیں جن میں سے چند میں اب بھی وہی شادابی اور فرحت بخش تازگی ہے۔

ان کہانیوں میں انھوں نے انوکھے پیرائے سے گمنام لوگوں کی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ جیسے باتونی لڑکی، جس کا چہرہ لڑکے کی طرح تھا اور جو سن بلوغت کو پہونچ رہی تھی، دیہی پوسٹ ماسٹر کی تنہائی، شریر میلا لڑکا، جنگلی استاد، مالدار زمیندار گھرانے کی بیوہ، جسے کوئی پسند نہیں کرتا، گاؤں کا نکما شخص، جو خفیہ خزانہ کی تلاش میں رہتا ہے، ساس کا ظلم جو اپنے بیٹے کو بہو سے الگ کرنا چاہتی ہے، وغیرہ۔

ان کہانیوں میں ایسی سادگی ہے جو ان کے بعد کے برسوں کی کہانیوں میں نہیں ہیں، بعد کے برسوں کی کہانیوں میں ربندرا ناتھ نے انسانی تعلقات کے نفسیاتی پہلو پر زیادہ زور دیا ہے۔ مثال کے طور پر انھوں نے اپنی کہانی، نشتا نیر (برباد آشیانہ) میں اس نقطہ کو بہت ہی دلچسپ طریقہ سے اجاگر کیا ہے۔ شروع کی مختصر کہانیوں میں ایک خصوصی رنگینی اور شگفتگی تھی۔ گرچہ ربندرا ناتھ کو بنی نوع انسان سے بڑی محبت تھی تاہم وہ کبھی بھی جذباتی نہ بنے۔ ان میں سے بہت سی کہانیوں میں خاص طور پر عورتوں سے متعلق کہانیوں میں، ظلم اور توہم پرستی کے شکنجہ میں جکڑے ہوئے ہمارے دیہی سماج کے لئے مزاح کا عنصر پایا جاتا ہے۔

چنانچہ بھارشی نے اپنے چھوٹے بیٹے کو دیہی بنگال میں بھیجنے کا جو فیصلہ کیا تھا اس کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں اس فیصلے نے ربندرا ناتھ کو اپنے ڈرائنگ روم میں اپنے پنکھو کو پھڑپھڑاتے ہوئے بیمار فرشتہ میں یا ایک شخص میں، جو اعلانیہ انگلینڈ کی تعریف کرتا ہے اور جو اپنی باقی ماندہ زندگی انگلینڈ میں گزارنا چاہتا ہے، تبدیل کرنے کی جگہ ایک عظیم خلاق ادیب کی طرح آگے بڑھنے کے لیے انھیں جلا بخشی۔

"ندیوں کے کنارہ ان گاؤں میں رہتے ہوئے ایک شخص کو اس بات کا احساس ہوتا ہے، کہ ہماری زندگی کے روزمرہ کے فرائض کو انجام دینے سے زیادہ شاندار اور کوئی کام نہیں ہوتا۔ سبزہ زار میں گھاس اور آسمان میں ستارے بھی یہی کام کر رہے ہیں" یہ باتیں انھوں نے ۱۸۹۴ء میں شہزاد پور سے اپنے بھتیجی کو خط میں لکھیں۔ چنانچہ ان میں ایک قسم کی میکانیکی طاقت پیدا ہو گئی تھی جس نے انھیں ان کی زندگی بھر سہارہ دیا۔ اس کے ساتھ ہی انھیں ایک خلاق ادیب ہونے کے راستہ پر ہمیشہ گامزن اور آمل رکھا۔

بقیہ — ص ۱۴ کا

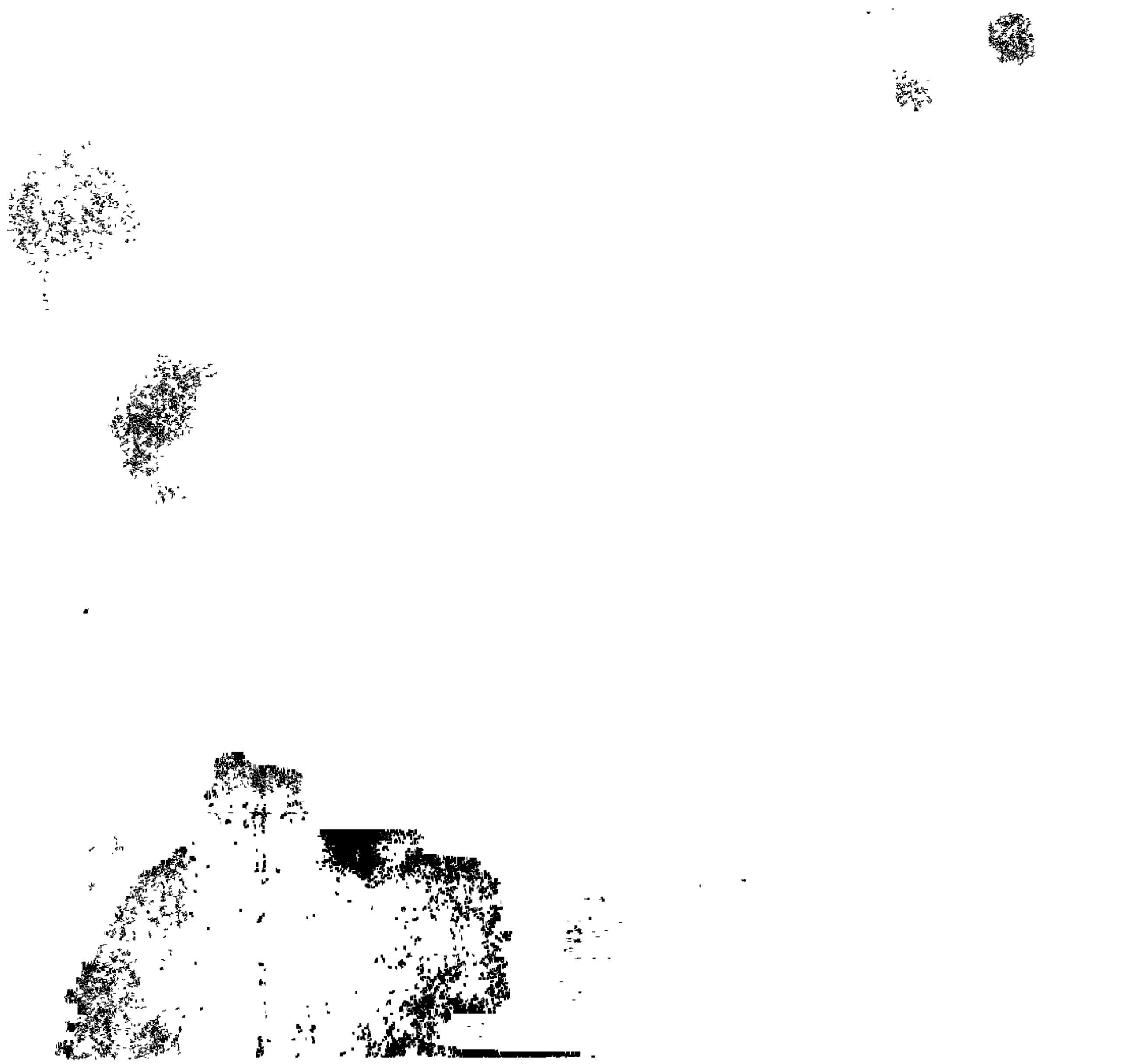
محنت کش طبقہ کے برسر اقتدار آتے ہی ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔ اس تجربہ سے بعد کے برسوں میں ان کی تخلیقات میں سماجی حالات کی زیادہ جھلکیاں نظر آنے لگیں۔

ایک لڑکے کی حیثیت سے شاعر و کشوریائی روایت کے نئے بنگلہ ادب سے کافی متاثر ہوئے۔ آہستہ آہستہ انھوں نے انگلینڈ، امریکہ اور براعظم کے دیگر ملکوں میں جدید ادبی تحریکوں کا غائر مطالعہ کیا۔ انھوں نے چینی اور جاپانی ادبی تخلیقات کے ترجموں کا بھی مطالعہ کیا اگرچہ انھوں نے ربندرا ناتھ کی بڑی تعریفیں کیں۔ مشہور مصنفوں سے ذاتی تعلقات اور ان کی تخلیقات کا مطالعہ ادب کے جدید رجحانات کی روشنی میں ان کے تخلیقاتی خیالات کو نئی سمت عطا کرنے میں معاون ثابت ہوا۔ ادبی ارتقاء کے ساتھ ساتھ ان کے طرز تحریر، ان کے اسٹائل اور مرکزی خیالات بھی بدلتے گئے۔

۱۹۳۲ء اور ۱۹۴۱ء کے درمیان لکھی گئی ان کی تخلیقات جیسی پنسچا، سیش سپتک، پرانتک، نبا جتک، جنم دن نے وغیرہ میں ان نئے رجحانات کی جھلکیاں پائی جاتی ہیں۔ بنگلہ شاعری میں ان کی آزاد نظم ایک جدت تھی۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے، کس طرح شاعر وقت کے ساتھ ساتھ اپنی زندگی کے آخری دور تک حرکت کر سکتے تھے۔ ان کی تین سنگی (تین ساتھی) کہانی نویسی کی نئی تکنک کی بہترین مثال ہے۔

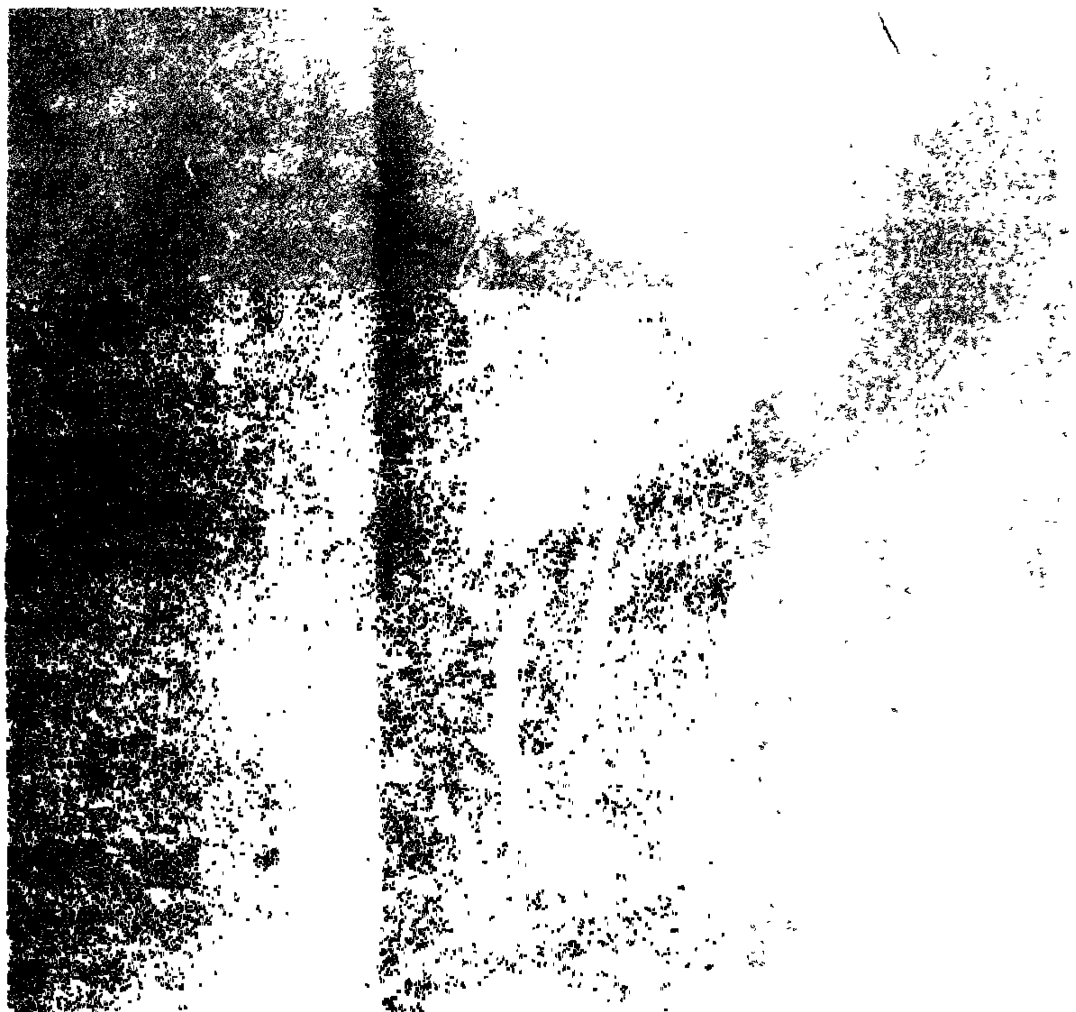
اس سلسلہ میں شاعر کی مصوری کا بھی ذکر کیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے ۱۹۳۰ء کے لگ بھگ پینٹ کرنا شروع کیا۔ ان کا آرٹ صرف ہندوستانی آرٹ کی نقل نہ تھا۔ ہمیں ان کی پینٹنگس میں ہندوستانی اور جدید یورپی تکنکوں کا امتزاج نظر آتا ہے۔

ربندرا ناتھ جس طرح اپنی زندگی گزارنا چاہتے تھے، اسی طرح انھوں نے زندگی بسر کی۔ وہ وقت کے ساتھ قدم ملا کر چل سکتے تھے اور ان کی تخلیق، بلاکا میں یہ بات صاف نظر آتی ہے۔



رابندرا ناتھ ٹیگور کی شبیہ (سنہ ۱۸۹۲ء)
آرٹسٹ:- ابندرا ناتھ ٹیگور

رابندرا ناتھ ٹیگور
پنسل ڈرائنگ
آرٹسٹ: ولیم رتھن سٹین



از ۔ [illegible]

ٹیگور اور رعیت



کسانوں کا مسئلہ شاعر کے دل پر ایک بارگراں کی طرح تھا اور وہ اس سے حل کی تلاش میں سرگرداں تھے۔ کسانوں کے مسئلہ "رعیتر کتھا" پر پرمتھ چودھری کی کتاب کی تمہید میں انھوں نے لکھا: "میں جانتا ہوں کہ زمیندار ایک جونک کی طرح زمین سے چمٹا ہوا ہے۔ وہ ایک طفیلی ہے جو دوسرے کے سہارے پر زندہ رہتا ہے۔ ہم محنت نہیں کرتے، ہم اپنی روزی نہیں کماتے، ہم کوئی ذمہ داری نہیں لیتے، ہم عیش و عشرت میں رہتے ہیں اور اس کے نتیجے میں ہمارا جسم بیکار محض اور دماغ کند ہو جاتا ہے...... ہم زبردست خود فریبی کی دنیا میں رہتے ہیں، بہتر یہی ہے کہ ہم زمینداری سے دست بردار ہو جائیں۔"

لیکن سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ یہ تھا کہ یہ کام کیسے کیا جائے؟ رابندرا ناتھ استفسار کرتے ہیں۔ "میں اسے کس کے سپرد کر دوں؟ کیا دوسرے زمیندار کو؟ خون کا چسکا بڑی جونک کے مقابلہ میں چھوٹی جونک میں کہیں زیادہ ہوتا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ سکتا کہ خون چوسنے کے فطری میلان میں کوئی فرق ہوتا ہے۔ غریب رعیت جاہل، ان پڑھ اور کمزور ہیں۔ ان کی اقتصادی خوشحالی پر ساہوکاروں کا منحوس سایہ ہے وہ نہیں جانتے کہ اپنی حفاظت کیسے کریں۔ ان میں سے جو چالاک ہیں وہ خوفناک حریص اور تند ہیں میں جانتا ہوں کہ رعیت جو رعیت کو ہڑپ کر جاتی ہے، ان کی بھوک کتنی تباہ کن ہے۔ میں نے شناسا ہے کہ امریکہ میں جیسے بڑے بیوپاری چھوٹے بیوپاری کو شیطان بن کر ہڑپ کر جاتے ہیں۔ اسی طرح طاقتور رعیت، جبر اور فریب سے کمزور رعیت کے کھیتوں کو ہڑپ کر جاتے ہیں اور بتدریج زمیندار بن جاتے ہیں۔ پہلے وہ خود اپنی زمینوں کی کاشت کرتے ہیں اور اس کی پیداوار جیسے جیسے بڑھتی جاتی ہے وہ محنت کی منزل ہی

خود فروخت کر دیتے ہیں۔ قدرتی ذہانت اور فراست کو چھوڑ کر ان میں اور دیگر کسانوں میں کوئی فرق نہیں ہوتا۔ لیکن جیسے جیسے کھیتوں کا رقبہ بڑھتا جاتا ہے ہل ان کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا ہے اور وصول حکومت میں بدل جاتا ہے...... جاہل رعیتوں کو زمین کو آزادانہ طور پر منتقل کرنے کا حق دینا خودکشی کرنے کا حق دینے کے مترادف ہے۔"

ٹیگور کے لئے کسانوں کا مسئلہ ایک عظیم تر مسئلہ یعنی غریبوں اور امیروں کے درمیان سوسائٹی کی تقسیم کا جزو تھا۔ وہ کہتے ہیں۔

"قدیم زمانہ سے مہذب ملکوں میں تمام افراد کے گروپ شامل رہے ہیں۔ اکثریت میں ہوتے ہوئے بھی ان کی حیثیت بار برداری کے جانوروں کی تھی جنہیں انسان بننے کا وقت اور موقع نہیں مل سکا۔ وہ سماج کی دولت کے نیچے کچلے دبے پڑے رہتے ہیں۔ کم سے کم کھانا، کپڑا اور تعلیم ان کا مقدر رہی ہے اور وہ ساری زندگی دوسروں کی خدمت کرتے رہتے ہیں۔ وہ پسینہ ایک کرتے ہیں لیکن سوائے ذلت اور رسوائی کے ان کے ہاتھ کچھ نہیں لگتا۔ وہ فاقہ کرتے ہیں اور ان کے آقا ان کو ذلیل و خوار کرتے ہیں، ان کو زندگی کے ہر سکھ سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ وہ ایک شمع دان کی طرح ہیں جو اپنے سروں پر تہذیب کی شمع رکھے ہوئے ہیں۔ طبقہ بالا کے لوگ کسب نور کرتے ہیں اور یہ بہتے ہوئے تیل کے داغ دھبے ان بدنصیبوں کا مقدر بن جاتے ہیں۔"

سوویت روس کے سفر (۱۹۳۰ء) نے شاعر کے ذہن پر گہرے اثرات مرتب کئے۔ انہیں یہ دیکھ کر قلبی اطمینان ہوا کہ سوویت روس نے کسانوں کا مسئلہ

کو حل کرنے کی پُرخلوص کوشش کر رہا ہے اور اُس کی کوششیں بڑی حد تک کامیابی سے ہمکنار ہوئی ہیں۔ ٹیگور کے الفاظ میں "میں نے خود اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کیا کہ کس طرح روسی کسانوں نے دس برس سے بھی کم مدت میں ہندوستانی کسانوں کو بہت پیچھے چھوڑ دیا ہے"۔ (روس سے لکھے گئے خطوط۔ صفحہ ۳۸)

اپنے منفرد اسٹائل میں انھوں نے لکھا۔ "۱۹۱۷ء کے انقلاب سے پہلے ۹۹ فیصدی کسانوں نے کبھی مشینی ہل نہیں دیکھا تھا" ہمارے کسانوں کی طرح سوویت کے تجربہ نے شاعر کو ایک واضح تصور عطا کیا۔ وہ اس امر کے پوری طرح قائل ہو گئے کہ امداد باہمی واحد حل ہے۔ انھوں نے لکھا "اس سلسلہ میں میرے ذہن میں دو خیالات پیدا ہوئے۔ اوّل یہ کہ اخلاقی طور پر زمین پر زمیندار کا کوئی حق نہیں ہے بلکہ اس کا اصل حقدار کسان ہے دوئم یہ کہ کھیتی باڑی اُس وقت تک ہرگز ترقی نہیں کرسکتی جب تک زمین پر کاشت اجتماعی طور پر امداد باہمی طریقوں سے نہیں کی جاتی۔ کسی قطعہ آراضی پر قدیم ہلوں کے ذریعہ کھیتی کرنا ایک بہت گہرے گڑھے کو پاٹنے کی مترادف ہے۔

لیکن ان دونوں مقاصد کا حصول مشکل ہے کیونکہ جیسے ہی کسانوں کو زمین پر حق دیا جاتا ہے ویسے ہی یہ حق ہاتھوں کے کھنڈولوں میں چلا جاتا ہے۔ لہٰذا کسان کے مصائب اور پریشانیاں کم ہونے کے بجائے اور زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔ ایک زمانہ میں میں نے کسانوں کو زرعی آراضیات کو یکجا کرنے کے سوال پر تبادلۂ خیالات کے لئے اکٹھا کیا تھا۔ . . . . "

"یہ بات ہمیشہ میرے ذہن میں تھی۔ جب ہم نے وشو بھارتی کے زیر انتظام بولپور میں ایک کوآپریٹو تنظیم قائم کی تھی تب ہم نے سوچا تھا کہ بالآخر وہ موقع آگیا جس کا انتظار تھا۔ . . . (صفحات ۱۲-۲۲)

تاہم ٹیگور اجتماعی کھیتی کے سوویت طریقہ نیز نجی جائیداد کو ختم کرنے کے نظریہ سے پورے طور پر متفق نہیں تھے۔ سوویت یونین کی طرح اُن کا بھی یہ خیال تھا کہ ایسی انقلابی اصلاحات تشدد ہی کے ذریعہ نافذ کی جاسکتی ہیں۔

لہٰذا وہ ایک درمیانی راستہ اختیار کرتے ہیں۔ اُن کی رائے میں کسی شخص کی اپنی جائیداد سے وابستگی موضوع بحث نہیں ہے بلکہ یہ انسانی فطرت میں داخل ہے۔ ہم اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرنا چاہتے ہیں اور یہ اظہار خودی کا ایک طریقہ ہے۔

"جن کے وسائل اور ذرائع اس سے کہیں زیادہ ہیں وہ عظیم ہیں۔ وہ جائیداد کی پروا نہیں کرتے۔ وہ سب کچھ کھو دیں تب بھی انھیں افسوس نہیں ہوتا۔ لیکن ایک ادنیٰ انسان کے لئے ذاتی ملکیت اس کی انفرادیت کی زبان ہوتی ہے۔ اُسے سکتہ ہو جاتا ہے اگر وہ اس سے محروم ہو جائے۔

اختتام پر شاعر کہتا ہے "میرے خیال میں اس مسئلہ کا کوئی مکمل حل نہیں ہو سکتا۔ دوسرے الفاظ میں نجی ملکیت باقی رہے گی لیکن اس سے تمام تر انفرادی استفادہ محدود ہو جائے گا۔ اور ان حدود سے جو تجاوز ہوگا وہ لازمی طور پر عوام کی بھلائی کے لئے ہوگا۔ اس طرح نجی ملکیت سے وابستگی کو حرص، فریب اور ظلم میں بدلنے سے روکنے کا یہی واحد طریقہ ہے۔ . . . .

(صفحات ۳۴-۳۵)

بقیہ:- ص۳۶ کا

صاف کرلی جائے گی، جب یہ طوفان ختم ہو جائیگا، تو اس تاریخ کے ایک نئے دور کا آغاز ہوگا۔ شاید صبح مشرق کے افق سے، جہاں سورج طلوع ہوتا ہے ہوگی۔ ایک دن ایسا بھی آئیگا جب جنگ و جدل سے دل شکستہ اور تھکا ماندہ انسان فتح کے راستہ سے الگ ہو کر، تمام رکاوٹوں کے باوجود اپنی کھوئی ہوئی انسانی وراثت کو پھر سے حاصل کرلے گا"۔

(تہذیب میں بحران، اپریل ۱۹۴۱ء)

اپنی آخری نصیحت کے بعد شاعر نئے انسان کی آمد کا پیغام بھی دیتا ہے۔

وہ عظیم ہستی آئے گی، جو دھرتی کی دھول کو لرزہ دیگی،
آسمان میں نقارے بج رہے ہیں،
انسان کی دنیا میں فتح کے ڈھول بجائے جا رہے ہیں،
اس عظیم ہستی کی پیدائش کی گھڑی آن پہونچی ہے،

آخرکار اس نئے انسان کی آمد کی امید سے شاعر کو ذہنی سکون حاصل ہوا۔ اس نئے انسان کی آمد پر رات کے قلعہ کے دروازے گرد و غبار کی طرح مسمار ہو جائیں گے اور بیدار ہونے والی صبح ایک نئی زندگی کی آمد کا یقین دلائیگی۔ اس لئے ڈرو مت،



زندگی ! ہر لمحہ نئے روپ میں آ،
نت نئے رنگ میں آ، خوشبو میں آ، نت نئے نغموں میں آ !
ہر لمحہ نئے رنگ میں آ، نئے انداز میں آ !
بادِ صبا کے فرحت بخش جھونکوں میں آ !
دل میں لطیف سرور کی صورت میں آ !
آ، انتہائے شادمانی سے میری ان نیم وا آنکھوں میں آ !
ہر لمحہ نئے رنگ میں آ، نئے انداز میں آ !
اے منبعِ لطف و کرم، اے حسنِ تاباں، اے اطمینانِ مجسّم
ہمارے دلوں کی ہر ترنگ میں آ !
زندگی کے ہر عمل میں، ہر زندگی کے لمحہ جاں بخش میں آ !
تو اپنے رخ سے نقاب اُٹھا، دیدار سے فیضیاب کر
ہر لمحہ نئے رنگ میں آ، نئے انداز میں آ !

— رابندرا ناتھ ٹیگور (گیتانجلی)

کرشنا دھر

ٹیگور کی شاعری کا ارتقاء



رابندر ناتھ ٹیگور کی شاعری کے ارتقا کی کہانی اتنی ہی دلچسپ ہے جتنی کہ اس شخص کی جو جدید ہندستان کی ثقافتی رعنائیوں کی نمائندگی کرتا ہے۔ سوانح حیات ٹیگور کی تخلیقی ذہانت کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ وہ اپنے باطن کو بہت ہی فنکارانہ طریقہ سے ظاہر کر سکتے تھے۔ دراصل انھوں نے اپنی نظموں کے ذریعہ آہستہ آہستہ اپنی خودی کا اظہار کیا۔ ان کی تخلیقی سرگرمیاں نوعمری سے شروع ہوئی اور زندگی بھر جاری رہیں۔ ان کی پہلی نظم 'ابھیلاش' (خواہش) 'دوسرے نام سے ۱۸۷۴ء میں تتوبودھینی پتریکا میں چھپی' اس وقت ان کی عمر ۱۳ برس کی تھی' اور انھوں نے اپنی آخری نظم شیش لیکھا (آخری تحریر) اپنی موت سے صرف ایک ہفتہ قبل یعنی ۳۰ جولائی ۱۹۴۱ء کو زبانی لکھوائی۔

فنکارانہ تخلیق ہی ان کی زندگی کا مقصد اور نصب العین تھی کبھی کبھی تو وہ خود یہ کہتے کہ وہ پیدائشی رومانی شاعر ہیں۔ بہرحال نظم سے ان کی محبت اور شوق کا ملوں کا خواب نہ تھا کیونکہ اپنے سماجی وجود کے ساتھ ساتھ یہ شوق ان میں پیدا ہوا۔ اپنی لمبی تخلیقی زندگی میں ٹیگور نے نظموں' ناولوں' ڈراموں اور گیتوں کے ذریعہ سچائی اور حسن کے احساس کے جوہر کی تبلیغ کرنے کوشش کی۔ ٹیگور ۱۹ ویں صدی کے بنگال کی نشاۃ ثانیہ کے دور کی شخصیت تھے۔ روشن خیال اور معقول مغربی اقدار سے اچھی طرح روشناس ہونے کے باوجود ٹیگور کی بنیاد اس سرزمین میں مستحکم ہو گئی جہاں انھوں نے جنم لیا۔ انھوں نے ہمارے روایت سے اتنا ہی استفادہ کیا جتنا انسان ہمدردی کے مغربی فلسفہ سے۔

ٹیگور کی شروع کی نظموں میں خاص طور پر 'نئی بدیا' (۱۹۰۱) میں ہمیں ان کی پرارتھنا میں پُرخلوص روحانی باتیں نظر آتی ہیں۔ لیکن یہ صرف ایک پجاری کے خیال اور رسمی الفاظ نہ تھے۔ پرارتھنا کی ان تمام خوبصورت نظموں میں صحیح معنوں میں سماجی بیداری کا جذبہ کارفرما ہے۔ شاعر نے کبھی بھی اپنی نجات کے لئے دعا نہیں کی۔ اپنے دل کی گہرائی سے اپنی نظموں کے ذریعہ اپنے بدنصیب ہم وطنوں کی بہتری کے لئے دعا مانگی۔

اپنے ہم وطنوں کی مصیبتوں اور پسماندگی نے شاعر پر بہت ہی گہرا اثر کیا۔ اپنی ایک نظم میں وہ یوں دعا گو ہیں۔

اے میرے معبود' تجھ سے میری یہی التجا ہے۔
میرے دل کی انتہائی غربت کی بنیاد پر ضرب کاری لگا۔
مجھے طاقت دے کہ میں دکھ اور سکھ کو ہنسی خوشی برداشت کر سکوں
مجھے طاقت دے میں خدمت خلق کیلئے اپنی محبت کو بار آور بنا سکوں
مجھے طاقت دے کہ میں کبھی بھی غریبوں کو اپنا کہنے سے انکار نہ کر سکوں
اور مندی آقتدار اور طاقت کے سامنے نہ جھک سکوں

بیسویں صدی کی پہلی دہائی میں بنگال میں سودیشی تحریک بڑے زور و شور سے چلائی جا رہی تھی۔ یہ تحریک برطانوی حاکموں کے فیصلہ کے خلاف ایک قومی احتجاج تھا۔ انگریزوں نے عوام کی مرضی کے خلاف یہ فیصلہ کیا تھا کہ صوبہ بنگال کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ اس سلسلہ میں عوامی تحریک چلائی گئی تھی جس کا مطالبہ یہ تھا کہ تقسیم کے اس فیصلہ کو باطل قرار دیا جائے۔

ٹیگور نے اس تحریک میں شرکت کی اور اپنے ہم وطنوں اور دیگر لیڈروں کے ساتھ کلکتہ کی سڑکوں میں جلوس میں شامل بھی ہوئے۔

ان کی مشہور نظم "آمار سونار بانگلہ" (میرا سنہرا بنگال میں تجھے پیار کرتا ہوں) جو آج بنگلہ دیش کا قومی گیت ہے، اسی عرصہ میں لکھی گئی۔ اس عرصہ میں انھوں نے اپنی نظموں کے ذریعہ بنگالیوں کو ایک ہونے کی پکار دی۔ ان کی قوم پروری کا نظریہ بہت وسیع تھا۔ ان کا دل انسانی ہمدردی کے جذبہ سے سرشار تھا۔ لیکن ان تحریکوں نے ان کے تصور کو اور بھی جلا بخشی اور اس کے بعد انھوں نے بہت سارے حب الوطنی کے یادگاری گیت لکھے۔

اپنی مشہور کتاب "گیتانجلی" (۱۹۱۰) میں انھوں نے ہندوستان کا عالمی ثقافت کی آماجگاہ کی حیثیت سے تصور کیا۔ شاعر کا خواب ایک ایسی دنیا کا تھا، جہاں سب لوگ ایک ہوکر رہ سکیں گے، جہاں ذات پات کی کوئی تمیز نہ ہوگی۔ سیاسی میدان میں گاندھی جی نے جب ہریجنوں کے معاملہ کو اپنے ہاتھوں لیا تھا، اس سے بہت پہلے ٹیگور نے سماج کے سب سے نچلے اور پسماندہ طبقے اور نام نہاد اچھوتوں کی بابت لکھا تھا۔ اپنی مشہور نظم بھارت تیرتھ میں انھوں نے عالمی شخص کو دعوت دی تھی کہ وہ بھارت کی یاترا کرتے۔ وہ لکھتے ہیں:۔

بیدار ہو، میرا ذہن، آہستہ سے بیدار ہو
اس مقدس تیرتھ استھان میں
جو عظیم بحر انسانیت کے کنارہ واقع ہے۔
یعنی ہندستان
یہاں میں دونوں ہاتھوں پھیلائے کھڑا ہوا۔
اس شخص کو خوش آمدید کہنے کیلئے جو اپنی شکل میں الہامی ہے
اور خوشی اور آزادی کی فضا میں
اس کی شان میں گیت گانے کیلئے

اُپنشد کی تعلیمات کے علاوہ بودھ مت کے انسانی ہمدردی اور سیکولر خیالات نے بھی ٹیگور پر اچھا خاصہ اثر کیا۔ انھوں نے بودھ روایتوں پر بہت سارے مضامین اور مقالے لکھے اور اپنی بہت ساری نظموں میں بودھ کی تعلیمات کا پرچار کیا۔ صوفیوں کی بھکتی تحریک 'شاہجیا' 'اول' اور بائول نے بھی ٹیگور کے خیالات کے ارتقا کو جلا بخشی۔

ان کا مذہب انسان کا مذہب تھا جہاں ذات پات کو کوئی مقام نہ تھا۔ انھوں نے ملک ملک کی سیر کی، مختلف ملکوں میں لوگوں سے ملاقات کی۔ ان کے درمیان قیام کیا۔ ایسے تعلقات سے انھیں جو تجربات حاصل ہوئے، ان کا ذکر کرتے ہوئے انھوں نے اپنے مضمون میں یوں لکھا ہے کہ انھیں اب اس بات کا احساس ہو رہا ہے اور انھیں اس بات پر مکمل یقین ہے کہ انسان کی آخری منزل اور نصب العین عالمگیر محبت اور اتحاد ہے۔

تو نے ان دوستوں سے مجھکو روشناس کرایا جنھیں میں جانتا نہ تھا،
تو نے مجھے ان مکانوں میں جگہ دی جو میرے نہیں ہیں،
تو نے دوری کو قریب کر دیا اور اجنبی کو میرا بھائی بنادیا۔

یہی ٹیگور کا فلسفہ ہے جو انسانی اخوت کو تسلیم کرتا ہے۔ شاعری میں انھوں نے ہمیشہ نئی نئی باتوں پر اظہار خیال کیا۔ انھوں نے نئے خیالات اور تصورات سے تجربہ کیا اور اپنے پرانے تصورات کو تقویت پہونچانے کے لئے نئے خیالات کی عکاسی کی۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان کی روح بڑی بیقرار رہتی تھی اور اسی بیقراری نے ان کی نظموں کو ایک انوکھی ادا اور نوعیت بخشی۔ سنہ ۱۹۱۶ء میں انھوں نے نظم 'بلاکا' (اڑتی ہوئی راج ہنس) شائع کیا، جو ان کی پہلی نظموں سے بالکل مختلف ہے۔ پہلی جنگ عظیم جاری تھی۔ ہندستانی غیرملکیوں کی حکومت کے تحت بدحالی میں مبتلا تھا۔ ٹیگور نے اپنی ایک 'سوبوجیرا ابھی جان' میں انھوں نے عوام کو آواز دی کہ وہ غلامی کی زنجیروں کو توڑ دیں اور پرانے، گھسے پٹے اور فرسودہ رسم ورواج کی بندشوں سے خود کو آزاد کریں۔ نوجوان ہی لوگوں میں نئی روح پھونک سکتے ہیں، اس بات پر انھیں پورا عقیدہ تھا۔ 'بلاکا' میں بے خوف وخطر آگے بڑھنے کا پیغام تھا۔ اس سے قبل اپنی 'سونار تاری' اور 'چترا' نظموں انھوں نے دھرتی ماتا کو اپنا ہمراز بنایا اور اسے ہی اپنے دکھ سکھ باتیں سنائیں۔ بنی نوع انسان کے لئے ان کی محبت اور اپنے اردگرد کی تمام چیزوں کے لئے ان کی ہمدردی نے نظموں کو بہت حساس بنادیا اور لوگوں پر ان کا اچھا خاصہ اثر پڑا۔ لیکن 'بلاکا' نظم ان کی شاعرانہ زندگی میں ایک نیا موڑ ثابت ہوئی۔ کیونکہ اس کے بعد سے شاعر کی زندگی کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جو ان کی تحریروں اور نظموں سے عیاں ہو جاتی ہے۔

ٹیگور کی نظموں کا انکی دیگر فنکارانہ تخلیقات جیسے ان کے مضامین، ان کی کہانیاں، ناول، ڈرامہ اور ان کی مصوری، جو انھوں نے اپنی زندگی

کے اختر ان دور سے شعور تک کی ترقی چھوڑ کر آزادانہ طور پر تجزیہ نہیں کیا جا سکتا اور نہ ان کی افادیت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یہ سب خیالات کے اس عمل کے اہم ستون ہیں۔ جسے شاعر اعظم نے حسن اور سچائی کی بابت اپنے تصورات کی نمائندگی کرنے کے لئے بہت ہی لگن اور خلوص سے تعبیر کیا تھا۔ کبھی کبھی شاعر کو خیالات کی دنیا سے نکل کر اپنے عوام کے حقوق کے دفاع کرنے والے کی حیثیت سے عمل کی دنیا میں آنا پڑتا۔ جب سیاستداں سر کھڑے اٹھاتے اس وقت عوام کا یہ شاعر غیر ملکی حکمرانوں کے ظلم و ستم کی جابر طاقت کے خلاف گرجتا اور اس کی مذمت کرتا۔ جیسا کہ انہوں نے ۱۹۱۹ء میں جلیانوالہ باغ میں نہتے لوگوں کے قتل کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اپنا "سر" کا خطاب واپس کرتے ہوئے کیا تھا۔

اس قوم کی زندگی میں اس صدی کی تیسری دہائی کا عرصہ کافی اہمیت کا حامل تھا۔ اس دہائی میں ٹیگور نے بہت ساری یادگاری نظمیں لکھیں۔ ان میں سے چند مشہور نظمیں "پوربی" (۱۹۲۵ء) اور مہوا (۱۹۲۹ء) ہیں۔ "پوربی" کی بہت سی نظمیں اس وقت لکھی گئیں۔ جب ٹیگور بیونس ایرس میں اپنی ایک مداح میڈیم وکٹوریہ اکامپو کے یہاں مہمان تھے۔ "پوربی" میں شاعر کے ذہن کے ایک نئے احساس کا اظہار ہے۔ وہ اب یہ محسوس کر رہے تھے کہ حسن و محبت کی اس دنیا میں وہ زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہ سکیں گے۔ ان نظموں میں انہوں نے اپنے اردگرد کی تمام چیزوں کے لئے اپنی محبت کے شدید جذبات کا اظہار کیا ہے پھول، چڑیاں، پہاڑ، ندیاں آسمان اور سمندر۔ یہ تمام انہیں عزیز تھے اور انکی زندگی کو باثمر بنانے میں انہوں نے جو حصہ لیا اسے شاعر اعظم ناقابل فراموش الفاظ میں تسلیم کرتے ہیں۔ "پوربی" مجموعہ کلام ہے اور اس کتاب کی تمہید میں اس بات کی صاف صاف لفظوں میں وضاحت کی کہ زندگی جینے کے قابل ہے۔

اس کے چار سال کے بعد شاعر محبت اور رنگینی کے موسم بہار کو اپنی نظموں "مہوا" میں خوش آمدید کہتا ہے۔ "مہوا" بھی مجموعہ کلام ہے اور اس مجموعہ میں جتنی رومانی نظمیں ہیں بنگلہ ادب میں ان کی مثال نہیں ملتی۔ ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ جب شاعر نے یہ نظمیں لکھیں تو اس وقت ان کی عمر ۶۸ سال کی تھی۔ اس کے فوراً بعد ہی انہوں نے ایک شاندار ناول "سیشیر کویتا" (آخری نظم) لکھا۔ ٹیگور نے مرد اور عورت کے درمیان مادی سے زیادہ روحانی کشش پر زور دیا ہے اور ان نظموں میں اس تصور کی وضاحت کی گئی ہے۔ ان نظموں میں شاعر نے بہار کے موسم کی آمد کا اعلان کرنے والے پھولوں کی خوبصورتی کو بہت ہی رومانی اور رنگین الفاظ میں بیان کیا ہے۔

اس دوران ۱۹۳۰ء میں انہوں نے سوویت روس کا دورہ کیا۔ اس دورہ کا ان پر بہت ہی گہرا اثر پڑا۔ یہاں انہوں نے اپنی آنکھوں سے لینن کی قائم کردہ پہلی سوشلسٹ ریاست کی کارگزاری کو دیکھا۔ جو کچھ انہوں نے دیکھا اس سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ انہوں نے کو ہندوستان جیسے ملک کے سب سے پسماندہ اور درماندہ لوگوں کے معیار زندگی میں بہتری لانے کے لئے اپنے خواب کو شرمندۂ تعبیر ہوتے دیکھا۔ انہوں نے زندگی بھر غریب اور مصیبت زدوں کی مشکلات کو دور کرنے کے لئے اپنے طور پر کوشش کی۔ یہ بات ریکارڈ میں درج ہے کہ انہوں نے مشرقی بنگال (فی الحال بنگلہ دیش) میں واقع اپنی زمینداری میں ایک دیہی کوآپریٹو بینک میں نوبل انعام کے تحت جو رقم ملی تھی اسے بطور سرمایہ لگا دیا تاکہ وہاں کے کسانوں اور دیہی باشندوں کو آسان شرائط پر قرض ملے۔ کسان، مزدور، ملاح اور ماہی گیر نہ صرف ان کی فنکارانہ تخلیقات کے کردار تھے بلکہ شاعر کے خیال میں یہی لوگ ایک ایسی تہذیب میں، جہاں کسی قسم کا استحصال نہیں ہوگا، عزت کا مقام حاصل کریں گے۔ انہوں نے اس امید کے ساتھ سوویت روس کے تجربہ کو سراہا کیونکہ ان کا خواب لینن کے پرچم تلے شرمندۂ تعبیر ہو رہا ہے۔

اپنی زندگی کی آخری دہائی میں شاعر نے اپنی تخلیقات میں خاص طور پر عام لوگوں کی زندگی کے سکھ دکھ اور ان کی امیدوں اور امنگوں کو پیش کیا۔ ناقدوں کا کہنا ہے۔ کہ یہی دور شاعر کی زندگی کا سب سے اہم اور مالا مال دور تھا۔ ۱۹۳۲ء شاعر نے شدید غم و غصہ کے ساتھ ہجلی جیل، مدراس کے اندر زیر حراست قیدیوں پر فائرنگ کی جس میں دو سیاسی قیدی سنتوش مترا اور تارکیشور سین گپتا ہلاک ہوگئے۔ انہوں نے اس ظلم کے خلاف پر زور احتجاج کیا۔ اور اس سلسلے میں اپنی مشہور نظم "پراشنو" (سوال) لکھی۔ جس میں ان قوتوں کے خلاف جو اپنی ننگی طاقت کے ذریعہ سارے ملک پر قبضہ جمائے بیٹھے ہیں۔ اپنے شدید غم و غصہ کا اظہار کیا۔

رابندر ناتھ کی زندگی کی آخری دہائی میں ان کی شاعری نے ایک نیا اور اہم موڑ لیا۔ اس عرصہ میں ان کی نظموں کے بہت سارے مجموعے شائع ہوئے۔ ان نظموں نے قارئین کا دل موہ لیا اور وہ سب اس بات سے بھی حیران ہوئے کہ اتنی ضعیفی میں شاعر میں اتنی توانائی کہاں سے آئی۔ اس عرصہ میں مغرب میں ٹی۔ ایس۔ ایلیٹ جیسے شاعر شاعری میں نئے خیالات اور تکنیک کا استعمال کرنا شروع کیا تھا۔ ٹیگور نے بھی مغربی شاعروں کی طرح نوجوانوں کے سامنے جدید نظریہ کے شاعر اور آرٹسٹ کی حیثیت سے خود کو پیش کیا۔ ان کے لئے زندگی تو ایک لا انتہا مہم تھی۔ اپنی تابناک زندگی کے آخری دنوں میں رابندر ناتھ نے اور بھی زیادہ سادگی اور اختصار کو اپنایا۔ اس عرصہ میں ان کے ایک اور مجموعہ کلام "ایکوتان" اور اپنی ایک کتاب "جنم دی نے" (میرے جنم دن پر) رابندر ناتھ نے اس بات کا اعتراف کیا کہ اس وسیع دنیا اور اس میں رہنے والے مختلف لوگوں کی بابت ان کی معلومات ناکافی ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ اس بات کا پورے اعتماد کے ساتھ اعلان کرتے ہیں کہ وہ لازمی طور پر اس دنیا کے جس کی غنائیت اور موسیقی، ان کی شاعری کی نغمگی کے عین مطابق نہیں، شاعر ہیں۔ اس کے باوجود وہ اس امر سے واقف تھے کہ ان کی مختلف النوع نوعیت کی شاعری انسانی

زندگی کے ہر کونے تک پہونچ نہ سکی۔ اسی لئے رابندر ناتھ اس شاعر کا انتظار کرتے ہیں جو دھرتی سے زیادہ قریب ہے۔ اور کسانوں کی زندگی کا شریک دار ہے۔ انھیں اس بات کی امید تھی کہ جو کچھ وہ اپنے قارئین کو نہ دے سکے، مستقبل میں عوام کا شاعر قارئین کو ایک نہ ایک دن پیش کرے گا۔

اس عرصہ میں ان کی بہت ساری نظموں میں مشاہدہ باطن کی جھلک ملتی ہے۔ شاعر اپنی تخلیقات کا خود تجزیہ کر سکتے تھے۔ اس سلسلہ میں ان کے بہت ساری نظمیں اور مضامین ہیں جس میں 'پنسچا' سر فہرست ہے جس کی اشاعت سنہ ۱۹۳۲ء میں ہوئی تھی۔ پنسچا نثری۔ نظموں (آزاد نظموں) کا مجموعہ ہے اور اس میں سیدھے سادے روزمرہ کے استعمال کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، یہ آزاد نظمیں شاعر کے خیالات کی عکاسی کرتی ہیں۔ یہ تکنیک ٹیگور کی جدت ہے۔ سنہ ۱۹۳۰ء کے نوجوان نسل ان نظموں میں شاعر کی توانائی اور تازگی دیکھکر حیرت میں پڑ گئے۔ شاعر کی عمر اس وقت ستر برس کی تھی، لیکن وہی پہلے شخص تھے جنھوں نے بنگلہ شاعری میں اس نئی تکنیک کو رائج کیا۔ انھوں نے اپنی نظم 'سیش سپتک' (آخری نغمہ)، 'پورنز پُت' (پتے)، 'شیاملی' (کالی رنگت والی)، جن کی اشاعت سنہ ۱۹۳۵ء میں ہوئی، میں اس نئی تکنیک کو بہت ہی خوبصورتی اور موثر طریقہ سے اپنایا۔

شاعر اعظم عام لوگوں کی زبان میں لکھنا چاہتے تھے، تاکہ جو کچھ وہ لکھیں، وہ سبھوں کی سمجھ میں آجائیں۔ انھوں نے زندگی کی تمام چیزوں کی بابت بھی لکھا ہے۔ انھوں نے ان لوگوں کی جنھیں انھوں نے دور سے دیکھا لیکن جنہیں اچھی طرح واقف ہونے کا موقعہ نہیں ملا، زندگی کی تصویر کھینچی۔ انھیں اس بات کا احساس تھا کہ انھوں نے اب تک انسانی سماج کے صرف ایک چھوٹے سے طبقہ کے لیے لکھا ہے۔ اب وقت آگیا ہے کہ عوام کی اکثریت کی بابت لکھا جائے، ان تمام لوگوں کی، جنکی محنت و مشقت پر انسانی تہذیب کا محل تعمیر ہوا ہے، مشکلات اور مصائب کی منظر کشی کی جائے۔ محترم شاعر نے محض فنی عظمت ہی نہیں حاصل کی بلکہ ایک طویل جستجو کے بعد سماجی انصاف کے لیے اپنی ارادوں اور مساعی جمیلہ کی ایک حد تک تکمیل کی راہ ہموار ہوتے دیکھی جس سے ان کے ذہنی افق کو وسیع اور ان کی تخلیقات کو ایک نئی وسعت عطا کی۔

پورنوبیت میں شاعر اعظم شاید فنی عظمت کے بام عروج تک پہونچ گئے۔ ان نظموں میں سے ایک نظم میں شاعر ان بدنصیب اور نادار لوگوں کی بابت کہتا ہے جنھیں بھگوان کے مندر میں داخل ہونے کے حق سے محروم رکھا جاتا ہے کیونکہ وہ نیچی ذات کے ہیں اور پرارتھنا کے رسوم کی ادائیگی میں انھیں منتر پڑھنے کی اجازت نہیں ہے۔ شاعر یہ اعلان کرتا ہے کہ وہ بھی ان ہی لوگوں سے ایک ہے، اور انکا نذرانہ بھی اب تک بھگوان کے قید خانہ میں پہونچ نہ سکا۔

اپنی زندگی کے آخری ایام میں شاعر نے لطیف جذبات سے پُر اور مشاہدہ باطن کی نظمیں لکھیں۔ جیسے انھیں اس بات کا احساس ہو گیا کہ ان کے لئے اس حسین دنیا کو الوداع کہنے کا دن قریب آرہا ہے، تو وہ بنی نوع انسان کی فلاح و بہبود کے کام میں اور بھی زیادہ مشغول ہو گئے لیکن پھر بھی وہ اپنے اس اعتقاد سے متزلزل نہیں ہوئے کہ آخری فتح انسان کی ہوگی۔ موت کی چوکھٹ پر کھڑے زندگی کے اس عاشق نے ان تمام چیزوں کے لئے، جو انھیں زندگی سے حاصل ہوئی پیار اور محبت کے سوا اور کچھ نہ دیا۔ ان کے آخری ایام کے کلام کے بہت سارے مجموعے میں جیسے 'روگ سجانیہ' (بیماری کے بستر سے، ۱۹۴۰) 'نو جاتک' (نو زائیدہ، ۱۹۴۰)، 'جنم دنے' (میرے جنم دن پر، ۱۹۴۱) 'آروگیہ' (شفایاب ہونے کے بعد آرام، ۱۹۴۱) اور 'شیش لیکھا' (آخری تحریر، ۱۹۴۱) یہی مرکزی خیال ہے۔ اپنی زندگی کے اہم لیکن آخری دنوں میں رابندر ناتھ کو جرمنی کے طاقت کے بھوکے نازیوں کی چھیڑی گئی تباہ کن جنگ کی خبر ملی۔ انھوں نے ہمیشہ امن اور عالمی بھائی چارگی اور محبت کا پرچار کیا۔ بہت ساری قدریں، جنھیں شاعر کو جان سے بھی زیادہ عزیز تھیں، ان کے سامنے پامال کر دی گئیں۔ اس بات کا انھوں نے اس عرصہ کی چند نظموں میں انتہائی درد و کرب کے ساتھ ذکر کیا۔

اپنی ۸۰ ویں سالگرہ کے موقعہ پر رابندر ناتھ کی درد سے تڑپتی ہوئی روح مغرب کی نام نہاد مہذب قوموں کی خود غرض اور ہوس کی چھیڑی گئی جنگ کی انسانیت سوز بربریت کی پرزور مذمت کی۔ انھوں نے اسے تہذیب میں بحران کہا۔ انھوں نے اس سلسلہ میں بصیرت افروز مقالہ لکھا جس میں انھوں نے کہا "جب میں اپنے چاروں طرف نظر دوڑاتا ہوں تو مجھے بیکار چیزوں کے تودوں کی طرح ایک قابل افتخار تہذیب کے ٹوٹے پھوٹے کھنڈرات ادھر ادھر منتشر نظر آتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود مجھ سے یہ گناہ عظیم سرزد نہ ہوگا کہ میں انسان پر اپنے اعتماد کو کھو دوں۔ میں تو تاریخ کے ایک نئے باب کا کھلنا دیکھوں گا۔ جب یہ فضا خدمت و ایثار کے جذبہ سے

باقی صفحہ ۲۱ پر



قیدی! یہ فولادی زنجیر کس نے بنائی ؟
یہ زنجیر! یہ زنجیر تو میں نے اپنا خون پسینہ بہا کر تیار کی تھی
ارادہ یہ تھا اپنی طاقت و امارت کے زور پر اس دنیا کو غلامی
کی زنجیروں میں مقید کر کے اپنے زیر اقتدار لاؤں
میں آزاد رہوں، دنیا میری محکوم رہے۔
اس مقصد کے حصول کے لئے میں نے شب و روز سخت محنت کی
کتنی ہی بھٹیوں میں اسے تپایا
اور کتنی شدید ضربات اور کس مشقت سے اسے بنایا، کچھ
اندازہ ہے ؟
جب یہ سنگین زنجیر تیار ہو گئی تو دیکھتا ہوں کہ یہ
میرے ہی پاؤں کو اپنی گرفت میں لئے ہوئے ہے۔

ربندرا ناتھ ٹیگور ———



رابندرا سنگیت

از:- شریمتی شیلپا چکرورتی

• اگر میری تمام تخلیقات ضائع ہو جائیں تب بھی میرے گیت ہمیشہ قائم رہیں گے۔ جیسا کہ ایک دن میرے گیت گائے ہی جائیں گے۔ میرے گیت شہروں، دیہاتوں، گلیوں اور کوچوں میں زبان زد ہو جائیں گے۔" یہ تھے رابندرا ناتھ ٹیگور کے الفاظ۔ انھیں اپنے گیتوں پر کتنا اعتماد تھا، اس کا ثبوت آج ہمیں مل چکا ہے۔

رابندرا ناتھ کو بچپن سے ہی گیت لکھنے اور گانے کا شوق تھا۔ ان کے بڑے بھائی جیوتندرا ناتھ ٹیگور مشرقی اور مغربی دونوں موسیقی کے ماہر تھے اور ان ہی کی وجہ سے رابندرا ناتھ کو بچپن ہی سے موسیقی سے لگاؤ پیدا ہوا۔ اسکے ساتھ جوڑا سانکو میں واقع ان کے مکان کا ماحول بھی اس سلسلے میں مددگار ثابت ہوا۔ ان کے والد مہارشی دیبندرا ناتھ ٹیگور سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے اور موسیقی کے بڑے دلدادہ تھے۔ ان کے مکان میں ہر روز شام کو برہمو سنگیت اور کلاسیکی سنگیت کی محفل منعقد ہوتی۔ اس زمانے کے بڑے بڑے استاد ایسی محفلوں کی رونق بڑھاتے اور کلاسیکی گیت گاتے۔ رابندرا ناتھ اپنے والد کے ساتھ ایسی محفلوں میں موجود رہتے۔ ایک دن ایسا ہوا کہ مہارشی برہمو سنگیت سننا چاہتے تھے لیکن اس وقت گانے والا وہاں موجود نہ تھا۔ رابندرا ناتھ وہاں موجود تھے۔ ان کی عمر اس وقت دس سال تھی۔ انھوں نے اپنے والد کی خواہش پوری کی اور انھیں بہت ہی سریلی آواز میں برہمو سنگیت گاکر سنایا۔ اس گانے سے مہارشی اتنے خوش ہوئے کہ انھوں نے رابندرا ناتھ کو گلے سے لگالیا اور کہا "اگر اس ملک کا کوئی بادشاہ ہوتا تو ہمیں اس کے لئے ضرور انعام دیتا۔ چونکہ اس ملک کا کوئی بادشاہ نہیں ہے، اس لئے یہ فرض میں خود انجام دوں گا" اور اس کے بعد انھوں نے رابندرا ناتھ کو پانچ سو روپے کا چیک عطا کر دیا۔

شروع شروع میں رابندرا ناتھ کے گیتوں کی دھنیں ان کے بڑے بھائی جیوتندرا ناتھ تیار کیا کرتے تھے۔ پھر جب رابندرا ناتھ لندن گئے تو وہاں انھوں نے مغربی موسیقی اور دھنوں پر [illegible] کیا۔ ہندوستان واپس آنے کے بعد انھوں نے مغربی دھنوں کو ترتیب دینے کے تجربے کئے۔ اس وقت مشہور موسیقار [illegible] کے [illegible] ہیں۔ [illegible] گیتوں کے [illegible] دھنوں کا [illegible] ساتھ ترتیب دیا گیا۔ انکے کامیاب تجربے نے شاعر اعظم کی ہمت افزائی کی اور انھوں نے اپنے گیتوں کیلئے مغربی دھنیں تیار کیں۔ یہ تجربہ بذات خود تو اہم نہ تھا مگر اس سے ایک نئی دھن کا آغاز ہوا جس نے بعد میں رابندرا سنگیت کی شکل میں مقبولیت حاصل کی۔ رابندرا سنگیت کی بنیاد ہندوستان کی کلاسیکی سنگیت ہے۔ صرف سُر تال میں تبدیلی کی گئی ہے۔ رابندرا سنگیت میں بہت سارے گیتوں کی دھنیں کیرتن، جاری گیت (سودیشی گیت) شیاما گیت، لوک گیت جیسے آؤل، باؤل، بھاٹیالی وغیرہ کی دھنوں پر مشتمل ہیں۔ ساتھ ہی شاعر کے بہت سے نغمے کلاسیکی راگ دھرپد اور دھمال پر بھی گائے جاتے ہیں۔ چند گیتوں کی دھنیں بدیشی دھنوں پر ہیں۔ رابندرا ناتھ کے گیتوں کی چند مثالیں درج ذیل ہیں:-

'سندھا سائر تیر اپشے بچے نرونارِی' یہ گیت دھمال راگ اور 'آمارے گورو جیون دان' یہ گیت دھرپد راگ پر مشتمل ہے۔ اسی طرح 'جودی تور ڈاک شونے کیو نا آشے' 'تو بے ایکلا چولو رے' لوک سنگیت ہے۔ نیز 'اگرام چھاڑا اور نی سانگا ماٹی تو آمار مون بھلائے رے' اور 'آمار سونار بانگلہ آمی تومائے بھالو باشی' باؤل گیت ہیں۔ نیز 'آمی چینی گو چینی تو مارے او گو بدیشنی' اور 'تو مارہو لو شورع آمار ہو لو شارا' گیت کے لئے انھوں نے بدیشی سُر اور دھن ترتیب دی تھی۔

شروعات میں ٹیگور نے دھرپد راگ کو ترجیح دی۔ اس راگ پر تیار کئے گئے ان کے بیشتر گیت پرارتھنا گیت ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے کیرتن کو ترجیح دی۔ کیرتن گیت بنگال میں بہت مقبول ہے۔ کیرتن وشنو شاعروں کا گیت کہلاتا ہے۔ رابندرا ناتھ نے وشنو شاعر ودیا پتی اور چنڈی داس سے متاثر ہو کر بہت سے گیت کیرتن کے طرز پر لکھے۔ ان گیتوں میں ٹیگور نے نہ صرف ان کی دھنوں کو برقرار رکھا بلکہ ایسے الفاظ بھی استعمال کئے جو بنگلہ کے بجائے میتھیلی سے زیادہ قریب ہیں۔ رابندرا ناتھ باؤل گیت کے شیدائی تھے۔ بنگال کے گاؤں گاؤں میں فقیر اور سادھو باؤل گیت آج بھی گاتے پھرتے ہیں۔ اس گیت کے ساتھ ایک تارا بجایا جاتا ہے۔ باؤل لوک گیت ہے۔ اس کے بول بڑے

سیدھے سادے ہوتے ہیں لیکن ان میں زندگی کا فلسفہ پوشیدہ ہوتا ہے۔ ٹیگور کو اپنی زمینداری کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں باؤل فقیروں کا گیت سننے کا موقعہ ملا تھا۔ ان گیتوں اور ان کی دھنوں سے ٹیگور کو بے حد متاثر کیا اور انھوں نے بہت سارے باؤل گیت پدما ندی کے کنارہ اپنے ہاؤس بوٹ میں بیٹھ کر لکھے۔

اس طرح سودیشی تحریک کے عرصہ میں ٹیگور نے باؤل دھن پر بہت حب الوطنی کے گیت لکھے، جو کافی مقبول ہوئے۔ ٹیگور کی بھتیجی اندرا دیوی چودھرانی کے مطابق ہندستانی کے لوک سنگیت کے احیا میں ٹیگور کے اس شوق کا بڑا حصہ رہا ہے اور یہ شوق شاعر میں ان کی زندگی کے آخری ایام تک رہا۔ رابندرا سنگیت کا جہاں تذکرہ ہوتا وہاں عظیم موسیقار دنیندرا ناتھ کا نام ضرور آتا ہے۔ دنیندرا ناتھ رابندرا ناتھ کے بھتیجے تھے۔ شاعر انھیں اپنے گیتوں کا نگراں اور محافظ کہا کرتے، اور یہ بات صحیح بھی۔ دنیندرا ناتھ شاعر کے ساتھ شانتی نکیتن رہتے۔ جب بھی رابندرا ناتھ گیت لکھتے تو انھیں خبر ہو جاتی۔ وہ دوڑتے ہوئے رابندرا ناتھ کے پاس آتے جو انھیں اپنا نیا گیت گا کر سناتے۔ دنیندرا ناتھ اس گیت کی دھن اور سُر کو یاد کر لیتے اور فوراً انھیں ہارمونیم میں ترتیب دیتے۔ اس طرح انھیں وہ محفوظ رکھتے، کیونکہ بعد میں شاعر کو خود اپنی دھن اور سُر کی بابت کچھ یاد نہیں رہتا۔

رابندرا سنگیت آج بنگال اور ملک کے باہر کے علاقوں میں مقبول بن چکا ہے۔ جن لوگوں نے رابندرا سنگیت پرچار کرنے کے سلسلہ میں گرانقدر خدمات انجام دیں ان میں شریمتی اندرا دیوی چودھرانی، شانتی دیو گھوش، شیلوجہ رنجن مجمدار، اناری کمار گھوش دستی دار کے نام سرفہرست ہیں۔ فلموں اور ریکارڈوں کے ذریعہ رابندرا سنگیت کے پرچار کرنے والوں میں کنوک داس، پنکج ملک، کے ایل سہگل، ہمنت کمار مکھرجی، سچترا امترا، شریمتی کونیکا بندھو پادھیہ وغیرہ ہیں۔ رابندرا سنگیت درباری سنگیت نہیں ہے بلکہ یہ عوامی سنگیت ہے اور اس کی مقبولیت کی یہی وجہ ہے۔ رابندرا ناتھ نے عوام کے اور خاص طور پر بنگالیوں کے خیالات اور شعور کے عین مطابق گیت لکھے۔ انھوں نے ہر موقعہ و محل ہر موسم اور ہر تقریب کو پیش نظر رکھتے ہوئے گیت لکھے موسم بہار ہو موسم خزاں، شادی کی تقریب ہو یا جلسہ تعزیت ہو، پیار تھا سنگیت ہو یا بھی ہنسو، ہر موقعہ کے لحاظ سے ہر موضوع پر انھوں نے گیت لکھے۔ نیز انھوں نے ان تمام گیتوں کی دھن ان کے موضوع کے اعتبار سے تیار کی۔ حب الوطنی کے گیتوں کی دھنیں جوش و خروش سے بھری ہوئی ہیں تو پیار تھا کے گیتوں کی دھنیں بڑی دھیمی اور عجز و انکسار کی مظہر ہیں ——— رابندرا ناتھ ٹیگور نے تقریباً ۲ ہزار گیت لکھے۔ انکے نزدیک موسیقی زندگی کی خوشیوں کا سرچشمہ ہے۔ موسیقی کے بغیر زندگی بے معنی ہے۔ آج رابندرا سنگیت ہندستانی تہذیب کا جزو لاینفک بن چکا ہے اور سماجی تقریبات، شادی بیاہ، پوجا پاٹ ہر موقعہ پر گایا جاتا ہے۔ ٹیگور کے دو گیت "جن گن من" ہندستان کے اور "آمار سونار بانگلہ" دیش کے قومی گیت بن چکے ہیں۔

روحِ رواں نے کہا تھا کہ موسیقی روح کی آئینہ ہوتی ہے۔ رابندرا سنگیت ہندستان کی روح کی عکاسی کرتے ہیں۔ ٹیگور کی موسیقی رنج و مسرت میں ہمیشہ تمام انسانوں کی رہنمائی کرتی رہے گی۔ ممکن ہے دنیا کبھی ان کی شاعری کو بھول جائے مگر ان کا سنگیت ہمیشہ تابندہ رہیگا۔

بقیہ: صفحہ ۳۴ کا

باطل قرار دیا کہ سوشلزم ایک نظام کی حیثیت سے لوگوں کو انفرادی طور پر دباتی ہے اور اس کی آزادی پر پابندی عائد کر دیتی ہے۔ ہندستان میں شاعرِ اعظم اس سلسلہ میں اکثر سوچا کرتے کہ کس طرح ناخواندہ جاہل اور استحصال کے شکار غریب لوگوں کو تعلیم دی جائے کہ ان میں جمالیاتی ذوق پیدا ہو اور وہ آرٹ کی قدر کر سکیں۔ لیکن اس کا جواب انھیں سوویت روس میں مل گیا — وہاں تعمیراتی پروجیکٹوں پر کام کرنے والوں مزدوروں کو کام کے ساتھ ساتھ تعلیم بھی دی جاتی ہے اور تعلیم کے ذریعہ ان میں جمالیاتی ذوق بھی پیدا کیا جاتا ہے۔ اپنے ایک خط میں وہ لکھتے ہیں کہ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ کس طرح یہی کسانوں نے دس سال سے بھی کم عرصہ میں ہندستانی کسانوں کو پیچھے چھوڑ دیا ہے۔ یہاں کے کسان نہ صرف کتابیں پڑھ سکتے ہیں بلکہ ذہنی طور پر بھی ان میں مکمل تبدیلی آئی ہے، اور وہ سب تعلیم یافتہ انسان بن چکے ہیں۔

سوویت روس کے دورہ کے بعد ہندستان واپس آکر رابندرا ناتھ نے اس تاریخی ناانصافی کو ختم کرنے کے امکانات پر غور کرنا شروع کیا۔ سوویت یونین میں انھوں نے سرمایہ دارانہ دنیا کی مغربی تہذیب اور سوویت روس کی نئی سوشلسٹ تہذیب میں نمایاں فرق دیکھا۔ انھیں اس بات کا یقین ہو گیا کہ استحصالی قوانین کو ختم کر دینا چاہئے اور اس کی جگہ سماجی انصاف پر مبنی ایک اور نظام کیلئے راہ ہموار کرنی چاہئے۔

شاعر اور ادیب ہونے کی حیثیت سے انھوں نے عوام کی مشکلات کی اپنی تخلیقات میں عکاسی کی اور ان کے حل کے طریقہ کار بھی بتلائے۔ ساتھ ہی ایک عملی شخص کی حیثیت سے انھوں نے شانتی نکیتن میں وشو بھارتی، شری نکیتن اور کوآپریٹو بنک قائم کرکے عملی اقدامات بھی کئے۔

اختتام میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹیگور کی نظر میں ہندوستان کی سیاسی اور معاشی پسماندگی کی اہم وجہ سماجی برائیوں، ناانصافی اور نابرابری تھی، اور انھیں دور کرنے کے لئے انھوں نے بتایا کہ بہتر تو کہ سماجی زندگی کی بنیاد یعنی ملک کی دیہی معیشت کا احیاء ہی اس کا واحد علاج ہے۔

ٹیگور اور دیہی معیشت

از: محمد اعظم

[illegible] سال رابندرا ناتھ ٹیگور کی زندگی میں ایک اہم موڑ ثابت ہوا۔ اس وقت ان کی عمر ۳۰ برس کی تھی اور انھیں ان کے والد مہارشی دیبندرا ناتھ نے خاندانی زمینداری کی دیکھ بھال کرنے کے مقصد سے دیہی بنگال میں بھیجا۔ ان کی زمینداری مشرقی بنگال (اب بنگلہ دیش) کے اضلاع ندیا، پبنہ اور راج شاہی میں واقع تھی۔ شاعر اعظم کو فطرت سے محبت تھی اور دیہی بنگال کے فطرتی مناظر نے گویا پہلی نظر میں ان کا دل موہ لیا۔ اس کے علاوہ شاعر کو پہلی بار دیہی عوام سے ملنے کا، ان سے بات چیت کرنے کا اور قریب سے ان کی زندگی کا مشاہدہ کرنے کا موقعہ ملا۔ ان تمام باتوں نے ان کے تخیل کو جلا بخشی اور اسی لئے انھوں نے جتنے مختصر افسانے لکھے، ان کے کردار دیہی زندگی سے وابستہ تھے۔ انھوں نے پہلی بار بنگلہ ادب کے صفحات میں نامعلوم اور درماندہ لوگوں کے حالات زندگی کو پیش کیا۔ انھوں نے اپنے مختصر افسانوں، جیسے 'چھٹا پتر'، 'اوپراجیتو'، 'دینا پونا'، 'سنسکار' وغیرہ میں سماجی ناانصافیوں اور برائیوں کو بے نقاب کیا۔ ان کا ہر افسانہ انسان کی غلطیوں، ناکامیوں، امیدوں، تشنۂ تکمیل امنگوں، اور انسانی رقابت اور جوش و خروش کو تفصیل سے پیش کرتا ہے۔

رابندرا ناتھ ٹیگور ایک فعال اور عملی شخص بھی تھے۔ انھیں اپنی آبائی زمینداری کی دیکھ بھال کے سلسلہ میں دیہی لوگوں سے پہلی بار ملنے کا موقعہ ملا۔ اس وقت دیہاتوں کی معاشی حالت روایتی نوعیت کی تھی۔ انھوں نے یہ بات بھی دیکھی ہندوستان کی سیاسی اور معاشی تنظیموں میں تضاد وہاں بھی موجود تھا۔ اس سلسلہ میں گریٹر انڈیا میں سودیشی سماج کی بابت انھوں نے یوں لکھا، "جہاں لوگوں کی فلاح و بہبود کی ذمہ داری ہوتی ہے، وہیں قوم کا دل بھی دھڑکتا رہتا ہے اگر اسی پر ایک ضرب کاری لگائی جائے، تو تمام قوم بہت ہی بری طرح مجروح ہوتی ہے۔ انگلینڈ میں ریاست کو تاراج کرنے کے معنی قوم کو تباہ و برباد کرنا ہوا۔ لیکن ہمارے ملک پر تباہی اسی وقت آسکتی ہے جب ان کے سماجی ادارے یعنی سماج کو تباہ کر دیا جائے۔ اسی لئے ہم نے سلطنت اور بادشاہت کی تبدیلی کی شدید اور پرزور طریقہ سے مزاحمت نہیں کی، لیکن ہم اپنے سماج کی آزادی کو برقرار رکھنے کے لئے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیتے ہیں۔" اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں

سماج کی بابت شاعر کا یہ تصور ریاست اور فرد کے درمیان حائل تھا۔ اس وقت کے خود اختیار دیہی سماج میں ہی لوگوں کو ریاست کے خلاف معاشی اور سماجی تحفظ ملتا۔

انگریزوں کی حکومت کے قیام کے بعد ہندستان میں بہت ساری بنیادی تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ اس وقت تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہندستان نے یک لخت ایک جھٹکے سے اپنی ماضی سے سارے رشتہ ناطہ توڑ لئے۔ اس حکومت نے ہندستانی دیہی معیشت کی متوازن نوعیت پر ایک ضرب کاری لگائی۔ ملک کے نظام اراضی میں دور رس تبدیلیاں لائی گئیں۔ زمین جوتنے والوں کی آزادی سلب کر لی گئی۔ اب زمین کے وہ مالک نہ رہے۔ اس نئے نظام میں جہاں ریاست، زمینداروں اور مہاجنوں کے خزانہ میں اضافہ ہو گیا وہاں کسانوں کی بدحالی تیزی سے بڑھتی گئی اور لاکھوں کروڑوں کی تعداد میں کسان بے زمین مزدور بن گئے۔ اس کے ساتھ ہی صنعتی ترقی نہ ہونے سے زراعت پر زیادہ زور دیا جانے لگا، نیز غیر ملکی مقابلہ نے دیہی دستکاریوں کا گلہ گھونٹ دیا۔ اس کی وجہ سے دیہی علاقوں میں فلاکت، غربت اور پسماندگی بڑھ گئی۔ آج کے دیہی ہندستان کی موجودہ پسماندگی انہی تمام باتوں کی دین ہے۔

رابندرناتھ بذات خود ایک زمیندار تھے، لیکن ان کے پاس غریبوں کے لئے درد بھرا دل بھی تھا۔ وہ اپنے ہم وطنوں کی تکالیف اور مجبوریوں سے واقف تھے۔ انھیں عوام کی ضرورتوں اور امنگوں کا شدید احساس تھا، انھیں عوام کی بدحالی کی وجہ تو معلوم تھی، لیکن وہ تاریخ کو پیچھے کی طرف موڑ نہیں سکتے، اس کے ساتھ ہی اپنی ہار تسلیم کرنا اور خاموش بیٹھے رہنا انھیں پسند نہ تھا۔ اسی لئے انھوں نے شروع ہی سے اس بات کی کوشش کی کہ دیہی علاقوں کے معاشی مسائل کو ہندستانی عوام کی سیاسی جد و جہد سے منسلک کر دیا جائے۔ شاعر زرعی مسئلہ کے حل کو سب سے زیادہ اہمیت دیتے تھے۔ لیکن ان کی ایسی اصلاحی سرگرمیوں کو ان کے وقت کے دیگر زمیندار ناپسند کرتے تھے۔ اسی لئے شاعر نے ۱۹۰۸ء میں بنگال پروونشل کانفرنس کے صدر ہونے کی حیثیت سے عوام کا مرید توں کی طرف زمینداروں کی توجہ مبذول کرانے کے لئے پرزور تقریر کی۔ انھوں نے اپنی تقریر میں کہا "اس سلسلہ میں میں زمینداروں سے اپیل کروں گا۔ جب تک وہ دیہاتوں میں نئی جان ڈالنے کے کام کو پرخلوص طریقہ سے انجام نہیں دیں گے اس وقت تک یہ کام (دیہی ترقی) پایۂ تکمیل تک نہ پہونچ سکے گا۔ انھیں اس بات سے خوفزدہ ہونے کی ضرورت نہیں کہ اگر رعیتوں کو طاقت اور اقتدار سونپ دیا جائے تو وہ ان کے ذاتی مفاد کے لئے خطرہ ثابت ہوں گے۔ رعیتوں کو طاقتور ہونے دیا جائے یہاں تک کہ انھیں دبانے کی خواہش بھی ختم ہو جائے۔ کیا زمیندار ایک دکاندار ہوتا ہے کہ اسے اپنی چھوٹی چھوٹی چیزوں کو حساب رکھنا چاہیئے؟ اگر وہ پرخلوص طریقہ سے دینے کے اصول کو نہیں اپنائیں گے تو بہت ہی جلد وہ اپنے اقتدار سے ہاتھ دھو بیٹھیں گے۔ (اگر یتر انڈیا میں ایک نیشنلسٹ پارٹی)

زمینداروں سے اپیل کرنے کے باوجود انھوں نے خود اپنے طور پر دیہی غریبوں کی معاشی بدحالی کو دور کرنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں ان کا ایک مشہور لوک گیت یاد آتا ہے، جس کے پہلے مصرعہ کا ترجمہ یوں ہے: "اگر تمہاری پکار پر کوئی لبیک نہ کہے تو تم اکیلے ہی آگے بڑھو" اور یہیں سے امداد باہمی میں ان کی دلچسپی کا آغاز ہوتا ہے۔ انھیں اس بات پر پورا یقین تھا کہ دیہی علاقوں کی غربت، بیماری اور پسماندگی کو صرف امداد باہمی کی کوششوں سے دور کیا جا سکتا ہے۔ اسی دور میں انھوں نے ایک مضمون لکھا جس میں وہ یوں رقمطراز ہیں: اب وقت آگیا ہے کہ کوآپریٹو (امداد باہمی) طریقہ کار کو اپنایا جائے اور اپنی محنت کے ثمر کو اس ڈھلوان سطح سے، جو غیر ملکیوں کی گوداموں میں جاتی ہے، پھسلنے سے روکا جائے۔ محنت کی بچت کے تمام جدید آلات کا آزادانہ استعمال کیا جائے، اور ایسا امداد باہمی کے بغیر کیا نہیں جا سکتا۔"

یہ اس وقت کے لئے، جبکہ ہندستان کے قومی لیڈروں کی معاشی اور سیاسی سرگرمیاں زیادہ تر صرف زبانی تحریکوں پر مشتمل تھی ایک نئی اور تعمیری تھیوری تھی۔ ۱۹۰۶ء میں شاعر اعظم نے اپنے ایک مضمون "اس طرح اس کام کو کرنا چاہئے" میں یوں لکھا: "جہاں پلنے کا انحصار پانے والے کی محنت پر نہیں بلکہ دینے والے کی سخاوت پر ہوتا ہے تو ایسے پانے پر دوہری لعنت، کیونکہ یہ اسے برباد کرتا

ہے جو لیتا ہے اور اسے بھی جو دیتا ہے" اور اسی اصول پر شاعر کی بھرت قائم رہے۔

رابندرا ناتھ کی یہ خواہش تھی کہ دیہاتوں میں کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم ہوں جہاں سے کسانوں اور دیہی دستکاروں کو آسانی سے قرض فراہم ہو سکے۔ نیز وہ اس بات کے بھی متمنی تھے کہ دیہی علاقوں میں بنک بھی قائم کئے جائیں تاکہ دیہی عوام کو لین دین کی آسانی ہو۔ اس مقصد کی برآوری کے لئے انھوں نے ایک ٹھوس اور مثالی اقدام بھی کیا۔ مشرقی بنگال میں اپنی زمینداری کے ایک گاؤں میں انھوں نے ایک کوآپریٹو بنک قائم کیا اور اس میں اپنے نوبل انعام کا روپیہ بطور سرمایہ لگایا۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود انھوں نے امداد باہمی کے تعلیمی اصول۔ اس کے اخلاقی پہلو پر بہت زیادہ زور دیا ان کی نظر میں جاہل اور ناخواندہ لوگوں کے درمیان کامیابی کے ساتھ

اپنی مدد آپ کرنے اور باہمی اعتماد کی ہمت افزائی کرنا ہی امداد باہمی کی کامیابی کی دلیل ہے۔ اس سلسلہ میں یوں رقمطراز ہیں "ہمیں شرمندگی کے ساتھ اس بات کو تسلیم کرنا ہوگا کہ جن خوبیوں پر امداد باہمی مشتمل ہے وہ اہم خوبیاں ہم لوگوں میں نہیں پائی جاتیں۔ کمزور لوگوں میں باہمی اعتماد کی کمی ہوتی ہے۔ ہم دوسروں کی عزت نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ خود ہم اپنی عزت نہیں کرتے۔

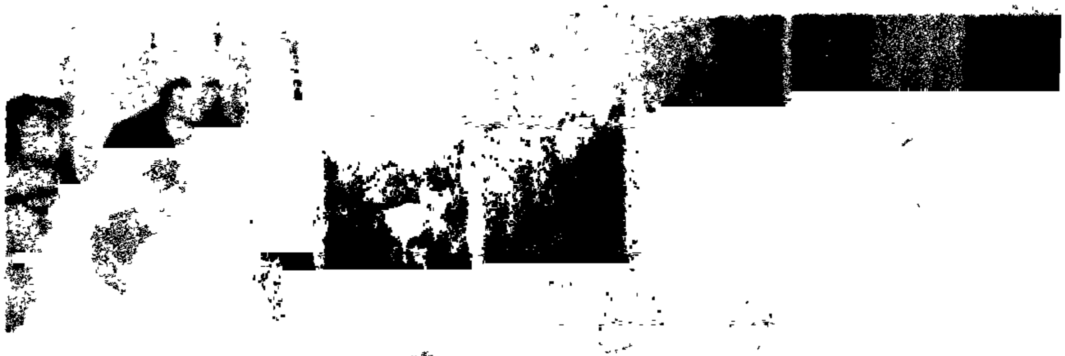
لمبے عرصہ تک کی غلامی کی وجہ سے خودداری کی کمی سے اتنی اخلاقی گراوٹ



ماسکو میں بچوں کے درمیان ٹیگور ایک نوجوان سال شاعر سے ملے جو بعد میں نامور شاعر اے۔ فیلاتوف ہوا۔

پیدا ہوتی ہے۔ وہ لوگ چوں چرا کئے بغیر اپنے آقاؤں کا حکم مان لیتے ہیں، لیکن اپنے ہی طبقہ کے لوگوں کی رہنمائی اور ہدایتوں کو برداشت نہیں کر سکتے......... بہرحال اس کا حل کتنا ہی مشکل کیوں نہ ہو، انسان کی ذہنی اور جسمانی طاقتوں کو یکجا کرنے کے لئے اس کی فطرت کو سدھار کر، دیہاتوں میں تعاون کے جذبہ کو فروغ دینا چاہئے اور اسے مستحکم بنانا چاہئے، اور ایسا کر کے ہی دیہاتوں کو بچایا جا سکتا ہے۔"

جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے کہ رابندرا ناتھ ٹیگور نے امداد



ماسکو میں ۱۵ ستمبر ۱۹۳۰ء کو کسانوں کے سنٹر ہاؤس میں ٹیگور کسانوں کے ساتھ۔

باہمی کے تعلیمی اصول پر زیادہ زور دیا، نیز اس کے ساتھ ہی ملک کی بڑھتی ہوئی معاشی بدحالی نے ان کے اس اعتماد کو پختہ بنا دیا کہ صحیح تعلیم کی مستحکم معاشی بنیاد ہونی چاہئے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ٹیگور کے زاویہ نظر کے مطابق ہندستان کی معاشی بحالی کا انحصار دیہی معیشت کا احیا ہے۔ دیہی نوتعمیر کے کام میں تعلیم کو لانے کے لئے ٹیگور نے ٹھوس اقدامات کئے۔ انھوں نے ۱۹۲۱ء میں شانتی نکیتن میں ہی وشو بھارتی، ایک عالمی یونیورسٹی اور شری نکیتن، دیہی نوتعمیر کا ادارہ قائم کیا۔ انھوں نے اپنے تعلیمی تجربہ میں امداد باہمی کے تصور کی یوں وضاحت کی: "ان اداروں کو اپنے اردگرد کے دیہاتوں کے ساتھ تعاون کرنا ہوگا۔ یہاں کے لوگوں کے ساتھ کاشتکاری کرنی ہوگی، مویشی کی پرورش کرنی ہوگی، تیل کے بیجوں سے تیل نکالنا پڑیگا، کپڑا بننا پڑیگا — الغرض کی ضروریات کی تمام چیزیں تیار کرنی ہوں گی، ساتھ ہی تیار کرنے کے بہترین طریقہ کار وضع کرنے ہوں گے، مصنوعات تیار کرنے میں بہترین خام اشیاء استعمال کرنی ہونگی اور اپنے کام میں سائنس سے مدد لینی ہوگی۔ اسکے وجود کا انحصار امداد باہمی کے اصول پر کی جانے والی صنعتی سرگرمیوں کی کامیابی پر ہونا چاہئے۔ ایسی سرگرمیاں اساتذہ، طلبا اور پڑوس کے دیہی لوگوں کو ضرورت کے ایک فعال رشتہ میں باندھ دیں گی۔ اس کے ذریعہ عملی طور پر صنعتی تربیت بھی دی جائیگی۔ اور ایسی تربیت کے پیچھے نفع کی لالچ، کا جذبہ کارفرما نہ ہوگا۔" (ٹیگور کا خطبہ، وشو بھارتی، اپریل ۱۹۲۲ء)

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ دیہی عوام کے سامنے انھوں نے جن اصولوں اور تصورات کو پیش کیا وہ جذبہ کے لحاظ سے جدید تھے، لیکن سرگرمی کے لحاظ سے امداد باہمی کے اصول پر مبنی تھے۔ وہ دیہاتوں میں نئی روح پھونکنا چاہتے ہیں، ان کو نئی روشنی سے منور کرنا چاہتے ہیں۔ ان کی یہ خواہش یہ تھی کہ دیہی عوام خوشحال ہوں اور باوقار زندگی بسر کریں۔ وہ اسی بات کے متمنی تھے کہ دیہی لوگ شہریوں کے پیچھے پیچھے گردوں اور ان کے رحم و کرم پر انحصار کرنے کی جگہ خود اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں۔ یہ کچھ کم اہم بات نہ تھی۔ اسی بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے انھوں نے سوویت روس کا دورہ کیا۔

رابندر ناتھ ٹیگور ۱۹۱۷ء میں عظیم اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کی کامیابی کے بعد روس میں سماجی ناانصافی کو دور کرنے اور انسانی ہمدردی اور انصاف پر مبنی ایک نئے سماج کی تعمیر میں روسی تجربات کا مشاہدہ کرنا چاہتے تھے۔ اسی لئے وہ سوویت روس کا دورہ کرنا چاہتے تھے۔ لیکن ان کے چند نام نہاد خیرخواہوں نے انھیں اس دورہ سے باز رکھنے کی کوشش کی۔ انھیں اس بات کا ڈر تھا کہ ان کے اس دورہ سے دنیا کے اس پہلے سوشلسٹ ملک کے لئے لوگوں کی ہمدردیاں بڑھ جائینگی کیونکہ وہ اپنے دورہ کے دوران جو کچھ دیکھینگے، اس کی صحیح تصویر اپنی تحریروں میں پیش کریں گے۔ لیکن ٹیگور اپنی بات پر اٹل رہے۔ اس سلسلہ میں انھوں نے کہا تھا "جب میں نے یہ بات سنی کہ بالکل شروع سے روس میں عوامی تعلیم نے بڑی تیزی سے ترقی کی ہے تو میں نے وہاں جانے کا فیصلہ کیا، اور اگر اس دورہ میں میرا ناتوان جسم میرا ساتھ نہ دے، تو اس سے کیا ہوتا ہے۔"

۱۱ستمبر ۱۹۳۰ء کو ۶۹ برس کی عمر میں ٹیگور سوویت روس میں پہونچے۔ ماسکو میں ۱۰ دنوں کے مختصر قیام کے دوران انھوں نے نوعمر سوشلسٹ ملک یعنی روس میں لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے کی جانے والی ترقیاتی سرگرمیوں اور اقدامات کا مشاہدہ کیا۔ ٹیگور نے وہاں کسانوں، مزدوروں، ادیبوں، سائنسدانوں، سیاست دانوں، آرٹسٹوں، اداکاروں، اساتذہ، طلبا اور اسکول جانے والے بچوں سے ملاقات اور بات چیت کی۔ انھوں نے وہاں جو کچھ دیکھا، ان سے وہ بہت متاثر ہوئے۔ ۲۰ ستمبر ۱۹۳۰ء کو انھوں نے اپنے دوست کو یوں خط لکھا، "آخرکار میں روس پہونچ ہی گیا۔ جدھر میں دیکھتا ہوں مجھے صرف حیرت ہی حیرت ہوتی ہے۔ یہ دیگر ملک سے بالکل مختلف ہے۔ یہ بنیادی طور پر ایک مختلف ملک ہے۔ یہاں ہر شخص کو، ادنیٰ سے اعلیٰ تک، بلاامتیاز بیدار کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں۔"

ٹیگور کو اس بات کا پورا یقین تھا کہ کاشتکاری میں جدید طریقۂ کار کو اپنا کر ہی ہندستان کے کسانوں کے مسئلہ کو حل کیا جا سکتا ہے، اس لئے انھوں نے ماسکو میں اجتماعی کاشتکاری، اس سلسلہ میں کسانوں کے درمیان اجتماعی کاشتکاری کرنے کیلئے چلائی گئی مہم کی ترقی اور انفرادی کھیتوں کی جگہ اجتماعی کھیتوں کے فوائد کی بابت پوچھ گچھ کی۔ ماسکو میں ہی کسانوں کے اجتماع کو خطاب کرتے ہوئے انھوں نے کہا: "اگر ہم آپکے تجربات سے کچھ سیکھ سکیں تو اس سے ایک فائدہ یہ ہوگا کہ ہم ہندستان میں کسانوں کے مسئلہ کو بہت ہی موثر طریقہ سے حل کر سکیں گے۔"

شاعر اعظم نے انسانی شخصیت کی نجات کا خواب دیکھا

[illegible] اسی خواب کو انھوں نے سوویت روس میں شرمندۂ تعبیر ہوتے دیکھا۔ سوویت روس کے ادیبوں کے سامنے تقریر کرتے ہوئے انھوں نے کہا "اس بات سے مجھے انتہائی مسرت حاصل ہوئی کہ آپ لوگ پہلی ہستیاں ہیں جنھوں نے عوام کو تعلیم سے روشناس کرایا۔ انھیں اسکولوں، تھیٹروں، میوزیموں میں بھیجا۔ میرا خواب ہی تھا کہ ایک آزاد آدمی پیدا کیا جائے جس میں کام کرنے کی لگن ہو۔ ہماری تہذیب کو بیماری لاحق ہو چکی ہے۔ یہ بے ضابطگی کا شکار بن چکی ہے۔ اسے علاج کی ضرورت ہے۔ مجھے یقین ہے کہ ایک آپ کے خیالات اور میرے خواب میں بہت سی باتیں مشترک ہیں۔ ہم لوگوں کا یہی مقصد ہے کہ ایک شخص کو اس طرح تعلیم و تربیت دی جائے کہ اس میں تخلیقی صلاحیت پیدا ہو، آپ لوگ اس سلسلے میں جو کچھ کر رہے ہیں، وہ میری اکیلی ذات کیلئے ممکن نہیں۔

ماسکو میں اپنے الوداعی جلسہ میں ٹیگور نے روسی عوام کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا تھا، "میں اس وقت کا خواب دیکھ رہا ہوں جب میرے ملک میں تعلیم عام ہو جائے گی اور ہر گھر میں پہنچیگی اور تمام لوگوں کو مساوی مواقع حاصل ہوں گے۔"

رابندرناتھ نے اپنے روسی دورہ کی بابت سوویت روس سے اپنے دوستوں اور رشتہ داروں کو بنگلہ میں خطوط لکھے۔ یہ خطوط سب سے پہلے بنگلہ رسالہ 'پرواشی' میں شائع ہوئے، پھر ۱۹۳۱ء میں انھیں کتابی شکل میں بھی شائع کیا گیا۔ لیکن جب ۱۹۳۴ء ان خطوط کا انگریزی ترجمہ پہلی بار موڈرن ریویو رسالہ میں شائع ہوا تو برٹش حکام نے فوراً اس رسالہ کی کاپیاں ضبط کر لیں اور خطوط کے مزید انگریزی ترجموں کی اشاعت کی ممانعت کر دی، کیونکہ انگریز حکمراں سوویت روس میں زندگی کی بابت حقائق کو ہندوستانی عوام سے پوشیدہ رکھنا چاہتے تھے۔ ان خطوط کی بابت اپنے غصہ کا اظہار کرتے ہوئے برٹش پارلیمنٹ کے ممبر مسٹر بٹلر نے کہا تھا کہ ہندوستان میں برطانوی حکومت کو بدنام کرنے کیلئے ان خطوط میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا گیا لیکن کیا یہ بات حقیقت پر مبنی تھی؟ نہیں۔ یہ بات تو سچائی سے کوسوں دور تھی۔ ان خطوط میں لاکھوں لوگوں کے لئے اس وقت سوویت روس میں جو حالات تھے ان کی بابت صحیح صحیح اطلاعات فراہم کی گئیں۔ ان خطوط نے ہندوستانی عوام کو بیدار کیا، ان میں اس بات کا احساس پیدا کیا کہ انکی نجات ذلالت اور محتاجی میں نہیں بلکہ آزادی اور خوشحالی میں ہے۔

رابندرناتھ نے اپنے خطوں میں سوشلسٹ سوویت روس نے اپنی زندگی کے ۱۳ سال کے مختصر عرصہ میں جتنی ترقی کی اس کا جائزہ لیا۔ یہاں رابندرناتھ سماجی برائیوں کو دور کرنے اور اخوت و مساوات کے اصول کو بروئے کار لانے کے لئے سوویت عوام کے عزم مصمم کو دیکھ کر حیران ہو گئے۔ وہاں کل کے درماندہ اور پسماندہ غریب عوام آج سماج کے اہم ستون بن گئے ہیں، اس عظیم معاشرتی انقلاب اور تبدیلی نے عوام کے دلوں کو لامحدود توانائی اور جوش و خروش سے بھر دیا۔ اپنے دورہ کے دوران انھوں نے عظیم اکتوبر انقلاب، جس نے ساری دنیا میں قومی آزادی کی جد و جہد کو تقویت پہونچائی، کی تاریخی اہمیت کو سمجھنے کی کوشش کی۔ اس سلسلہ میں وہ یوں رقمطراز ہیں، "انقلاب کے لئے اسباب تو چاروں طرف پھیلے ہوئے تھے لیکن یہ اس دنیا کے چند علاقوں میں مرکوز ہو گئے۔ روس میں غریب اور مجبور لوگوں کو امیروں اور صاحب اقتدار لوگوں کے ہاتھوں بہت سخت صعوبتیں جھیلنی پڑیں، اسی لئے روس میں ان دو فریقوں کے درمیان حد سے زیادہ نابرابری نے ایک بنیادی حل تلاش کرنے کی کوشش کی.... انقلابی اپیل تو عالمگیر ہوتی ہے۔ سوشلسٹ سماج کی اخلاقی اور سیاسی وحدت سے بھی شاعر اعظم بہت متاثر ہوئے۔ انھوں نے کہا، "ان ملکوں جہاں لوگ ذاتی مفاد کی خاطر دولت اور اقتدار کو تقسیم کر لیتے ہیں، وہاں دل و دماغ کا اس طرح ایک ہونا ناممکن ہے.... لیکن آج سوشلسٹ سماج میں مشترکہ کام، مشترکہ ذہن اور مشترکہ جائیداد کی صورت میں غیر معمولی وحدت پیدا کی جا رہی ہے۔"

نوزائیدہ انقلاب کے نئے آدمی میں شاعر نے بہت انوکھی خصوصیات بھی دیکھیں۔ اب یہ 'آدمی' اپنی محنت کے ثمر پر انحصار کرتا ہے۔ وقار کے ساتھ ساتھ اس میں ایک عظیم روحانی قوت بھی پیدا ہو گئی اور اس نے اپنے لوگوں کے ساتھ مشترکہ کوشش کے ذریعہ نابرابری کے بوجھ کو اتار پھینکا ہے، خود کو پسماندگی سے اوپر اٹھایا ہے اور اب اس میں صحیح معنوں میں باطنی آزادی اور غیر معمولی ہمت پائی جاتی ہے۔

رابندرناتھ سوویت یونین کی تعلیمی اور ثقافتی میدان میں تیز تر ترقی سے بھی کافی متاثر ہوئے۔ انھوں نے مغربی سرمایہ داری کے اس خیال کو

باقی ص ۲۹ پر

آخری نظم



تم نے اپنے جادۂ حیات کی مسافت طے کی ہے
مکر و فریب کے پھیلے ہوئے جال میں
اے پیکرِ فریب
جھوٹے اعتقادات کا جال بچھایا ہے، تم نے چابکدست ہاتھوں سے
معصوم اور بے ریا زندگی میں
اس مکر و فریب سے تم نے عظمت پر گہرا نقش چھوڑا ہے
اس لئے تم نے رات کو پوشیدہ نہیں رکھا
تمہارے ستارے اور سیّارے اُس کی
جو رہنمائی کرتے ہیں
وہ تو اندرونِ دل کی راہ ہے
وہ زمانۂ قدیم سے واضح اور منوّر ہے
اُسے تو کامل ذوقِ یقین سے
زندگی جاوداں تابندگی عطا کرتی ہے
بظاہر وہ راستہ کتنا ہی پیچیدہ کیوں نہ ہو لیکن دل کے لئے وہ آسان ہے
اسی میں اُس کی روح ہے
لوگ اُسے (زندگی کو) دُکھ دیتے ہیں
حقیقت کو وہ پا لیتی ہے
اپنی روشنی سے منوّر ہر دل کے اندر
اُسے کوئی فریب نہیں دے سکتا
آخری انعام لے جاتی ہے وہ
اپنے خزانے میں
آسانی سے وہ فریب کو برداشت کر لیتی ہے
وہ حاصل کرتی ہے تمہارے ہاتھوں سے
ابدی امن کا وہ حق جسے مٹایا نہیں جا سکتا



(نوٹ: یہ ٹیگور کی آخری نظم ہے۔ انہوں نے کلکتہ میں ۳۰ جولائی ۱۹۴۱ء کو صبح ۹½ بجے یہ نظم لکھی)

(بنگلہ سے آزاد ترجمہ۔ از: حسن جاوید)

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impression 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

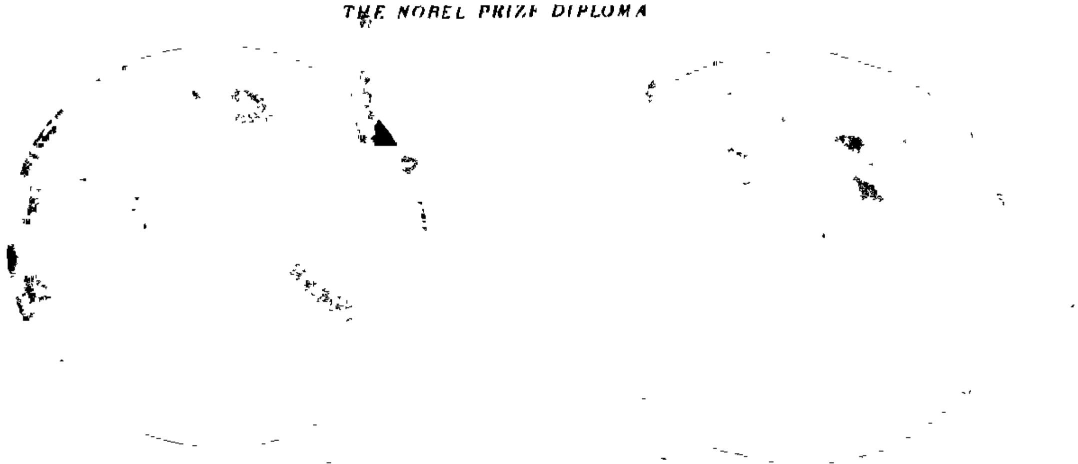
MAGHREBI BENGAL
15th MAY

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 28 No. 10
PRICE- 25 Paise

عالمی ادبی انعام



THE NOBEL PRIZE DIPLOMA



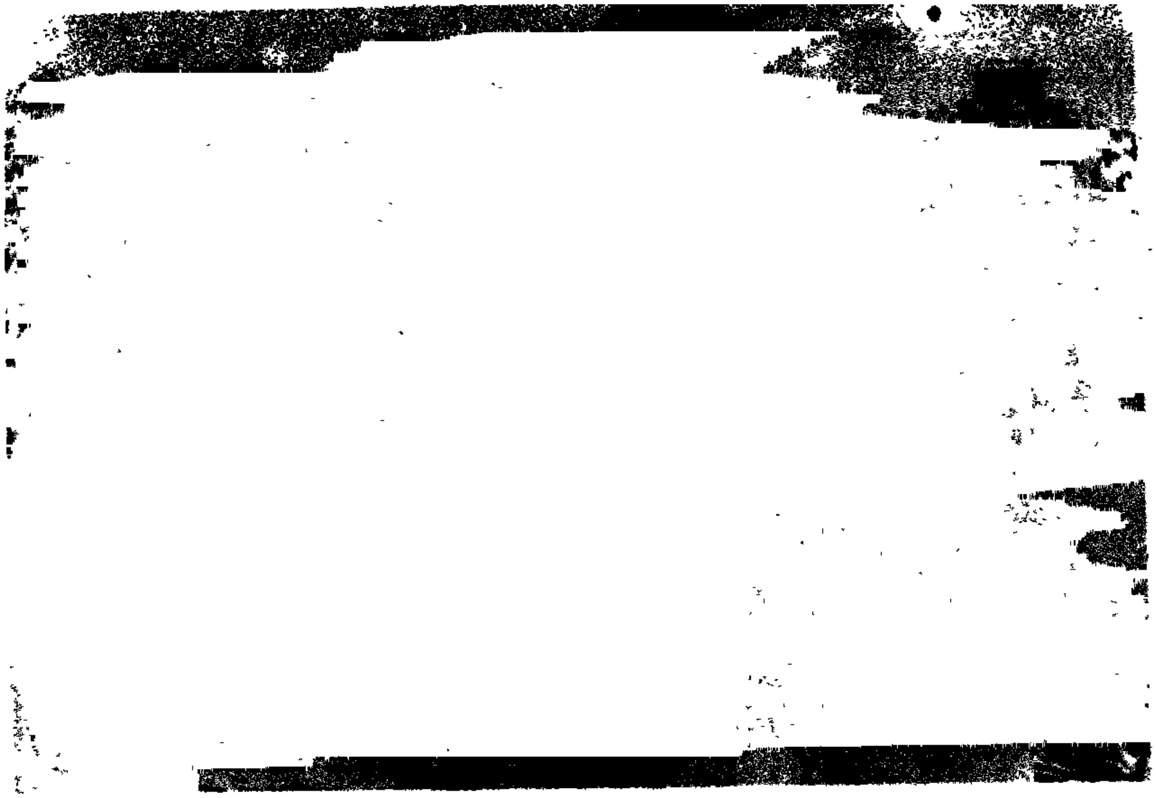
THE NOBEL PRIZE MEDAL

قاضی

نذرالاسلام



مغربی بنگال



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو دنہاٹا میں منعقدہ شمالی بنگال زراعتی میلہ کے موقع پر ایک عظیم اجتماع سے خطاب کر رہے ہیں۔



شمالی بنگال زراعتی میلہ کا صدر دروازہ۔

شرح خریداری
سالانہ — ۳ روپے
قیمت
۱۲ پیسے فی پرچہ

پندرہ روزہ
مغربی بنگال
کلکتہ

مدیر اعلیٰ
ایس۔ کے سین گپتا
مدیر معاون
محمد اعظم

جلد ۲۸ | یکم جون ۱۹۸۱ء مطابق ۲۲ جیٹھ شک سمبت ۱۹۰۳ | شمارہ ۱۱

مرکز۔ ریاست تعلقات

ازسرنو مالیاتی انتظامات کی اشد ضرورت

مغربی بنگال میں ۱۹۷۷ء میں برسراقتدار آنے کے بعد سے ہی بائیں محاذ حکومت مرکز۔ ریاست تعلقات کا ازسرنو جائزہ لینے کی ضرورت پر بار بار زور دے رہی ہے۔ حکومت مغربی بنگال نے ۱۹۷۷ء میں مرکز۔ ریاست تعلقات پر ایک دستاویز تمام ریاستوں کو بھیجی جس میں مرکز۔ ریاست تعلقات کے موجودہ ڈھانچہ کا جائزہ لینے کی ضرورت اور اسباب بتائے گئے ہیں۔ اس دستاویز میں یہ درج ہے کہ ریاستوں کی خود اختیاری کو حقیقی اور موثر بنانے کے لئے ریاستوں کو اور بھی زیادہ اختیارات دینے کی ضرورت ہے۔ دستور کی ریاستی فہرست کے تحت محدود دائرہ میں عوام کو اپنے امور کی خود دیکھ بھال اور انتظام کرنے کا جو حق دیا گیا ہے، اس کی حفاظت کرنی ضروری ہے۔ اس دستاویز میں اس بات کا بھی ذکر کیا گیا ہے کہ وفاقی اصولوں کو مستحکم بنانے کی جگہ اس بات کی مسلسل کوشش کی جا رہی ہے کہ ریاستوں کے دیئے گئے محدود اختیارات کو بھی آہستہ آہستہ کم کر دیا جائے اور اس طرح ریاستوں میں حکومتیں جمہوری طریقہ سے کام نہ کر سکیں۔ گزشتہ چند برسوں میں بہت نمایاں تبدیلی رونما ہوئی ہے — مرکز میں اور مختلف ریاستوں میں مختلف پارٹیاں برسراقتدار ہیں۔ اس پس منظر میں یہ ضروری ہے کہ جہاں کثیر جماعتی جمہوری نظام اچھی طرح پنپ سکتا ہے وہاں ملک کے وفاقی ڈھانچہ کو مستحکم کیا جائے۔ حکومت مغربی بنگال کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ ریاستوں کو چند شعبوں میں زیادہ اختیارات دیکر ہی مرکز کو مضبوط بنایا جا سکتا ہے۔ اس ملک کی، جہاں مختلف النوع نسلوں، مذہبوں، زبانوں اور ثقافتوں کے لوگ رہتے ہیں۔ سالمیت اور اتحاد کو برقرار رکھنے کے لئے ایک مضبوط مرکز کا ہونا لازمی ہے۔ ایسی فضا میں جہاں ہر ریاست کو اپنے اغراض و مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے سہولتیں فراہم ہوں قومی یکجہتی کو حقیقت کا جامہ پہنایا جا سکتا ہے۔ ملک کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے رجحانات نے حالیہ برسوں میں اپنا بدنما سر پھر اٹھایا ہے۔ یہ بہت پریشان کن بات ہے۔ ہندوستان کے عوام کی اجتماعی خیرسگالی کے ذریعہ ایسے رجحانات کو نیست و نابود کرنا چاہئے۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کی ہمت افزائی کرکے کہ جمہوریت موثر اور بامعنی طور پر اپنے فرائض بحسن و خوبی انجام دے سکے، ہمارے وفاقی ڈھانچہ کو مستحکم بنانے کیلئے فوری طور پر کوششیں کرنی چاہئیں۔ اس دستاویز میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ الگ الگ ان حلقوں کی تعریف کر دینی چاہئے جہاں مرکز اور ریاستوں کے اختیارات ہوں گے۔ دفاع، غیرملکی امور مع بیرونی تجارت، سکہ، نقل و حمل، معاشی رابطہ جیسے موضوعات مرکز کے چارج میں رہیں گے۔ مرکز کا کردار رابطہ برقرار رکھنے والے کی طرح ہونا چاہئے۔ منصوبہ بندی، قیمتوں اور اجرتوں کا تعین وغیرہ جیسے شعبوں میں مرکز نہ صرف رابطہ قائم کریگا بلکہ عام ہدایت بھی جاری کریگا۔ یہ تمام اختیارات مرکز کے تحت ہوں گے — اس طرح مرکز کو ایک واضح منزل کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے اقتدار کا

احترام کرنے اور ملک کو متحد رکھنے کے لئے وفاقی نظریات کا اصل جوہر یہ ہے کہ ان
کو زیادہ اختیارات دیئے جائیں نہ کہ مرکزی اختیارات کے اصول سے کچھ گوشوں کو ترجیح دی
مختلف [illegible] کے لوگوں کی امتیازی خصوصیات اور تہذیبی تشخص کا احترام
کرنے کے [illegible] ریاستوں کو زیادہ اختیارات دینا ضروری ہے۔ ریاستیں
اپنے اپنے علاقوں میں اپنے حقوق کا اچھا استعمال کر سکتے ہیں۔ اس بات کا
خیال رکھنا ہوگا کہ مرکزی حکومت کے دائرہ اختیارات میں مقدم رکھیں۔ دوسری
طرف مرکز کی طرف سے بھی ریاستوں کے شعبہ میں مداخلت یا اختلافی شکلوں میں
کسی قسم کی مداخلت نہیں ہونی چاہئے۔ مثال کے طور پر امن و امان کا مسئلہ ریاستی
موضوع ہے اور اس مسئلہ کو حل کرنا اور ریاستوں میں امن و امان قائم رکھنا
صرف ریاستوں کی ذمہ داری ہے۔

بلا شبہ یہ بھی افسوس کی بات ہے کہ مرکز اس امر کو شدت سے ضروری
نہیں سمجھتا کہ مرکز۔ ریاست تعلقات پر از سر نو غور کیا جائے تا کہ وقت کے
مطابق ان میں ضروری تبدیلیاں لائی جا سکیں۔ معاشی شعبہ میں شدید (قانون اور
ضابطوں کی) تبدیلیاں ہوئی ہیں اور اس کی وجہ سے معیشت کی حالت بھی ابتر ہو چکی ہے۔
اس حقیقت کے پیش نظر کہ مجموعی مرکز۔ ریاست مالیاتی تعلقات وفاقی نظام
میں بنیادی اہم قوانین کے لئے ذمہ دار ہے مرکز۔ ریاست مالیاتی تعلقات
پر نئے سرے سے غور کرنا چاہئے۔ ایسے تعلقات کی وجہ سے ملک کے مختلف
علاقوں میں ترقی کی شرح میں حد سے زیادہ نابرابری ہوئی ہے۔ مغربی بنگال
کے وزیر مالیات ڈاکٹر اشوک مترا نے ۱۹۸۳ء میں اپنی بجٹ تقریر میں اس
بات کی وضاحت کافی صاف الفاظ میں کی تھی۔ متعلقہ حصہ درج ذیل ہے:

"دستور کے تحت ترقیات کے شعبہ میں زیادہ تر ذمہ داریاں ریاستی
حکومتوں پر عائد کی گئی ہیں۔ خواہ تعلیم ہو یا صحت عامہ، زراعت ہو یا صنعتی ترقی
آبپاشی ہو یا سڑکوں اور پلوں کی تعمیر ان تمام باتوں کے لئے
ریاستوں کو اہم کردار ادا کرنا پڑتا ہے۔ مگر انھیں ان ذمہ داریوں کو نبھانے
کے لئے سب ضروری وسائل فراہم نہیں [illegible] اپنا کردار اچھی طرح نہیں ادا
کر سکیں گے۔ موجودہ دستوری انتظامات کے تحت [illegible] کم
حصہ ریاستوں کے لئے مخصوص کیا گیا ہے۔ سارے ملک میں جتنا [illegible]
[illegible] ریاستوں کو دیا جاتا ہے اور [illegible] حصہ
[illegible] ہے۔ اس طرح مرکزی [illegible] اور
شعبوں کو اپنے اپنے شعبہ کے مصارف کا تعین کرنے کے لئے [illegible]

گئی ہے۔ سنہ ۱۹۵۰ء کے دستور میں اور سنہ ۱۹۵۱ء کے اوائل میں منصوبہ بندی کمیشن
نے بجائے خود مرکزی حکومت نے قائم کیا ہے مرکز کے بجٹ کے تحت مصارف
کے سلسلہ میں کچھ نگرانی کی تھی لیکن بعد میں یہ نگرانی بھی ختم ہو گئی۔ دوسری
طرف ریاستی حکومتوں پر مصارف کے سلسلہ میں مکمل پابندی عائد کر دی گئی ہے۔
ریاستی منصوبہ کا سائز کیا ہونا چاہئے، اس کے مصارف کا تخمینہ کتنا ہوگا، ان تمام
باتوں کا ہر سال منصوبہ بندی کمیشن، ساتھ ہی مرکزی وزارت مالیات پیشگی جانچ
کرتی ہے اور ہر پانچ سال کے بعد مالیاتی کمیشن جانچ کرتا ہے۔ ایسی صورت حال
میں اس بات کا خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ قومی ترجیحات میں رد و بدل ہو جائے۔
مقامی ضرورتوں اور ترجیحات کا ریاستی حکومتیں نہ کہ مرکز اچھی طرح اندازہ لگا سکتی
ہیں۔ لیکن عملی طور پر ہوتا یہ ہے کہ مرکزی حکام ہی اس سلسلہ میں فیصلہ صادر
کرتے ہیں اور اکثر ریاستوں پر اپنی ترجیحات لاد دیتے ہیں۔ مرکز کے نمائندے ریاستی
حکومتوں کے محاصل اور مصارف کا سالانہ تخمینہ کی سخت چھان بین اور جانچ
کرتے ہیں۔"

قومی ترقیاتی کونسل کو ریاستی حکومت نے جو عرضداشت پیش کی تھی اس میں یہ
ذکر تھا کہ دستوری بندشوں کے علاوہ مرکز کا مالیاتی تاثر ریاست کے لئے مزید
مسائل پیدا کرتا ہے۔ دستور کے مطابق انکم ٹیکس کے سرچارج کو مرکز حصول آمدنی کا
اہم ذریعہ نہیں سمجھتا لیکن آرٹیکل ۲۷۱ میں کہا گیا ہے کہ اس سرچارج کو قابل تقسیم آمدنی
میں شمار نہیں کیا جانا چاہئے لہٰذا مرکزی حکومت برسوں سے انکم ٹیکس کی شرح میں
اضافہ نہیں کر رہی ہے بلکہ اس کے برعکس سرچارج کی شرح میں برابر اضافہ کر رہی
ہے اور اس سے ہونے والی آمدنی کو اپنے لئے محفوظ رکھ رہی ہے۔ حالیہ برسوں میں
زیادہ آمدنی والوں کے ضمن میں انکم ٹیکس کی بنیادی شرح میں کمی کر دی گئی ہے جس سے
قابل تقسیم آمدنی میں کمی واقع ہوئی ہے۔

ہمارا یہ تجربہ رہا ہے کہ سنہ ۱۹۵۱ء سے ۳۰ برسوں کی مدت میں اقتصادی ترقی
کی شرح تقریباً ۳ء۵ فیصدی سالانہ رہی ہے۔ یہ بات اور بھی زیادہ افسوسناک
ہے کہ اقتصادی ترقی کی انتہائی کم شرح بھی مختلف علاقوں میں غیر مساوی طور پر تقسیم کی
گئی ہے۔ یہ علاقائی عدم توازن نہ صرف ترقی پر اثر انداز ہوا ہے بلکہ اس کا مختلف
ریاستوں پر خراب نفسیاتی اثرات بھی پڑے ہیں۔ مختلف علاقوں اور ریاستوں کے
درمیان مرکزی حکومت کی غیر مساوی سرمایہ کاری اور دیگر اخراجات کی بنا پر ترقی کی
شرح میں نابرابری بڑھتی جا رہی ہے۔ یہ ہماری منصوبہ بندی کا افسوسناک پہلو
ہے۔ اس ضمن میں مرکز۔ ریاست کے مالیاتی تعلقات [illegible] مرتب کرنے

سے بہت کچھ الجھنیں اور بدنظمیاں دور ہو سکیں گی۔ بہرحال یہ امر ضروری ہے کہ ہر ریاست کو اقتصادی اور سماجی طور پر ترقی کرنے کے مواقع بہم پہنچائے جائیں۔

حکومت مغربی بنگال نے بارہا اس امر پر زور دیا ہے کہ منصوبہ کی ترجیحات طے کرتے وقت ریاستوں کی رائے کو نمایاں اہمیت دی جانا چاہئے۔ لیکن مغربی بنگال کے وزیر مالیات ڈاکٹر اشوک مترا کے الفاظ میں "ہم جو اس بات پر برابر زور دیتے رہے ہیں کہ پلان کا ڈھانچہ اس طرح تیار کیا جائے جس سے بہتر علاقائی توازن قائم ہو اور مختلف طبقوں کے درمیان آمدنی کی نابرابری کم ہو سکے، لیکن ہماری باتوں کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی۔" وزیر مالیات نے مزید کہا کہ "جبکہ ہم نے ۱۹۸۱-۸۰ء کے درمیان ہم اپنے پلان کی لاگت میں ۰۰ کروڑ روپیہ کا اضافہ کیا، منصوبہ بندی کمیشن نے اس امر پر اصرار کیا ہے اگلے سال ریاست کے پلان میں صرف ۰۹ کروڑ روپیہ کا اضافہ ہوگا۔ ہم بہت دکھ کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچنے کے لئے مجبور ہو گئے ہیں کہ مرکزی حکومت اکثر ریاستوں میں ترقی کی رفتار کو تیز تر کرنا پسند نہیں کرے گی جہاں ترقی کے فوائد محض مٹھی بھر افراد کے لئے مخصوص نہیں ہوں گے بلکہ تمام طبقوں کے درمیان تقسیم ہوں گے۔" (وزیر مالیات کی ۱۹۸۲-۱۹۸۱ء کے بجٹ کی تقریر سے اقتباس)

وزیر مالیات نے اپنی تقریر میں مغربی بنگال جیسی ریاستوں کے تئیں مرکزی حکومت کی تفریق کی پالیسی کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ایک ایسی ریاست کو کیلئے جس کی آبادی مغربی بنگال کی آبادی کی نصف بھی نہیں ہے، ہماری ریاست سے کہیں زیادہ بڑا پلان بنایا گیا ہے۔ اس تفریق کو اس دلیل کی بنا پر بھی جائز نہیں قرار دیا جا سکتا کہ ایسی ریاستیں جو خود وسائل فراہم کرنے کی پوزیشن میں ہیں، آگے بڑھنے کے مواقع دئے جائیں۔

ریزرو بینک آف انڈیا کے ایک حالیہ تجزیہ کے مطابق ۲۲ ریاستی حکومتوں نے سال رواں میں ۴۶۴ کروڑ روپیہ تک مزید محاصل فراہم کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس مجموعی رقم میں سے مغربی بنگال تنہا ۲۳ کروڑ روپیہ فراہم کر رہی ہے۔ لیکن اس کا مرکز پر کوئی اثر نہیں ہوا ہے۔ مغربی بنگال واحد ریاست جس کے ۱۹۸۲-۱۹۸۱ء کے پلان کے لئے مرکزی امداد ۱۱۹ کروڑ روپیہ سے گھٹا کر ۹۰ کروڑ روپیہ کر دی گئی ہے۔

ملک کو خوشحال بنانے کے لئے تمام ریاستوں میں اقتصادی فوائد کی مساویانہ تقسیم لازمی شرط ہے۔ یہ انصاف کے اصولوں کی نفی ہوگی اگر چند متمول ریاستوں کو زیادہ خوشحال بننے کے مواقع دئے جائیں اور کچھ ریاستوں کو ترقی کرنے کے مواقع سے محروم رکھا جائے۔ حقیقت خصوصاً مالیاتی وفاقت کی انتہائی مرکزیت، مالی تفریق اور روز بروز بڑھتا ہوا علاقائی عدم توازن ہے۔ حالیہ افسوسناک تجربہ بتاتا ہے کہ یکے بعد دیگرے پنچسالہ منصوبوں سے خاطرخواہ نتائج برآمد نہیں ہوئے ہیں۔ جبکہ چھٹا پنچسالہ پلان زیر ترتیب ہے، مرکز ریاستوں کے تعلقات کے تمام پہلوؤں خاص طور پر مالیاتی پہلو کا از سر نو جائزہ لینا مناسب ہوگا اور جائزہ کے بعد فوری کارروائیاں کرنا ضروری ہے تاکہ پورا ملک یکساں طور پر ترقی کر سکے اور خوشحال ہو سکے۔ ★

مچھلی پالن اسکیمیں

مغربی بنگال کے ۱۴ ضلعوں میں ضلع مجسٹریٹ ایگزیکیٹیو افسروں اور چند منصوبہ فہرست اقوام کی فلاح کے لئے ۸۲-۱۹۸۱ء کے دوران مچھلی پالن کی اسکیمیں بالترتیب روبہ عمل لائیں گے۔ ان اسکیموں کے تخمینی مصارف یعنی ۲۲ لاکھ روپیہ کے لئے حکومت نے منظوری دیدی ہے۔ اضلاع کے نام یہ ہیں۔ بردوان، بیر بھوم، بانکوڑا، مدناپور، ہگلی، ہوڑہ، ندیا، کوچ بہار، جلپائی گوڑی، مغربی دیناج پور، ۲۴ پرگنہ، مرشد آباد، دارجلنگ اور پرولیا۔ ضلع مدناپور کو سب سے زیادہ رقم یعنی ۴ لاکھ روپیہ، بعد ازاں بردوان اور ہوڑہ اضلاع کو ایک ایک لاکھ روپیہ ملے گا۔ ندیا، کوچ بہار اور جلپائی گوڑی کا حصہ ۵۰-۵۰ ہزار روپیہ ہوگا۔ بقیہ اضلاع کو ۱۰ ہزار روپیہ اور ۲۵ ہزار روپیہ کے درمیان ملے گا۔

میڈیکل کالج میں مزید ۲۵۰ بستر

حکومت مغربی بنگال نے میڈیکل کالج اور اسپتال کلکتہ کی زیر تعمیر منزلہ اسپتال بلاک میں مزید ۲۵۰ بستروں کے اضافہ کے لئے منظوری دیدی ہے۔ جس سے میڈیکل کالج کلکتہ میں بستروں کی مجموعی تعداد بڑھ کر ۱۸۲۱ ہو جائیگی۔ ان ۲۵۰ بستروں میں سے ۱۰۰ بلامعاوضہ اور ۱۵۰ بستر بامعاوضہ ہوں گے۔ حکومت نے ۲۵۰ مزید بستروں کے لئے ضروری ساز و سامان اور [illegible] وغیرہ کے لئے ۵۰ لاکھ روپیہ کی تخمینی رقم منظور کی ہے۔ مزید [illegible] کے لئے [illegible] بھی بنائی گئی ہیں۔

باغی

قاضی نذر الاسلام

کہہ دے! جوان مرد کہہ دے کہ میں سر بلند ہوں
اتنا بلند اتنا بلند کہ ہمالیہ کی چوٹی بھی میرے آگے سرنگوں ہے
کہہ دے! اے بہادر کہہ دے کہ اس وسیع آسمان کو چیر کر چاند، سورج
اور ستاروں کو توڑ کر، جنت و دوزخ کو دہلا کر اور عرش سے ٹکرا کر
میں اس دنیا کے لئے مجسمہ حیرت بن گیا ہوں
کہہ دے! اے جوان مرد کہہ دے کہ میرا سر ہمیشہ بلند رہے گا
میں باغی ہوں! مادر گیتی کی سرکش اولاد!
میں ہوں بادِ سموم اور لو کا گرم جھونکا
میری راہ میں جو چیز حائل ہوتی ہے اسے میں چور چور کر ڈالتا ہوں
میں وحشیوں کا رقص ہوں! اپنے تال پہ آپ ہی ناچنے لگتا ہوں
سماج کی بندشوں سے آزاد ہو چکا ہوں
میں سپاہیوں کا گیت ہوں! میں آتش نوا موسیقی ہوں
میں سراب صحرا ہوں
چلتا ہوں اور ٹھٹکتا ہوں، سنبھلتا ہوں اور لڑکھڑاتا ہوں
ایک ایک قدم پہ ہزاروں لغزشیں!
میں مضطرب برقِ سوزاں ہوں،
جو دل میں آتا ہے کرتا ہے
دشمن سے تکرار کرتا ہوں اور موت سے نبرد آزمائی میرا کھیل ہے
مہلک مرض ہوں، وبا ہوں، ایک عالمگیر خطرہ ہوں!
حکومتوں کے لئے آفت کا کوہ آتش فشاں!
غارت گر ہوں — تند خو ہمیشہ بے قرار
کہہ دے اے جوان مرد کہہ کہ میں سر بلند ہوں
میں باغیوں کا سردار ہوں
خوں خواری سے میرا جی بھر گیا ہے
میں اسی دن مطمئن ہوں گا جب مظلوموں کی فریاد فضائے آسمانی
میں نہ گونجے گی
جب میدان جنگ میں تلوار اور خنجر کے خوفناک ترانے نہ سنائی دیں گے
یہ باغی جو جنگ و جدل سے نالاں ہے، اسی روز خاموش ہوگا

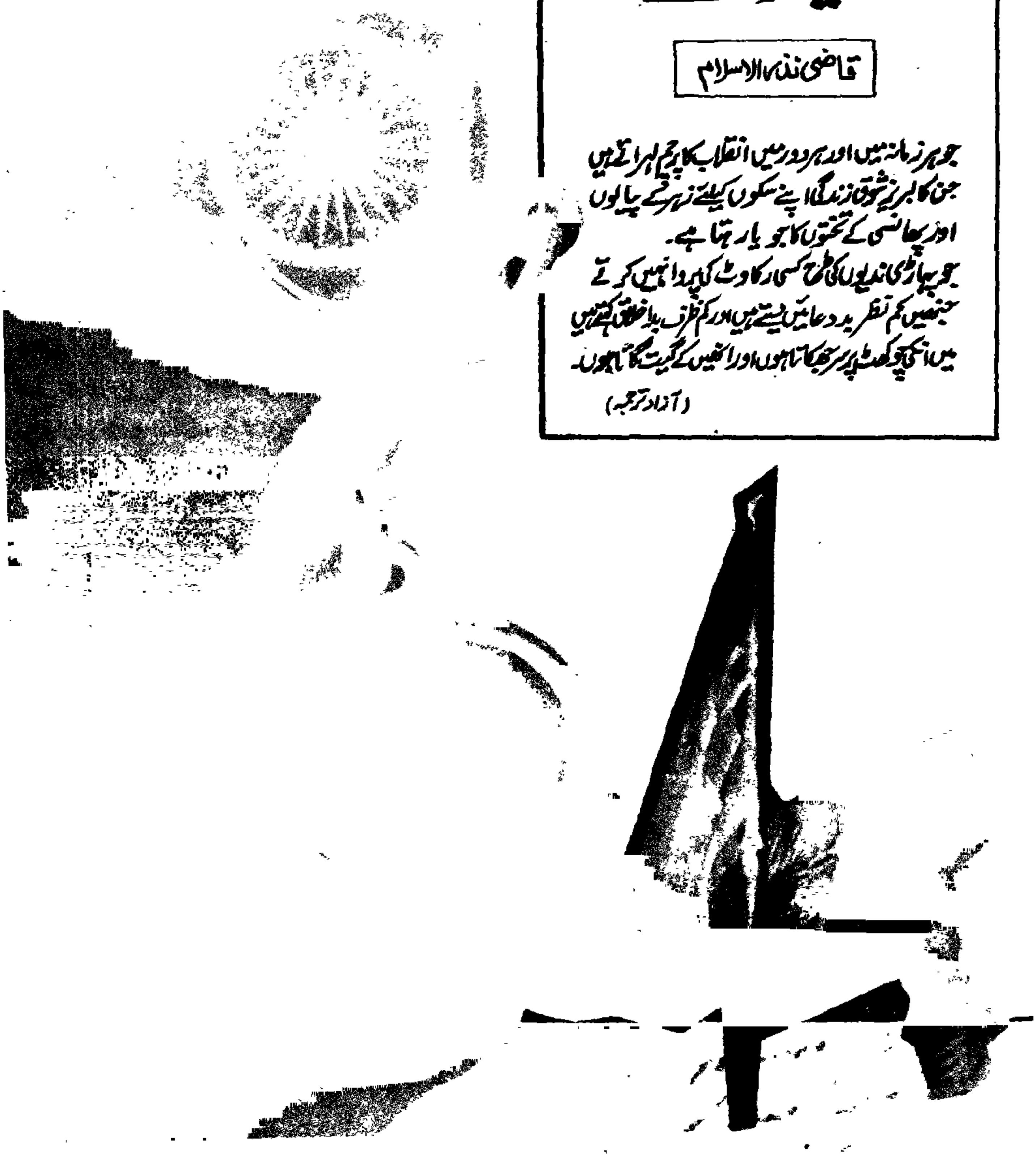
(آزاد ترجمہ)

میرے نغمے

قاضی نذر الاسلام

جو ہر زمانہ میں اور ہر دور میں انقلاب کا پرچم لہراتے ہیں
جن کا لبریز شوق زندگی اپنے سکوں کیلئے زہر کے پیالوں
اور پھانسی کے تختوں کا جو یا رہتا ہے۔
جو پہاڑی ندیوں کی طرح کسی رکاوٹ کی پروا نہیں کرتے
جنہیں کم نظر بد دعائیں دیتے ہیں اور کم ظرف بد اخلاق کہتے ہیں
میں انکے چوکھٹ پر سر جھکاتا ہوں اور انہیں کے گیت گاتا ہوں۔

(آزاد ترجمہ)



نذر الاسلام کی شاعری

از ـ روبی دت

قاضی نذر الاسلام ۱۸۹۹ء میں پیدا ہوئے لیکن وہ بنگال کے ادبی آسمان پر اس وقت نمودار ہوئے جب نہ صرف ان کا صوبہ بلکہ سارے ملک کے عوام نئی کاوشوں کے لئے سفر کرنے کو خود کو تیار کر رہے تھے۔ جس طرح سے [illegible] نے داستان کیا وہ خود ـ شعور کا اور آزادی احساس کو جگانے کے لئے مشہور ہوا تھا۔ شاعر سماج اور حسن کے پیدائشی عاشق تھے اور انصاف [illegible] انہیں اعتبار کر [illegible] وہ صرف سیاسی ماتحتی کے خلاف بلکہ سماجی ناانصافی، نابرابری اور جبر و ظلم کے خلاف بغاوت کریں۔ ان میں یہ خوبی تھی کہ وہ ہماری ثقافت کے مختلف حصوں کو [illegible] انسانی [illegible] ایک لڑی میں پرو سکتے تھے۔ نظر [illegible] کے لئے ان کا آغاز [illegible] رہا ہے ـ

جو دیکھتا ہوں کہ میرے تصور کی دنیا
ایک بنجر ریگستان ہو چکی ہے
جو حسن جسم کی طرح [illegible] تھا
اسے دیکھتے ہی میری آنکھوں سے آگ کے شعلے نکلتے ہیں

ایسے وقت میں جب ٹیگور سارے ملک پر چھائے ہوئے تھے نذر الاسلام کا [illegible] دنیا میں نمودار ہونا عجیب سا لگتا ہے، ایک غیر معمولی سی بات [illegible] آتی ہے۔ نذرل بنگلہ ادب اور موسیقی کی دنیا میں ایک طوفان اور [illegible] طرح داخل ہوئے۔ بنگال کے سب [illegible] نوجوان ان کے گیت گاتے اور [illegible] سے سرشار ہو کر [illegible] احساس کے پھندے کو [illegible] ان کی شاعری نہ صرف سامراجیوں کے خلاف جدوجہد کی [illegible] شاعری [illegible] سوشلزم اور [illegible] کو [illegible] ہے ـ

اے دنیا کے کسانو! اٹھو
اپنے ہاتھوں کو مضبوطی سے تھام لو
[illegible] سے [illegible]

آؤ، ہم سب اب بہترین طریقے سے موت کو گلے لگائیں

نذر الاسلام نے مارکسزم کی تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن ان کے ذہنی اور جذباتی احساسات مارکسزم کے بہت قریب تھے اور اس تصور کو جلا بخشی تھی۔ اس زمانے میں یہ کیسے ممکن ہو سکا؟ غیر جانبدارانہ طور پر اس بات پر غور کرنا چاہیے کیا درحقیقت یہ بہت ہی عجیب و غریب بات ہے؟ یا خود شاعر کے اپنے جذبات، معاشی معاشرہ ہے، مصائب اور ناانصافی کے خلاف ان کے احساسات سے اس بات کا پتہ چلتا ہوگا یا اس وقت سامراجیت اور جاگیردارانہ نظام کے خلاف بیداری سے پیدا ہونے والی معاشی۔ سیاسی تبدیلیوں میں اس کے جذبات [illegible] عالمگیر تحریک روس میں عظیم اکتوبر انقلاب کی فتح وغیرہ، رونما ہوئے، جن کا شاعر پر کافی گہرا اثر ہوا اور ان کا 'باغی ضمیر' ان میں پوری طرح بیدار ہو گیا۔ نیز اس وقت مظفر احمد اور دیگر انقلابیوں کی قربت بھی حاصل ہوئی۔ ۱۹ویں صدی میں انسانی ہمدردی کی نام نہاد مقبولیت جو بیسویں صدی کی تیسری دہائی سے شروع ہونے والی زندگی کی بے اطمینانی کو ہر کوئی ذہن نشین کر سکی۔ ٹیگور کی 'بلاکا'۔ پورابی نظموں کی چاشنی اور ان کے تصورات ان دنوں عام لوگوں کے حقیقت پسند مستحکم احساسات کو مطمئن نہ کر سکے۔ سارا ملک انقلابی شاعرانہ بیداری کے پھوٹ پڑنے کے لئے ایک راستے کی تلاش کر رہا تھا۔ یہ اس دور کا مطالبہ تھا۔ سارا ملک نئے جذبات اور احساسات سے لبریز ہو رہا تھا۔ نذرل میں ہمیں ایشور گپتا، ہیم چندر، مدھو سودن، رنگلال، ہیم چندر کی خصوصیات نظر آتی ہیں اور رابندر ناتھ ٹیگور کے دور میں وہ پیدا ہوئے اور جوان ہوئے۔ لیکن نذرل کی اپنی ایک الگ خصوصیت تھی جو دوسروں سے مختلف تھی۔ جیسے ـ

ان کا چہرہ سرخ ہے
انار کے دانے کی طرح سرخ
اس میں [illegible] ایک بھولی [illegible] شہد کی مکھی کی طرح ہے

یلے سڑکوں پر رہنے والے بے گھروں کے دلوں میں

میں محرومیوں کا غم ہے

ان کے موضوع اور اسلوب میں نمایاں تغیر ہوا۔ سماجی ظلم و استبداد سے ان کی خودی پر گہرا اثر پڑا اور معاشرتی سیاسی حالات کے اثرات سے اس میں انقلابی تبدیلی پیدا ہوئی۔ ہم اس موقعہ پر شاعر ایلیٹ کے اہم مقولہ کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ "ایک آرٹسٹ کی ترقی، ایثار اور اپنی شخصیت کو فنا کر دینے کے عمل پیہم کی مرہون منت ہے"۔

نذرل کی بہترین تخلیق 'اگنی بینا' (مجموعۂ کلام) ہے۔ اس میں نظم 'ودروہی' (باغی) نے ۱۹۲۱ء میں سارے ملک میں ایک طوفان برپا کر دیا۔ "کہہ دے اے جوانمرد، کہہ دے کہ میں ہوں سر بلند" باغی نظم کا پہلا مصرعہ ہے۔ اس کے آخری مصرعے یہ ہیں۔ "اس دن میں مطمئن ہوں گا، جب مظلوموں کی فریاد آسمان میں نہ گونجے گی" ان کی دیگر تخلیقات میں 'کماں پاشا' اور 'ساطع العرب' ہیں جو ہندو۔ مسلمان اتحاد کو مستحکم بنانے کے لئے خلافت تحریک کے پس منظر میں لکھی گئی ہیں۔ حالیہ دنوں میں جب شیطانی فطرت کے لوگ ہندوستان کے مختلف علاقوں میں فرقہ وارانہ امن اور ہم آہنگی کی فضا کو پراگندہ کرنے کی کوششیں کر رہے ہیں، تو ہمیں ان کی یہ نظم یاد آتی ہے۔

وہ کون ہیں جو انسان سے نفرت کرتے ہیں
لیکن خدا کی قسم کھا کر، وہ قرآن کو
ویدوں اور انجیل کو چومتے ہیں
ان مقدس کتابوں کو ان کے ہاتھوں
سے چھین لو

فرقہ واریت کے خلاف ان کے یہ شاعرانہ احساسات تھے۔ جیسا کہ میں ذکر کر چکا ہوں پہلی جنگ عظیم سے واپسی کے بعد ان میں انقلابی بیداری نمایاں ہوگئی۔ یہی وہ وقت تھا جب وہ مظفر احمد کے نزدیک آئے۔ اس کے بعد ان دونوں میں گہری دوستی ہوگئی اور مظفر احمد کے ساتھ رہنے لگے۔ آنند شکتی کے مدیر کے نام اپنے ایک خط میں انھوں نے مظفر احمد کے لئے ان کے دل میں کتنا احترام تھا، اس کا ذکر کیا۔ انھوں نے ۱۹۲۹ء میں کلکتہ میں (ٹی ایل ایل ڈیشن میں) بنگال کے کسان و ناں لیگ کو منظم کرنے میں حصہ لیا۔ ان کے قریبی دوستوں میں کامریڈ عبدالحلیم اور فلپ اسپراٹ (ایک برطانوی کمیونسٹ) تھے۔ ۱۹۲۳ء میں "آنند موئے آگامونی" لکھنے کے لئے انھیں ایک سال کی قید بامشقت کی سزا ہوئی۔

انھوں نے جیل میں ۳۹ دنوں تک جیل کے حکام کی بدسلوکی کے خلاف بھوک ہڑتال کی۔

لیکن میرٹھ سازش کیس میں مظفر احمد کی گرفتاری کے بعد ملک میں بہت سارے واقعات رونما ہوئے اور ان کا نذرل کی زندگی پر کافی گہرا اثر پڑا۔ اب وہ موسیقی کی طرف دھیان دینے لگے۔ رومانی گیت، لوک گیت، بھجن میں ایک جدت پیدا کر کے انھوں نے سنگیت کی دنیا میں ہلچل برپا کر دی۔

چند نقادوں کا خیال تھا کہ نذرل کے رنگین ترانے وقت کے ساتھ ساتھ فراموش کر دیے جائیں گے، لیکن ان نقادوں کو یہ بات ذہن نشین رکھنی ہوگی کہ ۱۹۳۰ء کی سیاسی ہلچل ۱۹۷۰ء میں موجود نہیں ہے۔ پھر کس طرح نذرل کے گیت دن بدن مقبول ہوتے گئے۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ان کے اشعار میں فنی پختگی نہ تھی، انھیں یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اپنے موضوع کے اعتبار سے ادب ماورائی بن جاتا ہے۔ ان کے ذاتی المناک تجربے اور ہمعصر انقلابیوں سے قریبی تعلقات نے ان کی ادبی اور شاعرانہ سرگرمیوں کی بنیاد کو اور بھی مستحکم بنا دیا۔ کوئی بھی آرٹسٹ اپنی زندگی میں بلندی تک نہیں پہونچ سکتا اگر وہ اس وقت کی زندگی کے معاشی۔ سیاسی حالات سے خود کو الگ رکھے۔ کوئی بھی ادیب عالمگیر شہرت حاصل نہیں کر سکتا اگر وہ اپنے دور سے الگ تھلگ رہ کر اپنے تصور کے محل میں رہے۔ رامائن، مہابھارت یا ہومر کی رزمیہ نظموں سے ہم یہی سبق حاصل کرتے ہیں۔

بیسویں صدی کی باقی دہائیوں میں جیسے جیسے ملک میں انقلابی اور پرولتاری رجحانات کو فروغ حاصل ہوتا رہیگا، ویسے ویسے نذرل کی شاعری زیادہ سے زیادہ لوگوں کو بیدار کرتی رہیگی۔

کمیونزم کے ذریعہ خوشحالی کے موجودہ دور میں نذرل کے پرولتاری خیالات کے فنکارانہ اظہار کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے گا۔ ملک میں محض ان کی بھکتی کے گیتوں کا ہی جائزہ نہیں لیا جائیگا جن کا عوام پر گہرا اثر نہیں پڑا۔

عبدالسلام اور دامیشور کا یہ کہنا ہے کہ قدیم عہد شاعری ذہانت کا یہ ملک رامائن اور مہابھارت کا یہ ملک دیگر باتوں کے علاوہ نذرل کے شاعرانہ تصورات کو فروغ دیگا۔ اور آنیوالی نسلوں میں ان کی عالمگیر افادیت کا جائزہ لیگا جو کہتے ہیں کہ بلند کیجئے

میں بہادر باغی ابدی ہوں
تن تنہا میں ساری دنیا پر
سر بلند کئے ہوئے چھایا رہوں گا۔

★★★

بیداری کا راگ

قاضی نذر الاسلام

جو جاگتے ہوئے بھی غفلت کی چادر اوڑھے پڑے ہیں
ارے نادان، ان کے دروازے پر تو کب تک دستک دیتا رہیگا!
جو کاہلی لحافوں میں لپٹے پڑے ہیں
ان کے لئے زندگی ایک طویل رات ہے
وہ ہمیشہ نیند کے ماتے رہیں گے اور
تیری آواز انھیں کبھی نہ جگا سکے گی
جنھوں نے طوفاں سے بچنے کے لئے ساحل پر مکان بنالیا
اب ان کا شانہ ہلانا لاحاصل ہے
جس نے گھر کے اندر گھس کر دروازے کے ارگل کو سختی سے بند کردیا
اس سے کیوں التجا کریں کہ دم بھر کے لئے کواڑ کھول دے
مسافر اس راہ کو بھول جا
سینا پوری میں بیداری کی شہنائی کو کون سنے گا!
لیکن اس موت کی خاموشی کو توڑ کر کبھی کبھی ایک فریاد بھی سنائی دیتی ہے
یہ اس کا شیون ہے جسے ہلاکت کی افیون کھلائی گئی ہے۔
تاکہ وہ ہمیشہ سوتا رہے۔
مغنی! اسے جگانے کیلئے تو نیا ساز اٹھا اور نئے انداز سے گا۔
وہ نشہ میں ہے اور اسے نہیں معلوم کہ وہ کہاں پڑا ہوا ہے۔
اسے کیا خبر کہ کوئی اس کے جگر کا خون بوند بوند کر کے پی رہا ہے
دور جدید کے نقیب! تو اس کے دل میں اپنا جادو جگا،
کیونکہ تیرے راگ کو ایک یہی خفتہ نصیب سمجھ سکتا ہے
اُن وحشیوں کا دل ایک ریگستان ہے جس میں نہ پھول ہے، نہ پانی
لیکن وہ گدیوں پہ بیٹھے دنیا کی نعمتیں چٹ کر جاتے ہیں
یہ کیوں ہو کہ جنھوں نے درندوں کو نکال کر بڑے بڑے نگر بسائے
وہ خود انسان نما حیوانوں کے خوف سے موریوں میں سڑا کریں
یہ کیوں ہو کہ یہ خونخوار درندے انسانوں کا بہروپ لیکر
تہذیب کے ٹھیکے دار بن بیٹھیں۔
ظالم وہ ہے، لیئم وہ ہے، جو انسان کا خون پیتا ہے،
پھر تو ان ابلہ فریب ستم گروں کے خلاف کیوں نہیں اُٹھ کھڑا ہوتا
ہزاروں سال سے استبداد کا درخت پھل پھول رہا تھا
آج اس کی جڑ کاٹنے کا وقت آگیا

نئی دنیا کے شاعر! پھر کیا دیر ہے
چھیڑ دے وہ ساز جو حقیر مٹی کے ذروں کو عرش بریں سے ٹکرادے
(آزاد ترجمہ)

مغربی بنگال میں بہتر صنعتی فضا

گذشتہ چار برسوں کے دوران حکومت بائیں محاذ کی متحرک حقیقت پسندی اور انتھک کوششوں سے مختلف رکاوٹوں کے باوجود مغربی بنگال میں صنعتی فضا میں کافی بہتری آئی ہے۔

حکومت بائیں محاذ جون ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آتے ہی صنعتی ترقی میں زوال کے سابقہ رجحان کو ختم کرنے اور ریاست میں نئے صنعتی پروجیکٹوں میں سرمایہ کاری میں اضافہ کے لئے بھرپور کوششوں کا آغاز کیا اور اس مقصد کے لئے ریاستی حکومت نے پہلی بار مغربی بنگال کے لئے ایک صنعتی پالیسی وضع کی جس میں خام مال کی پیداوار پر زور دیا گیا تاکہ ریاست میں کئی چھوٹی اور درمیانی صنعتوں کا قیام عمل میں آسکے اور روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم ہوسکیں۔ اس پالیسی میں ریاست کے پس ماندہ علاقوں میں صنعتوں کے قیام کی ہمت افزائی کی گئی۔

بڑے اور درمیانی سیکٹر میں صنعتوں کی ترقی بڑی حد تک مرکزی حکومت کی صنعتی لائسنس کے اجراء کی پالیسی پر منحصر ہے۔ مختلف رکاوٹوں کے باوجود ریاستی حکومت مغربی بنگال میں صنعتی فضا کو بہتر بنانے میں پیش رفت کی۔ نئے صنعتی پروجیکٹوں کی منظوری کے لئے درخواستوں کی تعداد میں اضافہ، ریاست میں جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کے ادا شدہ سرمایہ میں اضافہ، نیز رجسٹرڈ چالو فیکٹریوں کی بڑھتی ہوئی تعداد اور منظم سیکٹر میں روزگار کے بہتر اور زیادہ مواقع، گذشتہ چار برسوں کے دوران جو صنعتی ترقی ہوئی ہے اس کی نشاندہی کرتے ہیں۔

نئے پروجیکٹ

نئے صنعتی پروجیکٹوں کی منظوری کے لئے ۱۹۸۰ء میں موصولہ درخواستوں کی تعداد ۲۱۵ تھی جبکہ ۱۹۷۹ء، ۱۹۷۸ء اور ۱۹۷۷ء میں یہ تعداد بالترتیب ۱۵۵، ۱۵۳ اور ۱۲۸ تھی۔ مرکزی حکومت نے ۲۲ جون ۱۹۷۷ء اور ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء کے درمیان ۹۴ر۹۹۸ کروڑ روپیہ کی لاگت کے ۴۵۱ پروجیکٹوں کے لئے منظوری دی۔ ان میں ۴۹۴ کروڑ روپیہ کی لاگت کا ہلدیا پیٹرو کیمیکل پروجیکٹ بھی شامل ہے جس نے یقینی طور پر مغربی بنگال کے عوام کے لئے ایک نیا افق کھول دیا ہے۔

۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۰ء تک چار برسوں میں ۱۵۵ کروڑ روپیہ کی مالیت کے ۲۰۳ پروجیکٹ پایۂ تکمیل کو پہنچے اور تقریباً ۱۰۰۰ کروڑ روپیہ کی مالیت کے ۲۳۳ پروجیکٹ تکمیل کے مختلف مراحل میں ہیں۔ ان میں سے ۳۵۵ر۴۳ کروڑ روپیہ کی لاگت کے ۱۳۳ پروجیکٹوں کے ۱۹۸۱ء اور ۱۹۸۲ء کے دوران مکمل ہو جانے کی امید ہے۔

ریاستی حکومت نے ریاست میں نئی سرمایہ کاری کی ہمت افزائی کے لئے ۱۹۷۸ء میں ایک اسکیم بنائی۔ اس اسکیم کے تحت مزید روزگار کے مواقع کی فراہمی کے لئے خصوصی امداد دینے، بلاسود صنعتی قرضے اور قرضوں کی صورت میں سیلز ٹیکس واپس کرنے کی پیش کش کی۔

مغربی بنگال صنعتی ترقی کارپوریشن صنعت کاروں کو ضروری مالی امداد دینے میں پیش پیش رہا۔ کارپوریشن نے مارچ ۱۹۸۱ء کے آخر تک بڑے اور درمیانی سیکٹر میں مجموعی طور پر ۳۲۹ر۵ کروڑ روپیہ کی لاگت کی ۱۷۲ موثر یونٹوں کو مالی امداد منظور کی۔

کارپوریشن نے یکم اپریل ۱۹۷۷ء سے ۳۱ مارچ ۱۹۸۱ء تک چار برسوں میں ۴۶ر۳۶ کروڑ روپیہ (۲۹ر۷۸ کروڑ روپیہ سرمایہ حصص اور قرضہ کے طور پر، ۱۶ر۵۸ کروڑ روپیہ ترغیب کے طور پر) تقسیم کیا۔

کارپوریشن کی امداد میں اضافہ سے مرکزی مالیاتی اداروں کی مجموعی مالی امداد نیز ریاست کی جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کے ادا شدہ سرمایہ میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ زیر نظر مدت میں کارپوریشن نے مغربی بنگال میں صنعتوں کے لئے ۳۶۵ کروڑ روپیہ کی منظوری دی۔

اپریل ۱۹۷۷ء اور مارچ ۱۹۸۰ء کے درمیان مغربی بنگال کی

جوائنٹ اسٹاک کمپنیوں کے ادا شدہ سرمایہ میں ۱۹۷۰ء [illegible] کروڑ روپیہ کا اضافہ ہوا جبکہ ۱۹۶۹ء کے [illegible] کروڑ روپیہ کے مقابلہ میں سرمایہ ۳۱ [illegible] ہوا [illegible] کے [illegible] کروڑ روپیہ کے مقابلہ میں سرمایہ [illegible] کروڑ [illegible] ۱۹۷۲ء [illegible] کروڑ روپیہ ہوگا۔

روزگار کے مزید مواقع

صنعتوں میں سرمایہ کاری کے اضافہ کی وجہ سے رجسٹرڈ چالو فیکٹریوں کی تعداد بڑھ گئی جس کے نتیجہ میں فیکٹریوں اور منظم سیکٹروں میں اوسط روزگار میں بھی اضافہ ہوا۔ جون ۱۹۷۸ء اور دسمبر ۱۹۷۹ء کے درمیان رجسٹرڈ چالو فیکٹریوں کی تعداد میں ۳۴۷ کا اضافہ ہوا ان میں اوسط یومیہ روزگار میں بھی ۳۲ ہزار کا اضافہ ہوا۔ اسی مدت کے دوران منظم سیکٹروں میں بھی روزگار میں ۴۳ ہزار کا اضافہ ہوا۔

ترقی پذیر مرکز

ریاست کے پسماندہ علاقوں میں صنعتوں کا قیام ریاستی حکومت کا ایک اہم پروگرام ہے۔ مغربی بنگال صنعتی ساز و سامان ترقیاتی کارپوریشن نے مارچ ۱۹۸۰ء کے آخر تک نئے ترقی پذیر مراکز واقع ہلدیہ، کلیانی، کھڑگ پور، جلپاگرام، انسیل گنج اور رانی گنج میں تقریباً ۱۴۳۷ ایکڑ زمین حاصل کی اور ان مرکزوں میں قائم کی گئی ۵۰۶ صنعتی یونٹوں کو تقریباً ۳۹۹ ایکڑ زمین الاٹ کی۔ مزید براں کارپوریشن نے سلی گوڑی میں ۲۵۰ ایکڑ کے رقبہ میں ایک نیا ترقی پذیر مرکز قائم کرنے نیز ہلدیہ، کھڑگ پور اور کلیانی کے ترقی پذیر مرکزوں کی توسیع کے لئے بھی اقدامات کئے ہیں۔

مغربی بنگال الیکٹرونکس انڈسٹری ڈویلپمنٹ کارپوریشن، مغربی بنگال چائے ترقیاتی کارپوریشن، مغربی بنگال معدنیاتی ترقیاتی اور تجارتی کارپوریشن نیز سنکونا اور دیگر جڑی بوٹیوں کی نظامت نے صنعتی پیداوار بڑھانے اور ریاست میں روزگار کے مزید مواقع فراہم کرنے کے لئے اپنے اپنے میدانوں میں اپنی سرگرمیاں تیز تر کر دی ہیں۔

پانچویں پنجسالہ پلان ۷۹-۱۹۷۴ء میں ۳۴ء۳۱ کروڑ روپیہ کے مقابلہ میں چھٹے پنجسالہ پلان ۸۵-۱۹۸۰ء میں ملکی تجارت اور صنعت کی تمام پلان اسکیموں کے مصارف کے لئے ۹۳ء۱۲ کروڑ روپیہ کی رقم رکھی گئی ہے۔

صنعتوں کی لامرکزیت

ریاستی حکومت نے مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن کو کلکتہ اور [illegible] کی صنعتوں کو منتقل اور [illegible] سے صنعتی یونٹوں کو پھیلانے کے ٹیکنیکل اور اقتصادی جائزہ لینے کے لئے حاصل کی [illegible] مغربی بنگال چائے

ترقیاتی کارپوریشن نے چند اور چائے باغات اپنے انتظام میں لے لیا ہے۔ مزید یہاں سالٹ لیک میں ایک نیا الیکٹرونکس کمپلیکس اور کلیانی میں [illegible] کمپلیکس کے قیام نیز شمالی بنگال میں جڑی بوٹیوں اور خوشبودار پودوں کی کاشت کی توسیع کے لئے اقدامات کئے گئے ہیں۔ علاوہ ازیں [illegible] ضلع مرشدآباد میں [illegible] کو دوبارہ چالو کرنے نیز شمالی اور جنوبی بنگال میں معدنیاتی وسائل سے فائدہ اٹھانے کے لئے بھی اقدامات کئے گئے ہیں۔

دوزیلی صحت مرکز

حکومت مغربی بنگال نے ضلع پرولیا میں دوزیلی صحت مرکز قائم کرنے کے لئے منظوری دیدی ہے۔

مالدہ اور بانکوڑا میں سڑکوں کی تعمیر اور درستی کی اسکیمیں

حکومت مغربی بنگال نے [illegible] ترقیاتی پروجیکٹ کے علاقوں کے لئے خصوصی مرکزی امداد کے پروگرام کے تحت مالدہ اور بانکوڑا کے اضلاع میں سڑکوں کی تعمیر، مرمت اور درستی کی اسکیموں پر عملدرآمد کے لئے ۵۲ء۱۱ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ بانکوڑا ضلع میں تالبا ہارے سے گولا تک ایک سڑک زیر تعمیر ہے جس کے مزید ۵ لاکھ روپیہ مخصوص کیا گیا ہے

لودھاؤں کی فلاح اور بہبود

حکومت مغربی بنگال نے ضلع مدناپور میں لودھا قبیلہ کے افراد کی ترقی، موجودہ اور آئندہ اسکیموں کی نگرانی کے لئے ایک لودھا ترقیاتی سیل قائم کرنے کے لئے منظوری دی ہے۔ اس سیل میں ایک چھان بین کرنے والے، ایک سماجی ورکر اور ایک فیلڈ [illegible] ہوں گے۔ یہ سیل ضلع مجسٹریٹ مدناپور کے کنٹرول کے تحت کام کرے گا۔

ہندی کتابچہ ضبط

حکومت مغربی بنگال کے جاری کردہ ایک پریس ریلیز میں بتایا ہے کہ حکومت اترپردیش نے ایک اعلانیہ کے ذریعہ ہندی کتابچہ بعنوان "گاندھی جی کا دھرتی آہنسا" وہر ایک نسخہ نیز ایسی دیگر دستاویزات جن میں ان کی نقل، طبع ثانی ترجمہ یا اقتباسات شامل ہیں، بحق حکومت ضبط کر لی گئی ہیں یہ کتابچہ شری رام سرن داس جی پیپل خانہ ضلع میرٹھ نے لکھا ہے اور اسے شری کانتی پرشاد اگروال رنجیت پوری، میرٹھ کنٹونمنٹ نے شائع کیا ہے یہ کتابچہ اس وجہ سے ضبط کیا گیا ہے کہ اس میں ایسا مواد ہے جو مختلف فرقوں درمیان امن اور میل ملاپ قائم رکھنے کے لئے مضرت رساں ہے۔

سیلاب میں تباہ و برباد اسکولوں کی تعمیر

شری پارتھو ڈے، وزیر برائے پرائمری اور سیکنڈری تعلیم نے حال ہی میں دکھرا ضلع ہگلی میں شری درمنی بالیکا ودیالیہ کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ گرلز اسکول جو پہلے کرشنومنی بالیکا ودیالیہ کے نام سے موسوم تھا ۱۹۷۸ء کے سیلاب میں مکمل طور پر برباد ہو گیا تھا۔ اب یہ اسکول ۱۰ لاکھ روپیہ کی لاگت سے ایک قطعہ آراضی پر جسے اسکول انتظامیہ نے فراہم کیا ہے، رام کرشنا مٹھ اور مشن کے زیر اہتمام دوبارہ تعمیر کیا جا رہا ہے۔ سنگ بنیاد رکھتے ہوئے شری ڈے نے اس سماجی خدمت کے لئے رام کرشنا مشن کا شکریہ ادا کیا۔

اسپتالوں کیلئے ۱۳ ایمبولنس گاڑیاں

حکومت مغربی بنگال نے ریاست کے درج ذیل اسپتالوں کے لئے ۱۳ ایمبولنس گاڑیوں کی خریداری کے لئے ۴ لاکھ روپیہ سے زائد رقم منظور کی ہے۔

۱۔ ایس۔ ایس۔ کے۔ ایم۔ اسپتال کلکتہ ۲۔ آر۔ جی۔ کر اسپتال کلکتہ ۳۔ بیماری پبلک ہیلتھ سنٹر ۴۔ فالاکاٹا دیہی اسپتال جلپائی گوڑی ۵۔ برعگا پیلسا دیہی اسپتال ۲۴ پرگنہ ۶۔ تاکی دیہی اسپتال ۲۴ پرگنہ ۷۔ نکسل باڑی پبلک ہیلتھ سنٹر، جلپائی گوڑی ۸۔ اگرا پبلک ہیلتھ سنٹر، مدناپور ۹۔ ایس ڈی اسپتال درین ہالٹا، کوچ بہار ۱۰۔ ضلع اسپتال ہگلی ۱۱۔ ایچ۔ آر۔ ایس اسپتال۔ پی۔ بسما اسپتال بردوان۔

دیہی علاقوں میں پانی سپلائی اسکیمیں

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ مغربی بنگال میں ضلع مجسٹریٹ، ڈپٹی کمشنر نیز ضلع پریشد کے ایگزیکیٹو افسران ۱۲ ضلعوں کے دیہی علاقوں میں مربوط قبائلی ترقی کے پروجیکٹ علاقوں میں ۸ لاکھ روپیہ کی لاگت سے پانی سپلائی کی اسکیموں پر عملدرآمد کرائیں گے۔ اس پروجیکٹ کیلئے رقم کی منظوری کے ساتھ انتظامی منظوری بھی حکومت نے دیدی ہے۔ اضلاع کے نام یہ ہیں۔ بیربھوم۔ دارجیلنگ۔ جلپائی گوڑی۔ مغربی دیناج پور۔ ۲۴ پرگنہ۔ مرشد آباد۔ مدناپور۔ بانکوڑا۔ مالدہ ہگلی اور پرولیا۔

جھاڑگرام میں ایک نیا مارکیٹ

حکومت مغربی بنگال نے ضلع مدناپور میں جھاڑگرام پولس تھانہ کے تحت موضع جنگل خاس میں ۵۰ ہزار روپیہ کی لاگت سے ایک نیا مارکیٹ جلد ہی تعمیر کیا جائے گا۔

ہوبجنوں کیلئے تعمیر مکانات

کلکتہ کارپوریشن کے ہریجن ملازمین کے لئے کوارٹروں کی تعمیر کے لئے ۴ کروڑ روپیہ کی لاگت کی ایک اسکیم بنائی ہے۔ سال ۸۱-۱۹۸۰ء کے بجٹ میں اس کے لئے پانچ لاکھ روپیہ مخصوص کیا گیا ہے۔

۴۶ء۳ لاکھ روپیہ کی مالیت کی دیا سلائیاں پکڑی گئیں

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ کلکتہ پولیس کی انفورسمنٹ برانچ نے سال رواں کے پہلے پندرہ واڑہ کے دوران چھاپوں میں ۲۵ لاکھ روپیہ سے زائد مالیت کی اشیاء پکڑیں۔ ان میں چاول، کوئلہ مشین کا تیل اور دیا سلائیاں وغیرہ شامل تھیں۔ پولیس افسران نے مہارشی دیبندر روڈ اور تارا چند دت اسٹریٹ میں دو گوداموں پر چھاپہ مارا اور ۴۶ء۲۱ لاکھ روپیہ کی مالیت کی دیا سلائیاں پکڑیں۔ اس سلسلہ میں ایک شخص کو گرفتار کیا گیا۔ مزید براں افسروں نے گوبند آڈی روڈ کے ایک گودام کے ایک خفیہ چیمبر سے مشین کے تیل کا ایک بڑا اسٹاک برآمد کیا۔ پورا اسٹاک پولیس نے اپنے قبضہ میں لیا اور گودام کے مالک کو گرفتار کر لیا۔

درگاپور پروجیکٹس کیلئے ڈائرکٹروں کا نیا بورڈ

حکومت مغربی بنگال نے درگاپور پروجیکٹس لمیٹیڈ کے نئے ممبران پر مشتمل ڈائرکٹروں کا بورڈ مقرر کیا ہے۔ ڈائرکٹروں کے نام یہ ہیں۔ (۱) شری پی آر بالا سبرانیم، سکریٹری پبلک انڈرٹیکنگس، حکومت مغربی بنگال۔ (۲) شری ایس۔ ایس ورما، سکریٹری محکمہ بجلی، مغربی بنگال (۳) شری ڈی۔ ایچ گھوش، مشیر ادارہ جاتی مالیات، حکومت مغربی بنگال۔ (۴) شری ایچ۔ ایچ باسو۔ کول کنٹرولر، حکومت ہند (۵) شری ایس۔ این سین پرنسپل (سبکدوش) سی۔ ای۔ ڈی۔ وی سی۔ (۶) شری ایس کے داس۔ کنٹرولر پبلک انڈرٹیکنگس اور بہ اعتبار عہدہ ڈپٹی سکریٹری، محکمہ پبلک انڈرٹیکنگس، حکومت مغربی بنگال، (۷) شری دلیپ مزمدار ایم۔ ایل۔ اے (۸) شری دیب رنجن سین ایم۔ ایل۔ اے (۹) شری سنیل رنجن سین گپتا، صدر اسٹاف ورکرس ایسوسی ایشن۔ شری بالا سبرانیم بورڈ چیرمین مقرر کئے گئے ہیں۔ مزید براں وہ کمپنی کے منیجنگ ڈائرکٹر کے فرائض بھی انجام دیں گے۔

چھوڑانسر کو مالی امداد

حکومت مغربی بنگال نے پرولیا کے مشہور چھوڑانسر شری گمبھیر سنگھ مورہ کو پرولیا ضلع اسپتال میں ان کے علاج کے لئے ۲ ہزار روپیہ کی مالی امداد منظور کی ہے۔

مندرج فہرست اقوام کے طلبا کیلئے ہوسٹل

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ وزیر ریاست برائے فلاح مندرج فہرست اقوام اور قبائل ڈاکٹر شمبھو منڈی نے آلٹا ڈانگہ میں سی۔ آئی۔ ٹی اسکیم کے تحت ایک پلاٹ میں سدھو کانو چھاترو ابس "کاسنگ بنیاد رکھا۔ شری کانتی بسواس، وزیر ریاست برائے محکمہ اسپورٹ اور فلاح نوجوانان نے جنھوں نے اس تقریب میں بحیثیت مہمان خصوصی شرکت کی، اپنی تقریر میں کہا کہ اگرچہ مندرج فہرست اقوام اور قبائل کی تعداد ہندوستان کی کل آبادی کی چوتھائی کے برابر ہے، تاہم اُن کے اندر تعلیم کی توسیع اور فروغ کے لئے اب تک جو کچھ کیا گیا ہے وہ بہت کم ہے۔ وزیر پرائمری اور سیکنڈری تعلیم شری پارتھو دے نے اپنی صدارتی تقریر میں کہا کہ ہوسٹل کا نام بجا طور پر سنتھال بغاوت کے عظیم سورماؤں سدھو اور کانو کے نام پر رکھا گیا ہے۔ انھوں نے کہا کہ آج تعلیم ایک بہترین ہتھیار ہے جس سے اپنے حقوق کے لئے جد وجہد کی جا سکتی۔ لہذا پس ماندہ طبقوں کو تعلیم کی سہولتیں بہم پہنچانا ضروری ہیں۔

تپ دق کے مریضوں کو ۶۵ء۱ لاکھ روپیہ کی امداد

حکومت مغربی بنگال نے جی۔ کے۔ بھیکا جیسٹ کلینک اور اسپتال یونٹ نمبر II میں حکومت کے نامزد تپ دق کے مریضوں کے علاج کے لئے ۶۲ بلا معاوضہ بستروں کو برقرار رکھنے کے لئے منظوری دیدی ہے گرانٹ کی شرح یکم اپریل ۱۹۸۱ء سے چھ مہینوں تک ۵۳۵ روپیہ فی بستر ہوگی۔ حکومت نے اس مقصد کے لئے ایڈمنسٹریٹر در بند حسب معینہ ڈار گروپ کے اسپتال کو مالی سال رواں کے دوران ۱۶۵۸۵۰ روپیہ کی ادائیگی کے لئے منظوری دیدی ہے۔

ربندرا ناتھ ٹیگور کی چند اہم تخلیقات

۱۸۸۴ء۔ چھوبی او گان ۔ تصویریں اور گیت ۔ نظموں کا مجموعہ کلام ۔
۱۸۹۰ء ۔ دِسار جَون ۔ ایثار ۔ ایک ناٹک
مونتری او بھیشک ۔ وزیر کی تاجپوشی ۔ لارڈ کراس کے
انڈین بل پر تقریر۔ مانوشی‘ دل کی خواہش ۔ نظموں کا مجموعہ۔
۱۸۹۲ء ۔ چترانگدہ ۔ رقص پر مبنی منظوم ڈرامہ ۔
گوڑائے گولوت ۔ بنیاد میں غلطی ۔ ایک کمیڈی ۔
۱۸۹۴ء۔ سونار تاری ۔ سنہری کشتی ۔ نظموں کا مجموعہ
چھوٹو گولپو۔ مختصر کہانیاں ۔ ۱۵ مختصر کہانیوں کا مجموعہ
چترانگدہ او ویدائے ابھی شاپ ۔ چترانگدہ اور رخصتی بد دعا۔
منظوم رقص ۔ ڈرامہ ’ وِچتر گولپو‘ انوکھی مختصر کہانیاں ۔
کوتھا چوستوئے ۔ چار مختصر کہانیاں ۔
۱۹۰۳ء۔ چوکھیر بالی ۔ آشوب چشم ۔ ایک ناول ۔
کاریہ گرانتھو۔ منتخب نظموں، گیتوں اور رقص ۔ ڈراموں کا مجموعہ
سَورون ۔ تعزیت نامہ ۔ اپنی بیوی کی موت پر تعزیتی نظموں کا مجموعہ
شیشو ۔ بچوں کی نظمیں
کرمو پھل ۔ کرنی کا پھل ۔ انتقام کی دیوی‘ ایک کہانی
۱۹۰۶ء۔ بھارت ورش ۔ ہندوستان کی سیاست پر مضامین اور
تقریروں کا مجموعہ
دیش نائیک ۔ سیاسی مضامین
اندراجیت سپن ۔ نصاب کی کتاب
کھیتا ۔ کشتی‘ نظموں کا مجموعہ
نوکا ڈوبی ۔ کشتی کا ڈوبنا‘ ایک ناول

۱۹۱۶ء ۔ شانتی نکیتن
پھاگنی ۔ موسم بہار‘ ڈرامہ
گھورے بائیرے ۔ گھر اور باہر ۔ ایک ناول
سَونچوئے ۔ مضامین کا مجموعہ
پوری پوسے ۔ تعارف ۔ مضامین کا مجموعہ
بلاکا ۔ اڑتی ہوئی راج ہنس‘ نظموں کا مجموعہ
چوتورنگو ۔ چار حصّے‘ ایک ناول
گولپو سوپتک ۔ سات کہانیاں
۱۹۲۹ء۔ سماوایہ نیتی ۔ امداد باہمی کانفرنس میں خطبہ
جاتری ۔ مسافر‘ بیرونی ممالک سے خطوط
پوری تران ۔ پرائشچت‘ کفارہ‘ کا ڈرامائی روپ ۔
جوگاجوگ ۔ رابطہ ۔ ایک ناول
پتولی ۔ سورج کی شعاعیں‘ لڑکی کا نام ۔ ایک ڈرامہ
شیشیر کوتیا ۔ آخری نظم ۔ ایک ناول ۔
ہوا ۔ نظموں کا مجموعہ
۱۹۴۱ء۔ ربندرا رچناولی ۔ حصّہ ششم و ہفتم
آروگیہ ۔ بازیابی ۔ نظمیں
جنم دینے ۔ میری سالگرہ پر نظمیں ۔
شوبھوتار سنکٹ ۔ تہذیب میں بحران‘ مقالہ
گولپو شولپو ۔ مختصر کہانیاں اور بچوں کیلئے نظموں کا مجموعہ
آشرمیر روپ اور ویکاشں ۔ شانتی نکیتن کے اغراض
ومقاصد کی بابت مضامین ۔

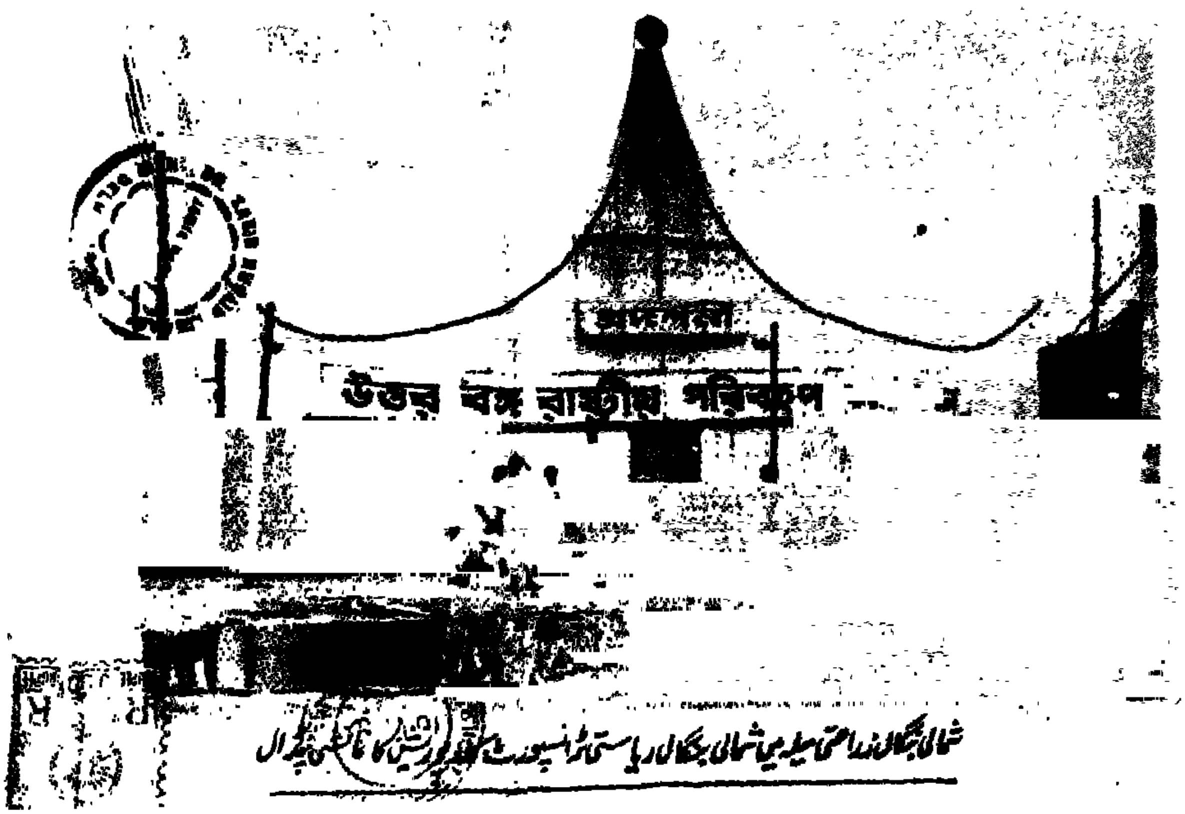
Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

MAGHREBI BENGAL
1st JUNE

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 28 No.
PRICE-11 Paise



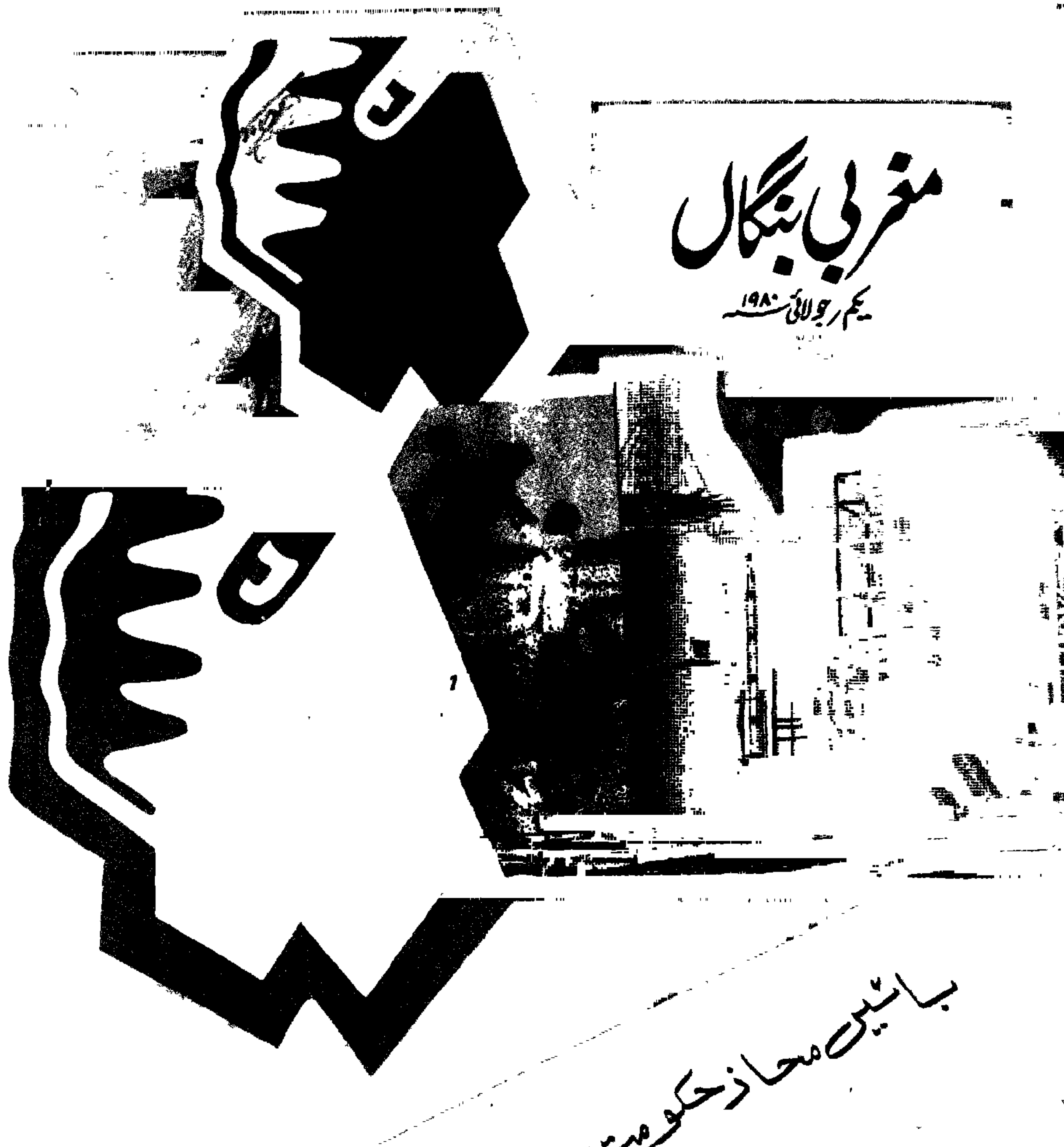
مشرقی ہند ثقافتی ویکجہتی کانفرنس میں منی پوری رقص کا ایک منظر



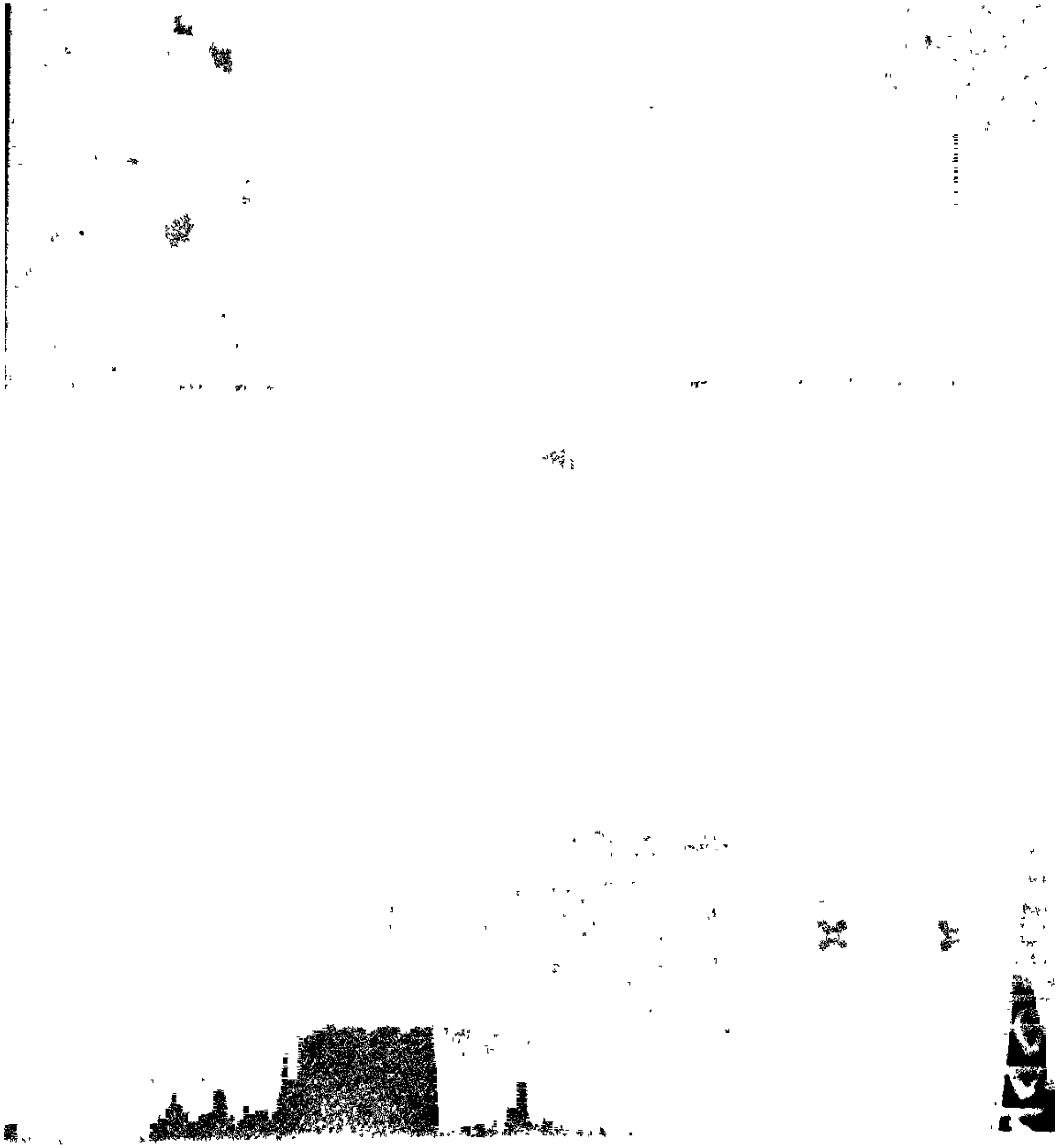
شمالی بنگال زراعتی میلہ میں شمالی بنگال ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن کا پنڈال

مغربی بنگال

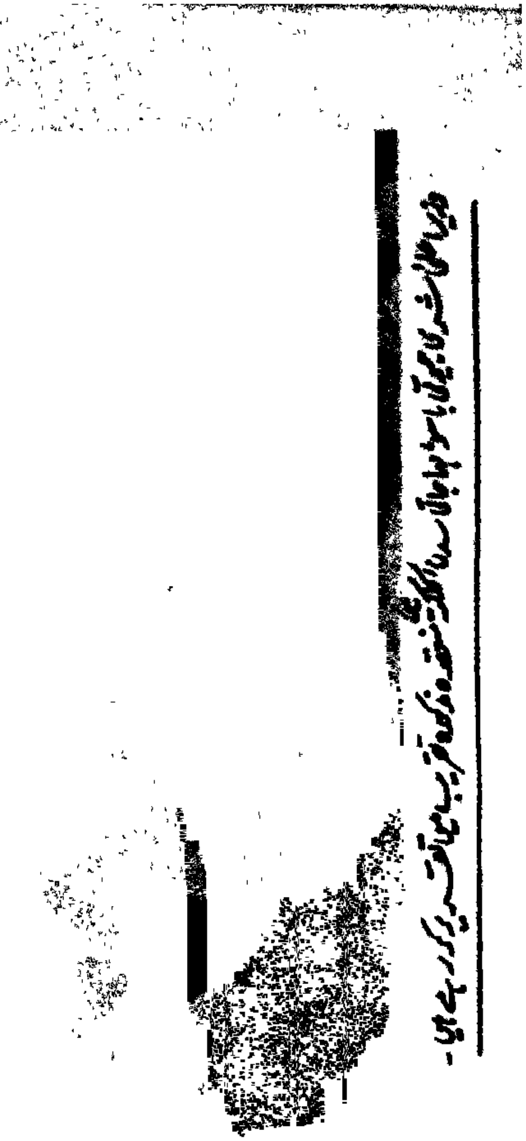
یکم جولائی ۱۹۸۰ء



بائیں محاذ حکومت کے چار برس



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے چار برس مکمل ہونے کے موقع پر ہاجا ہاجاتی سدن، کلکتہ میں منعقدہ تقریب کا افتتاح کر رہے ہیں۔ یہ تقریب ۲۲ جون ۱۹۸۱ء کو منعقد ہوئی تھی۔



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو ہاجا ہاجاتی سدن، کلکتہ منعقدہ مذکورہ تقریب میں تقریر کر رہے ہیں۔

پندرہ روزہ

مدیر اعلیٰ
ایس کے سین گپتا
مدیر معاون
محمد اعظم

مغربی بنگال
کلکتہ

نرخ خریداری
سالانہ - ۳۰ روپئے
قیمت - ۱۲ پیسے

جلد ۲۸	یکم/جولائی سنہ ... ۱۰ اساڑھ شک سمبت سنہ ۱۹۰۳ء	شمارہ ۱۲ و ۱۳

عوام کی بھرپور تائید اور تعاون کے ساتھ حکومت اپنے ۳۶ نکاتی پروگرام کو بروئے عمل لا رہی ہے

مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے چار برس پورے ہونے کے موقعہ پر وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے ۲۱/جون سنہ ۱۹۸۱ء کو آل انڈیا ریڈیو کلکتہ اور دوردرشن، کلکتہ سے ایک تقریر نشر کی۔ اپنے نشریہ میں انھوں نے عوام کو دلی مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ بائیں محاذ حکومت عوام کی سرگرم تائید اور تعاون کے ذریعہ اپنے کئے گئے وعدوں کو پرخلوص طور پر پورا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ انھوں نے اپنی نشری تقریر میں گذشتہ چار برسوں میں بائیں محاذ حکومت کی سرگرمیوں کا اختصار کے ساتھ خاکہ پیش کیا۔ ذیل میں وزیر اعلیٰ کی نشری تقریر کا متن درج ہے۔

مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کے چار سال پورے ہونے کے موقعہ پر میں ذاتی طور پر اور حکومت کی طرف سے اس ریاست کے ساتھ ہی سارے ملک کے عوام کو اپنی نیک خواہشات بھیجتا ہوں اور انھیں دلی مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ عوام کی حمایت اور تعاون کے ذریعہ ہی ہم لوگ اس ریاست کے عوام کی فلاح و بہبود کیلئے اپنے ۳۶ نکاتی پروگرام کو کامیابی کے ساتھ پایہ تکمیل تک پہونچا رہے ہیں۔

یہ بات تو سبھوں کو معلوم ہے کہ موجودہ معاشی۔سماجی حالات میں ہمیں اپنے فرائض کی انجام دہی میں بہت ساری دشواریوں اور پابندیوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ موجودہ حالات کے تحت ایک ریاستی حکومت اس بات کا دعویٰ بھی نہیں کر سکتی کہ اس نے بنیادی تبدیلیاں لانے میں کامیابی حاصل کی۔ بہر حال ہم لوگ عوام سے جن باتوں کا وعدہ کیا تھا انھیں محدود دستوری اختیارات اور مالی پابندیوں کے باوجود پورا کرنے کے لئے تمام ممکنہ اقدامات جو ایسے حالات میں ایک ریاستی حکومت کر سکتی ہے کر رہے

ہیں۔ یہی ہماری پالیسی رہی ہے کہ ان تنظیموں سے جو عوام کے مختلف طبقوں کی نمائندگی کرتی ہیں قریبی رابطہ قائم رکھا جائے تاکہ ہم ان کی ترجیحات کو سمجھ سکیں اور اپنے مسائل اور دشواریوں کی بابت انھیں اپنے اعتماد میں لے سکیں ہم سے کوئی بھی بات پوشیدہ رکھنا نہیں چاہیے۔ مجھے یہ کہتے ہوئے بڑی مسرت حاصل ہو رہی ہے کہ عوام نے بھی ہمارے ساتھ بھرپور تعاون کیا اور اسی تعاون سے اپنی مشکلات پر قابو پانے کے لئے ہم نے طاقت حاصل کی۔

میں اب آپ لوگوں کے سامنے گذشتہ چار برسوں میں اپنی ترجیحات اور کارکردگی کا مختصر خاکہ پیش کروں گا۔ اپنی کارگذاریوں کا جائزہ لیتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ خاص طور پر عوام، پسماندہ اور غریب لوگوں کی فلاح و بہبود کے لئے ہم نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔

دیہی ترقی کے کام کو ہماری حکومت نے اعلیٰ ترجیح دی۔ دیہی علاقوں میں نئے اثاثے تعمیر کئے گئے اور دیہی باشندوں کو سماجی خدمات اور دیگر شہری سہولتیں وسیع پیمانہ پر فراہم کی گئیں۔ ہمارے معاشی پروگرام اس بات

پہنچتا ہے کیونکہ دیہی معیشت میں بہتری لائے بغیر صنعتی ترقی کی رفتار سست ہو جاتی ہے۔ ہمیں اس بات پر پورا یقین ہے کہ بنیادی اصلاحات آراضی کے بغیر ہمارے گاؤں کی حالت میں بنیادی طور پر تبدیلی نہیں لائی جا سکتی۔ اسی لئے ہم موجودہ صورت حال میں بھی اپنے دیہی باشندوں کو امداد فراہم کرنے کے لئے چند اقدامات کر رہے ہیں۔ اس بات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ہم نے لاکھوں بٹائی داروں (بٹائی داروں) کے حقوق کی حفاظت کے لئے، زرعی مزدوروں کے کام کرنے کے حالات میں بہتری لانے، ان کی اجرتوں میں اضافہ کرنے اور کسانوں کو بہتر سہولتیں فراہم کرنے کے لئے اقدامات کئے۔ دوسری طرف ہم لوگوں نے اصلاحات آراضی کے قوانین میں بہت سی خامیوں کو بھی دور کیا۔ ساتھ ہی لگان میں، آسان شرائط پر قرضوں کی فراہمی میں اور کھیتی باڑی کے لئے بہتر ساز و سامان اور دیگر ضروری چیزیں سپلائی کرنے کے لئے بھی نمایاں امداد فراہم کی۔

آپ اس بات سے تو سبھی واقف ہیں کہ ہم نے پنچایت تنظیموں میں نئی جان ڈالی اور ۱۶ برسوں کے بعد ان تنظیموں کے لئے انتخابات کرائے۔ نئی اور نو منتخب پنچایتیں ہمارے گاؤں کی حالت کو بدلنے میں گرانقدر خدمات انجام دے رہی ہیں اور پنچایتوں کے کام کاج کی وجہ سے گاؤں میں غریب اور کچلے ہوئے لوگوں کے حق میں اقتدار اور اختیارات کا توازن بدل گیا۔ اقتدار کی لامرکزیت کے اصولوں کو بروئے عمل لاتے ہوئے نادار لوگوں نے خود اپنے لئے نئے اثاثے تیار کرنے اور اپنے مستقبل کو سنوارنے میں مدد دی۔ غریبوں کی تعمیری توانائی کو نکھارا گیا۔ پنچایتوں نے کام کے بدلے اناج، دیہی کام اور دیہی فر تعمیر جیسے دیگر امور کو کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچایا اور اس کی وجہ سے دیہاتوں میں غریبوں کو مزید تین مہینے کا کام ملا — یہ ایک نمایاں کامیابی ہے۔ ان کے کردار کو سراہتے ہوئے ہم لوگ سیاسی اور انتظامی دونوں سطحوں پر اس بات کی کوشش کر رہے ہیں کہ پنچایتوں میں بدعنوانی نہ ہو۔

۱۹۷۸ء اور ۱۹۷۹ء میں اس ریاست کو قیامت خیز سیلاب اور شدید خشک سالی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے باوجود ۸۱-۱۹۸۰ء زرعی پیداوار ۷۷-۱۹۷۶ء کے مقابلہ میں کافی زیادہ ہوئی۔ درحقیقت اس سال اناج کی پیداوار تقریباً ۹۰ لاکھ ٹن ہوئی اور اس میں دھان کی پیداوار ۷۰ لاکھ ٹن ہوئی جو ایک ریکارڈ ہے۔

صنعتی مزدوروں نے بھی خاص طور پر منظم سیکٹر میں کام کرنے کے بہتر حالات اور بہتر اجرتوں کے لئے اپنی جدوجہد میں نمایاں کامیابی حاصل کی۔ ان لوگوں نے اپنے جمہوری اور ٹریڈ یونین حقوق کو مستحکم بنانے اور ان کی توسیع میں بھی کامیابی حاصل کی اور ٹریڈ یونینوں کی طاقت میں بھی اضافہ ہوا۔ مختلف صنعتوں میں اجرتوں اور بونس کے سلسلہ میں معاہدے ہوئے اور بہت سے کارخانوں میں ہڑتال کئے بغیر صرف مجموعی سودا بازی کے ذریعہ ایسے معاہدے ہوئے۔ ہڑتال، تالہ بندی وغیرہ سے فردی دنوں کے نقصان کی کل تعداد بھی آہستہ آہستہ کم ہوتی جا رہی ہے۔ صنعتی امن کی فضا برقرار رکھی جا رہی ہے۔ ایسا اس لئے ممکن ہو سکا کہ حکومت ٹریڈ یونینوں اور ان کی جائز جدوجہد کی تائید کرتے ہوئے صنعت کے انتظامیہ اور مالکوں کو اس بات پر آمادہ کرنے کی مسلسل کوشش کر رہی ہے کہ وہ مزدوروں کی کم از کم مانگوں کو بروقت تسلیم کر لیں۔ حکومت کی ایک اہم کامیابی یہ بھی ہے کہ اس نے کئی بند اور بیمار صنعتوں کو پھر سے چالو کر دیا اور دیگر بہت سی صنعتوں کو اپنی پیداواری سرگرمیاں جاری رکھنے میں مدد دی۔ ایسے اقدامات کے ذریعہ تقریباً ۱۲ ہزار مزدور پھر سے برسر روزگار ہو گئے اور تقریباً ۲۰ ہزار آسامیوں کا تحفظ کیا گیا۔

اس ریاست میں نئی صنعتی یونٹیں قائم کرنے کے لئے ریاستی حکومت گہری دلچسپی لے رہی ہے۔ ہلدیہ، کھڑگپور اور کلیانی کے صنعتی مرکزوں میں نئی یونٹیں قائم کی جا رہی ہیں۔ لیکن بڑی صنعتی سیکٹر میں ترقی کا انحصار مرکزی حکومت کے تعاون پر ہے۔ ہلدیہ میں پٹرو-کیمیکل کمپلکس قائم کرنے کے سلسلہ میں ہمیں بہت ساری دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا۔ اب اس پروجیکٹ پر ابتدائی کام شروع ہو چکا ہے۔ نیز سالٹ لیک کے علاقہ میں الکٹرانک صنعتی کمپلکس، ہلدیہ میں ٹرک اور ٹریکٹر یونٹ اور جہاز کی مرمت کا کارخانہ اور کوئلہ پر مبنی تھرمل پلانٹس کے قیام کی تجویزوں کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ریاستی حکومت سرگرم کوشش کر رہی ہے۔ لیکن اب ان پروجیکٹوں کی تکمیل کا انحصار مرکزی حکومت کے مختلف شعبوں کے فیصلہ پر ہے۔

چھوٹے پیمانہ کی صنعتوں میں جہاں زیادہ مزدوروں کی ضرورت ہوتی ہے، بھی نمایاں کامیابی حاصل ہوئی ہے۔ ہم نے ایسی صنعتوں کو ترجیح بھی دی ہے۔ ادارہ جاتی، مالیات، مصنوعات کی حفاظت کے ساتھ ساتھ انھیں بازار میں فروخت کرنے کی سہولتوں میں بہتری کی وجہ سے مغربی بنگال

میں گذشتہ چار برسوں میں بڑے اور چھوٹے پیمانے کی صنعت کے سیکٹر میں ۱۴۹۸۷ نئی یونٹیں رجسٹرڈ ہوئیں اور ان میں سے زیادہ تر یونٹیں کلکتہ کے باہر واقع ہیں ۸۰-۱۹۷۹ء اور ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۶۶۴۸ نئی اسکیموں کے لئے تقریباً ۴۲ء۵ کروڑ روپے بطور قرض فراہم کئے گئے۔ اس سیکٹر میں پیداوار میں بھی اچھا خاصہ اضافہ ہوا۔ ہینڈلوم صنعت میں پیداوار میں ۲۰ فی صد اضافہ ہوا۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے گذشتہ چار برسوں میں اس سیکٹر میں ۲ لاکھ سے زیادہ لوگوں کے لئے روزگار فراہم کیا گیا۔

بجلی کے سیکٹر میں مسلسل مسائل کی وجہ سے عوام اور صنعت کو جن دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے، ان سے ہم واقف ہیں۔ اس سیکٹر میں اپنی کارگذاری کو بہتر بنانے کے لئے ہم لوگ مختصر عرصہ اور لمبے عرصہ کے اقدامات کر رہے ہیں۔ ہم نے اس عرصہ میں بجلی کی پیداواری صلاحیت میں ۲۴۰ میگاواٹ کا اضافہ کیا۔ حال ہی میں سنتالڈیہہ میں چوتھی یونٹ نے کام کرنا شروع کر دیا۔ لیکن اس کے باوجود بڑھتی ہوئی مانگوں کو پورا کرنا ممکن نہ ہو سکا۔ بہرحال سنتالڈیہہ میں پیداواری صلاحیت میں مزید اضافہ کرنے کی کوشش کی جا رہی ہیں۔ بجلی بورڈ اس سلسلہ میں بھرپور کوشش کر رہی ہے۔ بنڈیل میں ۲۱۰ میگاواٹ کی پانچویں یونٹ کے جلد چالو ہو جانے کی امید ہے۔ ٹیٹاگڑھ اور کولاگھاٹ پروجیکٹوں پر تعمیراتی کام کی رفتار تیز کر دی گئی ہے۔ حکومت مستقبل کے لئے پروجیکٹوں کو زیادہ اہمیت دیتی ہے، اور موجودہ پلانٹس کی پیداواری صلاحیت میں مزید اضافہ کرنے اور نئے پلانٹس کی تعمیر کے لئے پلان مرتب کرنے کے لئے ایک اسٹیرنگ گروپ قائم کیا گیا ہے۔ ہمیں اس بات کا احساس ہے کہ نہ صرف مغربی بنگال میں بلکہ سارے ہندستان میں بجلی کے موجودہ بحران کے لئے ماضی میں پلاننگ اور سرمایہ کاری کی کمی بہت حد تک ذمہ دار ہے۔

زیادہ سرمایہ کاری، بسوں اور ٹراموں کی تعداد میں اضافہ اور پرائیوٹ سیکٹر میں زیادہ تعداد میں پرمٹ جاری کرنے کے باوجود ٹرانسپورٹ کا مسئلہ دردِ سر بنا ہوا ہے۔ اس صورت حال میں بہتری لانے کے لئے ہم مختصر اور لمبے عرصے کے پروجیکٹوں کو بروئے عمل لا رہے ہیں۔

عوام کو طبی سہولتیں فراہم کرنے کے لئے بڑے پیمانہ پر سرمایہ کاری کی گئی ہیں تاہم اس سلسلہ میں خاطر خواہ ترقی کے لئے ہمیں اب بھی بہت کچھ کرنا ہے۔ ہم لوگ طبی خدمات میں بہتری لانے کے لئے ڈاکٹروں اور متعلقہ ورکروں سے مسلسل بات چیت کر رہے ہیں۔ شہری اور دیہی علاقوں میں پانی کی سپلائی میں نمایاں کامیابی حاصل کی گئی ہے۔

گذشتہ چار برسوں میں تعلیمی میدان میں افراتفری پھیلانے والی طاقتوں کی کامیابی کے ساتھ مزاحمت کی گئی۔ تعلیمی نصاب کو سائنسی اور عوام کی ضرورت کے مطابق بنانے کے لئے ریاستی حکومت بہت سارے اقدامات کر رہی ہے۔ کلاس XII تک تعلیم مفت کر دی گئی۔ ریاست میں یونیورسٹیوں کے انتظامیہ کو جمہوری بنانے کے لئے نئے قوانین نافذ کئے گئے۔

تمام زمروں کے اساتذہ اور طلباء کو بہت ساری مراعات دی گئیں۔ ماہرین تعلیم اور مختلف تعلیمی فورم سے وابستہ لوگوں کی سفارشات کے مطابق مختلف سطحوں پر تعلیمی نصاب کے لئے ریاستی حکومت کی لسانی پالیسی مرتب کی گئی۔ لسانی پالیسی از سرنو اس طرح مرتب کی گئی ہے کہ طلباء اچھے اور سائنسی طریقے سے اپنی مادری زبان اور انگریزی سیکھ سکیں۔ تھیٹر، سینما، ادب اور آرٹس اور تمام ثقافتی سرگرمیوں کی طرف حکومت مرکوز توجہ دے رہی ہے ہم ان طاقتوں کا، جو ہماری ثقافت کو پراگندہ کرنے کی خواہاں ہیں، مقابلہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

شہری ترقی کے لئے بائیں محاذ حکومت کے پروگرام کو پایہ تکمیل تک پہونچانے اور سی ایم ڈی اے کی سرگرمیوں میں تیزی لانے کے لئے مونسپلٹیوں کو زیادہ اختیارات، زیادہ ذمہ داریاں اور زیادہ مالی امداد فراہم کی گئی ہے تاکہ وہ عوام کی فلاح و بہبود کے کام کو بہتر طریقے سے انجام دے سکیں۔

حال ہی میں منعقدہ مونسپل انتخابات سے عوام کی امیدیں اور تمنائیں واضح ہو جاتی ہے۔ ۱۶ برسوں کے بعد ایسے انتخابات ہوئے اور ان سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ بائیں محاذ حکومت جمہوریت کی توسیع کے لئے پرخلوص کوشش کرتی ہے۔

سرکاری اور نیم سرکاری ملازمین اور اساتذہ کے لئے تنخواہ کمیشن کی سفارشات کے سلسلہ میں حکومت کے فیصلوں کو عوام نے کافی سراہا۔ موجودہ ریاستی حکومت نے بہت حد تک سرکاری ملازمین کے جمہوری حقوق کی توسیع کی۔

جمہوریت کے تحفظ اور اس کی توسیع کے لئے بائیں محاذ

حکومت نے اپنے وعدوں کو پورا کیا۔ بہت سارے طریقے سے اس بات کو ثابت کر دیا گیا ہے۔ پنچایت اور میونسپلٹی انتخابات، ساتھ ہی حالیہ ضمنی انتخابات، جو پُر امن فضا میں منعقد ہوئے، اس بات کے شاہد ہیں کہ عوام جمہوری اصول کو برقرار رکھنے کے خواہاں ہیں اور حکومت بھی اس مقصد کے لئے عوام کی پر خلوص مدد کر رہی ہے۔

ضمنی انتخابات سے ہماری حکومت پر عوام کے از سر نو اعتماد کا اظہار ہوتا ہے۔ ہماری کارگذاریوں کے چار برس کے پورے ہونے کے بعد عوام کے اعتماد نے ہماری ذمہ داری کو اور بھی بڑھا دیا ہے اور عوام کا تعاون کو پورا کرنے کیلئے ہم اور بھی زیادہ توانائی سے کام کریں گے

ہم نے امن و امان کی صورت حال پر کڑی نظر رکھی ہے۔ ہماری ریاست فرقہ وارانہ فسادات سے پاک ہے۔ ہمارے یہاں ہریجنوں اور اقلیتوں پر حملے نہیں ہوتے۔ ہم لوگ رجعت پسندوں کے خلاف چوکسی کر رہے ہیں۔ لیکن موجودہ معاشی سماجی حالات میں چند مجرمانہ سرگرمیاں تو جاری رہیں گی۔ ہم لوگ تمام ممکنہ طریقوں سے ان مجرمانہ سرگرمیوں کی روک تھام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ہم لوگ مسلسل طور پر پولیس کو اس بات کی ہدایت دے رہے ہیں کہ وہ اپنے نظریہ میں تبدیلی لائے، عوام کے جمہوری حقوق کی حفاظت کرے، ڈسپلن کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے اور سماج دشمن عناصر اور مجرموں سے سختی سے پیش آئیں۔

ملک کی سالمیت اور اتحاد کو برقرار رکھنے اور انھیں مستحکم بنانے کے لئے ہم نے بارہا اپنے نظریہ کا اعلان کیا ہے۔ ہم اقلیتوں کے مفادات کا خاص طور پر خیال رکھتے ہیں۔ مذہبی، لسانی اور ذات پات کی بنیاد پر لوگوں کو تقسیم کرنے کی خواہاں طاقتوں کو ہم سر اٹھانے کا موقع نہیں دیں گے۔ اس سلسلے میں ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ قومی یکجہتی کے مفاد کی خاطر ہمارے جمہوری وفاقی نظام سیاست کی روایت کو برقرار رکھنا چاہئے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھ کر ہم مرکز۔ ریاست تعلقات پر از سر نو جائزہ لینے پر اصرار کر رہے ہیں۔

ہماری حکومت گذشتہ چار برسوں کا تجربات حاصل ہوتے [illegible] کئے جانے والے اقدامات [illegible] کی کوشش کر رہی ہے [illegible]۔ ہمیں یقین ہے کہ آنے والے دنوں میں بھی عوام ہمارا ساتھ دیں گے۔ ہم عوام سے کہنا اور سرکاری ملازمین سے خصوصاً اس بات کی اپیل کرتے ہیں کہ وہ اور بھی زیادہ خلوص اور ذمہ داری کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیں۔

اختتام میں، میں عوام کو اس بات کا یقین دلاتا ہوں کہ ہماری حکومت اپنے کئے گئے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے پُر خلوص کوشش کرتی رہے گی۔

بقیہ: سعادت حسن منٹو

نہیں ہوتیں۔ بلکہ خود ادب ہوتا ہے اور اُن کی مدد سے ہی اس مخصوص فنکار کے فن کو سمجھا جا سکتا ہے۔ لیکن افسوس کہ بیشتر لوگوں نے نہ انہیں سمجھا اور منٹو کے افسانوں کو بلکہ اس کا احتساب ان لوگوں کے سپرد کیا گیا۔ جن کا کام عدالت کی کرسی پر وہ کام کرنا تھا جو سبزی فروش اپنی دوکانوں میں صرف ترازو کے دو پلڑوں کو برابر کرتا رہتا ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو نہ ادب سے واقف تھے اور نہ ہی زندگی سے۔ ٭

مچھلی پالن اسکیم

حکومت مغربی بنگال نے مربوط قبائلی ترقیاتی پروجیکٹ کے علاقوں کے لئے خصوصی مرکزی امداد کے پروگرام کے تحت ریاست کے ۱۲ ضلعوں میں مچھلی پالن کی اسکیموں پر سنہ ۸۲-۱۹۸۱ء کے دوران عمل درآمد کے لئے ۸ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ ان اضلاع کے نام یہ ہیں۔ بردوان۔ بیربھوم ۲۴ پرگنہ مغربی دیناج پور، جلپائی گوڑی۔ دارجلنگ۔ بانکوڑا۔ مدناپور۔ ہگلی مرشد آباد، ندیا اور پورلیا۔ اس رقم میں سے جلپائی گوڑی کو ۵۲ ر ۱ لاکھ روپیہ پورلیا کو ۳۶ ر ۱ لاکھ روپیہ اور مدناپور کو ۶۰ ر ۱ لاکھ روپیہ الاٹ کیا گیا ہے۔ مچھلی پالن کی اسکیموں کے تحت قبائلیوں کو مچھلی پالن کی ٹریننگ دینے، افراد کو مچھلی پکڑنے کے جال اور دیگر ساز و سامان کی خریداری کے لئے ۵۰ فیصدی امداد دینے نیز اجتماعی ترقی بلاکوں [illegible] کو ترقی دینے کی تجویز ہے۔

بائیں محاذ حکومت کے چار برس

معاشی منظر

گذشتہ چار برسوں میں بائیں محاذ حکومت کی کامیابیوں کا جائزہ لینے سے قبل یہ نہایت ضروری ہے کہ ہم دو باتوں کو یعنی ماضی کے مایوس کن ورثہ اور پابندیوں، جن سے ہم فی الحال دوچار ہیں، پیش نظر رکھیں۔ ہمیں ماضی سے ورثہ میں جو چیزیں ملی ہیں، ان کی بابت بہت کچھ کہا گیا ہے۔ اب ان کے سلسلہ میں زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں ہے لیکن گذشتہ چار برسوں میں بائیں محاذ حکومت کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے سے قبل ان پابندیوں کی بابت کچھ کہنا ضروری ہے۔

یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ موجودہ دستوری گنجائش کے تحت ایک ریاستی حکومت کے مالی اختیارات بہت ہی محدود ہوتے ہیں۔ اس کے باوجود بائیں محاذ حکومت نے گذشتہ چار برسوں میں جتنی ترقی کی ہے، وہ کچھ حد تک باعث اطمینان ہے۔ سنہ ۱۹۷۷-۷۸ء میں ریاستی بجٹ میں مصارف کا تخمینہ ۶۶٫۷ کروڑ روپیہ تھا۔ موجودہ سال میں یعنی سنہ ۱۹۸۰-۸۱ء میں یہ مصارف بڑھکر ۱۵۸۵ کروڑ روپے ہو گئے۔ مصارف کی اس کثیر رقم کا زیادہ تر حصہ ترقیاتی کاموں پر خرچ کیا جا رہا ہے۔ سنہ ۱۹۷۶-۷۷ء میں ۶۶۷ کروڑ روپیے کے مصارف میں سے صرف ۲۰۴ کروڑ روپیے پلان کے لئے مختص کئے گئے تھے اور اس طرح غیر منصوبہ بند اور منصوبہ بند اخراجات کا تناسب ۳:۱ (یعنی غیر منصوبہ بند اخراجات ۳ اور منصوبہ بند اخراجات ۱) تھا۔ لیکن سنہ ۱۹۸۰-۸۱ء میں پلان کے اخراجات ۵۲۳ کروڑ روپیے تھے اور غیر منصوبہ بند اور منصوبہ بند اخراجات کا تناسب گھٹ کر ۲:۱ ہو گیا۔

ریاستی پلان کے مصارف، مع پبلک انڈرٹیکنگس کے مصارف کا تخمینہ سنہ ۱۹۸۰-۸۱ء میں بڑھکر ۵۸۰ کروڑ روپیہ ہو گیا۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ گذشتہ چار برسوں میں پلان کے مصارف میں تقریباً تین گنا اضافہ ہوا۔ بائیں محاذ حکومت نہایت ہی انکساری سے اس بات کا دعویٰ کر سکتی ہے کہ ایک ریاستی حکومت کے لئے یہ ایک انوکھا کارنامہ ہے۔ ریاستی حکومت اپنے اس مقصد پر اٹل ہے کہ وہ اس ریاست میں ترقیاتی سرگرمیوں کا مسلسل توسیع کرتی رہے گی۔ اس بات کے باوجود کہ ریاستی حکومت کے وسائل محدود ہیں اور یہ کہ ریاستی پلان کے لئے مرکزی امداد گھٹتی ہی جا رہی ہے، ریاستی حکومت نے اپنے مقصد کی بر آوری میں خاطر خواہ کامیابی حاصل کی ہے۔

ریاستی حکومت کی سرگرمیوں میں توسیع اور تیزی کی وجہ سے کل ریاست کے لوگوں کو کافی فائدہ پہونچا۔ پہلی بار سرکاری اخراجات کا فائدہ لاکھوں دیہی عوام کو مع بے زمین مزدور، برگدار، چھوٹے اور درمیانی درجہ کے کسان کو پہونچا۔ حکومت کے ترقیاتی اقدامات سے چھوٹے کاریگروں، صنعت کاروں، جو بیمار صنعتوں کے احیا نو کے لئے کوشش کر رہے یا جو نئی صنعتی یونٹیں کھولنا چاہتے ہیں، لاکھوں لاکھ اسکول کے طلباء کو، جن کے لئے ہائیر سکینڈری تک تعلیم مفت کر دی گئی اور جن کی بڑی اکثریت کے لئے اسکول میں دن کا کھانا، اسکول یونیفارم اور نصاب کی کتابیں مفت سپلائی کی جاتی ہیں، فائدہ پہونچا۔ نیز پنچایتوں کے ذریعہ دیہی ترقیاتی کام میں بڑی تیزی آ گئی۔ اس سے دیہی باشندوں کو کافی فائدہ پہونچا، ساتھ قبائلیوں اور پہاڑی علاقہ کے لوگوں کو بھی بہت ساری سہولتیں فراہم کی گئیں۔ دیہی اور شہری علاقوں میں پانی کی سپلائی میں بہتری کی گئی اور وہاں صحت عامہ کی بہتر سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔ آرٹ اور ثقافتی سرگرمیاں بھی تیز ہو گئی ہیں۔ سرکاری ملازمین اور تعلیمی اداروں کے اساتذہ اور غیر تدریسی اسٹاف، مونسپل ملازمین اور دیگر ملازمین کی جنہیں حکومت سے تنخواہ ملتی ہے، تنخواہوں میں کافی اضافہ ہوا۔

مرکزی حکومت۔ جس کا منصوبہ بندی کمیشن ایک جزو محض ہے۔ جن پالیسیوں کو بروئے عمل لا رہی ہے، ان کی وجہ سے بائیں محاذ حکومت کو بہت ساری رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ریاستی حکومت نے سنہ ۱۹۷۹-۸۰ء اور سنہ ۱۹۸۰-۸۱ء کے درمیان منصوبہ کے مصارف میں ۱۰۰ کروڑ روپئے کا اضافہ کیا، لیکن اب منصوبہ بندی کمیشن اس بات پر اصرار کر رہا ہے کہ آئندہ سال کے لئے ریاستی منصوبہ کے مصارف میں صرف ۹۰ کروڑ کا اضافہ ہونا چاہئے اور اس میں پہاڑی علاقوں کی ترقی اور قبائلی فلاح و بہبود کے کام جیسے خصوصی پروجیکٹوں کے لئے

[illegible] امداد کی رقم بھی شامل ہوگی

ایک طرف تو بائیں محاذ حکومت کی اس تجویز کو کہ اس ریاست کے منصوبے کے مصارف کا تخمینہ ۵۰۰۰ کروڑ روپیہ ہونا چاہئے انتہائی حد تک کم کر دیا گیا ہے تو دوسری طرف ایک ریاست کو جس کی آبادی مغربی بنگال کی آبادی کے نصف سے بھی کم ہے، مغربی بنگال کے منصوبے سے بڑا منصوبہ مرتب کرنے کی اجازت دی گئی۔

مغربی بنگال واحد ریاست ہے جس کے منصوبہ برائے ۸۲-۱۹۸۱ء کیلئے مرکز کا امداد ۱۹۱ کروڑ روپئے سے گھٹا کر ۱۰۰ کروڑ روپئے کر دی گئی ہے۔ اس سلسلہ میں ایک اور قابل ذکر مثال یہ ہے۔ مشرقی اور شمال مشرقی علاقوں میں بجلی کی شدید کمی ہے تاہم چھٹے پنجسالہ منصوبہ میں ان علاقوں کے لئے بجلی کی پیداواری صلاحیت میں توسیع کرنے کے لئے سب سے کم گنجائش رکھی گئی ہے

ان کے علاوہ مرکز نے اور بھی بہت سارے اقدامات کئے جن کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ ریاستوں کے محدود اختیارات میں اور بھی کمی ہوگئی۔ نئی صنعتوں نیز کھولنے یا بیمار صنعتوں کے احیاء کے لئے مرکز کا تعاون عموماً مایوس کن رہا ہے۔ ہلدیہ میں جہاز مرمت کے کارخانہ یا سالٹ لیک میں الیکٹرونک پروجیکٹ کے قیام کے لئے ماضی میں کئے گئے وعدوں کو اب تک پورا نہیں کیا گیا۔ ساتھ ہی ہلدیہ میں ہمارے پیٹرو کیمیکل کمپلکس کے لئے مرکز نے چھٹے پنجسالہ منصوبہ میں رقم مختص نہیں کی حالانکہ بہت ساری ریاستوں میں اس طرح کے پروجیکٹوں کے لئے گنجائش رکھی گئی ہے۔

لیکن ان تمام دشواریوں اور رکاوٹوں کے باوجود ریاستی حکومت نے کئی ایک ٹیکس کے اقدامات کر کے اندرونی وسائل اکٹھا کر رہی ہے ساتھ ہی اس بات کا خیال رکھا گیا ہے کہ اس ریاست کے عام لوگوں پر ٹیکس کا فاضل بار نہ گرے، کیونکہ اس ریاست کے عوام مرکز کی قیمت اور ٹیکس کی پالیسیوں سے بہت زیادہ پریشان حال ہیں۔ حالیہ برسوں میں ریاستی حکومت نے چھوٹی بچت کے میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔ ۷۷-۱۹۷۶ء میں چھوٹی بچت کے تحت ۴۲ کروڑ روپئے جمع ہوئے تھے۔ لیکن ریاستی حکومت کی مرکزی مہم کی وجہ سے اس کے مد کے تحت ۷۹-۱۹۷۸ء، ۸۰-۱۹۷۹ء اور ۸۱-۱۹۸۰ء میں علی الترتیب ۷۸ کروڑ روپئے ۱۱۳ کروڑ روپئے اور ۱۴۲ کروڑ روپئے اکٹھا کئے گئے۔

مرکز کی بار بار قیمتوں میں اضافہ کرنے کی پالیسی نے ریاستی حکومت کو بڑی دشواری ہو رہی ہے۔ بہت ساری چیزوں پر بالواسطہ ٹیکس میں اضافہ کرنے کے ساتھ ساتھ حالانکہ ایسے اضافہ سے غریب اور درمیانی درجہ کے لوگ بُری طرح متاثر ہوتے ہیں، مرکزی حکومت نے چند بنیادی چیزوں جیسے چینی، کوئلہ، کراسن تیل، ڈیزل تیل، لوہا اور اسپات کی قیمتوں میں اضافہ کرنے کے لئے بہت سارے انتظامی اقدامات کئے۔ ان اقدامات کے پس منظر ہم اس بات کی مرکز سے مسلسل درخواست کر رہے ہیں کہ وہ سارے ملک میں یکساں قیمتوں پر ۱۴ اہم لازمی اشیاء کی تقسیم اور عوامی نظام تقسیم کو توسیع کرنے پر اپنی رضامندی کا اظہار کرے۔ بدقسمتی سے اس سلسلہ میں اب تک کچھ نہیں کیا گیا۔

لیکن بائیں محاذ حکومت نے اپنے طور پر عوامی نظام تقسیم کیلئے مضبوط سعی الامکان کوشش کی ہے۔ بہت ساری پابندیوں جو ریاستی حکومت کے اختیار سے باہر ہیں، کے باوجود اس ریاست میں قیمتوں کی مجموعی صورت حال دیگر ریاستوں کے مقابلہ میں بہتر ہے۔ لازمی چیزوں کی خریداری کرنے والی اہم ایجنسیوں جیسے ریاستی شعبہ خوراک و رسد اور لازمی اشیاء کارپوریشن، نے بائیں محاذ حکومت کے برسر اقتدار آنے کے قبل کے سال میں صرف ۳ کروڑ روپئے کی خریداری کی، لیکن اب ان کی سرگرمیوں میں اضافہ ہو گیا اور انھوں نے ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۱۰۰ کروڑ روپئے کے اناج اور دیگر لازمی اشیاء خریدیں۔ ۸۲-۱۹۸۱ء میں ان کا پروگرام ۱۵۰ کروڑ روپئے کا ہے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ۱۹۷۸ء میں قیامت خیز سیلاب کے دوران اور اس کے بعد بھی خوراک کی تلاش میں دیہی علاقوں سے لوگ کلکتہ نہیں آئے۔

بہت ساری دشواریوں کے باوجود اس ریاست میں کھلے بازار میں چینی کی قیمتیں بمبئی اور دلی کے بازاروں کے مقابلے میں کم رکھی گئی ہے حکومت نے کنٹرول کے کپڑے اور جنتا کپڑے کی تقسیم کا ایک نظام رائج کیا ہے۔ اس قسم کے ۷۵ فی صد کپڑے دیہی علاقوں میں اور ۲۵ فی صد شہری علاقوں میں تقسیم کئے جا رہے ہیں۔ آئل انڈیا نے ہائی اسپیڈ ڈیزل اور کراسن تیل کی الاٹمنٹ اور سپلائی میں کافی کمی کر دی۔ اس لئے اس بات کی روک تھام کرنے کے مد نظر ان دو چیزوں میں ذخیرہ اندوزی اور کالا بازاری نہ ہو، مغربی بنگال واحد ریاست ہے جس نے ان دو چیزوں کی بذریعہ راشننگ تقسیم کا انتظام کیا ہے۔

اس ریاست کی صنعتی نشو ونما کے رو بہ انحطاط رجحانات کو دور کرنے اور نئے صنعتی پروجکٹوں کیلئے زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری کرنے کے لئے بھرپور کوششیں کی جارہی ہیں۔ پہلی بار مغربی بنگال نے ایک واضح صنعتی پالیسی وضع کی ہے جس میں ایسی ترجیحی خام اشیاء کی تیاری پر زور دیا گیا ہے جو درمیانی اور چھوٹے درجہ کی صنعتوں کی ترقی میں معاون ثابت ہوں گی اور اس طرح روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم ہوں گے۔

مغربی بنگال بڑھاوا اسکیم ۱۹۷۸ء کے تحت، جو یکم اکتوبر ۱۹۷۸ء سے نافذ ہو گئی ہے اور جس نے ۱۹۷۱ء کی اسکیم کی جگہ لے لی ہے تمام سیکٹروں میں۔ عوامی، مشترکہ اور غیر سرکاری۔ زیادہ سے زیادہ سرمایہ کاری کے لئے بہت ساری رکاوٹوں کے باوجود ریاستی حکومت نے سرمایہ کاری کی فضا میں کافی بہتری لائی ہے۔ نئی صنعتی یونٹیں قائم کرنے کے لئے درخواستوں کی تعداد میں اضافہ، منظور شدہ صنعتی پروجکٹوں کو تیزی سے پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے رجحانات، زیادہ سے زیادہ ادارہ جاتی مالیات کی فراہمی اس ریاست میں جوئنٹ اسٹاک کمپنیوں کے اداشدہ حصص سرمایہ میں اضافہ اور چالو رجسٹرڈ کارخانوں کی تعداد میں اضافہ وغیرہ گذشتہ چار برسوں کے دوران میں اہم کارنامے ہیں۔ ۲۲ر جون ۱۹۷۷ء اور ۳۰ر اپریل ۱۹۸۱ء کے درمیان ۵۱۴ پروجکٹوں کے لئے منظوری حاصل ہوئی۔ ان پر تقریباً ۹۰۰ کروڑ روپئے کی سرمایہ کاری ہوگی۔ اس میں ۴۲۸ کروڑ روپئے کے ہلدیہ پٹرو۔کیمیکل کمپلکس شامل ہے۔ اس پروجکٹ کے چالو ہو جانے سے یہاں کے لوگوں کو کافی فائدہ پہونچیگا۔

ریاستی بڑھاوا اسکیم کے تحت مغربی بنگال صنعتی ترقیاتی کارپوریشن نے بڑے اور درمیانی درجہ کی ۱۷۲ موثر صنعتی یونٹوں کو ۲۹ر۵۲ کروڑ روپئے بطور قرض فراہم کئے۔ یکم اپریل ۱۹۷۷ء سے ۳۱ر مارچ ۱۹۸۰ء تک مرکزی مالیاتی اداروں نے ۳۶۵ کروڑ روپئے منظور کئے اور اس ریاست میں واقع صنعتوں کو ۲۴۴ر۸۳ کروڑ روپئے فراہم کئے۔ اس عرصہ میں اس ریاست میں جوئنٹ اسٹاک کمپنیوں کے اداشدہ حصص سرمایہ میں ۸۷ر۸۴ کروڑ روپئے کا اضافہ ہوا۔ ۸۰-۱۹۷۹ء کے مالی سال میں اس ریاست میں منظم سیکٹر میں روزگار کے مواقع میں ۳۴۰۰ کا اضافہ ہوا۔

مارچ ۱۹۸۱ء تک ویسٹ بنگال انڈسٹریل انفرا اسٹرکچر ڈیولپمنٹ کارپوریشن نے ہلدیہ، کلیانی، کھڑگپور، جھاڑگرام، انسگڑھ اور سانی نگر کے نئے صنعتی اسٹیٹ کے لئے ۴۲۱ ایکڑ قطعات آراضی حاصل کئے اور ان ہی سے ۳۹۹ ایکڑ قطعات آراضی ان مرکزوں میں قائم کردہ چھوٹی اور درمیانی صنعتی یونٹوں کو دئے۔

دیگر ادارے جیسے مغربی بنگال الیکٹرانکس صنعت ترقیاتی کارپوریشن، مغربی بنگال دواسازی اور فائٹو کیمیکل ترقیاتی کارپوریشن، مغربی بنگال معدنیات ترقیاتی اور تجارتی کارپوریشن اور سنکونا اور ادویہ کے دیگر پودوں کی نظامت وغیرہ۔ ان تمام اداروں نے صنعتی پیداوار میں اضافہ کرنے اور روزگار کے زیادہ مواقع فراہم کرنے کے لئے اپنی سرگرمیاں تیز کردی ہیں۔

مصنوعی طریقے سے تیل، میتھانول اور صنعتی گیس تیار کرنے کیلئے تکنکی۔ معاشی امکانات کا جائزہ لینے اور اس سلسلہ میں ایک پلان مرتب کرنے کے لئے مغربی بنگال صنعتی ترقیات کارپوریشن کے کوئلہ پر مبنی ایندھن اور کیمیاوی ڈویژن کی خدمات حاصل کی جارہی ہیں۔

اس دوران ریاستی حکومت نے مزید دو چار چائے باغات کا انتظام اپنے ہاتھ لے لیا، نیز سالٹ لیک، کلکتہ میں ایک نیا الیکٹرانکس کمپلکس اور کلیانی میں دواسازی کے کارخانے قائم کرنے اور بیلڈانگہ مرشد آباد میں چینی مل کو پھر سے چالو کرنے کے لئے اقدامات کئے گئے۔

یہاں یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ جہاں تک دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتوں کا تعلق ہے تو ان کی راہ میں بڑی اور اجارہ دار صنعتی تنظیمیں سب سے بڑی رکاوٹیں ثابت ہو رہی ہیں۔ یہ نہایت ہی غیر مساوی مسابقت پیدا کرتی ہیں اور اسی لئے دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتی یونٹیں اس کا مقابلہ نہیں کرسکتیں۔ خام اشیاء، وسائل، سرمایہ اور بازار کے لئے دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی یونٹوں کو بڑی صنعتوں اور مہاجنی طبقوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے اور اکثر یہی انحصار انھیں ترقی کرنے نہیں دیتے۔

یہ بڑی عجیب بات ہے کہ بیورو آف پبلک انٹرپرائزز کی واضح ہدایات کے باوجود مرکزی حکومت کی تنظیمیں اس معاملہ میں دست تعاون بڑھانے میں دلچسپی نہیں لیتیں۔ ایسٹرن کول فیلڈس، ہندوستان فرٹیلائیزرز کے علاوہ دیگر مرکزی یونٹیں درگاپور۔

آسنسول صنعتی علاقہ میں معاون صنعتوں کی ترقی کے لئے کوشش نہیں کر [illegible]

ان کٹھن حالات میں بائیں محاذ حکومت نے گزشتہ چار برسوں میں موثر اقدامات کئے انتھک کوششوں کے بعد ریاستی حکومت نے بنکوں سے ۲۱ر۴۵ کروڑ روپیہ ۴۸۶۶ یونٹوں کے لئے بطور قرض حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ اس کی وجہ سے اضلاع میں ۴۹۵۰۴ روزگار کے مواقع فراہم ہوئے۔

ریاستی حکومت کے دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی صنعت نے ۸۱-۷۷ء کے دوران دیہی اور چھوٹے پیمانہ کی ۲۹۴۰ یونٹوں کو ۱ر۸۵ کروڑ روپئے بطور قرض فراہم کئے حالانکہ ۷۷-۷۶ء میں ان یونٹوں کو صرف ۷۰ لاکھ روپئے بطور قرض دئے گئے تھے۔ اس اقدام سے ۱۹۸۸۲ افراد برسر روزگار ہوئے۔ مغربی بنگال کھادی اور دیہی صنعت بورڈ نے ۸۱-۷۷ء کے دوران دیہی صنعتوں کو ۲ کروڑ روپئے بطور امداد و قرض دئے اور اس کی وجہ سے تقریباً ۲۸۰۰۰ افراد برسر روزگار ہوئے۔ آج کلکتہ کے علاوہ دیگر ۱۵ ضلعوں میں ۱۰۴۹۵ چھوٹی یونٹوں میں جہاں ۵۴۰۱۳ افراد برسر روزگار ہیں، پیداواری سرگرمیوں میں کافی تیزی آگئی ہے۔

ہینڈلوم صنعت کا اہم مسئلہ خام اشیاء ہے۔ ریاستی حکومت کو خام اشیاء کی سپلائی اور قیمت پر کوئی اختیار نہیں ہے۔ اس کے باوجود گذشتہ سال رجسٹرڈ شدہ ۲۰۳ حاشیائی سوسائٹیوں میں ۵۶ کوآپریٹو سوسائٹیوں میں پیداواری کام شروع کیا گیا ہے۔

گذشتہ چار برسوں میں کوآپریٹو سیکٹر کی سرگرمیوں میں کافی تیزی پیدا ہوئی۔ کوآپریٹو سوسائٹیوں کی تعداد اور ان کے ممبروں کی تعداد میں کافی اضافہ ہوا۔ ۷۷-۷۶ء میں اس ریاست میں رجسٹرڈ کوآپریٹو سوسائٹیوں کی تعداد ۲۰۳۲۸ اور ان کے ممبروں کی تعداد ۴۴ر۲۱ لاکھ تھی جو ۸۰-۷۹ء میں بڑھ کر علی الترتیب ۲۰۶۴۴ اور ۵۷ر۵۶ لاکھ ہوگئی۔ ان سوسائٹیوں میں سماج کے کمزور طبقوں کو شامل کرنے کے لئے عام ممبر بننے کی اسکیم رائج کی گئی۔ اس اسکیم کے تحت حکومت فی کس ۱۰۰ روپئے بطور گرانٹ دیتی ہے اور اس طرح کوآپریٹو سوسائٹی کا ایک حصہ خرید کر ایک غریب آدمی خود بخود ممبر بن سکتا ہے۔

معیار کے لحاظ سے بھی بائیں محاذ حکومت کی لیبر پالیسی اور پروگرام میں کافی بہتری ہوئی ہے۔ سب سے پہلے ریاستی حکومت نے اس بات کی کوشش کی کہ ٹریڈ یونین بالحاظ نظریہ اور سیاسی وابستگی اپنا کام مکمل آزادی کے ساتھ کر سکے اور ان کے کام کاج میں پولس اور سماج دشمن عناصر مداخلت نہ کر سکے۔

ہزاروں مزدور اور ملازمین کو جنھیں ایمرجنسی کے دوران برطرف کر دیا گیا تھا، ساتھ ہی ان تمام افراد کو جو ۱۹۷۲ء سے اپنی ڈیوٹی پر جا نہ سکے کیونکہ اس وقت حالات ہی کچھ ایسے تھے، دوبارہ کام پر بحال کر دیا گیا۔ ریاستی حکومت محنت کش طبقہ کے کام کی اور کام کرنے کے حالات میں بہتری کے لئے ان کی جدوجہد کی ہمیشہ تائید کرتی ہے اور ان کے لئے دست تعاون بڑھاتی ہے اور اس طرح ایک مضبوط اور صحت مند ٹریڈ یونین تحریک کی ترقی کی ہمت افزائی ہوتی ہے۔

محنت کش طبقہ کو بونس بحال کرنے کے لئے حسب ضروری اقدامات کئے گئے اور بہت سارے کیسوں میں ریاستی حکومت کی مرتب کردہ ہدایتوں کے مطابق محنت کشوں کو بونس ملا۔ یہ حقیقت ہے کہ گذشتہ چار برسوں میں صنعتی امن اور ہم آہنگی کے میدان میں نمایاں کامیابی حاصل ہوئی۔ انجینئرنگ صنعت، ٹیکنکل صنعت، سوتی کپڑے کی صنعت، چائے باغات جیسی اہم اہم صنعتوں میں مالکوں اور مزدوروں کے درمیان مصالحت ہوگئی اور اس سے ۱۰ لاکھ صنعتی مزدوروں اور ملازمین کو فائدہ پہونچا۔ اس بات کا سہرا بائیں محاذ حکومت کے سر ہے کہ صنعتی تنازعات کے سمجھوتہ کے لئے مصالحت اور مجموعی سودا بازی موثر ہتھیار ثابت ہوئیں، اور صنعتی مزدوروں اور ملازمین نے بھی مشکل صورت حال میں غیر معمولی ضبط و تحمل کا مظاہرہ پیش کیا۔

بائیں محاذ حکومت نے سرکاری اور سرکاری امداد پانے والے اداروں کے ملازمین کی تنخواہ اور بھتہ کے نئے ڈھانچہ کی بابت دوسرے تنخواہ کمیشن کی تمام اہم سفارشات کو تسلیم کر لیا ہے۔ اس فیصلہ سے ۸ لاکھ ملازمین کو فائدہ پہونچیگا اور اس مقصد کے لئے ۹۴ کروڑ روپئے کی ضرورت ہوگی۔ کمیشن کی سفارش کی تکمیل کے بعد جس سرکاری ملازم کو ابھی ۳۷۵ر۰۰ روپئے فی ماہ مجموعی تنخواہ ملتی ہے اسے فی ماہ ۴۶۲ر۷۰ روپئے ملیں گے۔ دیگر زمروں کے ملازمین جیسے اپر ڈویژن اور لوئر ڈویژن اسسٹنٹ کو فی ماہ ۵۰ تا ۸۰ روپئے

باقی صفحہ ۱۶ پر

اصلاحات آراضی اور دیہی ترقی

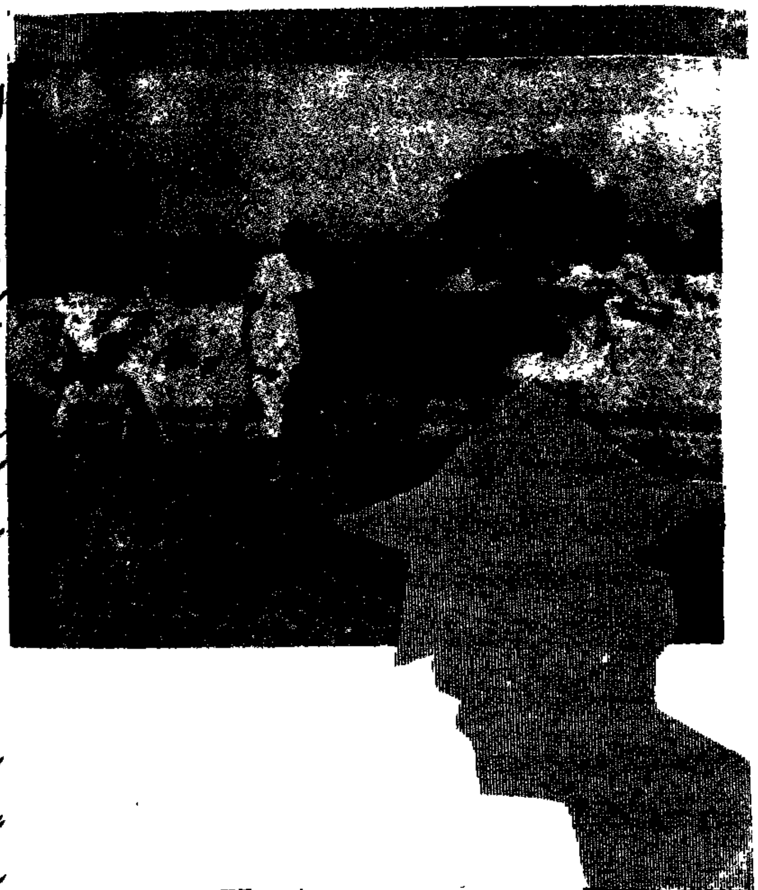
دیہی علاقوں میں برگدار اور غریب کسانوں

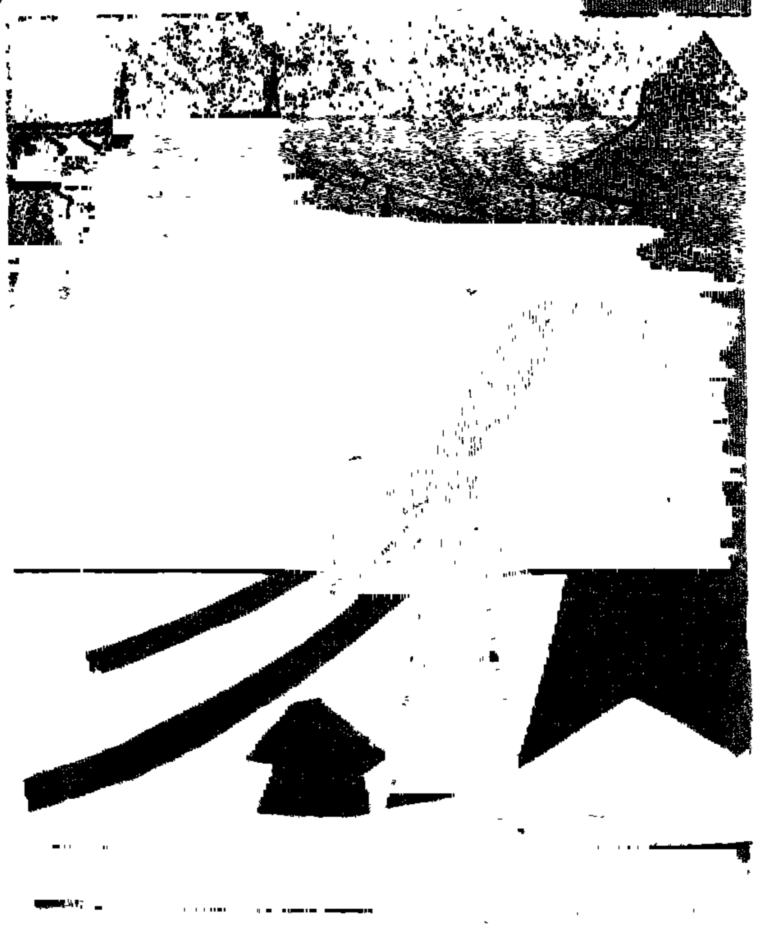
دستکاروں اور دیہی غریبوں کی فلاح و بہبود کیلئے بائیں محاذ حکومت نے گزشتہ چار برسوں میں بہت سارے اہم اور ٹھوس اقدامات کئے۔ جون ۱۹۷۷ء تک ۵ء۲ لاکھ برگداروں کی جگہ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء کو ۰۲ء۱۰ لاکھ برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کرائے گئے۔ انتہائی حد سے زیادہ زمین کی کھوج کی وجہ سے ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء تک تقریباً ۵ء۱۰ لاکھ ایکڑ زرعی زمین پر ریاستی حکومت کو حق ملکیت حاصل ہوگیا اور ان زمینوں کو ۷۶ء۱۱۹۴۰۱ بے زمین کسانوں کے درمیان تقسیم کر دیا گیا۔ ۱۹۸۰ء میں ۰۴۸ء۱ غریب برگداروں اور سرکاری زمین پانے والوں کو قرض کی صورت میں ادارہ جاتی مالی امداد فراہم کی گئی

۱۹۸۰ء تک ۶۴۴۰۰ غریب کسانوں اور بے زمین مزدوروں کو رہائشی قطعات دیئے گئے اور انہیں ان پر مکانات تعمیر کرنے کے لئے گرام پنچایتوں کے ذریعہ مالی امداد دی گئی۔ نیز غریب ضعیف کسانوں اور معذور کسانوں زرعی مزدوروں، برگداروں کو ۶۰ روپئے فی ماہ کے حساب سے ضعیفی پنشن دی جا رہی ہے سیراب کردہ علاقوں میں ۴ ایکڑ تک اور غیر سیراب کردہ علاقوں میں ۶ ایکڑ تک لگان معاف کر دی

بجلی

بائیں محاذ حکومت نے بجلی کی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے بہت سارے مختصر عرصے کے اور لمبے عرصے کے اقدامات کئے سنتالڈیہہ میں ۱۲۰ میگاواٹ کی صلاحیت والی تیسری اور چوتھی یونٹوں کے مکمل ہو جانے اور ۲۰ میگاواٹ والے گیس ٹربائن کے چالو ہونے کے بعد اس ریاست میں گزشتہ برسوں میں بجلی کی صلاحیت میں ۴۴۰ میگاواٹ کا اضافہ کیا گیا ہے ۲۱۰ میگاواٹ والی ایک اور یونٹ کی تعمیر کا کام ختم ہونے کے قریب ہے۔ ۸۰۰ میگاواٹ والے پروجیکٹوں کی تعمیر کا کام جاری ہے۔ فرانکاہ میں سوپر تھرمل پروجیکٹ کی تعمیر کا کام شروع کرنے کیلئے امداد فراہم کی گئی ہے۔ گزشتہ چار برسوں میں ریاستی پلان میں بجلی کے لئے ۵۰۰ کروڑ روپئے سے زیادہ روپئے رکھے گئے۔ گزشتہ چار برسوں میں مغربی بنگال ریاستی بجلی بورڈ کی بجلی کی پیداوار ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۴۴۲۲ میگا یونٹ سے بڑھ کر ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۳۰۰۰ میگا یونٹ ہوگئی۔ اس عرصہ میں بجلی کی مانگ میں ۵ء۷ میگاواٹ کا اضافہ ہوا ۱۹۸۲ء کے آخر تک بنڈیل اور کولاگھاٹ میں ۲۱۰ میگاواٹ والی ایک ایک یونٹ اور ٹیٹاگڑھ میں ۶۰ میگاواٹ والی دو یونٹوں کے چالو ہو جانے بجلی کی صورت حال میں کافی حد تک بہتر





ثقافت

بائیں محاذ حکومت نے گذشتہ چار برسوں میں اس ریاست میں مذہبی انحطاط و ثقافت کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے اور صحت مند ثقافتی سرگرمیوں کی ہمت افزائی کرنے کیلئے بہت سارے اقدامات کئے جنہیں مندرجہ ذیل شامل ہیں۔ مختلف لوک آرٹسٹوں کو محفوظ رکھنے اور انہیں فروغ دینے کیلئے کلکتہ میں حال ہی میں ایک لوک ثقافت انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا ہے۔ ثقافتی اداروں اور ذہین اور باصلاحیت آرٹسٹوں کو مالی گرانٹ دئے جاتے ہیں۔ تقریباً ایک سو ادیبوں کو مالی امداد دی گئی ہے تاکہ وہ اپنی تخلیقات شائع کر سکیں۔ آثار قدیمہ کے ریاستی عجائب خانہ کو بہالا میں واقع ایک نئی عمارت میں منتقل کیا گیا۔ مصوری اور ڈرائنگ، تراشی میں خصوصی خدمات کیلئے ابنندرا انعام دیا جاتا ہے۔ اضلاع میں لوک ثقافتی تہوار اور ناٹک تہوار کا انتظام کیا جاتا ہے۔ کلکتہ میں دو جدید تھیٹر ہال تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ اضلاع میں عوامی ہال کی جدت کاری اور تعمیر کیلئے مالی امداد دی جاتی ہے۔ سوری اور جھاڑگرام میں قبائلی ثقافت کیلئے ریسرچ سنٹر قائم کئے گئے ہیں۔ نیز کلکتہ میں ایک آرٹ گیلری قائم کی گئی ہے اور مشہور ادیبوں کی تخلیقات شائع کی گئی ہیں۔ آلوک شکلی کی کتاب کا دوسرا ایڈیشن شائع کیا جا رہا ہے۔ بچوں کے ادب کا انتخاب شائع کیا جا رہا ہے۔ حالیہ ایک ایکٹ کے تحت ضلعوں اور سب ڈویژنل شہروں میں تمام رابندرا بھونوں کو ریاستی حکومت کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کے زیر انتظام لایا گیا ہے۔



اسپورٹس اور کھیل کود

بائیں محاذ حکومت اسکولوں اور کالجوں میں اسپورٹس اور جسمانی ورزش کو مجموعی تعلیم کے لازمی جزو کے طور پر فروغ دینے کی پالیسی کو بروئے عمل لا رہی ہے۔ اس مقصد کے تحت اسکولوں میں فٹبال، والی بال اور اسی طرح کے دیگر کھیلوں کا انتظام کرنے کیلئے حکومت کی طرف سے ہمت افزائی کی جا رہی ہے۔ جسمانی ورزش کی تعلیم کو مدھیمک امتحان میں لازمی موضوع بنا دیا گیا۔ اسپورٹس اور کھیل کے فروغ کے لئے ریاستی حکومت نے ایڈن گارڈنس کلکتہ کے رانجی اسٹیڈیم میں نشستوں کی تعداد میں اضافہ کیا۔ کھودی رام انڈور اسٹیڈیم کی جدت کاری کی گئی۔ ہر ضلع میں ایک اسٹیڈیم تعمیر کیا جائے گا۔ کلکتہ کے سالٹ لیک میں ایک جدید اسٹیڈیم زیر تعمیر ہے۔



دسمبر ۱۹۸۰ء میں این آئی ایس کمپلیکس سالٹ لیک میں ۲۶واں نیشنل اسکول گیمس چیمپین شپ منعقد ہوا۔ ریاستی حکومت کے ایک فیصلے کے مطابق اب ہر سال سارے ریاست میں ۶ - ۱۱ سال کے طلبا کا ریاستی سطح پر اسپورٹس منعقد کیا جائیگا۔



بائیں محاذ حکومت اور محنت کش

"ایک ایسے سماج میں جہاں دولت کی تقسیم میں نابرابری ہوتی ہے وہاں انصاف کے معنی صرف طاقتوروں کے مفاد ہیں"

یہ کہاوت افلاطون کی ریپبلک کی طرح قدیم ہے، لیکن آج بھی یعنی ۱۹۸۱ء میں بھی ہندوستان پر یہ بات صادق آتی ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی جمہوریت نے آج بھی لاکھوں لوگوں کو انصاف سے بچوں کو پناہ سے اور عورتوں کو تحفظ سے محروم رکھا ہے۔

دستور کے تحت عائد پابندیوں کے باوجود مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت ایک مختلف تصویر پیش کرنے کی متمنی ہے۔ اس حکومت کی یہ خواہش ہے کہ ایک انسان انسان کی طرح زندگی بسر کرے۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے بائیں محاذ حکومت عزم مصمم اور اپنی تمام تر توانائی کے ساتھ اس بات کی پرزور کوشش کر رہی ہے کہ مصائب میں گھرے لاکھوں لوگوں کے ساتھ انصاف کیا جائے۔

صنعتی تعلقات کے میدان میں بائیں محاذ حکومت کی ہمیشہ سے یہی کوشش رہی ہے کہ محنت کش طبقہ کے مفاد کو آگے بڑھایا جائے۔ سابق کانگریسی حکومت نے ایمرجنسی کے دوران تمام ٹریڈ یونین حقوق چھین لئے تھے۔ ان حقوق میں ہڑتال کرنے اور یونین قائم کرنے کے حقوق بھی شامل تھے۔ کانگریسی حکومت کے محنت کش طبقہ کے خلاف رویے کا فائدہ اٹھاتے ہوئے مالکوں نے مزدوروں پر وسیع پیمانہ پر حملہ کرنا شروع کر دیا۔ ہزاروں مزدوروں کو کام سے بٹھا دیا گیا، یا ان کی چھنٹائی کر دی گئی یا انھیں بے روزگار بنا دیا گیا۔ اجرتوں کو منجمد کر دیا گیا اور کارخانوں کے مزدوروں کی حقیقی آمدنی کم ہو گئی۔ قانونی بونس کی ادائیگی بھی گھٹ کر نصف کے برابر ہو گئی۔

برسراقتدار آنے کے فوراً بعد ہی بائیں محاذ حکومت نے تمام ٹریڈ یونین حقوق معہ ہڑتال کرنے اور یونین قائم کرنے کے حقوق، مکمل طور پر بحال کر دیے۔ صنعتی تنازعات کے معاملہ میں بھی پولیس اور انتظامیہ کو اس بات کی ہدایت کر دی گئی کہ وہ غیر جانبدار رہیں۔ ان کا فرض یہ ہے کہ وہ اس بات کا خیال رکھیں کہ صنعتی تنازعات کا مزدوروں کے حق میں پُرامن طور پر تصفیہ ہو جائے۔

اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ گذشتہ تیس برسوں سے جو طریقہ عمل رائج تھا اسے بالکل الٹ دیا گیا یعنی اُس زمانہ میں مالک اور مزدوروں کے تنازعات میں پولیس اور انتظامیہ لامحالہ مالکوں کے ساتھ دیا کرتے۔

مزدوروں کی ہمدرد اور دوست حکومت کی موجودگی سے ایک بڑا فائدہ یہ ہوا کہ گذشتہ چار برسوں میں ریاست مغربی بنگال میں ٹریڈ یونین تحریک کو کافی تقویت پہونچی اب تک عام طور پر صنعتی محاذ میں مکمل امن و سکون رہا۔ اس عرصہ میں چند اہم تحریکیں چلائی گئیں اور مزدوروں نے ریاستی حکومت کی مداخلت کی وجہ سے مالکوں سے مزید مراعات حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

مغربی بنگال میں ۱۹۷۶ء میں صرف ۲۲ فی صد مزدوروں کو بونس ملا۔ لیکن گذشتہ چار برسوں میں ۳۳ء۸ فی صد کم سے کم قانونی بونس پانے والے مزدوروں کی تعداد کا تناسب ۹۰ تا ۱۰۰ فی صد تک بڑھ گیا۔ پبلک سیکٹر اور بینکنگ کے ملازمین پر بونس ایکٹ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ اس کے باوجود بائیں محاذ حکومت انھیں بونس کی جگہ ۳۳ء۸ فی صد بطور ایکس گریشیا دے رہی ہے۔

۱۹۷۸-۷۹ء میں ۲ لاکھ سے زیادہ پٹ سن مزدوروں نے لمبے عرصہ تک ہڑتال کی اور سرکاری مداخلت پر پٹ سن مزدوروں نے اپنے چند اہم مطالبات منوانے میں کامیابی حاصل کی۔ اس کی وجہ سے پٹ سن مزدور کی ماہانہ اجرت بڑھ کر ۱۰ء۴۰ روپئے سے بھی زیادہ ہو گئی۔

۱۹۷۹ء میں سوتی کپڑا صنعت کے ۴۵ ہزار مزدوروں کو ایک سہ طرفی معاہدہ سے فائدہ پہونچا۔ اس کے علاوہ ۳ لاکھ انجینئرنگ مزدور بھی ہڑتال کرنے کی تیاری کر رہے تھے لیکن بائیں محاذ حکومت کی مداخلت کی وجہ سے انجینئرنگ صنعت کے مزدوروں نے بھی چند مراعات حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔ ان کی ماہانہ بنیادی تنخواہ میں ۵۲ سے ۹۰ روپئے تک کا اضافہ ہوا۔

چھاپہ خانے اور متعلقہ صنعتوں کے مزدوروں نے لمبے عرصہ تک ہڑتال کرنے کے بعد ریاستی حکومت کی مداخلت کی وجہ سے مالکوں کے ساتھ باہمی سمجھوتہ کر لیا [illegible] سے مزدوروں کو کافی فائدہ پہونچا۔ اسی طرح بائیں محاذ حکومت نے کلکتہ ڈوک اور پورٹ (بندرگاہ) کے حکام اور مزدوروں کے درمیان مختلف تنازعات کا باہمی سمجھوتہ کرایا۔

گذشتہ چار برسوں میں مغربی بنگال میں ہڑتالوں، تالہ بندی (لے آف) کی تعداد میں کافی تیزی سے کمی ہوئی۔

۱۹۷۷–۸۰ء میں ہڑتال اور تالہ بندی کی وجہ سے کام بندی۔

سال	کام بندی کی مجموعی تعداد	ہڑتالوں کی تعداد	تالہ بندی کی تعداد
۱۹۷۷	۳۹۷	۲۰۶	۱۹۱
۱۹۷۸	۳۷۱	۱۷۲	۱۹۱
۱۹۷۹	۲۹۰	۲۹۰	۱۴۶
۱۹۸۰	۲۱۳	۷۸	۳۵۵

مغربی بنگال میں چھنٹائی اور لے آف

سال	چھنٹائی	لے آف (کام سے بٹھا دینا)
۱۹۷۷	۲۱۱۷	۱۲۲۰۴۴
۱۹۷۸	۲۱۰۹	۹۱۷۹۷
۱۹۷۹	۱۱۲۰	۶۵۵۵۱
۱۹۸۰	۱۰۴۵	۱۴۸۴۸

ہڑتال کرنے کا حق

بائیں محاذ حکومت نے مزدوروں اور ملازمین کی ہڑتال کرنے کے حق کو مکمل طور پر تسلیم کر لیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی حکومت کا نظریہ یہ ہے کہ جب حسب خواہ کامیابی حاصل کرنے کے لئے تمام طریقے ناکام ہو جائیں تب ہی ہڑتال کو آخری ہتھیار کے طور پر استعمال کرنا چاہیئے۔ صنعتی تنازعات کے باہمی سمجھوتہ میں مصالحت نمایاں کردار ادا کر رہی ہے۔ ہڑتالوں اور تالہ بندیوں سے متاثر لوگوں کی تعداد ۱۹۷۷ء میں ۲۲۳۰۰ سے بڑھکر ۱۹۷۹ء میں ۳۴۰۲۶ ہو گئی۔ اس عرصہ میں برطرف شدہ لوگوں کی، مصالحت کے ذریعہ بحالی کی تعداد ۵ء۵۴ فی صد سے بڑھکر ۷ء۷۱ فی صد ہو گئی۔

یہ بائیں محاذ حکومت کی لیبر پالیسی کی گرانقدر کامیابی ہے۔

بائیں محاذ حکومت مرکزی ٹریڈ یونین تنظیموں کی ایک جامع بونس بل کے لئے مانگ کی پوری تائید کرتی ہے۔ اس بل میں اس بات کی گنجائش رکھی گئی ہے کہ کارخانوں کے مزدوروں کے علاوہ، دیگر زمروں کے مزدوروں اور ملازمین کو، جن پر بونس ایکٹ کا اطلاق نہیں ہوتا ہے، بھی بونس ایکٹ کے تحت لایا جائے۔ بائیں محاذ حکومت نے اس مانگ کی بھی تائید کی کہ بونس کو مابعد اجرت یا التوائی اجرت سمجھنا چاہیئے۔

روزگار اور اجرت میں اضافہ

مغربی بنگال میں کارخانوں کے مزدوروں کی حقیقی سالانہ آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوا۔ یہ آمدنی سنہ ۱۹۷۶ء میں ۱۹۳۳ روپئے سے بڑھکر سنہ ۱۹۷۸ء میں ۲۰۷۰ روپئے ہو گئی۔

صنعتی سیکٹر میں رجسٹرڈ چالو کارخانوں میں اوسط یومیہ روزگار کی تعداد سنہ ۱۹۷۷ء ۸۲۶۰۰۰ سے بڑھکر سنہ ۱۹۷۹ء میں ۸۵۷۰۰۰ ہو گئی۔ یہ نمایاں اضافہ بیمار اور بند صنعتی یونٹوں کے احیاء کے لئے بائیں محاذ حکومت کے کئے گئے اقدامات کی وجہ سے ہوا، اور یہ حقیقت چالو کارخانوں کی تعداد میں اضافہ سے بھی عیاں ہو جاتی ہے۔

ریاست کی معیشت کے بڑے بڑے سیکٹروں، جیسے زراعت اور صنعت میں پیداوار میں اضافہ کی وجہ سے روزگار کے اتنے سارے مواقع فراہم کئے گئے۔

زرعی سیکٹر میں بہت ساری اسکیموں جیسے، کام کے بدلہ اناج پروگرام خشک سال کے علاقوں اور دیگر دیہی علاقوں کے لئے روزگار کی فراہمی کی گنجائش ساتھ ہی سڑکوں کی تعمیر، چھوٹے پیمانہ کی آبپاشی کی سہولتیں، مٹی کا تحفظ وغیرہ، کو بروئے عمل لایا گیا۔

مغربی بنگال میں سنہ ۱۹۷۹-۸۰ء میں دیہی کام اور کام کے بدلہ اناج پروگرام کے تحت اناج کی شکل میں اور زرنقد اخراجات۔

پروگرام	اخراجات زرنقد	اخراجات اناج

پروگرام	اخراجات نقد (لاکھ روپئے میں)	اخراجات اناج (میٹرک ٹن میں)
دیہی کام پروگرام	۶۵۷ر۱۱	۸۵ر۱۴۴
کام کے بدلہ اناج	۲۳۴ر۹۲	۳۲ر۲۱
خصوصی کام کے بدلہ اناج	۵۵۸ر۵۳	۷۵ر۹۴۱

ان پروگراموں کی تکمیل میں عام لوگوں نے براہ راست شرکت کی۔ وہی اسکیموں کا انتخاب کرتے اور ان اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچاتے۔ ان پروگراموں کے ذریعہ مزید روزگار کے مواقع فراہم ہوئے۔ ان پروگراموں کی تکمیل سے ۷۹-۱۹۷۸ء میں ۴۴ر۵۳۳ لاکھ فردی دن اور ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۴۰ر۵ لاکھ فردی دن پیدا کئے گئے۔

زرعی اجرت کی شرحوں میں اضافہ

ان پروگراموں کی تشفی بخش طور پر تکمیل کی وجہ سے ۸۰-۱۹۷۹ء میں تقریباً تمام ضلعوں میں زرعی اجرت کی شرح میں نمایاں اضافہ ہوا۔ زرعی اجرت کی اوسط شرح میں ۲۰ فی صد تک اضافہ ہوا اور اوسط شرح ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۶۶ر۵ روپیہ سے بڑھکر ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۷۵ر۶ روپیہ ہوگئی۔ زرعی اجرت کی موجودہ شرح ۰۲ر۹ روپیہ ہے۔ زرعی اجرت میں بہتری جہاں زراعت میں مزید پیداوار پروگراموں کی کامیابی کے ساتھ تکمیل کی وجہ سے ہوئی ہے وہاں زرعی مزدوروں کی سودا بازی کرنے کی طاقت میں اضافہ بھی ایک اور وجہ ہے۔ چونکہ ایسے مزدور، معہ بے زمین کسان اور برگدار (بٹائی دار) دیہی غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں اور ان کی سودا بازی کرنے کی طاقت میں اضافہ کا بائیں محاذ حکومت کئے گئے اصلاحات آراضی کے اقدامات سے قریبی تعلق ہے۔ اصلاحات آراضی کے تحت ریاستی حکومت نے انتہائی حد سے زیادہ فاضل زمینوں کو بے زمین کسانوں کے درمیان تقسیم کیا، ساتھ ہی برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج بھی کرائے گئے۔ اس سلسلہ میں پنچایتوں نے ساتھ ہی زرعی مزدوروں کے صحیح مفادات کی حفاظت کرنے میں انتظامی مشنری نے بھی نمایاں کردار ادا کیا۔

مغربی بنگال میں رجسٹرڈ چالو کارخانوں کی اور ان کام کرنے والے لوگوں کی تعداد

رجسٹرڈ چالو کارخانوں کی تعداد	۱۹۷۷ء	۱۹۷۸ء	۱۹۷۹ء
	۵۸۳۷	۵۹۶۷	۶۱۴۴

اوسط یومیہ برسرروزگار لوگوں کی تعداد (ہزار میں)	۹۲۶	۸۳۹	۸۵۷

مذکورہ بالا گوشوارہ سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ رجسٹرڈ چالو کارخانوں اور اوسط یومیہ روزگار میں حالیہ برسوں میں کافی اضافہ ہو رہا ہے۔

مزدوروں کے فائدہ کے لئے بائیں محاذ حکومت نے بہت ساری صنعتی یونٹوں کا انتظام اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔

سال	انتظام میں لی گئی صنعتی یونٹوں کی تعداد	ان یونٹوں میں برسرروزگار لوگوں کی تعداد
۱۹۷۷ء	۸	۴۵۰۲
۱۹۷۸ء	۱۳	۱۱۵۰۰
۱۹۷۹ء	۲۴	۱۸۰۸۳
۱۹۸۰ء	۳۰	۲۷۹۶۰

یہ بات باعث تشفی ہے کہ ان میں سے زیادہ تر یونٹوں میں پیداواری اور سماجی اغراض و مقاصد کی تکمیل کے سلسلہ میں ہمت افزا رجحانات رونما ہوتے ہیں۔

روزگار پالیسی

نئی بھرتی تبادلۂ روزگار کے دفتروں کے ذریعہ کی جاتی ہے۔ اور یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ تقریباً ۲ ۸ ہزار بیروزگاروں کو گذشتہ چار برسوں میں تبادلہ روزگار کے دفتروں کے ذریعہ مختلف سرکاری دفتروں میں اور غیر سرکاری دفتروں میں روزگار فراہم کیا گیا۔ ریاستی حکومت اس بات کی کوشش کر رہی ہے کہ خود اس کے اپنے شعبوں میں اور دیگر نیم سرکاری اور لوکل باڈیز کے دفتروں میں زیادہ سے زیادہ روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں۔

مغربی بنگال میں تبادلۂ روزگار کے دفتروں کے ذریعہ نئی بھرتی

	۱۹۷۸ء	۱۹۷۹ء	۱۹۸۰ء
مرکزی حکومت	۲۰۵۱	۱۶۹۸	۱۳۸۹
ریاستی حکومت	۲۶۸۲	۵۱۰۵	۵۳۳۹
نیم سرکاری اور لوکل باڈیز	۲۸۰۰	۳۳۴۴	۳۸۶۳

مذکورہ بالا گوشوارہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ روزگار کے سیکٹر میں ریاستی حکومت نے گرانقدر خدمات انجام دیں۔

بیروزگاری امداد

اس سلسلہ میں بے روزگاری بھتہ کا خصوصی ذکر کرنا چاہئے بار بار اس بات کا ذکر کیا گیا ہے کہ ملک کے معاشی ڈھانچہ میں بنیادی تبدیلیاں لائے بغیر ریاستوں میں بھی روزگار کے سوال کو مستقل طور پر حل کرنا ناممکن ہے بلکہ اس سلسلے کے مختلف پہلوؤں پر توجہ دیتے ہوئے بے روزگاری بھتہ دینے کی اسکیم رائج کی گئی۔ اس اسکیم کے تحت بائیں محاذ حکومت نے اب تک تقریباً ۳ لاکھ بے روزگار افراد مستفید ہوئے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت فی بیروزگار ۶۰۰ روپے سالانہ کے حساب سے بھتہ دیا جاتا ہے۔ بھتہ پانے والوں کو سال میں ۱۰۰ دن کام کرنا پڑتا ہے اور اس کے عوض انھیں فی کس مزید ۲۰۰ روپے بطور مشاہرہ دیئے جاتے ہیں۔

بائیں محاذ حکومت نے ریاستی سرکاری ملازمین کو مرکزی شرحوں کے مطابق مہنگائی بھتہ دینا شروع کر دیا ہے۔ نیز نیم سرکاری دفتروں اور لوکل سلف گورنمنٹ کے ملازمین اور ریاستی امداد پانے والی غیر سرکاری تنظیموں مع اساتذہ اور دیگر ملازمین کو بھی مرکزی شرحوں کے مطابق مہنگائی بھتہ دیا جا رہا ہے۔ نیز دوسرے تنخواہ کمیشن کی سفارشات کو قبول کرنے کی وجہ سے مغربی بنگال حکومت کے ملازمین کی تنخواہیں دیگر ریاستوں کے سرکاری ملازمین سے زیادہ ہو گئیں۔

گذشتہ چار برسوں میں جب کہ سارا ملک شدید معاشی بحران سے دوچار ہے، بائیں محاذ حکومت نے بہت ساری دشواریوں اور مشکلات کے باوجود مختلف آزمائشوں میں کامیابی حاصل کی۔ بائیں محاذ حکومت کو اس بات کا پورا احساس ہے کہ چند شعبوں میں اسے ناکامی حاصل ہوئی تاہم اگر اس کی مجموعی کارگذاریوں کا تمام زاویوں سے جائزہ لیا جائے تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ جہاں مرکز اپنی بات منوانے پر بضد ہو جاتا ہے اور جس کی وجہ سے تمام فلاحی سرگرمیوں میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے، وہاں بائیں محاذ حکومت نے ایک مثال قائم کی ہے۔ آج عوام جب گذشتہ تیس برسوں میں کانگریسی حکومت کے دوران اپنی بدحالی کا گذشتہ چار برسوں میں بائیں محاذ حکومت کی ترقیاتی سرگرمیوں سے مقابلہ کرتے ہیں تو انھیں نمایاں تبدیلی نظر آتی ہے۔

بقیہ: معاشی منظر

کا فائدہ ہوگا۔

صنعتی تنازعات ایکٹ ۱۹۴۷ء میں ریاستی حکومت نے نگراں اسٹاف جن کی ماہانہ اجرت ۱۰۰۰ روپئے تک ہے (پہلے یہ حد ۵۰۰ روپئے تک تھی) کو اس ایکٹ کے دائرہ عمل میں لانے کے لئے اس ایکٹ میں ترمیم لائی۔ ورکنگ جرنلسٹ اور ورکنگ جرنلسٹ ایکٹ کے تحت غیر جرنلسٹ کی بابت پالیکر ٹرائی بیونل کی سفارشات پر مرکزی حکومت کے فیصلہ کی تکمیل کے سلسلہ میں ریاستی حکومت کو مشورہ دینے کے لئے ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے۔

بے روزگاری آج بھی پیچیدہ مسئلہ بنی ہوئی ہے۔ یہ فیصلہ کیا گیا ہے کہ ریاستی حکومت کے اداروں، انڈرٹیکنگس اور لوکل باڈیز میں تمام غیر پی ایس سی آسامیوں میں (چند مخصوص زمروں کو چھوڑ کر) لازمی طور پر تبادلہ روزگار کے دفتروں سے نئی بھرتی کی جائے اس طرح بدعنوانی اور کنبہ پروری کی روک تھام کی جا سکے گی۔ گذشتہ چار برسوں میں تبادلۂ روزگار کے ۲۶ دفاتر اور روزگار اطلاع بیورو کے ۳۳ دفاتر کھولے گئے۔ نئی بھرتی کے مذکورہ اصول کے مطابق ان دفتروں سے ۵۲ ہزار بے روزگاروں کو روزگار فراہم کیا گیا۔ بے روزگاری امداد اسکیم جو یکم اپریل ۱۹۷۸ء سے نافذ ہوئی ہے، کے تحت فی الحال تقریباً ۳ لاکھ بے روزگار امداد پا رہے ہیں اور اس کام پر اب تک ۴۰ کروڑ روپئے صرف کئے جا چکے ہیں۔ بائیں محاذ حکومت اس بات سے بخوبی واقف ہے کہ موجودہ معاشی سماجی ڈھانچہ میں بے روزگاری دور نہیں کی جا سکتی، اس لئے ریاستی حکومت بہت سارے پروگراموں اور طریقہ کار کے ذریعہ بہت ساری پابندیوں کے تحت رہتے ہوئے بھی روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔

چنانچہ معاشی منظر چند بنیادی اور مشکل رکاوٹوں کے باوجود مسلسل سرگرمیوں کی واضح تصویر پیش کرتا ہے۔

سعادت حسن منٹو

بحیثیت افسانہ نگار

اردو افسانے کی عمر خاصی مختصر ہے۔ لیکن اس مختصر عرصے میں اس نے غیر معمولی ترقی کی ہے۔ پریم چند کے بعد تو افسانہ نگاروں کا ایک تانتا سا بندھ گیا ہے جن میں بعض نے ایسے افسانے تخلیق کئے جنہیں عالمی معیار کی کسوٹی پر رکھا جاسکتا ہے۔ یہ اردو زبان کی خوش قسمتی ہے کہ پریم چند، کرشن چندر، سعادت حسن منٹو، سہیل عظیم آبادی، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، احمد ندیم قاسمی، حیات اللہ انصاری اور ممتاز مفتی جیسے افسانہ نگاروں نے عظیم افسانے تخلیق کئے۔ جو دنیا کے بہترین افسانوں میں شمار کئے جاسکتے ہیں۔ افسانہ نگاروں کی نسل میں سعادت حسن منٹو کا نام ایک امتیازی حیثیت رکھتا ہے

یوں عام طور سے منٹو دو طرح کے افسانوں کے لئے مشہور رہیں۔ اوّل ایسے افسانے جن میں جنسیت (SEX) کے کسی نہ کسی پہلو کا مظاہرہ کیا گیا ہو جیسے "خوشیا" "دھواں" "بلاؤز" "کالی شلوار" "بو" "ننگی آوازیں" اور "ٹھنڈا گوشت" وغیرہ۔ اور دوسرے جن میں سماج اور نظام کے خلاف غم و غصے کا اظہار ہے، وہ شاہکار افسانے "نیا قانون" "کھول دو" "نعرہ" "سوراجیہ کے لئے" "شہید ساز" اور "ممی" وغیرہ ہیں۔ لیکن اس کے علاوہ منٹو نے اور بھی تین چار طرح کے افسانے لکھے ہیں۔ جو نہ تو فحش ہیں اور نہ ہی سماج و نظام کے خلاف، بلکہ انسانی کردار کے مختلف فرق کو اجاگر کرنے والے ہیں اور فنی اعتبار سے عمدہ تخلیق کہلانے کے قابل ہیں، جیسے "بابو گوپی ناتھ" "ممی" "میڈیم ڈیکاسٹا" "پرگتی شیل" "ڈرپوک" اور "خودکشی"۔ چوتھے قسم کے افسانے انہوں نے بہت ہی کم لکھے۔ ان میں ان کی کمزوریاں، شرمندگیوں اور ان کے غم و غصے ان کی نظر کا احساس خود ان کے الفاظ میں ان کی تخلیق سے ظاہر ہو جاتا ہے۔ ایک خلا اور "دو گڑھے" جو کہ قابل ذکر ہیں پانچویں طرح کی تخلیق افسانچے کی شکل میں ملتی رہیں۔ جو زیادہ تر ملک کی تقسیم سے متاثر ہو کر لکھی گئی ہیں۔ یہ سبھی ان کی کتاب "سیاہ حاشیے" میں دیکھنے کو ملتی ہیں۔ جن میں خصوصی طور پر "جوتا" "حیوان" "سہیوگ" "بٹوارہ" "سوری" اور "قسمت" وغیرہ قابل ذکر ہیں اور چھٹے طرح کا افسانہ انہوں نے صرف ایک ہی لکھا ہے۔ جو "پھندنے" کے نام سے مشہور ہوا۔

منٹو کے تمام افسانوں کو پڑھنے کے بعد یہ احساس ہوتا ہے کہ یہ حقائق پر مبنی ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے جو کچھ دیکھا اسے من و عن پیش کر دیا اس میں کسی قسم کی رنگ آمیزی نہیں کی اور نہ ہی اپنے تصورات کو اس میں شامل کیا۔ غالباً اسی لئے انہیں افسانہ لکھنے کے لئے ادبی و سیاسی نظریات کا سہارا لینا پڑتا تھا۔ انہوں نے جس زندگی کو اپنے افسانوں میں پیش کیا اس میں کسی قسم کی ملاوٹ کی ضرورت نہیں تھی۔ لہٰذا انہیں پروپیگنڈا نہیں کہا جاسکتا۔ چنانچہ "ٹھنڈا گوشت" پر مقدمہ کے سلسلے میں اپنے عدالتی بیان میں خود منٹو نے کہا تھا۔

> "سوال ہے جو چیز جیسی ہے اسے من و عن کیوں نہ پیش کیا جائے۔ ٹاٹ کو اطلس کیوں بنایا جائے۔ غلاظت کے ڈھیر کو عود و عنبر کے انبار میں کیوں تبدیل کیا جائے۔ حقیقت سے انحراف کیا، ہمیں بہتر انسان بننے میں ممد و معاون ہوسکتا ہے؟"

بلاشبہ منٹو حقیقتوں کے عکاس ہیں۔ انہوں نے ایسے افسانوں میں حقیقتوں کا رنگ بھرنے کے لئے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی، بلکہ اپنے کرداروں میں جان ڈالنے کے لئے ہر حربہ استعمال کیا۔ وہ نہ صرف کرداروں کے ذریعہ حقیقت کی عکاسی کرتے ہیں بلکہ ماحول کو بھی ایسا بنا کر پیش کرتے ہیں، جہاں گوشت پوست کے انسان چلتے پھرتے نظر آتے ہیں۔

منٹو کہانی لکھنا جانتے تھے اور وہ یہ بھی جانتے تھے کہ سننے والے کا ہمکنار ... اس کے لئے کہانی کہتے جاتے جس کے دوران میں ہنکارا ... ہوتی۔ ان کی تخلیقات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ وہ جس طرح کہانی کہا کرتے اسی طرح تکنیک پر بھی خاطر خواہ توجہ دیتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ کہانی کہنے کے فن سے بخوبی واقف تھے۔ یہ حقیقت ہے کہ وہ معمولی سے معمولی واقعے کو بڑی آسانی سے کہانی کا روپ دے سکتے تھے۔ اس میں ان کی ناول نویسی کا راز پنہاں ہے۔ وقار عظیم لکھتے ہیں: "منٹو کو ایک قصہ گو کی حیثیت سے کئی گُر کی باتیں معلوم تھیں اور قصہ گوئی کے ساتھ اور اس کے فطری میلان اور فن کے ساتھ اس کے بے پایاں لگاؤ نے اس میں انگر کی باتوں سے پوری طرح فائدہ اٹھانے کی عادت پیدا کر دی تھی۔ منٹو کو یہ علم تھا کہ زندگی میں ہر قدم پر ہر انسان اور ہر واقعہ خواہ وہ کتنا ہی کم حیثیت اور کیسا معمولی کیوں نہ ہو کہانی کا بڑا اور دلچسپ موضوع ہے۔"

اس میں شبہ نہیں کہ منٹو کی معمولی کہانیاں بھی فنی اعتبار سے کسی ہوتی ہیں۔ ان میں کہیں ڈھیلا پن نہیں ہوتا۔ وہ قاری کی دلچسپی کو برقرار رکھتے ہیں۔ اور یہ بات اچھی طرح جانتے تھے کہ کون سی بات کہاں کہنی چاہئے۔ وہ اپنے کرداروں کو خوب اچھی طرح پہلے سے سمجھ لیتے ہیں۔ اسی لئے انہیں کہانی کے اندر اپنے ساتھ رسہ کشی نہیں کرنی پڑتی۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کردار فطری ہوتے ہیں، ان میں کہیں تصنع نہیں ہوتا۔

منٹو کے متعلق یہ کہا جانا بالکل درست ہے کہ وہ سماج کے بے باک نقاد ہیں۔ جن کے قلم کے آگے سماج کے ساتھ سیاست بھی اس میں آ جاتی ہے تو اسے بھی نہیں بخشتے۔ ہنگامی موضوعات پر انہوں نے ... ہونے والے افسانے لکھے، جن میں "۱۹۱۹ء کی بات"، "نیا قانون" اور فسادات سے تعلق بھی ان کے بیشتر افسانے شامل ہیں جس میں "نیا قانون" ۱۹۳۵ء کے گورنمنٹ آف انڈیا ایکٹ سے متعلق کہانی ہے۔ فسادات کے متعلق ان کہانیوں کے اندر فساد کے پیچھے کوئی سامراجی ہاتھ نظر نہیں آتا۔ اور یہ بھی سچ ہے کہ انہوں نے اپنے افسانے ترازو سے تول کر نہیں لکھے ہندوؤں اور مسلمانوں کا حساب برابر نہیں کیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے فسادیوں میں ہندوؤں اور مسلمانوں کو تلاش کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

منٹو کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ حقیقتاً عورت کے افسانہ نگار ہیں۔ عورتوں کے لیے ان کے دل میں محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہے۔ جیسا کہ عام خیال ہے کہ وہ عورت کے صرف جنسی پہلو کو دیکھتے ہیں یہ منٹو کو نہ سمجھنے کی بنا پر ہے۔ منٹو کی عورتیں ہماری ہمدردیاں حاصل کر لیتی ہیں۔ وہ چاہے "زینت" ہو یا "جانکی"، "موذیل" ہو یا "بری عورت تھی" ہو یا "فیلم"۔ ان کے نزدیک عورت کا سب سے مقدس روپ وہ ہوتا ہے جب اس کے اندر ماں کی ممتا جاگتی ہے اور یہیں ہمیں منٹو کا اصلی روپ نظر آتا ہے۔

"سڑک کے کنارے" منٹو کا ایک معرکۃ الآرا افسانہ ہے۔ باوجودیکہ یہی کتاب کا نام بھی ہے جس میں یہ افسانہ شامل ہے۔ لیکن اس افسانے پر نقادوں نے خاطر خواہ توجہ نہیں دی۔ البتہ ممتاز شیریں نے اس افسانے کا ایک سے زیادہ بار ذکر کیا ہے۔ یہ افسانہ زندگی کا سیدھا سادا اور سچا افسانہ ہے جس میں کوئی رنگ آمیزی نہیں ہے، ایک واقعہ کا اظہار ہے، جسے منٹو نے زندگی کی ایک بہت بڑی حقیقت کو بڑی رحمانہ صداقت کے ساتھ پیش کر دیا ہے۔

اردو ادب میں منٹو کی زندگی اور ان کی تخلیق پر کافی تبصرے ہوئے ہیں۔ ان بحثوں میں دو طرح کے ادیب آگے رہے ہیں۔ ایک جنہوں نے منٹو کی حقیقت نگاری اور بے باک بیانی کے لئے اردو ادب کا مسیحا ثابت کیا۔ اور دوسرے وہ جنہوں نے منٹو کو بیمار ذہن کا آدمی جنسی بھوک اور ننگے پن کا افسانہ نگار کہتے ہوئے اردو ادب کا شیطان بنا کر پیش کیا۔ منٹو سے ناراضگی کا بڑا سبب یہ رہا ہے کہ ان کے بعض افسانوں کا تعلق جنسیات سے بھی ہے۔ اور جنسیات کی حیثیت ہمارے یہاں شجر ممنوعہ ہے۔ حالانکہ ان کے سبھی افسانوں میں جنسیت (SEX) نہیں بلکہ اس طرح کے افسانوں کی تعداد پچیس فیصد سے زیادہ نہیں ہے۔ اور باقی حصوں میں سماج کے پسے لوگوں، مثلاً جلاد، طوائف، ایجنٹ، دوکاندار، مزدور، سادھو، کلرک اور شرابی وغیرہ کے افسانے آتے ہیں۔ منٹو کے افسانوں کے کردار کسی دوسری دنیا کی چیز نہیں ہیں بلکہ اس سماج میں سے منتخب کئے گئے ہیں۔ انہوں نے سماج کی حقیقت کو ہی قارئین کے سامنے پیش کیا ہے۔ چونکہ ان کی شخصیت میں بے باکی تھی اور مزاج کی ضد نے ان کے افسانوں میں ایک تلخی اور تیکھا پن پیدا کر دیا جو ان کے افسانوں کا فن بن گیا۔ منٹو کے فن کو سمجھنے کے لئے ان کے افسانوں کا مطالعہ ضروری۔ ہم دیکھتے بھی ادب کا معیار نقادوں کی ناانصافیاں موشگافیاں

باقی صفحہ پر



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، حال ہی میں مغربی بنگال کی اسمبلی ہاؤس میں جناب اے۔ کے۔ فضل الحق مرحوم کی تصویر کی نقاب کشائی کے موقع پر تقریر کر رہے ہیں۔ تصویر میں ڈائس پر (بائیں سے دائیں) اسپیکر جناب سید منصور حبیب اللہ، مغربی بنگال کے گورنر شری ٹی این سنگھ اور ڈپٹی اسپیکر جناب کلیم الدین شمس بیٹھے ہوئے ہیں۔



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کے چار سال پورے ہونے کے موقع پر کلکتہ میدان میں واقع پریس کلب میں اخباری رپورٹروں کے درمیان ـــــ

1st JULY
Regd. No. WB/CC-62
Vol. 28 No. 11
PRICE-12 Paise

فیصلہ بے شک عوام کے ہاتھ ہے

مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کے چار سال پورے ہوئے ہیں۔ یہ چار سال اس ریاست میں جمہوری قدروں کو مضبوط کرنے کی انتھک اور لگاتار جدوجہد کے ایک باب پر مشتمل ہیں۔

ابھی زیادہ دن نہیں ہوئے کہ اسی سرزمین پر جمہوریت کو پیروں تلے روندنے اور اسے بے جبر کرانے کی [illegible] کوشش ہوئی۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ لوگوں کی آواز دبا دی جائے، ان کے جمہوری حقوق کو کچل دیا جائے، ان کے جان و مال کو تباہ و برباد کیا جائے مگر اس ریاست کے لوگوں نے بے بسی کے ساتھ ہار ماننے سے انکار کر دیا۔ اس کا نتیجہ بائیں محاذ کی حکومت کی صورت میں نکلا۔

یہی وجہ ہے کہ بائیں محاذ حکومت نے لوگوں کے تمام جمہوری حقوق کی حفاظت کا عہد کیا ہے۔ جیسے اجتماع، جماعتیں بنانے کے حقوق، جلوس نکالنے، ہڑتال کرنے کے حقوق، رائے دینے کی آزادی اور سب سے بڑھ کر پارلیمانی جمہوریت کے تانے بانے کی حفاظت۔ یہی اس وقت جب آمرانہ شاہی کے کالے بادل ملک کے اوپر منڈلا رہے ہیں ہم نے یہ عزم کیا ہے کہ اس قسم کی قوتوں کے خلاف ہمارے عوام جمہوریت کے جھنڈے کو بلند کئے رہیں۔

ایسی حالت میں جب آزادی کے ۳۲ سال بعد بھی ہمارا قومی اتحاد سنگین قسم کی علیحدگی پسندی اور فرقہ پرستی کی [illegible] چالوں سے خطرے میں ہے جب بہت سارے لوگ [illegible] میں مبتلا ہیں اور پھوٹ اور باہمی شک و شبہ کی دلدل میں پھنسے ہوئے ہیں ہم نے مغربی بنگال میں مختلف مذہبوں کے ماننے والے فرقوں اور زبانوں کے اتحاد کو [illegible] کی طرح سنبھال رکھا ہے۔ اس کا سہرا مغربی بنگال کے محنت کش عوام کے سر ہے۔ یہ کامیاب جدوجہد کے اکھاڑے میں پسینے اور خون کی قربانی سے حاصل کی گئی ہے۔ جہاں دوست کو پہچانا جاتا ہے اور دوست دشمن میں تمیز کی جاتی ہے۔ یہ ہمارا عزم ہے کہ اس اتحاد اور بھائی چارے کو مزید مستحکم کیا جائے اور انتشار کی تمام قوتوں کو ختم کر دیا جائے۔ چار سال میں ہم نے بڑا کام طے کر لیا ہے۔ دیہات میں زرعی مزدور، بٹائی دار، کسان سب کامیابی کے نئے احساس سے سرشار ہیں۔ مرجھائے زرعی نظام میں نیا خون دوڑا دیا گیا ہے۔ کارخانوں اور دفتروں کے مزدوروں، ٹیچروں اور درمیانہ آمدنی والے لوگوں کو بہتر مستقبل کی جستجو کیلئے نیا اتحاد حاصل ہو گیا ہے اور ان کے بہت سے جائز مطالبات تسلیم کرلئے گئے ہیں۔ تعلیم اور تہذیب کے میدانوں میں نئی قدریں نمایاں ہو گئی ہیں۔ لوگوں کی بھلائی رہنما اصول بن گئی ہے۔ ہماری کوشش یہ ہے کہ ہماری تعلیمی اور تہذیبی زندگی کے دروازے تمام لوگوں کے لئے کھول دئیے جائیں۔ جمہوریت کو پنچایتوں اور شہری اداروں کی سطح تک پہنچا دیا گیا ہے۔ ہم نے اپنے حد امکان تک پسماندہ، معذور اور مفلس لوگوں کے حقوق کی حفاظت اور ترقی کیلئے پوری کوشش کی ہے۔ کام کے حق کو عام اور بدعنوانی کو بیخ سے [illegible] ہم کام کے زیادہ سے زیادہ موقع پیدا کرنے کی ہمیشہ سخت جدوجہد کرتے رہے ہیں۔

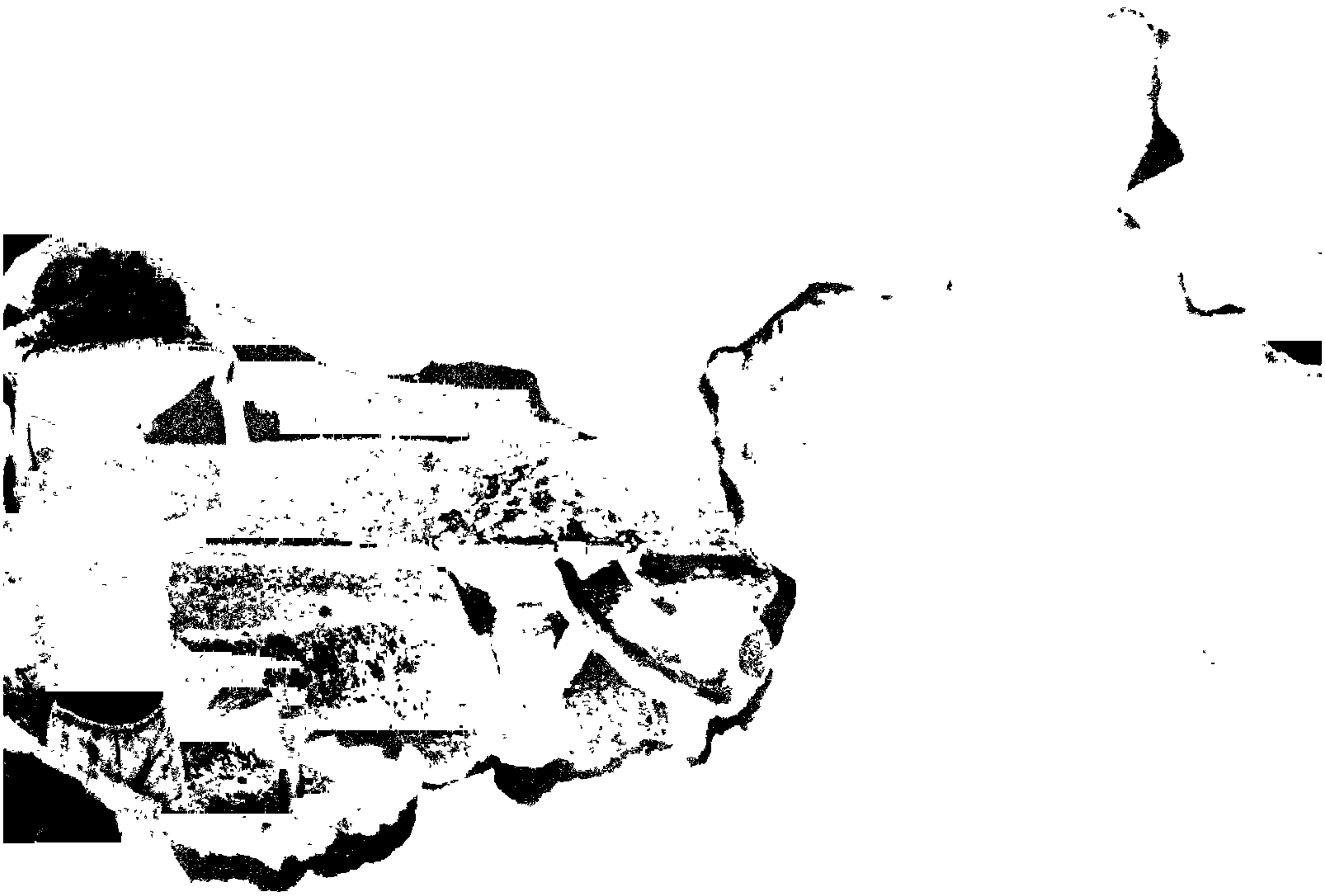
ابھی ہمیں طویل راستہ طے کرنا ہے۔ اسلئے ہمیں لوگوں کے منظم اور پرجوش تعاون کی سخت ضرورت ہے۔ ہماری مخالف قوتیں بھی سرگرم ہیں وہ عوامی فیصلے سے گھبراتی ہیں۔ وہ غیر جمہوری دہشت انگیز کارروائیاں کرنا چاہتی ہیں۔ یہ کہنے کی تو کوئی ضرورت ہی نہیں کہ آخری فیصلہ عوام کے ہاتھ ہے۔

حکومت مغربی بنگال

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impression 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

مغربی بنگال

۱۵ر جولائی ۸۱ء



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ: ایس۔ کے سین گپتا
مدیر معاون: محمد اعظم

شرح خریداری:
سالانہ ۔ ۳ روپے
قیمت:
۱۲ پیسے فی پرچہ

جلد ۲۸	۱۵ر جولائی ۱۹۸ء مطابق سراونتر شک سمبت ۱۹۰۲	شمارہ ۱۴



بدھان سیشو اُدیان کلکتہ میں ڈاکٹر بی سی رائے جنم صدی نمائش میں ریاستی حکومت کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کا پویلین

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impression 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

بائیں محاذ حکومت کے چار برس

دیہی منظر

ہمارے ملک میں گذشتہ تیس برسوں میں دیہی ترقی کے لئے جن پالیسیوں کو بروئے عمل لایا گیا وہ دیہی غربت کو دور کرنے میں ناکام ہوئیں۔ غریبوں کے فائدہ کے لئے قائم کردہ اداروں نے اکثر دیہی امیروں کے مفادات کا خیال رکھا۔ اس کے نتیجہ میں آزادی کے بتیس ۳۲ سال بعد بھی کاشتکاروں کی بڑی اکثریت آج بھی حد سے زیادہ غربت میں مبتلا ہے۔ سابق حکومتوں نے دیہی ترقی کے نام پر کروڑوں روپے صرف کئے لیکن اس سے صرف دیہی امیروں کو ہی فائدہ پہونچا۔ اس کی وجہ سے امیروں اور غریبوں کے درمیان حائل خلیج اور بھی چوڑی ہو گئی اور معاشی ترقی میں علاقائی عدم توازن رونما ہوا۔

بائیں محاذ حکومت چار سال قبل ریاست مغربی بنگال میں برسر اقتدار آئی اسی وقت سے ریاستی حکومت شدید مخالفت کے باوجود اصلاحات آراضی کے پروگراموں کو بروئے عمل لانے کے لئے انتھک کوشش کر رہی ہے کیونکہ اسے یقین ہے کہ دیہی نظام میں ترقی پذیر تبدیلیاں لائے بغیر یہ ریاست ترقی کی راہ پر آگے نہیں بڑھ سکتی۔ ہماری صنعتی ترقی کے لئے ہمیں اندرونی بازار کی ضرورت ہے اور جس کے لئے دیہی علاقوں کے غریب لوگوں کی قوت خرید کو بڑھانا چاہئے۔ اس کے لئے وسیع پیمانہ پر مزید روزگار کے مواقع فراہم کرنے اور دیہی غریبوں کے معیار زندگی میں بہتری لانے کی ضرورت ہے۔

بائیں محاذ حکومت کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ غریبوں تک ترقیاتی اقدامات کا فائدہ پہونچانے کے لئے نہ صرف زیادہ سرمایہ کاری کی ضرورت ہے بلکہ سرمایہ کاری کے طریقے کار اور ترجیحات میں بھی بنیادی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ نیز ریاستی حکومت کو اس بات پر بھی یقین ہے کہ سہ رخی پنچایت نظام کے ذریعہ ترقیاتی اقدامات کے فوائد سے دیہی غریب مستفید ہو سکتے ہیں کیونکہ پنچایتیں عوام کو ترقیاتی کاموں میں براہ راست شریک کر سکتی ہیں اور پنچایتیں خود انتظامیہ اور عوام کے درمیان ایک رابطہ کے طور پر کام کر سکتی ہیں۔ اپنی حکومت کے چار سال میں بائیں محاذ حکومت نے اصلاحات آراضی کے پروگرام کو اعلیٰ ترجیح دی۔ اس پروگرام کے تحت ریاستی حکومت نے برگداروں (بٹائی داروں) کے نام کاغذات آراضی میں درج کرانے کا جرأت مندانہ اقدام کیا۔ اس کام کو 'آپریشن برگا' کہتے ہیں۔ جون ۱۹۷۷ء میں ۴ لاکھ سے بھی کم برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج تھے۔ گذشتہ چار برسوں میں بائیں محاذ حکومت کے اقدامات کی وجہ سے اب تک تقریباً ۱۱ لاکھ برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کئے گئے، ان میں سے ۵۰ فی صد برگدار شیڈولڈ کاسٹ و شیڈولڈ ٹرائب فرقے سے تعلق رکھتے ہیں۔

اصلاحات آراضی کے قوانین میں ایک اہم ترمیم یہ لائی گئی ہے کہ ایک شخص جو دوسرے کی زمین پر قانونی طور پر کھیتی باڑی کرتا ہے تو اس شخص کو برگدار سمجھا جائے گا اگر یہ کاشتکار اس شخص کے جس کی زمین پر وہ کاشتکاری کرتا ہے، خاندان کا کوئی فرد نہ ہو اور اس بات کو ثابت کرنے کی ذمہ داری کہ مذکورہ کاشتکار برگدار نہیں ہے، زمین کے مالک پر عائد کر دی گئی ہے۔ اس ترمیم سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ اس کی وجہ سے برگداروں کو شناخت کرنے اور ان کے نام کاغذات آراضی میں درج کرنے کی تکنیک میں نمایاں تبدیلی واقع ہوئی۔

اصلاحات آراضی کے پروگرام میں انتہائی حد سے زیادہ زمین کی بازیابی پر بھی زور دیا گیا ہے۔ انتہائی حد سے زیادہ فاضل زمین سے مختلف قوانین کے ذریعہ تقریباً ۳ برسوں میں یعنی ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء تک ۱۱ء۵۷ لاکھ ایکڑ زرعی زمینوں پر حق ملکیت ریاست کو حاصل ہو گئے۔ مذکورہ زمینوں سے متعلق قوانین کے ذریعہ سارے ملک میں واحد مغربی بنگال میں اتنے بڑے قطعات آراضی پر ریاستی حکومت کو حق ملکیت حاصل ہوئے۔

اس بات کی امید کی جاتی ہے کہ نئے ترمیم شدہ بل کے نافذ ہو جانے کے بعد بینامی، پوشیدہ طور پر منتقل کردہ زمینوں کی کھوج لگانے اور انھیں سرکاری ملکیت میں لینے میں حکومت کو

سہولت ہوگی۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء تک ۱۱۹۴۱۷۶ ایکڑ زمین کسانوں کے درمیان مذکورہ سرکاری زمینیں تقسیم کی گئیں۔ ایسی زمین پانے والوں میں ۴۹۶۴۴۴ (۳۷ فی صد) شیڈولڈ کاسٹ اور ۲۲۴۹۹۸ (۲۰ فی صد) شیڈولڈ ٹرائب تھے۔ لیکن کاغذات آراضی میں برگداروں کے نام درج کرلئے یا بے زمینوں کے درمیان زمین مفت تقسیم کرنے کی کوشش، خواہ وہ کتنی ہی پُرخلوص کیوں نہ ہو، باثمر نہ ہوگی اگر اس کے لئے مالی تائید کی گنجائش نہ رکھی جائے۔ بائیں محاذ حکومت نے پنچایتوں کے سرگرم تعاون کے ساتھ تفریقی شرح سود کی اسکیم کے تحت سرکاری زمین پانے والوں اور برگداروں کو مالیاتی اداروں سے قرض فراہم کرنے کے پروگرام کو بروئے عمل لا رہی ہے اس اسکیم سے مستفید ہونے والوں کی تعداد ۱۹۷۹ء میں ۵۹۱۱۴ تھی اور ۱۹۸۰ء میں مزید ۱۰۴۸۷ لوگ اس اسکیم سے مستفید ہوئے۔ ایک اندازہ کے مطابق ۱۹۸۱ء میں مزید ۲٫۵ لاکھ برگداروں اور سرکاری زمین پانے والوں ادارہ جاتی مالیات اسکیم کے تحت لایا جائے گا۔

برگداروں اور زرعی مزدوروں کی بڑی اکثریت دوسروں کی زمین پر گھر بناکر رہتے ہیں۔ انھیں وہاں رہنے کی اجازت بھی ہے۔ لیکن جب کبھی ایسے برگدار اپنے نام کاغذات آراضی میں درج کراتے ہیں یا زرعی مزدور زیادہ اجرت مانگتے ہیں تو انھیں ہمیشہ اپنے قطعات سے بے دخل ہونے کا خدشہ لاحق ہو جاتا ہے اس صورت حال میں بہتری لانے کے لئے بائیں محاذ حکومت ایک موثر پروگرام کو بروئے عمل لا رہی ہے۔ اس پروگرام کے تحت ایسے برگداروں یا زرعی مزدوروں کو ۰٫۰۸ ایکڑ قطعات آراضی برائے رہائش کے لئے، حق ملکیت دے دیا جاتا ہے۔ ۳۰ اپریل ۱۹۸۱ء تک اس پروگرام سے ۱۰۴۷۶۱ خاندان مستفید ہوئے، جن میں ۲۳۵۷۲ خاندان شیڈولڈ کاسٹ اور ۱۵۱۵۵ خاندان شیڈولڈ ٹرائب طبقے کے ہیں۔

جب تک کہ لاکھوں لاکھ دیہی غریبوں کی سماجی اور معاشی حالت میں بہتری نہ لائی جائے اس وقت تک دیہی ترقی کا ذکر کرنا ایک بے معنی سی بات ہوگی، اور دیہی غریبوں کی حالت میں موثر

طور پر بہتری اسی وقت لائی جا سکتی ہے جب انھیں دیہی ترقیات کے کاموں میں شریک کیا جائے۔ بائیں محاذ حکومت نے سہ رخی پنچایتوں کے ذریعہ اس قسم کی شرکت کو ممکن بنا دیا۔ پنچایتوں نے گزشتہ تین برسوں میں مختلف دیہی ترقیاتی پروگراموں کو جنھیں حکومت نے ان کے ذمہ داری میں دیا تھا پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ ان ترقیاتی کاموں میں دیہی سڑکوں، زمین دوز نالوں، پرائمری اسکولوں وغیرہ کی تعمیر اور مرمت کا کام شامل ہے۔ نیز مذکورہ کاموں میں خصوصی تغذیہ پروگرام، دیہی پانی سپلائی اور دیہی مکانات، اصلاحات آراضی کی تکمیل کے سلسلے میں بنیادی ادارہ جاتی اصلاحات، جیسے دیہی علاقوں کی کم از کم ضرورتوں سے متعلق سرگرمیاں اور بے زمین زرعی مزدوروں کے درمیان سرکاری زمینوں کی تقسیم، غریب کسانوں کے درمیان قرض اور بیج کی تقسیم اور آپریشن برگہ پروگرام کے تحت برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کرانے کے کام سے متعلق سرگرمیاں شامل ہیں۔

پنچایتوں کو دیہی ترقیاتی پروگرام مرتب کرنے اور انھیں پایۂ تکمیل تک پہونچانے کے لئے حسب ضرورت اختیارات دیئے گئے ہیں، نیز انھیں مالیاتی آزادی بھی دی گئی ہے۔ ان ترقیاتی پروگراموں کے لئے اب تک ۴۲ کروڑ روپئے منظور کئے گئے۔ اس رقم میں گیہوں کے لئے اور جامع دیہی ترقیاتی پروگرام کے لئے اخراجات شامل نہیں ہے۔ اس رقم کی ۶۰ فی صد رقم اب تک خرچ کی جا چکی ہے۔ مغربی بنگال میں سہ رخی پنچایتوں کو مختلف ٹیکسوں کے ذریعہ فنڈ اکٹھا کرنے کا قانونی طور پر اختیار حاصل ہے۔ گرام پنچایتیں زمینوں اور عمارتوں پر، پیشہ، کاروبار، کام اور روزگار پر اپنی مقامی حدود کے اندر مقررہ شرحوں پر ٹیکس عائد کر سکتی ہیں۔

پنچایت سمیتیاں بھی فنڈ اکٹھا کرنے کیلئے پُلوں کے مقامی محصول اور فیس عائد کر سکتی ہیں۔ ضلع پریشد بھی اسی طریقہ سے فنڈ اکٹھا کر سکتے ہیں۔ ۸۱-۱۹۸۰ء میں مختلف ٹیکسوں سے ۱½ کروڑ سے زیادہ روپئے اکٹھا کئے گئے۔

ان تمام سرگرمیوں کا دیہی معیشت کی لامرکزیت کے طریقہ کار پر گہرا اثر پڑا ہے۔ ان کی وجہ سے دیہی غریبوں کو کافی فائدہ پہونچا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ نئی سربراہی کے تحت سہ رخی پنچایتوں نے مختلف

پلانوں کی تکمیل میں دیہی لوگوں کی تائید اور تعاون حاصل کرنے میں کامیابی حاصل کی۔

برسراقتدار آتے ہی موجودہ حکومت نے منصوبہ کے پروگراموں اور ان کی تکمیل کے طریقہ کار کی اس طرح از سر نو ترتیب دی کہ ان سے حاصل ہونے والے فوائد خاص طور پر سماج کے سماجی۔ معاشی لحاظ سے کمزور طبقہ کے لوگوں کو فراہم ہوں۔ ساتھ ہی نو ترتیب کا ایک بنیادی مقصد یہ بھی ہے کہ اناج اور کاروباری غلوں کی پیداوار میں اضافہ ہو اور روزگار کے زیادہ سے زیادہ مواقع فراہم کئے جائیں۔

زرعی پیداوار میں اضافہ کے سلسلہ میں بائیں محاذ حکومت نے اس بات پر زیادہ زور دیا کہ منصوبہ بند طریقہ سے مرکوز طور پر کاشتکاری کی جائے اور اس طرح زرعی پیداوار میں اضافہ کی موجودہ شرح ۱۰ فی صد سے بڑھ کر ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۱۴۸ فی صد اور چھٹے منصوبہ کے آخری سال یعنی ۸۵-۱۹۸۴ء میں ۱۵۶ تا ۱۶۰ فی صد ہو جائے گی

۷۷-۱۹۷۶ء کے مقابلہ میں گذشتہ چار برسوں میں چاول، گیہوں، دال کی پیداوار میں کافی اضافہ ہے۔ چاول اور گیہوں کی پیداوار میں اوسط سالانہ ۴ فی صد کا اضافہ ہوا۔ اناج کی مجموعی پیداوار ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۷۵ لاکھ ٹن سے بڑھ کر ۸۱-۱۹۸۰ء میں ۹۰ لاکھ ٹن سے زیادہ ہو گئی۔ ۸۰-۱۹۷۹ء میں وسیع پیمانہ پر اور لمبے عرصہ تک کی خشک سالی کے باوجود اناج کی پیداوار ۷۷-۱۹۷۶ء کی سطح سے اوپر رہی۔ ۷۹-۱۹۷۸ء میں قیامت خیز سیلاب کے باوجود اناج کی مجموعی پیداوار ۷۷-۱۹۷۶ء کی مجموعی پیداوار سے ۸ فی صد زیادہ ہوئی۔ ۸۱-۱۹۸۰ء میں امن دھان کی صاف شدہ چاول کی پیداوار ۶۰ لاکھ ہوئی جو ایک ریکارڈ ہے۔

گذشتہ چار برسوں میں تیل کے بیج، آلو اور پاٹ کی پیداوار میں نمایاں اضافہ ہوا۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے مقابلہ میں تیل کے بیج، آلو اور پاٹ کی سالانہ اوسط پیداوار میں علی الترتیب ۳۰ فی صد، ۷ فی صد اور ۶ فی صد کا اضافہ ہوا۔

فی الحال دیگر ریاستوں سے ہر سال ۲۵ تا ۳۰ کروڑ روپئے کی مالیت کے بیج منگائے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ بیج وقت پر اور مناسب مقدار میں فراہم نہیں ہوتے۔ چنانچہ بہتر کوالٹی کی مختلف اقسام کے بیج پیدا کرنے اور انھیں کسانوں کو حسب خواہ مقدار میں اور وقت پر سپلائی کرنے کے لئے گذشتہ سال مغربی بنگال بیج کارپوریشن قائم کیا گیا۔

۷۷-۱۹۷۶ء تک مغربی بنگال میں چھوٹے پیمانہ کی اسکیموں کے تحت ۲ء۱۲ لاکھ ہیکٹایرس قطعات آراضی کو آبپاشی اسکیم کے تحت آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

گذشتہ چار برسوں میں کھاد کے استعمال میں بھی نمایاں اضافہ ہوا۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے مقابلہ میں گذشتہ سال ۱۹ فی صد زیادہ کھاد استعمال کی گئی۔

پہلے برگاداروں کو ادارہ جاتی ذرائع سے کھیتی باڑی کے لئے قرض نہیں ملتا تھا۔ لیکن موجودہ ریاستی حکومت نے اس پالیسی کو از سر نو ترتیب دی اور کم شرح سود پر مختصر عرصہ کے لئے قرض کی سہولتیں برگاداروں کو فراہم کیں۔ سنہ ۱۹۵۳ء سے لیکر اب تک ان لوگوں پر مجموعی طور پر ۲۶ کروڑ روپئے بطور قرض باقی ہے۔ اس رقم میں حکومت کی طرف سے دیئے گئے مختصر عرصہ کے تقاوی قرض، اصل اور سود دونوں شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ۱۹۷۵ء اور ۱۹۷۶ء میں کم گہرے ٹیوب ویل، پمپ سٹ بٹھانے کیلئے، روئی کی کاشت کیلئے مختصر اور درمیانی عرصہ کے لئے اور مویشی خریدنے کے لئے کسانوں کو دیئے گئے قرض ابھی تک وصول نہیں ہوئے۔ ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کے سلسلہ میں، جو سیراب کردہ علاقوں میں چار ایکڑ تک اور غیر سیراب علاقوں میں ۶ ایکڑ تک قطعات آراضی کے مالک ہیں، مذکورہ قرض معاف کر دیا جائے۔ دیگر افراد کو پانچ قسطوں میں یہ قرض ادا کرنا ہوگا۔ اس سلسلہ میں یہ گنجائش رکھی گئی ہے کہ وقت پر ان قسطوں کی ادائیگی پر انھیں کچھ سہولت دی جائے گی۔ حکومت کا یہ اقدام یقیناً جرأتمندانہ اور قابل تعریف ہے۔

اس ریاست میں پہلی بار ۸۰-۱۹۷۹ء میں امن دھان کیلئے اناج بیمہ اسکیم رائج کی گئی۔ بسال ۸۱-۱۹۸۰ء میں امن دھان کے ساتھ ساتھ تجربہ کے طور پر آلو اور بورو دھان کو بھی اس اسکیم کے تحت لایا گیا۔ اگر بیمہ شدہ فصل کو نقصان پہونچے تو اس نقصان کو جنرل انشورنس کارپوریشن آف انڈیا کے ساتھ ساتھ ریاستی حکومت بھی برداشت کریگی۔ نیز اس اسکیم کے تحت چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کو جزئاً پریمیم دینا

پڑتا ہے اس کا ۲۵ فیصد ریاستی حکومت ادا کرے گی۔

۶۰ سال اور اس سے زیادہ عمر کے غریب کسانوں اور زرعی مزدوروں کی بہبود اور سماجی تحفظ کے لئے بائیں محاذ حکومت نے پہلی بار ۱۹۸۰ء میں مغربی بنگال میں کسانوں کی پنشن اسکیم رائج کی۔ سارے ہندوستان میں مغربی بنگال واحد ریاست ہے جس نے یہ اسکیم رائج کی۔ پنشن کی شرح ۶۰ روپیہ فی ماہ فی کس ہے۔ اس اسکیم سے مستفید ہونے والے غریب کسان اور برگادار جو زیادہ سے زیادہ تین بیگھا کھیت کے مالک ہیں یا زرعی مزدور رہے ہیں۔ اگر ان زمروں کے کسان یا زرعی مزدور ۵۵ سال یا اس سے زیادہ عمر میں بیماری یا کسی حادثہ کی وجہ سے جسمانی طور پر معذور یا مفلوج ہو جاتے ہیں تو انھیں مذکورہ اسکیم کے تحت پنشن دی جائے گی۔

بڑے پیمانے کی آبپاشی کے پروجیکٹوں میں میورا کشی، ڈی وی سی اور کنگسا وتی پروجیکٹوں کے بڑے بڑے تعمیراتی کام مکمل ہو چکے ہیں۔ اب صرف ان کی توسیع اور بہتری کا کام زیر تعمیر ہے۔ ان کے مکمل ہو جانے پر ان پروجیکٹوں سے آبپاشی کی مزید سہولتیں فراہم ہوں گی۔

گزشتہ چار برسوں میں تیستا بیراج پروجیکٹ پر جو مشرقی ہندوستان میں آبپاشی کا سب سے بڑا پروجیکٹ ہے، تعمیراتی کام بڑی تیزی سے جاری ہے۔ ایک اندازہ کے مطابق جون ۱۹۸۳ء سے اضلاع مغربی دیناجپور، مالدہ، جلپائی گوڑی اور دارجلنگ میں اس پروجیکٹ سے آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔

فی الحال آبپاشی کے درمیانی درجہ کے ۱۶ پروجیکٹ زیر تعمیر ہیں۔ ان میں سے ضلع بیربھوم میں ہنگلو پروجیکٹ اور ضلع پرولیا میں سہارا جور پروجیکٹ کی تعمیر کا کام تقریباً مکمل ہو چکا ہے۔ دیگر درمیانی درجہ کے پروجیکٹ پر تعمیراتی کام جاری ہے اور امید کی جاتی ہے کہ یہ کام جلد مکمل ہو جائیں گے۔ نیز چھوٹے پیمانے کی آبپاشی کی ایک نئی تکنیک پر ریاستی حکومت غور کر رہی ہے۔ نئی تکنیک یہ ہے کہ پہاڑی علاقوں میں بذریعہ پائپ پانی اوپر چڑھایا جائے پھر بلندی سے ڈھلوان کھیتوں پر پانی چھڑکا جائے۔ گزشتہ چار برسوں میں اضلاع ۲۴ پرگنہ، ہوڑہ، ہگلی اور مدناپور کے بہت سارے علاقوں میں چھوٹے پیمانے کی آبپاشی کی اسکیموں کے تحت آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں۔

چھٹے منصوبہ میں آبپاشی کے بڑے بڑے جن پروجیکٹوں کو شامل ۹
کئے گئے وہ یہ ہیں۔ دوارکیشور گندھیشوری پروجیکٹ، سوبرن ریکھا بیراج پروجیکٹ، ڈانگا کٹور پروجیکٹ، مجزول لفٹ آبپاشی اسکیم، بادن گولہ۔ جیسب پور لفٹ آبپاشی اور کنگو بدلی آبپاشی۔ ان پروجیکٹوں سے ایک اندازہ کے مطابق ۳ر۴ لاکھ ہکٹار رسی کھیتوں کی آبپاشی کی جائے گی۔

گزشتہ چار برسوں میں اس ریاست میں سیلاب، خشک سالی اور آندھی طوفان نے بڑی تباہی پھیلائی اور ان کی وجہ سے ریاست کا دیہی معیشت بری طرح متاثر ہوئی۔ ریاستی حکومت نے ان مسائل کو حل کرنے کے لئے فوری کوششیں کیں اور مصیبت زدگان کی امداد اور بحالی کے لئے سب ضروری اقدامات کئے۔ بائیں محاذ حکومت نے گزشتہ چار برسوں میں امداد اور بحالی کے کام پر ۳۶۳ر۱۰۰ کروڑ روپئے خرچ کئے۔ ساری ریاست میں کام کے بدلے اناج، دیہی تعمیر اور خشک سالی امداد کام پروگرام جیسے پروگراموں کو بر سر عمل لایا گیا۔ ایسے کاموں میں بہت زیادہ لوگوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس طرح ان اقدامات سے بہت سارے لوگوں کو روزگار فراہم ہوا۔ ۱۹۷۸ء تا ۱۹۸۰-۸۱ء کے دوران ان کاموں پر ۲۴۲ر۹۰ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے اور ۲۷،۱۴۴۲ میٹرک ٹن اناج تقسیم کئے گئے اور روزگار کے ۵۴ر۲۶ لاکھ فردی دن پیدا کئے گئے۔ نیز مذکورہ عرصہ میں ۶۵۶۱۲ سڑکیں نو تعمیر کی گئیں یا ان کی مرمت کی گئی؛ ۱۶۸۱۴ تالاب اور نہریں از سر نو کھودی گئیں۔ چھوٹے پیمانے کی ۲۸۰۷ اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔ سیلاب سے تحفظ کے لئے ۳۲۸۹ بند کی مرمت کی گئی اور پرائمری اسکولوں کی عمارتوں کی مرمت، جنگل کاری وغیرہ جیسی ۱۶۰۰۰ چھوٹی اسکیموں کو پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا۔

حالیہ برسوں میں اس ریاست کو تباہ کن آفات ناگہانی سے دوچار ہونا پڑا اور اس کی وجہ سے اس ریاست کی معیشت پر برا اثر پڑا۔ اس لئے ان تمام باتوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت کے شعبۂ امداد نے دس ضلعوں میں، جو ہمیشہ سیلاب سے متاثر ہوتے ہیں، ۸۵ دو منزلہ پختہ عمارتوں کی تعمیر کا کام شروع کر دیا ہے۔ ان عمارتوں کی تعمیر پر ۵۵ر۲ کروڑ روپئے خرچ ہوں گے اور ان مکانوں میں سیلاب زدگان کو عارضی پناہ دی جائے گی۔ سیلاب سے گھرے لوگوں کو بچانے کے لئے خصوصی قسم کی کشتیاں خریدنے کے لئے انتظامات کئے گئے ہیں۔

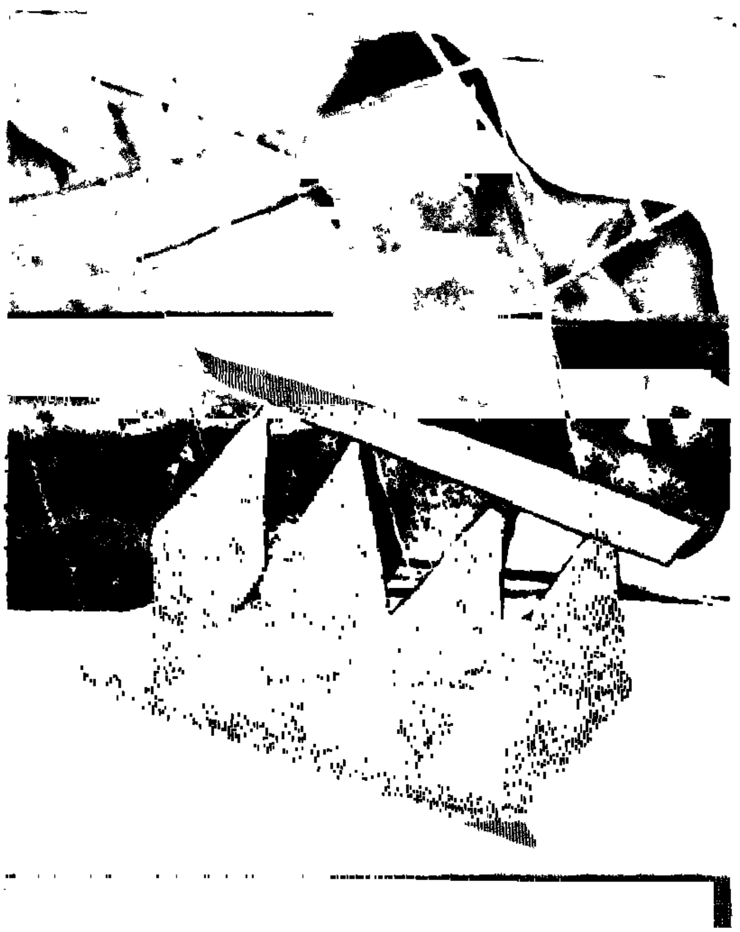
حکومت مغربی بنگال اب بھی جلپائی گوڑی اور کوچ بہار ضلعوں

باقی صفحہ پر



تعلیم

تعلیم کے لیے ۷۷-۱۹۷۶ء کے بجٹ میں کل ۱۱۴۶۲۵ کروڑ روپے مختص کئے گئے جبکہ ۸۲-۱۹۸۱ء کیلئے کل ۲۸۲۶۴۰ کروڑ رکھے گئے ہیں۔ ۱۹۷۷ء میں مغربی بنگال میں لڑکوں کیلئے کلاس IV تک اور لڑکیوں کیلئے VII تک تعلیم مفت تھی لیکن ۸۲-۱۹۸۱ء میں تمام طلبا اور طالبات کیلئے کلاس XII تک تعلیم مفت کر دی گئی ہے۔ ۷۷-۱۹۷۶ء میں پرائمری اسکولوں کے ۱۳۱ء۱ لاکھ بچوں کو دوپہر کا کھانا دیا جاتا تھا اور آج ۸۲-۱۹۸۱ء میں ۳۰ء۵ لاکھ بچوں کو دوپہر کا ٹفن سپلائی کیا جاتا ہے بائیں محاذ حکومت کے ایک پروگرام کے مطابق ۸۵-۱۹۸۴ء تک مغربی بنگال میں ۶-۱۱ سال کے تقریباً ۱۲۶۷ لاکھ بچوں کو پرائمری اسکولوں میں تعلیم دی جائیگی اور اس طرح اس عرصہ تک مغربی بنگال کے مذکورہ عمر کے تمام بچے ابتدائی تعلیم سے مستفید ہونگے۔ گذشتہ چار برسوں میں بائیں محاذ حکومت نے ۶۰۰۰ پرائمری اور ۱۰۰۰ اسکینڈری اسکول قائم کئے نیز پرائمری ٹیچروں کیلئے ۱۳۸۰۰ نئی جگہیں اور سکینڈری ٹیچروں کیلئے ۶۰۰۰ نئی جگہیں بنائیں۔ ساتھ ہی پرائمری کے بچوں کو نصاب کی کتابیں، سلیٹ کاپیاں اور اسکول یونیفارم مفت سپلائی کئے جارہے ہیں۔ سرکاری امداد پانیوالے اسکولوں کے اساتذہ کی تنخواہ حکومت دیتی ہے۔ اعلیٰ تعلیم کے محاذ میں پرامن تعلیمی فضا بحال ہو گئی ہے پسماندہ علاقوں میں ۱۴ کالج قائم کئے گئے اور مزید سات کالج قائم کئے جائینگے۔ مدناپور میں ودیا ساگر یونیورسٹی قائم کی جائیگی



دیہی اور چھوٹی صنعت

گذشتہ چار برسوں میں دیہی اور چھوٹی صنعتوں کے شعبہ نے ۲۹۴۷ صنعتی یونٹوں کو ۸۵ء۱ کروڑ روپے بطور قرض دیئے۔ حالانکہ ۷۷-۱۹۷۶ء میں ایسی صنعتوں کو صرف ۷ لاکھ روپے بطور قرض فراہم کئے گئے تھے۔ اس اقدام میں ۱۹۸۸۲ افراد کے لئے روزگار فراہم ہوا۔ ۸۱-۱۹۷۷ء کے دوران مغربی بنگال کھادی اور دیہی صنعت بورڈ نے مذکورہ صنعتوں یونٹوں کو ۲ کروڑ روپے بطور قرض اور امداد فراہم کئے۔ اس اقدام سے ۲۸۰۰۰ لوگوں کو روزگار فراہم ہوا۔ کلکتہ کو چھوڑ کر دیگر ۵ اضلاعوں میں دیہی اور چھوٹے پیمانے کی صنعتی سرگرمیوں میں کافی اضافہ ہوا جس کی وجہ سے ۵۴۰۱۳ افراد کو روزگار فراہم ہوا۔ اس ریاست میں رجسٹرڈ چھوٹے پیمانہ کی صنعتی یونٹوں کی تعداد ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۵۶۴۹ سے بڑھکر ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۱۲۱۶۹ ہوگئی اور ان میں برسر روزگار افراد کی تعداد اسی عرصہ میں ۴۰۳۷۵ سے بڑھکر ۸۷۷۲۳ ہوگئی۔

ارشد کمال بی۔اے (آنرز)

اقبال کا پیام

نوجوانوں کے نام

کلام اقبال پر کچھ اتنا لکھا گیا ہے کہ شاید اقبال کے کسی ہم عصر شاعر یا ادیب کو یہ شرف حاصل نہیں۔ پھر بھی اگر ان کی تمام تخلیقات کو مدنظر رکھ کر ان پر لکھے گئے مضامین کا جائزہ لیا جائے تو ایک تشنگی کا احساس ہوگا کیوں کہ اقبال ان بلند پایہ شاعروں میں سے ایک ہیں جن کے یہاں بہ یک وقت بلندیٔ افکار، روانیٔ خیالات اور فراوانیٔ جذبات بدرجۂ اتم موجود ہیں۔ اقبال صرف ایک شاعر ہی نہیں بلکہ اونچے پایہ کے فلسفی بھی ہیں، لیکن ان کا فلسفہ منطقی پیچیدگیوں سے مبرا ہے۔ اقبال کے کلام کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ہر شخص (خواہ وہ بچہ ہو یا جوان، کمزور ہو یا ضعیف) اپنی صلاحیت اور قابلیت کے لحاظ سے فیضیاب ہو سکتا ہے۔ ان کے کلام میں ایک طرف ضعیفوں کے لئے "حیات نو" ہے تو دوسری طرف نوجوانوں کے لیے "درس عمل" بھی ہے کسی نے ٹھیک ہی کہا ہے ؎

ہے کلام حضرت اقبال وہ آبِ بقا
قلبِ مردہ کو جو کرتا ہے حیاتِ نو عطا

اقبال نے اپنے کلام کے ذریعہ نوجوانوں کو جو پیغام دیا ہے اگر اس کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ ہر آن و ہر لمحہ جوانوں کو متحرک دیکھنا چاہتے ہیں۔ وہ نہیں چاہتے کہ نوجوانوں کے اندر کسی قسم کی مایوسی ہو اگر انہیں کہیں مایوسی نظر بھی آتی ہے تو اس طرح تلقین کرتے ہیں ؎

ذرا دیکھ جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہد کہن کی داستانوں میں

اقبال نے نوجوانوں کے اندر نئی روح پھونکنے کی کوشش کی۔ انہوں نے ہمیں جہد و عمل کا پیغام دیا۔ اس سلسلے میں علامہ کا فلسفہ ذرا بھی پیچیدہ نہیں ہے۔ ان کے کلام کے مطالعہ سے ہر خاص و عام بہ خوبی اس بات کا اندازہ لگا سکتا ہے کہ اقبال نے کوشش پیہم کی تبلیغ کی۔ یہ ان کا پختہ عقیدہ تھا کہ اگر انسان "کوشش پیہم" کو اپنی زندگی کا اصول بنالے تو پھر اس پر زندگی کا راز ظاہر ہو جائے گا چنانچہ اپنے اس عقیدہ کا اظہار اس طرح کرتے ہیں۔

رازِ حیات پوچھ لے خضرِ خجستہ گام سے
زندہ ہر ایک چیز ہے کوشش ناتمام سے

اقبال کا زمانہ دراصل وہ زمانہ تھا جب ہندوستان میں "تعلیم جدید" کی بو باس پھیلنے لگی تھی اور ایک مخصوص طبقہ اس کے حصول کا بہت بڑا حامی تھا۔ لیکن ساتھ ہی اکثریت ان لوگوں کی تھی جو اس "تعلیم جدید" کو ہندوستانی تہذیب کے لئے زہر ہلاہل سمجھتے تھے۔ اقبال نے کبھی اس تعلیم کی مخالفت نہیں کی۔ گرچہ ان کے کلام کے مطالعہ سے اس بات کا اظہار ہوتا ہے کہ وہ موجودہ تعلیم کے مخالف تھے۔ لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ وہ علم کی روشنی کو ہندوستانی تہذیب کے لئے مضر رساں سمجھتے تھے۔ وہ تو جدید تعلیم کے بہت بڑے حامی تھے ان کا خیال تھا کہ اس تعلیم کے ذریعہ ہندوستانی معاشرے میں داخل شدہ امراض کا علاج ہو سکتا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں ؎

ممکن نہیں اس باغ میں کوشش ہو بار آور تیز تر
فرسودہ ہے پھندہ ترا، زیرک ہے مرغِ تیز تر

* * * * *

اس دور میں تعلیم ہے امراضِ ملت کی دوا
ہے خونِ فاسد کے لئے تعلیم مثلِ نیشتر

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سی تعلیم ہے جسے اقبال ناپسند کرتے تھے۔ دراصل وہ اس تعلیم کے مخالف تھے۔ جسے ہم یورپ کی تقلید میں حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ یورپ کی موجودہ تعلیم ہمیں مادہ پرستی سکھاتی ہے۔ اس تعلیم نے ہمیں روحانیت سے اس قدر دور کر دیا ہے کہ ہم اپنی فطرت کے امکانات سے بھی بے خبر ہیں۔ اقبال کے کلام میں ہمیں خود کو پہچاننے اور خودی کو تقویت دینے کا پیغام ملتا ہے۔ وہ صرف ایسی تعلیم کے حامی ہیں جو انسان کو خود آگاہی اور کائنات سے آگاہی سکھاتی ہے۔ علامہ نے جب اپنے قریب و جوار کا جائزہ لیا تو انہیں ایسا محسوس ہوا کہ ہماری تہذیب مغرب کی اندھی تقلید کے پیچھے دیوانہ ہے۔ ہم بغیر سوچے سمجھے اس طرف دوڑ رہے ہیں جہاں ہماری منزل کا نام و نشان بھی نہیں۔ چنانچہ ہماری اس حالت کو دیکھ کر شاعرِ مشرق یہ کہتا ہے کہ؎

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ، خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

نظریہ اقبال کے مطابق اصل تعلیم تو وہ ہے جس کے ذریعہ ہم اپنے آپ کو پہچان سکیں اور پھر اس کی مدد سے خدا کو پہچاننے کی کوشش کریں۔ کلامِ اقبال کا اگر ہم بغور مطالعہ کریں تو ہمیں اس میں صرف جذبات کی روانی ہی نہیں ملے گی بلکہ ان کا کلام عقل و حکمت کا ایک سیل رواں ہے جس میں نوجوانوں کے لئے وہ بیش بہا خیالات موجود ہیں جو ان کو عروج و زوال کا فلسفہ سمجھا سکتے ہیں اور جس کی مدد سے وہ اپنے اندر ایسی طاقت پیدا کر سکتے ہیں جو انہیں دونوں جہاں میں سرخرو بنا دے۔

عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ جب کوئی شاعر یا ادیب اپنے وطن سے دور رہ کر کسی دوسری تہذیب و تمدن کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کا اثر براہ راست یا بالواسطہ طور پر اس کی تخلیقات پر بھی پڑتا ہے۔ علامہ اقبال نے جب یورپ کا سفر کیا تو ابتدا میں ان کے ساتھ بھی کچھ ایسی ہی بات ہوئی۔ یورپ کے حسین اور حسن پرور ماحول نے ان کے دل میں بھی ایک عارضی کشش پیدا کر دی۔ بیباک جلووں نے عشرتِ امروز کا احساس دلایا۔ جس کا اندازہ اس دور کی غزلیات سے ہوتا ہے

مقامِ امن ہے جنت مجھے کلام نہیں
شباب کے لئے موزوں ترا پیام نہیں

لیکن ظاہری حسن کی طرف ان کا یہ جھکاؤ عارضی ثابت ہوا انہوں نے جب یوروپی تہذیب کا بہ نظرِ غائر مشاہدہ کیا تو ان پر یہ راز افشا ہو گیا کہ یورپ کی تہذیب تو وہ تہذیب ہے جس میں اخلاقیات نام کی کوئی چیز نہیں۔ بے حیائی اور بے حیائی اس تہذیب کی جان ہیں چنانچہ یہاں سے ان کے ذہن نے پلٹا کھایا اور وہ اپنے کلام کے ذریعہ مغربی تہذیب کے تار و پود اس طرح بکھیرنے لگے؎

تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ خودکشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

اس وقت علامہ کی ذہنی کیفیت کیا تھی اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ جب انہیں اپنے صاحبزادے جاوید کے ہاتھ کا لکھا ہوا پہلا خط ملا تو انہوں نے اس کا منظوم جواب دیا۔ اس جواب کا ایک شعر ہی علامہ کے ذہن کی پوری عکاسی کرتا ہے۔

حیا نہیں ہے زمانے کی آنکھ میں باقی
خدا کرے کہ جوانی تری رہے بے داغ

کلامِ اقبال میں نوجوانوں کے لئے دوسرا اہم پہلو "وطنیت" ہے اس سلسلے میں ان کے کلام کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے یعنی سفر یورپ سے قبل کا حصہ اور اس کے بعد کا حصہ یہاں دو حصوں میں تقسیم کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ ان دونوں حصوں میں اقبال کا نظریہ وطنیت ایک جیسا نہیں ہے۔

"وطنیت" دراصل ذہن کو جغرافیائی حد بندیوں میں مقید کرنے کا دوسرا نام ہے یورپ کے سفر سے قبل علامہ اقبال کی ذہنی اپج بھی وطنیت کی تنگ و تاریک اور گھناونی فضا میں پرواز کرتی رہی اور اس دور کی تمام تر نظموں میں کم و بیش یہی جذبہ کارفرما رہا چنانچہ کہیں وطنیت کے جذبہ سے مغلوب ہو کر وطن کی مدح سرائی یوں کرتے ہیں؎

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

تو کہیں وطن کی خستہ حالی اور بربادی پر اس طرح آنسو بہاتے ہیں؎

رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں

وطنیت کا یہ جذبہ آگے چل کر ایسی شدت اختیار کر لیتا ہے کہ انہیں یہ اعتراضات کرنے میں ذرا بھی تامل نہیں کہ

"خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرہ دیوتا ہے"

اس طرح اس دور کی بیشتر نظمیں نوجوانوں کے اندر وطنیت کے جذبہ کو ابھارتی ہیں ان کے مطالعہ سے نوجوانوں کا ذہن جغرافیائی حدبندیوں میں مقید ہو کر رہ جاتا ہے۔

لیکن مغربی فلسفہ کی معلومات سے جہاں علامہ کے افکار میں وزن و وقار آیا وہیں مغربی علوم و فنون کے مطالعہ سے وطنیت کی قلعی ان کے سامنے کھل گئی۔ ان کے کلام میں اب وطنیت کی جگہ انسانیت نے لے لی اور انہوں نے انسانیت کو خانوں اور جغرافیائی حدبندیوں میں مقید ہونے سے بچانے کی حتی الامکان کوشش کی۔ اپنے دل میں انہوں نے سارے جہاں کا درد سمیٹ لیا اور ان کے دل میں انسانیت کی آزادی کی ایسی تڑپ پیدا ہو گئی کہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے ؎

جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیر امتیازِ ما و تو رہنا

اب اقبال زندگی کے صحیح نصب العین سے قریب ہو گئے اور ان کا پیغام تمام انسانوں کے لئے مساوی ہو گیا۔ انہوں نے ساری دنیا کو اپنا وطن بنا لیا — چنانچہ فرماتے ہیں۔

یہ یورپ یہ پچھم چکوروں کی دنیا
مرا نیلگوں آسماں بیکرانہ
پرندوں کی دنیا کا درویش ہوں میں
کہ شاہیں بناتا نہیں آشیانہ

ان کا کلام اب کسی مخصوص طبقہ یا قوم کے لئے محدود نہیں رہ گیا۔ اس کے اندر اب آفاقیت آ گئی اور وہ اپنے کلام کے ذریعہ ایک قومی انسانی سیرت کی تجدید و تولید میں لگ گئے مشرق و مغرب کے درمیان واقع خلیج کو انہوں نے اس طرح پاٹنے کی سعی کی ؎

مشرق سے ہو بیزار نہ مغرب سے حذر کر
فطرت کا تقاضہ ہے کہ ہر شب کو سحر کر

اس طرح جس اقبال کے کلام سے نوجوانوں کا ذہنی پرواز محدود ہو جاتا ہے اسی اقبال نے نوجوانوں کو انسانیت کی سربلندی کا وہ پیغام دیا ہے جو آج ہمارے لئے اتنا ہی اہم ہے جتنا اس وقت جب اقبال نے اسے ہمارے سامنے رکھا۔ ان کے کلام سے ہمیں وہ قوتِ بصارت ملتی ہے جس کے ذریعہ ہم جغرافیائی حدود سے بالاتر ہو کر ساری دنیا کو مساوی نگاہ سے دیکھ سکتے ہیں۔

مذکورہ تمام خصوصیات کے علاوہ کلام اقبال میں نوجوانوں کے لئے جو چیز سب سے اہم ہے وہ "پیغام عمل" ہے ان کا کلام نوجوانوں میں زندگی کے آثار پیدا کر دیتا ہے، جو بے حس ہیں انہیں حساس بناتا ہے اور جوشِ عمل کی دعوت اس طرح دیتا ہے ؎

یہی آئینِ قدرت ہے یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن محبوبِ فطرت ہے

اتنا کہنے کے باوجود اگر نوجوان حرکت میں نہیں آتے ہیں تو جیں بجبیں ہو کر ان کی حمیت کو اس طرح للکارتے ہیں ؎

خدا تجھے کبھی کسی طوفاں سے آشنا کر دے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

بقیہ: دیہی منظر

پناہ گزینوں کے تین کیمپوں کو چلا رہی ہے۔ ان میں ۱۲۰۰۰ پناہ گزیں ٹھہرے ہوئے ہیں۔ اب تک شعبہ امداد نے پناہ گزینوں کی دیکھ بھال پر ۲۰ لاکھ روپئے خرچ کئے۔

ان تمام اقدامات کا دیہی علاقوں میں کافی گہرا اثر پڑا ہے۔ ان اقدامات نے دیہی معیشت میں نئی جان ڈال دی ہے۔ لاکھوں لاکھ نئے فردی دن پیدا کئے اور اس طرح دیہی علاقوں میں اختیار اور طاقت کا توازن بہت حد تک دیہی غریبوں کے حق میں ہو گیا ہے۔ یہ بات ترقیاتی سرگرمیوں میں ان کی زیادہ سے زیادہ شرکت سے عیاں ہو جاتی ہے۔

بائیں محاذ حکومت کی چوتھی سالگرہ

دلی میں رنگارنگ جشن و تقریب

(ہمارے خصوصی نامہ نگار کے قلم سے)

بائیں محاذ حکومت کی چوتھی سالگرہ منانے کے لئے مغربی بنگال انفارمیشن بیورو، نئی دلی نے ۲۷ اور ۲۸ جون ۸۱ء کو ماؤلنکر ہال، نئی دلی میں نہایت سادگی کے ساتھ ایک تقریب منعقد کی۔ تقریب کے پروگرام کے تحت ایک عام جلسہ منعقد ہوا، موجودہ ریاستی حکومت کی تیار کردہ فلموں کا ایک روزہ تہوار منایا گیا، ساتھ ہی اس موقعہ کے شایان شان ایک نمائش کا بھی انتظام کیا گیا۔ عام جلسہ میں دلی کے تقریباً ہر مکتب خیال کے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ ان میں بہت ساری سیاسی پارٹیوں کے چنندہ رہنما، ممبران پارلیامنٹ، مرکزی حکومت کے حکام، سرکاری ملازمین، طلباء یونیورسٹی اور اسکولوں کے اساتذہ، صنعتی مزدور، خواتین، نوجوان، ادیب، آرٹسٹ اور صحافی شامل تھے۔ اس سے شاید یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ مغربی بنگال کے باہر بھی بائیں محاذ حکومت کی عوام کی فلاح پر مبنی پالیسیوں نے تمام لوگوں کے دلوں میں ایک نئی جوت جلادی ہے۔

عام جلسہ ۲۷ جون ۸۱ء کو ماؤلنکر ہال، نئی دلی میں منعقد ہوا۔ جلسہ شروع ہونے سے قبل دس منٹ کی ایک دستاویزی فلم دکھائی گئی جس میں ۳ اپریل ۸۱ء کو کلکتہ میں منائے جانے والے نام نہاد پُرامن بند کے دوران مفاد پرستوں کے ایک طبقہ کے خونی کھیل کے مناظر دکھائے گئے۔ مغربی بنگال کی امن و امان کی صورت حال میں مبینہ ابتری کی طرف عوام کی توجہ مبذول کرانے کے لئے یہ بند منایا گیا تھا۔ بہر حال اس سلسلہ میں موثر طور پر پروپگنڈا کرنے کے باوجود یہ کوشش ناکام ہوئی کہ بائیں محاذ حکومت کے مخالفین کی نیت میں جو فتور تھا وہ ملک کے لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ رہے۔ اس دستاویزی فلم بعنوان "خاموش مذمت" کو لوگوں نے کافی سراہا کیونکہ اس میں مغربی بنگال میں انتشار پسند قوتوں کے طریقہ کار کے ہولناک نتائج کی ہو بہو تفصیل تصویروں کی زبان میں پیش کی گئی تھی۔ اس فلم کا سامعین پر کافی گہرا اثر پڑا اور انھوں نے ۳ اپریل ۸۱ء کو کلکتہ میں رونما ہونے والی ننگی بربریت پر شدید غم و غصہ کا اظہار کیا۔

اس فلم کی نمائش کے بعد انقلابی گلوکاروں نے ایک ساتھ ملکر تین گیت گائے۔ گانے کے اختتام کے بعد عام جلسہ کی کارروائی شروع ہوئی۔ اس جلسہ کی صدارت پروفیسر ردیپ چند پال ایم۔ پی نے کی۔ اس جلسہ میں جناب ہاشم عبدالحلیم، وزیر عدلیہ امور و قانون سازی، حکومت مغربی بنگال نے اردو میں تقریر کرتے ہوئے اصلاحات آراضی، دیہی ترقی، تعلیم، صنعتی ترقی، روزگار اور دیگر شعبوں میں بائیں محاذ حکومت کی نمایاں کارگزاریوں کا ذکر کیا۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انھوں نے کہا کہ بائیں محاذ حکومت نے مزدوروں، کسانوں اور دیگر زمروں کے لوگوں کے کھوئے ہوئے جمہوری حقوق مکمل طور پر بحال کر دئے اور اس سلسلہ میں ایسے اقدامات کئے کہ سماج کی نچلی سطح پر بھی عوام کو جمہوری اداروں کی کارکردگی میں عملی طور پر شرکت کے مواقع فراہم ہوں۔ انھوں نے اپنی تقریر میں بائیں محاذ حکومت پر شہری اور دیہی عوام کے بڑھتے ہوئے اعتماد کا خاص طور پر ذکر کیا۔ وزیر موصوف نے یہ بتایا کہ یہ بات تو بائیں محاذ کے دور حکومت میں ہونے والے انتخابات اور ذیلی انتخابات کے نتائج سے بھی عیاں ہو جاتی ہے۔ وزیر موصوف نے اس ریاست سے مرکزی حکومت کے سوتیلی ماں جیسے سلوک سے پیدا ہونے والے مسائل اور پابندیوں کا ذکر کیا۔ سامعین نے وزیر موصوف کی تقریر کو کافی سراہا۔

اس کے بعد راجن طرفدار کی فلم "ناگپاش" دکھائی گئی۔ اس کے بعد جلسہ ختم ہوا۔

فلم فسٹول

۲۸ جون ۸۱ء کو اسی ہال میں یک روزہ فلم فسٹول منعقد ہوا۔ اس میں مرنال سین کی فلم "پرشورام"، راجن طرفدار کی فلم "ناگپاش" اور آتپل دت کی فلم "جھوڑ" دکھائی گئی۔ ہر فلم کی نمائش سے قبل "خاموش مذمت" فلم دکھائی گئی۔ ان تینوں فلموں کی نمائش کے دوران ہال لوگوں سے کھچا کھچ بھرا تھا۔ "جھوڑ" فلم پہلی بار دلی میں دکھائی گئی۔ اسے لوگوں نے کافی پسند کیا اور

سرکاری خبریں

ہومیوپیتھک ڈگری کورس میں داخلہ

درخواستوں کی آخری تاریخ ۳۱ راگست

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ مندرجہ ذیل چار الحاق شدہ ہومیوپیتھک ڈگری کالجوں کے ڈگری کورس کے پہلے سال میں داخلہ کے لئے اہل امیدواروں سے درخواستیں طلب کی جاتی ہیں۔ (۱) کلکتہ ہومیوپیتھک میڈیکل کالج، ۲۶۵ اور ۲۶۶ اچاریہ پرفلا چندر روڈ کلکتہ ۹۔ (۲) ڈی۔ این ڈے ہومیوپیتھک میڈیکل کالج ۱۲ گوبند کھٹک روڈ کلکتہ ۴۶۔ (۳) مہیش بھٹاچاریہ ہومیو میڈیکل کالج ۲ جی۔ ٹی۔ روڈ، جنوبی ہوڑہ ۔ ۱ اور (۴) مدناپور ہومیوپیتھک میڈیکل کالج، مدناپور۔ ہر ایک کالج میں ۱۰۰۔۱۰۰ سیٹیں ہیں جن میں سے ۱۰ فیصد کی حکومت کے نامزد امیدواروں کے لئے محفوظ ہیں۔ مزید براں مندرج فہرست اقوام اور قبائلی کے امیدواروں کے لئے بالترتیب ۱۵ اور ۵ فیصدی سیٹیں محفوظ ہیں۔

ایسے امیدواروں کی درخواستیں وصول کی جائیں گی جو ہندوستانی شہری اور عام طور پر مغربی بنگال میں سکونت پذیر ہوں گے اور جنھوں نے پری میڈیکل یا اس کے مساوی امتحان یا مغربی بنگال کونسل برائے ثانوی تعلیم کے ہائیر سکینڈری کا بارہ سالہ امتحان انگریزی اور نا بیولرز، فزکس، کیمسٹری اور بائیولوجیکل سائنس کے مضامین کے ساتھ یا اس کے مساوی امتحان پاس کیا ہو۔ دوسرے بورڈ یا یونیورسٹیوں کے امیدوار ان کو ہرسٹ بی۔ ایم۔ ایس امتحان میں بیٹھنے سے پہلے ۲+۱۰ کے درجہ کا ورنا کیولر امتحان یا اس کے مساوی امتحان پاس کرنا ہوگا اس کے سابق مشروط امتحان میں ورنا کیولر کا مضمون نہ رہا ہوگا ایسے امیدوار اس کورس میں داخلہ کے اہل ہونگے جنھوں نے کسی یونیورسٹی کا پی۔ ایس سی پارٹ ۔۱۔۲ کا امتحان یا اس کے مساوی امتحان فزکس، کیمسٹری، بائیولوجی، بوٹانی۔ زولوجی۔ فزیالوجی۔ لائف سائنس، بائیو فزکس، بائیو کیمسٹری میں سے کم سے کم دو مضامین کے ساتھ پاس کیا ہو گا بشرطیکہ انھوں نے سابق مشروط امتحان فزکس۔ کیمسٹری۔ بائیولوجی انگریزی اور ورنا کیولر کے ساتھ پاس کیا ہوگا۔ امیدوار کی عمر ۳۱ دسمبر ۱۹۸۱ء کو ۱۷ سال سے کم نہیں ہونا چاہئے۔

درخواستیں سادہ کاغذ پر، امیدوار کے نام، باپ کا نام، پتہ، استعداد قومیت وغیرہ کی تفصیلات کے ساتھ ڈائرکٹر ہومیوپیتھی ۱۰ کیمک اسٹریٹ (منزل زیریں) کلکتہ ۱۷ کے یہاں رجسٹرڈ ڈاک سے اکنالجمنٹ رسید کے ساتھ ۳۱ راگست ۱۹۸۱ء تک داخل کر دینا چاہئیں۔ درخواست کے ساتھ (۱) سرٹیفکیٹ کی مصدقہ نقل رمشروط امتحان کا داخلہ کارڈ (۲) مشروط امتحان کی مارکس شیٹ کی مصدقہ نقل (۳) مندرج فہرست اقوام اور قبائل کا فرد ہونے کے ثبوت کے لئے حاکم کے سرٹیفکیٹ کی مصدقہ نقل اور (۴) عام سکونت سے متعلق اصل سرٹیفکیٹ منسلک کرنا چاہئے لفافہ کے اوپر بی۔ ایم۔ کورس کے پہلے سال میں داخلہ کے لئے درخواست تحریر کرنا چاہئے۔ ہوسٹل کا کوئی بندوبست نہیں ہوگا۔

بقیہ :- چوتھی سالگرہ

اس کی مزید نمائش کیلئے دلی کے بہت سارے علاقوں سے لوگوں نے درخواستیں کی ہیں۔

نمائش :- اس ہال کے ایک کمرہ میں بائیں محاذ حکومت کی چوتھی سالگرہ کے سلسلہ میں ۲۷ اور ۲۸ جون کو ایک نمائش منعقد ہوئی اس نمائش کو عام جلسہ میں اور فلم فیسٹول میں شرکت کرنے والوں کے علاوہ دیگر لوگوں نے بھی دیکھا۔ لوگوں نے اس نمائش کو نہایت ہی تعلیمی اور معلوماتی قرار دیا۔ یہ نمائش ۳ رجولائی سے ۶ رجولائی تک گاندھی میموریل ہال میں منعقد ہوئی۔ اس ہال میں مغربی بنگال انفارمیشن بیورو نئی دلی نے ربندرا ناتھ ٹیگور کی تخلیقات پر مبنی ثقافتی پروگرام بھی پیش کیا۔

اسی طرح کے پروگرام کا بہت ہی جلد بنگلور، مدراس، وجے واڑا، جے پور، لکھنؤ، پٹنہ اور دیگر جگہوں میں انتظام کیا جائے گا۔

بائیں محاذ حکومت کے چار برس

شہری ترقی

اس بات کو تسلیم کرنا چاہیے کہ ۱۹۷۷ء میں جب بائیں محاذ حکومت برسراقتدار آئی تو اس وقت کلکتہ میٹروپولیٹن ڈیولپمنٹ اتھارٹی (سی ایم ڈی اے) جس نے اپنی زندگی کے ساتھ سال مکمل کر لئے تھے، کے پاس کوئی ٹھوس اور جامع نظریہ نہ تھا۔ بائیں محاذ حکومت نے سی ایم ڈی اے کے پروگراموں کو عوام کے مفادات سے وابستہ کر دیا۔ نیز ریاستی حکومت نے جامع اور مکمل ترقی کی حکمت عملی کو اپنایا۔ سی ایم ڈی اے بستیوں کی ترقی، پانی کی سپلائی، زمین دوز نالی اور پانی کے نکاس وغیرہ جیسے مسائل پر زیادہ توجہ دے رہا ہے۔

گزشتہ چار برسوں میں، سی ایم ڈی نے پانی سپلائی کے کام پر ۷ء۳۵ کروڑ روپئے صرف کئے۔ گارڈن ریچ واٹر ورکس (صلاحیت ۶ کروڑ گیلن فی دن) اور ہوڑہ واٹر ورکس (صلاحیت ۴ کروڑ گیلن فی دن) کے تعمیراتی کام قریب الاختتام ہیں۔ ان دونوں پروجکٹوں سے نہ صرف کلکتہ کے چند علاقوں میں بلکہ گارڈن ریچ، ساؤتھ سبربن علاقہ، بج بج، برنی پور، ہوڑہ اور بالی کے میونسپل علاقوں میں بھی پانی سپلائی کیا جائے گا۔

زمین دوز نالی کی بہتری اور پانی کے نکاس کے کام پر ۸۶ء۱۵ کروڑ روپئے خرچ کئے گئے ہیں۔ نیز نشیبی علاقوں میں بھی اس طرح کے اقدامات کئے جا رہے ہیں۔ سی ایم ڈی اے نئی شاخ سڑکیں تعمیر کر کے گاڑیوں کی آمد و رفت میں بہتری لانے کی بھی کوشش کر رہا ہے۔ ۱۹۸۲ء کے اوائل میں سیالدہ فلائی اوور گاڑیوں کی آمد و رفت کے لئے کھول دیا جائے گا۔ نیز ۸۲ء کے وسط سے مشرقی شہری ذیلی سڑک اعتبار کپور۔ کلیانی۔ ایکسپریس شاہراہ بھی چالو ہو جائیگی

کلکتہ اور ہوڑہ کی بستیوں کی بہتری اور ترقی کا کام ۷۰ فی صد تک مکمل ہو چکا ہے ان اقدامات سے ۱۷ لاکھ سے زیادہ بستی باشیوں کو فائدہ پہونچا نیز ایک اندازہ کے مطابق مزید ۲۰ لاکھ بستی باشی مارچ ۸۲ء تک ان اقدامات سے مستفید ہوں گے۔

یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ویشنو۔ پاٹولی اور مشرقی کلکتہ شہری پروجکٹوں میں ۸۲ فی صد قطعات آراضی معاشی لحاظ سے کمزور طبقہ کے لوگوں اور کم آمدنی والے طبقہ کے لوگوں کے لئے مخصوص رکھے گئے ہیں۔

اب مغربی بنگال میں عوام کے نمائندوں کو میونسپلٹیوں کی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے اس لئے اب وہ مقامی ترقیاتی پروجکٹوں کی تکمیل میں براہ راست شرکت کر سکیں گے۔ جبکہ سی ایم ڈی اے کے ذمہ شہری علاقوں کے لئے منصوبہ مرتب کرنے کا کام رہیگا۔ لوکل باڈیز سی ایم ڈی اے کی رہنمائی میں اپنے اپنے علاقوں کی ترقیاتی کام کو خود پایہ تکمیل تک پہونچائیں گے۔ ایسے کام کے لئے سی ایم ڈی اے فنڈ فراہم کرے گا۔

جب بائیں محاذ حکومت برسراقتدار آئی تو اس وقت مغربی بنگال میں بشمول کلکتہ کارپوریشن صرف ۱۰۰ میونسپلٹیاں تھیں دیگر ریاستوں کے مقابلہ یہ تعداد بہت ہی کم ہے۔ اسی لئے شروع سے ہی ریاستی حکومت کو بہت سارے علاقوں میں شہری سہولتیں فراہم کرنے کی فوری ضرورت کا احساس ہوا اور اس نے مستحق علاقوں میں کئی میونسپلٹیاں قائم کرنے کا منصوبہ مرتب کیا۔ چنانچہ اس منصوبہ کے مطابق باہرا، اسلام پور، جھاڑ گرام، بلڈانگہ، ہلدیہ اور کلیانی اور درگاپور کے مخصوص علاقوں میں میونسپلٹیاں قائم کی گئیں۔ میونسپلٹیوں کو اپنی خواہشات کے مطابق اپنے اپنے امور کا انتظام کرنے کے لئے حسب ضرورت آزادی دی گئی ہے اور اس طرح اختیارات کی [illegible] کے اصول کو بروئے عمل لایا گیا۔ اب میونسپلٹیاں ایڈمنسٹریٹروں کے بجائے عوام کے نمائندوں کے زیر کنٹرول ہونگی۔ سابق حکومت کے دور میں میونسپلٹیوں میں جتنے غلط طریقہ کار کو اپنایا گیا تھا۔ انھیں دور کر دیا گیا ہے اور جن ملازمین کو برطرف کر دیا گیا تھا انھیں بحال کر دیا گیا۔ دوسرے الفاظ میں میونسپل انتظامیہ میں جمہوری طریقہ کار

کو مستحکم بنا دیا گیا۔

پہلے میونسپل علاقوں میں ترقیاتی کاموں پر ۲۰ لاکھ روپیہ کے لگ بھگ خرچ کیا جاتا تھا۔ (یعنی ۵۴ پیسے فی کس) لیکن بائیں محاذ حکومت کے دور میں ۷۷۵۰۰۰۰۰ روپیہ تقریباً ۸ کروڑ روپیہ (یعنی ۲۱ روپئے فی کس) خرچ کیا جاتا ہے۔ ایسے اقدامات سے ہزاروں لوگوں کو فائدہ پہونچا۔

میونسپل ترقیاتی سرگرمیوں کی نمایاں کارگذاری سبھوں کے لئے پانی پروجیکٹ سے عیاں ہو جاتی ہے۔ لوکل گورنمنٹ اور شہری ترقیات شعبہ نے پانی کی سپلائی کی ۲۵ اسکیمیں مرتب کیں اور ان کی تکمیل پر شروعات شروع میں ۲۱۸ لاکھ روپئے خرچ کئے دوسرے مرحلہ میں پانی کی سپلائی ۱۶ اور اسکیموں کے لئے ۴۵۴ لاکھ روپئے خرچ کئے جائیں گے۔ ان کے علاوہ آسنسول، سلی گوڑی، کوچ بہار، تملوک اور دیگر آٹھ علاقوں میں پانی کی سپلائی میں اضافہ کرنے کی اسکیموں کو بھی بر سر عمل لایا جا رہا ہے۔

۴۴ میونسپلٹیوں کو اپنے اپنے علاقہ میں ٹاؤن ہال تعمیر کرنے کے لئے ضروری گرانٹ دیئے گئے۔ کاروباری مرکز قائم کرنے کے لئے ۳۶ میونسپلٹیوں کو فنڈ دیا گیا۔ پناہ گزینوں کی کالونیوں کی بہتری کے لئے ہریجنوں اور غریب لوگوں کے معیار زندگی میں بہتری لانے کے لئے بھی اقدامات کئے گئے۔ اس سلسلہ میں ۴۳۰ لاکھ روپئے کی مالیت کی اسکیم کو بر سر عمل لایا جا رہا ہے۔

میونسپل انتظامیہ کو جمہوری بنانے کے لئے بائیں محاذ حکومت نے اقدامات کئے ہیں۔ پہلے تو ان میونسپلٹیوں نوکرشاہی نے اپنا تسلط جما رکھا تھا، جس کی وجہ سے کام کاج میں بڑی دشواریاں ہوتی تھیں۔ موجودہ ریاستی حکومت نے اس نظام کو ختم کر دیا اور اسکی جگہ میونسپلٹیوں کے امور کی دیکھ بھال کرنے کے لئے لوکل باڈیز کی ایک نظامت قائم کی۔ ریاستی اسمبلی میں ایک بل پاس کیا گیا جس کا مقصد یہ ہے کہ اختیارات کی لا مرکزیت کے لئے عوام کے مطالبات کے مطابق برسوں پرانے بنگال میونسپل ایکٹ میں ترمیم لائی جائے۔ بعد میں کلکتہ میونسپل ایکٹ میں بھی حسب ضروری ترمیم لائی گئی۔

عوام کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے میونسپل خدمات کی ترقی کا کام بہت عظیم ہے اور اس کے لئے مسلسل کوشش کی ضرورت ہے۔ بائیں محاذ حکومت نے شہری علاقوں میں بہت ساری اسکیموں اور پروجیکٹوں کی تکمیل کے ذریعہ اس سلسلہ میں پہل کی ہے۔

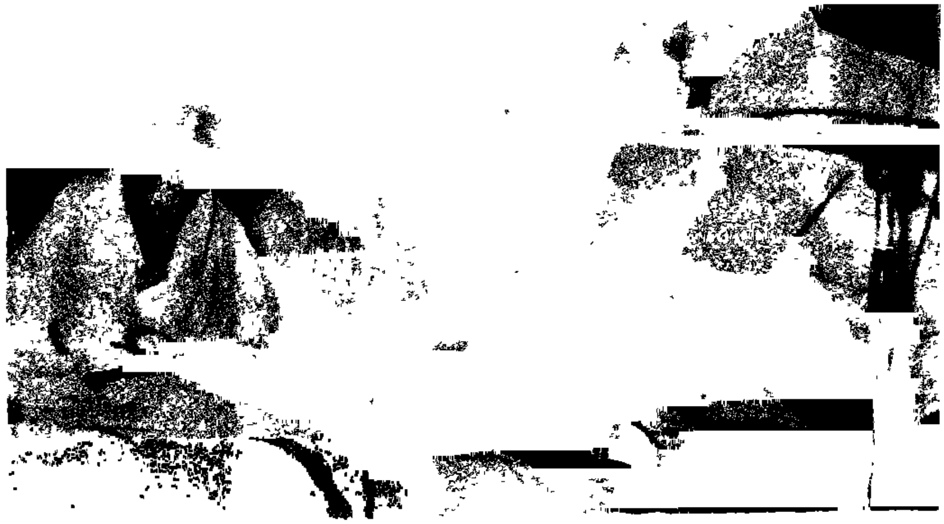
بقیہ:- فہرست ہائے رائے دہندگان

۴ — اطلاع عام کے لئے یہ شائع کیا جاتا ہے کہ چونکہ کمیشن کے تازہ ترین فیصلہ کے مطابق پولنگ اسٹیشنوں کی فہرستوں کو قطعی کرنا ہوگا نیز فہرست ہائے رائے دہندگان کے مسودہ کو اس طرح قطعی کئے گئے پولنگ اسٹیشنوں کے مطابق تیار کرنا ہوگا اس لئے اس ریاست کے بقیہ ۲۷۴-اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب (یعنی ۲۹۴ اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب ۱۵-اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب جہاں سے ۱۴ جون ۸۱ء کو ضمنی انتخابات ہوئے نیز کلکتہ کے پانچ اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب جن کے لئے کلکٹر آف کلکتہ متعلقہ الیکٹورل رجسٹریشن افسر ہیں، کو چھوڑ کر) کی فہرست ہائے رائے دہندگان پر بھرپور نظر ثانی کے پروگرام میں، جو کمیشن کی منظوری سے پہلے مرتب کیا جا چکا ہے اور اخباروں میں شائع ہو چکا ہے، کچھ تبدیلی کا ضرورت در پیش ہو گئی ہے۔ کمیشن نے ہدایت کی ہے کہ ان ۲۷۴ اسمبلی حلقہ ہائے پر بھرپور نظر ثانی کرنے کا کام ساتھ ساتھ حسب ذیل نظر ثانی شدہ پروگرام کے لئے کمیشن نے منظوری دی ہے، چلنا چاہیئے۔

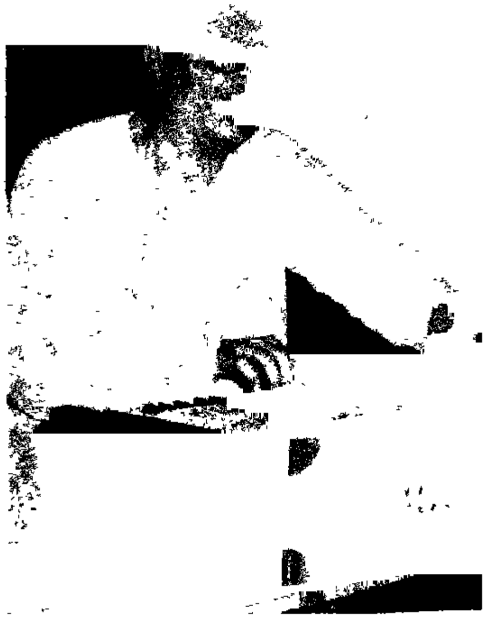
(اے) پولنگ اسٹیشنوں کی فہرستوں کے مسودہ کی اشاعت۔	۱۸-۷-۸۱ کو
(بی) پولنگ اسٹیشنوں کی فہرستوں کے مسودے متعلق تبادلہ خیال کے لئے سیاسی جماعتوں وغیرہ کے ساتھ میٹنگ۔	۲۸-۷-۸۱ کو
(سی) پولنگ اسٹیشنوں کی فہرستوں کو قطعی کرنا اور ووٹوں کی گنتی کرنے کے کام کی جانچ پڑتال کو مکمل کرنا۔	۷-۸-۸۱ تک
(ڈی) فہرست ہائے رائے دہندگان کے مسودہ کی اشاعت۔	۷-۹-۸۱ کو
(ای) دعووں اور اعتراضات داخل کرنے کی آخری تاریخ	۲۸-۹-۸۱ کو
(الیف) فہرست ہائے رائے دہندگان کی قطعی اشاعت۔	۳۱-۱۲-۸۱ کو

۵ — اس امر کے پیش نظر کہ یہ ایک بہت بڑا کام ہے، جس میں موقع پر بھرپور کام اور جانچ پڑتال نیز احتیاط اور محنت طلب دفتری کام شامل ہیں، اس عظیم عمل کی کامیاب تکمیل کیلئے تمام شہریوں اور سیاسی جماعتوں سے تعاون کے لئے درخواست کی جاتی ہے۔

چیف الیکٹورل افسر، مغربی بنگال کی زیر ہدایت جاری کیا گیا۔



شیشیر منچ کلکتہ میں ریاستی حکومت کے زیر اہتمام منعقدہ نذرل جینتی تقریب میں شری عبدالباری، وزیر ریاست، شعبہ تعلیم، حکومت مغربی بنگال شریمتی اندو بالا کو سنگیت کے سلسلہ میں ان کی خدمات کو سراہتے ہوئے انعام پیش کر رہے ہیں۔



شری دھیرین چندر مترا، اسی تقریب میں سامعین کو ایک نذرل گیت سنا رہے ہیں۔ نذرل گیت کو فروغ دینے میں ان کی خدمات کے پیش نظر انھیں بھی اس تقریب میں انعام دیا گیا۔

نذرل جینتی کی تقریب کے موقع پر شیشیر منچ کلکتہ میں سامعین





مذکورہ تقریب میں شسلا جیوتر موسے گوشی تقریر کر رہے ہیں۔

MAGHREBI BENGAL
15th JULY

Regd. No. WB/CC-52
Vol. 28 No. 12
PRICE-12 Paise

فہرست رائے دہندگان اور پولنگ اسٹیشنوں کی

فہرست پر بھرپور نظر ثانی

الیکشن کمیشن آف انڈیا کے احکام کے تحت یکم جنوری ۱۹۸۱ء کو ووٹر بننے کے اہل ہونے کی تاریخ مان کر موجودہ فہرست رائے دہندگان کے ذریعے گھر گھر جا کر جانچ کر کے اس ریاست کی فہرست رائے دہندگان پر ازسر نو بھرپور نظر ثانی کرنے اور ہر خاندان کو الیکٹورل کارڈ جاری کرنے کا کام مکمل طور پر اس ریاست میں پہلے ہی شروع کیا جا چکا ہے۔ ریاست میں آٹھ اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب اور ۲۰۔ سیرام پور پارلیمانی حلقہ انتخاب کے سات اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب سے متعلق، جہاں ۱۴ رجون ۱۹۸۱ء کو ضمنی انتخابات ہوئے تھے فہرست ہائے رائے دہندگان کو اس نظر ثانی کے دائرہ سے باہر رکھی گئی تھیں تاکہ ان ضمنی انتخابات کے انعقاد کے لئے ضروری مختلف کام انجام دیئے جاسکیں۔ اب جبکہ یہ ضمنی انتخابات ہو چکے ہیں لہذا الیکشن کمیشن نے ہدایات جاری کر دی ہیں کہ ہر مذکورہ ۱۵ اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب یعنی ۲۳۔ دارجلنگ ۔ ۳۷۔ کالیا گنج ۔ ۴۱۔ کھرباری ۔ ۸۴۔ شیجاٹ پور ۔ ۱۰۸۔ اجاڑ پور ۔ ۱۳۸۔ ارم دم ۔ ۱۵۹۔ مانک تلہ ۔ ۱۶۷۔ جگت بلبھ پور ۔ ۱۶۸۔ پنچلہ ۔ ۱۷۷۔ جنگی پاڑہ ۔ ۱۷۸۔ چندن نگر ۔ ۱۸۹۔ آرام باغ ۔ ۱۸۰۔ سیرامپور ۔ چاپدانی اور ۲۲۳۔ مناپور اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب کی فہرست ہائے رائے دہندگان پر بھی یکم جنوری ۱۹۸۱ء کو ووٹر بننے کے اہل ہونے کی تاریخ مان کر نیز ہر خاندان کو الیکٹورل کارڈ کے اجراء کے طریقۂ کار کے ساتھ بھرپور نظر ثانی کرنے اور پولنگ اسٹیشنوں کی فہرستوں کو قطعی کرنے کا کام مندرجہ ذیل پروگرام کے مطابق پورا کیا جائے۔

(اے) ووٹروں کی گنتی کرنے کے کام کی جانچ پڑتال کرنا۔	یکم جولائی ۔ ۸۱ سے ۳۱ راگست ۸۱ تک
(بی) پولنگ اسٹیشنوں کی فہرستوں کے مسودہ کی اشاعت ۔	۱۰ ستمبر ۔ ۸۱ کو
(سی) پولنگ اسٹیشنوں کے بارے میں تبادلہ خیال کے لئے سیاسی جماعتوں کے ساتھ میٹنگ	۲۱ ستمبر ۔ ۸۱ کو
(ڈی) پولنگ اسٹیشنوں کی فہرستوں کو قطعی کرنا ۔	۳۰ ستمبر ۔ ۸۱ تک
(ای) فہرست ہائے رائے دہندگان کے مسودہ کی اشاعت	۲۲ اکتوبر ۔ ۸۱ کو
(ایف) دعووں اور اعتراضات داخل کرنے کی آخری تاریخ	۱۲ نومبر ۔ ۸۱
(جی) فہرست ہائے رائے دہندگان کی قطعی اشاعت ۔	۳۱ دسمبر ۔ ۸۱

(۲) کمیشن کی سابقہ ہدایت کے مطابق اس ریاست کی فہرست ہائے رائے دہندگان بھی، جن پر ۱۹۸۱ء کے دوران بھرپور نظر ثانی کی جا رہی ہے، پولنگ اسٹیشن وار تیار کی جانی تھی۔ الیکشن کمیشن آف انڈیا نے حال ہی میں یہ فیصلہ کیا ہے کہ ہر ایک اسمبلی حلقہ انتخاب سے متعلق پولنگ اسٹیشنوں کی تمام فہرستوں کو فہرست ہائے رائے دہندگان کے مسودہ کے شائع ہونے سے پہلے مستقل طور پر قطعی کر دینا چاہئے۔ لہذا مذکورہ بالا ۱۵ ضمنی انتخابی حلقوں سے متعلق پولنگ اسٹیشنوں کی فہرستوں کو قطعی کرنے نیز فہرست ہائے رائے دہندگان پر نظر ثانی کے لئے ایک علیحدہ پروگرام، جیسا کہ اوپر ذکر کیا جا چکا ہے، الیکشن کمیشن آف انڈیا کی رضامندی سے مذکورہ ۱۵۔ اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب کے پولنگ اسٹیشنوں کی فہرستوں کو قطعی کرنے نیز ان کی فہرست ہائے رائے دہندگان پر ازسر نو بھرپور نظر ثانی کے لئے مرتب کیا گیا ہے۔

(۳) چونکہ کلکتہ کے پانچ اسمبلی حلقہ ہائے انتخاب یعنی ۱۳۹۔ چورنگھی شرقی ۔ ۱۵۲۔ انتالی ۔ ۱۵۵۔ بلیا گھاٹہ ۔ ۱۵۸۔ بڑ تلہ اور ۱۶۰۔ بگچھیا مغرب کی فہرست ہائے رائے دہندگان پر ازسر نو بھرپور نظر ثانی کرنے کا کام چند انتظامی دشواریوں کی بنا پر وقت سے شروع نہیں کیا جاسکا لہذا کمیشن نے ہدایت کی ہے کہ ۱۵ ضمنی انتخابی حلقوں کے پولنگ اسٹیشنوں کی فہرستوں کو قطعی کرنے نیز ان کی فہرست ہائے رائے دہندگان پر ازسر نو بھرپور نظر ثانی کرنے کے مذکورہ بالا پروگرام کا اطلاق کلکتہ کے ان پانچ انتخابی حلقوں پر بھی

مغربی بنگال



پندرہ روزہ

مدیر اعلیٰ
ایس۔ کے۔ سین گپتا
مدیر معاون
محمد اعظم

مغربی بنگال

کلکتہ

شرح خریداری
سالانہ ۔ ۱۲ روپے
قیمت
۱۲ پیسے فی پرچہ

جلد ۲۸ | یکم اگست سنہ ۱۹۸۱ء | شمارہ ۱۵



ٹنہ شہر میں عدالت کی عمارت اور ججوں کے کوارٹرس کی تعمیر کا سنگ بنیاد
جسٹس شمبھو چند گھوش نے ۲۵ر جولائی سنہ ۸۱ء کو رکھا۔ تصویر
جسٹس کو سنگ بنیاد رکھتے ہوئے دکھایا گیا ہے۔ ساتھ ہی اس موقع
عدلیہ شری ہاشم عبدالحلیم (تصویر میں دائیں طرف) بھی موجود تھے۔



حال ہی میں کوچ بہار انفارمیشن سنٹر کے زیر اہتمام منعقدہ ربندرا
سالگرہ کی ایک تقریب کا منظر۔

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

بائیں محاذ حکومت کے چار برس

تعلیم ثقافت اور سماجی رفاہ

بائیں محاذ حکومت تعلیم میں معیاری بہتری لانے کے لئے مسلسل کوشش کر رہی ہے۔ اس کے لئے بجٹ میں تعلیم کے مد پر بہت زیادہ رقم مختص کی گئی ہے۔ ۱۹۷۶-۷۷ء کے مالی سال میں بجٹ میں پلان اور غیر پلان مدوں کے تحت الترتیب ۲۲٫۰۹ کروڑ اور ۹۲٫۱۶ کروڑ روپئے رکھے گئے تھے۔ برخلاف اس کے ۱۹۸۲-۸۳ء میں ان مدوں کے تحت علی الترتیب ۵۶٫۶۹ کروڑ اور ۲۱۳٫۸۴ کروڑ روپئے مختص کئے گئے۔ ۱۹۷۷ء میں مغربی بنگال میں لڑکوں کے لئے صرف کلاس IV تک اور لڑکیوں کے لئے کلاس VIII تک تعلیم مفت تھی۔ ۱۹۸۱ء میں سارے مغربی بنگال میں تمام طلبا اور طالبات کے لئے کلاس XII تک تعلیم مفت ہے۔ ایک اسکیم پر عملدرآمد کر رہا ہے

۱۹۸۴-۸۵ء تک پرائمری اسکولوں میں ۶-۱۱ سال کے مزید ۱۶٫۷۷ لاکھ بچوں کو تعلیم کی سہولتیں فراہم ہونگی۔ اس طرح مذکورہ عرصہ کے آخر تک ۶-۱۱ سال کے تمام بچے پرائمری اسکولوں میں زیر تعلیم ہوں گے۔ اس اقدام کا مقصد یہ ہے کہ پرائمری تعلیم کو عام بنایا جائے۔

گذشتہ چار برسوں میں ان علاقوں میں جہاں پرائمری اسکول نہیں ہیں، ۴۶۰۰ پرائمری اسکول قائم کرنے کی منظوری دی گئی۔ اسکولوں کے بچوں کو دن کا کھانا فراہم کرنے کے پروگرام کے تحت پرائمری اسکولوں کے ۳۵ لاکھ بچوں کو دن کا ٹفن سپلائی کیا جا رہا ہے۔ ۵۰۰۰ نئے پرائمری ٹیچروں کے لئے ۱۳۸۰۰ نئی جگہیں بنائی گئی ہیں۔

پرائمری اسکولوں کے طلبا کے لئے اور بھی بہت ساری سہولتیں فراہم کی گئیں۔ انھیں نصاب کی کتابیں، سلیٹ اور کاپیاں مفت سپلائی کی جا رہی ہیں۔ شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب طبقے کی طالبات اور دیگر طبقوں کے ۴۰ فی صد طالبات کو اسکول یونیفارم مفت سپلائی کیا جا رہا ہے۔ ۱۹۷۶-۷۷ء میں پرائمری اسکولوں کے صرف ۱۲۱۰۰۰ بچوں کو دن کا کھانا سپلائی کیا جاتا تھا اور آج اس اسکیم سے پرائمری اسکولوں کے ۲۵ لاکھ بچے فیضیاب ہو رہے ہیں۔ جن بچوں کو اسکولوں میں تعلیم نہیں دی جا سکی، ان کی تعلیم کے لئے فی الحال ۵۵۰۰ غیر رسمی مراکز چلائے جا رہے ہیں۔ ایک اسکیم کے تحت ۱۹۸۴-۸۵ء تک اس قسم کے ۵ لاکھ بچوں کو تعلیم دی جائے گی۔

زبان کی تعلیم کے طریقہ کار کو سائنسی طرز پر ڈھالنے کے پیش نظر موجودہ ریاستی حکومت نے پرائمری طلبا کے لئے نصاب کی کتاب کی حیثیت سے سہج پاٹھ کو برقرار رکھا، ساتھ ہی ایسے طلبا کیلئے ایک اور پرائمری کتاب کشالایہ کو بھی نصاب میں رکھا ہے۔ زبان کی تعلیم کے لئے ابتدائی کتاب کی بابت ماہرین تعلیم کی تجویزوں کو کشالایہ میں ضم کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

اسکول کے نصاب میں زبان کی جگہ کی بابت حکومت مغربی بنگال کا فیصلہ یہ ہے۔ مادری زبان (جیسی کہ بنگلہ، اردو، ہندی، نیپالی وغیرہ) ہی واحد زبان ہوگی جس کی تعلیم کلاس V تک کے طلبا کو دی جائے گی۔ کلاس VI سے XII تک تمام غیر انگریزی طلبا کے لئے انگریزی لازمی دوسری زبان ہوگی۔ کالج کی سطح پر تمام طلبا کو زبان کا ایک لازمی موضوع لینا پڑیگا۔ یہ پالیسی تعلیم کمیشن ۱۹۶۴-۶۶ء کی سفارشات کے عین مطابق ہے۔ ہندوستان کی تقریباً تمام ریاستوں میں اس پالیسی کو بر سر عمل لایا جا رہا ہے۔ اسکول کے نصاب میں زبان کے مقام کے سلسلہ میں موجودہ ریاستی حکومت کی لسانی پالیسی قومی رائے عامہ کے عین مطابق ہے تعلیم میں دیسی زبانوں (ورناکیولر) کے استعمال کی بابت یونیسکو کی دستاویز میں بھی یہی نظریہ پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح ہم یہ دیکھتے ہیں کہ انگریزی ختم نہیں کی گئی بلکہ اس کی تعلیم کلاس VI سے شروع کی جاتی ہے۔

سکینڈری سطح پر مفت تعلیم کے رائج ہونے سے تمام سکینڈری اسکولوں کو پوری تنخواہ کی اسکیم کے تحت لایا گیا۔ سکینڈری ٹیچروں کے لئے ۶ ہزار نئی جگہیں بنائی گئیں۔ ان علاقوں میں جہاں سکینڈری اسکول نہیں ہیں ایک ہزار نئے سکینڈری اسکول قائم کئے گئے۔ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب اور معاشی لحاظ سے پسماندہ طبقہ کے طلبا کو ریاستی حکومت نصاب کی کتابیں، ٹفن، اسکول لباس سپلائی کر رہی ہے اور بلا ناغہ اسکول آنے کے لئے انھیں اسکالرشپ بھی دے رہی ہے، سستی قیمتوں پر لکھنے کی کاپیاں

سپلائی کرنے کے انتظامات کو جاری رکھا گیا ہے۔ کلاس XII کے تمام طلباء کو ریاضی کی نصابی کتاب مفت سپلائی کی جاتی ہے۔ ویسٹ بنگال بورڈ آف سکینڈری ایجوکیشن ایکٹ، ویسٹ بنگال پرائمری ایجوکیشن ایکٹ اور ویسٹ بنگال پبلک لائبریریز ایکٹ کو جمہوری بنایا گیا ہے۔

تمام زمروں کے اساتذہ کو مرکزی حکومت کی شرحوں کے مطابق مہنگائی بھتہ دیا جا رہا ہے۔ اپریل ۱۹۸۰ء سے تسلیم شدہ سینئر مدرسوں کے تسلیم شدہ مدرسہ وغیرہ تدریسی اسٹاف تنخواہ کی شرحیں رائج کی گئی ہیں۔ سابق حکومت کے دور میں سیاسی وجوہ سے جن ٹیچروں کو برطرف یا معطل کر دیا گیا تھا، انھیں ملازمت پر بحال کر دیا گیا۔

دیہی علاقوں میں ۲۵۰۰ سے زیادہ دیہی لائبریریاں کھولی گئی ہیں۔ حکومت انھیں مالی امداد فراہم کرتی ہیں۔ ریاستی حکومت کے زیر انتظام غیر رسمی تعلیم کے مرکزوں کی تعداد اب ۵۰،۰۰ ہے۔ ریاستی حکومت نے کلکتہ میٹروپولیٹن لائبریری بھی قائم کی ہے۔

اعلیٰ تعلیم

اعلیٰ تعلیم کے میدان میں حسب معمول تعلیمی فضا بحال کر دی گئی ہے۔ اب امتحانات وقت پر ہوتے ہیں اور ان کے نتائج بھی وقت پر شائع کئے جاتے ہیں۔ موجودہ حکومت کے دور میں تعلیمی اداروں کے احاطہ میں تشدد کے واقعات رونما نہیں ہوئے۔ جمہوری طرز کے مطابق تمام یونیورسٹیوں کا از سر نو انتظام کیا جا رہا ہے۔ قانونی باڈیز کی از سر نو تشکیل کے لئے بل مرتب کئے گئے ہیں۔ گجیندر گڈکر کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق کالجوں کی مجالس انتظامیہ کی از سر نو تشکیل کی جا رہی ہے، اور انتظامی اور مالی بے ضابطگی کو دور کر دیا گیا ہے۔ تنخواہ پیکیٹ اسکیم، سروس سیکورٹی ایکٹ اور کالج سروس کمیشن کے قیام سے کالج کے اساتذہ اور غیر تدریسی اسٹاف کو کافی فائدہ پہونچا۔ اب انھیں باقاعدہ تنخواہ ملتی ہے۔ ان کی ملازمت کا تحفظ بھی کیا گیا ہے۔ نیز غیر جانبدارانہ طور پر کالج کے اساتذہ کی نئی بھرتی کی جاتی ہے۔ علاقائی عدم توازن کو دور کرنے کے لئے اس ریاست کے پسماندہ علاقوں میں ۱۲ کالج قائم کئے گئے ہیں اور مزید سات کالج کھولے جائیں گے۔ مدناپور میں ودیا ساگر یونیورسٹی قائم کی جائے گی۔ یونیورسٹیوں سے ملحق کالجوں کو بہت ساری سہولتیں فراہم کی جا رہی ہیں، پنشن گریجویٹی اور خاندانی پنشن کی سہولتیں ہیں۔ جس طرح سے تنخواہ پانے والے غیر سرکاری کالجوں کے اساتذہ کو فراہم ہیں، ایسی سہولتیں

پرائمری ہی۔ جی۔ سی شرحوں میں تنخواہ پانے والے اساتذہ کو بھی دی جا رہی ہیں۔ ریاستی حکومت نے اب یہ فیصلہ کیا ہے کہ گڈز اسٹوڈینٹس ہومس کے ملازمین اور غیر تدریسی ملازمین کو بھی مذکورہ مراعات مل جائیں۔

بر اعظم ایشیا کے ملکوں سے متعلق ثقافتی، سماجی، دستوری اور معاشی میدانوں میں ریسرچ کرنے کے لئے نیتا جی انسٹی ٹیوٹ برائے ایشین اسٹڈیز قائم کیا گیا ہے۔

نار بندرا رچناولی کے نئے ایڈیشن کی پہلی جلد شائع ہو چکی ہے۔

بائیں محاذ حکومت نے برسر اقتدار آنے کے بعد ایک اسکیم کے تحت ریاستی حکومت کے تمام شعبوں کے تعلقات عامہ اور نشر و اشاعت کے کام کاج کی پوری ذمہ داری شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کو سونپ دی۔ اس شعبے نے حکومت کی پالیسیوں اور پروگراموں کی عکاسی کرنے کے ساتھ ساتھ اس ریاست میں صحت مند ثقافتی نشو و نما کے لئے اہم اقدامات کئے ہیں۔

دیہی اطلاعات تنظیم کو مستحکم بنانا، مختلف شعبوں سے متعلق اخباروں کو زیادہ سے زیادہ اشتہارات دینا، وسیع پیمانہ پر زیادہ سے زیادہ تعداد میں معیاری نمائشوں کا انعقاد کرنا، 'پچھم بنگ' رسالے، جو چھ زبانوں میں شائع ہوتے ہیں، کی تعداد اشاعت میں مسلسل اضافہ ہونا، آسنسول اور سلی گوڑی میں ریاستی سطح کے مراکز اطلاعات قائم کرنا، اس ریاست کے اندر اور باہر کے علاقوں میں لوک تفریح سیکشن کی بہتر کارکردگی، چائے باغات اور کوئلہ کی کانوں کے علاقوں میں لیبر انفارمیشن سنٹر قائم کرنا، بلاک سطح تک اطلاعات خدمات کی توسیع کرنا — یہ تمام اس شعبہ کی گوناگوں سرگرمیوں کی شاہد ہیں۔ بین ریاستی تعلقات کو وسیع بنانے کے پیش نظر حال ہی میں دو انفارمیشن سنٹر، ایک تریپورہ میں اور ایک مدراس میں قائم کئے گئے۔ دلی کے انفارمیشن سنٹر کی جدید کاری کی گئی۔ اس کے علاوہ ہندوستان کے دیگر اہم شہروں میں انفارمیشن سنٹر کھولے جائیں گے۔ شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور سرکاری کام کاج میں بنگلہ اور پہاڑی علاقوں میں نیپالی زبان استعمال کرنے کی ہمت افزائی کرنے کے لئے ضروری اقدامات کر رہی ہے۔

اس حکومت کی قائم کردہ چھوٹے اور درمیانی درجہ کے اخبارات کی بابت کمیٹی نے اپنی رپورٹ داخل کر دی۔ اس شعبہ نے چھوٹے اور درمیانی درجہ کے اخبارات کی مدد اور ہمت افزائی کرنے سے متعلق بہت ساری سفارشات کی تکمیل کا کام شروع کر دیا ہے۔

اس ریاست میں رو بہ انحطاط اور غیر صحت مند ثقافت کے خلاف رائے عامہ ہموار کرنے اور صحت مند ثقافتی سرگرمیوں کو فروغ دینے کے لئے بائیں محاذ حکومت واضح اور ٹھوس پروگرام کو بروئے کار لا رہی ہے۔ اس پروگرام کے تحت مختلف لوک کلا کو محفوظ رکھنے اور انھیں فروغ دینے کے لئے بنگلہ میں لوک ثقافت انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا ہے۔ مختلف ثقافتی اداروں اور ذہین آرٹسٹوں کو مالی امداد دی گئی ایک سو خلاق ادیبوں کو، ان کی تخلیقات کی اشاعت کے لئے امداد فراہم کی گئی۔ بہالہ میں واقع ایک نئی عمارت میں ریاستی آثار قدیمہ عجائب خانہ کو منتقل کر دیا گیا۔ سنگ تراشی اور مصوری میں نمایاں خدمات کے لئے ابنندرا انعام، رائج کیا گیا۔ اضلاع میں لوک ثقافت تہوار اور ناٹک تہوار کا انتظام کیا جاتا ہے۔ کلکتہ میں جدید طرز کے دو تھیٹر ہال تعمیر کئے جا رہے ہیں۔ اضلاع میں پبلک ہال کی تعمیر اور جدید کاری کے لئے مالی امداد فراہم کی جا رہی ہے۔ سوڑی اور جھاڑگرام میں قبائلی ثقافت پر تحقیق کرنے کیلئے دو ریسرچ سنٹر قائم کئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ کلکتہ میں ایک آرٹ گیلری قائم کی گئی ہے۔ اور مشہور ادیبوں کی تخلیقات شائع کی گئی ہے۔ بچوں کے ادب کی معیاری کتاب "آلو ر پھلکی" کا دوسرا ایڈیشن بھی شائع کیا گیا۔ ایک حالیہ ایکٹ کے تحت ضلعوں میں اور سب ڈویژنل شہروں میں قائم ربندرا بھون کو اس شعبہ کے زیر انتظام لایا گیا۔

نیپالی ادب اور ثقافت کے فروغ کے لئے نیپالی اکیڈمی قائم کی گئی ہے۔ دارجلنگ میں ایک نیپالی پریس قائم کرنے کی اسکیم کو بروئے کار لایا جا رہا ہے۔ اس ریاست میں تین علاقائی عجائب خانہ قائم کرنے کے سلسلہ میں کوششیں کی جا رہی ہیں۔

ریاستی حکومت اس ریاست میں فلم صنعت کی فلاح کے لئے بہت سارے پروجیکٹوں کو بروئے کار لا رہی ہے۔ گذشتہ چار برسوں میں ریاستی حکومت نے ۵ پوری لمبائی کی فیچر فلمیں بنائیں۔ چند اور فیچر فلمیں معہ ایک ہندی فلم بھی تیار کی جا رہی ہیں۔ اس اسکیم کی تکمیل کے لئے ستیہ جیت رائے، مرنال سین اور شیام بینیگل، ایم۔ اے۔ ساتھیو جیسے مشہور ڈائرکٹروں کی خدمات حاصل کی گئی ہیں۔ اب تک اس حکومت نے ۲۷ دستاویزی فلمیں اور بچوں کی نو فلمیں تیار کی ہیں اور ہر مہینہ ایک نیوز ریل تیار کرتی ہے۔ اس کے علاوہ فلم پروڈیوسروں کو مالی امداد کی فراہمی ٹیکنیشینس فلم اسٹوڈیو کا انتظام اپنے ہاتھ لے لینا، ایک رنگین فلم کی تجربہ گاہ قائم کرنے کے لئے کارپوریشن قائم کرنا، آرٹ فلم تھیٹر کی تعمیر، ساری ریاست میں سینما تعمیر کرنے کے لئے مالی امداد فراہم کرنا فلم پروڈیوسروں کو سینما کے آلات بطور قرض دینا وغیرہ ریاستی حکومت کے شعبۂ اطلاعات و ثقافتی امور کی سرگرمیوں میں شامل ہے۔

بائیں محاذ حکومت تمام سطحوں پر قومی یکجہتی کے فروغ کے لئے مسلسل طور پر کوشش کر رہی ہے، اس کوشش کا نتیجہ ہے کہ یہاں حال ہی میں شرقی علاقوں کی ثقافتی اور یکجہتی تقریب منعقد کی گئی۔

ہندستان جیسے ملک میں جہاں ۷۰ فی صد لوگ زندگی کی بنیادی ضرورت کی چیزوں سے محروم ہیں اور غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں، سماجی رفاہ کی اسکیم کافی اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ گذشتہ چار برس کے مختصر عرصہ میں بائیں محاذ حکومت نے جسمانی طور پر معذور افراد کی بحالی کے لئے معاشی امداد فراہم کرنے کے پروگرام کی تکمیل پر زیادہ زور دیا ہے۔ نیز ریاستی حکومت نے بیوہ پنشن اسکیم بھی رائج کی ہے۔ اس اسکیم کے تحت ۶۰۰۰ نادار بیواؤں کو ۳۰ روپیہ فی ماہ فی کس کے حساب سے پنشن مل رہی ہے۔ مقوی غذا کی فراہمی پروگرام کے تحت ۰-۶ سال کی عمر کے غریب و نادار ۱۹٫۲۷ لاکھ بچوں کو، نیز حاملہ ماؤں اور چھوٹے بچوں کی ماؤں کو مقوی غذا فراہم کی جا رہی ہے۔ ماں اور بچہ کی دیکھ بھال کے پروگرام سے، جس کا مقصد نادار ماؤں اور بچوں کو مقوی غذا فراہم کرنا، انھیں تعلیم دینا اور ان کا علاج کرنا ہے، ۳ لاکھ ماں اور بچے مستفید ہو رہے ہیں۔ اس حکومت کی سماجی رفاہ کی اہم سرگرمیوں میں بچوں کی جامع ترقی خدمات کے تحت ترقیاتی اور فلاحی پروجیکٹوں کو بروئے کار لانا شامل ہے۔ اس اسکیم کے تحت معذور ضعیفوں کو بھی پنشن دی جاتی ہے، نادار عورتوں کو خیاطی اور بنائی کی تربیت دی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ نادار بچوں، لڑکے اور لڑکیوں اور عورتوں کے ہوم میں مکینوں کو پیشہ ورانہ تربیت دی جاتی ہے۔ جسمانی لحاظ سے معذور افراد کو اسکالرشپ دیا جاتا ہے۔ آوارہ گردوں اور گداگروں کے لئے رفاہی ہوم کو اور بھی مستحکم بنایا گیا۔ نادار بچوں کی تعلیم کے لئے غیر ادارہ جاتی دیکھ بھال کے تحت ایک اسکیم کو بروئے کار لایا گیا۔ کلکتہ کے فٹ پاتھ کے باشیوں کی بحالی کے لئے اقدامات کئے گئے۔ معذور لوگوں کے بین الاقوامی سال میں ان کی فلاح و بہبود کی تمام موجودہ اسکیموں کو بروئے کار لایا جا رہا ہے اور انھیں مستحکم بنایا جا رہا ہے۔

نوجوانوں کی رفاہ اس حکومت کا ایک اہم کام ہے۔ موجودہ ڈھانچہ میں نوجوانوں کی بڑی تعداد کو اس بات کی دشواری ہو رہی ہے کہ ان کی امنگوں اور خواہشات کے پورے طور پر اظہار کے لئے انھیں مناسب مواقع نہیں ملتے۔ محدود وسائل کے باوجود ریاستی حکومت کا نوجوانوں کی خدمات شعبہ اس ریاست کے نوجوانوں کی فلاح و بہبود کیلئے گزشتہ چار برسوں سے چند اسکیموں اور پروگراموں کو برسر عمل لارہا ہے۔ ۱۹۷۷ء سے قبل اس شعبہ کی سرگرمیاں صرف ۴۰ بلاکوں تک محدود تھیں اور ان علاقوں میں چند معمولی اسکیموں کو برسر عمل لایا گیا تھا۔ گذشتہ چار برسوں میں اس شعبہ کی سرگرمیاں مزید ۲۸۷ بلاکوں تک پھیل گئیں۔ بجٹ میں اس شعبہ کے لئے ۷۷-۱۹۷۶ء کے مقابلے کے مقابلہ میں ۶ گنا زیادہ رقوم مختص کی گئیں۔ بے روزگاری کی شدت کو کم کرنے کے سلسلہ میں بے روزگار نوجوانوں کے لئے خود روزگار پروگرام بہت ہی موثر طریقہ ثابت ہو رہے ہیں۔ گذشتہ چار برسوں میں موجودہ ریاستی حکومت نے ۲۷،۵۰۰ نوجوانوں کی ہمت افزائی کی کہ وہ خود روزگار پروجیکٹوں کو اپنائیں۔ اس سلسلہ میں حکومت نے ۲۱،۵۰ کروڑ روپے معہ حاشیائی رقم، منظور کئے۔ ۲،۲۰۰ نوجوانوں کو پیشہ ورانہ تربیت دی گئی۔ سال رواں میں شیڈولڈ کاسٹ طبقہ کے نوجوانوں کو پیشہ ورانہ تربیت دینے کے لئے ۲۰ ہزار روپئے منظور کئے گئے۔

نوجوانوں کی خدمات شعبہ صحت مند ثقافت اور کھیل کود کے فروغ کے لئے بلاک ضلع اور ریاستی سطحوں پر نوجوانوں کے تہوار کا انتظام کر رہا ہے۔ حال ہی میں مولا علی کلکتہ میں ایک ریاستی نوجوان مرکز کھولا گیا۔ اس مرکز میں ایک بڑا آڈیٹوریم ہے، ایک سائنس عجائب خانہ ایک لائبریری ایک ورزش گاہ، پیشہ ورانہ تربیت کا مرکز بھی ہے۔ اس ریاست کے اندر اور باہر کے علاقوں میں یوتھ ہاسٹل قائم کرنے کا کام جاری ہے۔ دیہی علاقوں میں اجتماعی ہال اور کھلی ہوا کے اسٹیج تعمیر کرنے، اسکاؤٹنگ کا ٹریننگ، براتو چاری اور مالی میلہ تحریکوں کی ہمت افزائی کرنے کے سلسلے میں مالی امداد فراہم کرنے، کوہ پیمائی، برف پر پھسلنے اور اونچائی پر چڑھنے کے لئے اور ضلع یوتھ سنٹر قائم کرنے کے لئے مالی امداد فراہم کرنے کے سلسلہ میں کئی اسکیمیں مرتب کی گئی ہیں۔

یہ شعبہ سیکنڈری اور ہائر سیکنڈری اور کالجوں کے طلباء کو تعلیمی دورہ کے لئے مالی امداد فراہم کرتا ہے۔ گذشتہ تین برسوں میں اس ریاست میں کھیل کود کے کل ۳۰۰ گراونڈ بنانے یا انھیں بہتر بنانے کے لئے مختلف کلبوں اور تنظیموں کو اس شعبہ نے مالی امداد دی۔ ۳۲۷ یوتھ بلاک آفسوں میں سے ہر آفس میں ایک غیر رہائشی اسپورٹس کوچنگ سنٹر چالو کرنے کے سلسلہ انتظامات کئے گئے ہیں۔ دیہی بنگال کے تقریباً تمام کلبوں کو اسپورٹس اور کھیل کے ساز و سامان سپلائی کئے جا رہے ہیں۔ ماہانہ رسالہ 'یوبہ مانس' کی تعداد اشاعت میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے۔

اس حکومت کا ایک بنیادی مقصد یہ ہے کہ اس ریاست کے عوام کے کمزور طبقوں کے خاص طور پر شیڈولڈ کاسٹ و شیڈولڈ ٹرائب طبقوں کے لوگوں کے مسائل کو حل کیا جائے۔ ۷۷-۱۹۷۶ء سے ریاستی حکومت کے شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی رفاہ کے شعبہ نے ان طبقوں کے غریب لوگوں کے فائدے کے لئے بہت ساری اسکیموں پر عملدرآمد کا کام شروع کر دیا ہے۔ ان لوگوں کے، جن کی سالانہ آمدنی ۳۶۰۰ روپئے سے زیادہ نہیں ہے، بچوں کے فائدے کے لئے آشرم۔ ہاسٹل قائم کئے گئے ہیں۔ یہ ہاسٹل حکومت کے زیر انتظام ہیں اور یہاں کے بچوں کو کھانا، لباس، کتاب، دوا وغیرہ مفت سپلائی کی جاتی ہیں۔ اسکولوں میں شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے طلباء کو خصوصی تعلیم کیلئے انتظامات کئے گئے ہیں۔ ثانوی اور ماقبل ثانوی اسکولوں کے طلباء کے لئے ہاسٹلوں کی تعمیر کیلئے کافی رقوم خرچ کی جا رہی ہیں۔ ایسے طلباء کے لئے، نصاب کی کتابوں کے لئے گرانٹ میں خاطر خواہ اضافہ کیا گیا ہے۔ ہاسٹل میں رہنے والے شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کے ۴۴ ہزار طلباء کو ہاسٹل کے اخراجات دینے کی اسکیموں کو برسر عمل لایا جا رہا ہے۔ ہاسٹل میں رہنے والے ہر طالب علم کو ہر سال ۲ قسطوں میں ۹۰۰ روپئے دئے جاتے ہیں۔ دن کے اسکولوں میں تعلیم پانے والے طلباء کو بھی تعلیم کے اخراجات دئیے جاتے ہیں۔ اس اسکیم کے تحت سال بھر ہر طالب علم کو ۲۰ روپئے فی ماہ دئے جاتے ہیں۔ ثانوی سطح پر ایسے طلباء کو وظیفہ دینے کے سلسلہ میں، اگر وہ ایک سال کسی کلاس میں فیل ہو جائیں، تو ان کے اس ناکامی کو معاف کر دیا جاتا ہے۔ کلکتہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب کے طلباء کی دو ہاسٹل کی تعمیر کیلئے ضروری اقدامات کئے جا رہے ہیں۔

شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب کی معاشی بدحالی کی اہم وجہ صدیوں پرانا ناقص آراضی کا انتظام ہے۔ بائیں محاذ حکومت نے اصلاحات آراضی کے جو اقدامات کئے ہیں اور جنھیں پایہ تکمیل تک پہونچایا ہے ان سے شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کی بڑی اکثریت کو فائدہ پہونچا ہے

دسمبر ۱۹۹۸ء تک ۲۲۳۰۱۶ شیڈولڈ کاسٹ اور ۲۳۲۶۹۹۵ شیڈولڈ ٹرائب لوگوں کو سرکاری ملکیت کی فاضل زمین دی گئی۔ شیڈولڈ کاسٹ کے ۴۰۰۷۹۴ اور شیڈولڈ ٹرائب کے ۱۰۰۳۰۷ لوگوں کے نام برگادار کی حیثیت سے کاغذات آراضی میں درج کئے گئے ہیں۔ ایسی زمین پانے والے لوگوں کو ہر سال فی کس ۲۵۰ روپئے بطور گرانٹ اور ۲۵۰ روپئے بطور قرض دیئے جاتے ہیں۔ قبائلی لوگوں کی ابتر معاشی حالت میں بہتری لانے کے مد نظر اب تک بڑے پیمانے کی ۸۰ کثیر المقاصد کوآپریٹو سوسائٹیاں قائم کی گئی ہیں۔

قبائلی لوگوں کے مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ریاستی حکومت کی جنگلات سے متعلق پالیسی میں مناسب ترمیم لائی گئی ہے۔ برہوڑ، ٹوٹو، لودھا، کھیریا قبیلوں کے فائدہ کے لئے خصوصی پروگراموں کو بروئے عمل لایا گیا ہے۔

غربت کی سطح پر زندگی بسر کرنے والے شیڈولڈ کاسٹ طبقہ کے لوگوں کے معیار زندگی میں بہتری لانے کے لئے ۱۹۸۰ء سے خصوصی منصوبہ کو بروئے عمل لایا جا رہا ہے۔ اس منصوبہ میں مختلف شعبوں میں جیسے زراعت دیہی صنعت، آبپاشی، ماہی پروری، مویشی پالن، جنگلات سے متعلق صنعت امداد باہمی، پیشہ وارانہ تربیت وغیرہ میں شیڈولڈ کاسٹ طبقہ کے لوگوں کے لئے رفاہی اسکیمیں شامل ہیں۔ اس ریاست کے پسماندہ طبقوں کی رفاہ کے لئے اس ریاست میں دو کارپوریشن بنام مغربی بنگال قبائلی ترقیاتی کوآپریٹو کارپوریشن لمیٹیڈ اور شیڈولڈ کاسٹ اور شیڈولڈ ٹرائب ترقیاتی اور مالیاتی کارپوریشن لمیٹیڈ کام کر رہے ہیں۔

بقیہ:- اقبال

ہے۔ اقبال اس آگ کو ہمیشہ روشن رکھنے کے خواہاں ہیں یہ تصور بہت وسیع اور ہمہ گیر ہے۔ ایک ازلی اضطراب ہے اور یہ افزائش حیات کا ضامن۔ جو انسانی وجود کو آتشیں پیکر بناتا ہے اور اسے نئے جہانوں کی تسخیر کے لئے بے چین رکھتا ہے۔ اقبال نے عقل کے مقابلے میں عشق کو فوقیت دے کر عشق کی عظمت کی آئینہ داری کی ہے۔

عشق فرمودۂ قاصد سے سبک گام عمل
عقل سمجھی ہی نہیں معنی پیغام ابھی
عشق کی ایک جست نے طے کر دیا قصہ تمام
اس زمین و آسمان کو بے کراں سمجھا تھا میں

یہاں اقبال کے تصور خودی کا مرکزی خیال ہے کہ انسان وجود مطلق کا ایک مظہر فرد ہے۔ وہ صرف انفرادیت ہی نہیں رکھتا بلکہ خودی کے جذبے سے سرشار ہے۔ یہ جذبہ ایک تخلیقی جذبہ ہے جو حیات اور کائنات کے تخلیقی ارتقا سے ہم آہنگ ہے۔ اس تخلیقی اور فطری جذبہ کا خاصہ یہ ہے کہ انسان جستجو میں مصروف رہے اور اپنے لئے اعلیٰ منازل طے کرے۔ ان منازل اور مقاصد کے حصول کے لئے قدم قدم پر مشکلوں سے بھی دوچار ہونا پڑتا ہے۔ انسان عالم فطرت کے مقابلے میں صرف حقیقت کا عکس ہی نہیں بلکہ ایک حقیقت ہے اور روحانی صفت کا مالک ہے۔

خودی را زندگی ایجاد غیر است
فراق عارف از حروف غیر است
قلم و حدیث ما از شما است
شرار ما طلسم روزگار است

غرض اقبال کی شاعری ایک بلند ولولۂ حیات، عزم و یقین، اثبات وجود اور توانائی کا جو غیر معمولی احساس جلوہ گر ہے وہ ان کے روحانی مزاج کا آئینہ ہے۔

تجھے یاد کیا نہیں ہے مرے دل کا وہ زمانہ
وہ ادب گہ محبت وہ نگہ کا تازیانہ

بشکریہ تعمیر مرکز

ذیلی صحت مرکز

حکومت مغربی بنگال نے ضلع بانکوڑا میں چھاترا بلاک کے تحت جھنتی پہاڑی میں ۶ بستروں پر مشتمل ایک ذیلی صحت مرکز کے قیام کے لئے منظوری دے دی ہے۔ یہ مرکز ۲۰۴۴۰۰ روپیہ کی تخمینی لاگت سے تعمیر کیا جائے گا۔

ڈاکٹر [illegible]وانی لکچرار اسلامیہ سرینگر

اقبال بحیثیت رومانی شاعر

آرتھر او۔ لوجوائے (AURTHER . O. LOVEJOY) نے اپنے مشہور مقالے "ON THE DESCRIMINATION OF ROMANTICISM" میں مختلف ممالک کے ادب کی رومانیت کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک ملک کی رومانیت دوسرے ملک کی رومانیت سے مختلف ہو سکتی ہے۔ رینے ویلک (RENE WELLCK) اس کے نظریئے پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے۔

" بلا شبہ رومانیت ایک نہیں بلکہ متعدد اقسام
کی ہے وہ یہ تسلیم کرتا ہے کہ ان میں کوئی مشترک
سبب نما ہو سکتا ہے لیکن وہ کبھی نظر نہیں آتا ہے۔"

"THE CONCEPT OF CRITICISM" BY RENEWELLK

ظاہر ہے ادب اپنے سماجی، جغرافیائی اور تہذیبی حالات کے پس منظر میں پروان چڑھتا ہے اور یہ خیالات مختلف ممالک میں مختلف شکلیں اختیار کرتے ہیں۔ رومانیت کا تصور بھی ہر ملک اور قوم کے فکری، تہذیبی اور جغرافیائی حالات کے تابع رہا ہے۔ اردو شاعری میں رومانیت کے جو مختلف شکلیں ابھر آئی ہیں وہ مغربی رومانیت سے متاثر ہونے کے باوجود انفرادی خدوخال رکھتی ہیں، یہ رومانی تصورات قدیم دور میں بے شک انفرادی شعراء کے یہاں ملتے ہیں لیکن کسی رجحان، تحریک یا مجموعی انداز نظر کی صورت میں نہیں ملتے۔ البتہ بیسویں صدی میں ملکی اور بین الاقوامی سطحوں پر پہلی جنگ عظیم کی ہولناکیوں کے پس منظر میں رونما ہونے والے تہذیبی اور سماجی بحران کے نتیجے میں رومانی رجحان کی شناخت ممکن ہوئی ہے۔ یہ رجحان افسانے میں، مجنوں گورکھپوری، ل احمد حجاب، امتیاز علی تاج، سجاد حیدر یلدرم، نیاز فتح پوری، سجاد انصاری کی تحریروں میں اور اردو شاعری میں اقبال، اختر شیرانی، مجاز حفیظ وغیرہ کے یہاں ملتا ہے۔ یہ بات قابل ذکر ہے کہ موجودہ صدی میں بھی اردو شاعری میں اسی کی مختلف شکلیں نظر آتی ہیں، کہیں پر نادیدہ بستیوں کی تلاش میں کہیں انقلاب کی رجز خوانی میں، کہیں جذبات عشق کے رموز میں، کہیں تخیلاتی فضا آفرینی میں اور کہیں عشق کے ماورائی تصورات میں ملتی ہے۔

بیسویں صدی اپنے ساتھ بڑے انقلابات اور تبدیلیاں لے کر آئی۔ اس زمانے میں سیاسی اور تہذیبی سطح پر اہم تغیرات رونما ہوئے جس کے نتیجے میں زندگی میں بنیادی تبدیلیاں واقع ہونے لگیں، افکار و خیالات اور زندگی کے متعلق تمام تر نظریات میں اہم تبدیلیاں رونما ہوئیں۔ تبدیلی اور تغیر کا یہ کا یہ عمل اگرچہ سرسید کے وقت سے شروع ہو چکا تھا۔ لیکن اس میں شدت اقبال ہی کے عہد میں پیدا ہوئی، بیسویں صدی کے آغاز تک ان کے ذہن و مزاج میں وسعت پیدا ہوئی تھی۔ وہ ایک حساس شاعر کی طرح برق رفتار تبدیلیوں کا گہری تشویش سے مطالعہ کرتے رہے اقبال کس حد تک اپنے گرد و پیش بدلتے ہوئے حالات سے متاثر ہوتے اس کا اندازہ اس شعر سے ہو سکتا ہے ؂

حادثہ وہ جو ابھی پردۂ افلاک میں ہے
عکس اس کا مرے آئینہ ادراک میں ہے

احتشام حسین لکھتے ہیں" بیسویں صدی کے آتے آتے آزادی کی خواہش اور مغربی اثرات نے عمل کی دنیا سے دور ایک انتہا پسندانہ رومانوی اور تخیلی انداز نظر پیدا کر دیا تھا۔ جو کسی کے یہاں مذہب سے بغاوت کی شکل میں کسی کے یہاں تخیل کی رنگین بیانی اور والہانہ گمشدگی کے رنگ میں رونما تھی۔ جو زنجیریں واقعی زندگی میں نہیں ٹوٹ سکتی تھیں وہ خیالوں میں ٹوٹنے لگیں اور تصور کی میناکاریوں کی محدود زندگی میں ہی نئے چمن کھلنے لگے۔

اقبال کی شخصیت ایک پہلو دار دو رنی اور ہمہ گیر شخصیت ہے۔ ان کی شعری تخلیقات میں بھی متعدد رجحانات اور خیالات کی مصوری ملتی ہے، وہ وطنیت اور ہندوستانیت کے علاوہ مغربی تہذیبی صورت حال کی بھی ترجمانی کرتے ہیں، خارجی مسائل کے ساتھ ساتھ داخلی کوائف کی مصوری کرنے کے علاوہ

موجودہ صدی کے بحران کے ساتھ ساتھ ذہنی اور جذباتی استحکام کی طرف بھی متوجہ ہیں۔ ان سب میلانات اور تجربات کے ساتھ ساتھ اُن کے یہاں رومانی تصورات بھی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔ ڈاکٹر محمد حسین کا خیال ہے "اقبال کی شاعری میں رومانی اثرات بہت نمایاں طور پر نظر آتے ہیں ان کے ہاں جذبات اور وجدان کی افراط کا غلبہ اس قدر زیادہ ہے کہ اگر اُن کو رومانی شاعر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا"

پہلی عالمی جنگ کے آغاز و اختتام نے ادب، سیاست تہذیب، معاشرت اور اقتصادیات کو بہت حد تک متاثر کیا روس اور فرانس کی صنعتی مزدور تحریک نے اور بھی زیادہ اثر ڈالا، اس طرح اشتراکیت کو نشوونما کے مواقع فراہم ہوئے سیاسی اور اقتصادی تبدیلی نے اُردو شاعری کے اندازِ فکر کو ایک نئے سانچے میں ڈالا، مغربی تہذیب ایک میکانکی تہذیب میں تبدیل ہو رہی تھی۔ میکانکی تہذیب انسان کو مشین کا پُرزہ بنا رہی تھی، وہ اخلاقی اور روحانی قدروں سے بیگانہ ہو رہا تھا۔ نتیجے میں انسان کا ذہنی اور نفسیاتی وجود منتشر ہو رہا تھا۔ اقبال اس موقع پر شکست کو قبول کرنے کی بجائے اپنی پوشیدہ قوتوں کو بروئے کار لانے کی جدوجہد کرتے رہے۔ انہوں نے انسان کی اخلاقی اور روحانی قوتوں کی نئی تنظیم کر کے اسے ایک ایسی قوت کے طور پر پیش کیا جو پورے عہد کا سامنا کر سکتی ہے۔ یہ عرفان، وجود و لولہ اور تب و تابِ زندگی اُن کے رومانی ذہن کی نشاندہی کرتا ہے "مسجد قرطبہ" نظم کے ذیل کے اشعار سے اقبال کے رومانی ذہن کا صحیح اندازہ ہوتا ہے۔

تیرا جلال و جمال مردِ خدا کی دلیل — وہ بھی جلیل و جمیل تو بھی جلیل و جمیل
تیری بنا پائیدار تیرے ستون بے شمار — شام کے صحرا میں ہوں جیسے ہجومِ نخیل
تیرے در و بام پر وادیٔ ایمن کا نور — تیرا منارِ بلند جلوہ گہِ جبریل
ہے تہہ گردوں اگر حُسن میں تیری نظیر — قلبِ مسلماں میں ہے اور نہیں ہے کہیں

اقبال حُسنِ فطرت کے شیدائی ہیں۔ جو چیز ابتدا سے انتہا تک اقبال کی تخلیقی زندگی میں حُسنِ فطرت کے ایک لازمی عنصر کے طور پر موجود رہی وہ ان کی رومانیت ہے زندگی کے بے شمار مسائل سے سلامتی کے ساتھ گذرنے کے لئے رومانیت اقبال کے لئے نہ صرف ایک جذباتی سہارا بنی بلکہ ان کے تخلیقی ذہن کی ایک خارجی صورت بھی میسر آ گئی البتہ یہ ضرور ہے کہ رومانیت ان کی شاعری میں جمال کے ساتھ ساتھ جلال کے مظاہر میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ کہیں شبنم ہے تو کہیں شعلہ۔ فطرت کا حُسن ان کے لئے باعثِ کشش بنتا ہے ان کے آئینہ ادراک میں حُسنِ فطرت اور حُسنِ کائنات کی خارجی و باطنی دونوں تصویریں بیک وقت رقص کرنے لگتی ہیں۔ نظم "شاعر" میں فطرت کی مصوری کا ایک دل آویز نمونہ ملتا ہے۔

جوئے سرود آفریں آتی ہے کوہسار سے
پی کے شرابِ لالہ گوں میکدۂ بہار سے
مستِ مئے خرام کا سن تو ذرا پیام تو
پھرتی ہے وادیوں میں کیا دخترِ خوش خرام ابر
کرتی ہے عشق بازیاں سبزۂ مرغزار سے

رومانیت پسند فنکار کا دل ہمیشہ انسان کی بے پناہ محبت سے بھرا ہوا ہوتا ہے۔ وہ اپنے فن کی قوتوں سے اپنے تخیل اور جذبے کی مدد سے انسانی قدروں کو فروغ دیتا ہے۔ تاکہ زندگی کے مخفی گوشے اجاگر ہوں۔ اسے اس بات کا پُورا علم ہوتا ہے کہ انقلابِ زمانہ اگرچہ انسانی تہذیبی اور تمدنی آثار کو مٹانے کی ہر ممکن کوشش کرے لیکن اس کی محبت خوابوں اور خیالوں کی دُنیا کو نہیں مٹا سکتا بلکہ کسی نہ کسی شکل میں ان کا وجود باقی رہتا ہے وہ اگر بعض خارجی حالات کی وجہ سے افسردگی اور تنہائی کے جذبات کی پیکر تراشی کرتا ہے تو وہ اُمید آفرینی اور آزادی کو بھی عزیز رکھتا ہے، وہ دل کی پوشیدہ خواہشوں کو دباتا نہیں، انہی کی روشن قدروں کو اس لئے سینے سے لگاتا ہے تاکہ اپنے تخیل کے ذریعے ماضی کی تصویریں پیش کر دیتا ہے۔ چونکہ اقبال انسان کی آزادی کے دلدادہ اور علمبردار ہیں۔ لہٰذا یہ خیال بھی انہیں رومانی شاعری سے بالکل قریب کر دیتا ہے، اس سلسلے میں وزیر آغا کا یہ خیال صحیح ہے "اقبال کے ہاں فرد کو آزادی دلانے کا ایک رجحان موجود تھا جو رومانی نقطۂ نظر کا ایک اہم پہلو ہے"۔

فروغِ خاکیاں از نوریاں افزوں شود روزے

اقبال کے یہاں شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں عشق و عقل کی متضاد قوتوں کی کارفرمائی کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ عقل استدلال کی قوت ہے اور عشق انسان کی جبلی قوتوں کا آزادانہ اظہار ہے۔ اقبال کے نزدیک عشق کائنات کی آفرینش کا سب سے بڑا محرک ہے یہ آتش افروزاں ہے جو سینۂ کائنات میں روشن

باقی صفحہ پہ

بائیں محاذ حکومت کے چار برس

[illegible]

سنہ ۱۹۸۰ء کے ۲×۱۲۰ میگاواٹ صلاحیت کی تیسری اور چوتھی یونٹوں کے مکمل ہو جانے اور ۵×۲۰ میگاواٹ صلاحیت کے ۵ گیس ٹربائن کی تنصیب کے بعد گذشتہ چار برسوں میں بجلی پیدا کرنے کی صلاحیت میں ۳۴۰ میگاواٹ کا اضافہ ہوا۔ سنہ ۱۹۸۱ء میں ۲۱۰ میگاواٹ کی ایک اور یونٹ کی تعمیر کا کام مکمل ہونے کے قریب ہے۔ ۱۰۸۰ میگاواٹ صلاحیت کے چار نئے پروجیکٹوں یعنی ٹیٹا گڑھ میں ۲۴۰ میگاواٹ کے اور کولا گھاٹ مرحلہ دوئم میں ۶۳۰ میگاواٹ کے پروجیکٹوں پر کام شروع ہو چکا ہے۔ اس کے علاوہ فرخاہ میں سو پر تھرمل پروجیکٹ کی تعمیر کا کام شروع کرنے کے لئے امداد فراہم کی گئی ہے۔ گذشتہ چار برسوں میں یعنی ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۱ء کے درمیان بجلی کے لئے ریاستی پلان میں ۵۰۰ کروڑ سے زیادہ روپئے مختص کئے گئے تھے۔

مغربی بنگال ریاستی بجلی بورڈ کی پیداوار ۱۹۷۶-۷۷ء میں ۲۳۴۴ میگایونٹ سے بڑھ کر ۱۹۸۰-۸۱ء میں ۳۰۰۰ میگایونٹ ہو گئی یعنی اضافہ کی شرح ۷ فی صد سالانہ تھی۔ لیکن بجلی کی مجموعی صورت حال میں بہتری نہیں ہو ئی کیونکہ دیگر ایجنسیوں سے بجلی کی سپلائی ایک جیسی رہی یا کم ہو گئی نیز اس عرصہ کے دوران بجلی کی مانگ میں ۲۷۵ میگاواٹ کا اضافہ ہوا۔ ۱۹۸۲ء کے آخر تک بنڈیل اور کولا گھاٹ میں ۲۱۰ میگاواٹ کی ایک ایک یونٹ اور ٹیٹا گڑھ میں ۶۰ میگاواٹ کی ۲ یونٹوں کے چالو ہو جانے کے بعد بجلی کی صورت حال میں کافی حد تک بہتری ہو گی۔

اس بات کو تسلیم کرنا ہی ہو گا کہ بجلی کے سیکٹر میں اب بھی بہت ساری دشواریاں ہیں۔ قلم کی ایک جنبش سے ان دشواریوں کو دور کرنا ممکن نہیں کیونکہ اس کے بہت سارے اسباب ہیں۔ موجودہ بجلی کی صورت حال سے عوام کو جن دشواریوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے، حکومت ان سے پوری طرح واقف ہے۔ چنانچہ حکومت بھی عوام کے تعاون کے ساتھ اس بحران پر قابو پانے کے لئے پر خلوص کوشش کر رہی ہے۔

* * * *

گذشتہ چار برسوں میں بائیں محاذ حکومت نے صحت عامہ خدمات میں بہتری لانے اور دیہی علاقوں میں ایسی خدمات کی آسانی سے فراہمی کے لئے بہت سارے اقدامات کئے۔ دیہی علاقوں میں علاج معالجہ کی بڑھتی ہوئی مانگ کو پورا کرنے کے مدنظر حکومت نے تیمار کی طبی دیکھ بھال پر زیادہ زور دیا ہے۔ اس ریاست کے دیہی علاقوں میں گذشتہ چار برسوں میں ۱۴ ابتدائی مراکز صحت ۱۸۱ امدادی مراکز صحت اور ۱۱۱ تحتی مراکز قائم کئے گئے اور انھیں ملا کر سارے مغربی بنگال میں کل ۳۲۸ ابتدائی مراکز صحت ۳۲۸ ابتدائی مراکز صحت، ۸۲۸ امدادی مراکز صحت اور ۵۰۲ تحتی مراکز کام کر رہے ہیں۔ ان کے علاوہ گذشتہ چار برسوں میں دیہی علاقوں میں ۳۰ بستروں پر مشتمل ۱۱۰ ہسپتال قائم کئے گئے۔ شہری علاقوں میں علاج کی زیادہ سہولتیں فراہم کرنے کے مدنظر ۳۵۰ بستروں پر مشتمل ۷ نئے ہسپتال معہ ایک دماغی امراض کا ہسپتال کھولے گئے۔ نیز برہمپور، مرشد آباد ضلع میں مریضوں کے علاج کے لئے ۲۷ نئے بستروں کا انتظام کیا گیا ہے۔

چونکہ حکومت نے مرض کی روک تھام کرنے کے لئے احتیاطی اقدامات پر زور دیا ہے، اس لئے ریاستی شعبہ صحت عامہ، ملیریا، جذام، تپ دق اور فائلیریا کی روک تھام کرنے کے لئے موثر پروگرام کو بر سر عمل لا رہا ہے۔ اس بات کے پیش نظر کہ انسفالائیٹس پر قابو پایا جائے اور اسے پھیلنے سے روکا جائے، ۳۶۰۰۰ مکانوں، ۱۷۵۰۰ اکھاڑوں اور ۳۳۵۸ سور خانوں میں بی۔ ایچ۔ سی چھڑکا گیا اور اس مرض کے آسانی سے شکار ہونے والے لوگوں کو جاپانی ٹیکے لگوائے گئے۔ اس طرح سے پانی سے پھیلنے والے امراض کی روک تھام کرنے کے لئے پینے کے صاف پانی کی سپلائی کی بہت ساری اسکیموں کو بر سر عمل لایا گیا۔ کم سے کم ضرورتوں کے پروگرام کے تحت دیہی علاقوں بذریعہ پائپ پانی سپلائی کی ۸۵ اسکیموں اور تیز تر پانی سپلائی پروگرام کے تحت ۱۶۸ اسکیموں کو پایہ تکمیل تک پہونچایا جا رہا ہے۔ گذشتہ چار برسوں میں پانی کی سپلائی کی ۱۲۶ اسکیموں کو پایہ تکمیل تک پہونچایا گیا۔

صحت عامہ، خاندانی رفاہ اور مقوی غذا کی فراہمی خدمات مربوط طور پر فراہم کرنے کے لئے موجودہ ورکروں اور سپروائیزروں کو تربیت دی جا رہی ہے تاکہ ایسی خدمات موثر طور پر عوام کو فراہم ہوں۔ اس پروگرام کے تحت نئے مرکز کھولے جائیں گے۔ ان مرکزوں میں اب تک ۱۲۰۰ خواتین امیدواروں کو تربیت دی گئی ہے۔

دیہی عوام کو موثر طور پر ابتدائی طبی دیکھ بھال کی سہولتیں فراہم کرنے کے منظر اس ریاست میں اکتوبر ۱۹۷۷ء میں اجتماعی صحت رضاکار اسکیم رائج کی گئی۔ پہلے ہر ضلع میں ایک ابتدائی مرکز صحت میں اس اسکیم کو بر سر عمل لایا گیا۔ اب اس اسکیم کو اس ریاست کے ۳۲۵ بلاکوں میں بر سر عمل لایا جا رہا ہے۔ اضلاع مرشد آباد، ندیا اور بیربھوم کے تقریباً ہر گاؤں کو اس اسکیم کے تحت لایا گیا ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ناکافی طبی دیکھ بھال خدمات کی وجہ سے دیہی عوام کو سخت مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ چنانچہ عرصہ دراز کی ایک ضرورت کو پورا کرنے کیلئے بائیں محاذ حکومت نے اجتماعی طبی خدمت اسکیم رائج کی ہے۔ اس اسکیم کے تحت علاقائی لوگوں کو اس طرح طبی تربیت دی جائے گی کہ وہ صحت عامہ کے اقدامات کو فروغ دے سکیں اور امراض کی روک تھام کر سکیں۔ ساتھ ہی ساتھ انہیں اس سلسلہ میں تعلیم دی جائے گی کہ وہ دیہی عوام کے عام اور ابتدائی امراض کا علاج کر سکیں۔ اسی مقصد کے لئے تین سالہ اجتماعی طبی خدمات کورس رائج کیا گیا ہے۔ یہ ڈپلومہ کورس ہے اور اسے پاس کرنے والے امیدواروں کو دیہی مراکز صحت اور دیہی شفاخانوں میں ملازمت دی جائے گی جہاں وہ گریجویٹ ڈاکٹروں کے تحت کام کریں گے۔ اس مقصد کے لئے دارجلنگ، بلور گھاٹ، جلپائی گوڑی، پرولیا، مدناپور اور برہمپور میں ایک ایک یعنی کل چھ مراکز کھولے گئے ہیں۔ ریاستی طبی فیکلٹی نے مشہور طبی ماہرین اور اساتذہ سے مشورہ کرنے کے بعد اس کورس کا نصاب تیار کیا ہے۔

★ ★ ★ ★ ★

ریاستی حکومت کے شعبۂ سیر و سیاحت نے گذشتہ چار برسوں میں ملکی اور غیر ملکی سیاحوں کو مزید سہولتیں فراہم کرنے کے پیش نظر اپنی سرگرمیاں تیز کر دی ہیں۔

اس ریاست میں جنگلی جانوروں کی پناہ گاہوں کی سیر کی ہمت افزائی کرنے کے لئے ۱۹۷۷ء میں مداری ہاٹ ٹورسٹ لاج قائم کیا گیا۔ نیز اس ریاست کی سیاحت کے نقشہ میں ایک پہاڑی علاقہ 'میریک' کو کافی اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ ستمبر ۱۹۷۹ء میں تقریباً ۶ ہزار فیٹ کی بلندی میں اس کثیر شعبہ جاتی پروجیکٹ کی تکمیل کا، جس میں ۵ء۱ کیلومیٹر لمبی جھیل کی تعمیر کا کام شامل ہے، پہلا مرحلہ مکمل کر لیا گیا ہے۔ ۱۰۰ بستروں پر مشتمل ایک یوتھ ہاسٹل اور کئی ایک ٹورسٹ کاٹیج زیر تعمیر ہیں۔ جنوری ۱۹۸۱ء میں مال بازار میں ایک ٹورسٹ سنٹر، جس میں دو بستروں پر مشتمل چند کمرے بھی ہیں، اور ریسٹورنٹ کھولے گئے ہیں۔ قومی شاہراہ نمبر ۳۴ پر بیتھوا داہاری میں ایک ٹورسٹ سنٹر کی تعمیر کا کام مکمل ہو گیا۔ اس ریاست کے مختلف علاقوں میں سیاحت کے لحاظ سے دلچسپ مقامات کی بہتری کا کام تعمیر کے مختلف مرحلوں پر ہے۔ مشرقی ہندوستان میں، جس کا کلکتہ مرکز ہے، سیاحوں کی زیادہ سے زیادہ تعداد میں آمد کو فروغ دینے کے لئے ریاستی شعبۂ سیاحت حکومت ہند سے ایک اسکیم کے سلسلہ میں بات چیت کر رہا ہے۔ اس ریاست کے اندر اور باہر منعقدہ نمائش میں شعبۂ سیاحت حصہ لیتا ہے۔ کلکتہ میں گذشتہ چار برسوں میں سیاحتی تہوار منعقد کیا گیا جسے لوگوں نے کافی سراہا۔ گذشتہ چار برسوں سے سیاحت کے فروغ کے لئے ریاستی شعبۂ سیاحت اسکولوں اور کالجوں کے طلبا کو سیر و سیاحت کے لئے بطور امداد گرانٹ دے رہا ہے۔

★ ★ ★ ★

پٹرولیم کی مصنوعات کی اور ٹرانسپورٹ گاڑیوں کے کل پرزوں کی قیمتوں میں مسلسل اضافہ اور دیگر دشواریوں کے باوجود اس ریاست کے ٹرانسپورٹ میں گذشتہ چار برسوں میں کافی بہتری ہوئی ہے۔

کلکتہ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کی بسیں جون ۱۹۷۶ء میں ۷۴ شہری روٹوں اور لمبے فاصلہ کے ۲۳ روٹوں کی جگہ آج ۵۱ [illegible] روٹوں اور لمبے فاصلہ کے ۴۴ روٹوں پر آمد و رفت کر رہی ہیں۔ روزانہ آمد و رفت کرنے والی بسوں کی اوسط تعداد جون ۱۹۷۷ء میں ۵۶۵ سے بڑھ کر اپریل ۱۹۸۱ء میں ۹۰۰ ہو گئی۔ اس کارپوریشن کے پاس جون ۱۹۷۷ء میں ۹۷۸ چالو بسیں تھیں اور اپریل ۱۹۸۱ء میں ایسی بسوں کی تعداد بڑھ کر ۱۰۷۹ ہو گئی۔ ۸۰-۱۹۸۱ء کے لئے منصوبہ میں اس مد کے لئے ۷۴۹٫۲۳ لاکھ روپئے مختص کئے گئے تھے۔ اس رقم سے گاڑیاں اور سالانہ

میں طویل فاصلے اور لمبے فاصلے کی سروس کے لئے ۱۰۰ بسیں تھیں۔

کلکتہ اسٹیٹ ٹرانسپورٹ کارپوریشن کے پاس فی الحال لمبے فاصلے کے لئے ۴۴۶ بسیں اور شہری سروس کے لئے ۹۲۵ بسیں ہیں۔ شہری سروس میں بہتری لانے کے لئے پیش نظر اس کارپوریشن نے عالمی بنک کے تعاون سے ایک ۳ سالہ پروجکٹ پر عملدرآمد شروع کر دیا ہے۔ اس پروجکٹ کے تحت یہ کارپوریشن ۲۹۱ دومنزلہ بسیں اور ۲۳۹ ایک منزلہ بسیں خریدے گا۔

سنہ ۷۶ء سے سنہ ۸۱ء تک کلکتہ کی ٹرام گاڑیوں کی تعداد میں اضافہ نہیں ہوا لیکن اس کے باوجود کلکتہ میں ٹرام گاڑیوں کے ذریعہ فراہم کردہ خدمات میں کافی بہتری ہوئی۔ اس عرصہ میں عوام کے مطالبات کے پیش نظر چند نئی روٹوں میں ٹرام گاڑیاں آمدورفت کرنے لگیں۔ سنہ ۷۶ء میں روزانہ اوسطاً ۵۳ء۶ لاکھ مسافر ٹرام گاڑیوں سے سفر کرتے تھے، لیکن سنہ ۱۹۸۱ء میں سفر کرنے والوں کی تعداد بڑھ کر ۶۵ء۷ ہوگئی۔ گرچہ کرایہ سے حاصل ہونے آمدنی میں اضافہ ہوا تاہم ٹرام گاڑیوں کو آمدورفت کرنے کے قابل رکھنے کے لئے اخراجات کافی بڑھ گئے اور اسی وجہ سے آمدنی اور مجموعی اخراجات کے درمیان اب بھی کافی فرق ہے۔

شمالی بنگال ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن کے پاس سنہ ۷۷-۷۶ء میں ۲۹۵ بسیں تھیں اور سنہ ۸۱-۸۰ء میں ۴۲۹ بسیں۔ گذشتہ چار برسوں میں ۱۲۹ نئی بسوں کا اضافہ کیا گیا اور ۴ نئی روٹیں کھولی گئیں۔ اسی عرصہ میں روزانہ آمدورفت کرنے والی بسوں کی تعداد بھی ۲۴۲ سے بڑھ کر ۳۰۰ ہوگئی۔ سنہ ۷۷-۷۶ء میں یہاں کی بسیں صرف ۲۱۰ روٹوں پر آمدورفت کیا کرتی تھیں لیکن سنہ ۸۱-۸۰ء میں روٹوں کی تعداد ۲۳۷ ہوگئی۔ ان تمام اقدامات کی وجہ سے اس کارپوریشن کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوا۔

بائیں محاذ حکومت کے برسراقتدار آنے کے قبل کے عرصہ میں درگاپور ریاستی ٹرانسپورٹ کارپوریشن کے پاس ۱۴۴ بسیں تھیں اور ان میں سے ۶۰ بسیں روزانہ آمدورفت کیا کرتی تھیں، لیکن سنہ ۸۱-۸۰ء میں اس کارپوریشن کے پاس ۱۵۱ بسیں تھیں اور ان میں سے روزانہ ۸۲ بسیں آمدورفت کیا کرتی تھیں۔

اختتام

روزمرہ کی زندگی کو درہم برہم کرنے کے لئے سیاسی مفاد پرست عناصر کی کوششوں کے باوجود اس ریاست میں امن وامان کی صورت حال زیر قابو رہی۔ مختلف سیاسی جماعتیں اور دیگر سماجی اور مذہبی تنظیمیں آزادی کے ساتھ بلا روک ٹوک تحریکوں، جلوسوں اور اجتماع کا انتظام کرتی ہیں۔ اس ریاست میں شام کے بعد انجانے خوف سے سڑکیں ویران نہیں ہو جاتیں۔ تفریق اور نفاق پیدا کرنے والی طاقتوں کو سر اٹھانے نہیں دیا گیا۔ اس ریاست کی سماجی اور مذہبی ہم آہنگی کی روایت پر مذہب یا ذات پات کی بنیاد پر مختلف فرقوں کے درمیان تصادم دھبہ نہیں لگا۔ سارے ریاست میں پرامن طور پر دس سال سے بھی زیادہ عرصہ کے بعد، مونسپل انتخابات ہوئے۔ سماجی لحاظ سے کمزور اور معاشی لحاظ سے پسماندہ طبقوں کے لوگوں کو قانون کا تحفظ حاصل ہے۔ پرامن جمہوری تحریکوں میں پولس مداخلت نہیں کرتی۔

بائیں محاذ حکومت مطمئن ہو کر بیٹھ جانا نہیں چاہتی کیونکہ اسے اپنے وعدوں کو پورا کرنے کے لئے اب بھی طویل فاصلہ طے کرنا ہے۔ بائیں محاذ حکومت کو اس بات کا پورا یقین ہے کہ عوام کے تعاون اور مدد کے ساتھ وہ منزل مقصود کی طرف آگے بڑھتے ہی رہیگی۔

بڑی تعداد میں سیمنٹ پکڑی گئی

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ کلکتہ پولس کی انفورسمنٹ برانچ نے ۷ جولائی سنہ ۸۱ء کے پہلے پندرہواڑہ میں دلاور گنج روڈ پر دو فرموں پر چھاپہ مارا اور ۱۰۳۰ لاکھ روپیہ کی مالیت کی سیمنٹ پر قبضہ کر لیا۔ مزید براں سیمنٹ سے لدی ہوئی پانچ لاریاں بھی پکڑی گئیں کیونکہ متعلقہ ضروری کاغذات پیش نہیں کئے گئے۔ اس سلسلہ میں ایک شخص کو گرفتار کیا گیا۔ علاوہ ازیں زیر نظر مدت کے دوران دس دیگر چور بازاریوں اور ذخیرہ بازوں کو گرفتار کیا گیا۔

سرکاری خبریں

پولیس سب انسپکٹر کو حیرت انگیز بہادری کا انعام

شری سودیش رنجن سرکار، سب انسپکٹر پولیس، مرشد آباد ضلع پولیس فورس کو ایک شخص کو ڈوبنے سے بچانے میں غیر معمولی بہادری، فرض شناسی اور انسانی ہمدردی کے مظاہرہ پر "ڈاکٹر ہریندر کمار مکھرجی گولڈ میڈل ۱۹۸۰" عطا کیا گیا ہے۔ واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ ۲۰ اگست ۸۰ء کو چند لوگ جس میں شری کمل پرشاد سنہا، پنچایت کلرک ستی بلاک اور شری سودیش رنجن سرکار، او۔ سی ستی تھانہ شامل تھے، ایک کشتی پر دیہا گرام علاقہ، ضلع مرشد آباد میں سیلاب امدادی کام کے لئے جا رہے تھے۔ پانی کے تند دھاروں سے کشتی کا توازن بگڑ گیا اور شری سنہا دریا میں گر پڑے اور وہ تیز دھاروں میں بہہ گئے۔ اپنی جان پر کھیل کر شری سرکار دریا میں کود پڑے اور تند و تیز دھاروں کا مقابلہ کرتے ہوئے شری سنہا کو ڈوبنے سے بچا لیا۔

میونسپلٹیوں کو ۱۸٫۲۲ لاکھ روپیہ کی امداد

حکومت مغربی بنگال نے تین میونسپلٹیوں کو اُن کی پانی کی سپلائی کی اسکیموں پر عملدرآمد کے لئے ۱۸۲۲۵۰۰ روپیہ کی امداد منظور کی ہے۔ میونسپلٹیاں یہ ہیں۔ گوبرڈانگہ میونسپلٹی۔ ضلع ۲۴ پرگنہ۔ گھٹال میونسپلٹی ضلع مدناپور اور جے گنج عظیم گنج میونسپلٹی۔ ضلع مرشد آباد۔ اس رقم میں سے گھٹال میونسپلٹی کو ۸٫۶۰ لاکھ روپیہ گوبرڈانگہ میونسپلٹی کو ۵٫۴۰ لاکھ روپیہ اور جے گنج عظیم گنج میونسپلٹی کو ۴۲۲۵۰۰ روپیہ الاٹ کیا گیا ہے۔

دیہی صحت مرکز کیلئے ۱۱٫۲۴ لاکھ روپیہ

حکومت مغربی بنگال نے کمار پاڑہ، بالورگھاٹ بلاک ضلع مغربی دیناج پور میں چھ بستروں پر مشتمل ایک ذیلی صحت مرکز کی عمارت کی تعمیر نیز سینیٹری اور بجلی فٹنگس کے لئے ۱۱۲۴۶۰۰ روپیہ کے صرفہ کے لئے منظوری دی ہے۔ ایگزیکیٹو انجینئر محکمہ تعمیرات عامہ، مغربی دیناج پور ڈویژن، رائے گنج اس اسکیم پر عملدرآمد کریں گے۔

اسپتالوں کو ۱۱٫۴۵ لاکھ روپیہ کی امداد

حکومت مغربی بنگال نے حال ہی میں چار اسپتالوں، میو اسپتال کلکتہ، رام کرشنا مشن ودیا پیٹھ، ضلع پرولیا، شیام نگر کرشچین اسپتال ضلع ۲۴ پرگنہ، میڈیکل کالج اسپتال کلکتہ کو ۱۱٫۴۵ لاکھ روپیہ بطور گرانٹ منظور کیا ہے۔ میو اسپتال کو ۴۵ ہزار روپیہ۔ میڈیکل کالج اسپتال کو ۴۴ ہزار روپیہ، رام کرشنا مشن ودیا پیٹھ کو ۲۵۶۸۱ روپیہ اور شیام نگر کرشچین اسپتال کو ۲۴۹۰۰ روپیہ الاٹ کیا گیا ہے۔

مندرجہ فہرست اقوام کے طلبا کے لئے ہوسٹل

حکومت مغربی بنگال نے ضلع مدناپور میں مندرجہ فہرست اقوام کے طلباء کو ہوسٹل کی سہولتیں بہم پہنچانے کے لئے۔ پی۔ جن کلیان ہائی اسکول، بھولادیدا، ضلع مدناپور سے ملحق ۲۰ نشستوں پر مشتمل ایک ہوسٹل کی تعمیر کے واسطے ۴۰ ہزار روپیہ کی گرانٹ منظور کی ہے۔ اس کی تعمیر پر کل ۶۰۶۳۴ روپیہ خرچ آئے گا۔ گرانٹ سے زائد جو رقم خرچ ہوگی اسے اسکول برداشت کرے گا۔

کولڈ اسٹوریج کے لئے ٹنڈر کمیٹی کی تشکیل

حکومت مغربی بنگال نے کوآپریٹیو کولڈ اسٹوریج کی ۶ یونٹوں جن کے لئے ۸۱-۱۹۸۰ء میں منظوری دی جا چکی ہے نیز دیگر یونٹوں کی تعمیر کے کام کی دیکھ بھال کے لئے ۱۰ ممبروں پر مشتمل ایک ٹنڈر کمیٹی کی تشکیل کی ہے۔ دیگر یونٹوں کے لئے عالمی بینک کے تحت تین سال کے لئے منظوری دی جائے گی۔ عالمی بینک کی یونٹیں آر۔ ٹی۔ ڈی۔ اے کے امدادی آلو اسٹوریج اور مارکیٹنگ کوآپریٹو پروجیکٹ کے تحت ہوں گی۔ ریاست کی کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے رجسٹرار اس کمیٹی کے صدر ہوں گے اور منیجنگ ڈائرکٹر لینڈ ڈولپمنٹ بینک اس کے ممبر سکریٹری ہوں گے۔

ضلع بردوان میں اڈیشنل کوآپریٹیو رینج

حکومت مغربی بنگال نے ضلع بردوان نے ایک اڈیشنل کوآپریٹیو رینج بنایا ہے جو آسنسول اور درگاپور سب ڈویژنوں پر مشتمل ہوگا اور

اس کا ہیڈ کوارٹر آسنسول میں ہوگا۔ یہ رینج بردوان III رینج کہلائے گا۔ یہ رینج موجودہ بردوان رینج II کو تقسیم کر کے بنایا گیا ہے جو بردوان صدر آسنسول اور درگاپور سب ڈویژنوں پر مشتمل تھا۔

کوآپریٹیو سوسائٹیوں کے رجسٹرار کا ایک نیا دفتر آسنسول میں قائم کیا گیا ہے۔ بردوان III رینج کا دفتر اکتوبر ۱۹۸۱ء سے کام کرنے لگے گا۔

ہندستانی زبانوں کے فروغ کے لئے مرکزی امداد

حکومت ہند نے ہندستانی زبانوں کو فروغ دینے کی اسکیم کو ۸۲-۱۹۸۱ء کے دوران جاری رکھنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس اسکیم کے تحت رضاکار تنظیموں اور تعلیمی اداروں کو اس مقصد کے لئے مالی امداد دی جاتی ہے۔ اسکیم کے تحت سوسائٹیز رجسٹریشن ایکٹ کے تحت رجسٹرڈ رضاکار تنظیمیں اور تعلیمی ادارے اس کو پانے کے اہل ہیں۔ ایسی تنظیمیں مالی امداد کے لئے محکمہ تعلیم، لینگویج گرانٹ سیل، شاستری بھون، نئی دہلی کے یہاں درخواست دے سکتی ہیں۔ اسکیم کی نقلیں نیز درخواست کے فارم مرکزی وزارت تعلیم و ثقافت، محکمہ تعلیم لینگویج گرانٹ سیل "سی" ونگ، روم نمبر ۳۲۹-اے، شاستری بھون نئی دہلی سے دستیاب ہو سکتے ہیں۔

مدناپور میں برگہ داروں کو ۵ لاکھ روپیہ کی امداد

حکومت مغربی بنگال نے ضلع مدناپور میں مندرجہ فہرست قبائل کے برگہ داروں نیز ان افراد کو جنھیں ختم شدہ زمینیں الاٹ کی گئی ہیں ۸۲-۱۹۸۱ء کے دوران مالی امداد دینے کے لئے ۵ لاکھ روپیہ الاٹ کیا گیا ہے۔ یہ رقم ضلع مجسٹریٹ (ایل آر) مدناپور کے زیر اختیار دیدی گئی ہے۔

ندی سے آبپاشی کی اسکیموں کیلئے ۳ لاکھ روپیہ کی منظوری

حکومت مغربی بنگال نے ندی سے پانی چڑھا کر آبپاشی کی تین اسکیموں کی تکمیل کے لئے مالی سال رواں کے دوران ۳۰۲۱۵۲ روپیہ منظور کیا ہے۔ اس پروجیکٹ کی تخمی لاگت ۵۵۱۷۹۰ روپیہ تھی جس میں سے ۲۴۹۶۳۸ روپیہ خرچ کیا جا چکا ہے۔

سندربن ترقیاتی بورڈ کے ممبروں کی میعاد میں توسیع

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ سندربن ترقیاتی بورڈ نے اپنے چار ممبروں کی میعاد میں ۳۰ جون ۱۹۸۲ء تک کے لئے توسیع کر دی ہے۔ بورڈ نے ان ممبروں کو اپوائنٹ کیا تھا۔ ممبروں کے نام یہ ہیں (۱) شری جیوتر موئے باسو ایم پی (۲) شری سکند منڈل۔ ایم۔ پی (۳) شری سنت منڈل ایم پی اور (۴) شری اندر جیت گپتا ایم پی۔ یہ توسیع حکومت کی ایک قرارداد مورخہ ۲۹ جولائی ۱۹۸۱ء کے ذریعہ دیئے گئے اختیارات کے تحت کی گئی ہے۔

بچوں کے فلاحی مرکز کا افتتاح

شریمتی نرمدیا چٹرجی، وزیر ریاست برائے سماجی فلاح نے ۲۱ جولائی کو اسلام پور سب ڈویژن کے چوپڑا بلاک میں گنجریا ایف۔ پی اسکول میں بچوں کی فلاح کے مرکز کا افتتاح کیا۔ انھوں نے اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ بچوں کو پروان چڑھا کر ایک حقیقی شہری بنانے میں ایسے مرکزوں کی بہت زیادہ اہمیت اور افادیت ہے۔ انھوں نے بتایا کہ مستقبل میں ہر ایک ہزار آبادی کے لئے ایسا ایک مرکز قائم کیا جائے گا۔ چوپڑا بلاک میں ایسے ۱۰۰ مرکز قائم کئے جائیں گے۔ انھوں نے مزید کہا کہ بچوں کی پرورش سے متعلق ضروری معلومات بہم پہنچانے کے لئے اس موضوع پر چار دستاویزی فلمیں بنائی جائیں گی اور ان کی ہر گاؤں میں نمائش کی جائے گی۔ حکومت با ایں لحاظ ہر سال ہر ضلع میں بچوں اور ماؤں کے میلہ کا انتظام کرے گی۔

یونیورسٹی کالج آف میڈیسن کو ۲ لاکھ روپیہ

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ ریاستی حکومت نے انسٹی ٹیوٹ آف بیسک میڈیکل سائنس اور گوئنکا اسپتال پر مشتمل یونیورسٹی کالج آف میڈیسن کو اس کے اخراجات کیلئے ۸۱-۱۹۸۰ء کے دوران ۲ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔

انسانی سمندر میں طغیانی آئی ہے

تقاوی، قرض اور ۷۶-۱۹۷۵ء میں دیئے گئے کھیتوں کے اجاروں کے قرضوں کو معاف کر دیا گیا ہے جس کی رقم ۱۰ کروڑ روپیہ ہے۔

- لینڈ ہولڈنگس ٹیکس میں تبدیلی کی وجہ سے ۴۸ لاکھ کسانوں کو قرض سے آزاد کیا گیا جس کی رقم ۳۵ کروڑ روپیہ ہے۔
- عوام پر منحصر پنچایتی نظام نے دیہات کی مزدور طاقت کی مزاحمت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

پیداوار پر منحصر منصوبوں کے لاگو کئے جانے سے اور زراعت کی ترقیات کے پروگرام کے باعث مجموعی اعتبار سے پیداوار بڑھی ہے اور مزید بڑھے گی۔ ۷۷-۱۹۷۶ء کے مقابلے میں دھان کی سالانہ پیداوار میں اوسط اضافہ ۶ فیصد ہوا ہے۔

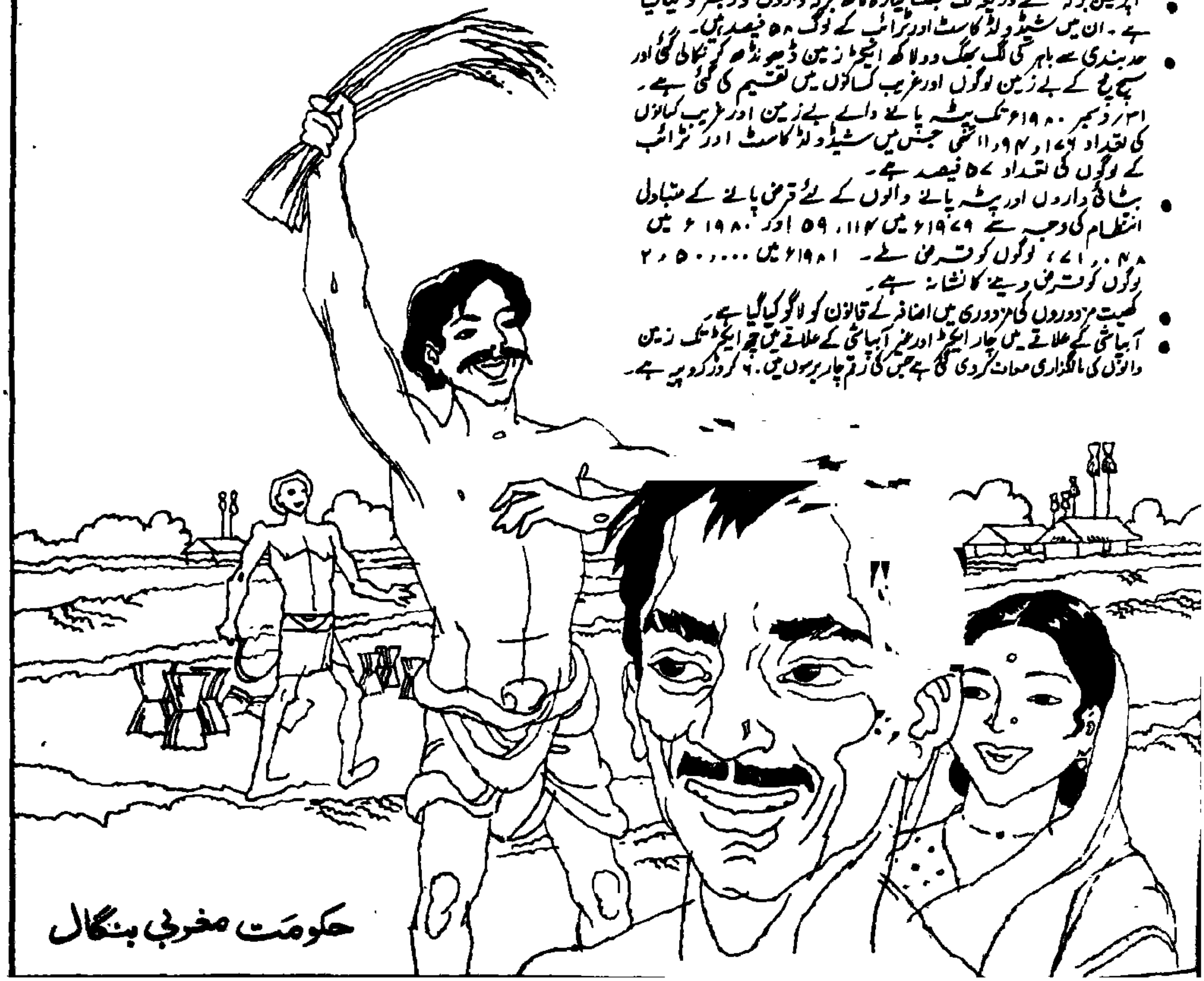
بائیں محاذی حکومت کے اصلاحات اراضی کے پروگرام سے بنگال کے مواضعات میں امید کی کرن پھوٹی ہے۔ نئی زندگی کی طغیانی آئی ہے۔

مغربی بنگال کے استحصال شدہ اور مظلوم کسانوں کے حقوق اور مراعات کے قیام کے اصل مقصد کے تحت بائیں محاذی حکومت نے گزشتہ چار برسوں میں اصلاحات اراضی کے پروگرام کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

- "آپریشن برگہ" کے ذریعہ لگ بھگ گیارہ لاکھ برگہ داروں کو رجسٹرڈ کیا گیا ہے۔ ان میں شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کے لوگ ۵۰ فیصد ہیں۔
- حدبندی سے باہر کی لگ بھگ دو لاکھ ایکڑ زمین ڈھونڈھ کر نکالی گئی اور ضبط کر کے بے زمین لوگوں اور غریب کسانوں میں تقسیم کی گئی ہے۔

۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء تک پٹہ پانے والے بے زمین اور غریب کسانوں کی تعداد ۹۴،۱۱،۷۶ ہے جس میں شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کے لوگوں کی تعداد ۵۷ فیصد ہے۔

- بٹائی داروں اور پٹہ پانے والوں کے لئے قرض پانے کے متبادل انتظام کی وجہ سے ۱۹۷۹ء میں ۱۱۴،۵۹ اور ۱۹۸۰ء میں ۱،۷۱،۴۸ لوگوں کو قرض ملے۔ ۱۹۸۱ء میں ۲،۵۰،۰۰۰ لوگوں کو قرض دینے کا نشانہ ہے۔
- کھیت مزدوروں کی مزدوری میں اضافہ کے قانون کو لاگو کیا گیا ہے۔
- آبپاشی کے علاقے میں چار ایکڑ اور غیر آبپاشی کے علاقے میں چھ ایکڑ تک زمین والوں کی مالگزاری معاف کر دی گئی ہے جس کی رقم چار برسوں میں ۶۰ کروڑ روپیہ ہے۔



حکومت مغربی بنگال

MAGHREBI BENGAL
1st AUGUST

Regd. No. WB/CC-82
Vol. 28 No.14
PRICE-12 Paise

ہماری تہذیب



فرقہ وارانہ ہم آہنگی

فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے راستے سے مغربی بنگال کے شہری باشندے آج متحدہ جدوجہد میں شامل ہوکر ایک حق بجانب مطالبہ حاصل کیا ہے اور جمہوری حقوق قائم کئے ہیں۔

لیکن عوام کے دشمن کھسیاکر جدوجہد کے اس اتحاد کو برباد کرنا چاہتے ہیں۔

وہ چاہتے ہیں مذہب کے نام پر بنگالیانہ کے نام پر انسان انسان کے درمیان تفریق پیدا کرکے اس متحدہ جدوجہد میں رخنہ ڈالیں۔

یہ ملک رابندر ناتھ و "نذرل" کا ہے۔ اس ریاست کے تمام انسان سکھ دکھ میں خوشی اور غم میں جدوجہد اور تحریک میں ایک دوسرے کے رفیق اور حصہ دار ہیں۔

یہاں کوئی مقام نہیں کسی تنگ نظری کے لئے۔ مقام نہیں کسی مذہبی کورانگی اور نفاق انگیزی کیلئے۔ جدوجہد کرنے والے عوام مذہب اور علاقائیت کے تفرقے کو جانتے نہیں۔

انتشار پسندی اور رجعت پسندی کی ناپاک قوتوں کو ناکام بنائیے

ہر طرح کی سازش اور گٹھ جوڑ کو شکست دیجئے۔

مغربی بنگال میں امن و امان قائم رکھئے۔

فرقہ پرستی اور علاقائیت عوام کی دشمن ہے

حکومت مغربی بنگال


مغربی بنگال

پندرہ روزہ
مغربی بنگال
آزادی نمبر
جلد ۲۸ ۱۵ اگست ۱۹۸۱ء شمارہ ۱۶





مدیر اعلیٰ :۔ ایس کے سین گپتا
مدیر معاون :۔ محمد اعظم



تزئین کار :۔
تارا پرشاد داس

اس شمارہ میں :۔

شرح خریداری ۔ سالانہ ۲ روپے
اس خصوصی شمارہ کی قیمت :۔ ۱۲ پیسے فی پرچہ

"سارے ہندوستان میں بائیں بازو کے برسرِ اقتدار آنے سے نہ صرف فرقہ وارانہ بلکہ بہت سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں"

— محمد امین (وزیر ٹرانسپورٹ حکومت مغربی بنگال)

"سارے ہندوستان میں بائیں بازو کے برسرِ اقتدار آنے سے نہ صرف فرقہ وارانہ بلکہ بہت سارے مسائل حل ہو سکتے ہیں" یہ باتیں ایک انٹرویو کے دوران جناب محمد امین صاحب وزیر ٹرانسپورٹ حکومت مغربی بنگال نے کہیں۔ عدیم الفرصت ہونے کے باوجود وزیر موصوف نے حال ہی میں ہمارے خصوصی نامہ نگار کو انٹرویو کے لئے کچھ وقت دیا۔ انٹرویو کی روداد درج ذیل ہے:۔

سوال:۔ میں نے کلکتہ کی بستیوں کے بہت سارے مزدور اور عام لوگوں سے آزادی کے سلسلے میں بات چیت کی۔ انھوں نے مجھے یہی بتایا کہ پہلے ہم غیروں کے غلام تھے اور اب اپنوں کے۔ کس حد تک آپ ان کی رائے سے اتفاق کرتے ہیں؟

جواب:۔ یہ حقیقت ہے کہ ہندوستان کو ۱۵ اگست ۱۹۴۷ء کو آزادی ملی لیکن یہ سیاسی آزادی تھی۔ معاشی آزادی نہیں۔ ہندوستان کے عوام نے بلا لحاظ ملت، ذات پات اور مذہب ایک ہو کر کاندھے سے کاندھا ملا کر جنگ آزادی لڑی۔ اپنے مادر وطن کے لئے انھوں نے اپنا سب کچھ داؤ پر لگا دیا۔ لاکھوں لوگوں نے اپنی عزیز جانوں کی قربانیاں دیں، قید کی صعوبتیں جھیلیں۔ ان کے سامنے ایک ہی آدرش تھا۔ "سوراج ہمارا پیدائشی حق ہے" ان کا ایک ہی ماننا تھا کہ لوگ اپنے ملک کے مالک بنیں گے۔ ملک میں عوام کی حکومت ہوگی جو عوام کی فلاح و بہبود اور ترقی کے لئے کام کرے گی۔ ملک میں ہر طرف خوشحالی کا دور دورہ ہوگا۔"

آزادی ملی، لیکن اس کے بعد ہوا کیا۔ ہوا یہ کہ جس پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے۔

جن لوگوں پر عوام نے اعتماد کیا تھا، ان لوگوں نے حکومت کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد عوام سے کئے گئے وعدوں کو فراموش کر دیا۔ ان لوگوں نے صحیح قیادت کرنے کی جگہ عوام کو غلط راستہ پر ڈال دیا۔ چند لوگوں کے مفاد کو عوام کے مفادات پر ترجیح دی۔ انھوں نے بانگ دہل اعلان کیا کہ ہندوستان میں سوشلسٹ طرز کا سماج قائم کیا جائے گا لیکن آج بھی سرمایہ دارانہ نظام یہاں قائم و دائم ہے۔ ان تمام باتوں کا نتیجہ یہ ہوا کہ امیر امیر تر بن گئے اور غریب غریب تر۔

سوال:۔ آزادی کا صحیح مفہوم کیا ہے۔

جواب:۔ کس چیز سے آزادی؟ برٹش سامراجیوں سے آزادی تو وہ ہمیں ملی۔ کیا ہمیں سرمایہ داری سے آزادی ملی؟ نہیں۔ اپنے دو سو برس کی حکومت کے دوران انگریزوں نے ہندوستان میں جبر، لوٹ کھسوٹ اور استحصال کا بازار گرم رکھا اور یہاں کی دولت سے اپنے ملک کو اور اپنے گھروں کو آراستہ کیا۔ لیکن جب وہ یہاں سے

گئے تو اپنے پیچھے اپنے پیروکاروں کو چھوڑ گئے اور اپنے نظام کو بھی۔ اسی لئے ہندستان کی موجودہ حکومت سرمایہ دارانہ ہے اور سرمایہ دارانہ نظام میں جو خرابیاں ہوتی ہیں وہ سب یہاں موجود ہیں۔ غریبی، فاقہ کشی، افلاس سب کچھ یہاں موجود ہیں اور سرمایہ دارانہ حکومت انھیں دور کرنے کیلئے کوئی خاص توجہ بھی نہیں دیتی۔ اپنے ملک کو خوشحال بنانے کے لئے محنت کش عوام جی توڑ محنت کر رہے ہیں ان کی محنت کی وجہ سے زرعی اور صنعتی پیداوار اور دیگر شعبوں میں خدمات میں کافی اضافہ ہوا۔ لیکن افسوس کی بات یہ ہے انھیں ان کی محنت کا پھل نہیں ملتا۔ ان کی پیدا کردہ دولت مٹھی بھر لوگوں کے ہاتھ اکٹھا ہو جاتی ہے۔ بے چارے مزدور دن رات محنت کرتے ہیں۔ اپنا خون پسینہ ایک کرتے ہیں، پھر بھی انھیں دونوں وقت کا پیٹ بھر کھانا نہیں ملتا اور دوسری طرف سرمایہ دار اور زمیندار مزدوروں کی غربت اور مجبوریوں کا ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی تجوریاں بھرتے رہتے ہیں۔ تو اسے کہتے ہیں سرمایہ دارانہ نظام، اسی نظام کے تحت مٹھی بھر لوگ عوام کی اکثریت کا استحصال کرتے ہیں۔ یہاں دولت کی مساوی تقسیم نہیں ہوتی۔ امیروں اور غریبوں کے درمیان فرق اور بھی زیادہ ہو گیا۔ عوام کی حالت اور بھی ابتر ہو گئی۔ اس لئے جب تک ہم معاشی لحاظ سے آزاد نہیں ہوتے اس وقت تک ہم صحیح معنوں میں خود کو آزاد نہیں کہہ سکتے۔

سوال:۔ معاشی آزادی کیسے حاصل کی جانی چاہیئے۔

جواب:۔ معاشی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے کی ضرورت ہے۔ اب یہ دیکھئے کہ آزادی کے ۴۴ برس ہو چکے ہیں لیکن آج بھی عوام کی اکثریت تعلیم سے بے بہرہ ہے۔ اس لئے عوام کی اکثریت کو یہ بات نہیں معلوم کہ دولت کی مساوی تقسیم کیسے کیجئے ہیں۔ نیز انھیں اپنے حقوق کا بھی پورا علم نہیں ہے۔ مفاد پرست عناصر ان کی لاعلمی کا ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں۔ اس صورتحال کو بدلنے کے لئے متحدہ اور مسلسل جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس کے لئے سارے ملک کے عوام کو بیدار کرنا ہوگا۔ جمہوری طاقتوں کو مستحکم بنانا ہوگا۔ ان ریاستوں میں جہاں بائیں بازو برسر اقتدار ہیں یعنی کیرالہ، تریپورہ اور مغربی بنگال میں عوام بیدار ہو چکے ہیں، یہاں جمہوری طاقتیں آزادانہ طور پر کام کر رہی ہیں۔ یہاں کے لوگوں نے متحدہ اور مسلسل جدوجہد کے ذریعہ اپنے حقوق حاصل کئے ہیں نیز بائیں بازو کی حکومت بھی عوام کے جمہوری حقوق کی حفاظت کرتی ہے۔ ۱۹۷۷ء میں عوام کانگریس کی جگہ جنتا پارٹی کو برسر اقتدار لائے لیکن جب جنتا حکومت بھی ٹوٹ گئی تو لوگ مجبوراً کانگریس کی طرف جھکے۔ کیونکہ انھوں نے کانگریس اور جنتا میں کوئی فرق نہیں دیکھا، جہاں تک پالیسیوں اور زاویہ نظر کا سوال ہے تو دونوں میں کچھ نمایاں فرق نہیں۔ اس لئے سارے ملک میں آج ایک بے چینی پائی جا رہی ہے۔ لوگ ایک متبادل عوامی حکومت کے متمنی ہیں اور ایسی متبادل حکومت بائیں بازو ہی فراہم کر سکتا ہے۔

سوال:۔ فرقہ وارانہ فسادات تو سارے ہندستان میں ناسور کی طرح پھیل گئے ہیں۔ کس طرح ان کا سدباب کیا جا سکتا ہے۔

جواب:۔ جہاں تک فرقہ وارانہ فسادات کا سوال ہے تو یہ یقیناً اقلیتوں کے لئے نہایت ہی پریشان کن اور تکلیف دہ بات ہے۔ ایسے فسادات مذہب، ذات پات اور علاقائی بنیاد پر سارے ہندستان میں ہوتے رہتے ہیں۔ ان تمام فسادات میں ایک بات مشترک ہوتی ہے یعنی جب غریب اور محنت کش طبقہ استحصال کے خلاف اور اپنے حقوق اور مطالبات کے لئے متحدہ طور پر مسلسل جدوجہد شروع کرتا ہے اور جب ایسی جدوجہد سارے ملک میں پھیل جاتی ہے تو امیروں اور سرمایہ داروں میں ان کے استحصال اور اقتدار کے قلعہ کے مسمار ہونے کا خوف پیدا ہو جاتا ہے۔ اس وقت ان کے ایجنٹ اور دیگر مفاد پرست عناصر محنت کشوں میں گھل مل کر ان میں پھوٹ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں اور فرقہ وارانہ فسادات برپا کرتے ہیں۔ ایسے فسادات سے زیادہ تر غریبوں اور محنت کشوں کو جانی اور مالی نقصانات برداشت کرنے پڑتے ہیں۔ فرقہ وارانہ فسادات ان لوگوں کو معاشی لحاظ سے بہت پیچھے کی طرف ڈھکیل دیتے ہیں۔ فسادات کے بعد غریب اور محنت کش لوگوں کو فکر معاش اتنی شدید لاحق ہو جاتی ہے کہ انھیں متحدہ جدوجہد کی بابت سوچنے کا موقعہ نہیں ملتا۔ ایسی حالت میں سرمایہ دار جی بھر کر ان کا استحصال کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ایسے فسادات کی روک تھام کرنے کے لئے حکومت اور عوام کو بیدار اور چوکس رہنا چاہئے، ساتھ ہی ایسا ماحول تیار کرنا چاہیئے کہ جہاں ایسے فسادات پنپ نہ سکیں۔ آج ان ریاستوں میں جہاں بائیں بازو کی حکومتیں ہیں ایسے فسادات نہیں ہوتے کیونکہ وہاں کے عوام اور حکومتیں دونوں بیدار ہیں اور ہمیشہ چوکنا رہتے ہیں۔ آج مغربی بنگال میں اقلیتیں چین کی نیند سوتی ہیں۔ یہ ایک علامت ہے کہ بائیں محاذ حکومت ہی واحد حکومت ہے جو اقلیتوں کی حفاظت کر سکتی ہے آج آپ مغربی بنگال کے کسی بھی علاقہ میں جائیے وہاں آپ کو ایک نیا منظر نظر آئے گا۔ آج آپ یہاں کے نوجوانوں سے ملئے انھیں دیکھ کر آپ یہ نہیں بتا سکیں گے کہ کون ہندو ہے، کون مسلمان اور کون عیسائی، [illegible]

ہے کہ آج سب ایک ہو گئے ہیں اور سب ایک ساتھ مل کر کھیل کود کرتے ہیں۔ آج آپ یہاں کے مزدوروں اور کسانوں سے ملاقات کیجئے۔ ان سے بات چیت کیجئے۔ ان میں بھی آپ ذات پات کا فرق نہیں پائیں گے۔ یہ ایک اہم بات ہے۔ گزشتہ چار برسوں کے دوران مغربی بنگال کے عوام کا انداز فکر بدل گیا۔ آج مغربی بنگال کے عوام کو اور خاص طور پر غریبوں اور پسماندہ طبقوں کے لوگوں، غریب مزدوروں اور کسانوں اور دیگر محنت کشوں کو اپنی شخصیت کی اہمیت کا احساس ہوا کہ وہ بھی تو آخر انسان ہیں اور انھیں بھی زندہ رہنے کا حق حاصل ہے۔ اتنے دنوں تک انھیں ان کے حقوق سے محروم رکھا گیا تھا، آج ان کے تمام حقوق بحال کر دیئے گئے ہیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ اس تبدیلی کا سہرا ہمارے بیدار اور چوکس عوام کے سر ہے۔ اس کے ساتھ اس بات کے لئے مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت بھی داد و تحسین کی مستحق ہے۔

سوال:۔ روٹی، کپڑا اور مکان۔ حکومتیں بدلتی رہتی ہیں، لیکن عوام کے یہ تینوں مسائل حل ہونے کی بجائے اور بھی شدید بنتے جا رہے ہیں۔ ایسا کیوں؟

جواب:۔ اس کی وجہ نظام حکومت ہے۔ آپ ہندوستان کے ساتھ ساتھ دنیا کی دیگر ملکوں کے حالات کا معائنہ کریں تو آپ کو یہ معلوم ہوگا جہاں سامراجی اور سرمایہ دارانہ نظام رائج ہے، وہاں کے عوام ان مسائل سے دو چار ہیں۔ انھیں نہ پیٹ بھر کھانا نصیب ہوتا ہے، نہ تن ڈھانکنے کو کپڑا اور نہ سر چھپانے کو کوئی جگہ۔ چاروں طرف افلاس، بدحالی اور غربت ہی نظر آتی ہے۔ الغرض سرمایہ دارانہ نظام کی جتنی خرابیاں ہیں وہ سب کی سب یہاں موجود ہیں۔ اسی لئے صرف وزیروں کے بدلنے سے یا حکومتوں کی تبدیلی سے یہ مسائل حل ہونے والے نہیں۔ بلاشبہ مغربی بنگال میں چار سال قبل ایک حقیقی تبدیلی رونما ہوئی لیکن مغربی بنگال ایک چھوٹی سی ریاست ہے اس لئے اس میں جو تبدیلی رونما ہوئی اسے پورے ملک کی تبدیلی نہیں کہا جا سکتا۔ اس کے لئے تو نظام حکومت میں، ہمارے دستور کی ساخت میں، اس کے ڈھانچہ میں بنیادی تبدیلی لانے کی ضرورت ہے۔ اس کے بعد ہی ہم لوگوں کو صحیح منزل کی طرف لے جا سکیں گے۔ مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت پر دستور کے تحت بہت ساری پابندیاں عائد ہیں۔ اس کے اختیارات اور وسائل محدود ہیں۔ اس کے باوجود عوام کی یہ مقبول اور ہردلعزیز حکومت عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ ہم نے اپنے ۳۶ نکاتی پروگرام میں سے ۲۸ نکات کو پایۂ تکمیل تک پہونچا دیا ہے۔ باقی ۸ نکات کو پایۂ تکمیل تک پہونچانے کی کوششیں جاری ہیں، لیکن اس کے لئے مرکزی حکومت کے تعاون کی ضرورت ہے اور جو ہمیں نہیں مل رہا ہے۔ آج مغربی بنگال میں بیروزگاروں کو بیروزگاری بھتہ دیا جا رہا ہے۔ کلاس XII تک تعلیم مفت ہے۔ غریب بیوہ، ضعیف اور معذوروں کو پنشن دی جا رہی ہے۔ تقریباً ۱۱ لاکھ بٹائی داروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کرائے گئے۔ سیاسی بنا پر برطرف شدہ ملازمین کو ملازمت پر بحال کیا۔ اصلاحات آراضی کے تحت ہمارے اقدامات کئے گئے۔

الغرض بائیں محاذ حکومت عوام کے معیار زندگی میں بہتری لانے کے لئے ہر ممکن کوشش کر رہی ہے۔ اس کے باوجود ہم یہ دیکھتے ہیں کہ غریبی جوں کی توں برقرار ہے اور عوام اور خاص طور پر غریب اور محنت کش لوگ بدحالی میں مبتلا ہیں۔ اس کی وجہ جیسا کہ میں اس سے قبل کہہ چکا ہوں سرمایہ دارانہ نظام ہے۔ جب تک یہاں یہ نظام برقرار رہیگا اس وقت یہاں غریبی، افلاس اور بدحالی برقرار رہیگی، اس وقت تک یہاں استحصال کا بازار گرم رہے گا۔ اس لئے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس نظام کو بدل دیا جائے اور اس کی جگہ صحیح معنوں میں سوشلزم یعنی اشتراکیت کے نظام کو اپنایا جائے، دستور میں اس طرح تبدیلی لائی جائے کہ یہ عوام کی ضرورتوں کو پورا کر سکے۔ اس کے لئے بہت ہی کٹھن اور مسلسل جد و جہد کی ضرورت ہے۔ مجھے پورا یقین ہے کہ عوام کے تعاون کے ذریعہ ہم اس منزل مقصود تک پہونچ جائیں گے

بقیہ:۔ صفحہ ۱۱ کا

کا تجربہ ہے، یہی دنیا کے مختلف ملکوں کا تجربہ ہے اور در حقیقت یہی واحد سچائی ہے۔ اگر ہمارے عوام خود کو تقدیر کے حوالہ نہ کر کے اس سچائی پر عامل رہیں تو وہ خود کو غربت اور تکالیف کے گہرے غار سے جہاں انھیں لے جایا گیا اور جہاں انھیں برسوں سے زبردستی رکھا گیا، باہر نکال سکیں گے۔ ★



آزادی کیلئے ہندوستان کی جدوجہد میں اردو کا کردار

از:- آصف نقوی

انسان زمین کے دوسرے جان داروں سے اس لئے افضل ہے کہ وہ صرف محسوس ہی نہیں کرتا بلکہ احساسات اور جذبات کا اظہار بھی کر دیتا ہے اور اس زمین پر سماج کی ترقی کے ساتھ ساتھ اظہارِ خیال کے طریقوں نے بھی ترقی کی اور وقت کے ساتھ زبانوں نے جنم لیا اور انسانی رشتوں، تعلقات معاملات کاروبار کے ساتھ ساتھ فروغ پایا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ زبان کسی ایک فرد یا قوم یا مذہب کی جائداد ہے، زبان عوام اور سماج کی ملکیت ہوتی ہے اور سماجی، سیاسی، جغرافیائی اور تاریخی حادثوں سے جنم لیتی ہے۔

مختلف وقتوں میں دنیا کی مختلف تہذیبوں میں مختلف زبانیں ابھرتی اور ڈوبتی رہی ہیں، اسی طرح اردو بھی ایک آریائی زبان ہے اور ہندوستان کی تہذیبی میراث کا ایک اہم جزو۔ غرض اردو ایک خالص ہندوستانی زبان ہے جس کی بنیاد کھڑی بولی پر رکھی گئی ہے۔

اردو درحقیقت محبت اور قومی یکجہتی اور ہم آہنگی کا دوسرا نام ہے اور اس کا وجود خود دو مذہبوں کے میل اور دو تہذیبوں کے سنگم کی مثال ہے اور قومی اتحاد، میل ملاپ رواداری میں اس کی جڑیں پیوست ہیں۔ دوسری زبانوں کی طرح اردو نے بھی ہندوستان کی سیاسی اور سماجی تبدیلیوں کو محسوس کیا ہے اور اس میں حصہ بھی لیا ہے۔

ہندوستان کی تاریخ میں ۱۸۵۷ء ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے اور یہی وہ سال ہے جس کو ہم جنگِ آزادی کا نام دے سکتے ہیں اسی سال کے بعد نئے ہندوستان کی تعمیر میں سب سے بڑا حصہ قومیت کے احساس اور جذبۂ آزادی کا ہے اردو نے اس قومیت کے احساس اور آزادی کے جذبے کے فروغ میں بہت نمایاں کردار ادا کیا ہے چاہے وہ اردو صحافت ہو، شعر و ادب یا انقلابی نعرے۔

ہندوستان میں اخبار نویسی کے ابتدائی دور (۱۸۲۲-۱۸۵۷ء) کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ بڑی حد تک فارسی اور اخبار نویسی کا دور تھا اور اسی کی گہرائی میں غیر ملکی اقتدار کے خلاف نفرت اور عداوت کے بھڑکتے ہوئے شعلے نظر آئیں گے جس کا عروج ۱۸۵۷ء کے اوائل کا زمانہ تھا جبکہ خبر شائع کرنے کی آڑ میں ہندوستانی اخباروں نے غیر ملکی اقتدار کے خلاف بغاوت کے جذبات عام کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی اردو شعر و ادب میں بھی آزادی کی خواہش اور اس کے حصول کی جدوجہد کا جذبہ ہمیشہ کارفرما رہا ہے۔ سرسید کی تحریروں میں ہندوستانیوں کو تہذیب کی دولت سے مالا مال کرنے کا عزم ہے، حالی نے وطنیت کے گیت گائے ہیں، اکبر نے انگریزی تہذیب اور اس کے ہندوستانی مقلدوں پر طنز کے تیر چلائے ہیں، محمد علی جوہر اور ابوالکلام آزاد نے اپنی اردو تحریروں اور تقریروں

سے جذبۂ آزادی کو طوفان کا جوش اور آہنی عزم عطا کیا۔ برج نرائن چکبست اور حسرت موہانی نے تصورِ آزادی کو دیری کا روپ دیا۔ پریم چند نے غلامی کے خلاف نفرت پیدا کی اور آزادی کا ولولہ پیدا کیا اور قومی مقاصد کے لئے سب کو یکجا ہونے کا درس دیا، ابھی تک آزادی کا مطلب صرف سیاسی آزادی تھا مگر پریم چند کی تحریروں نے فرد کی آزادی، تحریر و تقریر کی آزادی اور اقتصادی آزادی سب پر زور دیا، غرض مشترکہ ہندستانی زندگی کا سیاسی، سماجی مذہبی اور علاقائی مسائل کو سلجھانے میں اُردو نے قابلِ قدر رول ادا کیا ہے اور آزادی کی پوری جدوجہد کے دوران عوام میں سیاسی بیداری پیدا کرنے میں واحد اس زبان نے جو خدمت انجام دی ہے وہ کسی اور زبان کے حصے میں نہیں آئی چاہے وہ جنگِ آزادی کا نعرہ "انقلاب زندہ باد" ہو یا رام پرشاد بسمل کے جذبۂ آزادی سے سرشار پھانسی کے تختے پر چڑھنے سے پہلے کے الفاظ "سرفروشی کی تمنا اب ہمارے دل میں ہے۔ دیکھنا ہے زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے۔"

آزادی ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے جسے مان کر آزادی سے پہلے اور آزادی کے بعد لکھے گئے اردو ادب کا جائزہ لیا جائے تو نظر آئے گا کہ اردو شعر و ادب ہندستانی سیاست اور آزادی کے حصول کی جدوجہد اور اس کے بعد کے حالات کی صحیح عکاسی کرنے میں کامیاب نظر آتا ہے۔ اسی طرح اردو شاعری بھی عوامی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں اتحاد اور یک جہتی کے جذبات پیدا کرنے میں معاون رہی ہے، سیاست ہو یا مذہب، سماج ہو یا زبان اردو شاعری ہر میدان میں روشنی پھیلاتی رہی ہے اور اس نے ایک اتحاد پسندانہ قومی رول ادا کیا ہے جنگ آزادی کے دوران بہت سے اندولنوں اور تحریکوں نے عوام کے دلوں میں حرکت و حرارت پیدا کر دی اور غلامی کے احساس نے قومی اتحاد کی ضرورت کو شدید تر کر دیا اور سیاسی جذبے سے سرشار ہو کر اردو شعرا نے ان تحریکوں کو موضوعِ سخن بنایا۔

کبھی وہ دن بھی آئے گا کہ ہم سوراج دیکھیں گے
نہ بھارت ورش سے لیتے کسی کو باج دیکھیں گے

لال چند فلک

۱۳ اپریل ۱۹۱۹ء کو جنرل ڈائر کی فوج نے نہتے مجمع پر گولی چلائی اور سیکڑوں مظلوموں کو موت کے گھاٹ اتار دیا تو اردو شعرا نے عوام کے جذبات کی ترجمانی کی۔

نادر کا قتلِ عام ہے مشہور آج تک
سفاک اس کا نام ہے مشہور آج تک
لیکن ہے جو کہ نادر سفاک سے سوا
ڈائر کے قتلِ عام کا پڑھو ل ماجرا
ڈائر کے قتلِ عام نے خون دفا کیا
لوہو سے لال دامنِ برطانیہ کیا

ترلوک چند محروم

اس کے بعد سیاسی حالات بدلے آزادی کا تصور بدلا جس کا اثر اردو شعر پر پڑا، کسانوں، مزدوروں اور ... کی تحریکیں ان کی غریبی اور افلاس و بیکاری کی اردو شاعری میں گونج نظر آنے لگی۔ اور شاعر نے کہا:

اٹھو میری دنیا کے غریبوں کو جگا دو
کاخِ امرا کے در و دیوار ہلا دو
جس کھیت سے دہقاں کو میسر نہ ہو روزی
اس کھیت کے ہر خوشۂ گندم کو جلا دو

اقبال

دوسری طرف سے آواز آتی ہے:

پھینک دے اے دوست اب بھی پھینک دے اپنا رباب
اٹھنے ہی والا ہے کوئی دم میں شورِ انقلاب
آ رہے ہیں جنگ کے بادل وہ منڈلاتے ہوئے
آگ دامن میں چھپائے خون برساتے ہوئے
بڑھ رہے ہیں دیکھ وہ مزدور درآتے ہوئے
اک جنوں انگیز لے میں جانے کیا گاتے ہوئے
ختم ہو جانے کو ہے سرمایہ داری کا نظام
رنگ لانے کو ہے مزدوروں کا جوشِ انتقام

مجاز

اردو شعرا نے ہندستانی عوام کو آزادی کی جدوجہد میں ایک رہنے اور تنگ نظری سے بالاتر ہونے کی تعلیم بھی دی ہے۔

ایک دو کیسے لاکھ ہزار — کون کرے ان کا شمار
ابل پڑے سگ ہر نار — ایکا ہے ان کا ہتھیار

کب آئی گوری کی سرکار — بھارت جاگا مچی پکار

سید مظہر مرید آبادی

ہندوستان کو کسی معنی میں آزادی ملی ادھوری اور نہ تھی یہ وہ آزادی کا دن ہی نہ تھی جس کے انتظار میں لوگ آنکھیں بچھائے بیٹھے تھے۔ لوگ اس آزادی کو شک کی نظروں سے دیکھنے لگے انہیں آزادی کا اجالا داغ داغ نظر آیا اور اردو شاعر نے کہا ؎

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
وہ انتظار تھا جس کا یہ وہ سحر تو نہیں
یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لیکر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں
فلک کے دشت میں تاروں کی آخری منزل
کہیں تو ہوگا شب سست موج کا ساحل
کہیں تو جاکے رکے گا سفینۂ غم دل
ابھی گرانیٔ شب میں کمی نہیں آئی
نجات دیدہ و دل کی گھڑی نہیں آئی
چلے چلو کہ وہ منزل ابھی نہیں آئی

فیض

ہندوستان ابھی پوری طرح اپنے پرانے چولے سے آزاد نہیں ہوا بلکہ یہ اس آزادی کی کوشش کر رہا ہے جس کی امید اردو شاعری نے عوام کے دلوں میں جگا رکھی ہے۔

ہندوستان کو سیاسی آزادی تو مل گئی مگر اصلی آزادی تو ایک خواب ہے جو حقیقت بننے کی کوشش کر رہا ہے، وہ آزادی جو عوام کے نظام زندگی، ان کی روح کے جینے، ان کے ذہن کے بوجھ پر اثر ڈالے اور اس میں تبدیلی لائے کیونکہ جب تک بھوک، قحط، سیلاب، زلزلے، بیکاری، سرمایہ دارانہ استحصال قائم رہے گا اس وقت تک کسان مزدور غریبوں کی آزادی ادھوری اور انقلاب نامکمل رہے گا۔ بقول شاعر ؎

یہ انقلاب کا مژدہ ہے انقلاب نہیں
یہ آفتاب کا پرتو ہے آفتاب نہیں
وہ جس کی تاب و توانائی کا جواب نہیں
ابھی وہ سعی جنوں خیز کامیاب نہیں

یہ انتہا نہیں آغازِ کار مرداں ہے

مجاز

غرض اردو زبان ایک ہندوستانی زبان ہے جس نے ملک کی سیاسی آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ اور عوامی کاز کی مکمل آزادی میں حصہ لیتی رہے گی، گو بہت سے لوگ آج اس زبان کو صرف 'مسلمانوں کی زبان' یا چند صوبوں کی دوسری زبان کہہ کر اور بنا کر بدنام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں وہ لوگ نہ صرف تنگ نظر ہیں بلکہ وہ یہ باتیں اپنے اپنے اغراض اور مقاصد کے حصول کے لئے پھیلا رہے ہیں مگر یقیناً ان خود غرضوں کو منہ کی کھانی پڑے گی۔

بیرک پور اسپتال میں بستروں کی تعداد میں اضافہ

حکومت مغربی بنگال نے ڈاکٹر بی۔ این۔ بوس ایس۔ ڈی اسپتال بیرک پور میں مزید ۶۴ بستروں کے اضافہ کے لئے منظوری دیدی ہے۔ جس سے اسپتال میں بستروں کی کل تعداد ۲۰۰ ہو جائے گی۔ ان میں سے ۱۳ بستر بامعاوضہ اور ۵۱ بلا معاوضہ ہوں گے۔ حکومت نے ان بستروں کے غیر مکرر اخراجات کے لئے ۲۸ر۱ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ اور ان کے لئے کچھ مزید جگہوں کے لئے منظوری بھی دی گئی ہے۔

بچوں سے متعلق ریاستی بورڈ کی نو تشکیل

حکومت مغربی بنگال نے ڈاکٹر رینو کا رائے کی صدارت میں ۱۷ ممبروں پر مشتمل بچوں سے متعلق ریاستی بورڈ کی نو تشکیل کی ہے۔ یہ نو تشکیل بچوں سے متعلق ریاستی قانون مجریہ سنہ ۵۹ء کی دفعہ ۱ کے تحت کی گئی ہے۔ بورڈ عام طور پر مذکورہ ایکٹ کے نظم و نسق اور بالخصوص مذکورہ ایکٹ کی دفعہ ۷۷ کے تحت قائم کردہ اسکولوں کے کنٹرول، نگرانی، رہنمائی اور انتظام نیز ان امور کے بارے میں اپنے مشورے دیگا جو ریاستی حکومت بورڈ کے پاس بھیجے گی۔



آزادی اور عام لوگ

از:- بھوبتوش رائے

ہم نے ۱۹۴۷ء سال میں آزادی حاصل کی۔ ۱۴ر اگست ۴۷ء کی رات کے بارہ بجے انگریز حکمرانوں نے رسمی طور پر ہندوستانیوں کے ہاتھوں اقتدار سونپ دیا۔ آزادی کے جدوجہد کی قیادت کرنے والی اس وقت کی دو اہم سیاسی پارٹیاں یعنی انڈین نیشنل کانگریس اور مسلم لیگ ان دو حصوں کی حکمراں بن گئیں جن میں غیر منقسم ہندوستان کو اس وقت تقسیم کر دیا گیا تھا۔ جس حصے میں ہم رہتے ہیں، اس کا نام ہندوستان ہی رہا اور دوسرا حصہ جس پہ مسلم لیگ کی حکومت بنی پاکستان کہلانے لگا۔

ہم نے ۱۹۴۷ء سے اب تک ۳۴ برس کا فاصلہ طے کیا اور ہندوستان میں آج یعنی ۱۵ر اگست ۸۱ء کو ہم آزادی کی ۳۴ ویں سالگرہ منا رہے ہیں۔

آج ہندوستان میں ۶۸ کروڑ لوگ آباد ہیں اور یہ آبادی مختلف مذہبوں، ذاتوں، فرقوں اور طبقوں کے لوگوں پر مشتمل ہے۔

جب ہمارا ملک برٹش سامراجیوں کے زیر تسلط تھا تو اس وقت عوام کی بڑی اکثریت نہایت ہی فلاکت اور غریبی میں زندگی بسر کرتی تھی۔ ان کی حالت اتنی ابتر تھی کہ الفاظ اس کے بیان سے قاصر ہیں۔

انگریزوں کی حکومت کے تقریباً دو سو برسوں کے دوران ہندوستان کو بہت سارے قحط اور خشک سالی کا سامنا کرنا پڑا اور ان میں لاکھوں لوگ بھوک مری اور دیگر امراض سے ہلاک ہوئے۔ آخری بار ۱۹۴۳ء میں بنگال میں قحط پڑا اور اس قحط میں تقریباً ۵۰ لاکھ لوگ مرے۔

لاکھوں لاکھ لوگوں نے آزادی کے لئے قومی جدوجہد میں شرکت کی۔

لوگوں نے انڈین نیشنل کانگریس کی پکار پر غیر متشدد طریقہ سے اور دیگر پارٹیوں کی پکار پر جنھیں آزادی حاصل کرنے کے لئے غیر متشدد طریقہ کار پر یقین نہیں تھا، دیگر طریقوں سے آزادی کی جنگ لڑی۔ ان تمام متشدد اور غیر متشدد جدوجہدوں کا مجموعی اثر یہ ہوا کہ ہمیں آزادی ملی۔ ۱۹۴۵ء سے ۱۹۴۷ء کے دوران اس جدوجہد میں عام لوگوں کی شرکت اور غیر ملکی حکومت کو ختم کرنے کے لئے ان کا عزم مصمم وہ فوری اسباب تھے، جنھوں نے انگریزوں کو مجبور کر دیا کہ وہ ملک چھوڑ جائیں۔ یہ کہنا صحیح نہیں ہے جیسا کہ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آزادی کے لئے ہندوستان کی جدوجہد کا ۱۸۸۵ء میں انڈین نیشنل کانگریس کے قیام کے ساتھ ہی آغاز ہوا۔ ۱۸۵۷ء میں سپاہیوں کی بغاوت کو جسے عام طور پر انگریز غدر کا نام دیتے ہیں، اب آزادی کی پہلی جنگ کی حیثیت سے تسلیم کر لیا گیا ہے لیکن اس سے بہت پہلے انگریزوں کے تسلط سے نجات حاصل کرنے کے لئے عام کسانوں نے ان گنت بار جدوجہد کی۔ اس لئے آزادی کے لئے جدوجہد کی تاریخ شاہد ہے کہ ان جدوجہدوں میں عام لوگوں نے ہی موثر کردار ادا کیا۔

یہ حقیقت ہے کہ لاکھوں لوگوں نے اپنی عزیز جانوں کی قربانی دی۔ ہزاروں لاکھوں خاندانوں کو انسانیت سوز مصائب اور مشکلات جھیلنی پڑیں۔

یہ تو بالکل قدرتی بات ہے کہ آزادی کے حصول اور انگریزوں کے یہاں سے چلے جانے کے بعد عوام کو اس بات کی توقع تھی کہ ان کے دن پھر جائیں گے ان کی مشکلات دور ہو جائیں گی اور کم از کم انھیں روزانہ دونوں وقت پیٹ بھر کھانا ملے گا، سر چھپانے کو جگہ ملے گی ان کے بچے تعلیم سے فیضیاب ہو سکیں گے انھیں

دوران کے اہل و عیال کو علاج کے لیے طبی سہولتیں فراہم ہوں گی۔

لیکن آزادی کے ۴۴ برسوں کے بعد آج بھی عوام کی یہ توقعات خواب ہی رہیں اور آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکیں۔ انھیں اس بات کا بہت تلخ تجربہ ہو رہا ہے کہ گرچہ یہاں غیر ملکی حکمران نہ رہے مگر ان کی مشکلات اور ان کی غربت پہلے جیسی ہیں اور کھیتوں، کارخانوں اور دفتروں میں کام کرنے والے لاکھوں لوگوں کی جانفشاں محنت سے جو بھی دولت پیدا ہوتی ہے سب کے سب چند لوگوں کے ہاتھوں میں اکٹھی ہو جاتی ہے اور اس طرح مٹھی بھر لوگ دن بدن امیر سے امیر تر بنتے جا رہے ہیں۔ آج بھی شہروں اور دیہاتوں میں آباد ہندوستان کی نصف آبادی غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی بسر کر رہی ہے اور اگر صرف دیہی آبادی کا شمار کیا جائے تو ہمیں معلوم ہوگا ۷۰ فیصد دیہی لوگ غربت کی سطح سے نیچی سطح پر زندگی بسر کر رہے ہیں۔ آج سارے ہندوستان میں تعلیم عوام کی اکثریت کی پہونچ سے باہر ہے۔ آج بھی چند ہی لوگوں کے ہاتھ میں زمینوں کی ملکیت ہے اور بے زمین کسانوں اور زرعی مزدوروں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ آج بھی عوام کی اکثریت کھلے آسمان کے نیچے دن گزار رہی ہے۔ آفات ناگہانی سے خود کو محفوظ رکھنے کے لیے ان کے پاس سر چھپانے کو جگہیں نہیں ہیں۔ دیہی علاقوں میں آج بھی نیم جاگیردارانہ استحصال جاری ہے اور شہری علاقوں میں سرمایہ دارانہ استحصال نے اور بھی شدت اختیار کر لی ہے۔

اس لیے عام لوگ، جو آج بھی اسی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں، جس طرح وہ غیر ملکی حکمرانوں کے دور میں بسر کیا کرتے تھے، یہی سوچتے ہیں کہ ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ اور یہ کہ غیر ملکی تسلط کے تحت زندگی بسر کرنے اور اپنے ہم وطنوں کی حکومت میں آزاد شہریوں کی طرح زندگی بسر کرنے میں کیا فرق ہے۔ یقیناً عوام کے لیے یہ بات بہت ہی پریشان کن ہے اور اپنی پریشانی کے عالم میں ان میں سے بہت سے لوگ اکثر اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ اگر انگریز یہاں رہتے تو اچھا ہوتا۔ سماج کی ترقی کے طریقہ کار اور سماج کے اندر مختلف طاقتوں کے مابین عمل اور رد عمل کو عام لوگ اچھی طرح سمجھ نہیں سکتے، اور اسی وجہ سے وہ اس نتیجہ پر پہونچتے ہیں کہ یہ تو ان کی قسمت میں لکھا ہوا ہے کہ جس حالت میں وہ برسوں سے زندگی بسر کر رہے ہیں آج بھی اسی حالت میں انھیں زندگی بسر کرنا ہوگی اور یہ کہ دنیا کی کوئی طاقت ان کی قسمت کے لکھے کو بدل نہیں سکتی۔ یہ حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں مذاہب یہی سکھاتے ہیں کہ ہماری غربت، ہماری مشکلات اور ہماری تکالیف — یہ سب قادر مطلق کی مرضی سے ہوتی ہیں اور اسی لیے، ہم پر جو کچھ بھی گذرتا ہے اسے بغیر کسی شکایت کے اور خاموشی کے ساتھ ہمیں قبول کرنا چاہیے۔ اپنی مشکلات اور مصائب سے پریشان ہونے اور انھیں دور کرنے کی جگہ ہمیں قادر مطلق کی امان حاصل کرنے کے لیے سکون اور امن کے ساتھ اپنی تمام کوششوں کو مرکوز کرنا چاہیے۔

ایسی صورت حال میں لاکھوں لاکھ لوگ گرچہ استحصال کے شدید بوجھ تلے ان کا دم گھٹتا ہے تاہم اپنی حالت کو بدلنے کی کوششوں میں شامل ہونے کے لیے آگے نہیں بڑھتے۔ وہ عبادت اور ریاضت میں دن گذارنا پسند کرتے ہیں اور اپنی حالت کو بدلنے کے لیے قادر مطلق پر انحصار کرتے ہیں۔

آیئے ہم اس بات کی وجہ معلوم کرنے کی کوشش کریں کہ آزادی کے ۴۴ برس بعد بھی ہمارے لوگوں کی حالت اتنی ناگفتہ بہ کیوں ہے۔ کیا یہ حقیقت ہے کہ ایک شخص کی زندگی کی حالت کا انحصار اس کی قسمت پر ہے یا جو کچھ اس کی قسمت میں لکھا ہے وہ ہو کر رہیگا؟

ہمارے ملک میں لوگوں کی موجودہ حالتوں میں تبدیلی لانے کے لئے ان سوالوں کا جواب بہت ہی اہم ہے اور اس کے لئے ہمیں صاف ذہن کے ساتھ دنیا کے دیگر ملکوں کے حالات کا جائزہ لینا چاہیئے۔ اس زمین میں مختلف ملکوں میں لوگ رہتے ہیں۔ اگر ہم دنیا کے ملکوں کا جائزہ لیں تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ بہت سارے ممالک ایسے ہیں جہاں عوام کی اکثریت کا چند لوگ استحصال کرتے ہیں اور ان پر ظلم و ستم ڈھاتے ہیں۔ ان ملکوں میں ہمارا ملک بھی شامل ہے۔ نیز دنیا میں ایسے بھی ملک ہیں کہ جہاں اس قسم کے استحصال اور جور و جبر ماضی کی چیزیں بن گئے ہیں۔ دوسرے الفاظ میں اس دنیا میں بہت سارے ملکوں میں لوگ مشکلات اور مصائب سے دوچار ہیں وہاں ایسے بھی ملک ہیں جہاں لوگ یہ نہیں جانتے کہ بھوکا رہنا کسے کہتے ہیں یا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک لڑکا یا لڑکی اسکول نہ جائے یا بے روزگاری سے صحیح معنوں میں کیا مراد ہے۔ اس دنیا کے مختلف ملکوں کی اس تصویر سے ہم آسانی سے یہ نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں کہ مشکلات اور مصائب اور غربت عام لوگوں کی زندگی کا جزو لاینفک نہیں ہیں، انھیں بدلا جا سکتا ہے اور درحقیقت

دنیا کے بہت سارے ملکوں میں انھیں بدل دیا گیا۔

اگر ہم غائر مطالعہ کریں اور اس بات کا پتہ چلانے کی کوشش کریں کہ کس طرح ان ملکوں کے لوگ بھوک، ناقص غذا، جہالت، خراب صحت وغیرہ کی المناک زندگی کی برسوں پرانی روایت کو توڑ کر باہر نکلے، تو ہمیں یہ معلوم ہوگا کہ اس دنیا کی کسی بھی چیز نے اس تبدیلی کو ممکن نہیں بنایا، بلکہ جو کچھ بھی ہوا وہ لوگوں نے خود جدوجہد اور ایثار کے ذریعہ کیا۔ ان ملکوں کے لوگوں کو کبھی اس بات پر یقین تھا کہ ان کا مستقبل تاریک بن چکا ہے اور جب تک ان کی قسمت نہ بدل جائے اس وقت تک وہ اپنی المناک زندگی میں تبدیلی نہیں لا سکتے۔ لیکن ان لوگوں نے تقدیر پر انحصار کرنا ترک کر دیا۔ اپنے سروں کو اونچا رکھتے ہوئے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوئے اور نجات کے لئے جدوجہد میں شریک ہونے کے لئے آگے بڑھے۔

اس لئے ہمارے لوگوں کو سب سے پہلے اس بات کا احساس ہونا چاہئے کہ جن ناگفتہ بہ حالات میں وہ زندگی گذار رہے ہیں وہ چند لوگوں کی پیدا کردہ ہیں اور یہ کہ عوام کی بڑی اکثریت کوششوں اور جدوجہد کے ذریعہ ان حالات کو بدل سکتی ہے۔

اب دوسرا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں ایک ملک میں لوگوں کو استحصال کا بوجھ برداشت نہیں کرنا پڑتا اور دوسرے ملک میں ایسا کرنا پڑتا ہے۔ ان تمام باتوں کا سماج کے نظام، معاشی تنظیموں کے ڈھانچہ، پیداوار کے تعلقات وغیرہ پر انحصار ہے۔ ہمارے ملک میں ہم ایک ایسے سماج میں زندگی بسر کرتے ہیں جہاں چند لوگ استحصال کے سرمایہ دارانہ طریقہ سے عوام کی اکثریت کا استحصال کرتے ہیں نیز ہمارے دیہی علاقوں میں اب بھی نیم جاگیردارانہ استحصال کے آثار نظر آتے ہیں۔ امیر یعنی سرمایہ دار اور بڑے زمیندار بڑے سرمایہ داروں کی سربراہی میں ہمارے ملک پر حکومت کرتے ہیں۔ اس استحصال میں غیر ملکی سرمایہ کا بڑا ہاتھ ہے۔

جب انڈین نیشنل کانگریس کی سربراہی میں آزادی کے لئے جدوجہد جاری تھی تو اس وقت سرمایہ دار اور بڑے زمیندار ہی انڈین نیشنل کانگریس کے سربراہ تھے یعنی ہندوستان کی قومی جدوجہد کی قیادت ان کے ہاتھ میں تھی۔ چنانچہ آزادی کے لئے ہندوستانی جدوجہد کو اس سرحد کے پار ہونے نہیں دیا گیا جہاں سربراہی یعنی ابھرتے بورژواؤں اور بڑے زمینداروں کے مفادات کو خطرہ لاحق ہو جائے۔ اسی وجہ سے جب ۱۹۴۶-۱۹۴۷ء کے دوران اور اس سے قبل بھی یعنی ۱۹۴۲ء میں ہندوستان چھوڑ دو تحریک کے دوران لوگوں کے دلوں میں جو جوش ابل رہا تھا اور وہ غلامی کی زنجیروں کو توڑنے کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کو تیار تھے، تو اس وقت انڈین نیشنل کانگریس کے لیڈروں نے برٹش حکمرانوں سے سمجھوتہ کر لیا اور تقسیم کی قیمت ادا کر کے آزادی قبول کر لی، حالانکہ کانگریس کے لیڈروں نے ہمیشہ یہی بات کہی کہ وہ ہندوستان کی تقسیم کو کبھی بھی قبول نہیں کریں گے۔ ان میں اس بات کا خوف پیدا ہو گیا تھا کہ اقتدار کی منتقلی میں اگر ذرا سی بھی تاخیر ہو جائے تو اس سے ایک ایسی صورت حال پیدا ہو جائے گی جہاں ان کے ہاتھ سے سربراہی نکل جائے گی۔ چنانچہ کانگریس کے جو سربراہ تھے وہی آزادی کے بعد ہندوستان کے حکمران بن گئے اور وہی سرمایہ داروں اور زمینداروں کے نمائندے بن گئے اور اسی لئے آزادی کے اتنے برسوں کے بعد بھی عام لوگوں کے مفاد کی طرف کچھ دھیان نہیں دیا گیا۔ غربت بڑھتی ہی جا رہی ہے، عوام کی مشکلات بڑھتی جا رہی ہیں اور اس بات کی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ عوام کے حقوق پر زیادہ سے زیادہ پابندیاں عائد کر دی جائیں اور انھیں زنجیروں میں جکڑ کر رکھا جائے۔ اسی لئے ہم ان وجوہ کو دیکھ سکتے ہیں جو ہماری موجودہ ابتر حالات کی ذمہ دار ہیں، ساتھ ہی ہمیں اس بات کا بھی احساس ہو سکتا ہے کہ یہی لوگ ہیں جو ہماری انسانیت سوز حالات زندگی کے لئے ذمہ دار ہیں، تو ایسا نہ سمجھنے کی ہمارے پاس کوئی وجہ نظر نہیں آتی کہ انگریزوں کے تحت رہنا ہی بہتر تھا۔ غیر ملکی تسلط سے آزادی کے بہت سارے فوائد ہیں جن میں سے ایک فائدہ یہ ہے کہ یہ عوام کو خود اپنی ترقی آپ کرنے کے وسیع مواقع فراہم کرتی ہے۔ اگر ہمارے ملک کے عوام کو آزادی کے فوائد نہ ملیں، اگر آج بھی وہ یہی محسوس کریں کہ ان کی حالت برٹش حکمرانوں کے دوران ان کی جو حالت تھی، اس سے بہتر نہیں ہے تو اس کے لئے آزادی کسی طرح سے بھی ذمہ دار نہیں ہے۔ اس کے لئے تو چند لوگ، جو ہم پر حکومت کرتے ہیں، ان کی پالیسیاں اور ان کے نظریے ذمہ دار ہیں۔ اس لئے اپنے حالات کو بدلنے کے لئے ہماری یہ خواہش نہیں ہونی چاہئے کہ ہم غیر ملکی حکومت کے تحت پھر سے آ جائیں، بلکہ ہمیں تو موجودہ حکمرانوں کی پالیسیوں کا مقابلہ کرنا چاہئے۔ غربت خدا کی پیدا کردہ نہیں ہے۔ یہ تو لوگوں کی پیدا کردہ ہے۔ اگر غریب لوگ، استحصال کے شکار لوگ، مفلس و نادار لوگ متحد ہو جائیں اور استحصال کے نظام کے، جو ان کی المناک حالت اور غربت کے لئے ذمہ دار ہے، خاتمہ کے لئے حکمرانوں سے شدید جدوجہد کرنے کے لئے تیار ہو جائیں تو وہ سب اپنی حالت کو بدل سکتے ہیں ابھی یہی بات ہے

باقی صفحہ ۱۱ پر

شورشِ تعمیر

کیفی اعظمی

آج کی رات بہت گرم ہوا چلتی ہے
آج کی رات نہ فٹ پاتھ پہ نیند آئے گی
سب اٹھو، میں بھی اٹھوں، تم بھی اٹھو، تم بھی اٹھو
کوئی کھڑکی اسی دیوار میں کھل جائے گی

ہاتھ ڈھلتے گئے سانچے میں تو تھکتے کیسے
نقش کے بعد نئے نقش نکھارے ہم نے
کی یہ دیوار بلند، بلند، اور بلند
بام و در اور، ذرا اور سنوارے ہم نے

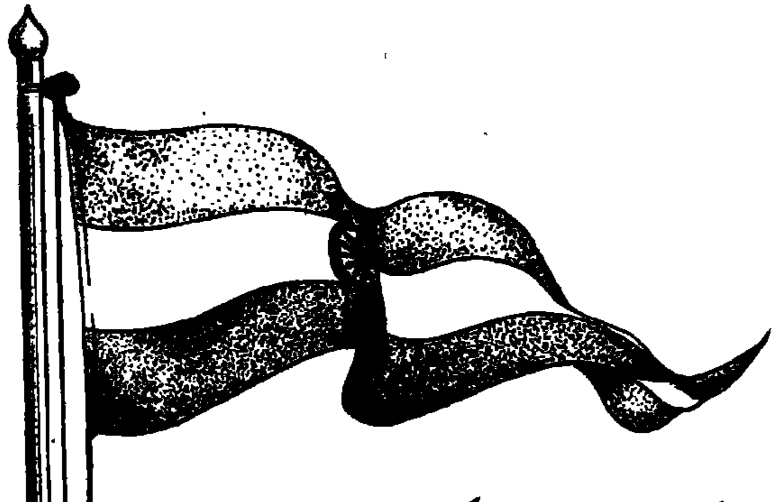
اپنی نس نس میں لئے محنتِ پیہم کی تھکن
بند آنکھوں میں اِسی قصر کی تصویر لئے
دن پگھلتا ہے اسی طرح سروں پر اب تک
رات آنکھوں میں کھٹکتی ہے سیہ تیر لئے

یہ زمیں تب بھی نگل لینے پہ آمادہ تھی
پاؤں جب ٹوٹتی شاخوں سے اتارے ہم نے
اِن مکانوں کو خبر ہے نہ مکینوں کو خبر
اُن دنوں کی جو گپھاؤں میں گزارے ہم نے

آندھیاں توڑ لیا کرتی تھیں شمعوں کی لویں
جڑ دیئے اس لئے بجلی کے ستارے ہم نے
بن گیا قصر تو پہرے پہ کوئی بیٹھ گیا
سو رہے خاک پہ ہم شورشِ تعمیر لئے

آج کی رات بہت گرم ہوا چلتی ہے
آج کی رات نہ فٹ پاتھ پہ نیند آئے گی
سب اٹھو، میں بھی اٹھوں، تم بھی اٹھو، تم بھی اٹھو
کوئی کھڑکی اسی دیوار میں کھل جائے گی

*



آزادی کے ۳۴ برس

ایک تجزیہ

از۔ ڈاکٹر اقبال جمیل

اس ملک کے عوام نے سالہا سال غلامی کی بیڑیاں کاٹنے کے لئے جدوجہد کی، ہزاروں جانیں گئیں، لاکھوں نے اپنی زندگی کے قیمتی سال جیلوں میں گزارے اور کروڑوں نے اس آزادی کو حاصل کرنے کے لئے اپنی آواز بلند کیں۔ یہ سب اس امید پر کہ دو صدیوں کی غلامی کے اندھیرے اور سامراجی ظلم اور تشدد کا خاتمہ ہوگا اور ایک نیا ہندوستان جنم لے گا۔ ایک ایسا ہندوستان جو درحقیقت جمہوریت اور ترقی پسندی کا راستہ اپنائے گا۔ جہاں حکومت کسی شہری سے مذہب، نسل، ذات پات، دولت یا سیاسی نقطہ نظر کی بنا پر کسی قسم کی تفریق نہیں کرے گی اور تمام شہریوں کو برابری حاصل ہوگی۔ جہاں عوام کی صدیوں کی اقتصادی، سماجی اور تعلیمی پسماندگی کو دور کرنے کے لئے کوئی کسر نہ اٹھا رکھی جائے گی۔ مگر "آزادی" کے یہ پچھلے چونتیس سال ملک کے کروڑوں غریب عوام کے ان سپنوں، ان امیدوں کی قبر بن کر رہ گئے ہیں۔

لاکھوں انسانوں کی قربانی سے ملی انگریزی حکومت سے آزادی عوام کی امیدوں کو پورا کرنے کے بجائے موجودہ حکمران طبقے کے لئے مفاد پرستی، منافع خوری اور اپنے آپ کو ملک کے اندر اور باہر مستحکم بنانے کا ذریعہ بن گئی۔ اس حکمران طبقے نے آزادی کے بعد ملک کی باگ ڈور سنبھالتے ہی اگرچہ زبان سے جمہوریت اور سیکولرزم کا راگ الاپنا شروع کر دیا۔ مگر تب سے آج تک شاید ہی کوئی ایسا موقع آیا ہو جب اپنے معمولی سے فائدے کے لئے بھی اس نے جمہوری حقوق کی بلی نہ چڑھائی ہو۔ انگریزوں کے اس ملک سے جانے کے تقریباً ایک سال کے اندر ہی آزاد ہندوستان کے حکمران طبقے نے سامراجیوں کے آزمائے ہوئے ہتھکنڈوں کا استعمال غریب اور محنت کش عوام کی جدوجہد کو کچلنے کے لئے شروع کر دیا۔ ابھی ملک کے عوام ۱۹۱۹ء کے رولٹ ایکٹ کے تحت کئے گئے انگریزوں کے سیاہ کارناموں کو بھولے بھی نہ تھے کہ ۱۹۴۸ء میں مزدور طبقے کی تحریکوں کو دبانے کے لئے حفاظتی نظربندی قانون کا استعمال کیا گیا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ یہ ہتھیار تب سے آج تک مختلف ناموں سے عوام کو کچلنے اور سیاسی مخالفین کو خاموش کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا رہا ہے فرق صرف اتنا ہے کہ یہ کبھی میسا (MISA) کے نام سے پکارا جاتا ہے تو کبھی کوئی حفاظتی ایکٹ کے۔

ہمارے کانگریسی حکمران آزادی کے بعد کے سالوں میں محنت کش عوام اور سیاسی مخالفوں پر ظلم اور تشدد کرنے کے مجرم ہی نہیں بلکہ اپنی اقتصادی پالیسیوں سے عوام کے معیار زندگی کو آزاد ہندوستان میں بہتر بنانے کے بجائے اس میں ابتری لانے کے بھی ذمہ دار رہے ہیں۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ملک میں فرقہ پرستی کو ہوا دینے کے جرم کا مرتکب بھی یہی حکمران طبقہ ہے۔ آئیے ان باتوں کا ایک ایک کر کے تجزیہ کریں۔

اقتصادی میدان میں حکومت کی پالیسیاں آزادی کے دن سے آج تک

تاجروں، زمینداروں اور ذخیرہ اندوزوں کے حق میں اپنی سرمایہ داروں کو نہ صرف قیمتیں بڑھانے اور عام آدمی کو لوٹنے کھسوٹنے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے بلکہ اجارہ دار گھرانوں کو من مانی کر کے ملک کا زیادہ سے زیادہ سرمایہ اپنی جیبوں میں بھرنے کی پوری آزادی ملی ہوئی ہے۔ اس کا کھلا ثبوت یہ ہے کہ ۱۹۷۲ء اور ۱۹۷۵ء کے درمیان کے صرف تین سالوں کے دوران ملک کے بیس سب سے بڑے سرمایہ داروں کی دولت تین ہزار پانچ سو کروڑ سے بڑھ کر پانچ ہزار کروڑ ہو گئی۔ صرف اتنا ہی نہیں بلکہ ملک کے اجارہ داروں اور بڑے سرمایہ داروں کو زیادہ سے زیادہ ٹیکس میں چھوٹ قرضے لینے میں خاص رعایتیں اور بڑھاوا دینے کے لئے دوسری بے شمار آسانیاں فراہم کی جاتی ہیں۔ ظاہر ہے یہ سب کچھ عوام اور مزدور طبقے کی قیمت پر کیا جاتا رہا ہے۔

سالہا سال گزرنے کے باوجود آج تک مقررہ حد سے زائد زرعی اراضیات کی تقسیم نہیں ہوئی ہے۔ بلکہ اس کے برعکس لاکھوں چھوٹے کسان بڑے زمینداروں کے ہاتھوں اپنی زمین کھو چکے ہیں اور کھو رہے ہیں۔ ملک کی قابل کاشت زمین کا تقریباً ۶۰ فیصد حصہ صرف پانچ فی صد زمینداروں کے قبضے میں تھا۔ اور ۱۹۶۱ء - ۱۹۷۱ء کے درمیان دس سالوں میں بے زمین کسانوں کی تعداد میں پچاس فی صد کا اضافہ ہوا ہے۔ اس سے نہ صرف دیہات میں بے روزگاروں کی تعداد میں بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے بلکہ کارخانوں میں بننے والی چیزوں کی مانگ میں کمی آنے کی وجہ شہروں میں بھی بے روزگاری بڑھی۔

احتیاطی نظر بندی قانون لاگو کرنے کے لئے سرکار یہ بہانا بناتی آئی ہے کہ یہ ذخیرہ اندوزوں اور کالابازاری کرنے والوں کو پکڑنے کے لئے ہے۔ مگر برسوں کا تجربہ اس کے بالکل برعکس دیکھا آتا ہے۔ ذخیرہ اندوزوں اور کالابازاری کرنے والوں کو اس قانون کی زد میں لانا تو درکنار سرکار ان کی پوری پشت پناہی کرتی آئی ہے۔ بلکہ اپنی ایجنسیوں کے ذریعہ انہیں ذخیرہ اندوزی کرنے کے لئے سرمایہ بھی فراہم کرتی ہے تاکہ وہ غریب عوام کو لوٹ سکیں۔

ان باتوں کا نتیجہ یہ ہے کہ قیمتیں برابر بڑھتی جا رہی ہیں۔ روپے کی قیمت آزادی کے بعد کے عرصے میں پانچ گنا سے بھی زیادہ گھٹ گئی ہے مگر مزدور اور درمیانی طبقوں کی آمدنی میں اضافے کی شرح اس کے مقابلے بہت کم رہی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ معیار زندگی میں اس لگاتار تنزلی کے خلاف جب بھی ان طبقوں نے آواز بلند کی تو ان کی آواز کو کچلنے کا سامان کر دیا گیا۔ اس کی بین اور تازہ ترین مثال ۲۰ جولائی کا سرکاری آرڈیننس ہے جس کے تحت مزدوروں سے ہڑتال کرنے کا حق بھی چھین لیا گیا ہے۔ ایک طرف سال میں اٹھارہ فیصد سے زیادہ مہنگائی دوسری طرف مزدوری اور تنخواہ کاٹنے کا مسئلہ اس کے اوپر سے یہ سرکاری آرڈیننس مرے پر سو دُرّے اور اس کے مصداق ہے۔

آزادی کے بعد سرکار سیکولرزم کا نعرہ لگانے کے باوجود اقلیتوں اور دوسرے پچھڑے طبقوں کے حقوق کی حفاظت کرنے میں ناکام رہی ہے۔ ان چوبیس سالوں میں گیارہ ہزار سے بھی زیادہ فرقہ وارانہ فسادات ہوئے جن میں معصوموں کا بے حساب خون بہا اور سرکاری انتظامیہ تماشائی بنے دیکھتے رہے۔ یہی نہیں بلکہ ایسے کافی ثبوت موجود ہیں جن سے سرکار اور انتظامیہ کا ان فسادات میں ملوث ہونا ثابت ہوتا ہے۔

ملک میں آزادی کے بعد ہریجنوں کا خون نہ صرف اونچی ذات والوں کے ہاتھوں بہا ہے بلکہ اس میں دوسرے بھی برابر کے شریک رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اقلیتوں، ہریجنوں اور دوسرے پچھڑے ہوئے طبقوں کا قتل عام حکمران طبقے کی ایک سازش ہے جسے اقتصادی ناکامیوں کو چھپانے اور محنت کش طبقوں کی ایکتا کو توڑنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ حکمران طبقہ عوام کی پریشانی اور بدحالی دور کرنے کے بجائے ان میں تفرقہ پیدا کرنے کی کوشش کر رہا ہے تاکہ وہ بھول جائیں کہ مہنگائی، بے روزگاری، غریبی کی ذمہ داری موجودہ سرکار پر ہے اور آپس میں لڑتے جھگڑتے رہیں۔

سوال یہ ہے کہ آزادی ملنے کے اتنے سالوں کے بعد بھی اگر ملک کے عوام کو اس کا فائدہ نہیں پہونچا تو اس کا حل کیا ہے؟ جواب سیدھا ہے۔ اگر پائیدار حل درکار ہے تو بڑے سرمایہ داروں اور زمینداروں کے گٹھ جوڑ سے بنے موجودہ حکمراں طبقے کو شکست دے کر محنت کش عوام کی سیاسی پارٹی حکومت کی باگ ڈور سنبھالے۔ مگر جب تک سارے ملک کے پیمانے پر یہ ممکن نہیں اس وقت تک ضروری ہے کہ موجودہ سرکار اور حکمراں طبقوں اور ان کی عوام دشمن پالیسیوں کے خلاف عوامی تحریکوں اور جدوجہدوں کو بڑھاوا دیا جائے تاکہ عوام کے حقوق کی زیادہ سے زیادہ حفاظت ہو سکے۔



سنتھالی بغاوت

اجمالی روئداد

از:- اردون چودھری

آج سے ۱۲۵ برسوں قبل موجودہ مشرقی بہار اور بیر بھوم کے وسیع حصے اور اس کے قرب وجوار کے علاقوں میں ہزاروں قبائلی اور مظلوم کسان زمینداروں اور ساہوکاروں کے ظلم اور استحصال کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور انھوں نے برطانوی حکومت کو بھی للکارا۔ اپنے قدیم ہتھیاروں جیسے تیر و کمان اور کلہاڑیوں سے انھوں نے آتشیں اسلحہ جات سے مسلح برطانوی فوج کا آخر دم تک مقابلہ کیا۔ ہزاروں مردوں اور عورتوں نے اپنی جانیں قربان کر دیں۔ بے شمار افراد جیل بھیجدئے گئے اور اُن کی جھونپڑیاں نذر آتش کر دی گئیں۔ برطانوی فوج اور اُسکی مسلح پولیس برانچ نے اپنے ظلم وستم اور لوٹ کھسوٹ سے اُن کو دانے دانے کا محتاج کر دیا۔ تاریخ میں کسانوں کی بغاوت کو "سنتھال بغاوت" کہا گیا ہے کیونکہ سنتھال قبیلہ نے اس بغاوت میں نمایاں حصہ لیا تھا۔ بلاشبہ اس مایہ ناز بغاوت کی باگ ڈور سنتھالی قبیلہ کے ہاتھ میں تھی۔ لیکن مذکورہ علاقوں کے تمام قبیلوں کے افراد نے اس تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہاں تک کہ غیر قبائلی کسانوں اور دیہی کاریگروں جیسے لوہاروں، سنکروں، کمہاروں اور گوالوں نے بھی اس بغاوت میں حصہ لیا اور خوفناک ظالم برطانوی فوج کا ڈٹ کر مقابلہ کیا۔

انھوں نے اپنی جانوں پر کھیل کر مختلف طریقوں سے جنگجویوں کی مدد کی۔ اسی لئے اگرچہ اس بغاوت کو تاریخ میں "سنتھال بغاوت" سے موسوم کیا گیا ہے تاہم مجموعی طور پر وسیع علاقوں کے افلاس زدہ دیہی باشندوں کی بغاوت اور شورش تھی۔

برطانوی حکومت کے آغاز ہی میں ہندستان کے مشرقی خطّہ کے کسانوں نے برطانوی حکومت کے خلاف مزاحمت کی تحریک شروع کی تھی۔ اُس عہد کی تاریخ کے صفحات اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ مُلک کے وسیع علاقوں جیسے بنگال میں رنگپور، ڈھاکہ اور میمن سنگھ اور بہار میں پورنیہ کے کسانوں تک نے برطانوی حکومت کو للکارا۔

اٹھارہویں صدی کے آخری حصہ میں برطانوی ارباب حل وعقد کو ایسی بہت سی بغاوتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ ۱۷۸۳ء میں رنگپور کی بغاوت، ۱۷۸۵-۹۶ء کے دوران جیسور اور کھلنا کے کسانوں کی بغاوت، بیر بھوم (۱۷۸۵-۹۶) میں عام بغاوت، بیر بھوم اور بانکوڑا کے پہاڑی سرحدی علاقوں کے باشندوں کی بغاوت (۱۷۸۹-۹۱) تریپورہ کے شمشیر غازی (۱۷۶۸) کی بغاوت، چاٹگام میں چکماؤں کی بغاوت (۱۷۷۶-۸۷ء) دناج پور کے گھوریوں اور کھیرا ماجھیوں کی بغاوت (۱۷۷۷-۸۳) اور بہت سی ایسی بغاوتوں کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ انیسویں صدی کے وسط تک یعنی سنتھال بغاوت سے پہلے اسی قسم کی بہت سی شورشیں ہوئیں۔ سنتھال بغاوت کے بعد بھی بہت سے مقامات پر کسانوں نے زمینداروں اور ساہوکاروں کے استحصال کے

نیل کی کاشت کرنے والوں نے انگریزوں کے ظلم و ستم اور ان سب سے بالا تر برطانوی حکومت اور مختلف طرح کے سماجی ظلم کے خلاف زبردست احتجاج کیا۔ اس سلسلے میں ۲۴ پرگنہ کھلنا، جیسور میں ۱۸۳۱ء میں وہابی بغاوت فرید پور میں فرازی بغاوت (۴۸-۱۸۳۷ء) میمن سنگھ میں پہلی "پاگل پنتھی" بغاوت (۲۷-۱۸۲۵ء) میمن سنگھ اور آسام کے سرحدی علاقوں میں گارو ز کی بغاوت (۸۲-۱۸۳۷ء) تریپورہ میں کسانوں کی بغاوت (۹۰-۱۸۴۴ء) نیل کی کاشت کرنے والوں کی ظلم و ستم اور انسانیت سوز استحصال کے خلاف بغاوت (۶۱-۱۸۵۹ء) اور سراج گنج میں کسانوں کی بغاوت (۷۳-۱۸۷۲ء) قابل ذکر ہیں۔ نہ صرف مشرقی ہندوستان کے ان حصوں میں بلکہ ہندوستان کے دیگر حصوں کے کسان بھی زمینداروں اور ساہوکاروں کے استحصال کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے۔ مہاراشٹر میں کسانوں کی بغاوت (۷۶-۱۸۷۵ء) کیرالا میں مالا بار کے کسانوں کی بغاوت (۷۶-۱۸۳۶ء) اور عوام کی ایسی کئی بغاوتیں قابل ذکر ہیں۔

ایسی بغاوتیں مختلف مقامات پر جداگانہ نوعیت کی تھیں۔ اُن کی نوعیت مختلف ہو سکتی ہے لیکن اُن سب کے پس پشت ایک ہی جذبہ کارفرما تھا۔ ان بغاوتوں کی بنیادی وجوہات زمینداروں اور اجارہ داروں کا نہ ختم ہونے والا استحصال، یہ الفاظ دیگر جاگیردارانہ استحصال اور اُن کے حواریں اور ساہوکاروں کا ظلم و ستم اور دیہی سماج پر جاگیرداروں کا انسانیت سوز ظلم و ستم ہیں۔ یہ بغاوتیں اور شورشیں، زمینداروں اور ساہوکاروں کے جبر و استبداد اور استحصال کے شکار غریب لوگوں کے غم و غصہ کے شدید جذبات کا اظہار مجسم ہیں۔ اس لئے ان بغاوتوں کی اصلیت اور خصوصیت ایک ہی ہے۔ ان تمام شورشوں کے تجزیہ سے یہ معلوم ہوگا کہ استحصال شدہ لوگوں نے کوئی چارہ کار نہ دیکھ کر جب بغاوت کی تو برطانوی حکومت ظالمانہ طور پر اپنی فوج اور مسلح پولس کی پوری قوت سے اس کو کچلنے کے لئے آگے بڑھی۔ چالاک برطانوی حکمرانوں نے آسانی سے ان شورشوں کی اہمیت کو محسوس کیا۔ ان بغاوتوں میں حصہ لینے والے ملک کی زرعی معیشت کا جزو لاینفک تھے۔ نظام آراضی اور زرعی نظام کے درمیان بہت قریبی ربط ہے۔ انگریز جانتے تھے کہ اگر زرعی معاشی نظام میں استحصال شدہ لوگ اجتماعی طور پر اٹھ کھڑے ہوئے تو نہ صرف جاگیردارانہ سماج اور اس کے اقتصادی ڈھانچہ پر ایک کاری ضرب ہوگی بلکہ یہ برطانوی حکومت کی بنیادوں کو کھوکھلی کر دے گا۔

ان تمام بغاوتوں کی بنیادی وجہ معلوم کرنے کے لیے ہمیں انگریزوں کے رائج کردہ زرعی نظام کا بہ نظر غائر مطالعہ کرنا ہوگا۔ استمراری بندوبست (۱۷۹۳ء) نے جسے انگریزوں نے سختی سے رائج کیا کسانوں کو آراضی میں اُن کے حقوق کو ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔ اس سسٹم کے پہلے بادشاہوں کا آراضیات میں کوئی حق نہیں ہوتا تھا اگرچہ وہ اُن کی پیداوار کا ایک حصہ بطور مالگذاری لے سکتے تھے۔ اُس زمانہ کھیت جوتنے والے اپنے کھیتوں کے مالک ہوتے تھے۔ لیکن استمراری بندوبست نے کھیت جوتنے والوں کو اُن کے حق سے محروم کر دیا اور ایک نیا درمیانی طبقہ اُبھر کر سامنے آیا۔ اس طبقہ کا واحد مقصد کسانوں کو مفلوک الحال بنانا اور اُن کا زبردست استحصال کرنا تھا۔ ایسے استحصال میں قدرتی طور پر ظلم و ستم ہوتا ہے۔ مہاجنی کا سسٹم اس کے ساتھ ہی معرض وجود میں آیا۔ کسانوں کو جو روپیہ کی کمی کی وجہ سے مالگذاری کا بقایا ادا کرنے سے قاصر ہوتے تھے وہ مجبوراً قرضہ لینے کے لئے مہاجنوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے تھے۔ اس صورت حال کا فائدہ اٹھا کر ساہوکار سماج کا طاقتور آقا بن گیا۔ کسان بتدریج اپنی زمینوں سے محروم ہوگئے اور ساہوکار متمول ہوتے گئے اور سماج میں اہم مقام حاصل کر لیا اور دیہی سماج کے سیاہ اور سفید کے مالک ہوگئے۔

مذکورہ بالا سے یہ امر واضح ہوگیا کہ سنتھال بغاوت محض اتفاقی واقعہ نہیں تھا۔ اس بغاوت نے کسانوں کی دوسری شورشوں کی طرح جاگیردارانہ نظام آراضی کی بنیادیں ہلا دیں۔ مزید براں ایسی کسی بغاوت میں اتنے زیادہ غریب اور نادار کسانوں نے حصہ نہیں لیا جتنا کہ سنتھال بغاوت میں۔ تاریخ میں ایسی بغاوت کی مثال کمیاب ہے جس میں تمام قبیلوں نے حصہ لیا ہو۔ محض شمالی مشرقی خطوں میں کولا روز کی بغاوت "چکما بغاوت" اور "ہاجنگ بغاوت" کی سنتھال بغاوت سے مثال دی جاسکتی ہے۔

ملک کے وہ علاقے جہاں سے پہلے سنتھال بغاوت شروع ہوئی، اب بہار میں ضلع سنتھال پرگنہ کا حصہ ہیں۔ اُس زمانہ میں 'سنتھال پرگنہ' نام کا کوئی علاقہ نہیں تھا۔ اس بغاوت سے موجودہ سنتھال پرگنہ معرض وجود میں آیا۔ ۱۸۵۵ء میں ایکٹ نمبر ۳۷ کے ذریعہ اُس وقت کی حکومت ہند نے باضابطہ طور پر سنتھال پرگنہ نام کا ایک ضلع بنایا۔ اس میں بیر بھوم اور بھاگل پور کے کچھ حصے شامل کئے گئے اور "دامن کوہ" نام کا علاقہ معرض وجود میں آیا۔

"دامن کوہ" دو پہاڑ کا نچلا حصہ سنتھال پرگنہ کے پاکُڑ، صاحب گنج اور راج محل کے وسیع علاقوں کے درمیان معرضِ وجود میں آیا۔ یہ چاروں طرف پہاڑیوں سے گھرا ہوا تھا اور وسط میں زمین تھی۔ انیسویں صدی کے آغاز ہی میں ان زمینوں میں گھنے جنگل تھے اور کھیتی باڑی موجودہ شکل میں نہیں ہوتی تھی۔ ان پہاڑیوں میں رہنے والے "پہاڑیا" کہلاتے تھے اور کھیتی باڑی کے کام کے عادی نہیں تھے۔ جب برطانوی حکومت نے ان زمینوں کو قابلِ کاشت بنانا چاہا تو انھوں نے پہاڑی قبائلیوں کو کھیتی باڑی کے کام کی طرف راغب کرنا چاہا لیکن انھیں اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ تب حکمرانوں نے ایک دوسری بات سوچی۔ یہ علاقہ انتظامی نقطۂ نظر سے بہت زیادہ اہم تھا۔ ان پہاڑی اور جنگلاتی علاقوں کے جنگلی باشندے اکثر راج محل کے زرخیز علاقوں اور بیربھوم کے لہلہاتے کھیتوں پر دھاوا بول دیتے تھے۔ مزید برآں اس علاقہ سے وسطی ہندوستان سے فوجیں گذر کر مشرقی خطہ میں داخل ہوتی تھیں۔ ان تمام باتوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے برطانوی حکمرانوں نے ان علاقوں کے استحکام پر خصوصی توجہ دی۔

"دامن کوہ" کا علاقہ پاکور (سنتھال پرگنہ)، راج محل اور صاحب گنج کے ۱۰۱ر۱۳۶۶ مربع میل رقبہ میں ۳۳-۱۸۳۲ء میں قائم کیا گیا تھا۔ سنہ ۱۸۵۰ء کے ریکارڈ کے مطابق ۵۰۰ مربع میل کے رقبہ کو چھوڑ کر پورا علاقہ پہاڑوں اور ۵۰۰ مربع میل میں سے ۲۶۴ مربع میل کا رقبہ جنگلات سے گھرا ہوا تھا۔ "دامن کوہ" کا صرف ۲۵۴ مربع میل کا علاقہ زیرِ کاشت لایا گیا اور کھیتی باڑی کا کام بیشتر سنتھال قبیلے کرتے تھے۔ انھوں نے جنگل کاٹے بھالوؤں، چیتوں اور شیروں کا مقابلہ کیا اور اس طرح زمین کو قابلِ کاشت بنایا اور سنہری فصلیں پیدا کیں۔ بکانون ہیملٹن نے ۱۱-۱۸۱۰ء میں ضلع بھاگلپور میں بندوبست کا کام شروع کیا۔ ان کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ سال میں اڑیسہ، دھل بھوم، برا بھوم، چھوٹا ناگپور، بانکوڑا اور بیربھوم سے سنتھالی قبائل کے لوگ ڈمکا اور اس کے قرب و جوار کے علاقوں میں آباد ہونے لگے۔ سدر لینڈ کی ۱۸۱۸ء کی رپورٹ سے یہ انکشاف ہوتا ہے کہ سنتھالی قبیلے وہاں جنگلات صاف کرکے بسنے لگے۔ مسٹر ڈرا کور کی ۱۸۳۶ء کی رپورٹ کے مطابق اس وقت تک ۴۲۴ مواضعات معرضِ وجود میں آگئے تھے۔ ان مواضعات کے باشندے زیادہ تر سنتھال اور پہاڑیا تھے۔ کیپٹن شیرول نے ۱۸۵۱ء میں مرشد آباد، بیربھوم اور راج محل کے پہاڑی علاقوں کے دورہ میں بہت سے خوبصورت سنتھالی مواضعات کو دیکھا جہاں فصلوں کے ڈھیر تھے اور مویشی چراگاہوں میں چر رہے تھے۔ اس طرح دامن کوہ کے جنگلات اور پہاڑی علاقے بتدریج گنجان بستیوں میں تبدیل ہو گئے اور لہلہاتی فصلوں سے مالا مال ہو گئے۔ ۱۸۵۱ء میں ان علاقوں میں ۱،۴۷۳ مواضعات تھے جنکی آبادی ۸۲۷۹۵ تھی۔ ان علاقوں میں مالگذاری کی وصولی میں بھی اضافہ ہوا۔ دامن کوہ سے ۱۸۳۸ء میں مالگذاری کی سالانہ وصولی صرف دو ہزار روپیہ تھی جو ۱۸۵۱ء میں بڑھ کر ۴۳۹۱۸ روپیہ ۱۳ آنے اور ۳ پیسے ہو گئی۔ مالگذاری کی وصولی اور نظم و نسق کے لئے ایک سپرنٹنڈنٹ مقرر کیا گیا۔ مسٹر پونٹ پہلے سپرنٹنڈنٹ مقرر کئے گئے اور اس کے ماتحت چار اسٹیورڈ مقرر کئے گئے جو "نائب سجاولس یا داروغہ" کہلاتے تھے۔ داروغہ "برقنداز" وں کی مدد سے امن و امان قائم کرنے کے فرائض انجام دیتا تھا۔ مزید برآں وہ ان علاقوں سے مالگذاری بھی وصول کرتا تھا۔ دامن کوہ کے عدالتی اختیارات بھاگلپور، بیربھوم اور اورنگ آباد (جو اب مرشد آباد کہلاتا ہے) کے مجسٹریٹوں کو تفویض کئے گئے تھے۔ دیوگھر ایک لوکل مجسٹریٹ کی عدالت تھی۔ اسے کچھ عدالتی کام کرنا ہوتا تھا اور سپرنٹنڈنٹ مسٹر پونٹ کو کم اہمیت کے معاملوں میں فیصلہ بھی دینا ہوتا تھا۔ درحقیقت مسٹر پونٹ "دامن کوہ" کے لوگوں کے مقدر کا مالک تھا۔

جب سنتھالی قبیلوں نے اپنی انتھک محنت سے اپنی جان پر کھیل کر زمین کو زرخیز بنا دیا تو بہت سے موقع پرست اپنا حصہ بٹانے کے لئے وہاں پہنچ گئے۔ "سوریہ" اور "بنیے" ذاتوں کے بنگالی بیوپاری نیز بیربھوم اور مرشد آباد کے دشینو ذات کے لوگ وہاں اکٹھا ہو گئے۔ انھوں نے اس علاقہ کے کئی مقامات جیسے بارہٹ، ہیرنی پور اور ربوریہ میں اپنا کاروبار شروع کر دیا۔ اگرچہ وہ خاص طور بردوان کے بیوپاری تھے تاہم انھوں نے جنگلات کی پیداوار اور سرسوں کو اپنے کاروبار میں شامل کر لیا۔ ان کا خاص مقصد زبردستی سے روپیہ حاصل کرنا تھا۔ وہ مقامی لوگوں کو مال کے وزن میں دھوکا دیتے تھے اور کسی جنس کا کوئی مقررہ نرخ نہیں تھا۔ وہ ہر ممکن طور پر لوٹ کھسوٹ کرتے تھے۔ خریداری کے وقت وہ ایک ترازو "بڑو بٹو کنارم" استعمال کرتے تھے جو وزن سے زیادہ ہوتا تھا اور فروخت کے وقت دوسرا ترازو جو چھوٹا ہوتا تھا استعمال کرتے تھے۔ ان بیوپاریوں کا ساہوکاروں کا ساتھ تھا۔ بنگالی بیوپاری بیوپار اور مہاجنی دونوں کام کرتے تھے۔ بھوجپوری اور بھاکٹ ساہوکاروں نے بھی وہاں اپنا دھندا شروع کر دیا۔ آج بھی سنتھال پرگنہ میں زمین کا رہن "بھاکٹ بندہ" کہلاتا

ہے۔ مصیبت کے وقت سنتھالی ان بیوپاریوں اور ساہوکاروں سے قرض لیتے تھے۔ اُن کا شرحِ سود بہت زیادہ تھی۔ اتنی زیادہ کہ کبھی کبھی یہ [illegible] فیصد تک پہنچ جاتی تھی۔ اس کے نتیجے میں وہ ساہوکاروں کے غلام ہو کر رہ گئے۔ اس سسٹم کا نام "کامیتی" سسٹم تھا یہ سراسر غلامی تھی۔ زمینداروں اور ساہوکاروں کے ناگفتہ بہ استحصال نے اُن کا زندگی کا جینا دوبھر کر دی تھی لیکن اذیت یہیں ختم نہیں ہوتی تھی۔ انھیں نائب، سپاہی اور برقنداز جیسے لوگوں کے ظلم و ستم کو برداشت کرنا ہوتا تھا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنتھالی جو بھرپور فصل پیدا کرتے تھے، بہت قلیل مدت میں مفلس اور قلاش ہو گئے۔ یہاں تک وہ زمین جن کو انھوں نے قابلِ کاشت بنایا تھا اُن کے قبضے سے نکل گئیں اور زمیندار اور ساہوکار اُن کے مالک بن بیٹھے۔ نیل کی کاشت کرنے والوں کے جور و ستم نے کچھ علاقوں میں سنتھالیوں کی حالت اور خراب کر دی۔ گنگا کے کنارے کچھ نیل کوٹھیاں تھیں اُس وقت ریلوے لائنیں بچھائی جا رہی تھیں۔ سنتھالی اور نچلی ذات کے دیگر لوگوں کو ریلوے میں مزدور کی حیثیت سے کام کرنے کے مواقع ملے۔ اجڑے ہوئے سنتھالیوں کے لئے اگرچہ یہ روزی کمانے کا سنہرا موقع تھا۔ لیکن ساہوکاروں نے رکاوٹ پیدا کر دی کیونکہ اگر سنتھالی جن کو انھوں نے غلام بنا لیا تھا ریلوے میں کام کرنے لگیں گے تو سستے مزدوروں کی قلت ہو جائے گی۔ لہٰذا انھیں مختلف طریقوں سے پریشان کیا گیا جس سے سنتھالیوں میں زبردست برہمی پیدا ہو گئی جو بالآخر بغاوت کی صورت میں اُبل پڑی۔

شروع میں انھوں نے ڈکیتی اور غارت گری کی راہ اختیار کی۔ یہ محض اُن کے غصہ کا اظہار تھا۔ درحقیقت انتقامی جذبہ نے اُن کو ان لوگوں کے خلاف آمادہ پیکار کر دیا جنھوں نے ان کا سب کچھ لوٹ لیا تھا۔ حکمراں طبقہ کا خاص مقصد جھوٹے پروپیگنڈے کے ذریعہ سنتھالیوں کے خلاف نفرت پیدا کرنا تھا۔ آج بھی جاگیر مالکوں کے لئے کسانوں اور مزدوروں کی تحریکوں کو "لوٹ" کہا جاتا ہے۔ ہر عہد میں تمام مالک میں استحصال کرنے والے یہی ہتھکنڈے استعمال کرتے رہے ہیں۔ برہم سنتھالی مواضعات میں جمع ہو کر آپس میں مشورے کرنے لگے۔ حکمراں طبقہ قدرتی طور پر اس قسم کے اجتماع سے مشکوک ہو گیا۔ سنتھالی، بھگوان شیو کی پوجا کے بہانے رات میں اکٹھا ہوئے اس اثنا میں کچھ لوگوں کو ڈکیتی کے الزام پر گرفتار کر لیا گیا۔ اُن پر بھاری جرمانہ کیا گیا اور طرح طرح اذیتیں دی گئیں۔ اس سے جلتی آگ پر تیل کا کام کیا۔ زمینداروں اور ساہوکاروں

نے بہر صورت اس اندولن کو کچلنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ بھاگلپور [illegible] [illegible] تھا مسٹر [illegible] عمل ہو گیا [illegible] ۱۸۵۵ء سے دار و مدار تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ سنتھالیوں کو کس طرح سبق سکھایا جا سکتا ہے۔ زمینداروں اور ساہوکاروں کی پشت پناہی کے ساتھ اس نے سربرآوردہ سنتھالیوں کو مغلوب کرنے کی کارروائی شروع کر دی۔ اس کے ظلم و ستم کی کوئی حد نہیں رہی۔ سنتھالی اور زیادہ برہم اور مشتعل ہو گئے اور اس سے چھٹکارا پانے کے طریقے سوچنے لگے۔

۱۸۵۵ء کے آغاز میں بڑی تعداد میں سنتھالی مجتمع ہوئے۔ بے شمار سنتھالی، جن میں "دامن کوہ" سے باہر کے سنتھالی بھی تھے، اس اجتماع میں شریک ہوئے۔ انھوں نے زمینداروں، ساہوکاروں اور گماشتوں کو کڑی سزا دئے جانے کا مطالبہ کیا اور بالآخر انھوں نے مطالبہ کیا کہ زمینداروں اور ساہوکاروں کے انسانیت سوز استحصال کا خاتمہ کیا جائے۔

اس اجتماع کی خبر دور دور تک قبائلیوں میں پھیل گئی۔ ۳۰ رجون ۱۸۵۵ء کو چار بھائیوں، کانو، سیدھو، چاند اور بھیرو نے تمام سنتھالیوں سے بارہیٹ کے قریب موضع بھگناڈیہی میں ایک کانفرنس منعقد کرنے کے لئے اپیل کی۔ چاروں بھائی اس تحریک کی قیادت کے لئے آگے بڑھے۔ اجتماع کی تاریخ کا یہ پیغام گاؤں گاؤں بھیجا گیا۔

چاروں بھائیوں نے اپنی اپیل میں یہ پیغام بھیجا کہ بھگوان "ماڑنگ بورو" ان کے سپنے میں نمودار ہوئے اور مکتی کی راہ دکھائی۔ ۳۰ رجون کو بھگناڈیہی میں لوگوں کا بے پناہ ہجوم دیکھنے میں آیا۔ چار سو سے زیادہ مواضعات سے ہزاروں سنتھالی وہاں جمع ہوئے۔ گاؤں کے جنوبی مشرقی کنارے پر برگد کے درخت کے نیچے کھڑے ہو کر کانفرنس نے یہ اعلان کیا کہ "علاقہ کے مالک صرف سنتھالی ہیں اور انھیں اس کی دھرتی پر پورا حق حاصل ہے" اس علاقہ کا راجہ ایک سنتھالی ہونا چاہئے کوئی اور جیسے سنتھالی راجہ کو بھینسوں سے چلائے جانے والے "جوت" کے لئے دو آنے اور بیلوں سے چلائے جانے والے "جوت" کے لئے [illegible] پیسے سالانہ کے حساب سے مالگذاری راجہ کو ادا کریں گے۔ ساہوکاروں سے لئے ہوئے قرضے ادا نہیں کئے جائیں گے۔ سب سے بڑا بھائی سیدھو راجہ ہو گا۔ وہ "صوبیدار" کہلائے گا۔ انھوں نے بھاگلپور اور شوری کے انگریز حکام کو اس قرارداد سے مطلع کرنے کا بھی فیصلہ لیا۔ یہ بھی طے پایا کہ سنتھالی زمینداروں اور [illegible]

اور راج محل پولس تھانوں کے انچارج افسروں کو بھی اس سے آگاہ کیا جائے مقامی زمینداروں کو الٹی میٹم دیا گیا اور اُن سے ایک ہفتہ کے اندر جواب مانگا گیا۔ لیکن اُن لوگوں نے اس کا ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کی۔

اس فیصلہ کے بعد مشتعل سنتھالی "پنچ کیتھیا" میں جمع ہوئے۔ اُس گاؤں میں بدنام زمانہ ساہوکار کالیجے مانک چودھری، گورا چاند سین، سارتھک رکشت نیمائی اور ہیرو درت وغیرہ رہتے تھے۔ ان پانچوں کی برگد کے ایک بڑے درخت کے نیچے رکشا کالی دیوی پر بلی چڑھادی گئی۔ اس خبر کے ملتے ہی مہیش دارو غہ فوراً موقع پر پہنچ گئے اور سیدھو اور کانو کو گرفتار کر لیا۔ مشتعل سنتھالیوں نے مہیش دارو غہ اور اُس کے آدمیوں کو مار ڈالا۔ صورت حال نے ایک نیا رُخ اختیار کر لیا۔ سنتھالیوں نے جو اپنے مطالبات پیش کرنے کے لئے جا رہے تھے۔ اجتماعی طور پر بغاوت کر دی۔

برطانوی نظم و نسق کے سول افسران صورت حال پر نظر رکھے ہوئے تھے۔ بھاگلپور کے کمشنر پہلے ہی سے چوکنّا تھے۔ انھوں نے نیل کوٹھی میں مقیم برطانوی افسروں اور ریلوے لائنوں کے سپر وائزروں کو سنتھالیوں کے اجتماع اور بعد ازاں ابھرنے والے واقعات سے مطلع کیا۔ کمشنر نے اُن کو نیل کوٹھی کی اور ریلوے لائنوں کی حفاظت کرنے کے لئے ہدایات جاری کیں اور اس سلسلہ میں زمینداروں سے مدد مانگی۔

واقعات نے تیزی سے پلٹا کھایا۔ پنچ کیتھیا باغی سنتھالی دو گروپوں میں بٹ گئے۔ ایک گروپ بھاگلپور اور دوسرا سوری کی جانب بڑھا۔ انھوں نے دامن کوہ کے سپرنٹنڈنٹ کے ہیڈ کوارٹر بارہیٹ پر قبضہ کر لیا۔ مسٹر محمد طاہن کو راستہ میں گھیر کر کے لئے ایک زبردست فوج کے ساتھ برہام پور سے روانہ ہوئے۔ ہر طرف سے فوجی لائے گئے اور پاکڑ کی ریلوے کالونی اور دیگر اہم مقامات پر تعینات کر دیئے گئے۔ ایک طرف جدید اسلحہ جات سے مسلح انگریزی فوج تھی اور دوسری طرف قدیم ہتھیاروں جیسے تیر و کمان، پھاوڑوں اور بھالوں سے لیس سنتھالی تھے۔ مقابلہ غیر مساوی تھا۔ لیکن ناموافق قدرتی رکاوٹوں کی وجہ سے برطانوی فوج کو زبردست دھچکا لگا۔ سنتھالی ایک بہتر پوزیشن میں تھے مزید براں وہ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ ہم عصر شاعر کرشن داس رائے نے سوری سے ۶ میل دور میور اکشی ندی کے کنارے جو لڑائی ہوئی اس کی واضح طور پر عکاسی کی ہے۔ شاعر نے بیان کیا ہے کہ سنتھالی نہ صرف تعداد میں بہت زیادہ تھے بلکہ اُن کے لئے ہتھیار بنانے کے لئے اُن کے ساتھ لوہاروں کی ایک ٹولی بھی تھی۔ میور اکشی ندی کے شمالی کنارے کے انقلابیوں نے انگریزی فوج سے جو جنوبی کنارے پر تھی، ان لوہاروں کے ذریعہ راستہ میں تیار کئے گئے ہتھیاروں سے جنگ کی۔ انھوں نے جان توڑ جنگ کی اور اُن کی بہادری کی سبھوں نے یہاں تک کہ برطانوی جنرلوں نے بھی تعریف کی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ آخر دم تک مورچہ پر ڈٹے رہے اور بالآخر اُن کو شکست تو ہوئی۔ لیکن انھوں نے حیرت انگیز بہادری کا مظاہرہ کیا جس کی مثال تاریخ میں کم ملتی ہے۔

انگریزی فوج کے میجر جیرویس نے اُن کی جراءت اور دلیری کو بیان کیا ہے۔ میجر نے دل کھول کر اُن کی تعریف کی ہے۔ میجر نے لکھا ہے کہ سنتھالی ہتھیار ڈال دینے اور اپنی شکست کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اس سلسلہ میں یہ واقعہ قابل ذکر ہے کہ ۶۵ سنتھالیوں کی ایک ٹولی نے جو ایک جھونپڑی میں چھپی ہوئی تھی برطانوی فوج کا بہادری سے مقابلہ کیا۔ برطانوی فوج نے مسلسل فائرنگ کی اور اُن سے ہتھیار ڈال دینے کے لئے کہا۔ لیکن سنتھالیوں نے اس کے جواب میں تیروں کی بوچھار کر دی۔ بالآخر جب فوج جھونپڑی میں پہنچی تو انھوں نے صرف ایک بوڑھے سنتھالی کو زندہ پایا۔ ایک سپاہی نے اُس سے ہتھیار ڈال دینے کے لئے کہا لیکن بوڑھا سنتھالی اُس پر جھپٹ پڑا اور اپنے کلہاڑی سے اُسے ہلاک کر دیا۔

بغاوت سنتھال پرگنہ اور بیر بھوم کے وسیع علاقوں میں پھیل گئی۔ بہت سی چھوٹی بڑی لڑائیاں ہوئیں۔ انگریزی فوج کا ناطقہ بند کر دیا گیا۔ اکتوبر کے آخر تک یہی صورت حال رہی۔ اس اثناء میں انگریزی فوجوں نے بہت سی سنتھالی بستیوں کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اور بے شمار مواضعات ویران ہو گئے۔ باغیوں کو مقدمہ چلائے بغیر بیدردی سے ہلاک کر دیا گیا۔ کہا جاتا ہے کہ سینکڑوں باغیوں کو سوری میں پھانسی دیدی گئی۔ برطانوی حکومت نے اس اندولن کو کچلنے کے لئے ۱۰ نومبر کو مارشل لا نافذ کر دیا لیڈروں کو گرفتار کرنے کے لئے فی لیڈر دس ہزار روپیہ کے انعام کا اعلان کیا گیا لیکن کسی لیڈر کا پتہ نہ چلا لہٰذا مارشل لا کے نفاذ کے بغیر اور کوئی چارۂ کار باقی نہیں رہ گیا۔

نومبر کے آخر میں باغیوں کا ایک لیڈر کانو گرفتار کیا گیا۔ اس سے پہلے سیدھو کو جو شدید زخمی ہو گیا تھا، گرفتار کیا گیا اور اسے اس کے

اور [illegible] کر دیا گیا۔ ایسا سمجھا جاتا ہے کہ کانو کو پھانسی دیدی گئی لیکن کوئی [illegible] سرکاری ریکارڈ نہیں ہے کہ انہیں کس طرح ہلاک کیا گیا۔
مارشل لا کی میعاد ۳۰ جنوری ۱۸۵۶ء کو ختم ہو گئی۔ لیکن اکا دکا اتصادمات ہوتے رہے لیکن باغی اس وقت منتشر ہو گئے تھے۔

بغاوت کو دبانے کے لئے حکومت نے ظلم و ستم ڈھانا شروع کر دیا۔ دہشت کا دور دورہ ہو گیا۔ چالاک برطانوی حاکموں نے ان کی ترقی کے لئے اقدامات کے بارے میں سوچا۔ ۱۸۵۵ء کا ایکٹ ۳۷ کے ذریعہ ایک باضابطہ ضلع "سنتھال پرگنہ" بنایا گیا۔ ہندوستان میں یہ پہلا قبائلی ضلع تھا۔ ۵۲ مواضعات میں زمینوں کی فروخت ممنوع قرار دیدی گئی۔

سنتھال بغاوت ہندوستان میں کسانوں کی تحریک کی درخشاں زریں مثال ہے۔ یہ بغاوت خاص طور پر جاگیرداروں اور ساہوکاروں کے خلاف تھی۔ اس بغاوت نے ملک میں نظام آراضی کے مسائل کو اجاگر کیا جس میں یہ مسئلہ بھی شامل تھا کہ کاشتکار زمینوں کے مالک نہیں تھے۔ اس بغاوت میں متعلقہ علاقوں کے تمام افلاس زدہ افراد نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ سماج کے تمام غریب طبقوں کے لوگوں، جیسے لوہاروں کمہاروں اور ہنکروں نے ساہوکاروں اور زمینداروں کے استحصال کے خلاف قبائلیوں کے ساتھ سرگرم حصہ لیا۔

بغاوت سے متعلق ایک مقدمہ سے اس امر کا ثبوت ملتا ہے۔ اس مقدمہ میں ۲۵۰ ملزمان میں سے ۲۴۳ "سنتھالیں" ۵ "ڈوم"، ۲ "ڈھانگڑ"، ۷ "گوالا"، ایک "رجوار" ۲ "بھوئیاں" ذاتوں سے تعلق رکھتے تھے۔ سوری عدالت کے ایک مقدمہ میں ۲۰ ملزمان میں سے دو لوہار تھے۔

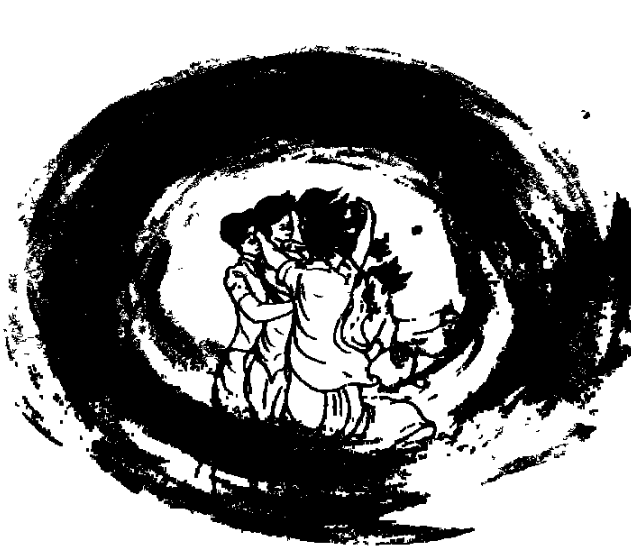
گوالوں نے بغاوت میں بہت سرگرم حصہ لیا اور گنپت نامی ایک گوالا انقلابیوں کے جاسوسوں کا انچارج تھا۔

کسانوں کی اس بغاوت کی اہمیت کا صحیح اندازہ لگانا اور اس کا تجزیہ کرنا ابھی باقی ہے۔ اس زمانہ میں اُسے غیر مہذب اور جنگلی سنتھالیوں کے جذباتی ہیجان اور دیوانگی سے تعبیر کیا گیا تھا۔ برطانوی حکمرانوں کے لئے ایسی عظیم الشان بغاوت کو غیر اہم اور کمتر سمجھنا ایک فطری امر تھا۔ یہ امر افسوسناک ہے کہ بیشتر برطانوی مورخین اور زمانہ مابعد کے بورژوا ہندوستانی مورخین نے دانستہ یا نادانستہ طور پر اس بغاوت کی قدر و قیمت کا تعین نہیں کیا۔ ہمارے ملک کی تحریک آزادی کی تاریخ میں اس کو کوئی اہمیت نہیں دی گئی۔ سیدھو اور کانو کی شہادت کو خراج تحسین ادا نہیں کیا گیا۔ ان کی یاد میں کوئی یادگار قائم نہیں کی گئی۔ یہ امر باعث مسرت ہے کہ حکومت بائیں محاذ کے اقتدار سنبھالنے کے بعد درگاپور میں ایک اسٹیڈیم ان کے ناموں سے موسوم کیا گیا ہے۔ ضلع اسکول بورڈ بیر بھوم کا ایک اسکول ان دو شہیدان آزادی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ مزید برآں حکومت بائیں محاذ نے سوری کامیں انکے نام سے موسوم قبائلیوں کی ثقافت کی ترویج سے متعلق ایک ادارہ قائم کیا گیا ہے۔ اس سال مغربی بنگال میں کسانوں کی نیز دیگر عوامی تنظیمیں مختلف اضلاع میں اس بغاوت کی ۱۲۵ ویں سالگرہ منا رہی ہیں تاکہ اس عظیم الشان بغاوت کی یاد تازہ ہو اور اس کی صحیح قدر و قیمت واضح ہو سکے۔

ڈالڈالی پہاڑیوں پر بغاوت کا جو بگل بجایا گیا تھا اور بعد ازاں جو بغاوت ہوئی وہ ناگزیر حالات کی بنا پر کامیاب نہیں ہو سکی۔ ایسی بغاوتیں سیاسی تنظیموں نیز سیاسی مقاصد کے بغیر کامیاب اور کامران نہیں ہو سکتیں۔ اس لئے ناکامی اس کا قدرتی انجام تھا۔ با ایں ہمہ آج بھی تمام کسانوں کے دلوں میں بغاوت کے بگل کی آواز گونج رہی ہے۔ اس بغاوت کی تاریخ نہ صرف سنتھالی قبائلی کے لئے باعث فخر ہے بلکہ یہ ہمارے ملک کی جمہوری تحریک کی ایک شاندار روایت بھی ہے۔

بیمہ شدہ مزدوروں کو ۹۴ لاکھ روپیہ کی ادائیگی

حکومت مغربی بنگال کا پریس نوٹ مظہر ہے کہ ملازمین ریاستی بیمہ کارپوریشن نے مئی ۱۹۸۱ء کے دوران ۵۲۰۹۳۱ صنعتی مزدوروں کو زخمی ہونے علالت اور زچگی کو نقد مراعات دیا۔ کارپوریشن نے اس سلسلہ میں ۹۴ء۵۰ لاکھ روپیہ کی ادائیگی کی۔ اس میں سے علاج کے لئے ۶۷ء۰۰ لاکھ روپیہ زخمی ہونے کی صورت میں ۱۵ء۲۶ لاکھ روپیہ اور زچگی کے لئے ۱۹۹۵ء روپیہ ادا کیا۔ زیر نظر مدت میں چندہ کے بقایا کی وصولی کے لئے ۱۵ نادہندہ آجروں نیز غلط بیانی پر آٹھ ملازمین کے خلاف قانونی کارروائی کی گئی۔



ایک کہانی

عظیم ہوا کا کارنامہ

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ـــــ

شمالی روس کی ایک نیلی جھیل کے کنارہ ایک خیمہ میں مغرور یاقوت اپنی بیٹی کے ساتھ رہتا تھا۔ اس کے پاس ہی ایک اور خیمہ میں رحمدل یاقوت رہتا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک بیٹا بھی تھا۔ گرچہ یہ دونوں پاس پاس رہا کرتے تھے تاہم ان کا ایک دوسرے کے یہاں آنا جانا نہ تھا۔

لیکن جب ان دونوں کی جھیل کے کنارہ ملاقات ہوتی تو رحمدل یاقوت جھک کر بڑی انکساری سے مغرور یاقوت کو سلام کرتا، لیکن مغرور یاقوت اس سلام کا جواب دینا تو دور کی بات اپنے پڑوسی کی طرف نظر اٹھا کر دیکھتا بھی نہ تھا۔ جب بھی رحمدل یاقوت اپنے خیمہ کے باہر لوگوں سے گپ شپ کرتا تو وہ اس طرح بیٹھتا کہ اسے اپنے پڑوسی کا خیمہ صاف نظر آئے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ اگر اس کا پڑوسی اپنے خیمہ سے باہر نکلے تو وہ اسے اپنے پاس بٹھا کر کچھ بات چیت کرے۔ لیکن مغرور یاقوت جب بھی اپنے خیمہ سے باہر کسی سے بات چیت کرتا تو اس کی پیٹھ ہمیشہ رحمدل یاقوت کے خیمہ کی طرف ہوتی۔ اسی طرح جب رحمدل یاقوت جھیل کے نزدیک کے کنارہ پر مچھلی پکڑنے جاتا تو مغرور یاقوت دور کے دوسرے کنارہ مچھلی پکڑتا تھا۔ ایک دن اتفاق سے عظیم ہوا کا ادھر سے گذر ہوا۔ اسے یہ علاقہ بہت پسند آیا۔ یہاں کی نیلی جھیل، اس کے چاروں طرف اونچے اونچے برف پوش پہاڑ اور یہاں کا سکون اور سکوت ان سبھوں نے اس کا دل موہ لیا۔ اس کے دل میں اتنی خوبصورت جگہ میں رہنے والوں کو بھی دیکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ لیکن جب اس نے لوگوں کو دیکھا تو اسے بڑی مایوسی ہوئی۔ "ارے، یہ کیا" اس نے کہا۔ "یہاں تو لوگ آپس میں لڑتے جھگڑتے رہتے ہیں۔ یہاں تو میل ملاپ اور پیار و محبت کا نام نشان تک نہیں۔ لوگ تو جماعتوں میں بٹے ہوتے ہیں۔ کوئی غرور برتری میں تو کوئی احساس کمتری میں مبتلا ہے۔" واقعی عظیم ہوا کو بہت ہی افسوس ہوا۔ لیکن اس نے دل میں سوچا کہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہئے۔ یہاں سے نفاق کو دور کرنا چاہئے۔ اور لوگوں کے دلوں میں مساوات اور بھائی چارگی کے جذبہ کو ابھارنا چاہئے۔ اسے خود یہ معلوم نہ تھا کہ اس کام کو کیسے انجام دیا جائے تاہم اس نے کوشش شروع کر دی۔

عظیم ہوا ادھر سے اس جگہ گئی جہاں مغرور یاقوت اپنی بیٹی کے ساتھ مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ وہاں پہونچ کر اس نے تیز آندھی کی شکل میں بہنا شروع کیا۔ مغرور یاقوت نے بہت ساری مچھلیاں پکڑی تھیں اور انہیں اس نے سوکھنے کے لئے کنارہ پر ڈال دیا تھا۔ آندھی نے ان مچھلیوں کو اڑا کر دوسرے کنارہ پر اس جگہ جہاں رحمدل یاقوت اپنے بیٹے کے ساتھ مچھلی پکڑ رہا تھا، پھینک دیا۔ اس کے بعد عظیم ہوا خاموشی سے سامنے کے اونچے پہاڑ پر چڑھ کر یہ دیکھنے لگی کہ یہ لوگ کیا کرتے ہیں۔

آندھی اور طوفان کے ختم ہونے کے بعد رحمدل یاقوت اور اس کے بیٹے نے سوکھی مچھلیاں کو چن چن کر اپنی کشتی میں لادنا شروع کیا۔ اس کے بعد وہ بذریعہ کشتی دوسرے کنارہ پر گئے جہاں مغرور یاقوت مچھلیاں پکڑ رہا تھا۔ لیکن اس نے اپنے پڑوسی کو مچھلی لاتے دیکھ کر اپنی بیٹی سے کہا کہ وہ دوسری طرف دیکھے اور ان لوگوں سے بات چیت نہ کرے۔ دوسرے کنارہ پہونچ کر رحمدل یاقوت نے کہا، "عزیز دوست، یہ لو تمہاری مچھلیاں جنھیں آندھی اڑا کر لے گئی تھی" مغرور خاموش رہا۔ اس کی بیٹی دوسری طرف دیکھنے لگی۔ اس نے بھی کچھ نہیں کہا۔ ان لوگوں کے رویے سے باپ بیٹے کے دلوں کو ٹھیس پہونچی۔ انھوں نے اور کچھ نہیں کہا، مچھلیوں کو کنارہ پر رکھ کر وہ واپس لوٹ گئے۔

مغرور یاقوت نے کچھ دیر تک انتظار کیا اور جب اس کے پڑوسی دوسرے کنارہ پہونچ گئے تو اس نے دوڑ کر سوکھی مچھلیوں کو اٹھایا اور انہیں پانی میں پھینک دیا۔ یہ دیکھ کر ہوا کو بہت غصہ آیا۔ اس نے دل میں کہا "نا شکرا، میں اس گستاخی اور غرور کا مزہ تمہیں

غرور ٹوٹ گیا:

اس کے فوراً بعد مغرور یاقوت اپنی کشتی کو جھیل کے اس حصہ میں لے گیا جہاں گہرائی زیادہ تھی۔ اس کا ارادہ وہیں جال پھینکنے کا تھا، لیکن ٹھیک اس وقت عظیم ہوا نے طاقتور موجوں کو جھیل میں بھیجا۔ اب جھیل میں ہوا بہت تیزی سے چلنے لگی۔ پانی میں بڑی بڑی اور اونچی اونچی موجیں اٹھنے لگیں اور ایک طاقتور اور اونچی موج نے مغرور یاقوت کو کشتی سمیت اس کنارہ پر پھینک دیا جہاں رحمدل یاقوت مچھلی پکڑ رہا تھا۔ اپنے پڑوسی کی مدد کرنے کے لئے باپ بیٹے دونوں دوڑ پڑے اور وہاں جاکر انھوں نے مغرور یاقوت کو نیم مردہ حالت میں بے ہوش پایا۔ وہ فوراً اسے ایک مضبوط جال میں لٹا کر اس کے خیمہ میں لے آئے۔ تھوڑی دیر بعد اس کی بیٹی بھی دوسرے کنارے سے دوڑتی ہوئی خیمہ میں پہونچی اور باپ کی حالت دیکھ کر ایک کونہ میں بیٹھی رونے لگی، لیکن اس کے باوجود اس نے کسی سے بھی بات چیت نہیں کی۔ دوسری طرف باپ بیٹے نے بے ہوش پڑوسی کی تیمارداری کرنی شروع کر دی۔ ان لوگوں نے لکڑیاں کاٹ کر آگ جلائی۔ باہر سے پانی لاکر چائے تیار کی۔ پھر بے ہوش پڑوسی کو ہوش میں لانے کی بہت ساری تدبیریں کیں۔ رات کے وقت مریض کو سردی سے محفوظ رکھنے کے لئے آتش دان کو روشن رکھا۔ لیکن جھونپڑی کے باہر ہوا دھیرے دھیرے بہہ رہی تھی اسے تو اس بات کا انتظار تھا کہ دیکھیں اب کیا ہوتا ہے۔

دو تین دنوں کے بعد مغرور یاقوت صبح کو بیدار ہوا۔ اب وہ فرحت اور تازگی محسوس کر رہا تھا۔ اس نے اپنی بیٹی کو بلایا اور اسے ساتھ لیکر پھر مچھلیاں پکڑنے چلا گیا۔ لیکن جانے سے پہلے اس مغرور نے اپنے مونس و ہمدرد پڑوسیوں کا، جنھوں نے دن رات اس کی تیمارداری کی، شکریہ تک ادا نہیں کیا۔ مغرور کے اس رویہ سے باپ بیٹے دونوں کو بہت افسوس ہوا۔ اس کے ساتھ ہی عظیم ہوا کو بھی، جو یہ سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ اس دن اسے بہت زیادہ غصہ آیا؛ اور اس خیمہ کے پاس ایک بڑی سی چٹان کے پیچھے تاک میں بیٹھ کر باپ بیٹی کا انتظار کرنے لگی۔ جب اس نے باپ بیٹی کو خیمہ کی طرف واپس آتے دیکھا تو طوفانی انداز میں چٹان کے پیچھے سے نکلی اور مغرور کے خیمہ کو چکنا چور کر دیا اور اس کے ٹکڑوں کو اڑا اڑا کر بہت دور تک پھینک دیا۔ ساتھ ہی مغرور کے خیمہ میں ہرن کی کھالیں تھیں، انھیں ہوا نے اڑا کر بہت دور پہاڑوں کے اس پار پھینک دیا۔

جب ہوا مغرور کے خیمہ کو اپنے غم و غصہ کا نشانہ بنا رہی تھی تو اس وقت رحمدل یاقوت اور اس کے بیٹے اپنے کام سے گھر واپس آ رہے تھے ان لوگوں نے اس جگہ کو دیکھا جہاں مغرور کا خیمہ تھا۔ وہاں اب خیمہ نہ تھا۔ اس کی جگہ ایک گہری خندق ہو گئی تھی۔ ان لوگوں نے مغرور یاقوت اور اس کی بیٹی کی حالت پر افسوس ظاہر کیا کہ اس طرح وہ بے گھر بن گئے۔ وہ دونوں مغرور کے پاس آئے اور اس سے کہا "آپ لوگ ہمارے خیمہ میں رہ سکتے ہیں ہم لوگ اپنے لئے ایک اور خیمہ بنالیں گے"۔ لیکن اس کے باوجود مغرور یاقوت نے اپنے رحمدل پڑوسیوں کا شکریہ ادا نہیں کیا اور نہ ان لوگوں کی طرف احسانمند نظروں سے دیکھا۔

مغرور یاقوت اپنی بیٹی کے ساتھ رحمدل پڑوسی کے خیمہ میں جاکر آرام سے رہنے لگا اور اپنی سہولت کے مطابق خیمہ کا انتظام کرنے لگا۔ جب عظیم ہوا نے یہ دیکھا کہ رحمدل یاقوت اور اس کا بیٹا دونوں درختوں کی ٹہنیوں سے اپنا خیمہ بنا رہے ہیں اور مغرور یاقوت ان لوگوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ تو اس نے بڑے پہاڑ کے پاس جانے کا اور اس سے مشورہ لینے کا فیصلہ کیا کہ لوگوں میں دوستی اور پیار و محبت پیدا کرنے کے لئے اسے کیا کرنا چاہئے۔

نیلی جھیل سے بہت دور بڑے پہاڑ کا گھر بہت زیادہ بلندی پر واقع تھا۔ عظیم ہوا وہاں سے اڑی اور وادیوں، ندیوں، سمندروں اور پہاڑوں پر سے گذرتی ہوئی کئی دنوں کے بعد بڑے پہاڑ کے پاس پہونچی۔ سلام کرنے کے بعد اس نے پوچھا،

"اے عظیم پہاڑ کیا تو پوری زمین کو دیکھ سکتا ہے؟"

"ہاں، میں زمین کا چپّہ چپّہ دیکھ سکتا ہوں"، پہاڑ نے جواب دیا۔

"تب اے عالی مرتبت، بتا مجھے، لوگوں میں پیار و محبت اور یگانگی کیسے پیدا کی جا سکتی ہے" ہوا نے پوچھا۔

"دوستی کے ذریعہ" پہاڑ نے جواب دیا۔

"میں اس دوستی کو کہاں تلاش کروں" ہوا نے پوچھا۔

پہاڑ نے جواب دیا "جا، اپنی پرانی سرزمین پر دوڑتے ہوئے واپس جا۔

دنیا والو! صنوبر کے جنگلات کے تمام چھوٹے بڑے درختوں کو تھرا دے، چھوٹے دریاؤں اور سمندروں میں سفید پانی کی موجیں پیدا کر، آسمان سے کالے بادل کو چھانٹ دے اور ایک روشن صبح کے لئے راستہ تیار کر اور اس کے بعد ہوا۔ مجھے یہ نظر آئے گا کہ دوستی کیسے عالم وجود میں آتی ہے۔"

عظیم ہوا نے سربفلک پہاڑ کا شکریہ ادا کیا اور وہاں سے روانہ ہوئی۔ جیسے جیسے وہ نیلی جھیل کے قریب آنے لگی ویسے ویسے اس نے محسوس کیا کہ اس میں ایک نئی طاقت اور نئی توانائی پیدا ہو رہی ہے۔

ہوا نیلی جھیل کے علاقہ میں پہونچنے کے بعد آندھی اور طوفان کی شکل میں صنوبر کے جنگلات پر بہنے لگی۔ اس میں اتنی تیزی اور تندی آگئی تھی کہ اس نے جنگلات کے پیڑ پودوں اور لوگوں کے خیموں کو اکھاڑ کر پھینک دیا۔ دو تین کے بعد ہوا سستانے لگی۔ اس نے اب اس علاقہ پر نظر ڈالی، لیکن جو کچھ اس نے دیکھا اس پر اسے یقین نہ آیا۔ اس علاقہ میں ایک عجیب ہلچل مچی ہوئی ہے۔ اسے تو اپنی آنکھوں پر دھوکہ ہونے لگا کہ اس کی طاقت نے اتنے سارے کام کئے۔ پھر ہوا خراماں خراماں وادیوں سے گذرنے لگی اور جو کچھ اس نے کیا، اسے دیکھ کر خود اپنی تعریف آپ کرنے لگی۔ ہرن جو جنگلوں میں اِدھر اُدھر رہا کرتے تھے اب سب ایک جھنڈ میں رہنے لگے۔ جھیل کے نزدیک لوگوں نے لکڑیوں کو اکٹھا کر کے اس میں آگ لگا دی اور اسی آگ کی تپش سے خود کو سردی سے محفوظ رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ سبھی لوگ ایک ہی طرح کا کام کر رہے ہیں۔

یہ دیکھ کر ہوا کو خوشی حاصل ہوئی اور وہ خوشی کے گیت گنگنانے لگی۔ اس نے یہ محسوس کیا کہ اس میں جوانی آگئی ہے، اسی طرح اس علاقہ کے لوگوں میں بھی نئی جوانی اور تازگی پیدا ہو گئی۔ پھر دوسرے دن ہوا خراماں خراماں بہتی ہوئی نیلی جھیل کے پاس آئی۔ مطلع صاف تھا۔ اس نے یہ دیکھا کہ طلوع ہونے والے آفتاب کو خوش آمدید کہنے کے لئے اس علاقہ کے سارے لوگ جھیل کے کنارہ یکجا ہوئے۔

مغرور یاقوت اور اس کے رحمدل محروسی اور دیگر لوگ سب ایک ساتھ مل کر مکانات تعمیر کر رہے تھے اور ان کے نیچے بہتے جھرنا جال جھیل کی طرف لے جا رہے تھے۔ عظیم ہوا نے لوگوں کو دیکھا وہ سب خوش تھے، ان کے چہرہ پر مسکراہٹ تھی کیونکہ وہ سب اب ایک ہو گئے ہیں، اب وہ سب ایک دوسرے کے برابر ہیں نہ ان میں کوئی چھوٹا ہے اور نہ کوئی بڑا۔ یہ منظر دیکھ کر عظیم ہوا خوشی سے جھوم اٹھی اور خوشی کا گیت گانے لگی اور اس کے گیت کی آواز ساری دنیا میں پھیل گئی۔ اس گیت میں یہ بتایا گیا تھا کہ کس طرح سربفلک پہاڑ نے اس کرہ ارض پر ایک زبردست طوفان کو بھیجا اور کس طرح اس طوفان نے دشمنی کی بیخ کنی کر کے لوگوں کو دائمی دوستی اور پیار و محبت اور مساوات کے رشتہ میں باندھ دیا۔

(روسی لوک کہانی پر مبنی۔ محمد اعظم)

بقیہ :- ۲۶ صفحہ کا

پالیسی پر ان کا دور رس اثر ہوا۔ اس تحریک کا براہ راست نتیجہ بنگال بٹائی ایکٹ ۱۹۵۰ء کے نفاذ کی شکل میں ہوا، اور اس ایکٹ کو بعد میں مغربی بنگال اصلاحات آراضی ایکٹ ۱۹۵۵ء کے باب سوئم میں شامل کر دیا گیا۔ اس ایکٹ کے تحت ایک بٹائی دار کو اس زمین پر جہاں وہ چند برسوں سے کاشتکاری کر رہا ہے کاشتکاری کا حق دیا گیا۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ بٹائی داروں کو یہ حق حاصل ہو گیا کہ انہیں ان کی ان زمینوں سے جہاں وہ کاشتکاری کیا کرتے ہیں" بے دخل نہیں کیا جا سکتا۔ ایک ایکٹ میں اس بات کو بھی تسلیم کر لیا گیا کہ بٹائی دار کاشتکاری کے لئے خود بیج اور دیگر سامان کا انتظام کرے تو اسے اپنی فصل کا دو تہائی حصہ اپنے پاس رکھنے کا حق حاصل ہوگا۔ اس ایکٹ میں استحصال بالجبر اور مطالبہ زائد کو ختم کرنے کی بھی گنجائش رکھی گئی ہے۔

یہ حقیقت ہے کہ ایک ایکٹ عمل میں بہت ساری خامیاں نظر آنے لگیں اور ان کے لئے مستقبل میں کافی ترمیموں کی ضرورت پیدا ہو گئی۔ بہرحال اگر تبھاگا کے پس منظر کا غائر مطالعہ کیا جائے، کہ اس کی ابتدا کیسی ہوئی، کس طرح یہ پھیلی اور اس کا اثر کیا ہوا، تو یہ معلوم ہوگا کہ یہ کافی اہم تحریک تھی اور اس نے ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں ایک وسعت پیدا کر دی تاکہ اس میں نوآبادیاتی حکمرانوں کی شدید معاشی ظلم و ستم کے خلاف غریب کسانوں کی لمبے عرصہ کی شکایتوں کو بھی شامل کیا جائے۔

تیبھاگہ

غریب کسانوں کی شورش

از:- اتیش کمار داس گپتا

دوسری عالمی جنگ نے، جس نے سامراجیت کے بحران کو، ساتھ ہی سوشلزم کے عروج کو بین الاقوامی سطح پر منظر عام پر لایا، مختلف ملکوں میں قومی آزادی کی تحریکوں کے لئے ایک نیا پس منظر فراہم کیا۔ دوسری عالمی جنگ کے بعد کے عرصہ میں ہندوستان کی آزادی کی جدوجہد میں بھی اس تناظر کی عکاسی کی گئی۔ اس عرصہ میں انڈین نیشنل کانگریس نے تحریک کی رہنمائی کی۔ اس کے ساتھ ہی کسانوں اور مزدوروں نے تحریکیں اور جدوجہد شروع کیں، ایسی تحریکوں کا مقصد یہ تھا کہ عام لوگوں کو برٹش حکومت کے ظلم و ستم سے آزاد کرایا جائے ساتھ ہی انہیں اس ملک کے سرمایہ داروں اور بڑے زمینداروں کے، جنہیں خود اپنے جور و جبر کے بازار کو گرم رکھنے کے لئے نوآبادیاتی نظام پر انحصار کرنا پڑتا تھا، استحصال سے نجات دلائی جائے۔ عام لوگوں کی اس جنگجویانہ جدوجہد کو سارے ملک میں سن ۱۹۲۵ء کے بعد سے پھیلانے میں غیر منقسم کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا نے اہم کردار ادا کیا۔ سن ۱۹۴۰ء کے وسط سے اس قسم کی جدوجہد سارے ملک کے ساتھ ساتھ خاص طور پر بنگال میں وسیع پیمانہ پر تیزی سے پھیل گئی اور اس صوبہ کے مختلف ضلعوں میں تیبھاگہ کسان تحریک بڑے زور و شور سے چاروں طرف پھیل گئی۔ اس تحریک کا اہم مقصد یہ تھا کہ بندوبست آراضی کے ڈھانچہ میں بٹائی دار کسانوں کی پوزیشن میں بہتری لائی جائے اور تیبھاگہ اصول کو قائم کیا جائے۔ تیبھاگہ کے معنی یہ ہیں کہ بٹائی دار اپنی زمین کی پیداوار کا دو تہائی حصہ خود رکھے اور ایک تہائی مالک زمین کو دے۔ اس سے قبل مالک زمین کو پیداوار کا نصف بلکہ

کاکدیپ کسان تحریک سن ۱۹۴۶ء میں ضلع ۲۴ پرگنہ کے سندربن علاقے کے کاکدیپ، سنار پور، بھانگڑ اور کیننگ کے تھانوں کے علاقوں میں پھیل گئی اور سن ۱۹۵۰ء تک جاری رہی۔ اس تحریک کو کل بنگال تیبھاگہ تحریک کہتے ہیں اور سی پی آئی کے زیر اہتمام بنگال صوبائی کسان سبھا نے اس تحریک کی رہنمائی کی۔ لیکن کاکدیپ کسان تحریک کے دوررس نتائج برآمد ہوئے۔ اس تحریک کی خصوصی اہمیت کو سمجھنے کے لئے ہمیں سندربن علاقے، جن میں کاکدیپ اور اس کے آس پاس کے علاقے جہاں یہ تحریک چلائی گئی تھی شامل ہیں، کے نظام آراضی کی تاریخی نوعیت کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

برٹش حکومت کے آغاز سے سندربن کے ایک علاقہ کی حیثیت سے کاکدیپ میں جو نظام آراضی رائج تھا وہ بنگال کے دیگر علاقوں میں رائج نظام سے مختلف تھا۔ مستقل طور پر سکونت اختیار کرنے والے زمینداروں کی بجائے جنگلاتی زمینوں کے بڑے بڑے قطعات، سن ۱۸۵۳ء اور سن ۱۸۷۹ء کے قوانین کے تحت ۴۰ سال اور ۹۹ سال کے لئے لوٹ اور ان کو ٹھیکہ پر دے دیا گیا۔ ان جنگلاتی زمینوں کو مزروعہ بنانے کی ذمہ داری بھی ٹھیکہ داروں کو دی گئی تھی۔ گذشتہ صدی کے آخر سے زمینوں کو مزروعہ بنانے کا کام شروع کیا گیا۔ اضلاع کھلنا، جیسور، مرشد آباد، نادیا اور مدنا پور کے زمیندار سندربن

میں ٹوٹ دار بن گئے۔ چونکہ زیادہ تر لوٹ دار سندر بن کے علاقوں میں نہیں رہتے تھے؛ اسی لئے انھوں نے اپنی حد کی زمینوں کو چکداروں کو ٹھیکہ میں دے دیا۔ چکدار اپنا اس جائیداد کی دیکھ بھال کے لئے ایجنٹ ملازم رکھتے تھے جنھیں نائب اور گماشتہ کہتے ہیں۔ یہی نائب اور گماشتہ مقامی علاقہ میں غریب کسانوں پر ظلم و ستم کیا کرتے۔

اپنے اپنے قطعات کو جنگلوں سے صاف کرنے کے بعد لوٹ داروں اور چکداروں نے مدناپور، بانکوڑا اور پرولیا کے بنجر اور خشک علاقوں کے بے زمین کسانوں کو اپنے یہاں ان علاقوں کے لئے ملازم رکھا ساتھ ہی ان لوگوں سے یہ وعدہ کیا کہ ان جنگلاتی زمینوں پر، جنھیں وہ کاشتکاری کے تحت لائیں گے انھیں زرعیتی حق دے دیا جائے گا۔ یہ بے زمین کسان، جن میں سے زیادہ تر قبائلی اور نیچی ذات کے تھے، تن دہی کے ساتھ ان زمینوں کو، جن پر انھیں رعیتی حق دیا گیا تھا، صاف کرنے کے کام میں جٹ گئے، لیکن جب جنگلات صاف کر دیئے گئے تو انھیں اس حق سے، جسے دینے کا وعدہ کیا گیا تھا، محروم کر دیا گیا۔ ان میں سے زیادہ تر کسانوں کے پاس اپنی محنت کے علاوہ کچھ نہ تھا، اس لئے سندر بن کے علاقوں میں کھیتی باڑی کا جو نظام چالو ہوا، اسے بھاگ چاشش (بٹائی کی کاشتکاری) کہتے ہیں۔ اس نظام کے تحت پیداوار کا نصف مالک زمین کو دے دینا پڑتا اور نصف خود کسان اپنے پاس رکھتے۔ لیکن سندر بن کے بھاگ چاشش کے نظام کی ایک بڑی خامی یہ تھی کہ بٹائی دار جب ایک قطعہ آراضی کو جنگلات سے صاف کر لیتا تو اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیا جاتا بلکہ اس کے نام ایک نیا جنگلاتی قطعہ الاٹ کر دیا جاتا اور یہاں بھی اسے پہلے کی طرح زمین کو صاف کرنا پڑتا اس کے بعد یہاں سے بھی اسے بے دخل کر دیا جاتا۔

اس طرح ایسے کسانوں کو ایک طرف تو لوٹ داروں کی طرف سے 'بے دخلی' کا خوف لاحق رہتا اور دوسری طرف ان پر مہاجنوں کا قرض کا بوجھ ناقابل برداشت حد تک بڑھ گیا۔ ان باتوں کی وجہ سے اس صدی کی چوتھی دہائی تک سندر بن کے علاقوں کے، جن میں کاکدیپ شامل ہے کسانوں کی معاشی حالت اتنی ابتر ہو گئی کہ یہ سب غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی بسر کرنے لگے۔ سنہ ۱۹۴۳ء کے بنگال قحط نے کاکدیپ کے کسانوں پر مصائب کا فاضل بوجھ ڈال دیا۔ قحط کے عرصہ میں غیر منقسم سی پی آئی نے عوامی امداد کمیٹی کے ذریعہ مقامی کسانوں کو امداد فراہم کرنے میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ قحط کے بعد یہاں کے سیاسی طور پر چند سرگرم کارکنوں نے یہاں بنگال صوبائی کسان سبھا کی مقامی یونٹیں قائم کیں۔ ان کا مقصد یہ تھا کہ لوٹ داروں اور چکداروں اور ان کے ایجنٹوں کے ظلم کا مقابلہ کرنے کے لئے کاکدیپ علاقہ کے بے زمین مزدوروں، حاشیائی کسانوں اور بٹائی داروں کو منظم کیا جائے۔ سنہ ۱۹۴۶ء میں بنگال صوبائی کسان سبھا نے 'تیبھاگا' تحریک شروع کی۔ کاکدیپ کے علاقے میں اُن کے اہم مطالبات یہ تھے۔

(۱) کسانوں کو اپنی کھڑی فصل کا نصف کی جگہ دو تہائی حصہ ملنا چاہیے
(۲) بٹائی داروں کو اس بات کا حق ملنا چاہیئے کہ کوئی انھیں بے دخل نہ کر سکے،
(۳) مہاجنوں کے دیئے گئے دھان۔ قرض پر سود کی شرح ۱۲½ فی صد سے زیادہ نہیں ہونی چاہیئے،
(۴) جبتک کہ کسانوں کو مناسب رسید نہ ملے اس وقت پیداوار۔ کرایہ ادا نہ کیا جائے،
(۵) کسان خود اپنی فصل کے کوٹنے کا انتظام کریںگے۔ اس طرح کے اور بھی مطالبات تھے۔

اس تحریک نے ان مطالبات کو عملی جامہ پہنانے کے لئے بہت ساری حکمت عملی کو اپنایا۔ گرچہ اس تحریک نے ضلع ۲۴ پرگنہ میں سندر بن علاقہ کے کاکدیپ، بھانگوڑ، سندلپور اور کیننگ تھانوں کے علاقوں کو متاثر کیا، لیکن کاکدیپ علاقہ کے لاٹ گنج، بدا کھالی، لکشمی پور، بھوبن نگر، سری پور دیبنی باشش اور بہت سارے گاؤں میں جس قسم کی متشدد اور جنگجویانہ شکل اختیار کی تھی، اس طرح کسی اور علاقہ میں نہیں کی۔ بی۔ پی۔ کے۔ ایس کے جن لیڈروں نے وسیع تناظر کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس تحریک کا انتظام کیا تھا، ان میں چند کے نام یہ ہیں۔ کنکشری بالدار، اشوک بوس اور رداش بہاری گھوش اور اس تحریک میں شریک ہونے والوں میں سے جن لوگوں نے بعد میں قیادت کی ذمہ داری سنبھالی ان میں گجن مالی، مانک ہاجرہ، جتن مائیتی، بچے منڈل اور دیگر اصحاب تھے۔

کاکدیپ تحریک کو ایک اور بات نے کافی متاثر کیا یعنی مدناپور تک شورش ۱۹۴۲ء اگست سنہ ۴۲ء کی عوامی تحریک کا کاکدیپ تحریک پر کافی گہرا اثر پڑا۔ چونکہ کاکدیپ کے بہت سارے کسان مدناپور سے آئے تھے اس لئے ان میں بہت سے لوگوں کو جنگجویانہ شورشوں میں حصہ لینے کا کافی تجربہ تھا اور اس لئے ان کی تحریک آزادی کی جد وجہد کے دوران کافی مستحکم ہو گئی۔

۱۹۴۶ء کے امن دھان کی فصل کے موقع پر یعنی تک بھگ دسمبر ۱۹۴۶ء میں کاکدیپ تحریک شروع ہوگئی۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی ہے کہ ۱۹۴۶ء میں ہی کلکتہ اور بنگال کے دیگر علاقوں میں شدید فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تھے۔ تیبھاگہ تحریک میں کاکدیپ تحریک کی ایک نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ جہاں جہاں یہ تحریک پھیلی وہاں کسانوں نے فرقہ وارانہ اختلافات کو بالائے طاق رکھ کر ایک ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔

اسی دوران غیر منقسم سی پی آئی کی پالیسی میں بھی نمایاں تبدیلی ہوئی۔ جب جنوری ۱۹۴۸ء میں منعقدہ پارٹی کی دوسری کانگریس میں یہ قرارداد منظور ہوئی کہ کسانوں اور مزدوروں کے بڑھتے ہوئے استحصال کے خلاف جنگجویانہ جدوجہد شروع کی جائے۔ بنگال صوبائی کسان سبھا نے اس قرارداد میں اس بات کا اضافہ کیا کہ ان علاقوں میں جہاں تیبھاگہ تحریک کے دوران اس نے اپنی پوزیشن مضبوط بنائی تھی کسانوں کی مسلح سرگرمیوں کی قیادت کی ذمہ داری سنبھال جائے۔ چنانچہ بی پی کے ایس نے یہ فیصلہ کیا کہ کاکدیپ کے علاقہ میں ۱۹۴۸-۴۹ء میں فصل کی کٹائی کے موسم میں کسانوں کی جنگجویانہ شورش شروع کی جائیں۔ یہاں اس بات کو یاد رکھنی چاہیئے کہ مقامی کسان کارکنندگان اور مقامی ایکشن کمیٹیاں ہمیشہ سی پی آئی اور بی پی کے ایس ہائی کمانڈ کے فیصلے سے اتفاق نہیں کرتی تھیں۔

آزادی کے بعد نئے حکمران طبقہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان کسانوں کی جائز شکایتوں کو دبا دیا جائے اور اس مقصد کے لئے اس نے رجعت پسند زمینداروں کو رضاکارانہ طور پر جنہیں "سپاہی" کہتے ہیں ان کی خدمات فراہم کیں۔ اس کے علاوہ انتظامیہ نے کاکدیپ کے ان علاقوں میں جہاں کسانوں کی شورش کے رونما ہونے کے امکانات تھے، پولیس فورس کو اکٹھا کرنا شروع کیا۔ اس نابرابر مسلح حریفوں کے درمیان ہونے والے مقابلوں میں بہتر طور پر مسلح پولیس اور سپاہی منظم کسانوں کی کثیر تعداد کی طاقت کے سامنے اپنی ہار ماننا پڑی اور ان لوگوں کو ان علاقوں کو چھوڑنا پڑا۔ کاکدیپ میں بہت سے علاقوں میں کسانوں کو پہلے ہی مقابلہ میں فتح حاصل ہوگئی۔

اس فتح نے کسانوں کی کوششوں کو دوبالا کر دیا اور ان لوگوں نے [illegible]

اس علاقہ میں حکومت قائم کر لی تھی۔ [illegible]

اسی دوران حکومت نے [illegible] اور جوتداروں کی زمینوں کو کسانوں کے درمیان تقسیم کر دیا۔ [illegible] میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کے لئے کسانوں نے منظم بریگیڈ بنائے۔ زمینداروں کے حصے کے دھان کو ضبط کر لیا گیا اور اس دھان سے اسٹاک تیار کیا تاکہ ضرورتمندوں کو یہ دھان بطور قرض دیا جا سکے۔ ساتھ ہی اس اسٹاک کا کچھ دھان بطور بیج استعمال میں لایا جا سکے۔ اندرونی امن قائم رکھنے اور دیہاتوں کی آزادی کی حفاظت کرنے کے لئے تمام تندرست لوگوں کی فوج تیار کی گئی۔ انصاف کرنے کے لئے عوامی عدالت قائم کی گئی۔

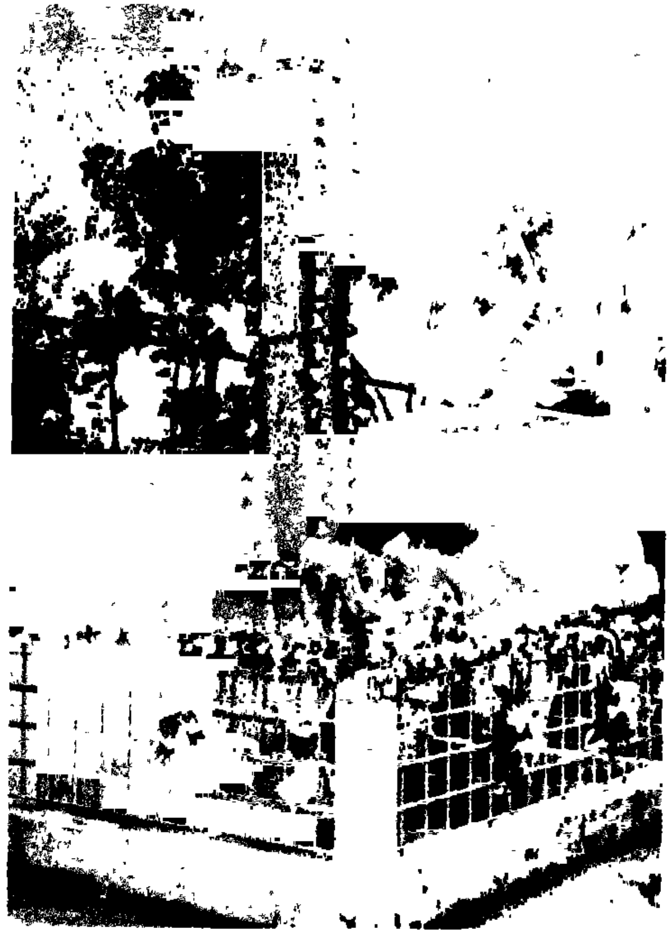
دوسری طرف انتظامیہ بھی خاموش بیٹھا نہیں تھا۔ اس نے یہ عزم کر لیا تھا کہ زمینداروں اور مہاجنوں کے مفادات کی حفاظت کی جائے۔ ۱۹۴۹-۵۰ء کی امن فصل کے آخر تک یعنی دسمبر ۱۹۴۹ء۔ جنوری ۱۹۵۰ء تک انتظامیہ نے کاکدیپ شورش کو کچلنے کے لئے بہتر طور پر منظم اور مسلح پولیس فورس بھیجی۔ جنوری ۱۹۵۰ء کے بعد سے زبردست مسلح حملوں کی وجہ سے تیبھاگہ تحریک کو عموماً اور کاکدیپ تحریک کو خصوصاً شدید دھکا لگا۔ مسلح فورس نے کاکدیپ تحریک کے آخری دو مہینوں نے کس حد تک ظلم و ستم کیا۔ اس کا اندازہ مندرجہ گوشوارہ سے عیاں ہو جاتا ہے۔

(۱) گرفتاری کے جاری کردہ وارنٹ کی تعداد	۵۰۰۰
(۲) گرفتار کئے جانے والوں کی تعداد (جن میں ۲۰۰ عورتیں شامل تھیں)	۱۰۰۰
(۳) پولیس فائرنگ	۵ بار
(۴) پولیس فائرنگ سے ہلاک ہونے والوں کی تعداد	۹
(۵) پولیس حملوں کے کیسوں کی تعداد	۱۰۰۰
(۶) جھونپڑیوں کی تعداد جنہیں نقصان ہو گیا یا مسمار کر دیا گیا	۱۰۰
(۷) گاؤں کی تعداد جہاں دفعہ ۱۴۴ نافذ کی گئی۔	۱۵

پولیس ظلم کے ساتھ ایک اور بات نے اس تحریک کی شدت کو ختم کر دیا۔ وہ بات غیر منقسم سی پی آئی کی جنوری ۱۹۵۰ء کے سیاسی رویے میں تبدیلی تھی۔

بہرحال کاکدیپ کی کسان تحریک اور اس کے ساتھ ہی بنگال میں تیبھاگہ تحریک منمناتے ہوئے ختم ہو گئی۔ اس کے بعد مغربی بنگال میں ہونے والی کسان تحریکوں کے ساتھ ہی تعلقات آراضی کی بابت حکومت کا

باقی ص ۲۳



شری بنیتے چودھری، وزیر آراضی و لگان، حکومت مغربی بنگال ۹ اگست سنہ ۸۱ء کو رائٹرس بلڈنگس کے سامنے شہیدوں کی یادگار پر شہیدوں کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے۔

(تصویریں۔ مدھوسدن گھوش)



بستیوں کی ترقی اسکیم کے تحت ٹیٹا گڑھ میں بستیوں میں رہنے والوں کے لئے طبی سہولتیں۔

15th AUGUST

Vol. 28 No. 15
PRICE 12 Paise



۱۵ اگست

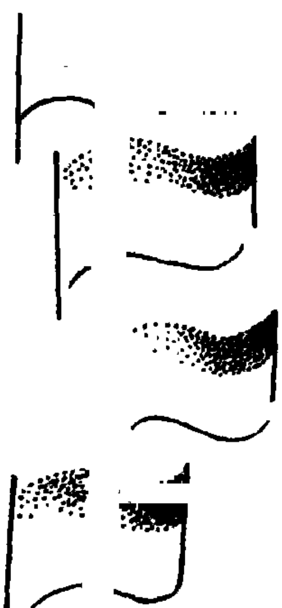
ہمارا عہد

اگست کی ۱۵ تاریخ ہندوستان کی آزادی کا دن ہے۔ عوام کی دو سو سال کی قابل فخر جد وجہد کا مظہر یہ دن ان گنت شہیدوں کے خون اور قربانی سے درخشاں اور تاباں ہیں۔

۱۵ اگست، عوام کو خود اپنا مقدر بنانے کا حق دینے اور تمام قبیلوں نسلوں، فرقوں اور طبقوں کے مساوی حقوق کی مستحکم بنیاد پر استوار استحصال سے پاک ایک سماجی نظام تعمیر کرنے کے لئے جد وجہد اور ایثار قربانی کرنے کے عہد کی تجدید کا دن ہے۔

ہندوستان اب ایک آزاد ملک ہے لیکن اب بھی وہ وعدے تشنہ تکمیل ہیں۔ لاکھوں محنت کش عوام نے مفاد پرستوں کی، جو عوام سے کئے گئے مقدس وعدوں کی تکمیل کو ناکام بنانے کے لئے ہمہ تن کوشاں ہیں، سازش کو ناکام بنانے اور اپنے عزیز اور دلی مقصد کو پورا کرنے کے لیے عزم مصمم کے ساتھ سرگرم عمل ہونے کا تہیہ کر لیا ہے۔ مفاد پرست عوام کے جمہوری حقوق کی ذرہ برابر بھی پرواہ نہیں کرتے۔ وہ عوام کی خود اپنا مقدر سنوارنے کی دلی آرزو کو اپنی افتراق پسندی کی زبردست طاقت سے روند دینا چاہتے ہیں۔ وہ سب اقتدار پرست اور تاناشاہی حکومت کو دوام اور استحکام عطا کر کے استحصال سے آزاد سماجی نظام کے قیام کے خواب کو چکنا چور کرنا چاہتے ہیں۔

اس ریاست کے عوام نے مجاہدین آزادی اور امر شہیدوں کی بے مثال قربانیوں کو کبھی بھی فراموش نہیں کیا۔ عوام نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ وہ تمام محاذوں پر ظلم اور استبداد کے خلاف شاندار اور مسلسل جد وجہد جاری رکھ کر ۱۵ اگست کو کئے گئے عہد کو پورا کریں گے۔



بائیں محاذ حکومت عوام کی شاندار جد وجہد میں شریک ہے۔ اور ۱۵ اگست کے وعدوں اور عہد کو پورا کرنے کے لئے کمربستہ ہے۔ گذشتہ چار برسوں کے دوران یہ عزم مصمم حد نظر تک پھیلے لہلہاتے کھیتوں سے عیاں ہے، کارخانوں کے پہیوں کی پرشور گونج سے اسکی صدائے بازگشت آتی ہے اور لاکھوں عوام کی آوازوں میں ان کی صدا واضح طور پر سنائی دیتی ہے۔ آج جبکہ گھناؤنی سازش کی کالی گھٹا چھتی جا رہی ہے جبکہ تاناشاہی اور علیحدگی کی قوتیں تخریبی سرگرمیوں میں جی جان سے لگی ہوئی ہیں تو یقیناً عوام کا اتحاد ٹوٹ رہا ہے مجاہدین آزادی اور امر شہیدوں کا خواب شرمندہ تعبیر ہو۔ ۱۵ اگست کا یہی عہد ہے آئیے ہم پرچم آزادی کا پرچم لہرانے کا وقت اسی عہد کا اعلان کریں

حکومت مغربی بنگال

Studio-ICA/61/1/V

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impression 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

مغربی بنگال

یکم ستمبر ۱۹۸۱ء



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ
ایس۔ کے۔ سین گپتا
مدیر معاون
محمد اعظم

شرح خریداری
سالانہ - ۳ روپے
قیمت
۱۲ پیسے

جلد نمبر ۲۸ | یکم ستمبر سنہ ۱۹۸۱ء | شمارہ نمبر ۱۷



وزیر اعلیٰ شری
جیوتی باسو، بھانو
بھگت انعام کی
تقسیم کے سلسلہ میں
دارجلنگ میں منعقدہ
ایک تقریب تقریر
کر رہے ہیں۔

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

مغربی بنگال میں دیہی ترقیاتی منصوبہ بندی

از:- ڈاکٹر اشیم داس گپتا



پہلے پنجسالہ منصوبہ کے بعد سے دیگر ریاستوں کی طرح مغربی بنگال میں بھی ایک قسم کا دیہی ترقیاتی منصوبہ موجود تھا۔ جیسے جیسے وقت گذرتا گیا اس منصوبہ بندی کی دو اہم خصوصیات نمایاں ہونے لگیں۔ اعلانات اور دعووں کے باوجود اس طریقہ کار کا فائدہ دیہی علاقوں میں غریب لوگوں کو نہیں پہونچا اور یہ کہ غریب لوگوں کو منصوبہ بند پروجکٹوں کے سلسلہ میں فیصلہ سازی اور تکمیل کے کام میں شریک نہیں کیا گیا۔ بائیں محاذ حکومت جون ۱۹۷۷ء میں برسر اقتدار آنے کے بعد ہی اس بات کی کوشش کرنے لگی کہ سماجی۔معاشی ڈھانچہ کی عائد کردہ پابندیوں کے تحت رہتے ہوئے ریاستی سطح پر ان دونوں خصوصیات کو الٹ دیا جائے۔ اب اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ دیہی ترقی کے کام کے سلسلہ میں دیہی غریب ہی تجاویز پیش کریں اور اس قسم کے ترقیاتی پروجکٹوں کے لئے منصوبہ بندی کے کام میں منظم طریقہ سے دیہی غریبوں کو خاص طور پر شامل کیا جائے ریاستی سطح پر دیہی منصوبہ بندی کی بابت اس نئے زاویہ نظر پر غور و خوض کرنے سے قبل یہ ضروری ہے کہ سب سے پہلے اس بات کا جائزہ لیا جائے کہ دیہی ترقی کی بابت بائیں محاذ حکومت کا کیا خیال ہے۔ اس پس منظر کے پیش نظر اس حکومت کے اہم اہم پروگراموں پر غور و خوض کیا جائے گا۔

اس نئے رویہ اور درپیش کام کی راہ میں حائل چند رکاوٹوں کے حوالہ سے غور و خوض کے کام کو مکمل کیا جائے گا۔

(۱) پس منظر :-

سب سے پہلے اس بات کی وضاحت کی جانی چاہیئے کہ غریبوں کے ذریعہ دیہی ترقی سے کیا مراد ہے؟ کیا زراعت اور متعلقہ سرگرمیوں اور دیہی صنعت میں پیداوار بڑھانے کے لئے اور زرعی اور صنعتی ترقی کے درمیان کچھ حد تک توازن برقرار رکھنے کے لئے خاص طور پر غریبوں کی مدد کرنے کا یہ ایک طریقہ عمل ہے؟ یہاں دیہی غریبوں سے مراد بے زمین زرعی مزدور، بٹائی دار، چھوٹے اور حاشیائی کسان اور غریب دستکار ہیں۔ یہاں اس بات کا ذکر کیا جا سکتا ہے کہ اس ریاست کے مجموعی دیہی خاندانوں (جن کی تعداد تقریباً ۵۰ لاکھ ہے) کے ۷۰ فی صد خاندان انہی غریبوں پر مشتمل ہیں۔

تب اس بات کے کیا معنی ہیں کہ خاص طور پر دیہی غریبوں کے ذریعہ دیہی ترقیاتی کام کو بروئے عمل لایا جائے؟ اس کی کم از کم دو وجوہ ہیں۔ بلاشبہ



ایک وجہ تو مساوات کا ہے۔ دیہی امیروں اور غریبوں کے درمیان نابرابری کو —— نابرابری جو گذشتہ دہائیوں میں بہت زیادہ بڑھ گئی لیکن جس کے لئے بنیادی طور پر غریب لوگ کسی طرح سے بھی ذمہ دار نہیں ہیں۔ کم کرنا چاہیئے۔ اس کے علاوہ ایک اور بھی ضروری وجہ ہے جو بڑا سکے

پیداوار کی سطح میں اضافہ کرنے کے لئے بنیادی مزدوروں سے وابستہ ہے اہم ہے اس سلسلہ میں نہ صرف اس ریاست کے مختلف ضلعوں سے بلکہ دیگر ریاستوں سے بھی نمایاں ثبوت حاصل کئے ہیں جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ فی ایکڑ پیداوار اور ایک ہی کھیت میں سال میں ایک سے زیادہ فصلیں اگانے کو پیش نظر رکھتے بڑے بڑے کسانوں کے مقابلہ چھوٹے کسانوں کے کھیتوں میں پیداوار میں کافی اضافہ ہوا (فارم مینیجمنٹ اسٹیڈیز اینڈ اگریکلچرل سائنس) ان چھوٹے کسانوں کے پاس کھیتی باڑی کے اور متعلقہ ساز و سامان کی کمی ہے، تاہم ان لوگوں نے اس کمی کو اپنی مرکوز محنت کے ذریعہ پورا کر کے فی ایکڑ پیداوار میں کافی اضافہ کیا۔ ان باتوں سے یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ بڑے کسانوں کی فاضل زمینوں کو لیکر غریب کسانوں کے درمیان تقسیم کر دیا جائے اور پھر انھیں ضروری سامان کی صورت میں امداد فراہم کی جائے تو اس اقدام سے نہ صرف نابرابری میں کمی ہوگی بلکہ زرعی پیداوار کی سطح میں بھی اضافہ ہوگا۔

اسی وجہ سے دیہی منصوبہ بندی پر بائیں محاذ حکومت نے خصوصی زور دیا ہے۔ مثلاً انتہائی حد سے زیادہ زمینوں کی بازیابی اور ایسی زمینوں کی غریب کسانوں کے درمیان تقسیم پر زور دیا گیا۔ نیز یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ برگداروں کی کسانوں کی حیثیت سے اس کام میں شمولیت اور اس کی صلاحیت کا پیداوار میں اس کے حصہ اور اس کی حیثیت کے تحفظ سے براہ راست تعلق ہے۔ اسی لئے اس بات پر بھی زور دیا گیا ہے کہ برگداروں کے نام غذا آراضی میں درج کرائے جائیں اس سے اس کی حیثیت کا تحفظ ہوگا اور اس سے پیداوار میں اس کے حصہ کی ضمانت بھی فراہم ہوگی۔

اصلاحات آراضی کے اقدامات کو مؤثر بنانے کے لئے یہ ضروری ہے اس کے ساتھ غریب کسانوں کو زرعی ساز و سامان، بیج، کھاد کے سلسلہ میں امداد ساتھ ہی ان کے کھیتوں کے لئے آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔ نیز پروجیکٹوں کے انتخاب کے سلسلہ میں متعلقہ ٹکنالوجی کا سوال بھی پیدا ہوتا ہے۔ روزگار کے زیادہ مواقع اور کم خرچ بالانشین کے اصول کو پیش نظر رکھتے ہوئے دیہی علاقوں کے لئے ایسے پروجیکٹوں کو منتخب کرنا سودمند ہوگا جن میں زیادہ مزدوروں کی ضرورت ہوتی ہے اور جن کے لئے وسائل مقامی علاقوں ہی سے فراہم ہوں گے۔ جب اس قسم کی ٹکنالوجی پر مبنی پروجیکٹس منتخب کئے جاتے ہیں تب صنعتی مصنوعات کے لئے مقامی طور پر ایک نئی قسم کی مانگ پیدا ہوتی ہے اور ایسی مصنوعات دیہی صنعتیں آسانی کے ساتھ سپلائی کر سکتی ہیں۔ بس جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا ہے زرعی اور صنعتی پیداوار کے درمیان مقامی سطح پر اس طریقہ سے ایک حد تک توازن برقرار رکھا جا سکتا ہے۔

یہاں اس بات کو ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ اس توازن کے معنی یہ نہیں ہوتے کہ دیہی علاقوں کو شہری علاقوں سے الگ تھلگ رکھا جائے۔ اور نہ یہ توازن اہم سیکٹروں میں وسیع پیمانہ پر صنعت کاری کی لازمی ضرورت کی اہمیت کو کم کرتا ہے۔ یہ تو صرف اس بات کی اہمیت کو عیاں کرتا ہے کہ ایسے بہت سارے کیس موجود ہیں جہاں مزدوروں اور مقامی وسائل کی فراہمی پر مبنی بہت سارے پروجیکٹس مختلف جگہوں میں قائم کئے جاسکتے ہیں اور معاشی لحاظ سے ایسا کرنا سودمند ثابت ہوتا ہے۔ ان کیسوں کے علاوہ شہری اور دیہی علاقوں کے درمیان صنعتی مصنوعات اور زرعی پیداوار کے تبادلہ کی بھی ضرورت ہے۔

ان دونوں علاقوں میں غریبوں کے فائدے کے لئے اس قسم کے تبادلہ کے سلسلہ میں سماجی لحاظ سے مناسب قیمتوں پر مصنوعات کی فروخت اور صنعتوں کے قیام اور زراعت کی بہتری کے لئے بڑی بڑی سہولتوں کی بھی خصوصی ضرورت ہوتی ہے۔

دیگر متعلقہ اہم سوال زمین کی ملکیت، ساتھ ہی ایسے پروجیکٹوں جن کے لئے زمین کی ضرورت نہیں ہوتی، اور مصنوعات اور پیداوار کے بازار میں فروخت کی بابت ہے۔ جہاں بھی ایسے پروجیکٹس بڑی نوعیت کے اور اجتماعی استعمال کے لئے ہوتے ہیں، وہاں غریب طبقوں کو امداد فراہم کرنے کے علاوہ ایسے پروجیکٹوں کی اجتماعی ملکیت پر زور دیا گیا ہے۔ ایسے پروجیکٹ آبپاشی سروس سینٹر یا مصنوعات کی بازار میں فروخت سے متعلق ہیں۔ جب ایسے پروجیکٹس سے حاصل ہونے والے تجربات کی بنیاد پر کسان بذات خود اجتماعی ملکیت کی افادیت کو تسلیم کریں گے تو اس وقت کوآپریٹو یا اجتماعی کاشتکاری شروع کی جائے گی۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس طرح کی اجتماعی کاشتکاری کے لئے تجویزیں اگرچہ ان کی تعداد محدود رہیں، چند اضلاع کے دور افتادہ علاقوں سے موصول ہو رہی ہیں۔

نشانہ، ٹکنالوجی اور ملکیت سے متعلق بائیں محاذ حکومت کی دیہی منصوبہ بندی کے اس مجموعی پس منظر میں، یہ بات نہایت ہی اہم ہے کہ

منصوبہ بندی پروجیکٹوں کے سلسلہ میں فیصلہ سازی اور ان کی تکمیل کے کام میں دیہی علاقوں کے غریب لوگوں کو منظم طریقے سے شامل کیا جائے۔ اس سلسلہ میں ایک اور اہم بات یہ ہے کہ ایسی تنظیمیں جمہوری طریقہ سے منتخب کی جائیں اور مقامی مسائل سے جانکاری کی ضرورت کے پیش نظر انھیں جگہ جگہ قائم کی جائیں۔

تنظیمی ضرورتوں کے سلسلہ میں نئی منتخب پنچایتوں کا کردار کافی اہمیت کا حامل بن جاتا ہے۔ پنچایتوں کے نئے منتخب ممبروں نے سنہ ۱۹۷۹ء میں ذمہ داری سنبھالی۔ تین سطحوں پر پنچایتوں کی تشکیل ہوئی، ضلع سطح پر ضلع پریشد (کل تعداد ۔ ۱۵)، بلاک سطحوں پر پنچایت سمیتیاں (کل تعداد ۔ ۳۲۴) اور انچل سطح پر گرام پنچایتیں (کل تعداد ۔ ۳۲۴۲) پنچایتوں میں مقامی لوگ منتخب کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ شعبۂ ترقیات و منصوبہ بندی کی معاشی منصوبہ بندی شاخ نے سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں ۱۰۰ گرام پنچایتوں کے نمائندہ نمونہ کا جائزہ لیا۔ اس جائزہ سے بھی کافی اہم معلومات فراہم ہوئیں۔ پنچایتوں کے منتخب ممبروں کے ۸۰ فی صد ممبر، جیسا کہ گوشوارہ I سے ظاہر ہے، پیشہ ورانہ جماعتوں، جیسے، مالک۔ کسان، ٹیچر، بے روزگار، بے زمین مزدور، برگدار اور دستکار، کے ہیں۔ مالک کسان ہیں ۷۱ فی صد ممبران، جیسا کہ گوشوارہ ۲ سے ظاہر ہے، چھوٹے اور حاشیائی کسان ہیں، جن کے پاس ۵ ایکڑ سے بھی کم زمین ہے۔ اس جائزہ کی رپورٹوں کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ پنچایتوں کے ممبران کی اکثریت دیہی علاقوں میں غریبوں کے مفادات کی نمائندگی کرتی ہے۔ نیز یہ حقیقت ہے کہ پنچایتوں کے کام کاج میں عام لوگوں کو نمائندگی حاصل ہے اور وہ اس کے کام میں شرکت بھی کرتے ہیں۔ یہ حقیقت جائزہ میں درج اس رپورٹ سے بھی عیاں ہو جاتی ہے کہ ۷۰ فی صد گرام پنچایتوں میں ان اسکیموں کی جو انھیں سونپی گئی ہیں، ترجیحات مقرر کرنے اور ایسی ترجیحات منتخب کرنے کے لیے عام جلسے منعقد ہوتے ہیں۔

گوشوارہ نمبر ۱

مغربی بنگال میں پیشہ ورانہ جماعتوں کے مطابق گرام پنچایتوں کے ممبروں کی تقسیم (سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء)

	پیشہ	فی صد
(۱)	مالک کسان	۵۰٫۷
(۲)	اساتذہ	۱۴٫۰
(۳)	بے روزگار	۷٫۵
(۴)	بے زمین مزدور	۴٫۸
(۵)	برگدار	۱٫۸
(۶)	دستکار	۱٫۶
(۷)	دکان کے مالک	۱٫۴
(۸)	ڈاکٹر	۱٫۴
(۹)	ملکنگی مزدور	۱٫۳
(۱۰)	درزی	۰٫۶
(۱۱)	طلباء	۰٫۶
(۱۲)	ماہی گیر	۰٫۴
(۱۳)	دیگر	۱۴٫۰

گوشوارہ نمبر ۲

مغربی بنگال میں گرام پنچایت ممبروں کی زمین کی تقسیم سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء

رقبہ ایکڑ میں	فی صد
۲ سے کم	۴۲٫۹
۲ تا ۵	۲۸٫۲
۵ تا ۸	۱۳٫۰
۸ تا ۱۰	۸٫۱
۱۰ سے زیادہ	۷٫۸

(ذرائع۔ شعبۂ ترقیات و منصوبہ بندی حکومت مغربی بنگال)

پنچایتوں کی خصوصیات کا ذکر کرتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس بات کا کبھی دعویٰ نہیں کیا جاتا ہے کہ صرف پنچایت ہی دیہی غریبوں کے مفادات کی نمائندگی کرتی ہیں۔ یہاں تو صرف اس بات کا ادعا کیا جاتا ہے کہ موجودہ وقت میں تنظیمی متبادل کی فراہمی کے پیش نظر دیہی علاقوں میں پنچایتیں ہی غریبوں کے سب سے نزدیک ہیں۔ ریاستی سطح پر دیہی منصوبہ بندی میں مذکورہ بالا مقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے بائیں محاذ حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ آہستہ آہستہ ان پنچایتوں کو مختلف

دیہی پروگراموں کی بابت فیصلہ سازی میں اور ان کی تکمیل کے کام کے سلسلہ میں [illegible] زیادہ ذمہ داریاں سونپی جائیں۔ ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے [illegible] متعلقہ سطحوں پر سرکاری حکام کے تعاون کے ساتھ کام کریں گی۔

(۲) دیہی علاقوں میں ترقیاتی پروگرام

۱۹۷۸ء کے تباہ کن سیلابات کے بعد امداد کی تقسیم اور دیہی بحالی کا کام پنچایتوں کو سونپا گیا۔ ان آفات ناگہانی کے عرصہ میں یہ بات عام طور پر دیکھی جاتی ہے کہ قیمتیں اکثر مصنوعی طور پر بڑھ جاتی ہیں، بیماری اور وبائی صورت حال میں پھیل جاتی ہے اور سیلاب سے متاثر دیہی علاقوں سے لوگ شہروں کی طرف چلے جاتے ہیں۔ عام لوگوں کے تعاون اور پنچایتوں کی ہوشیاری کی وجہ سے یہ پایا گیا کہ اس عرصہ میں لازمی چیزوں کی قیمتوں کو قابو میں رکھا گیا۔ ہیضہ اور دیگر امراض کے مریضوں کی تعداد اور ان سے مرنے والوں کی تعداد گذشتہ برسوں کے مقابلہ میں بہت ہی کم تھی، جیسا کہ گوشوارہ نمبر ۳ سے ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ خوراک اور امداد کی تلاش میں سیلاب زدہ علاقوں سے لوگوں نے شہروں کو ہجرت نہیں کی۔

• اس کے بعد پنچایتوں کو کام کے بدلہ اناج پروگرام اور دیہی کام پروگرام کی تکمیل کی ذمہ داری سونپی گئی۔ ان پروگراموں کے تحت سڑکوں کی تعمیر کی گئی

گوشوارہ نمبر ۳

مغربی بنگال میں ہیضہ میں مبتلا ہونے والوں اور ہیضہ سے مرنے والوں کی تعداد

سال	مبتلا ہونے والوں کی تعداد	مرنے والوں کی تعداد
۱۹۷۱ء	۲۵۱۸	۸۰۶
۱۹۷۲ء	۱۵۵۰	۲۴۰
۱۹۷۳ء	۳۰۲۶	۶۷۲
۱۹۷۴ء	۱۹۳۲	۳۲۲
۱۹۷۵ء	۱۹۰۶	۱۹۵
۱۹۷۶ء	۱۳۵۰	۳۸
۱۹۷۷ء	۱۷۳۲	۲۷
۱۹۷۸ء	۳۵۱	۷۰

(ذرائع - نظامت صحت، حکومت مغربی بنگال)

چھوٹے پیمانہ کی آبپاشی کی سہولتیں فراہم کی گئیں، مٹی کے تحفظ کا کام کیا گیا۔ ایسے پروگراموں کا مقصد یہ تھا کہ دیہی علاقوں میں روزگار کے مواقع فراہم کئے جائیں ساتھ ہی دیہی علاقوں کی ترقی بھی ہو۔ ایسے کام کے اخراجات ریاستی حکومت اور مرکزی حکومت دونوں برداشت کرتی ہیں۔ ریاستی حکومت زر نقد فراہم

گوشوارہ نمبر ۴

مغربی بنگال میں کام کے بدلہ اناج پروگرام کے تحت مکمل کئے گئے پروجیکٹس۔

	۱۹۷۷-۷۸ء	۱۹۷۸-۷۹ء	۱۹۷۹-۸۰ء	۱۹۸۰-۸۱ (دسمبر ۸۰ تک)
(۱) مٹی کا تحفظ (ہیکٹائرس)	۴۶۲	۵۷۵۴	۱۴۹۵	۲۸۷۸
(۲) آبپاشی (〃)	۴۲۱۳۷	۴۵۲۱۰	۷۵۰۰	۲۳۶۸۱
(۳) سیلاب کنٹرول (〃)	۸۲۶۰۰	۷۵۵۲۰	۲۴۵۱۸	۱۱۲۴۵
(۴) اسکولوں کی عمارتوں کی مرمت اور تعمیر (تعداد)	۹۳۵	۱۸۹۰	۵۸۸	۴۱۷
(۵) سڑکوں کی مرمت اور تعمیر (تعداد)	۱۸۳۴۶	۱۵۵۳۰	۲۱۵۲۸	۸۴۷۷
(۶) پانی کا نکاس (ہیکٹائرس)	—	۱۲۱۴	۱۱۳۵	۹۰۱
(۷) متفرقات (تعداد)	—	—	۲۴۴۰	—

(ذرائع - لوک سبھا میں سوالات اور جوابات)

باقی صـ۹ پر



بچوں کے ادب میں سماجی قدریں

از:- پرہلاد پرامانک

یہ بات تو سبھوں کو معلوم ہے کہ رابندر ناتھ ٹیگور، اپیندر کشور، شوکمار رائے، جوگندر سرکار، جوگندر گپتا، دکھنا رنجن، سونیرمل بوس اور دیگر سینکڑوں ادیبوں نے بچوں کے ادب کو ایک خاص شکل عطا کی اور اسے نہایت موزوں سانچہ میں ڈھالا اور اس طرح بچوں کی تعلیم کی ترقی میں انھوں نے ایک شاندار باب کا اضافہ کیا۔ بنگلہ زبان میں بچوں کے ادب کی ایک شاندار تاریخ ہے۔

بلاشبہ بچوں کے لئے جب کوئی ادیب لکھتا ہے تو اس وقت اس کے تصور میں صرف ایک ہی بات رہتی ہے کہ بچّوں کو ذہنی خوشی عطا کی جائے۔ اگر ادبی تخلیق بچوں میں تجسس کا جذبہ بیدار نہ کر سکے اور ان کے دل و دماغ کو خوشی نہ فراہم کر سکے اور اس تخلیق کو بچوں کا ادب نہیں کہا جا سکتا، خواہ اس تخلیق میں ادیب نے کتنا ہی اعلیٰ خیال اور تصور کیوں نہ پیش کیا ہو۔ بچوں کے ادب کے ادیبوں کو اس تصور کو پیش نظر رکھنا چاہئے کہ بچوں کے دماغ کو صرف معلومات اور تفاصیل سے، خواہ وہ کتنے فائدہ مند کیوں نہ ہو، نہیں بھرنا چاہئے۔ بچوں کا ذہن تو زندگی کی مسرتوں کے باغ میں کھلنے والی کلی کی مانند ہے، اور بچوں کے ادب کا ادیب ہونے کے ناطے یہ ہمارا فرض ہے ہم بچوں کی اس طرح مدد کریں کہ انھیں زندگی کی تمام مسرتیں حاصل ہوں اس کے ساتھ ہی ایک اہم فرض یہ بھی ہے کہ ہم اس بات کا خیال رکھیں کہ بچوں کے نازک اور ننھے ذہن میں سماجی قدریں منعکس ہو جائیں۔ بنگلا میں بچوں کے ادب کے ایک ادنیٰ ادیب اور ناشر ہونے کے ناطے اس بات پر مجھے پورا یقین ہے کہ اس قسم کی ادبی تخلیقات بچوں کو نہ صرف خوشیاں عطا کریں گی بلکہ یہ سماجی قدروں کی عکاسی بھی کریں گی۔ بنگلہ میں بچوں کا ادب اس تصور کا شاہد ہے۔ اس بات کو تسلیم کیا جاتا ہے کہ گزشتہ دو سو برسوں میں بنگلہ ادب نے شاندار ترقی کی ہے، اس کے بعد اس حقیقت کا بھی اعتراف کرنا پڑیگا کہ اس دوران بچوں کا ادب بھی ترقی کی نئی بلندیوں تک پہنچا ہے۔ بنگلہ میں بچوں کے ادب کے بہت سارے مشہور ادیبوں نے، موضوع اور طرز تحریر میں تجربات کرنے کے دوران بچوں کے ادب میں سماجی تصور کے کردار کو تسلیم کیا ہے۔ وہ سب اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ کس طرح بچوں کا ادب بچوں کی نفسیات اور اخلاق پر بہت زیادہ حد تک اثر انداز ہوتا ہے اور انھیں جامع شکل عطا کرنے میں معاون ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے ان لوگوں نے اس بات کو دھیان میں رکھنے کی کوشش کی کہ بچوں کے ادب میں سماجی قدروں کی عکاسی ہو۔

ماہرین تعلیم اور ماہرین نفسیات اس بات کو تسلیم کریں گے کہ اخلاقی سبق بچوں کے ادب میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ ایک بالغ کی نظر میں ایک کہانی اور اس کے اخلاقی سبق، صرف اس کے سبق کے لئے اہمیت کے حامل ہیں لیکن ایک بچہ کے لئے یہ صرف اخلاقی سبق نہیں بلکہ اس سے کچھ زیادہ ہیں۔ دیگر باتوں کے علاوہ اس کہانی کا دلچسپ ہونا بھی ضروری ہے۔ مثال کے طور پر ایسوپ کی کہانیاں اور پنچ تنتر صرف اسکولوں میں پڑھانے کے لئے سبق آموز کہانیوں کا مجموعہ نہیں ہیں۔ ان کتابوں میں کہانیوں کے تار و پود کو اتنے دلکش پیرائے میں بنایا گیا ہے کہ برسوں سے بچے، جوان، بوڑھے

بھی انھیں شوق سے پڑھتے ہیں، اور ان کی تعریف کرتے ہیں۔ بچوں کے [illegible] اور جانوروں کی دنیا بہت زیادہ پرکشش ہوتی ہے۔ ہمارے قدیم کہانی [illegible] کہانی نویسوں نے بچوں کے لئے اپنی اصلی مہارت سے اپنی کہانیوں میں پرندوں اور جانوروں کو مختلف کرداروں میں پیش کیا جو انسانی تعلقات سے وابستہ ہوتے ہیں، جیسے لوگوں یا طبقوں کے درمیان تعلقات نیز ایسی کہانیوں میں لوگوں کے مختلف مسائل کو ساتھ ہی انسانی خوبیوں جیسی محبت، سچائی، ایثار، وقار اور فرائض کو بھی اجاگر کیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ انیسویں صدی کے پہلے نصف میں بچوں کے لئے نصابی کتابوں اور انھیں اخلاقی تعلیم دینے کی کتابوں کی ضرورت کے پیش نظر بچوں کے ادب کی کتابوں کی ضرورت پیدا ہوئی۔ اس وقت انگریزی تعلیم شروع ہو چکی تھی، نئے نئے شہر آباد ہو رہے تھے اور نیا متوسط طبقہ ابھر رہا تھا۔ ان تمام باتوں کی وجہ سے بچوں کے لئے مناسب کتابوں کی مانگ پیدا ہوئی۔

اس عرصہ میں ڈی اسکول بک سوسائٹی نامی ایک ادارہ عالم وجود میں آیا۔ اس ادارہ کی تشکیل میں بہت سارے غیر ملکیوں نے مدد کی اور یہی اس ادارہ کی دیکھ بھال بھی کیا کرتے۔ اسی سوسائٹی نے پہلی بار غیر ملکی کتابوں کے نمونہ پر بنگلہ میں کتابوں کے شائع کرنے کا کام شروع کیا۔ بعد میں بنگال کے چند پنڈتوں نے بھی یہ کام شروع کیا۔ ان پنڈتوں میں رادھا کانت دیو، تارنی چرن مترا اور رام کمل سین، جنھوں نے بنگلہ میں نیتی کتھا اور ہتوپادیش نامی کتابیں لکھیں، تھے۔ اس کے بعد سے ایسوپ کی کہانیاں کے ساتھ ساتھ پنچ تنتر اور دیگر کتابیں بچوں کے لئے لکھی گئیں۔ الف لیلیٰ کا بھی بنگلہ میں ترجمہ شائع کیا گیا اور اسے بچوں کو پیش کیا گیا۔

مشہور ادیب اور سماجی مصلح پنڈت ایشور چندر ودیا ساگر جب اپنی کتابوں کے ساتھ بچوں کے ادب کے میدان میں داخل ہوئے تو اس وقت بچوں کے لئے مناسب ادبی طرز تحریر کو ساتھ ہی سماجی قدروں کو بھی پیش نظر رکھا۔ ان کا مقصد صرف یہ نہیں تھا کہ مختلف لوگوں اور ملکوں کی بابت معلومات فراہم کر کے بچوں کے ذہنی استعداد کو تقویت پہونچائی جائے اور اس طرح ان کے علم میں اضافہ کیا جائے، بلکہ ان کی یہ خواہش تھی کہ بچوں کو زندگی کی بنیادی قدروں اور اخلاقی سبقوں کی بھی تعلیم دی جائے۔ اور اسی کے [illegible] نے سنسکرت اور ہندی ادب سے کافی استفادہ حاصل کیا۔ [illegible] انھوں نے بچوں [illegible] کی مدد بدل کیا [illegible] بچوں کو اچھے سماجی برتاؤ، ایثار اور سچائی پسندگی کی تعلیم دینے کے لئے خاص طور پر توجہ دی۔ یہ فکری کاموں کے لئے اپنی کتابوں اور قواعد کے سبقوں میں انھوں نے ایسے جملے اور محاورے استعمال کئے جن کا ایک واضح سماجی مقصد بھی ہے۔

کہانی لکھنے سے قبل پہلے وہ اس بات پر اچھی طرح غور کر لیا کرتے کہ اس کہانی سے بچوں کو تعلیمی لحاظ سے کتنا فائدہ پہونچیگا۔ اس کے بعد وہ کہانی کے اختتام کو پیش نظر رکھتے ہوئے سیدھی سادی زبان میں پوری کہانی لکھ ڈالتے۔ اس وجہ سے ایسوپ کی کہانیوں یا بتیال پچیسی کا بنگلہ ترجمہ، جو انھوں نے خود کیا، بعد کی نسلوں کے لئے مثالی بن گیا۔ ان کی کہانی غیر دلچسپ اور خشک نہیں ہوتی۔ انھیں مذاق اور ظرافت کی اہمیت کا بھی احساس تھا، اس لئے انھوں نے اپنی کہانیوں میں ان دونوں کا خاص طور پر خیال رکھا۔ ان کی کتاب "کوتھا مالا" (کہانیوں کا مجموعہ) میں بدمعاش اور ایماندار لوگوں کے درمیان فرق کو نمایاں کیا گیا ہے۔ ان میں ایمانداری اور خلوص کی قدروں پر زور دیا گیا ہے۔ دوسروں کیلئے قربانی دینے کی اعلیٰ خوبی کی بابت ان کی کہانیوں کا بچوں کے دل ودماغ پر گہرا اور اچھا اثر پڑتا ہے۔ انھوں نے ایسوپ کی کہانیوں کا بنگلہ میں ترجمہ کیا اور اپنے ترجموں میں ماحول کو ہندوستانی ماحول میں بدل دیا اور اس کا اثر یہ ہوا کہ بچے ان کہانیوں کو بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔

ایشور چندر ودیا ساگر کی قائم کردہ مثال کی پیروی کرتے ہوئے بنگلہ میں بچوں کے ادب کے بعد کے ادیبوں نے سماجی قدروں پر ہی خصوصی توجہ دی۔ بنگالی ادیبوں نے غیر ملکی زبانوں سے پریوں کی کہانیاں، تعجب خیز کہانیاں، لوک کہانیاں، سلسلہ وار کہانیاں یا لمبی کہانیاں ترجمہ کرتے وقت بچوں کے ادب میں سماجی قدروں کی اہمیت کو فراموش نہیں کیا۔ ایسی کہانیاں ہمیں یہ بتاتی ہیں کہ کس طرح ایمانداری کا صلہ ملتا ہے یا کس طرح تشدد اور حسد کی تمام رکاوٹوں کو سچائی اور جرأت دور کرتی ہیں اور آخر میں فتحیاب ہوتی ہیں۔ چنانچہ بنگلہ میں ایسی کہانیوں کے ترجموں کے مجموعہ کی اشاعت سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ نو عمروں اور بچوں کے ادب میں سماجی قدروں کافی اہمیت کی حامل ہیں۔

بچوں کے ادب کی ایک اور قسم کی بات مجھے یاد آتی ہے۔ سیتا ساوتری کا دھرم پتنی، ایلیہ بائی [illegible] کا دنیا

مشہور مورتوں کی بابت کہانیوں کو بنگلہ میں بچوں کے ادب کے ایک ضخیم حجم کی شکل میں شائع کیا گیا ہے۔ ان عورتوں کی پاک صاف زندگی، ان کی قربانیاں، ان کا اخلاق اور خلوص اور ان کی گوناگوں خوبیاں۔ ان تمام باتوں کا بچوں کے دل و دماغ پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ اس کے علاوہ ہمارا عظیم رامائن اور مہابھارت اور ہماری قدیم تاریخ بچوں کے ادب کے لئے مواد کا خزانہ فراہم کرتی ہیں۔ بچوں کے دلوں میں حب الوطنی کے جذبہ اور محبت، خلوص اور دیگر خوبیوں کو بیدار کرنے میں اس قسم کے ادب کا کردار کافی اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ مشہور آرٹسٹ اپیندر ناتھ ٹیگور کا نام اس سلسلہ میں خصوصی ذکر کا مستحق ہے۔ اس کے ساتھ ہی اُپیندر کشور رائے چودھری نے مہابھارت اور رامائن کا سیدھے سادے لیکن دلکش پیرائے میں بنگلہ میں ترجمہ کیا۔

بدھ کی کہانیاں اور ان کے عدم تشدد، محبت اور تیاگ کے پیغامات نے بنگلہ میں بچوں کے ادب میں گرانقدر اضافہ کیا۔ یہ کہانیاں سیدھے سادے لیکن خوبصورت الفاظ میں لکھی گئی ہیں اور یہ بچوں کو گوتم بدھ کا پیغام سمجھاتی ہیں۔

میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے آپ لوگوں کی توجہ ایک حالیہ رجحان کی طرف جسے میں بچوں کے ادب کے لئے اچھا نہیں سمجھتا مبذول کرانی چاہئے۔ میرا اشارہ (COMICS) کومکوں کی طرف ہے جو اب ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کی مختلف زبانوں میں بچوں کے ادب پر چھا گیا ہے۔ کومکوں میں محض تصویریں ہوتی ہیں ہر تصویر کے نیچے مختصر الفاظ، اس تصویر میں جو کچھ دکھایا گیا ہے، اس کا ذکر ہوتا ہے، نیز عام طور پر کومکوں میں دوڑ دھوپ اور مار پیٹ کی تصویریں ہوتی ہیں۔ کومکوں کا رواج سب سے پہلے امریکہ میں شروع ہوا۔ اس کے بعد وہاں سے کومک یورپ پہونچا اور پھر جب یہ ہندوستان میں آیا تو ہندوستانیوں نے کھلے ہاتھوں اس کا استقبال کیا۔ آج ساری دنیا میں کومک مقبول ہو چکا ہے۔ چونکہ اس میں نفع بہت زیادہ ہوتا ہے۔ اس لئے بڑے بڑے ناشر کومک۔ بزنس پر چھا گئے ہیں۔ کومکوں میں بہت طرح کی کہانیاں ہوتی ہیں۔ مثال کے طور پر ان میں ولیوں اور سورماؤں کی کہانیاں، جرم اور تفتیش اور بھوت پریت کی کہانیاں، خلائی [illegible] کی کہانیاں ہوتی

ہیں۔ کومک بڑی تیزی سے بچوں کے ذہن پر اثر کرتا ہے اور مجھے ڈر ہے کہ بہت سے کیسوں میں اس سے غیر صحت مند رد عمل پیدا ہوتا ہے۔ کومکوں کا جو مقصد ہوتا ہے اس کی بابت جتنا کم کہا جائے اتنا ہی اچھا۔ سوپر مین (SUPER MAN) اور خلا کی بابت غیر معمولی کہانیوں سے بچوں کے ذہن پر غلط اثر پڑتا ہے۔ کومکوں میں کبھی کبھی تشدد، ظلم، قتل، جرم کی کہانیوں کو ترجیح دی جاتی ہے۔ سوپر مین انسانی تصور سے بالا طاقت کا مالک ہوتا ہے اور وہ ناقابل یقین بہادری کا کارنامہ انجام دیتا ہے اور فطرت کے قوانین سے وہ بالاتر ہوتا ہے۔ مجھے اس بات سے حسد نہیں ہوتا کہ اس قسم کی لغو اور بیکار کتابیں کثیر تعداد میں فروخت ہوتی ہے، مجھے تو اس بات کا افسوس ہوتا ہے کہ کس طرح یہ کتابیں بچوں کے ذہن کو پراگندہ کرتی ہیں۔ ایک بچہ کے سامنے سائنسی نقطہ نظر سے صحیح باتیں پیش کرنی چاہئیں۔ کم از کم ایسا کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ غلط تھیوری، غلط تصور جو کامک پیش کرتے ہیں، میری ناچیز رائے میں بچوں کے لئے نقصان دہ ہوتے ہیں۔

باقی صفحہ ۶ کا

کرتی ہے اور مرکزی حکومت اناج۔ حال ہی میں ان دونوں اسکیموں کو ایک اسکیم میں ضم کر دیا گیا ہے اور اس نئی اسکیم کا نام قومی دیہی روزگار پروگرام رکھا گیا ہے۔

مغربی بنگال میں ان پروگراموں کی تکمیل میں گرام پنچایتوں کو ابتدائی ذمہ داری سونپی گئی۔ ان پروگراموں کی تکمیل نے ۱۹۷۷ء سے ۱۹۸۱ء دسمبر تک کے چار برسوں میں جتنے سماجی اثاثے تعمیر کئے گئے ان کی تفصیل گوشوارہ ۲ میں درج ہیں۔ گزشتہ چار برسوں میں ان پروگراموں کی وجہ سے تقریباً ۱۷ کروڑ فرد/دن پیدا کئے گئے۔ قومی نمونہ جائزہ (۳۲ واں راؤنڈ ۱۹۷۷-۷۸ء) کے تخمینہ کے مطابق مغربی بنگال کے دیہی علاقوں میں بیروزگاروں کی تعداد تقریباً ۶۴.۷۸ لاکھ تھی، ان پروگراموں کی وجہ سے دیہی علاقوں میں ان بے روزگاروں کے لئے گزشتہ چار برسوں میں ہر سال اوسط ۳ مہینے سے بھی زیادہ عرصہ کے لئے روزگار فراہم کیا گیا۔

(باقی آئندہ)

ہندوستان کی موجودہ معاشی صورتحال

اس ملک کے مختلف علاقوں کے ۲۳ مشہور ماہرین اقتصادیات نے ہمارے ملک کی موجودہ معاشی صورت حال پر بحث و مباحثہ کرنے کے لئے گزشتہ ۷ اور ۸ اگست کو کلکتہ میں میٹنگ کی۔ حکومت مغربی بنگال نے ان ماہرین کو مدعو کیا تھا۔ ان لوگوں نے اس موضوع کی بابت ریاستی حکومت کے خیالات سے پورے طور پر اتفاق کیا۔ ذیل میں ان لوگوں کے خیالات کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

ہندوستان کی معیشت میں افراط زر سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ نفع اور غیر کمائی ہوئی آمدنیوں میں کافی اضافہ ہوا، حقیقی اجرتوں میں کمی ہوئی اور نابرابری اور زیادہ بڑھ گئی۔ خاص طور پر اس کے معنی یہ ہوئے ہماری قومی آمدنی میں اجرتوں کا حصہ بتدریج کم ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ منظم مزدوروں کی حقیقی اجرتیں بھی حالیہ عرصہ میں کم ہو گئیں اور غیر منظم شہری اور دیہی مزدوروں کی اجرتوں میں بڑی تیزی سے کمی ہوئی۔

یہ کہا جا رہا ہے کہ اجرت میں بڑھاوا اور مزدوروں کی بے چینی کی وجہ سے پیداوار میں کمی ہو رہی ہے اور جس سے معیشت پر برا اثر پڑا ہے اور اس کے ساتھ ہی کم سرمایہ کاری اور زیادہ قیمتوں کو بڑی مستعدی سے بڑھاوا دیا جا رہا ہے۔ لیکن یہ بات حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔ برخلاف اس کے، اس سال ہڑتالوں کی وجہ جتنے فردی دن ضائع ہوئے ہیں، ان سے کہیں زیادہ فردی دن تالہ بندی اور کام سے بٹھا دینے سے ضائع ہوئے۔ افراط زر کے پیش نظر ہڑتالوں پر پابندی عائد کرنے اور مزدوروں کی سودا بازی کرنے کی طاقت کو کمزور بنانے کے لئے حال ہی جو آرڈیننس نافذ کیا گیا اس کی قطعی ضرورت ہی نہ تھی اور اسی لئے ہم اس کی مخالفت کرتے ہیں۔ درحقیقت ضرورت تو ان اقدامات کی ہے جن کی وجہ سے مزدوروں کی حقیقی آمدنی کو تحفظ حاصل ہو اور اس میں بتدریج اضافہ ہو۔

حکومت ہند مالیاتی مراعات اور کنٹرول قیمتوں میں جوڑ توڑ کر کے کاروباری نفع اور نفع رسانی میں اضافہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ عوامی سرمایہ کاری کے لئے وسائل کی کمی کی ایک بڑی وجہ یہی ہے۔ اس پر بھی حالیہ برسوں میں عوامی سرمایہ کاری کو بچانے کی کوشش بالواسطہ ٹیکس اور خسارہ کے بجٹ کے ذریعہ خاص طور پر برقرار رکھنے کی کوششیں کی گئی ہیں۔

عام مصارف کی لازمی چیزوں پر بالواسطہ ٹیکس کی شرح بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ براہ راست اور بالواسطہ ٹیکسوں کے تناسب میں بتدریج کمی ہوتی جا رہی ہے۔ فی الحال مجموعی محاصل میں براہ راست ٹیکسوں کا حصہ ۲۰ فی صد ہے۔ مزید براں مرکزی حکومت نے کئی چیزوں کے سلسلہ میں جن میں پٹرولیم کی مصنوعات کھاد اور کوئلہ شامل ہیں قیمتوں میں اضافہ کر دیا ہے۔ یہ تو بالواسطہ ٹیکس کی خفیہ شکل ہے صرف فرق اتنا ہے کہ آبکاری کے برخلاف قیمتوں کے اضافہ سے جو رقوم حاصل ہوتی ہیں انھیں ریاستوں کے درمیان تقسیم نہیں کیا جاتا۔

صورت حال کا مطالبہ یہ ہے کہ براہ راست ٹیکسوں پر زیادہ انحصار کیا جائے۔ اکثر غلط طریقہ پر اس بات کی تجویز پیش کی جاتی ہے کہ براہ راست ٹیکس کی نیچی شرحوں سے ٹیکس کی رقوم کی حصولیابی میں بہتری ہوگی، کیونکہ اس کی وجہ سے ٹیکس کی ادائیگی میں لیت و لعل کرنے کے رجحانات میں کمی ہوگی لیکن اب تک ایسی کوئی ٹھوس شہادت نہیں ملی جس سے یہ ثابت ہو سکے مذکورہ اقدام صحیح ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ۱۹۷۴ء سے ٹیکس کی شرحوں میں کمی ہوئی لیکن ٹیکس کی رقوم کی حصولیابی میں بہتری نہیں ہوئی۔

عام طور پر غیر بینک مالیاتی کمپنیاں اور پارٹنرشپ فرم کالے دھن کو سفید بنانے اور کالے دھن پیدا کرنے کے لئے وسیلہ کے طور پر کام کرتی ہیں جن سے غلط بیانی اور نابرابری پیدا ہوتی ہیں اور جس کی وجہ سے افراط زر کی صورت حال اور بھی ابتر ہو جاتی ہے۔ ریزرو بینک آف انڈیا ایکٹ نے

اس بنک کو یہ اختیار دے دیا ہے کہ وہ ایک خاص سائز اور قسم کے اوپر کے فرموں اور کمپنیوں کو ضابطہ کے تحت لا سکتا ہے لیکن شرکت داری کے فرم یعنی پارٹنرشپ فرم کو اب تک اس ضابطہ کے تحت نہیں لایا گیا۔
اس اختیار کو سختی سے روبہ عمل لانا چاہئے۔ تمام غیر بنک مالیاتی کمپنیوں کو جو فی الحال ریزرو بنک آف انڈیا کے مذکورہ آئین اور اختیارات کے دائرہ عمل سے باہر ہیں اس ضابطہ کے تحت لانا چاہئے یا ان پر پابندی عائد کر دینی چاہئے۔

جہاں تک غیر منقولہ جائیداد کی ملکیت کا سوال ہے، تو ان کی خرید و فروخت سے کالا دھن پیدا ہوتا ہے۔ اس لئے ایسے اقدامات کئے جانے چاہئیں کہ (۱) شہری جائیدادوں پر اسکی پرانی اور معمولی قیمت کی جگہ موجودہ سرمایہ قیمت پر ٹیکس عائد کیا جائے اور (۲) غیر منقولہ جائیداد کی خرید و فروخت کو عوامی ایجنسی کے دائرہ عمل میں لایا جائے تاکہ ایسی جائیداد کی خرید و فروخت ہونے پر ان کی ۔۔۔ قیمت پر ٹیکس عائد کیا جا سکے۔ ایسا ہو سکتا ہے کہ جائیداد کی کم قیمت لگائی جائے تو اس کی روک تھام کے لئے اگر ضرورت ہو تو قیمت کا تخمینہ کرنے کے سلسلہ میں مقامی لوگوں کی مدد لی جائے۔

ہمارے سماج کے غریب طبقوں کے لوگوں کو افراط زر سے محفوظ رکھنے کیلئے شہری اور دیہی علاقوں میں لازمی چیزوں کی حصولیابی اور تقسیم کے لئے جامع پروگرام ہونا چاہئے۔ عوامی نظام تقسیم کو جاری رکھنے کیلئے یہ ضروری ہے کہ کافی مقدار میں اناج اور دیگر ضروری چیزیں حاصل کی جائیں۔ موثر طور پر اناج کی حصولیابی کے لئے یہ ضروری ہے کہ اناج منطقہ پھر سے رائج کیا جائے اور تفریقی لیوی کا نظام چالو کیا جائے۔ ابھی سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ غلہ کے کاروبار میں سرکاری طور پر اس طرح مداخلت کی جائے کہ مصیبت زدہ اور غریب کسانوں کو مناسب حصولیابی کی قیمتوں کی پیشکش کی جائے تاکہ وہ اونے پونے دام پر اپنا اناج نہ فروخت کریں۔ حصولیابی کی قیمتیں پیداواری قیمتوں سے وابستہ ہونی چاہئیں۔ اس کے علاوہ دیہی آبادی کے اس چھوٹے طبقہ کو بھی جس کی خوشحالی حالیہ برسوں میں کافی بڑھ گئی ہے، براہ راست ٹیکس کے دائرہ عمل میں لانا چاہئے۔

اگر صورت حال کا یہی مطالبہ ہو تو حکومت کو اناج میں تھوک کاروبار کے انتظام کو اپنے ہاتھوں میں لینے کے متعلقہ مسائل پر پھر سے غور کرنا چاہیئے اور اس کام میں ریاستی حکومتیں کیا کردار ادا کر سکتی ہیں اس مسئلہ پر بھی غور و خوض کرنا چاہئے۔

ہمارے خیال میں کام کے بدلہ اناج عوامی نظام تقسیم کا لازمی جزو ہے اور اس کی وجہ سے دیہی علاقوں میں غریب ترین لوگوں کو بھی روزگار فراہم ہوتا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ سماجی اور معاشی اثاثہ بھی پیدا کرتے ہیں، جن کی وجہ سے پیداوار میں اضافہ ہوتا ہے اور دیہی اناج بازار میں ایک طرح کا نظم و ضبط کا نظام قائم ہوتا ہے۔ زمینداروں اور تاجروں کے دباؤ کے تحت موجودہ حکومت نے اس پروگرام کو ختم کر دیا لیکن اس پروگرام کا کام کے بدلہ زر نقد متبادل نہیں ہو سکتا۔ ہمارے خیال میں کام کے بدلہ اناج پروگرام کو پھر سے شروع کرنا چاہئے اور سرکار کے پاس اناج کے اسٹاک میں سے سب سے پہلے اس پروگرام کے لئے اناج سپلائی کرنا چاہئے۔

موجودہ زر مبادلہ کے توازن کی صورت حال تشفی بخش نہیں ہے۔ اس کے باوجود غیر ضروری درآمدات پر پابندی عائد کر کے اور درآمدات کے شعبہ میں زیادہ سے زیادہ دیسی چیزیں استعمال کر کے غیر ملکی زر مبادلہ کی بچت کرنے کے اب بھی کافی امکانات ہیں۔ لیکن اس کی جگہ موجودہ سرکاری پالیسی کا رجحان یہ ہے کہ اس خوش فہمی پر تقریباً مکمل طور پر انحصار کیا جائے کہ موجودہ عالمی مندہ بازاری میں بھی ہندوستان کی برآمدات میں زیادہ سے زیادہ اضافہ کیا جا سکتا ہے۔ برآمدات کو فروغ دینے کے لئے نہایت غیر دانشمندانہ طریقہ سے سامان، ٹکنالاجی اور سرمایہ کو فیاضانہ طور پر درآمد کیا جا رہا ہے۔ گھریلو وسائل کو استعمال کرنے میں حکومت کی ہچکچاہٹ کی وجہ سے گھریلو صلاحیت اور ٹکنالاجی کے استعمال کی جگہ پیداوار میں درآمدات کی چیزوں کے استعمال میں دیدہ دانستہ اضافہ کیا جا رہا ہے۔ یہاں تک کہ گیہوں، چینی اور کھانے کے تیل درآمد کرنے کے فیصلہ سے گریز کیا جا سکتا تھا اگر مختلف ۔۔۔ م کی گھریلو پالیسیوں کو بروئے عمل لایا جاتا۔

درآمدات کے سلسلہ میں فراخدلی سے ہندوستانی سائنس اور ٹکنالاجی کی ترقی میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔ یہ ٹکنکی خود کفالت

باقی صفحہ ۱۴ پر

[illegible] سنہ پاوریہ

ہندوستانی آزادی کی سیاسی معیشت

آج سے ۳۴ سال قبل، جب ہندوستان نے آزادی حاصل کی تھی جو لوگ جوان تھے وہ آج اچھے خاصے معمر اور ضعیف بن چکے ہیں۔ ۱۹۴۷ء کی ۱۵ اگست نے یقیناً انکے دلوں کو جوش و ولولہ اور مسرتوں سے بھر دیا تھا۔ کیا اس دن کی یاد آج بھی سن ۱۹۸۱ء میں یوم آزادی کے دن ان لوگوں کے دلوں میں وہی جذبات پیدا کرتی ہے یا اس دن کی یاد کی طرح جوش و مسرت کے جذبات بھی سرد ہوتے جا رہے ہیں۔ ان لوگوں کو یقیناً اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ انھیں اب انگریزوں حکمرانوں کو خوش کرنے کی ضرورت نہیں، لیکن ابھی اگر وہ کسی بڑے پرائیوٹ کارخانہ میں کام کرتے ہیں۔ تو انھیں اپنے کروڑپتی آجروں کے سامنے سر جھکانا پڑتا ہے، اگر وہ کسی گاؤں میں غریب کسان ہیں تو انھیں اپنے زمینداروں یا مہاجنوں کے رحم و کرم پر زندگی گذارنی پڑتی ہے یا اگر وہ مجاہدین آزادی ہیں تو انھیں سیاسی پنشن پر قناعت کرنی پڑتی ہے اور صنعت کاروں کی سنسناتی ہوئی گذرنے والی موٹر گاڑیوں کی طرف بے چارگی سے تکنا پڑتا ہے اور ان سیاستدانوں کی، جو سیاست میں ابھرنے اور ڈوبنے کا کھیل کھیلتے ہیں، اپنے منہ میاں مٹھو تقریروں کو اپنے جی پر جبر کر کے سننا پڑتا ہے۔ ان لوگوں میں ہر بیدار اور باشعور شہری اس حقیقت سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ اس ملک کے چاروں طرف علیحدگی پسندی اور علاقائی عصبیت کے پودے پھوٹ پڑے ہیں اور ہمارے مادر وطن کے اتحاد اور سالمیت کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ ایسے حالات کی وجہ سے وہ سب یہ محسوس کرنے پر مجبور ہو گئے کہ چونتیس برس پہلے ہمارے ملک میں جو جمہوری بہار آئی تھی اس نے مرجھائے پھول کھلائے۔ گذشتہ چونتیس ۳۴ برسوں سے حکمران پارٹی جن سیاسی معاشی پالیسیوں کو برسر عمل لا رہی ہے، اس نے قوم کو آہستہ آہستہ نحیف بنا دیا، لوگوں کے اعتماد کو متزلزل اور ناتواں بنا دیا اور عوام کے جوش و ولولہ کا گلا گھونٹ دیا۔

موجودہ حکمران پارٹی کی چونتیس سالہ حکومت نے عوام کے ساتھ بہت سارے وعدے کئے۔ عوام کے سامنے اصلاحات آراضی ایکٹ، اور اس میں بہت ساری ترمیمات، نام نہاد "سبز انقلاب"، پانچ پانچسالہ منصوبے پیش کئے گئے۔ لیکن کیا ان سبھوں نے ان کے اعلان کردہ اغراض و مقاصد کو پورا کیا؟ ان منصوبوں کے اہم مقاصد تھے کہ زرعی پیداوار میں اضافہ کرنے کے لئے زرعی ڈھانچہ سے پیدا ہونے والی رکاوٹوں کو دور کیا جائے، نیز زرعی نظام سے سماجی ناانصافی اور استحصال کا خاتمہ کیا جائے۔ ترقی کے لئے اس حکمت عملی کا اعلان کیا گیا کہ بے روزگاری کے مسائل کو حل کرنے کے لئے براہ راست اقدامات کئے جائیں گے اور وسیع پیمانہ پر پھیلی ہوئی حد سے زیادہ غربی کو دور کیا جائے گا۔

لیکن انتہائی حد سے زیادہ زمین رکھنے سے متعلق قوانین میں بہت ساری خامیاں تھیں۔ نیز دیہی عوام کے حق میں ان قوانین کو برسر عمل لانے، نیز سبز انقلاب کے مقاصد کی تکمیل میں حکمران پارٹی کے پس و پیش کرنے سے معاشی آزادی کے لئے دیہی عوام کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ مذکورہ زمین کی انتہائی حد کے قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے زمینداروں اور امیر کسانوں نے پوشیدہ اور غیر قانونی طور پر زمین کی منتقلی اور خریداری کے ذریعہ کثیر دولت اکٹھا کر لی اور اس طرح آج ہم یہ دیکھتے ہیں چند لوگ بہت سارے قطعات آراضی کے مالک ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک جائزہ کی رپورٹ مظہر ہے کہ پنجاب میں بڑے کسانوں کے قطعات آراضی میں ۵۶-۱۹۵۵ء اور ۶۹-۱۹۶۸ء کے درمیان ۵ء۹ فی صد کا اضافہ ہوا، اس میں سے زیادہ تر اضافہ خریداری کی وجہ سے ہوا۔ ۲۰ تا ۲۵ ایکڑ سائز کے زرعی فارموں میں ۴ فی صد کا اضافہ ہوا، برخلاف اس کے ۱۰۰ تا ۱۵۰ ایکڑ سائز کے زرعی فارموں میں تقریباً ۴۰ فی صد کا اضافہ ہوا۔ حکمران پارٹی نے کس حد تک پس و پیش کیا اور ان کے لمبے چوڑے سیاسی بیانات کا کھوکھلا پن اس حقیقت سے عیاں ہو جاتا ہے کہ اب تک سارے ملک میں صرف ۴۰ لاکھ ایکڑ زرعی زمین فاضل قرار دی گئی ہے اور اس کا نصف حصہ تقسیم کیا گیا۔ لیکن صرف مغربی بنگال میں گذشتہ چار برسوں میں موجودہ بائیں محاذ حکومت کے تحت ۱۲ لاکھ ایکڑ سے زیادہ زمین فاضل

قرار دی گئی اور ان میں سے ۶ لاکھ ایکڑ سے زیادہ زمین غریب کسانوں کے درمیان تقسیم کر دی گئی۔

امیر کسانوں کے حق میں حکمراں طبقہ کے اس قسم کے جانبدارانہ رجحانات دیہی غریبوں کے حق میں زرعی ڈھانچہ میں بنیادی تبدیلی لانے میں ناکام ہوئے، اور انکی وجہ سے وسیع پیمانہ پر غربت پھیل گئی اور دیہی غریبوں کے لیے سبز انقلاب کے نتائج تباہ کن ثابت ہوئے اور اس کی وجہ سے لاکھوں لوگ نادار و مفلس بن گئے۔ بہت سارے مشہور اسکالروں نے اپنے جائزہ میں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کیا۔ شری ڈی۔ کے۔ رنگینکر نے یوں اظہار خیال کیا، "...... حالیہ زرعی ترقیاتی اسکیمیں کم آمدنی والے کسانوں اور مزدوروں کے مفادات کے خلاف اور پورے طور پر امیر اور بڑے

کسانوں کے حق میں ہیں"۔ نیز اُتوما۔ کے رشمی واستو، آر۔ بی۔ کراؤں اور ای۔ او۔ ہیڈی کے خیال میں حکمراں طبقہ کی جانبدار پالیسیوں نے دیہاتوں میں شدید معاشی عدم توازن پیدا کیا۔ آمدنی میں نابرابری کا "نئی ٹکنالوجی اپنانے والوں کے درمیان بھی وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جائے گی۔ بڑے اور درمیانی درجہ کے فارموں کی تمام اخراجات کو منہا کرنے کے بعد آمدنی کا تناسب ۹۳ر۲ سے بڑھکر ۸۴۶ر۲ ہوگیا یعنی اضافہ تقریباً ۴ فی صد کا ہوا۔ نابرابری میں اس سے زیادہ کا فرق بڑے اور چھوٹے فارموں کے درمیان ہوا۔ مذکورہ آمدنی کا تناسب ۳۲ر۱۰ سے بڑھکر ۵۰ر۱۱ ہوگیا یعنی اضافہ تقریباً ۱۰ فی صد کا ہوا۔ نیز چھوٹے کسانوں کی حالت ان کی سابق حالت کے مقابلہ میں اور بھی ابتر ہوگئی (ان کی آمدنی میں تقریباً ۲ فی صد کمی ہوئی) اس طرح ان تمام باتوں سے یہ نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ چھوٹے کسانوں کی پہلے کے مقابلہ میں میں اب معاشی حالت اتنی ابتر ہوگئی ہے کہ وہ پیداوار میں تیزی سے اضافہ کرنے کے لیے نئی ٹکنالاجی اپنا نہیں سکتے۔ نیز آنے والے برسوں میں آمدنی کی نابرابری اور بھی زیادہ ہو جائے گی ان کی پیش گوئیاں صحیح ثابت ہوئیں اور یہ بات قومی نمونہ جائزہ کے اعداد و شمار پر مبنی حالیہ جائزہ سے عیاں ہو جاتی ہے۔ اس جائزہ کی رپورٹ کے مطابق ۶۲-۱۹۶۱ء اور ۶۸-۱۹۶۷ء کے درمیان

دیہی علاقوں میں فی کس فی ماہ اناج کی کھپت ۵۳ر۱۷ کیلوگرام سے کم ہوکر ۹۰ر۱۵ کیلوگرام ہوگئی یعنی ۹ر۱۳ فی صد کی کمی ہوئی۔ اسی لئے شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ مغربی بنگال نے، قومی ترقیاتی کاؤنسل کے اگست اجلاس میں پیش کردہ اپنے نوٹ میں یوں کہا تھا! "ناکامیابی کی اہم وجہ گھریلو بازار میں قوت خرید کی مناسب بنیاد کی ترقی دینے میں ناکامی ہے، حالانکہ ایسی بنیاد کی وجہ سے زرعی اور صنعتی دونوں سیکٹروں میں ترقی کی رفتار کافی تیز ہو سکتی تھی"۔

اسی طرح جب ہم پانچ پنجسالہ منصوبوں کے نتائج پر غور کرتے ہیں تو ہمیں ایک چیز صاف نظر آتی ہے اور وہ یہ کہ ہماری قومی معیشت کا شیرازہ بکھر گیا ہے۔ مسائل پر مسائل تیزی سے پیدا ہوئے اور پیدا ہوتے اور جمع ہوتے ہوتے جا رہے ہیں اور پبلک سیکٹر کے عالم وجود میں آنے اور اس کی ترقی کے باوجود متوازن معاشی ترقی ایک خواب بن چکی ہے۔ ان تمام باتوں کی وجہ منصوبہ کی پالیسیوں کی تکمیل کے سلسلہ میں حکمراں پارٹی کے غلط رویئے اور اس کی جلد بازی ہے اور اس کی وجہ سے منصوبہ کے مقاصد اور اس کے حصول کے درمیان نمایاں فرق پیدا ہو گیا ہے۔

قومی منصوبہ بندی کمیٹی ۱۹۳۸ء میں قائم کی گئی۔ شری جواہر لال نہرو اس کے چیرمین تھے، پھر سنہ ۱۹۵۰ء ایک سرکاری قرارداد منظور کی گئی جس کی رو سے منصوبہ بندی کمیشن قائم کیا گیا اس کمیٹی اور اس کمیشن دونوں ہی نے معاشی شعبہ میں سماجی انصاف، پر زور دیا۔ پنجسالہ منصوبوں میں اس کے ساتھ ساتھ اور بھی بہت سارے نیک اغراض و مقاصد کا اعلان کیا گیا۔ پہلے پنجسالہ منصوبہ نے سماجی۔ معاشی تبدیلیوں کی اہمیت کو ایک طرح سے نظر انداز کر دیا۔ اس وقت یہ کہا گیا کہ "موجودہ حالات میں ایسی تبدیلیوں کی ضرورت غربت اور آمدنی، دولت اور مواقع کی نابرابری سے پیدا ہوئی ہے"۔

دوسرے پنجسالہ منصوبہ میں یہ کہا گیا کہ ایک نیم ترقی یافتہ ملک کے سامنے جو کام در پیش ہے وہ صرف یہ نہیں ہے کہ موجودہ معاشی ڈھانچہ اور سماجی ادارہ کے تحت بہتر نتائج حاصل کئے جائیں بلکہ ان دونوں کو نئے سانچہ میں اس طرح ڈھالنا

چاہیئے کہ یہ سماجی قدروں کے حصول میں موثر طور پر کردار ادا کر سکیں۔
لیکن ان ظاہراً اچھی اچھی باتوں کا نتیجہ کیا نکلا؟

ان منصوبوں کے عرصہ میں پبلک سیکٹر میں بہت کثیر رقم کی سرمایہ کاری کی گئی اور اس ام سے آخر شش زمینداروں، امیر کسانوں، ٹھیکیداروں اور شہروں کو فائدہ پہونچا۔ پرائیویٹ سیکٹر کو ضروری بڑی بڑی سہولتیں فراہم کی گئیں، نیز مرکزی حکومت نے بھی پرائیویٹ سیکٹر کو بہت ساری مراعات دیں اور اس نظام کو مخلوط معیشت کا نام دیا۔ لیکن اس نام نہاد مخلوط معیشت کو غربت کو دور کرنے میں مکمل ناکامی حاصل ہوئی اور اس کی جگہ معاشی اقتدار چند لوگوں کے ہاتھوں اکٹھا ہو گیا۔

ہزاری کمیشن، اجارہ داری انکوائری کمیشن اور صنعتی لائسنسنگ پالیسی کمیٹی کی رپورٹیں مظہر ہیں کہ سنہ ۱۹۵۱ء (اس سال سے پہلا پنجسالہ منصوبہ شروع کیا گیا تھا) اور سنہ ۷۶-۱۹۷۵ء کے درمیان ہندوستان کے امیر ترین بزنس گروپ یا کاروباری گھرانے کے اثاثہ ۸۴۶ کروڑ روپے سے بڑھ کر ۵۱۱ کروڑ روپے ہو گئے، دوسرے الفاظ میں سنہ ۶۳ء اور سنہ ۷۱ء کے درمیان ان کے اثاثہ میں ۳۶۲-۱۰ فی صد کا اضافہ ہوا۔ پھر ان بیس گھرانوں کے مجموعی اثاثے کے تین چوتھائی اثاثے تو ان میں سے دس اور بھی امیر ترین گھرانوں کے پاس ہیں اور ان دس گھرانوں کے اثاثے کا نصف کے اور مذکورہ بیس گھرانوں کے اثاثے کا ۴۰ فی صد حصہ کے ٹاٹا اور برلا گھرانے مالک ہیں۔ ان دونوں گھرانوں کے اثاثہ کم و بیش برابر ہیں۔ مٹھی بھر لوگوں کے ہاتھ اتنی زیادہ دولت اور معاشی اقتدار کے اکٹھا ہو جانے سے نہ صرف مختلف طبقوں کے درمیان بلکہ مختلف علاقوں کے درمیان معاشی عدم توازن پیدا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ پنجسالہ منصوبہ بندی میں شدید غلطی اور منصوبہ بند اغراض و مقاصد کی تکمیل میں ناکامی سے ہمارے قومی اثاثے کے ڈھانچہ میں شگاف نمودار ہو گیا۔ بجلی، کوئلہ، اسٹیل، سمنٹ، مالیات، تعلیم نقل و حمل اور دیگر شعبوں، جو ہمارے قومی اثاثہ ہیں، میں مکمل ابتری پھیلی ہوئی ہے۔ اگر ایسا کہا جائے کہ بڑی بڑی سہولتوں کی فراہمی کے سوال پر مرکزی حکومت کے رویہ کو نظر انداز کر کے ایک ریاستی حکومت کسی بھی مذکورہ شعبوں میں حسب خواہ کامیابی حاصل کر سکتی ہے، تو یہ غلط ہوگا۔ آخر میں ہم اپنے قارئین کی توجہ مجوزہ پنجسالہ منصوبہ سنہ ۸۳-۱۹۷۸ء کے فراہم کردہ عام لیکن نہایت ہی تکلیف دہ اعداد و شمار کی طرف مبذول کرانا چاہتے ہیں۔

ان اعداد و شمار کے مطابق ہندوستان کے شہری علاقوں میں ۴۱ فی صد اور دیہی علاقوں میں ۴۸ فی صد لوگ یعنی کل ۲۹ کروڑ لوگ غربت کی سطح سے بھی نیچی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ نیز غربت کی سطح کی یوں تعریف کی گئی ہے کہ سنہ ۶۱-۱۹۶۰ء کی قیمتوں کی سطح پر فی کس ۲۰ روپئے ماہانہ آمدنی کو غربت کی سطح کہا جاتا ہے۔ چنانچہ اگر حکمراں پارٹی ملک کے کل سماجی، معاشی طریقہ کار پر از سر نو غور نہ کرے تو ترقی، سماجی انصاف، علاقائی عصبیت اور جنگجویانہ وطن پرستی کے رجحانات سے مقابلہ کرنے کی باتیں صرف خالی نعرے بن کر رہ جائیں گی۔ جب تک کہ حکمراں طبقہ اپنے موجودہ رویہ میں تبدیلی نہیں لائے گا اس وقت تک غربت کے مارے لاکھوں لاکھ لوگوں کی معاشی آزادی خواب ہی بن کر رہ جائیگی اور وقت کے ساتھ ساتھ ان کی سیاسی آزادی کو بھی خدشہ لاحق ہو جائے گا۔

بقیہ:- صـ ۱۱ کا

کی ترقی کی رفتار کو سست بنا دیتی ہے اور روزگار پیدا کرنے کے امکانات پر بری طرح اثر انداز ہوتی ہے۔

بین الاقوامی مالیاتی فنڈ اور عالمی بنک کی طرف سے بھی درآمدات کے سلسلہ میں فراخدلی عام پالیسی کو اپنانے پر زور دیا جاتا ہے۔ اب یہی بات ملک کی رہنمائی کر رہی ہے اور بین الاقوامی مالیاتی فنڈ سے کثیر رقم قرض لیکر اسے خودکشی کرنے کے راستہ پر گامزن کر رہی ہے۔ اس کی وجہ سے یہ ملک ہمیشہ زرمبادلہ کے توازن سے دوچار رہے گا اور آئی ایم ایف کو اپنے طرز کی معاشی ڈسپلن نافذ کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔ اس ڈسپلن کا پہلا نشانہ کام کے بدلہ اناج پروگرام اور عوامی نظام تقسیم ہوگا، اور ہمارے ملک کے غریبوں کو ان دونوں کی وجہ سے کچھ سہولتیں فراہم ہوتی ہیں۔ اس کی وجہ سے ہم غیر ملکوں سے کاروباری قرض لینے کے سلسلے میں آزادانہ طور پر گفت و شنید نہیں کر سکتے۔ یہاں ہم اس بات پر زور دینا چاہتے ہیں کہ چند نیم ترقی یافتہ ملکوں نے آئی ایم ایف سے حال ہی میں کثیر رقوم بطور قرض لیں، لیکن اس کے ساتھ ہی انھیں اپنی معاشی خودمختاری سے دستبردار ہونا پڑا۔ ہم یہ نہیں چاہتے کہ ہندوستان اس راستہ پر گامزن ہو



مغربی بنگال کے ہینڈلوم کے کپڑے اور دستکار



MAGHREBI BENGAL
1st SEPTEMBER

Regd. No. WB/CC-62
Vol. 28 No. [illegible]
PRICE [illegible] Paise



مدراس میں مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کی چوتھی سالگرہ کے سلسلے میں
منعقدہ تقریب میں مسٹری ارنگورائیگم، وزیر تعلیم تامل ناڈو افتتاحی تقریر کر رہے ہیں۔



مدراس میں مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کی چوتھی سالگرہ کے سلسلہ میں منعقدہ
نمائش کا ایک منظر۔



مغربی بنگال

وقت کی اہم ضرورت

۱۵ ستمبر ۱۹۸۱ء

اتحاد اور یکجہتی

A-151
1.12.81



صدیوں سے ہو تم لوگ اہنسا کے پجاری
اس بات سے شہرت ہے زمانے میں تمہاری
تم نے ہی کبھی کاکلِ الفت ہی سنواری
جب وقت پڑا دیش پہ تو جان بھی ہاری
اب سلسلۂ دار و رسن بھول گئے ہو
اقدارِ وفا رسمِ کہن بھول گئے ہو
تفریق کے دھارے میں کبھی ہم نہ بہیں گے
دشمن کا ہر اک وار سبھی مل کے سہیں گے
ہر دور میں ہر حال میں یہ بات کہیں گے
"ہم ایک ہیں" ہم ایک ہیں، ہم ایک رہیں گے
اس دور میں لیکن یہ بچن بھول گئے ہو
اقدارِ وفا رسمِ کہن بھول گئے ہو

—— شکیل احمد عاصم بریلوی



آ غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں
بچھڑوں کو پھر ملا دیں، نقشِ دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی
آ، اک نیا شوالہ اس دیش میں بنا دیں
دُنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ
دامانِ آسماں سے اُس کا کلس ملا دیں
ہر صبح اُٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے
سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں
شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

—— علامہ اقبال

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

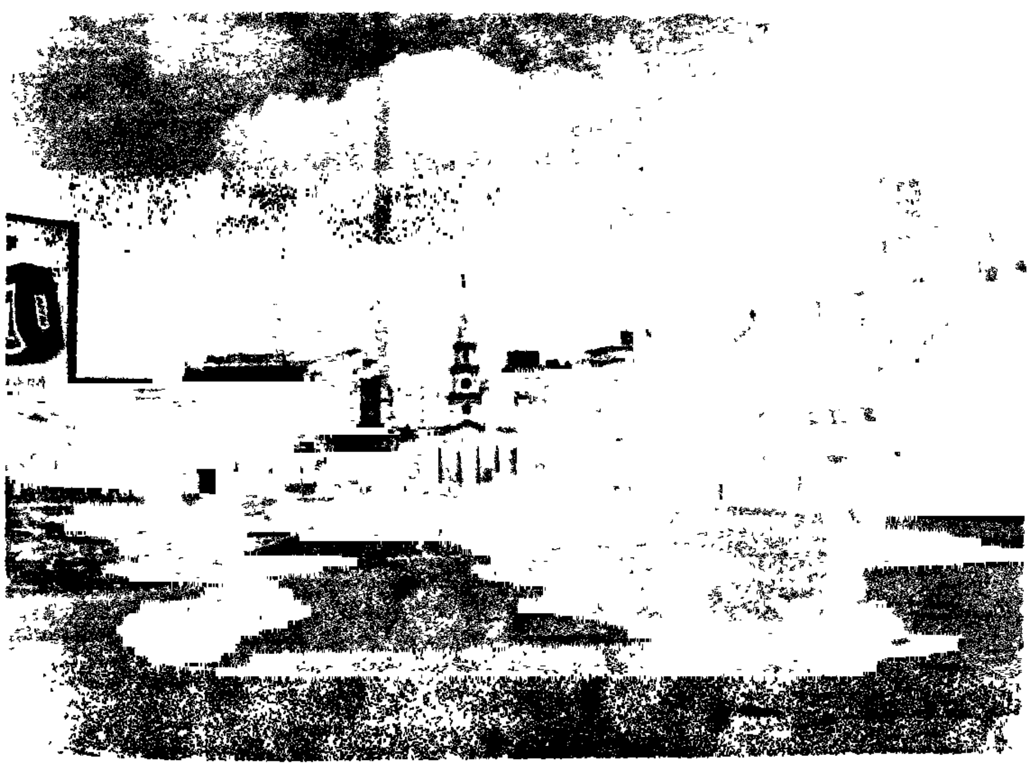
جلد نمبر ۲۸

۱۵ ستمبر ۱۹۸۱ء

شمارہ نمبر ۱۸



۱۱ ستمبر ۱۹۸۱ء کو بنگلہ بند کے دن شہر کلکتہ کے دو علاقے (اوپر) بی۔بی۔ڈی باغ (سابق ڈلہوزی اسکوئیر اور (نیچے) جواہر لال نہرو روڈ (سابق چورنگی روڈ)



شرح خریداری:۔
سالانہ - ۳۰ روپیے
قیمت
۱۲ پیسے فی پرچہ

مدیر اعلیٰ:۔
ایس۔ کے۔ سین گپتا
مدیر معاون
محمد اعظم

شری بھیرو دت پانڈے

مغربی بنگال کے نئے گورنر

شری بھیرو دت پانڈے نے ۱۱ ستمبر ۸۱ء کی سہ پہر کو راج بھون ہال میں مغربی بنگال کے نئے گورنر کی حیثیت سے حلف لیا۔ حلف دلانے کی رسم کلکتہ ہائی کورٹ کے چیف جسٹس شری شمبھو چرن گھوش نے انجام دی۔

اس موقعہ پر وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اور ان کی کابینہ کے دیگر وزراء، ہائی کورٹ کے جج، مغربی بنگال اسمبلی کے اسپیکر اور ڈپٹی اسپیکر اور دیگر معزز حضرات موجود تھے۔

شری بھیرو دت پانڈے ۱۷ مارچ ۱۹۱۷ء کو پیدا ہوئے۔ انھوں نے الہ آباد یونیورسٹی سے بی ایس سی اور کیمبرج سے بی۔ اے پاس کیا۔

انھوں نے ۱۹۳۸ء میں انڈین سول سروس (آئی سی ایس) میں کامیابی حاصل کی۔ انھیں سب سے پہلے بہار میں آئی سی ایس کے عہدہ پر فائز کیا گیا۔ اس ریاست میں انھوں نے ۲۱ سال تک گرانقدر خدمات انجام دیں۔ بعد میں وہ مرکزی وزارت اجتماعی ترقیات اور تعاون کے، پھر مرکزی وزارت دفاعی رابطہ اور سپلائی کے جوئنٹ سکریٹری بنے۔

شری پانڈے نے مرکزی وزارت مالیات میں اڈیشنل سکریٹری کے فرائض بھی انجام دیئے۔ اس کے بعد کچھ عرصہ کے لئے وہ مرکزی بورڈ آف ریونیو اور سونا کنٹرول انتظامیہ کے چیئرمین بھی رہے۔

نیز کچھ عرصہ کے لئے شری پانڈے لائف انشورنس کارپوریشن آف انڈیا کی ذمہ داری سنبھالی اسکے بعد ۱۹۶۷ء وہ بہار میں کمشنر، جنرل مع چیف سکریٹری کے عہدہ پر فائز ہوئے۔ پھر اس کے بعد یہاں سے وہ مرکز میں منصوبہ بندی کمیشن کے سکریٹری، بعد میں مرکزی شعبہ بھاری انجینئرنگ اور شعبہ ترقیات کے سکریٹری بنے اسکے بعد انھوں نے مالیات سکریٹری، کابینہ سکریٹری اور منصوبہ بندی کمیشن کے پرنسپل سکریٹری کے فرائض انجام دئے۔ وہ ریلوے اصلاحات کمیٹی کے چیئرمین بھی تھے۔

۱۲ ستمبر کی شام کو ٹیلی ویژن سے اپنے ایک نشریہ میں انھوں نے کہا کہ ان کی بیوی اور وہ خود اس ریاست کے آرٹ اور ادب کے بڑے مداح ہیں اور موسیقی، عمرانیات اور سائنس میں اس ریاست کے عظیم حصہ کو کافی سراہتے ہیں۔

انھوں نے مزید کہا کہ وہ مغربی بنگال کے تمام طبقوں کے لوگوں کے تعاون کے متمنی ہیں اور یہ کہ مغربی بنگال کے گورنر ہونے کی حیثیت سے وہ لازمی طور پر اس بات کا خیال رکھیں گے کہ یہ ریاست گوناگوں ترقی کرے۔

مغربی بنگال کے سابق گورنر شری ٹی۔ این سنگھ کو الوداع

مغربی بنگال کے سابق گورنر شری ٹی۔ این سنگھ ۱۲ ستمبر ۸۱ء کی رات کو کالکا میل سے اپنے وطن وارانسی کے لئے روانہ ہوگئے۔ اس موقع پر ہوڑہ اسٹیشن میں انھیں الوداع کہنے کے لئے کافی لوگ آئے تھے۔ لوگوں نے انھیں اور ان کی اہلیہ محترمہ کو پھولوں کے ہار پیش کئے۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، ان کی کابینہ کے رفقار کار، بائیں محاذ کمیٹی کے چیئرمین شری پرمود داس گپتا، مغربی بنگال کے چیف سکریٹری، انسپکٹر جنرل آف پولس، اور دیگر افسران بھی شری ٹی این سنگھ کو الوداع کہنے کے لئے ہوڑہ اسٹیشن آئے تھے۔ سابق گورنر شری سنگھ نے اپنے الوداعی پیغام میں کہا، "میں نے مغربی بنگال سے پیار کیا ہے اور اس کے بدلہ مجھے مغربی بنگال اور اس کے لوگوں کا پیار ہی پیار ملا۔ میں اس خوشگوار یاد کو ہمیشہ اپنے دل میں رکھوں گا۔"

انھوں نے مزید کہا، "میں نے اپنی زندگی کے بہترین سال مغربی بنگال میں گذارے" سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس ریاست کو شرنارتھیوں کی آبادکاری اور غربت جیسے شدید مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔ لیکن انھیں امید ہے کہ ان مسائل کا حل بہت جلد تلاش کر لیا جائے گا۔

اختتام میں انھوں نے کہا "ہندستان کی آزادی کی جدوجہد میں اس ریاست نے راہ دکھائی تھی" اور ایک بار پھر یہی ریاست اس ملک کے لئے مشعل راہ ثابت ہوگی۔"

از۔ ڈاکٹر اشوک مترا

طبقوں میں بٹے سماج میں اجرتیں

اکثر و بیشتر اس بات کا ذکر کیا جاتا ہے کہ قومی اجرت پالیسی سے کیا مراد ہے۔ قومی اجرت پالیسی کی تعریف کرنے سے قبل یہ فرض کر لیا جاتا ہے کہ قوم کے اندر ایک قسم کی یکسانیت ہے اور یہ کہ قوم نے بہت ہی غور و خوض کرنے کے بعد اپنے محنت کش طبقہ کو اجرت دینے کے لئے ایک ہم آہنگ پالیسی کو اپنایا ہے لیکن کیا ہمارے ملک میں اس وقت اس قسم کی قیاس آرائی کے لئے کوئی بنیادی شرط بھی موجود ہے؟ قوم تو مختلف جماعتوں اور طبقوں میں بٹی ہوتی ہے اور ان کے مفادات ایک دوسرے کو قطع کرتے ہیں۔ اگر ایسا کرنا ممکن ہے کہ ہمارے تمام سماجی اور معاشی اغراض و مقاصد کی جن کی بابت تمام طبقوں نے کم و بیش اپنی رضامندی کا اظہار کیا ہے، ایک فہرست تیار کی جائے تو اس قسم کی کوشش کرنے کا جواز پیدا ہو سکتا ہے کہ ان مقاصد کو قومی اجرت پالیسی سے منسلک کر دیا جائے۔ لیکن کیا ایک اجارہ دار صنعت کار کے جس کے مفادات کثیر قومی کارپوریشن کے مفادات سے منسلک ہیں، اور ایک جد و جہد کرنے والے صنعتی مزدور جسے حال ہی میں کام سے بٹھا دیا گیا ہے، کے اغراض و مقاصد ایک جیسے ہوں گے؟ کیا ایک بڑے زمیندار کی جو تمنائیں ہیں اور جو نصب العین ہے وہی تمنا اور نصب العین ایک بے زمین زرعی مزدور کے بھی ہوں گے؟ کیا کاروبار کرنے کے ایک اکزیکیوٹیو افسر نے جس نے خوش آئند مستقبل کو اپنے پیش نظر رکھا ہے، بیروزگار لوگوں کی صف میں داخل ہونے کی کوشش کرنے والے گاؤں کے ایک سیدھے سادے نوجوان کا بھی وہی نصب العین ہوگا۔ کیا ناجائز طور پر فائدہ اٹھانے والے تاجر یا کاروباری کی کبھی بھی یہ خواہش ہوگی کہ ایک متوسط طبقہ کی پریشان حال خاتون خانہ کا یہ خواب کہ اس کے بھی دن پھر جائیں گے، شرمندہ تعبیر ہو!

ہمارا سماج طبقوں میں بٹا ہوا ہے۔ یہاں محنت کشوں کی جماعت تاجروں سے نبرد آزما ہیں۔ اس بات کو قطع نظر کرتے ہوئے یہاں اس بات کا دعویٰ بھی نہیں کیا جا سکتا کہ حکومت ان تضادوں اور تنازعات کا جو مختلف طبقوں اور جماعتوں کے درمیان پیدا ہوتے ہیں، تصفیہ کرے گی اور اس سلسلہ میں ایک ثالث اور جج کے فرائض انجام دے گی۔ کسی بھی وقت، طبقوں پر منقسم سماج میں حکومت طبقاتی طاقتوں کی ایک خاص جماعت کے مفادات کی نمائندگی کرتی ہے۔ یہ بڑے زمینداروں اور امیر کسانوں کے مفادات کی نمائندگی کر سکتی ہے۔ یا یہ صنعتی بورژوازی کے مفادات کی نمائندگی کر سکتی ہے اور ایک مختلف نظام سیاست میں یہ متوسط اور محنت کش طبقوں کی بھی نمائندگی کر سکتی ہے۔ ہم اس صورت حال کا بھی تصور کر سکتے ہیں جہاں مجموعی طور پر بڑے زمینداروں، بڑے تاجروں اور بڑے صنعت کاروں پر مشتمل تاجر طبقے باہمی سمجھوتہ کے ذریعہ آپس میں گٹھ جوڑ کرتے ہیں اور ریاستی اقتدار کی باگ ڈور سنبھالنے میں شرکت کرتے ہیں۔ لیکن اکثر سے بیشتر ایسے سمجھوتہ کی بنیادی باتیں یہ ہوتی ہیں کہ درمیانی اور محنت کش طبقوں کو ان کے جائز حقوق سے محروم کر دیا جائے اور اس مقصد کی تکمیل کے لئے سرکاری مشینری کو استعمال میں لایا جائے۔ اس قسم کی حکومت یقیناً ایک غیر جانبدار ثالث کا کردار ادا نہیں کر سکتی، بلکہ یہ ان طبقوں کے، جن کی یہ نمائندگی کرتی ہے، الگ الگ یا مشترکہ طور پر مفاد کو آگے بڑھانے کے لئے فعال طریقہ سے سرکاری اختیارات کو استعمال کرے گی۔

ان باتوں کے پیش نظر قومی اجرت پالیسی کا تصور تو سراب بن جاتا ہے۔ چونکہ اجرت پالیسی کو حکومت ہی بروئے عمل لاتی ہے اس لئے حکمران طبقوں اور جماعتوں کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ اجرت پالیسی کو اس طرز پر ڈھالا جائے کہ اس سے خود ان کے مفاد کو فائدہ پہونچے۔ چنانچہ ایسی حکومت جو بھی اجرت پالیسی مرتب کرے گی وہ ان جماعتوں اور طبقوں کے مفادات کی عکاسی کرے گی اور اس طرح ایسی پالیسی دیگر جماعتوں اور طبقوں کے مفادات کے خلاف ہوگی۔ یہ تمام باتیں دکھاوا اور نمائشی ہیں لیکن تصنع اور حیلہ سازی کے اس دور میں وقتاً فوقتاً دکھاوے کی ان باتوں کی بھی وضاحت کرنا ضروری ہے۔

اس بات کو اور بھی واضح طور پر یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ موجودہ ہندوستانی نظام سیاست میں مرکزی حکومت کو بہت زیادہ اختیارات حاصل ہیں اور یہ بھی حقیقت ہے کہ یہ حکومت شہری اور دیہی لیڈروں کی نمائندگی کرتی ہے۔ چنانچہ اس حکومت کی مرتب کردہ قومی اجرتی پالیسی لیڈروں اور ان کی جماعتوں کے مفادات کی ہمت افزائی کریگی۔ اس قسم کی پالیسی لازمی طور پر محنت کشوں کے مفادات کے خلاف ہوگی۔ اس میں اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا جائے گا کہ محنت کش طبقہ کی بڑی اکثریت کی حقیقی اجرت میں اضافہ نہ ہو اور یہ پالیسی اس بات کی کوشش کریگی کہ قومی آمدنی میں نفع، حصص پر نفع اور کرایہ میں اضافہ ہو، ساتھ ہی اجرتوں کا حصہ کم سے کم تر ہوتا جائے جب سہ فریقی میٹنگوں میں آجروں اور مالکوں اور دیگر امیر و کبیر لوگوں کی قومی اجرتی پالیسی کے مجوزہ ڈھانچہ پر بحث و مباحثہ کرنے کے لئے میٹنگیں ہوتی ہیں، تو ان کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ کسی نہ کسی طرح چکنی چپڑی باتوں سے دھوکہ دیکر مزدوروں کے نمائندوں کو اس جال میں پھانس لیا جائے کہ وہ اپنے معیار زندگی میں بتدریج یا تیزی سے انحطاط پر راضی ہو جائیں۔ اور جب باتیں ناکام ہوتی ہیں تو اس وقت فولادی پنجہ دکھایا جاتا ہے۔ اس کی ایک ابتدائی مثال وہ آمرانہ آرڈیننس ہے جس نے ہڑتالوں پر پابندی عائد کردی ہے۔

کبھی کبھی اس بات کو موضوع بحث بنا لیا جاتا ہے کہ اکثر منظم محنت کش طبقہ کے مطالبات اتنے زیادہ ہوتے ہیں کہ اگر ان کی تمام باتوں کو تسلیم کر لیا جائے تو اس اقدام کا نتیجہ یہ ہوگا کہ سرمایہ کاری کے لئے فنڈ کی کمی ہو جائے گی اور اس طرح معیشت میں روزگار کے مواقع میں مزید کمی ہوگی۔ اس قسم کے رویہ سے خود محنت کش طبقہ کے طویل مدتی مفادات کو نقصان پہونچے گا۔ اسی طرح منظم صنعتی اور کاروباری سیکٹر اور غیر منظم دیہی سیکٹر میں اجرتوں کی سطحوں میں فرق کی طرف بھی توجہ مبذول کرائی جاتی ہے۔ ان تمام باتوں سے پوشیدہ طور پر ایک اخلاقی سبق دینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ منظم مزدور کو شرم آنی چاہئے کہ وہ تو خود اپنے لئے عیش کا سامان مہیا کرتا ہے، جبکہ غیر منظم مزدوروں کی بڑی اکثریت ناگفتہ بہ حالت میں زندگی گذارتی ہے۔ الغرض ان باتوں کے پیش نظر یہ کہا جاتا ہے کہ ایسے حالات میں برسر اقتدار حکومت کا قوم کی فلاح و بہبود کے لحاظ سے یہ فرض ہے کہ وہ اجرتوں کا ایک ایسا ڈھانچہ مرتب کرے جس سے سب سے پہلے سرمایہ کاری کے لئے فنڈ میں انتہائی حد تک اضافہ ہو اور اس کی وجہ سے روزگار کے مواقع اور آمدنی میں بھی اضافہ ہوگا اور [illegible]

بطور یہ کہ اس میں اس بات کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ دیہی مزدوروں کے مقابلے میں شہری منظم مزدوروں کے معیار زندگی غیر متناسب طور پر اعلیٰ نہ ہو۔

ایسے دلائل کو آسانی سے رد کیا جا سکتا ہے۔ اکثر اس بات کو فراموش کر دیا جاتا ہے کہ منظم محنت کش طبقہ کے ممبران اپنی آمدنی کا زیادہ حصہ دیہاتوں میں اپنے رشتہ داروں کو بھیجتے ہیں۔ اس بات کے پیش نظر ان کی اجرتوں سے بہت سارے لوگوں کو فائدہ پہونچتا ہے۔ اس معنے میں نسبتاً اعلیٰ اجرتیں جو وہ کماتے ہیں ایک سماجی فنڈ کے طور پر کام آتی ہیں اور ان سے بے روزگار اور نیم بے روزگار گذر بسر کرتے ہیں۔ بسر اوقات کے لئے ایسے ذرائع نہ ہی حکومت فراہم کرتی ہے اور نہ آجرین۔ آزادی کے بعد سے ہندوستانی محنت کش طبقہ کو یہی تجربہ حاصل ہوا ہے کہ مزدوروں کو واجب ادائیگی سے محروم رکھ کر جو وسائل حکومت کو فراہم کئے جاتے ہیں، انھیں عام طور پر قومی پیداوار کے مقاصد کے لئے استعمال میں نہیں لایا جاتا۔ بلکہ ان سے امیر صنعت کاروں، امیر تاجروں اور بڑے زمینداروں کو صنعتی امداد فراہم کی جاتی ہے یا انھیں اس طرح خرچ کیا جاتا ہے جس سے ملک میں روزگار کے بہت ہی کم نئے مواقع پیدا ہوتے ہیں۔ اس طرح مزدوروں کو محروم رکھ کر پرائیویٹ آجرین بچت کی صورت میں جو رقوم حاصل کرتے ہیں وہ مزید پیداواری سرمایہ پیدا کرنے میں معاون اور ثمر آور ثابت نہیں ہوتیں۔ بلکہ وہ تو فرم کے افسروں اور مالکوں کے عیش و آرام کے لئے ضروری سہولتیں فراہم کرنے اور خیالی سرمایہ کاری کی شکل میں غائب ہو جاتی ہیں۔

بے روزگاروں اور نیم بے روزگاروں کو محروم رکھ کر منظم مزدوروں کی بعض جماعتوں کو اعلیٰ اجرتیں دینے کا تصور بالکل غلط ہے۔ اس طرح اس سے متعلقہ نام نہاد جالیاتی دلیل کہ ، کہ بعض مزدور تو اعلیٰ اجرتوں کا مطالبہ کرے جبکہ ان کے بھائی بہنوں کی بڑی اکثریت کا کوئی ذریعہ معاش نہیں ہے یا ان کی اجرتیں بہت ہی کم ہیں، بھی نہایت ہی سطحی ہے۔ جو بے روزگار یا نیم بے روزگار ہیں تو انھیں اکثر ان لوگوں کی آمدنی پر انحصار کرنا پڑتا ہے جو برسر روزگار رہیں۔ جو حضرات اس جالیاتی مسئلہ کو اٹھاتے ہیں وہ بذات خود اپنے لئے ایسے معیار زندگی کو اپنانے کی بابت پرچار کرتے ہیں ، جسے بیان نہیں کیا جا سکتا۔

چنانچہ کیا اجرتوں کی ادائیگی کے معاملہ میں مصالحت کی کسی قسم کی گنجائش نہیں ہے؟ ہاں مصالحت ہو سکتی ہے اور صرف ایسے حالات میں جہاں

سب مزدور اپنے اور مجموعی مفادات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ، صلح کرنے کا فیصلہ کرے ۔ یہ معاملہ حکمت عملی کا ہے ۔ ایک ملک میں جہاں سماجی اور معاشی ترقی کی شرحوں میں کافی نابرابری ہے ، سماج کے محروم ترجیہ طبقہ میں بیداری کی سطح کی عملی صورت محنت کش طبقہ کی تحریک کی طاقت ہوتی ہے ۔ یہ بیداری سارے ملک میں تیزی سے یا پہلے سے تعین کردہ رفتار سے بڑھ نہیں سکتی ۔ اس حکمت عملی کے نقطہ نظر سے مزدوروں کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ ایک خاص علاقہ میں یا ایک خاص صنعت میں ایک خاص مدت کے لئے اجرتوں کے ایک خاص ڈھانچہ کو تسلیم کریں ۔ ایسا نہ کرنے کے معنیٰ یہ ہوں گے کہ انھیں فوری طور پر حکومت سے یا آجروں سے یا ایک ساتھ دونوں سے نبرد آزما ہونا پڑے گا ساتھ ہی انھیں فائدہ حاصل کرنے کی جگہ زیادہ نقصان برداشت کرنے کا خطرہ مول لینا پڑے گا اس طرح ایک قدم پیچھے دو قدم آگے کی حکمت عملی کی کلاسیکی مثال پیش کرتا ہے ۔ اور اگر اس حکمت عملی سے مراد یہ ہے کہ کچھ عرصہ کے لئے نام نہاد قومی اجرت پالیسی کو اپنایا جائے تو ایسا ہونے دیا جائے اور ایسا ہو کر ہی رہیگا ۔ لیکن اندرونی حقیقت قطعی مختلف ہوگی ۔ طبقاتی جنگ میں باہمی سمجھوتہ کے ذریعہ جنگ بندی اور صلح تو عارضی نوعیت کے ہوتے ہیں ۔

صنعتوں سے متعلق کمیٹی کے نئے ممبران

حکومت مغربی بنگال نے حسب ذیل چار اشخاص کو ضلع صنعت سنٹر اسکیم کی ریاستی رابطہ کمیٹی کا ممبر مقرر کیا ہے ۔ (۱) ہندوستان کے مشرقی علاقہ کی چھوٹی صنعتوں کی انجمنوں کے فیڈریشن کا ایک نمائندہ (۲) گھریلو اور چھوٹی صنعتوں کی انجمنوں کی فیڈریشن کا ایک نمائندہ (۳) چھوٹی اور درمیانی صنعتوں کی انجمنوں کی فیڈریشن کا ایک نمائندہ (۴) نوجوانوں صنعت کاروں کے قومی اشتراک کا ایک نمائندہ ۔

خون کا عطیہ کیمپ

سینٹ جان ایمبولنس ایسوسی ایشن بانکوڑا نے ۱۶ ستمبر ۸۱ء کو بیلی ٹمہ اچھلہ بانکوڑا میں خون کے عطیے کے لئے ایک کیمپ لگایا ۔ اس کیمپ میں ۲۰ افراد نے ۶۰۰۰ سی سی ۔ خون بطور عطیہ دیا ۔

چھ ڈائرکٹروں کی دوبارہ تقرری

حکومت مغربی بنگال نے مغربی بنگال غروری اشیاء سپلائی کارپوریشن لمیٹڈ کے لئے ۱۲ ستمبر ۸۱ء سے دو سال کی مدت کے لئے واسطے حسب ذیل چھ ذیل چھ ڈائرکٹروں کی دوبارہ تقرری کی ہے ۔

(۱) شری سدھیر کمار ۔ وزیر انچارج محکمہ غذا و رسد (۲) شری اجے کے وہلی ، سکریٹری ، محکمہ غذا و رسد (۳) پروفیسر ایس ، مکھرجی ، محکمہ فوڈ ٹیکنولوجی جادو پور یونیورسٹی (۴) شری درگا پرشاد چکرورتی (۵) شری ملن سین اور (۶) شری بی بھٹاچاریہ ۔ ڈپٹی سکریٹری محکمہ غذا و رسد ۔ ریاستی وزیر غذا شری سدھیر کمار ڈائرکٹروں کے بورڈ کے چیرمین ہوں گے ۔

نگہداشت مویشیان کی اسکیمیں

حکومت مغربی بنگال نے ضلع ہگلی میں مندرج فہرست قبائل کی فلاح کے لئے نگہداشت مویشیان کی اسکیموں پر عملدرآمد کے لئے ۹۶۵۰۰ روپیہ کے صرف کی منظوری ہے ۔ ان اسکیموں کے تحت گھریلو ڈیری کی ۳۰ اور بکریوں کی پرورش کی ۱۰۰ یونٹوں کے قیام کی تجویز ہے ۔

جنگلات کی زمین میں کھیتی کا پروجیکٹ

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ خواتین کی ترقی سے متعلق مطالباتی مرکز واقع بانکوڑا کے جنگلات کی زمین میں کھیتی کے پروجیکٹ پر عملدرآمد کے لئے ایک لاکھ روپیہ کے صرف کی منظوری دیدی ہے ۔ اس پروجیکٹ پر پہلا سمیتی عملدرآمد کرے گی ۔ یہ رقم مندرج فہرست اقوام کی فلاح کے پروجیکٹ افسر بانکوڑا کے زیر اختیار دیدی گئی ہے ۔

پوجا کی تعطیلات کی وجہ سے

مغربی بنگال کے یکم اکتوبر ۸۱ء کا شمارہ شائع نہیں کیا جائے گا ۔

ایڈیٹر

پسِ دیوارِ زنداں

علی سردار جعفری

پسِ دیوارِ زنداں کیا ہے
آنسو ہیں کہ تارے ہیں
بجھی مغموم آنکھیں ہیں
کہ انگارے دہکتے ہیں
تمناؤں کا سیلِ نغمہ ہے

یا جوشِ گریہ ہے
محافظ کچھ نہیں کہتے
مگر زنجیر کی آواز یہ مژدہ سناتی ہے
کہ حلقے ٹوٹ جائیں گے
بہ فیضِ عشق
سب آوارہ میکش لوٹ آئیں گے
اگرچہ جام و ساقی قید ہیں
اور محتسب تختِ عدالت پر
ریاکاروں کے حلقے میں
سیہ کاروں کے پہرے میں
مگر کب تک
کہ زنجیروں کی جھنکاروں کا نغمہ بڑھتا جاتا ہے
کہ زنداں کی دیواروں کا قامت گھٹتا جاتا ہے
صلیبوں پہ سہی، پیغمبروں کی حکمرانی ہے

ٹیٹا گڑھ شہری پروجکٹ

غریب بستی باشیوں کے لئے نئی زندگی کی ایک کرن

ٹیٹا گڑھ میں بچوں کی جامع اور گوناگوں ترقی خدمات اسکیموں کے تحت ٹیٹا گڑھ شہری پروجکٹ کو بروئے عمل لایا جا رہا ہے۔ ان اسکیموں کا مقصد یہ ہے کہ بستیوں میں رہنے والے غریب لوگوں اور ان کے بچوں کو روزمرہ کی زندگی کی ضرورتیں فراہم کی جائیں جن سے عام طور پر محروم رہتے ہیں، اور اس طرح ان کے معیار زندگی میں بہتری لائی جائے۔

ہمارے خصوصی نامہ نگار نے گذشتہ ۴ اگست کو ٹیٹا گڑھ کا دورہ کیا اور اس پروجکٹ کی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ ان کے ساتھ پروجکٹ افسر شری گوبر بھاوڑی میڈیکل افسر ڈاکٹر کے ڈی گھوش، ریاستی حکومت کے شعبہ ٹرانسپورٹ کے وزیر کے نمائندہ شری زمین منشی، ٹیٹا گڑھ حلقہ انتخاب کے ایم ایل اے اور دیگر اصحاب بھی تھے۔ ان لوگوں نے سب سے پہلے ٹیٹا گڑھ شہر کے ربند راپلی، جیبا پاڑہ، لکشمی گونج اور ایس۔ بی پاتھر کے علاقوں میں واقع کل چار آنگن باڑی مرکزوں کا معائنہ کیا۔ ہر مرکز میں بچوں نے خوشی و مسرت کے ساتھ ان کا استقبال کیا۔ یہ بچے بستی کے غریب خاندان کے تھے۔ چونکہ ٹیٹا گڑھ میں مزدوروں کی آبادی زیادہ ہے اسی لئے پروجکٹ حکام نے اس شہر کی بستیوں میں جہاں غریب مزدوروں کی آبادی ہے، بہت سارے آنگن باڑی مراکز کھولے۔ ان مرکزوں میں ایک نمایاں بات یہ نظر آئی کہ ان مرکزوں کے کارکنوں نے اپنی خدمات اور سرگرمیوں کے ذریعہ یہاں ایک نئی خوشگوار فضا پیدا کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ اب اس علاقے کے لوگ رضاکارانہ طور پر ان مرکزوں کے ورکروں کے ساتھ بھرپور تعاون کر رہے ہیں یہاں تک کہ مسلمان عورتیں بھی ان کے بہت سارے پروگراموں میں شرکت کر رہی ہیں۔

ٹیٹا گڑھ شہری پروجکٹ کے تحت ۱۰۰ آنگن باڑی مراکز ہیں۔ ہر مرکز میں امدادی قوت بخش غذا کی فراہمی، امراض سے محفوظ رکھنے کیلئے انجکشن دینے، طبی جانچ، خوراک اور صحت سے متعلق تعلیم، غیر رسمی تعلیم، بالغ عورتوں کے لئے روزمرہ کے کام کاج سے متعلق تعلیم وغیرہ کی سہولتیں فراہم ہیں۔ اس علاقہ میں کل ۱۰۰ آنگن باڑی مراکز ہیں جہاں صرف جون ۱۹۸۱ء میں ۶ سال تک کی عمر کے ۳،۴۴۲ بچوں اور ۳ تا ۶ سال کی عمر کے ۵،۷۵۷ بچوں، بچوں کو دودھ پلانے والی ۱۱۴۱ ماؤں اور ۹۵۱ حاملہ عورتوں کو مذکورہ خدمات فراہم کی گئیں۔

ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے شری بھاوڑی، پروجکٹ [illegible] نے بتایا "ہمارے وسائل بہت ہی محدود ہیں، تاہم ہم اس بات [illegible] کر رہے ہیں کہ ہمارے ہزاروں بچے اور مائیں جسمانی، ذہنی اور [illegible] سے ترقی کریں۔ شروع سے ہماری مسلسل کوششوں کا [illegible] یہ برآمد ہوا کہ ہمارے بالغوں کی تعلیم کے مرکزوں میں مسلمان عورتیں [illegible] ان مرکزوں کو ہم نے سلائی کی دس مشینیں دیں تاکہ ان عورتوں کو [illegible] حاصل کرنے سے دلچسپی نہیں ہے، پیشہ ورانہ تربیت دی جا سکے۔"

ڈاکٹر گھوش ان مرکزوں کی سماجی خدمات کو سراہتے ہوئے کہا "اس اسکیم کی کامیابی کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ یہ ڈاکٹروں کو مریضوں کے گھر بھیجتا ہے" انہوں نے کہا "شروع شروع میں مقامی لوگ تعاون کرنے سے گھبراتے تھے۔ وہ سب اپنے بچوں کو وزن کرانے کی یا اپنی عورتوں کو تعلیم حاصل کرنے یا خاندانی منصوبہ بندی کی تربیت حاصل کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے لیکن آہستہ آہستہ ان پر گرفت...

کی اہمیت کو وہ سمجھنے لگے اور اس کے بعد ان لوگوں نے ان پروگراموں کو کامیاب بنانے کے لئے بھرپور تعاون کرنا شروع کر دیا۔ "کس قسم کی ترقی نے آپ کو بہت زیادہ متاثر کیا" اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ڈاکٹر گھوش نے بتایا، "دو باتوں نے مجھے بے حد متاثر کیا۔ ایک تو کہ بچوں اور ماؤں کی تندرستی میں عام طور پر بہتری ہوئی اور دوسری یہ کہ چند عورتوں کی بیماریوں کا علاج کیا گیا جن کی وجہ سے وہ زندہ بچے جننے کے قابل ہو گئیں۔" نیز انھوں نے سوپر وائزروں، آنگن باڑی ورکروں اور معاونوں کی پر خلوص سماجی خدمات کی تعریف کرتے ہوئے ڈاکٹر گھوش نے کہا، "آنگن باڑی ورکر اور معاون رضاکار ہیں۔ آپ لوگوں کو معلوم ہی ہے کہ ہمارے وسائل محدود ہیں۔ آنگن باڑی ورکروں میں جو میٹرک پاس ہیں انھیں ۷۵ روپئے فی ماہ اور جو میٹرک پاس نہیں ہیں انھیں ۲۵ روپئے بطور مشاہرہ دیئے جاتے ہیں۔ نیز انھیں تعلیم بالغاں پروگرام میں مزید خدمات فراہم کرنے کے لئے الگ سے ۵۰ روپئے دیئے جاتے ہیں۔ مشاہرے میں اضافہ کے لئے وہ سب مطالبہ کرتے ہیں۔ ریاستی حکومت نے اس سلسلہ میں مرکزی حکومت کو لکھا ہے لیکن مرکز سے اب تک کوئی جواب موصول نہیں ہوا۔"

اس پروجکٹ کے لئے شری بارن بوس، ایس ڈی۔ او، ڈاکٹر ستیش رائے، اور شری دنیش منشی نے گرانقدر خدمات انجام دی ہیں۔ اس پروجکٹ کے سلسلہ میں اپنے تاثرات کا ذکر کرتے ہوئے شری منشی نے کہا کہ جب سنہ ۱۹۷۹ء میں اس پروجکٹ کو شروع کیا گیا تھا تو اس وقت بعض حلقوں کی طرف سے یہ مہم چلائی گئی تھی کہ یہ صرف ایک سیاسی پروپیگنڈا ہے۔ لیکن بہت ہی جلد مقامی لوگوں نے یہ محسوس کیا کہ یہ پروجکٹ تو ان لوگوں کے لئے ایک رحمت ہے۔ اس کی وجہ سے ان کے طرز زندگی میں بہت حد تک آسانی ہوئی۔ اس نے ان کے پرانے لغو رسم و رواج کو ترک کرنے میں مدد دی اور ان میں خود بیداری پیدا کی۔ ان لوگوں کی سمجھ میں اب یہ بات آ گئی کہ بہت ہی شدید پابندیوں کے باوجود بائیں محاذ حکومت پُر خلوص طریقہ سے ان کی فلاح و بہبود کے لئے کوشش کر رہی ہے۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انھوں نے مزید کہا "ہم لوگوں نے بہت سارے ثقافتی تقاریب کا انتظام کیا اور ان میں غریبوں کے بچوں نے حصہ لیا۔ اس سے قبل اس علاقہ میں ایسا کبھی نہیں ہوا تھا۔ ہم اسے کامیابی سمجھتے ہیں کہ ہم غریبوں اور ناداروں کے بچوں کو پیش پیش رکھا۔ سبھوں نے، جنھوں نے ان پروگراموں کو دیکھا، بچوں کی بڑی تعریفیں کیں۔

بقیہ:- باقی ص ۱۳ پر

خیال رکھا گیا ہے کہ یہاں دیہی غریبوں کی روزمرہ کی ضرورت کی چیزیں فروخت کی جائیں، ساتھ ہی ایسے زرعی آلات فروخت کئے جائیں جو مقامی وسائل سے تیار کئے گئے ہوں اور جنھیں غریب کاشتکار استعمال کرتے ہوں۔ ایسے بازار گرچہ پنچایتوں کے زیر انتظام ہیں تاہم یہ زرعی اور دیہی صنعتی ترقی کے درمیان مقامی طور پر توازن برقرار رکھنے میں معاون ثابت ہوتے ہیں۔

(۳) دشواریاں:-

یہ ہماری غلط فہمی ہوگی اگر ہم یہ تصور کر لیں کہ دیہی ترقی کے اس طریقۂ کار کی مفاد پرستوں کی طرف سے مخالفت نہیں ہوگی۔ مثال کے طور پر بے زمین زرعی مزدوروں کی اجرتوں کی شرحوں میں بہتری یقیناً مہاجنوں اور بڑے کسانوں کے مفاد کے خلاف ہوگی۔ اسی طرح پنچایتوں کے ذریعہ لازمی چیزوں کے کاروبار پر سماجی کنٹرول کی کامیابی درمیانی لوگوں اور بڑے کاروباریوں کے مفادات کے خلاف ہوگی۔

دیہی اور شہری علاقوں میں ان مفاد پرست جماعتوں کی طرف سے مخالفت ہو رہی ہے اور ہوگی۔ اگر اس نئے ترقیاتی طریقۂ کار کو دیگر ریاستوں کی طرح ریاست مغربی بنگال میں کامیابی سے ہمکنار ہونا ہے تو اسے اس مخالفت پر قابو پا کر کامیاب ہونا چاہیے۔

بائیں محاذ حکومت کی دیہی منصوبہ بندی کی اہمیت اس بات میں پوشیدہ ہے کہ یہ حکومت موجودہ سماجی۔ معاشی ڈھانچہ کی پابندیوں کے تحت رہتے ہوئے عام لوگوں کے فائدہ کیلئے جو کچھ کرنا ممکن ہے وہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ اب عام لوگوں کو بھی اپنی فلاح و بہبود کے لئے یہ سمجھنا چاہیے کہ ان دشواریوں اور پابندیوں کو دور ہٹا دینا چاہیے اور ترقی کی سرحد کو اور بھی آگے بڑھا دینا چاہیے۔ یہیں عوام کی منظم جد و جہد کو ایک تاریخی مگر اہم کردار ادا کرنا ہوگا۔

ختم شد

دوسری اور آخری قسط

از ۔ ڈاکٹر اشیم داس گپتا

مغربی بنگال میں دیہی ترقیاتی منصوبہ بندی

حکومت ہند کے منصوبہ بندی کمیشن کی پروگرام کا اندازہ لگانے والی تنظیم نے مختلف ریاستوں میں کام کے بدلہ اناج پروگرام کی کامیابی اور افادیت کا اندازہ لگانے کے لئے ۱۹۷۹ء ایک نمونہ جائزہ لیا تھا۔ اس جائزہ کی رپورٹ میں مغربی بنگال کو ان چند ریاستوں میں شمار کیا گیا جہاں کام کے بدلہ اناج پروگرام کو کامیابی کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہونچایا گیا تھا۔ مغربی بنگال کی صورت حال کا دیگر ریاستوں کی صورتحال سے مقابلہ کرتے ہوئے اس رپورٹ میں کہا گیا کہ مغربی بنگال کے منتخب اضلاع بردوان اور ندیا میں صورت حال کچھ مختلف تھی۔ یہاں ضلع حکام سے فنڈ کا الاٹمنٹ پانے کے بعد دیہی پنچایتوں نے دیہاتوں کے لئے اسکیمیں مرتب کرنے کے لئے جلسے منعقد کئے۔ ایسے جلسوں میں ترقیاتی کاموں کی ترجیحات کی بابت بھی فیصلہ کیا گیا۔" رپورٹ میں اس بات پر زور دیا گیا کہ ترقیاتی کام کاج میں پنچایتوں کی شمولیت سے مغربی بنگال میں منصوبہ بند پروجیکٹوں کی تکمیل میں بہتر ربط وضبط قائم ہو۔

شعبۂ ترقیات و منصوبہ بندی کی معاشی منصوبہ بندی شاخ کے جائزہ سے ریاستی سطح پر ان پروجیکٹوں کی تکمیل کی بابت ایک اور اہم بات معلوم ہوئی ہے اور وہ یہ کہ ان پروجیکٹوں کی تکمیل پر زیادہ مزدوروں کی ضرورت ہوئی ہے، تاہم حسب معمول اخراجات کے مقابلہ تعمیری اخراجات کم ہوتے ہیں۔ اس جائزہ میں اس بات کا بھی ذکر کیا گیا کہ کم خرچ کی وجہ یہ ہے کہ ان اسکیموں کی تکمیل کے کام کاج کی دیکھ بھال اور نگرانی کی ذمہ داری عام طور پر ٹھیکہ داروں کو نہیں دی گئی بلکہ ۷۰ فی صد کام مقامی لوگوں اور پنچایت ممبروں نے رضاکارانہ طور پر کئے۔

کام کے بدلہ اناج پروگرام اور دیہی کام پروگراموں کے سلسلہ میں کامیاب تجربات کے بعد پنچایتوں کو اصلاحات آراضی کے لئے شروع کرنے کے پیداوار کے اہم شعبہ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اصلاحات آراضی کے سلسلہ میں جیسا کہ قبل ذکر کیا جا چکا ہے، بائیں محاذ حکومت نے انتہائی حد سے زیادہ زمین کی بازیابی اور تقسیم پر خصوصی زور دیا۔ اس کے نتیجہ میں ان زمینوں کو جن پر ریاستی حکومت کو حق ملکیت حاصل ہو گیا ہے، اگست ۱۹۷۷ء اور دسمبر ۱۹۸۰ء کے درمیان فی ماہ اوسطاً ۳۰۰۰ ایکڑ کے حساب سے غریب کسانوں کے درمیان تقسیم کیا گیا اور دسمبر ۱۹۸۰ء تک اس طرح کی ۱۱ / ۱۲ لاکھ ایکڑ زمینیں تقسیم کی گئیں۔ ایسی زمینوں کی تقسیم کے کام کے سلسلہ میں پنچایت سمیتیوں کو بڑی ذمہ داری سونپی گئی کہ وہ اس بات کا پورا پورا خیال رکھیں کہ مذکورہ زمینیں بے زمین اور حاشیوں کسانوں کے درمیان تقسیم ہوں۔

اس مرحلہ پر سرکاری ملکیت کی زرعی زمینوں کی تقسیم کے کام کا جائزہ لینا سودمند ہوگا۔ ایک اندازہ کے مطابق ایسے دیہی خاندانوں کی جن کے پاس کوئی زمین نہیں ہے یا ایک ایکڑ سے بھی کم زمین ہے تعداد تقریباً ۳۰ لاکھ ہے۔ اگر ہر خاندان کو ایک ایکڑ زمین دی جائے تو اس کام کے لئے سرکاری ملکیت کی کم وبیش ۲۵ لاکھ ایکڑ زرعی زمین کی ضرورت ہوگی۔ اس مقصد کے پیش نظر فی الحال جتنی زمینوں پر حکومت کو حق ملکیت حاصل ہو گیا ہے اس کے لحاظ سے مذکورہ نصف خاندانوں کے درمیان زرعی زمینیں تقسیم کی جا سکتی ہیں، اور موجودہ ادارہ جاتی ڈھانچہ کی پابندیوں کے تحت ۵۰ فی صد کامیابی کو نمایاں کامیابی کہا جا سکتا ہے یہاں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ہندوستان میں مغربی بنگال ہی واحد ریاست ہے جہاں اتنی زیادہ فاضل زرعی زمینوں پر حکومت کو حق ملکیت حاصل ہوا۔ سارے ملک میں ۴۰ لاکھ ایکڑ سے کچھ زیادہ زرعی زمینوں کو فاضل قرار دیا گیا ہے، اس میں مغربی بنگال کا حصہ ۱۱ و ۱۲ لاکھ ہے یعنی تقریباً ۳۰ فی صد۔

ریاستی سطح پر اس بات کو محسوس کیا جاتا ہے کہ اگر قانون میں موجودہ خامیوں کو دور کر دیا جائے اور عام لوگوں کی شرکت کے اصول کو برقرار رکھا جائے تو مزید فاضل زمینوں کو سرکاری تحویل میں لینے کی گنجائش ہے۔ اہم قانونی خامیاں دیگر باتوں کے علاوہ بے نامی طور پر زمین رکھنے کو جائز قرار دینے اور انتہائی حد کی تعریف کرنے کے لئے متعلقہ زرعی سرگرمیوں

میں مختلف اقسام کی زمینوں کو شامل کرنے سے وابستہ ہیں۔ ان دونوں خامیوں کو نئے مغربی بنگال اصلاحات آراضی (دوسری ترمیم) بل کے ذریعہ دور کرنے کی کوشش کی گئی۔ اس بل کو حال ہی میں ریاستی اسمبلی نے پاس کیا۔ اگر اس بل کو صدر کی منظوری حاصل ہو گئی اور اسے مناسب طور پر بروئے کار لایا گیا، تو امید کی جاتی ہے، مزید ۱۰ لاکھ ایکڑ فاضل زرعی زمین پر حکومت کو حق ملکیت حاصل ہو سکتا ہے۔

اس کام کی تکمیل میں، عام لوگوں کی اور اس کام سے مستفید ہونے والوں کی شمولیت بہت ہی اہم ہے۔ مثال کے طور پر دیگر باتوں کے علاوہ، ان برگداروں کی، جن کے نام ریکارڈ میں درج ہیں، شہادتیں انتہائی حد سے زیادہ زمین کی کھوج میں معاون ثابت ہو سکتی ہیں۔ اسی وجہ سے آپریشن برگہ کے رائج کئے جانے کے بعد سے کاغذات آراضی میں نام درج کرانے کے کام کی رفتار میں کافی تیزی آگئی اور سنہ ۱۹۸۰ء میں روزانہ اوسطاً ۱۰۰۰ برگداروں کے نام درج کرلئے گئے۔ اس طرح سنہ ۱۹۷۷ء میں ۵ء۲ لاکھ برگداروں کے نام ریکارڈس میں درج تھے لیکن سنہ ۱۹۸۰ء کے آخر تک ۱۰ء۱۰ لاکھ برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کرائے گئے۔

بے گھر اور عام طور پر غریب ترین برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کرانے کی راہ میں ایک بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ انھیں ہر وقت یہ خطرہ لاحق رہتا ہے کہ اگر وہ اپنا نام درج کرائیں گے تو انھیں اس جگہ سے بے دخل کر دیا جائے گا جہاں وہ رہتے ہیں، کیونکہ ان کی جھونپڑیاں جوتداروں کے قطعات آراضی میں ہوتی ہیں۔ ان لوگوں اور دیگر بے گھروں کے مفادات کے تحفظ کے لئے ریاستی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ رہائشی قطعات کے سلسلہ میں ان کا نام بطور رعیت یا غیر زرعی کرایہ دار کے طور پر ریکارڈ میں درج کر دیا جائے۔ اس کے ساتھ ہی گرام پنچایتوں کو یہ ہدایت دی گئی کہ وہ مکانات تعمیر کرنے اور ان کی تجدید کاری کے لئے ان لوگوں کو مالی امداد فراہم کرے۔ اس اسکیم سے مستفید ہونے والے خاندانوں کی تعداد سنہ ۱۹۸۰ء میں ۴۴۴۰۰ تھی۔

اصلاحات آراضی کے ان اقدامات کے علاوہ دیہی غریبوں کے فائدہ کے لئے دیگر اقدامات بھی کئے گئے۔ غریب زرعی مزدوروں، برگداروں اور دیگر غریب کسانوں کو فی کس ۶۰ روپئے فی ماہ کے حساب سے ضعیفی پنشن دی جا رہی ہے۔ سیراب کردہ علاقوں میں ۴ ایکڑ تک اور غیر سیراب کردہ علاقوں میں ۶ ایکڑ تک زمین رکھنے والے خاندانوں کو لگان کی ادائیگی سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

اصلاحات آراضی اور دیگر فلاحی اقدامات کو صحیح معنوں میں موثر بنانے کے لئے یہ لازمی ہے کہ جیسا کہ قبل ذکر کیا جا چکا ہے، کہ سرکاری زمین پانے والوں، برگداروں اور دیگر غریب کسانوں کو زراعت کے لئے ضروری سازو سامان و سہولتیں اور ان کی پیداوار کو بازار میں فروخت کرنے کی سہولتیں فراہم کی جائیں۔

کم خرچ اور مقامی روزگار کے زیادہ مواقع پیدا کرنے کے پیش نظر کھیتی باڑی کے لئے زمین کے علاوہ دیگر ضروری ساز و سامان اور چیزوں کی فراہمی کے سلسلہ میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ ایسی ٹکنالاجی کا انتخاب کرنا چاہئے جس میں زیادہ تعداد میں مزدوروں کی ضرورت ہو اور جو مقامی وسائل پر مبنی ہو۔ اس لئے اس بات کے پیش نظر آبپاشی کی سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلہ میں کنووں، بانس کے ٹیوب ویلوں اور دیگر اقسام کی چھوٹی آبپاشی کے پروجیکٹوں پر زیادہ زور دیا گیا ہے۔ حاشیائی اور چھوٹے کسانوں کو ترجیح دی گئی ہے۔ اس بات کا خاص طور پر خیال رکھا گیا کہ کنویں اور بانس ٹیوب ویلوں سے غریب کسان ہی مستفید ہوں۔ جن پروجیکٹوں سے کنووں اور بانس ٹیوب ویلوں سے زیادہ علاقوں کو آبپاشی کی سہولتیں فراہم ہوں گی وہاں اس بات کا خیال رکھا جائے گا ان کا فائدہ اکثریت کی بنیاد پر غریبوں کے حق میں ہو۔ تنظیمی سطح پر ان مقامی اور چھوٹے آبپاشی پروجیکٹوں کی تکمیل کے سلسلہ میں ابتدائی ذمہ داری پنچایتوں کو بعض کیسوں میں بلاک سطح پر اور دیگر کیسوں میں انچل سطح پر۔ سونپی گئی۔ ان پروجیکٹوں کے ذریعہ گذشتہ چار سالوں میں سے ہر سال چھوٹے پیمانہ کی سہولتیں میں، جیسا کہ گوشوارہ ۵ سے ظاہر ہے، خاطر خواہ اضافہ کیا گیا۔

گوشوارہ نمبر ۵

مغربی بنگال میں چھوٹی آبپاشی کی سہولتیں

۱۹۷۶-۷۷ء	۱۹۷۷-۷۸ء	۱۹۷۸-۷۹ء	۱۹۷۹-۸۰ء	۱۹۸۰-۸۱ء
مزید سیراب کردہ اراضی (۰۰۰ ہزار ہیکٹار میں)	۸۰٫۰۰	۶۰٫۳	۸۹٫۰۰	۱۱۷٫۰۰

(ذریعہ۔ شعبہ زراعت، حکومت مغربی بنگال)

آبپاشی کی سہولتوں کے علاوہ نامیاتی کھاد، مقامی وسائل اور مزدوروں کے استعمال پر زیادہ زور دیا گیا۔ ساتھ ہی اسباب

کا بھی انتظام کیا گیا ہے کہ غریب کسانوں کو کاشتکاری کے لئے ادارہ جاتی قرض بھی ملے۔ کاشتکاری کے لئے چھوٹے اور حاشیائی کسانوں کو قرض [illegible] وہ ان برگداروں کو جن کے نام کاغذات آراضی میں درج ہیں [illegible] بجائے بینکوں سے قرض کی فراہمی کا بھی بندوبست کیا گیا ہے۔ یہ اسکیم سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں رائج کی گئی اور سنہ ۱۹۸۰ء کے آخر تک اس اسکیم سے ایک لاکھ سے زیادہ مذکورہ برگداروں کو فائدہ پہنچا۔

بازار میں پیداوار کی فروخت کے سلسلہ میں اس بات پر خصوصی توجہ دی گئی ہے کہ زرعی پیداوار کی مناسب قیمت غریب کسانوں کو ملے اور صارفین کیلئے بھی یہ قیمت مناسب ہو، ساتھ ہی کسانوں اور صارفین کے درمیانی لوگوں کو جہاں تک ممکن ہوسکے، دور رکھا جائے۔ اس بات کے پیش نظر بازار کے علاقوں کے سلسلہ میں ایک وسیع اسکیم شروع کی گئی ہے۔ شروع شروع میں سارے ریاست میں ۳۲ علاقے منتخب کئے گئے، جہاں گاؤں کو شہروں سے ملانے والی سڑکیں ہیں، اناج کو محفوظ رکھنے کے گودام ہیں۔ مزید برآں ان علاقوں میں باضابطہ بازار کمیٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ ان میں دیگر لوگوں کے علاوہ پنچایتوں کے نمائندے بھی ہیں اور ان لوگوں کو بازار میں زرعی پیداوار اور مصنوعات کی فروخت کے سلسلے میں تنظیمی ذمہ داری سونپ دی گئی ہے۔ سنہ ۱۹۸۰ء سال میں پہلی بار بازار کمیٹیوں کو دھان کی حصولیابی کی ذمہ داری سونپی گئی۔ اکتوبر سنہ ۸۰ء سے وسط جنوری ۸۱ء کے درمیان بازار کمیٹیوں نے پنچایت سمیتیوں اور کوآپریٹو کے ساتھ ساتھ ۶۹۲۹ ٹن دھان حاصل کئے۔ آلو اور سرسوں کے لئے بھی اس قسم کے حصولیابی پروگراموں کو بروئے عمل لایا جارہا ہے۔

خام پاٹ کی حصولیابی کے سلسلہ میں درمیانی لوگوں کی سرگرمیوں کو بے اثر کرنے اور پاٹ کے غریب کسانوں کے لئے مناسب قیمت حاصل کرنے کے لئے ایک انوکھا تجربہ کیا گیا ہے۔ اس تجربہ کے تحت ابتدائی بازار میں خام پاٹ حاصل کرنے کے لئے ریاستی سطح پر پنچایت سمیتیاں جوٹ کارپوریشن آف انڈیا کے ایجنٹ کے طور پر کام کررہی ہیں۔ تجرباتی طور پر یہ اسکیم سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں چالو کی گئی۔ اس وقت اس اسکیم میں صرف پانچ سمیتیاں شامل تھیں اور انھوں نے تقریباً ۲۹۵۲٫۲۲ کوئنٹل خام پاٹ حاصل کئے۔ اس تجربہ کی کامیابی کے بعد اس اسکیم کے تحت ۳۷ پنچایت سمیتیوں نے اکتوبر سنہ ۸۰ء تک ۳۶۴۷۹٫۰۶ کوئنٹل خام پاٹ حاصل کئے۔ نچلی اور بنیادی سطح سے صنعت کے سماجی کنٹرول کی طرف یہ ایک چھوٹا سا لیکن اہم قدم ہے۔

اصلاحات آراضی، کاشتکاری کی ضروری چیزیں اور ساز و سامان کی فراہمی اور زرعی پیداوار اور مصنوعات کی بازار میں فروخت کی سہولتوں سے وابستہ غریب کسانوں کے حق میں کئے گئے تمام اقدامات کی وجہ سے گذشتہ ۴ برسوں میں یعنی سنہ ۷۸-۱۹۷۷ء سے ۸۱-۱۹۸۰ء تک ریاستی سطح پر زرعی پیداوار میں کافی اضافہ ہوا۔ سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء یعنی موجودہ بائیں محاذ حکومت کے برسراقتدار آنے سے قبل کے سال کے مقابلہ میں گذشتہ چار برسوں میں اناج کی پیداوار میں جیسا کہ گوشوارہ نمبر ۶ سے ظاہر ہے۔ کافی اضافہ ہوا۔ یہاں تک کہ تباہ کن سیلابات کے سال یعنی سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء میں سیلابوں کے باوجود اناج کی پیداوار سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء کے مقابلہ میں زیادہ ہوا۔

گوشوارہ نمبر ۶

مغربی بنگال میں اناج کی مجموعی پیداوار

	سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء	سنہ ۷۸-۱۹۷۷ء	سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء	سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء	سنہ ۸۱-۱۹۸۰ء
پیداوار (لاکھ ٹن میں)	۷۴٫۵۴	۸۹٫۱۰	۸۰٫۴۵	۷۰٫۶۲	۹۰٫۰۰ (اندازاً)

گوشوارہ ۷

مغربی بنگال میں مجموعی زرعی پیداوار کا اعشاریہ نمبر
(بنیاد: سنہ ۷۲-۱۹۷۱ء کو ختم ہونے والے تین سالہ فصل سال = ۱۰۰)

	سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء	سنہ ۷۸-۱۹۷۷ء	سنہ ۷۹-۱۹۷۸ء	سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء
زرعی پیداوار	۱۰۵٫۱۰	۱۲۵٫۲۱	۱۱۹٫۵۷	۱۰۵٫۲۱

(ذرائع۔ بیورو آف اپلائیڈ اکنامکس اینڈ اسٹیٹسٹکس، حکومت مغربی بنگال)

زرعی پیداوار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ بے زمین زرعی مزدوروں کی اجرت کی شرح میں بھی اضافہ ہوا۔ یہ ایک اہم بات ہے۔ سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء اور سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء میں مغربی بنگال کے مختلف ضلعوں میں مشترکہ طور پر جنس اور نقد کی صورت میں، اجرتوں کی اوسط شرحیں

گوشوارہ ۸ میں درج ذیل ہے۔

گوشوارہ نمبر ۸

مغربی بنگال میں ۷۷-۱۹۷۶ء اور ۸۰-۱۹۷۹ء میں زرعی مزدوروں کی یومیہ اوسط اجرت کی شرحیں۔

	ضلع	سنہ ۷۷-۱۹۷۶ء (روپے میں)	سنہ ۸۰-۱۹۷۹ء (روپے میں)
۱)	دارجلنگ	۵٫۹۰	۷٫۲۵
۲)	جلپائی گوڑی	۵٫۲۰	۶٫۹۵
۳)	کوچ بہار	۵٫۰۵	۶٫۲۵
۴)	مغربی دیناجپور	۴٫۷۰	۴٫۹۵
۵)	مالدہ	۴٫۵۰	۴٫۳۵
۶)	مرشدآباد	۵٫۸۰	۷٫۸۰
۷)	ندیا	۴٫۸۰	۵٫۴۰
۸)	۲۴ پرگنہ	۵٫۷۵	۷٫۴۳
۹)	ہوڑہ	۶٫۵۰	۸٫۱۵
۱۰)	ہگلی	۵٫۴۰	۷٫۵۵
۱۱)	بردوان	۵٫۷۰	۷٫۱۵
۱۲)	بیربھوم	۵٫۵۵	۷٫۳۰
۱۳)	بانکوڑا	۷٫۱۰	۸٫۰۰
۱۴)	پرولیا	۷٫۰۰	۵٫۱۵
۱۵)	مدناپور	۵٫۴۰	۷٫۱۵
	مغربی بنگال	۵٫۶۵	۶٫۷۵

(ذرائع۔ حکومت بنگال کے شعبہ زراعت کی سماجی معاشی تخمینہ شاخ)

زراعت میں فاضل پیداواری پروگراموں کو بروئے عمل لانے اور زرعی مزدوروں کی سودا بازی کرنے کی طاقت میں اضافہ کی وجہ سے اجرت کی شرحوں میں بہتری ہوئی۔ یہ زرعی مزدور ساتھ ہی غریب کسان جن کے پاس بہت ہی کم زمین ہے، اور بر گدار سب دیہی غریب طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ چنانچہ ان لوگوں کی سودا بازی کرنے کی طاقت میں اضافہ کا غریب کسانوں کے درمیان انتہائی فاضل زمین کی تقسیم اور کاغذات آراضی میں برگداروں کے نام درج کرانے وغیرہ جیسے اصلاحات آراضی کے اقدامات کی کامیابی سے قریبی تعلق ہے۔ ساتھ ہی زرعی مزدوروں کے حق بجانب مفادات کے تحفظ کے لئے کسانوں کی تنظیمیں اور پنچایتیں کافی اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

زرعی بہتری کے ساتھ ساتھ گھریلو اور چھوٹی صنعت نے بھی گذشتہ چار برسوں میں کافی ترقی کی۔ ایک اندازہ کے مطابق اس ریاست میں چھوٹی صنعت کی رجسٹرڈ یونٹوں کی تعداد ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۵۶۴۹ سے بڑھ کر ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۱۲۱۶۹ ہو گئی، اس کے ساتھ ان بر سر روزگار افراد کی تعداد ۷۷-۱۹۷۶ء میں ۵۷۳۰۴ سے بڑھ کر ۸۰-۱۹۷۹ء میں ۸۷۷۷۳ ہو گئی۔ چھوٹی صنعت کی یونٹوں کی تعداد میں اضافہ کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ ایسی یونٹیں کلکتہ سے زیادہ اضلاع میں بڑی تیزی سے قائم کی گئیں۔ بلاشبہ اضلاع میں چھوٹی یونٹوں کی تعداد میں اضافہ کی وجہ ریاستی حکومت کی پالیسی ہے، کیونکہ ریاستی حکومت نے ایسی یونٹوں کی ترقی کے لئے مالی امداد، ضروری اشیا اور مصنوعات کی بازار میں فروخت کرنے کی سہولتیں فراہم کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس صنعت کی ترقی کا زراعت میں اپنائے گئے جدید طریقہ کار سے بلاواسطہ تعلق بھی ہے کیونکہ زراعت میں جس ٹکنالاجی کو اپنایا گیا ہے، وہ جگہ جگہ چھوٹی یونٹوں کے قیام میں معاون ثابت ہوا۔ صحیح معنوں میں چھوٹے پیداواریوں اور دستکاروں کی شناخت کرنے کے کام میں پنچایتیں اہم کردار ادا کر رہی ہیں۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ چھوٹی یونٹوں کی تیار کردہ مصنوعات کی فروخت کے لئے بائیں محاذ حکومت نے ایک نئے پروگرام کو اپنایا ہے۔ اس پروگرام کے تحت ۸۱-۱۹۸۰ء میں بلاک سطح پر ۶۰ دیہی بازار قائم کئے گئے۔ ایسے بازاروں کی مالک پنچایت سمیتیاں ہوتی ہیں اور وہی ان کا انتظام بھی کرتی ہیں۔ ایسے بازاروں سے چھوٹی صنعتی یونٹوں اور دیہی دستکاروں کی مصنوعات فروخت کی جاتی ہیں۔ ایسے بازاروں میں مصنوعات کی فروخت کے سلسلہ میں اس بات کا

باقی صفحہ ۹ پر

کامیاب بنگلہ بند

سارے مغربی بنگال میں ۱۱ ستمبر ۸۱ء کو ۲۴ گھنٹہ کا بند منایا گیا۔ یہ بند مکمل، پرامن اور کامیاب رہا۔ لازمی سروسیز کو برقرار رکھنے کے آرڈیننس اور بڑھتی ہوئی قیمتوں کے خلاف مذکورہ 'بند' منانے کے لئے مغربی بنگال کی بائیں محاذ کمیٹی نے پکار دی تھی۔ مغربی بنگال کے عوام نے اس پکار پر لبیک کہا اور کامیاب بند مناکر اپنے زبردست احتجاج کا مظاہرہ کیا۔

بند کے دن یعنی ۱۱ ستمبر سارے مغربی بنگال میں تقریباً تمام کل کارخانے اور دفاتر بند رہے۔ صرف سرکاری دفاتر کھلے تھے لیکن ان میں بھی حاضری نفی کے برابر تھی۔ تمام چھوٹے بڑے دکانداروں نے اپنی دکانیں نہیں کھولیں۔ ہاٹ بازار بھی بند رہے۔ اسکول، کالج اور یونیورسٹیاں بھی بند رہیں۔ ریلوں، ٹرام گاڑیوں، بسوں اور دیگر گاڑیوں کی آمد و رفت بند رہی۔ کلکتہ اور دیگر شہروں کی سڑکیں، بچوں کے لئے فٹ بال اور کرکٹ کھیلنے کا میدان بن گئیں۔

بند کے دن مکمل امن رہا۔ صرف ایک دو جگہوں میں کچھ متشددہ واقعات رونما ہوئے لیکن ان کا 'بند' سے کوئی رشتہ نہ تھا۔ کہیں کہیں شرپسند عناصر نے ہنگامہ برپا کرنے کی کوششیں کی تھیں، لیکن عوام نے، ساتھ ہی پولس والوں نے ان کی کوششوں کو ناکام بنادیا۔

۱۱ ستمبر کی شام کو وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے اخباری رپورٹروں کو بتایا کہ بند مناکر مغربی بنگال کے عوام نے لازمی سروسیز کو برقرار رکھنے کے آرڈیننس اور بڑھتی ہوئی قیمتوں کے خلاف جمہوری طریقہ سے اپنے احتجاج کا زبردست مظاہرہ کیا۔ انھوں نے عوام کو پرامن طریقہ سے مکمل اور کامیاب بند منانے پر مبارکباد پیش کی۔

انھوں نے مزید کہا کہ سرکاری دفتروں میں حاضری نفی کے برابر تھی۔ اور یہ کہ صنعتی علاقوں میں بند مکمل اور کامیاب رہا۔ یہ بات اس حقیقت سے بھی عیاں ہوجاتی ہے کہ ۱۱ ستمبر ۸۱ء کو یعنی بند کے دن کلکتہ میں صبح کے وقت ۲۲۳ میگاواٹ بجلی کی ضرورت ہوئی حالانکہ عام طور پر اس وقت ۵۴۰ میگاواٹ بجلی کی ضرورت ہوتی ہے۔

اسی دن شام کے وقت بائیں محاذ کمیٹی کے چیرمین شری پرمود داس گپتا نے اخباروں، رپورٹروں کو بتایا کہ اس ریاست میں فرقہ وارانہ کشیدگی پھیلانے کے لئے سماج دشمن عناصر بار بار سے لائے گئے ہیں۔ اس لئے انھوں نے عوام کو کامیاب بند منانے پر مبارکباد پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ ہمیشہ چوکس رہیں اور متحدہ طور پر شرپسند عناصر کی ناپاک کوششوں کو ناکام بنادیں۔

تملوک اسپتال میں مزید ۱۲۵ بستر

حکومت مغربی بنگال نے ضلع مدناپور میں تملوک سب ڈویژنل اسپتال اسپتال میں مزید ۱۲۵ بستروں کے اضافہ کے لئے منظوری دیدی ہے۔ جس سے اسپتال میں بستروں کی کل تعداد ۲۵۰ ہوگئی ہے۔ ان میں سے ۲۵ بستر معاوضہ اور ۱۰۰ بستر بلا معاوضہ ہوں گے۔ حکومت نے ان بستروں کے مکرر اخراجات کے علاوہ ۲٫۵۰ لاکھ روپیہ غیر مکرر اخراجات کے لئے منظور کیا ہے۔

بنگلہ کتاب ضبط

حکومت مغربی بنگال نے ایک بنگلہ کتاب بعنوان "اتہاسیر اتہاس" جس کے مصنف بہاری، بردوان کے غلام مرتضیٰ ہیں اور جسے دشیہ بنگلہ پرکاشن، مدینہ مارکیٹ بہاری نے شائع کیا ہے' ضبط کرلی ہے۔

چونکہ اس کتاب میں ایسا مواد موجود ہے جس کا مقصد دیدہ دانستہ اور بدنیتی سے ہندوؤں کے مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچانا ہے لہذا اس کتاب کا ہر ایک نسخہ اور ایسی تمام دستاویزات جن میں اس کے ترجمے اور اقتباسات شامل ہوں، بحق حکومت ضبط کرلی گئی ہیں۔

بکرشیور ندی کے اوپر پل کی تعمیر

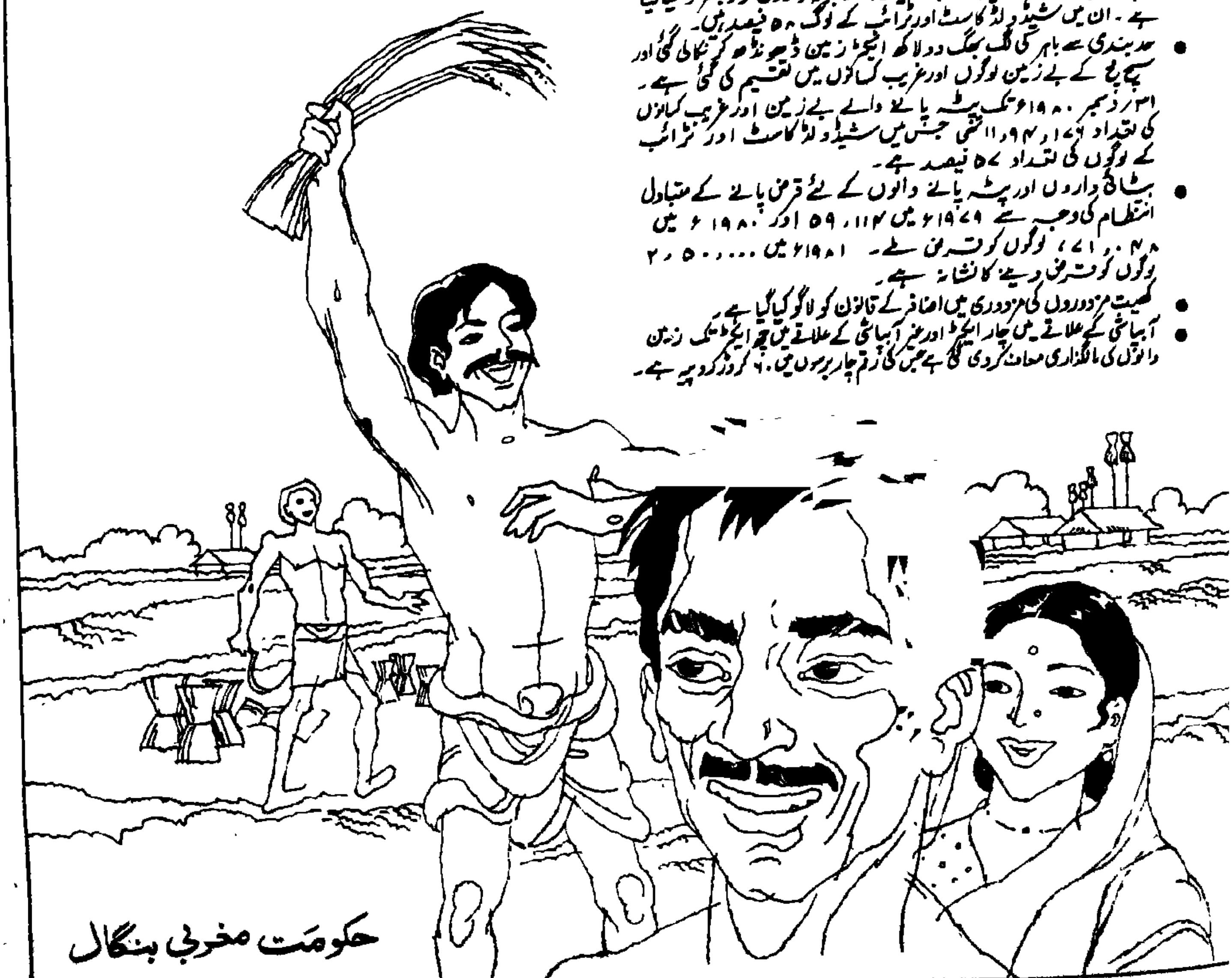
حکومت مغربی بنگال نے ضلع بیربھوم میں بکرشیور ندی کے اوپر ایک فولادی پل کی تعمیر کے لئے مالی سال رواں کے دوران ۹۳ ہزار روپیہ کے صرفہ کے لئے منظوری دیدی ہے۔

انسانی سمندر میں طغیانی آئی ہے

- تقاوی قرض اور ۱۹۷۵ - ۷۶ء میں دیے گئے کھیتوں کے اوزاروں کے قرضوں کو معاف کر دیا گیا ہے جس کی رقم ۴۰ کروڑ روپیہ ہے۔
- لینڈ ہولڈنگس ٹیکس میں تبدیلی کی وجہ سے ۴۸ لاکھ کسانوں کو قرض سے آزاد کیا گیا جس کی رقم ۳۵ کروڑ روپیہ ہے۔
- عوام پر مشتمل پنچایتی نظام نے دیہات کی مزدور طاقت کی مزاحمت کا دروازہ کھول دیا ہے۔

پیداوار پر مشتمل منصوبوں کے لاگو کئے جانے سے اور زراعت کی ترقیات کے پروگرام کے باعث مجموعی اعتبار سے پیداوار بڑھی ہے اور مزید بڑھے گی۔ ۱۹۷۶ - ۷۷ء کے مقابلے میں دھان کی سالانہ پیداوار میں اوسط اضافہ ۶ فیصد ہوا ہے۔

بائیں محاذی حکومت کے اصلاحات اراضی کے پروگرام سے بنگال کے مواضعات میں امید کی کرن پھوٹی ہے۔ نئی زندگی کی طغیانی آئی ہے۔



مغربی بنگال کے استحصال شدہ اور مظلوم کسانوں کے حقوق اور مراعات کے قیام کے اصل مقصد کے تحت بائیں محاذی حکومت نے گذشتہ چار برسوں میں اصلاحات اراضی کے پروگرام کو سب سے زیادہ اہمیت دی ہے۔

- "آپریشن برگہ" کے ذریعہ لگ بھگ گیارہ لاکھ برگہ داروں کو رجسٹرڈ کیا گیا ہے۔ ان میں شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کے لوگ ۵۰ فیصد ہیں۔
- حد بندی سے باہر کی لگ بھگ دو لاکھ ایکڑ زمین ڈھونڈھ کر نکالی گئی اور بیچ پانچ کے بے زمین لوگوں اور غریب کسانوں میں تقسیم کی گئی ہے۔
۳۱ دسمبر ۱۹۸۰ء تک پٹہ پانے والے بے زمین اور غریب کسانوں کی تعداد ۱۱،۹۴،۱۷۶ تھی جس میں شیڈولڈ کاسٹ اور ٹرائب کے لوگوں کی تعداد ۵۷ فیصد ہے۔
- بٹائی داروں اور پٹہ پانے والوں کے لئے قرض پانے کے متبادل انتظام کی وجہ سے ۱۹۷۹ء میں ۵۹،۱۱۴ اور ۱۹۸۰ء میں ۴۸،۰۱،۷۱ لوگوں کو قرض ملے۔ ۱۹۸۱ء میں ۲،۵۰،۰۰۰ لوگوں کو قرض دینے کا نشانہ ہے۔
- کھیت مزدوروں کی مزدوری میں اضافہ کے قانون کو لاگو کیا گیا ہے۔
- آبپاشی کے علاقے میں چار ایکڑ اور غیر آبپاشی کے علاقے میں چھ ایکڑ تک زمین والوں کی مالگذاری معاف کر دی گئی ہے جس کی رقم چار برسوں میں ۶۰ کروڑ روپیہ ہے۔

حکومت مغربی بنگال

MAGHREBI BENGAL
15th SEPTEMBER

Regd. No: WB/CC-52
Vol. 28 No. 17
PRICE 12 Paise

ھماری تہذیب



رقہ وارانہ ہم آہنگی

رقہ وارانہ ہم آہنگی کے راستے سے مغربی بنگال کے شہری
شندے آج متحدہ جد وجہد میں شامل
ر ایک حق بہ جانب مطالبہ حاصل کیا ہے اور جمہوری حقوق
ائم کئے ہیں۔
بن عوام کے دشمن کھسیاکر جد وجہد کے اس اتحاد کو برباد
رنا چاہتے ہیں۔
ہ چاہتے ہیں مذہب کے نام پہ بنگالیانہ کے نام پر انسان انسان کے درمیان تفریق پیدا کر کے
ن متحدہ جد و جہد میں رخنہ ڈالیں۔
ہ ملک اور بندر ناتھ کا 'مندر' کا ہے۔ اس ریاست کے تمام انسان سکھ دکھ میں، خوشی اور
غم میں، جد وجہد اور تحریک میں ایک دوسرے کے رفیق اور حصہ دار ہیں۔
یہاں کوئی مقام نہیں کسی تنگ نظری کے لئے۔ مقام نہیں کسی مذہبی کورانگی اور نفاق انگیزی کیلئے۔
جد وجہد کرنے والے عوام مذہبا اور علاقائیت کے تفرقے کو جانتے نہیں۔

انتشار پسندی اور رجعت پسندی کی ناپاک قوتوں کو ناکام بنائیے

ہر طرح کی سازش اور گٹھ جوڑ کو شکست دیجئے۔

مغربی بنگال میں امن وامان قائم رکھئے۔

فرقہ پرستی اور علاقائیت عوام کی دشمن ہے

حکومت مغربی بنگال

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

مغربی بنگال



پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۲۸

۱۵/اکتوبر ۱۹۸۱ء

شمارہ نمبر ۱۹



وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، درگا چک، ہلدیہ میں بچوں کے پارک کا افتتاح کر رہے ہیں۔

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو درگا چک، ہلدیہ میں نئے اسٹیڈیم میں افتتاحی تقریر کر رہے ہیں.



شرح خریداری:۔
سالانہ - ۳/روپئے
قیمت
۱۲/ پیسے فی پرچہ

مدیر اعلیٰ:۔
ایس کے سین گپتا
مدیر معاون
محمد اعظم

مغربی بنگال میں اصلاحات آراضی

بین الاقوامی محنت تنظیم کی نظر میں

بین الاقوامی محنت تنظیم (آئی ایل او) نے پہلی بار ہندوستان کی ریاست مغربی بنگال میں اصلاحات آراضی کے اقدامات کو خصوصی اہمیت کا حامل بتایا ہے۔ اس تنظیم نے اپنے تمام ممبر ملکوں میں بھیجے گئے نوٹ میں ان کا تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس نوٹ میں، جسے شری ڈی۔ بندوپادھیہ، اصلاحات آراضی کمشنر، مغربی بنگال نے آئی۔ ایل۔ او کے لئے مرتب کیا تھا، نہ صرف اس ریاست میں اصلاحات آراضی کی اہم خصوصیات کا ذکر کیا گیا ہے بلکہ اس میں سارے ملک میں اصلاحات آراضی کے اقدامات میں خامیوں کا بھی خاکہ پیش کیا گیا، کیونکہ ان خامیوں کی وجہ سے سارے ملک میں اصلاحات آراضی کے اقدامات کے حسب خواہ نتائج برآمد نہ ہو سکے۔ مغربی بنگال کی اصلاحات آراضی میں موجودہ مرحلہ پر، میں ترمیم لاکر خامیوں کو دور کرنے کے لئے متعدد اقدامات کئے گئے ہیں۔

اس نوٹ میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ کہاوت کہ اگر روٹی کے سائز میں اضافہ ہو تو اس کے کھانے والے کے حصہ میں بھی اضافہ ہوگا غلط ثابت ہوئی۔ کیونکہ مثال کے طور پر، ہمارے ملک میں مجموعی قومی پیداوار میں اضافہ کے ساتھ ساتھ نسبتاً اور قطعی طور پر عوام کی بڑھتی ہوئی تعداد کی غربت اور ناداری میں بھی اضافہ ہوا۔ پیشنگوئی کے مطابق معاشی ترقی کے فوائد عوام تک پہنچنے کی بجائے امیر اور صاحب حیثیت لوگوں تک پہنچے اور اس طرح تیس سال پہلے کے مقابلہ آج زیادہ سے زیادہ لوگ بھوکے، بے گھر، جاہل، مریض اور نادار بن گئے۔

اس نوٹ میں مزید کہا گیا ہے کہ غربت دور کرنے کے کسی بھی پروگرام کو موثر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ اصلاحات آراضی اس کا ایک اہم جزو ہو اور یہ کہ نوعیت کے لحاظ سے ایسے پروگرام کو کثیر المقاصد ہونا چاہئے تاکہ بہت سارے لوگ ان سے مستفید ہو سکیں۔ اب اس بات کو سبھی تسلیم کرتے ہیں کہ اگر اصلاحات آراضی ایک ایسا پروگرام جس کا مقصد صرف زمینوں کی تقسیم ہو یا جس کا مقصد صرف یہ ہو کہ ایسا قانون نافذ کیا جائے جس سے بٹائی داروں کو تحفظ حاصل ہو تو یہ کم سے کم حد تک موثر ثابت ہونگی۔ دوسری طرف اگر وہ لوگ جن کے مفادات پر یہ اثر انداز ہوتے ہیں، اس کے برعکس کارروائی شروع کر دیں، بہ ساتھ اس پروگرام سے مستفید ہونے والوں کے لئے کوئی سہارا پروگرام نہ ہو تو ان لوگوں (غریبوں اور برگداروں) کی حالت اور بھی ابتر ہو جائے گی۔

مغربی بنگال کی صورت حال کا ذکر کرتے ہوئے اصلاحات آراضی کمشنر کہتے ہیں کہ اس ریاست میں اصلاحات آراضی کے پروگرام میں روایتی انتظامی رویہ میں شدید خامیوں کی شناخت کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے اس بات کی کوشش کی گئی کہ اس صورت حال میں تبدیلی لانے کے لئے ضابطہ پرستی، دیہی خود اختیار منتخب تنظیمیں اور دیہی مزدوروں کی تنظیموں کے ساتھ کام کاج کے سلسلے میں رشتہ قائم کر کے وسیع پیمانہ پر سہارا کی حکمت عملی کو فروغ دیا جائے۔ اصلاحات آراضی پروگرام کی تکمیل کے لئے ماضی میں دیگر ریاستوں میں اور مغربی بنگال میں کئے گئے اقدامات اور موجودہ ریاستی حکومت کے کئے گئے اقدامات کے درمیان یہی اہم فرق ہے۔

مغربی بنگال میں اصلاحات آراضی کے پروگرام کی اہم اہم باتوں میں آپریشن برگہ کے ذریعہ جلد از جلد برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کرنے اور دستیاب فاضل زمینوں کا جن پر حکومت

کو [illegible] حاصل ہو گیا ہے الغ تقسیم کا کام شامل ہے۔ نیز اسی زمین پانے والوں [illegible] کی کھیتی باڑی کرنے کے لئے مذکورہ پروگرام کے تحت مالی امداد بھی فراہم کی جا رہی ہے۔

اس کے علاوہ لگان کے پرانے نظام کو ختم کر دیا گیا۔ نیز زرعی پیداوار کی فروخت کا انتظام بھی کیا گیا۔ ساتھ ہی دیہی اثاثوں کی تعمیر کے لئے کام کے بدلہ اناج پروگرام کو بر سر عمل لایا جا رہا ہے۔ ان تمام اقدامات کا مقصد یہ ہے کہ سرکاری زمین پانے والوں اور غریب کسانوں اور برگداروں کو فائدہ پہنچے۔

اس نوٹ میں مزید یہ کہا گیا ہے کہ اس ریاست میں اصلاحات آراضی کے پروگرام کے تحت برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کرانے کا کام نیا نہیں ہے لیکن اس پروگرام میں جو بات نئی ہے وہ یہ ہے کہ مستفید ہونے والے خاندانوں کے معمر لوگوں کے تعاون اور دیہی مزدوروں کی تنظیموں اور دیہی خود اختیار اداروں کی فعال مدد کے ذریعہ برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کرانے کے لئے وسیع پیمانہ پر مہم چلائی گئی۔ برگداروں کے نام درج کرانے کی روایتی ضابطہ پرستی کے طریقہ کار کو کوئی خاص کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ انفرادی طور پر برگدار، جوتداروں کی مرضی کے خلاف اپنے نام رجسٹرڈ کرانے کے لئے آگے بڑھنے سے ہچکچاتے ہیں، کیونکہ انھیں یہ خوف لاحق ہوتا ہے کہ جوتدار ان سے ضرور بدلہ لے گا۔

چنانچہ آپریشن برگا، میں جسے ریاستی حکومت ۱۹۷۸ء سے بر سر عمل لا رہی ہے اجتماعی اقدام پر زور دیا گیا ہے، مقصد یہ ہے کہ باہمی تائید اور مدد کا ایک ایسا نظام قائم کیا جائے جس کی وجہ سے نام درج کرانے والے برگدار اپنے خوف پر قابو پا سکیں۔ اس نئے طریقہ کار کے تحت نام درج کرانے کے سلسلہ میں برگداروں کو ساتھ لے کر چھوٹے چھوٹے جلسے منعقد کئے جاتے ہیں۔ ایسے جلسے شام کے وقت ان علاقوں میں جہاں برگدار رہتے ہیں منعقد ہوتے ہیں۔ ان جلسوں میں برگداروں کی اس سلسلہ میں ہمت افزائی کی جاتی ہے کہ وہ اپنی شکایتیں بیان کریں اور مختلف سماجی اور معاشی ناانصافیوں کا جن سے وہ دوچار ہیں، تفصیل سے ذکر کریں۔ ان جلسوں میں موجود سرکاری حکام برگداروں کو یہ بتاتے ہیں کہ قانون کے تحت انھیں کیا کیا حقوق حاصل ہیں اور یہ کہ کاغذات آراضی میں نام درج کرانے سے انھیں کیا کیا فوائد حاصل ہوں گے۔ اس کے بعد اس جلسے میں نام درج کرانے والوں کی ایک عارضی فہرست تیار کی جاتی ہے اور پھر دوسرے دن کھیتوں میں جوتداروں اور برگداروں کی موجودگی میں ان کے دعووں کی جانچ کی جاتی ہے۔

کھیتوں میں جانچ کرنے کے بعد ان دیہاتوں کی، جہاں آپریشن برگا، کا کام ہو رہا ہے، اہم اہم جگہوں پر ایک عارضی فہرست آویزاں کر دی جاتی ہے۔ جوتداروں کو اعتراضات داخل کرنے کے مواقع فراہم کئے جاتے ہیں پھر ان اعتراضات پر کھیتوں میں ہی عام لوگوں کے سامنے بحث و مباحثہ ہوتا ہے۔ اس کے بعد حقیقی برگداروں کے نام سرٹیفکیٹ جاری کئے جاتے ہیں۔ یہ نیا طریقہ، جس میں برگداروں کی گروپ میٹنگس پر زیادہ زور دیا گیا ہے روایتی لگان عدالت کے طریقہ کار سے مختلف ہے۔ ماضی میں ایسی عدالتوں میں غریبوں کو امیروں کے مقابلہ میں بہت پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا تھا کیونکہ غریب برگداروں کے پاس اتنے پیسے نہیں ہوتے کہ وہ ایک اچھا وکیل رکھیں نیز وہ کوئی دستاویزی شہادت بھی پیش نہیں کر سکتے۔ ظاہر ہے کہ ایسی دستاویز کو وہ پیش بھی نہیں کر سکتے ہیں کیونکہ ان کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔ برگداروں کے ساتھ جو معاہدے کئے جاتے ہیں وہ زیادہ تر زبانی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ اپنے دعووں کی تائید میں دستاویزی شہادت پیش نہیں کر سکتے۔ اس نئے طریقہ سے ایک اور فائدہ یہ ہوتا ہے کہ اس کی وجہ سے دیہی مزدوروں کی تنظیمیں موثر طور پر اس پروگرام میں حصہ لیتی ہیں۔ وہ سب اجتماعی طور پر اپنے دعوے پیش کرتی ہیں اور کھیتوں میں عام لوگوں کے سامنے ان دعووں کی چھان بین اور تصدیق کی جاتی ہے۔

اس نئے طریقہ کار کے خاطر خواہ نتائج برآمد ہوئے۔ ۳۰ اپریل ۱۹۸۰ء تک ۲۰ لاکھ میں سے تقریباً ۸ لاکھ برگداروں کے نام کاغذات آراضی میں درج کر لئے گئے۔

آپریشن برگا، کے تحت ایک اور مشکل کام برگداروں کی شناخت کرنا ہے۔ اس مشکل پر قابو پانے کے لئے اصلاحات آراضی کے قوانین میں اہم ترمیم لائی گئی۔ اس ترمیم کے تحت اس شخص کو جو قانونی طور پر دوسرے کی زمین پر کاشتکاری کرتا ہے، برگدار تسلیم کر لیا جائیگا۔

اگر وہ شخص، اس دوسرے شخص کے جس کی زمین پر وہ کاشتکاری کرتا ہے، خاندان کا فرد نہ ہو، اور اس بات کو ثابت کرنے کی ذمہ داری کہ وہ کاشتکار برگدار نہیں کہلا سکتا، جوتداروں کی دی گئی۔ یہ ترمیم ایک جدت ہے اور دور اندیشی پر مبنی ہے۔ کیونکہ اس کے تحت ایک کاشتکار کے سلسلہ میں یہ تصور کر لیا جاتا ہے کہ وہ برگدار ہے اور اس بات کو کہ وہ برگدار نہیں ہے ثابت کرنے کی ذمہ داری جوتدار کو سونپی گئی ہے۔ اس ترمیم کی وجہ سے برگداروں کی شناخت کرنے اور ان کے نام کاغذات آراضی میں درج کرانے کی تکنک میں کافی تبدیلی پیدا ہو گئی ہے۔ وسیع پیمانہ پر کئے جانے "آپریشن برگہ" کے کام کو یہ ترمیم قانونی شکل عطا کرتی ہے۔

"آپریشن برگہ" کی تکمیل کے کام میں ایک اور اہم دشواری سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور وہ یہ ہے کہ عدالتوں سے بڑی تعداد میں یک طرفہ امتناعی حکم نامے جاری کئے جاتے ہیں۔ اکثر متعلقہ قانون سے ناواقفیت کی بنا پر اس نئے طریقہ کو یہ کہہ کر چیلنج کیا جاتا ہے کہ یہ کام غیر قانونی ہے۔ اکثر نام درج کرانے والی دیہی تنظیموں کو بے جا طرفدار کہا جاتا ہے اور انتظامیہ پر بھی بے جا طرفداری کا الزام عائد کیا جاتا ہے۔ جو لوگ ایسا (الزام) عائد کرتے ہیں شاید وہ بین الاقوامی محنت تنظیم (آئی ایل او) کے کنونشن (روداد ۔ ۱۴۱) سے قطعی طور پر ناواقف ہیں۔ یہ کنونشن دیہی مزدوروں کی تنظیموں اور سماجی اور معاشی ترقی کے سلسلہ میں ان کے کردار سے متعلق ہے۔ پارلیمنٹ نے بھی اس کنونشن کی تصدیق کر دی ہے۔

چنانچہ آپریشن برگہ کے طریقہ کار صحیح ہیں نہ صرف اس لئے کہ اس پروگرام کی تکمیل میں مستفید ہونے والوں کو براہ راست شرکت کرنے کا ذریعہ فراہم کرتا ہے بلکہ اسے قانونی منظوری بھی حاصل ہے۔

اپنی زمین رکھنے کی انتہائی حد سے متعلقہ بہتر قوانین کو بہتر عمل کر اس ریاست میں تقریباً ۱۰ لاکھ ایکڑ فاضل زمینوں پر ریاستی حکومت کو حق ملکیت حاصل ہو گیا۔ یہ سارے ملک میں واحد ریاست ہے جہاں اتنی زرعی زمینوں پر حکومت کو حق ملکیت حاصل ہوا۔

جہاں سارے ملک میں ۴۰ لاکھ ایکڑ سے کچھ زیادہ زرعی زمینوں پر حکومت کو حق ملکیت حاصل ہوا وہاں صرف مغربی بنگال میں ۱۱ لاکھ ایکڑ زرعی زمینوں کو فاضل قرار دیا گیا۔ ان اعداد میں سرکاری بنجر زمینیں اور جنگلوں کی زمینیں جو زمینداری کے خاتمہ کے بعد براہ راست حکومت کے تحت آگئیں شامل نہیں ہیں۔ تقریباً ۷۰ء۱۱ ایکڑ زمینیں دس لاکھ سے زیادہ بے زمین اور غریب کسانوں کے درمیان تقسیم کر دی گئی ہیں۔ زمین پانے والوں میں ۵۰ فی صد لوگ شیڈولڈ کاسٹ و ٹرائب طبقہ کے تھے۔ (آئی پی ۔ اے ۔ سروس)

بقیہ صفحہ ۱۱ کا

محکوم کا ہر لحظہ نئی مرگِ مفاجات
آزاد کا اندیشہ حقیقت سے منور
محکوم کا اندیشہ گرفتارِ خرافات

(ہندی مکتب)

اے مرے فقرِ غیور فیصلہ تیرا ہے کیا
خلعتِ انگریز یا پیرہن چاک چاک

(محراب گل افغان کے افکار)

اقبال کے افکار حریت صرف سیاسی آزادی تک ہی محدود نہیں ہیں بلکہ ان میں ایک ایسی آفاقیت ہے جو زندگی کے اندیشہ ہائے گوناگوں پر محیط ہے۔ اقبال کے نظریۂ فقر و خودی میں حریتِ فکر و نظر بنیادی حیثیت رکھتی ہے جس کے بغیر انسانیت کی ترقی کا تصور تشنہ رہ جاتا ہے۔ وہ فرد کے ذہن و دل میں جو ولولہ، جوش، تڑپ اور قوت عمل پیدا کرنا چاہتے ہیں اس کا تقاضہ ہے کہ فرد کی اندرونی صلاحیتیں بیدار اور بار آور ہوں اور وہ ملک و ملت کی عظمت، استحکام اور اعتبار کا ذریعہ بنے۔ مردِ حق، مردِ مومن اور مردِ حر کے مفاہیم میں کچھ زیادہ فرق نہیں ہے۔ ان کی نگاہیں چار سو ان مردانِ خود آگاہ و خدا آگاہ کو ڈھونڈھتی ہیں جن کا فقر ہلاکِ قیصر و کسریٰ تھا۔

بہت دیکھے ہیں میں نے مشرق و مغرب کے میخانے
یہاں ساقی نہیں پیدا، وہاں بے ذوق ہے صہبا
نہ ایراں میں رہے باقی، نہ توراں میں رہے باقی
وہ بندے فقر تھا جن کا ہلاکِ قیصر و کسریٰ

(حکیم سنائی کے مزار پر)

مگر اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہئے کہ اقبال کا تفکر تخریبی قوتوں کا آئینہ دار ہے۔ یہ در اصل قوت ایمان کا مظہر ہے، ایک ایسی نامیاتی قوت کا جو انسان کو غلام بنانے اور اس کا استحصال کرنے والی قوتوں کی نفی کرتی ہے اور زندگی کے فطری نشو و ارتقا کے دروازے کھولتی ہے۔ قیصر و کسریٰ کی علامتیں، انسان کے استحصال کرنے والی قوتوں میں مظہر ہیں۔

جہانِ تازہ کی افکارِ تازہ سے ہے نمود
کہ سنگ و خشت سے ہوتے نہیں جہاں پیدا

اقبال کا تصور آزادی مفرد نہیں مرکب ہے۔ اس کے اجزائے ترکیبی میں وہ تمام عناصر شامل ہیں جن سے زندگی میں تنوع پیدا ہوتا ہے اور یہ دنیا انسانوں کے رہنے کے قابل ہو جاتی ہے۔

(بشکریہ "نیا دور")

ہماری تعلیم اور ثقافت میں انگریزی کا مقام

از جے۔ اے۔ آر۔ کامت
گوکھلے انسٹی ٹیوٹ آف پالٹیکس اینڈ اکنامکس۔ پونے

اگر آپ سے یہ پوچھا جائے کہ آپ یہ بتائیں کہ ہندستان کی ثقافتی و تعلیمی صورت حال پر کس چیز کا سب سے زیادہ اثر پڑا تو آپ بلا جھجک یہی کہیں گے کہ سب سے زیادہ اثر انگریزی زبان کا ہوا۔ اس سرزمین پر تقریباً ڈیڑھ سو سال پہلے انگریزی زبان انگریزوں کے کاروباری مفادات اور سیاسی فتوحات کے ساتھ ساتھ آئی اور بعض علاقوں میں خصوصاً بنگال میں تو اس سے سو سال قبل آئی۔ اس برصغیر پر انگریزوں کی سامراجی حکومت کے مستحکم ہو جانے کے بعد تعلیم اور انتظامیہ کی اہم زبان انگریزی قرار دی گئی۔ انیسویں صدی کی دوسری اور تیسری دہائی میں انگریزی کو تعلیم کے فروغ کے لئے کوششیں شروع کی گئیں اور میکالے نے اپنی سنہ ۱۸۳۵ء کی مشہور روئداد کے ذریعہ اس کام کو تقویت پہنچائی۔ نیز سنہ ۱۸۵۴ء کے وڈ کے سرکاری مراسلے نے اس پر سرکاری مہر لگادی اور اس کے بعد ہی سنہ ۱۸۵۷ء میں کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں تین یونیورسٹیاں قائم کی گئیں۔ اس کے بعد سے انگریزی زبان ہماری تعلیم اور ثقافت کی ایک اہم جزو بن گئی۔ سنہ ۱۹۴۷ء میں اقتدار کی منتقلی کے بعد اس بات کی توقع کی گئی تھی کہ اس صورت حال میں یقیناً چند تبدیلیاں ہوں گی بلکہ، قطعی طور پر تبدیلی لائی جائے گی۔ لیکن آج بھی انگریزی جاری و ساری ہے اور ہماری زندگی اور ثقافت پر چھائی ہوئی ہے۔ اس مضمون میں انگریزی زبان کی اس اہم خصوصیات کا تجزیہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

سب سے پہلے ہم چند سوالات کریں گے۔ اس مسئلہ پر آزادی کی جدوجہد کے دوران کیا قومی مقاصد پیش نظر تھے؟ اقتدار کی منتقلی کے وقت ہمارے کیا مقاصد تھے؟ آج تقریباً ۳۰ برسوں کے بعد صورت حال کیا ہے۔ کیا ہمارے ملک میں انگریزی کا اثر بڑھ گیا ہے یا کیا اس کے اثرات کم ہو گئے ہیں اور اس اہمیت کم ہو گئی ہے؟ مستقبل میں انگریزی زبان کے پنپنے اور پھیلنے کے کیا امکانات ہیں؟ لمبے عرصہ اور مختصر عرصہ کے لئے ہماری کیا پالیسیاں ہونی چاہئیں جن سے ہندستان میں عام لوگوں کے حقیقی مفادات کو فروغ ہو؟ درج ذیل مقالہ میں ان سوالوں کا جواب دینے کی کوشش کی گئی ہے۔

(۱)

سب سے پہلے یہ اچھا ہوگا اگر اختصار کے ساتھ اس صورت حال اور طریقہ کا جائزہ لیا جائے جس کے تحت انگریزی (جدید مغربی) تعلیم ہندوستان میں رائج کی گئی۔ یہ تو انگریز سامراجی حکومت، ساتھ ہی ان کی نوآبادیاتی سرمایہ داری کے دلائل کے جزو تھی اور اس کی ثقافت (۱) روشن خیالی کی قدروں اور فلسفہ اور (۲) سامراجی تسلط اور اس کے ساتھ استحصال اور جابر حکومت پر مشتمل تھی۔ ہندستان میں انگریزی زبان اور تعلیم کو رائج کرتے وقت حکمرانوں نے درج ذیل تین مقاصد کو زیر غور رکھا تھا۔ (۱) ہندستانیوں کے درمیان انگریزی جاننے والا درمیانی طبقہ پیدا کیا جائے تاکہ وہ انتظامیہ میں درمیانی اور ماتحت عہدوں کے فرائض انجام دے سکے۔ (۲) مغربی تعلیم کی یعنی جدید تعلیم معہ سائنس، ٹکنالوجی اور سماجی سائنس) ہندستانیوں کے درمیان اشاعت کی جائے اور اس طرح انھیں ان کی تعلیم اور ثقافت سے الگ کر دیا جائے اور (۳) ہندستانیوں کا ایک ایسا طبقہ تیار کیا جائے جس کے رگ و پے میں انگریزی کا ادب اور زبان دونوں پیوست ہو جائیں۔ مقصد یہ تھا کہ یہ طبقہ حکمرانوں کے نقش قدم پر چلے گا اور انگریزوں کی حکومت کی اخلاقی اور سیاسی طور پر حمایت کرے گا۔

ہندوستان سماج کے اعلیٰ اور درمیانی طبقہ کے لوگوں نے ملے جلے مقاصد کے ساتھ انگریزی تعلیم حاصل کرنی شروع کی۔ ان کے لئے تو یہ تعلیم انتظامیہ میں اچھے عہدے پانے اور ترقی پذیر نوآبادیاتی سرمایہ دارانہ معیشت میں سودمند مواقع حاصل کرنے کا اہم ذریعہ بن گئی۔ مزید برآں جدید تعلیم اور سائنسی تعلیم حاصل کرنے اور جدید ادب سے روشناس ہونے کا ذریعہ بھی واحد انگریزی زبان تھی۔ سب سے پہلے انگریزی تعلیم حاصل کرنے والے ہندوستانیوں نے اس تعلیم کو یورپی نشاۃ ثانیہ کے نمونہ پر ہندوستانی نشاۃ ثانیہ لانے کے لئے بہت ہی اچھا آلہ اور ذریعہ سمجھا۔ ان لوگوں کے خیال میں یہ نشاۃ جدیدہ (مغربی) فلسفہ اور ثقافت اور ہندوستان قدیم فلسفہ اور ثقافت کے امتزاج پر مبنی تھی۔

جب سے انگریزی تعلیم ہندوستان میں رائج کی گئی اس وقت سے ہندوستانی سماج اور ثقافت پر انگریزی تعلیم و ثقافت کے انمٹ اور دوررس اثرات کا تفصیل سے ذکر کیا گیا، ان پر بحث و مباحثہ بھی ہوا اور ان کا تخمینہ بھی کیا گیا۔ آج بھی اور بھی زیادہ فراست اور کاوش سے اس کام کو کیا جا رہا ہے یہاں ہم اپنے اندازہ کا اختصار کے ساتھ ذکر کر سکتے ہیں۔ انگریز آقاؤں کے (انگریزی تعلیم ثقافت رائج کرنے سے) اغراض و مقاصد صرف جزوی طور پر پورے ہوئے۔ ہندوستان میں انگریزی داں نئے طبقہ نے انگریزوں کی حمایت اور تقلید کی لیکن اسی طبقہ نے بہت زبردست قومی آزادی کی تحریک چلا کر انگریزی حکومت کی مخالفت بھی کی۔ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے مقاصد بھی صرف جزوی طور پر پورے ہو سکے۔ اس کے علاوہ جو صورت حال پیدا ہوئی اسے ہندوستان نشاۃ ثانیہ نہیں کہا جا سکتا۔ ہماری اس صورت حال میں ہماری قدیم تعلیم کو، جس کا 'نیا جنم' جدید سائنس کا نشوونما میں معاون ہو سکتی تھی، کچھ دخل نہ تھا اور نہ ہی ہمارے اندر سماجی لحاظ سے اتنی توانائی پیدا ہوئی کہ ہم ہندوستانی جاگیردارانہ نظام سے برسرپیکار دیسی سرمایہ دارانہ نظام کی حمایت کر سکیں۔ اس کے نتیجہ میں اس نئی صورت حال کو بیداری کہا جا سکتا۔ جسے میں نیم بیداری (ہر ابدھی) کہنا چاہتا ہوں۔ یہ تو خود کو دریافت کرنے کا جدید مغربی سرمایہ دارانہ تہذیب کی آمد اور تیز رفتار ترقی کے پیش نظر خود کو نئی اور صحیح روشنی پر گامزن رکھنے کا، مذہبی اور سماجی اصلاحات کی ضرورت کو محسوس کرنے کا طریقہ کار ہے۔ اس کی وجہ سے 'ہندوستانی قومیت' کی شکل میں نئی خود شخصیت عالم وجود میں آئی۔

اس مختصر تمہید کے بعد اب میں پہلے آزادی سے قبل کے دنوں میں ہماری ثقافتی زندگی میں انگریزی تعلیم کے نتائج کا ذکر کروں گا، اس کے بعد موجودہ صورت حال پر روشنی ڈالوں گا۔

(۲)

انگریزی زبان، جب سے یہ رائج کی گئی، اس وقت سے لیکر اس صدی کی دوسری دہائی تک ثانوی درجوں میں ذریعہ تعلیم تھی اور درحقیقت ثانوی تعلیم تو انگریزی میں ہی دی جاتی اور سنہ ۱۹۵۰ء تک کالجوں اور یونیورسٹیوں میں انگریزی داں ہندوستان کے لئے انگریزی بین علاقائی رابطہ کی زبان بن گئی، اسی طرح تمام کل ہند سیاسی، سماجی اور ثقافتی تحریک کے لئے بھی انگریزی واسطہ اور رابطہ کی زبان بن گئی۔ انگریزی زبان اور ادب اور جدید زبانوں کے اثر کے تحت ہندوستانی زبانیں بھی نئی نئی شکلوں میں ترقی کرنے لگی۔ ہندوستانی زبانوں میں نئے نئے محاورے استعمال ہونے لگے۔ طرز تحریر میں جدت پیدا ہونے لگی اور اس طرح یہ سیاسی اور سماجی بیداری کے پلیٹ فارم اور پریس کے ذریعہ تبادلۂ خیال اور رابطہ کی اہم واسطہ بن گئیں۔ اس کے ساتھ ہی جدید ہندوستانی ادب میں طرح طرح کے پھول کھلنے لگے۔ چنانچہ ایک طرح سے یہ کہا جا سکتا ہے ہمارے ملک میں نوآبادیاتی سرمایہ داری کے عروج اور فروغ کے ساتھ ساتھ لازمی طور پر یہ تمام لسانی ترقیاں ہوئیں۔

اس تصویر کا دوسرا رخ بھی تھا اور وہ یہ کہ وقت کے ساتھ ساتھ انگریزی زبان اور انگریزی فلسفہ اور ثقافت پر ہم حد سے زیادہ انحصار کرنے لگے۔ ہمارے تخیلات پر، خواہ وہ سماجی ہوں یا سیاسی، احیاء نو کے لئے ہوں یا جدید ہوں، انگریزی فلسفہ اور روایت — یعنی برٹش قواعد برٹش سیاسی اور شہری ادارے، انگریزوں کی طرز زندگی، ان کا ادب اور رسومات —— یہ تمام مکمل طور پر چھا گئے۔ (میکالے کو ہندوستانیوں کے اس طبقہ کو جو انگریز حکمراں کے ہو بہو نقل تھے، دیکھ کر بڑی خوشی حاصل ہوئی ہوتی)۔

نیز آزادی تقریر اور تحریر پر اتنی پابندیوں کی وجہ سے ہندوستانی ادب میں طبع زاد تصورات اور فلسفہ کا فقدان پیدا ہو گیا اور بحیثیت عالمی نظریہ نمایاں دیسی فلسفہ کے ارتقاء میں ہندوستانی زبان کوئی خاص کردار ادا نہ کر سکی۔ ایک دو زبانوں کو چھوڑ کر ہندوستانی ادب میں انگریزی، بعد میں امریکی ادب کی چھاپ نظر آنے لگے اور یہ چھاپ اب بھی نظر آتی ہے۔

اب ہماری قومی زندگی اور ثقافت پر انگریزی زبان کے گہرے

اثرات کے چند پہلوؤں کا ذکر کرنا بھی ضروری ہے کیونکہ اس زبان کا اثر بہت زیادہ عرصے تک رہتا ہے۔ پہلی بات تو یہ کہ ہندوستان کے انگریزی تعلیم یافتہ میں سے زیادہ تر لوگ تعلیم کی شکل اور نوعیت کے درمیان، نیز جدید زبان جاننے کے لئے بطور واسطہ انگریزی کا زبان اور جدید سائنس اور ٹیکنالوجی، جدید سماجی فلسفہ اور اقدار وغیرہ پر مشتمل بیانات خود جدید زبان کے درمیان فرق معلوم کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ شروع شروع میں جدید مغربی علم کو ہندوستانی زبانوں میں پیش کرنے کی کوششیں کی گئی تھیں، لیکن بہت ہی جلد ان کوششوں کو ختم کر دیا گیا۔ آزادی کی تیس سال کے بعد بھی جدید تعلیم کی شکل اور نوعیت کے درمیان کیا فرق ہے، اس کا صحیح طور پر اندازہ نہیں لگایا جا سکا۔

دوسری بات یہ کہ انگریزی تعلیم نے انگریزی اور ہندوستانی زبانوں کے درمیان، انگریزی کی تعلیم حاصل کرنے والے روساء اور امراء اور ہندوستان کے عام لوگوں کے درمیان "تقسیم کرو اور حکومت کرو" کا آلہ بھی تھی۔ اس تعلیم نے انگریزی نہ جاننے والے عام لوگوں کی اہمیت بھی کم کر دی۔ اس نے، جہاں تک جدید تعلیم کا تعلق ہے، آبادی کے اعلیٰ ترین طبقے کے لوگوں (جن کی تعداد آبادی کا زیادہ سے زیادہ ایک فی صد ہوگی) کے علاوہ دیگر تمام لوگوں کو ان کے حق رائے دہندگی اور دیگر حقوق سے محروم کر دیا اور اب بھی صورت حال یہی ہے۔ آج بھی ہم انگریزی کی بات یہی کہتے ہیں کہ یہ ہندوستان میں مختلف لسانی فرقوں کے اور درحقیقت ان فرقوں کے اعلیٰ طبقے کے درمیان قومی یکجہتی کا ایک واسطہ ہے، لیکن کبھی بھی ہم ایک لمحے کے لئے بھی یہ نہیں سوچتے کہ انگریزی زبان ہندوستان کے انگریزی داں طبقے اور عام لوگوں کے درمیان کس حد تک سماجی اور ثقافتی تقسیم اور براہ راست فرق پیدا کرتی ہے، یہاں تک کہ یہ دونوں طبقے ایک دوسرے سے حقارت کرنے لگتے ہیں۔

جن لوگوں کا اب بھی یہی اصرار ہے کہ ہندوستان جدید خیالات اور تعلیم سے بے بہرہ رہتا اور قومیت کی ہوا یہاں نہ بہتی اگر انگریزی زبان یہاں رائج نہیں کی جاتی، وہ سب اس بات کو فراموش کر دیتے کہ ماقبل سرمایہ دارانہ زرعی سماج کی صنعتی سرمایہ دارانہ سماج میں منتقلی کے ارتقا تاریخ کے طور پر یہ تمام باتیں ظاہر ہوئیں۔ ایسی تبدیلیاں نوآبادیاتی حکومت کے دوران ہوئیں۔ اگرچہ منتقلی کے اس طریقہ کار کے دوران نئے خیالات اور نئی تعلیم کی روشنی ہندوستان پہنچی اگر ہماری زبان سنسکرت یا عبرو ہوتی۔

ان تمام پریشان کن عناصر کے باوجود ہندوستانی زبانیں نوآبادیاتی حکومت کے عرصے میں ترقی کرتی رہیں۔ اس کی وجہ شروع شروع میں خاص طور پر سیاسی اور سماجی بیداری تھی، اور بعد کے عرصے میں ملک گیر قومی تحریک تھی جس میں تمام طبقوں کے لوگوں نے کثیر تعداد میں شرکت کی۔ لوگوں تک سماجی اور سیاسی پیغامات صرف ان کی اپنی ہندوستانی زبانوں کے ذریعہ پہنچے۔ یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ قومی آزادی یا سماجی آزادی کی ایسی تحریکیں نوعیت کے لحاظ سے محض سیاسی یا سیاسی۔ معاشی نہ تھیں بلکہ ان کے ثقافتی پہلو اور مقاصد بھی تھے۔ چنانچہ آزادی کی تحریک نے اس بات کا زبردست مطالبہ کیا کہ تعلیم کے تمام مرحلوں میں اور انتظامیہ کے علاقائی سطحوں پر انگریزی کی جگہ علاقائی زبانیں استعمال کی جائیں اور ہندی۔ ہندوستانی کو کل ہند مقاصد کے لئے رابطہ کی زبان کی طرح کام کرنے کے لئے ایک قومی زبان یا رابطے کی حیثیت سے فروغ دیا جائے۔

ہندوستانی زبانوں کی ترقی کی ایک اور وجہ زیادہ لوگوں کے درمیان جدید تعلیم کی اشاعت و ترویج تھی۔ بہت سے لوگ تو پہلی بار تعلیم حاصل کرنے کے لئے آگے بڑھے۔ نیز سیاسی جمہوری طریقہ کار اس کام میں معاون ثابت ہوا۔ آہستہ آہستہ ثانوی تعلیم انگریزی واسطہ کے دائرہ اثر سے آزاد ہو گئی۔ ہندوستانی زبانوں کے فروغ و ترقی کے لئے ان نئی سرگرمیوں کا درمیانی طبقے کے دیہی زمینداروں اور سماجی لحاظ سے درمیانی طبقے کے لوگوں کے سیاسی اور سماجی شعور کی بیداری اور ترقی سے قریبی تعلق تھا۔ کیونکہ ان لوگوں نے قومی تحریک میں شرکت کی اور علاقائی اور نچلی سطحوں پر سیاسی اقتدار کی باگ ڈور بھی سنبھالی۔ یہ طریقہ کار، جو آزادی کے قبل کے دنوں سے شروع ہوا، آزادی کے بعد گذشتہ تین دہائی کے دوران بھی جاری رہا ہے۔

(۳)

آزادی کی تین دہائی کے بعد اب صورت حال کیا ہے؟

ابتدائی تعلیم کے نصاب سے انگریزی کی تعلیم تقریباً ختم کر دی گئی ہے۔ (ان اسکولوں میں انگریزی میڈیم کے اسکول شامل نہیں ہیں، ان کا بعد میں ذکر کیا جائے گا) گذشتہ سال تک مغربی بنگال میں تعلیمی قیادت غلط راہ پر گامزن تھی۔ یہاں ثانوی طلبا کی بڑی اکثریت اپنی مادری زبانوں میں یا علاقائی زبانوں میں تعلیم حاصل کرتے ہیں، ایک دوسری لازمی زبان کی حیثیت سے انگریزی کی تعلیم دی جاتی ہے۔ چند ریاستوں میں انگریزی کو ایک اختیاری موضوع کی حیثیت دی گئی۔ اعلیٰ تعلیم کے میدان میں ثانوی اسکولوں کے امتحانات پاس کرنے والوں کی، جو انگریزی زبان سے

اچھی طرح واقف نہ تھے، زبردست مطالبہ کی وجہ سے کالجوں میں سائنس تکنالوجی اور پیشہ ورانہ تعلیم کے علاوہ دیگر موضوعات کی تعلیم کے لئے علاقائی زبانیں استعمال کی جانے لگیں۔

لیکن پوسٹ گراجوئٹ درجوں میں یہاں تک کے سماجی سائنس اور عمرانیات کے موضوعات کی تعلیم اب بھی انگریزی میں دی جاتی ہے اور کل ہند سطح پر تعلیم یافتہ لوگ انگریزی میں خط وکتابت کرتے ہیں۔

تب کیسے ہم موجودہ صورتحال کی خصوصیات کو بیان کرسکتے ہیں؟ ایک طرف تو زیادہ تر طلباء کی تعلیم کے لئے تعلیم کی بہت سی شاخوں اور سطحوں پر ہندوستانی زبانوں نے انگریزی کی جگہ لے لی ہے، تو دوسری طرف کنڈرگارٹن اور نرسری سے لیکر اعلیٰ درجوں تک انگریزی میڈیم اسکولوں کی مانگ بڑھتی ہی جارہی ہے اس کی وجہ سے اعلیٰ رئیسوں کا ایک طبقہ عالم وجود میں آیا یہ طبقہ اینگلو۔امریکی قسم کی تعلیم کی نمائشی جدت کا پرچار کرنے لگا۔ لیکن یہاں بھی کلاسیکی یا ادبی شاہکاروں کا مطالعہ کرنے کے لئے انگریزی کی تعلیم حاصل نہیں کی جاتی بلکہ گھٹیا کتابوں کا، جنسیات اور تشدد کی کہانیوں کی کتابوں کا مطالعہ کرنے اور روانی کے ساتھ بات چیت کرنے کے لئے یہ تعلیم حاصل کی جاتی ہے۔ اعلیٰ طبقہ پر انگریزی تعلیم کا اثر ہوتا ہے، اس کے علاوہ علاقائی زبانوں پر بھی اکثر انگریزی۔امریکی ادب پر ثقافتی انحصار کی چھاپ نظر آتی ہے۔ انگریزی داں ہندوستانی رئیسوں کی موجودہ ثقافت کو میکالے کی ٹولیوں کے الفاظ میں بخوبی بیان کیا جاسکتا ہے کہ انگریز حکمرانوں کو یہاں سے چلے جانے کے لئے مجبور کیا گیا، لیکن انگریزی اور اس کا ثقافتی ورثہ اب بھی یہاں موجود ہے۔ اب تک ہم لوگ اپنی نمایاں ثقافتی روایت کی تشکیل نہ کرسکے۔

عوامی شعبوں میں، سیاست، قانون سازی اور انتظامیہ میں کل ہند سطح پر انگریزی سے منتقل کے کام کو ۱۹۶۵ء میں ختم ہوجانا چاہیے تھا، لیکن یہ کام اب تک نہیں ہوا، اور نہ عنقریب مستقبل میں ایسا ہونے کی امید نظر آتی ہے۔ ریاستی سطح پر سیاسی جمہوری بیداری جس حد تک بھی پیدا ہوئی ہے، معدودے چند لوگوں کے حق کی وجہ سے انگریزی کی جگہ علاقائی زبانیں استعمال کی جانے لگی، یعنی اب کافی حد تک ریاستوں میں قانون سازی اور انتظامیہ میں ریاستی زبانیں استعمال کی جارہی ہیں۔ لیکن اعلیٰ سطح پر انگریزی اب بھی سرکاری زبان ہے اور قوانین، سرکاری ضابطہ اور قرارداد میں مرتب کرنے میں مصدقہ تشریح کے لئے اور عدالتوں میں اب بھی انگریزی استعمال کی جاتی ہے۔

اسے صرف ماضی کی نوآبادیاتی حکومت کی ثقافتی ورثہ نہیں کہا جاسکتا ہے اور نہ صرف ہندی کے تسلط یا ہندی والوں کے لسانی تنگ نظر رویہ؛ یہ بات تو کچھ حد تک سمجھ میں آتی ہے، پیدا ہونے والا خوف اس کی واحد وجہ ہے۔ ہماری تعلیم میں اور عام طور پر ہماری قومی زندگی میں انگریزی کے موجودہ تسلط کے لئے بہت ہی مستحکم مادی بنیاد موجود ہے۔ صنعت اور معیشت کے موجودہ سیکٹر میں بڑے بڑے کل ہند کاروبار اور تجارت میں، جدید ٹکنالوجی اور نظم ونسق میں، قانون، قانون سازی اور انتظامیہ میں، اعلیٰ اور متوسط ضابطہ پرستی میں اور نام نہاد قومی پریس میں اب بھی انگریزی کے زبردست حامی موجود ہیں۔ اس کے علاوہ کل ہند پیمانہ پر تعلیم یافتہ لوگوں کے درمیان خط وکتابت اور بات چیت کا واسطہ انگریزی ہی ہے۔ نیز غیر ملکوں سے جو معاہدہ ہوتے ہیں وہ انگریزی میں ہوتے ہیں۔ چنانچہ جغرافیائی لحاظ سے انگریزی واسطہ کی زبان ہے۔ اس لحاظ سے آزادی کے بعد کے عرصہ میں انگریزی کا تسلط کمزور ہونے کی بجائے اور بھی مستحکم ہوگیا۔ موجودہ اجتماعی ڈھانچہ بھی انگریزی زبان سے واقفیت (انگریزی زبان میں بات چیت کرنے کی صلاحیت) کے حق میں ہے۔ مزید برآں انگریزی جاننے کی وجہ سے دولت (شہرت اور مقبولیت) حاصل کرنے کے لئے لوگوں کو مغربی ملکوں میں جانے کی سہولتیں فراہم ہوتی ہیں۔ ایک صدی قبل ایلن برگ کے وقت کی طرح آج بھی جدید تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کے لئے انگریزی کے معنی اقتدار، سماجی وقار اور دولت ہیں۔

چنانچہ انگریزی زبان اور انگریزی تعلیم یافتہ لوگوں کا ہماری موجودہ قومی زندگی کی اہم پوزیشن پر تسلط آج بھی جاری ہے اور انگریزی داں لوگوں کے مادی مفادات اس بات پر پوشیدہ ہے کہ انگریزی کی موجودہ حیثیت کو برقرار رکھا جائے۔ اور زندگی کے اہم شعبوں میں جمہوری طریقہ کار کے فروغ کے لئے ہندوستانی زبانوں میں منتقلی گرچہ ضروری اور ناگزیر ہے تاہم انگریزی داں طبقہ کے لئے ایسا کرنا آسان نہیں ہے درحقیقت ان لوگوں کے لئے یہ بہت ہی جان جوکھم کا اور تکلیف دہ کام ہے اور اس طرح کی تکلیف دہ منتقلی سے ان لوگوں کو کیا فائدہ پہنچیگا؟ یہ بات تو ظاہر ہے کہ ایسی منتقلی سے درمیانی اور نچلے طبقوں کو فائدہ پہنچیگا اور یہی بات انکے اقتدار، بہتر پوزیشن اور استحصال کرنے کے مفادات کو جاری رکھنے میں سد راہ ثابت ہوگا۔

باقی آئندہ

ثانی انصاری
۱۲/۶ ایڈیٹر - کانپور

اقبال کے افکارِ آزادی

علامہ اقبال طبعاً مردِ قلندر تھے اور فطرتاً آزادی اور آزادہ روی کے دلدادہ ؎

ازل سے فطرتِ آزاد میں تھی دلکش بد دِش
قلندری و قباپوشی و کلہہ داری

ہندوستان کی سیاسی غلامی ان کو خون کے آنسو رلواتی تھی۔ "تصویرِ درد" جو بانگِ درا کے حصہ اول میں شامل ہے، ان کے دلی جذبات کی آئینہ دار ہے۔ اس نظم میں انھوں نے ہندستان کے احوال و آثار پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ہے اور ابنائے وطن کو بار بار خوابِ غفلت سے جاگنے اور قعرِ مذلت سے نکلنے کی دعوت دی ہے۔ ان کو اس بات کا شدید احساس ہے کہ تقریر و تحریر کی آزادی نہ ہونے کے باعث وہ اپنے جذبات کو بھی کھل کر نہیں ظاہر کر سکتے اور اپنے ملک کی محرومی و بیچارگی پر آزادی سے دو آنسو بھی نہیں بہا سکتے۔

یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

اور ؎

بنائیں کیا سمجھ کر شاخِ گل پر آشیاں اپنا
چمن میں آہ کیا رہنا جو ہو بے آبرو رہنا
جو تو سمجھے تو آزادی ہے پوشیدہ محبت میں
غلامی ہے اسیرِ امتیازِ ما و تو رہنا
شرابِ روح پرور ہے محبت نوعِ انساں کی
سکھایا اس نے مجھ کو مست بے جام و سبو رہنا

"تصویرِ درد" شاعر کے اس دلِ گداختہ کی آواز ہے جو وطن کی محبت سے لبریز ہے۔ نوعِ انساں کی محبت کی شرابِ روح پرور جس کے لفظ لفظ سے چھلکتی ہے اور جسے ہندستان کی تہذیبی رفعت پر ناز ہے ؎

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا
(ترانۂ ہندی)

یہ نظم "تصویرِ درد" ۱۹۰۵ء سے پہلے کی ہے۔ اس کے بعد علامہ اقبال مزید تعلیم حاصل کرنے کے لئے یورپ گئے۔ وہاں انھوں نے اہلِ یورپ کی دانش و بینش کے بھی کرشمے دیکھے اور ان کے اس جذبۂ وطن پرستی کا بھی بغور مطالعہ کیا جو استعماریت کی شکل میں ایشیا اور افریقہ کے غریب اور پسماندہ ملکوں پر اپنی گرفت مضبوط کر رہا تھا۔ یہ صورتِ حال اقبال کے لیے تشویش کا باعث تھی کیونکہ ان کو ہندستان کی غلامی کی زنجیروں کے کٹنے کا کوئی سرو سامان دور دور تک نظر نہ آتا تھا۔ اقبال سخت ذہنی کشمکش میں مبتلا تھے اور ایک وقت تو ایسا بھی آیا تھا جب انھوں نے شاعری ہی سے توبہ کر لی تھی لیکن خوش قسمتی سے سر عبدالقادر اور ڈاکٹر آرنالڈ کے اصرار پر وہ اپنی توبہ سے باز آگئے اور شعر کہنے لگے۔ سفرِ یورپ کے بعد علامہ اقبال کی فکر و نظر میں مزید وسعت پیدا ہوئی اور انھوں نے انسانی ضمیر کو جگانے کی کوششوں پر اپنی توجہ مرکوز کر دی۔ ان کا نظریۂ خودی، حیاتِ انسانی کے وسیع و بسیط افق پر محیط ہے اور آزادیٔ فکر و نظر اس کا ایک اساسی پہلو ہے یعنی فکر و نظر کی آزادی کے بغیر خودی کی تربیت نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کہ ایک غلام ملک کے باشندے کس طرح آزادیٔ فکر و نظر کا دعویٰ کر سکتے ہیں اور خودی کے نشو و نما کے لئے سازگار ماحول ان کو کیسے میسر آسکتا ہے! اسی لیے اقبال کو کہنا پڑا کہ ؎

غلامی کیا ہے ذوقِ حسن و زیبائی سے محرومی
جسے زیبا کہیں آزاد بندے، ہے وہی زیبا
بھروسہ کر نہیں سکتے غلاموں کی بصیرت پر
کہ دنیا میں فقط مردانِ حُر کی آنکھ ہے بینا (حکیم سنائی کے مزار پر)

اقبالؔ کی اردو اور فارسی شاعری کا معتدبہ حصّہ نظریۂ خودی کی تشریح و تعبیر پر مبنی ہے۔ انھوں نے خودی کی تشکیل و تعمیر کے تصورات کو طرح طرح کے پیرایوں میں بیان کیا ہے اور ہر جگہ انھوں نے حرّیتِ فکر کے تصوّر کو بھی اجاگر کیا ہے۔ وہ حکیم سنائی کے مزار پر ہوں یا ملّازادہ ضیغم لولابی کشمیری کی بیاض کی بازیافت کر رہے ہوں، خوشحال خاں خٹک کی وصیّت کو یاد دلا رہے ہوں یا غافل افغان کو اپنی خودی پہچاننے کی دعوت دے رہے ہوں، ترکانِ احرار کا خیر مقدم کر رہے ہوں، حرّیتِ فکر و نظر اور آزادیِ کامل کا تصوّر ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہتا ہے یہاں تک کہ وہ خالقِ کائنات سے بھی شکوہ کرنے لگتے ہیں کہ ؎

تیرے آزاد بندوں کی نہ یہ دنیا نہ وہ دنیا
یہاں مرنے کی پابندی وہاں جینے کی پابندی

اور۔۔۔۔۔۔۔۔!

اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو
لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند
لیکن مجھے پیدا کیا اس دیس میں تو نے
جس دیس کے بندے ہیں غلامی پہ رضامند

وہ دلّی اور صفاہان اور سمرقند سے صرف اسی لیے برات کا اظہار نہیں کرتے کہ ان کو اپنے مردِ آفاقی ہونے کا ادّعا ہے بلکہ اس لئے بھی کرتے ہیں کہ یہ سب شہر اپنے جذبۂ حرّیت کو کھو کر غیروں کی غلامی پر رضامند ہو چکے ہیں اور اقبال جیسا مردِ قلندر ان سے وابستہ ہو کر تقدیرِ ازل پر قانع نہیں ہو سکتا۔

اقبالؔ کے دلِ دردمند میں آزادی کا شعلہ تا عمر روشن رہا۔ "شعاعِ امید" ان کے دورِ آخر کی نظم ہے جس میں ایک نئے اسلوب سے انھوں نے ہند کے مردانِ گراں خواب کو نیند سے جگانے کی کوشش کی ہے۔ ان کو اس بات کا شدید رنج ہے کہ برہمن بت خانے کے دروازے پر محوِ خواب ہے اور مسلمان زیرِ محرابِ مسجد تقدیر کو رو رہا ہے۔ تقدیر پر قانع ہو جانے اور تلخیِ حالات کا زہر خاموشی سے پی لینے کو وہ انسانیت کے منصب سے بہت فروتر سمجھتے ہیں اور حصولِ آزادی کی ہر کوشش کو فرضِ عین جانتے ہیں۔ "شعاعِ امید" اقبال کے دورِ آخر کی اہم ترین نظم ہے جس میں ان کا جذبۂ حب الوطنی اپنے شباب پر نظر آتا ہے ؎

چشمِ مہ و پرویں ہے اسی خاک سے روشن
یہ خاک کہ ہے جس کا خزف ریزہ درِ ناب
خاور کی امیدوں کا یہی خاک ہے مرکز
اقبالؔ کے اشکوں سے یہی خاک ہے سیراب

(شعاعِ امید)

"ترانۂ ہندی" سے "شعاعِ امید" تک، اقبالؔ کے جذبۂ حب الوطنی کا ذہنی سفر اقبال کے زاویۂ نظر کو سمجھنے کے لئے بہت اہم ہے وطن دوستی کے جو نقوش "ترانۂ ہندی" میں روشن ہوئے ہیں "شعاعِ امید" کی دل کشی اور رعنائی میں مزید اضافہ کر دیا ہے۔ درمیانی زمانے میں بھی، جب اقبال کی توجہ نظریۂ خودی کی تبلیغ پر پوری طرح مرکوز تھی، وہ بار بار غلامی کے خلاف ہمارے جذبۂ حرّیت کو مہمیز کرتے اور دلوں کو اک ولولۂ تازہ عطا کرتے ہوئے نظر آتے ہیں ؎

بندگی میں گھٹ کے رہ جاتی ہے اک جوئے کم آب
اور آزادی میں بحرِ بے کراں ہے زندگی

(خضرِ راہ)

کہوں تجھ سے اے ہم نشیں دل کی بات
وہ مدفن ہے خوشحال خاں کو پسند
اڑا کر نہ لائے جہاں بادِ کوہ
مغل شہ سواروں کی گردِ سمند

(خوشحال خاں کی وصیّت)

ملّا کو جو ہے ہند میں سجدے کی اجازت
ناداں یہ سمجھتا ہے کہ اسلام ہے آزاد

(ہندی اسلام)

محکوم کا دل مردہ و افسردہ و نومید
آزاد کا دل زندہ و پرسوز و طربناک
آزاد کی دولت دلِ روشن، نفسِ گرم
محکوم کا سرمایہ فقط دیدۂ نمناک

(ضیغم لولابی کشمیری کی بیاض)

مشرق کے خداوند سفیدانِ فرنگی
مغرب کے خداوند درخشندہ فلزّات
یہ علم یہ حکمت یہ تدبّر یہ حکومت
پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیمِ مساوات

(لینن خدا کے حضور میں)

آزاد کا ہر لحظہ پیامِ ابدیّت

باقی ص۵ پر

ہندوستان کے قبائلی



از: ڈاکٹر امل کمار داس
ڈائرکٹر ثقافتی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

ہندوستانی تہذیب کو چھوٹی بڑی روایتوں کا امتزاج کہا جا سکتا ہے۔ مختلف نسلوں اور لسانی گروہوں جیسے ماقبل ڈراویڈ، ڈراویڈ، آریا، منگول وغیرہ نے ماقبل تاریخ اور تاریخ کے مختلف ادوار میں ہندوستانی تہذیب اور ثقافت کی تشکیل میں مدد دی ہے۔

ماقبل تاریخ کے دور کی جو شہادتیں ملی ہیں ان سے یہ پتہ چلا ہے کہ قدیم پتھر کے دور میں ہندوستان میں انسان کی آبادی تھی۔ قدیم انسان کی ثقافت ارتقائی منزلوں سے گذرتی ہوئی کیل کولیتھک (CHALCOLITHIC) دور میں یعنی تقریباً سنہ ۲۵۰۰ قبل مسیح میں موہنجوداڑو اور ہڑپا تہذیب کی تشکیل میں مکمل صورت اختیار کی۔ یہ تسلیم شدہ اور مصدقہ حقیقت ہے کہ ماقبل ڈراویڈ اور ڈراویڈ اس تہذیب کے بانی تھے۔ یہی لوگ ہندوستان کی موجودہ قبائلیوں کی بڑی تعداد کے آباد اجداد تھے۔ بعد میں آریائی زبان بولنے والے اور ویدیائی ثقافت لانے والے آریائی لوگ مختلف ادوار میں ہندوستان آئے اور یہاں کے قدیم باشندوں یعنی ماقبل ڈراویڈ اور ڈراویڈوں سے ان کا براہ راست آمنا سامنا ہوا۔ جو لوگ آریاؤں کا مقابلہ نہ کر سکے، انھیں آریاؤں نے اپنے سماج میں شامل کر لیا اور سب سے نچلی حیثیت انھیں دی، اور جن لوگوں نے ماتحتی قبول کرنے سے انکار کر دیا، انھوں نے ان جگہوں سے ہجرت کرنے کو ہی ترجیح دی۔ ان میں سے چند قبیلوں نے جنوبی ہندوستان میں سکونت اختیار کی اور بعض قبیلے کے لوگ مرکزی ہندوستان کی پہاڑیوں اور سطح مرتفع پر اور ان کے آس پاس کے علاقوں میں آباد ہو گئے۔ یہ لوگ ماقبل ڈراویڈ اور ڈراویڈ کی نسل سے تعلق رکھتے ہیں۔ منگول یا ہندی کیراتی نسل کے لوگ تبت، چین، منگولیا، برما، جنوبی مشرقی ایشیا کے ملکوں سے ہندوستان آئے اور خاص طور پر ملک کے شمال۔مشرقی سرحدی علاقوں میں آباد ہو گئے۔ بعد میں تاریخ کے دور میں اور مختلف علاقوں میں ان مختلف نسلوں کے درمیان شادی بیاہ ہونے لگے۔ اس طرح چھوٹی چھوٹی مختلف النوع ثقافتوں سے ہندوستانی زندگی اور ثقافت کا خزانہ مالامال ہوتا گیا۔ ہندوستانی تہذیب کی بنیاد ہندوستان کے لوگوں کے آباد اجداد نے ڈالی تھی۔ چنانچہ ہندوستانی تہذیب اور ثقافت کی کہانی چھوٹی اور بڑی روایتوں کے امتزاج کی کہانی ہے۔

(۲)

قبائلیوں کو، جو زرخیز علاقوں میں رہتے تھے، آہستہ آہستہ پہاڑی اور جنگلاتی علاقوں میں ڈھکیل دیا گیا۔ چونکہ ان علاقوں میں آمدورفت کی بڑی دشواری تھی، اس لئے یہاں قبائلی آباد ہو گئے اور اس طرح انھوں نے اپنی انفرادیت اور اپنے طرز زندگی کو برقرار رکھا۔ انگریزوں کے عہد حکومت میں ان لوگوں کا انگریزوں سے براہ راست تصادم ہوا اور ان کے

نتیجہ میں ان علاقوں میں جہاں قبائلیوں کی کثیر آبادی تھی، شورشیں اور بغاوتیں ہوتی ہیں۔ انگریز حکام نے یہی بہتر سمجھا کہ انھیں چھیڑا نہ جائے اور انھیں الگ تھلگ زندگی گذارنے کی اجازت دی۔ الگ تھلگ رکھنے کی پالیسی سے غیر ملکی حکمرانوں نے قبائلی سماج کو ہندوستانی عوام کے سماج سے بالکل الگ رکھنے میں کامیابی حاصل ہوئی۔

آزادی کے بعد ہندوستانی لیڈروں کو اس خطرناک صورت حال کا احساس ہوا اور انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ ہندوستان کے عام لوگوں اور قبائلیوں کی سماجی، معاشی اور ثقافتی زندگی میں تفریق کو مٹانے کے لئے دستور ہند میں مناسب گنجائش رکھی جائے تاکہ ہندوستانی سماج کے اس لازمی جزو کے معیار زندگی میں جلد از جلد بہتری ہو اور وہ برابر کے شہری کی طرح دیگر لوگوں سے کاندھے سے کاندھا ملاکر آگے بڑھ سکیں۔ اس سلسلہ میں جس پالیسی کو اپنایا گیا اسے نہ الگ تھلگ رکھنے کی اور نہ ضم کرنے کی پالیسی کہا جا سکتا ہے بلکہ اسے یکجہتی کی پالیسی کہتے ہیں۔ قبائلی آبادی کے سلسلہ میں ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم شری جواہر لال نہرو نے مندرجہ ذیل رہنما اصول مرتب کئے تھے۔

"یہ لوگ ہمارے اپنے لوگ ہیں اور ہمارا کام یہیں ختم نہیں ہو جاتا ہے کہ ہم نے اتنے سارے اسکول اور اتنے سارے شفاخانے اور ہسپتال کھول دئے ... ہمیں جو کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں میں کھلے پن کا احساس، اتحاد اور سمجھ بوجھ کا احساس پیدا کیا جائے۔ اس کے معنی یہ ہوئے کہ ہمیں اس مسئلہ پر نفسیاتی نظریہ سے بھی غور کرنا چاہئے۔ آپ رات دن بھر اسکولوں اور دیگر امور کی بابت، ترقیاتی پروگراموں کے سلسلہ میں بات چیت کر سکتے ہیں، لیکن آپ کو کامیابی حاصل نہیں ہوگی اگر آپ اس مسئلہ کے مرکزی نقطہ پر غور نہ کریں۔ آج ضرورت اس بات کی ہے۔ ہم ان لوگوں کو، ان کی ضرورتوں کو اچھی طرح سمجھیں اور اپنی بابت بھی انھیں سمجھائیں اور اس طرح محبت اور سمجھ بوجھ کا ایک رشتہ قائم کریں.....

آج ہندوستان کا سب سے بڑا مسئلہ سیاسی نہیں بلکہ نفسیاتی یکجہتی اور استحکام کا ہے..... ہمیں قبائلیوں کے پاس پیار و محبت اور دوستی کا پیغام لیکر جانا چاہئے۔ ہمیں ان لوگوں کو یہ بتانا چاہئے کہ

ہم ان کی پسماندگی دور کرنے کے لئے ان کے پاس آئے ہیں۔ ہم انھیں یہ بتلائیں گے کہ ہم انھیں کچھ دینے نہ کہ ان سے کچھ لینے آتے ہیں۔ ہندوستان کو اس قسم کی نفسیاتی یکجہتی کی ضرورت ہے..... بہر حال ہمیں یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ ہم ان کے طرز زندگی میں مداخلت کرنا نہیں چاہتے بلکہ ہم تو ان کی مدد کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اپنے طور پر بہتر طریقہ سے اپنی زندگی گذاریں۔"

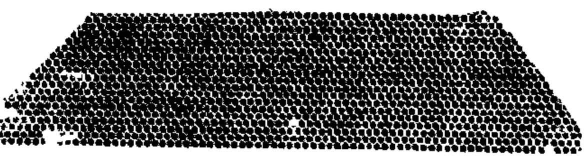
(۳)

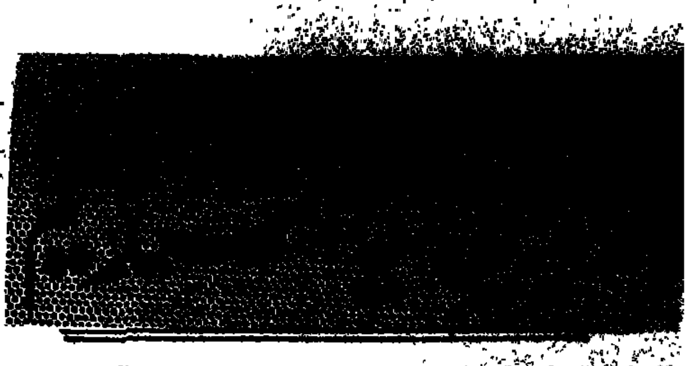
ہندوستان میں تقریباً ۳۰۰ قبائلی فرقے ہیں۔ ان کی تعداد (۵۱ء۳۸۰ لاکھ) ہندوستان کی کل آبادی (۶۸۵۱ء۸۴ لاکھ) کی تقریباً ۷ فی صد ہے۔ یہ قبائلی فرقے مختلف سائز کے ہوتے ہیں۔ گونڈ، بھیل اور سنتھال میں سے ہر فرقہ کے لوگوں کی تعداد ۴۰ لاکھ سے زیادہ ہے برخلاف اس کے انڈمان کے آونج فرقہ صرف ۱۱۲ اور عظیم انڈمان صرف ۱۹ افراد پر مشتمل ہیں۔ مندرجہ ریاستوں اور مرکزی حکومت کے زیر انتظام علاقوں میں قبائلیوں کی آبادی کی کثرت ہے۔ اروناچل پردیش (۸۵ء۶۸ فی صد) میگھالیہ (۸۰ء۴۳ فی صد) میزورم (۹۲ء۲۸ فی صد)، ناگالینڈ (۸۸ء۷۶ فی صد) لکادیپ (۹۳ء۷۵ فی صد) اور دادرا اور نگر حویلی (۸۶ء۴۹ فی صد)۔ بڑی بڑی ریاستوں جیسی اڑیسہ (۲۳ء۱۱ فی صد)، مدھیہ پردیش (۲۰ء۱۳ فی صد)، بہار (۸ء۳۱ فی صد) میں اگرچہ قبائلیوں کی آبادی ۲۵ فی صد سے کم ہے تاہم یہاں ایسے بہت سارے علاقے ہیں جہاں قبائلیوں کی گنجان آبادی ہے۔ قبائلیوں سے سب سے کم آبادی کرناٹک (۰ء۷۹ فی صد) اور گوا (۰ء۸۲ فی صد) میں ہے۔

عام طور پر قبائلی آبادی کو تین اہم خطوں میں رکھی۔ شمال مشرقی خطہ میں قبائلیوں کے لیپچا، بھوٹیا، میک، ربھا، گارو، آکا، ڈفلا، ابور، میری، مشمی، سنگپو، میکیر، کاچری، کھاسی، ناگا، کوکی، لوشائی، چکما وغیرہ قبیلے کے لوگ آباد ہیں۔ مرکزی خطہ میں سنتھال، منڈا، اڑاؤں، ہو، بھومیج، کھاریہ، برہور، بھوئیاں، جوانگ، کندھ، سوارا، گونڈ، بیگا، بھیل اور کول قبیلے آباد ہیں۔ اس خطہ میں قبائلیوں کی سب سے زیادہ آبادی ہے۔ جنوبی خطہ میں چنچو، کوٹا، کورمبا، بداگا، ٹوڈا، کدار، ملایان، متھوان، اڑالی، کانیکر قبیلے کے لوگ رہتے ہیں۔

مذکورہ بالا خطوں کے علاوہ شمالی مغربی خطہ میں بھی قبائلی آباد رہے ہیں۔ اس خطہ میں کنور، بھوٹ، کھاساس قبیلے کے لوگ رہتے ہیں۔ انڈمان اور نکوبار جزائر میں جروا، اونگے، شمالی سنٹینلیس اور نکوبریس کے قبیلے آباد ہیں۔ اس خطہ میں قبائلیوں کی تعداد بہت ہی کم ہے۔

باقی آئندہ





بچوں کا پارک اور سوپر مارکٹ

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو نے گذشتہ ۱۵ ستمبر کو درگاپک ہلدیہ میں ایک اسٹیڈیم ایک چلڈرنس پارک اور ایک سوپر مارکٹ کا افتتاح کیا۔ حکومت مغربی بنگال کے چیف سکریٹری اور ہلدیہ ترقیاتی آتھورٹی کے چیرمین شری اے۔ کے سین نے اس تقریب کی صدارت کی شری لکشمن سیٹھ اور دیگر معزز اصحاب بھی اس موقعہ پر موجود تھے۔

ان پروجکٹوں کو ہلدیہ ترقیاتی آتھورٹی نے پایۂ تکمیل تک پہونچایا۔ اسٹیڈیم کی تعمیر پر تخمیناً ۸۱۸۴۲۶ روپے خرچ ہوئے۔ اس میں ۳۰۰۰ افراد کے بیٹھنے کی جگہ ہے۔ اس کی تعمیر کا کام ۹ مہینوں میں مکمل ہوا۔ بچوں کا پارک تقریباً ۲ ایکڑ رقبۂ آراضی پر مشتمل ہے اور اس کی تعمیر پر ۵۲۰۹۰۰ روپئے خرچ ہوئے۔ سوپر مارکٹ کے فرسٹ فلور کی جگہ کا رقبہ ۶۵۶۶۰ مربع فیٹ ہے اور اس کی تعمیر پر ۲۲۵۹۵۷۴ روپئے خرچ ہوئے۔

نئے اسٹیڈیم میں ایک بڑے مجمع کو خطاب کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اپنی افتتاحی تقریر میں کہا کہ ریاستی حکومت کے محدود وسائل اور اختیارات کے باوجود بائیں محاذ حکومت مسلسل اس بات کی کوشش کر رہی ہے کہ اس ریاست کے مختلف علاقوں میں ترقیاتی سرگرمیوں میں تیزی لائی جائے اور مختلف طریقوں سے لوگوں کی دشواریوں کو دور کیا جائے۔ وزیر اعلیٰ نے گذشتہ چار برسوں میں عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ریاستی حکومت کے کئے گئے اقدامات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا۔ وزیر اعلیٰ نے کہا کہ کلاس XII تک مفت تعلیم رائج کرنا، ضعیف کسانوں کو پنشن دینا، کام کے بدلہ اناج پروگرام کی تکمیل، اصلاحات آراضی کے اقدامات، برگداروں کے حقوق کا تحفظ وغیرہ چند اہم سرگرمیاں ہیں جن کی طرف ریاستی گذشتہ چار برسوں سے توجہ دے رہی ہے۔

مثلاً پور ضلع میں ہلدیہ اور کھڑگپور جیسے ترقی کے مراکز کا ذکر کرتے ہوئے وزیر اعلیٰ نے کہا کہ ان علاقوں کی تیز تر ترقی کے لئے ریاستی حکومت مسلسل کوشش کر رہی ہے۔ انھوں نے اس بات پر اظہار افسوس کیا کہ سابق حکومت کے دور میں ہلدیہ کی جلد از جلد ترقی کے لئے کافی اقدامات نہیں کئے گئے اگرچہ اس سلسلہ میں دعوے تو کئے گئے تھے۔

وزیر اعلیٰ نے ہلدیہ کو ایک صنعتی مرکز کی حیثیت سے ترقی دینے کے لئے ضروری سہولتیں فراہم کرنے کی ضرورت پر زور دیا۔ انھوں نے بتایا کہ ہلدیہ میں ایک پٹرو کیمیکل کمپلکس قائم کرنے کے سلسلے میں ضروری کام جاری ہے۔ اس پروجکٹ کو منظوری دینے کے سلسلہ میں حال ہی میں مرکزی حکومت کے دو افسران اس مسئلہ پر بات چیت کرنے کے لئے مغربی بنگال آئے۔ وزیر اعلیٰ بچوں کے پارک، سوپر مارکٹ اور اسٹیڈیم کے افتتاح کے موقعہ پر عوام کے اظہار جوش و خروش پر اپنے اطمینان کا اظہار کیا۔ انھوں نے عوام کو اور متعلقہ حکام کا شکریہ ادا کیا۔

شری اے۔ کے۔ سین چیف سکریٹری نے اپنی تقریر میں کہا کہ ہلدیہ کی ترقی کے لئے مختلف صنعتی یونٹوں کا قائم کرنا ضروری ہے۔ انھوں نے ہلدیہ میں چند ترقیاتی اسکیموں کا ذکر کیا۔

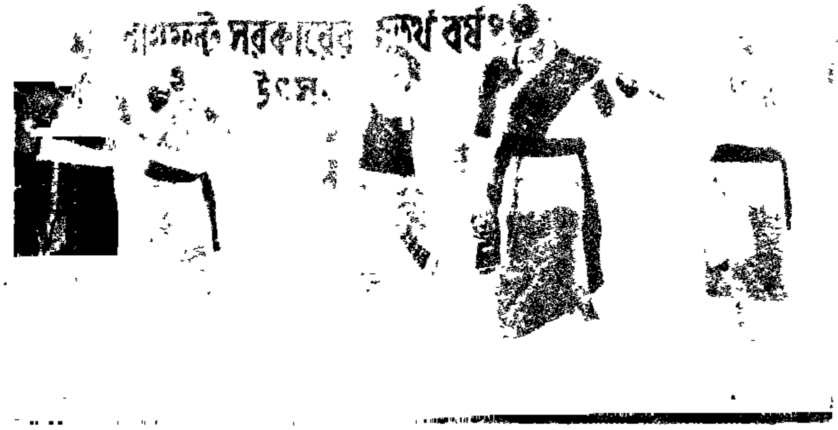
انھوں نے بتایا کہ ہلدیہ میں پینے کے پانی کی سپلائی کے لئے ایک پروجکٹ کو مکمل کر لیا گیا ہے، نیز ایک اور پانی سپلائی پروجکٹ کے لئے تیاری کی جا رہی ہے۔ انھوں نے ہلدیہ کی ترقی کے لئے عوام کے تعاون کو سراہا۔

برگداروں کو ۲۵ر۳ لاکھ روپیہ کی مالی امداد

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ ضلع جلپائی گوڑی میں ۱۹۸۱-۸۲ء کے دوران مندرجہ فہرست قبائل کے برگداروں نیز اُن افراد کو جنھیں ضم شدہ زمینیں الاٹ کی گئی ہیں، مالی امداد دینے کے لئے ۲۵ر۳ لاکھ روپیہ منظور کیا گیا ہے یہ رقم اڈیشنل ڈپٹی کمشنر، جلپائی گوڑی کے زیر اختیار دیدی گئی ہے۔

ملازمین ریاستی اسکیم کے دائرہ عمل میں توسیع

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ ضلع ندیا میں کلیانی تھانہ کے تحت سگونا اور گلیا کے مواضعات ۲۶ جولائی ۱۹۸۱ء سے ملازمین ریاستی بیمہ ایکٹ مجریہ ۱۹۴۸ء کے دائرہ اثر میں لے آئے گئے ہیں۔

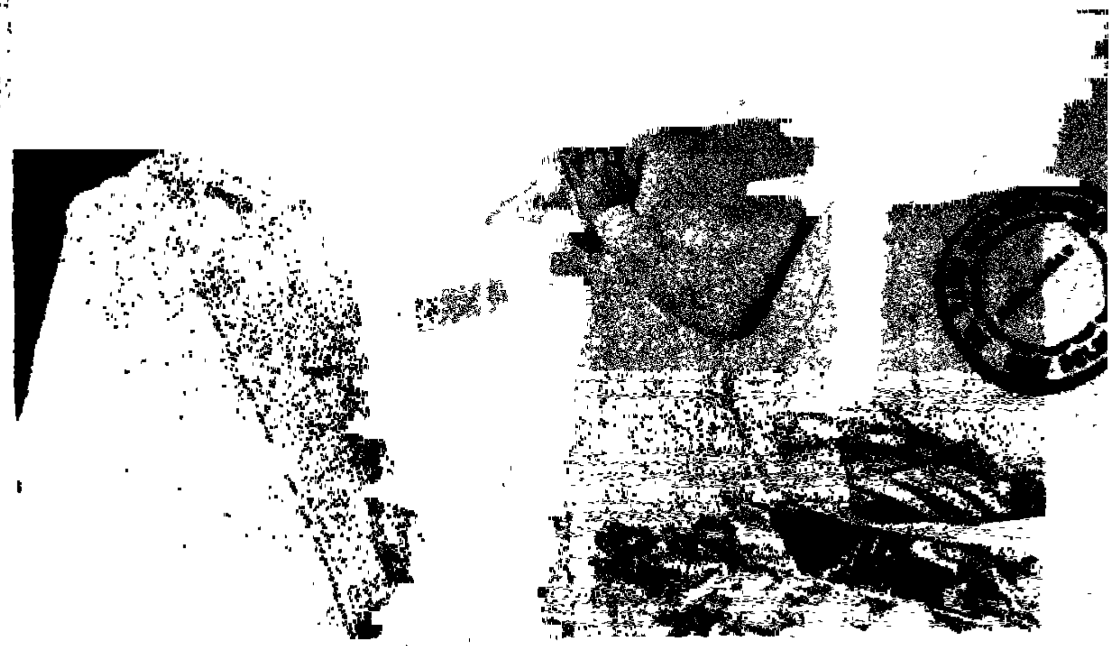


بائیں محاذ حکومت کی چوتھی سالگرہ کی تقریب کے سلسلہ میں
جلپائی گوڑی میں منعقدہ ثقافتی جشن



Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt, Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

یوم اساتذہ کے موقعہ پر کلکتہ میں منعقدہ ایک تقریب میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو اساتذہ کو انعامات تقسیم کر رہے ہیں۔

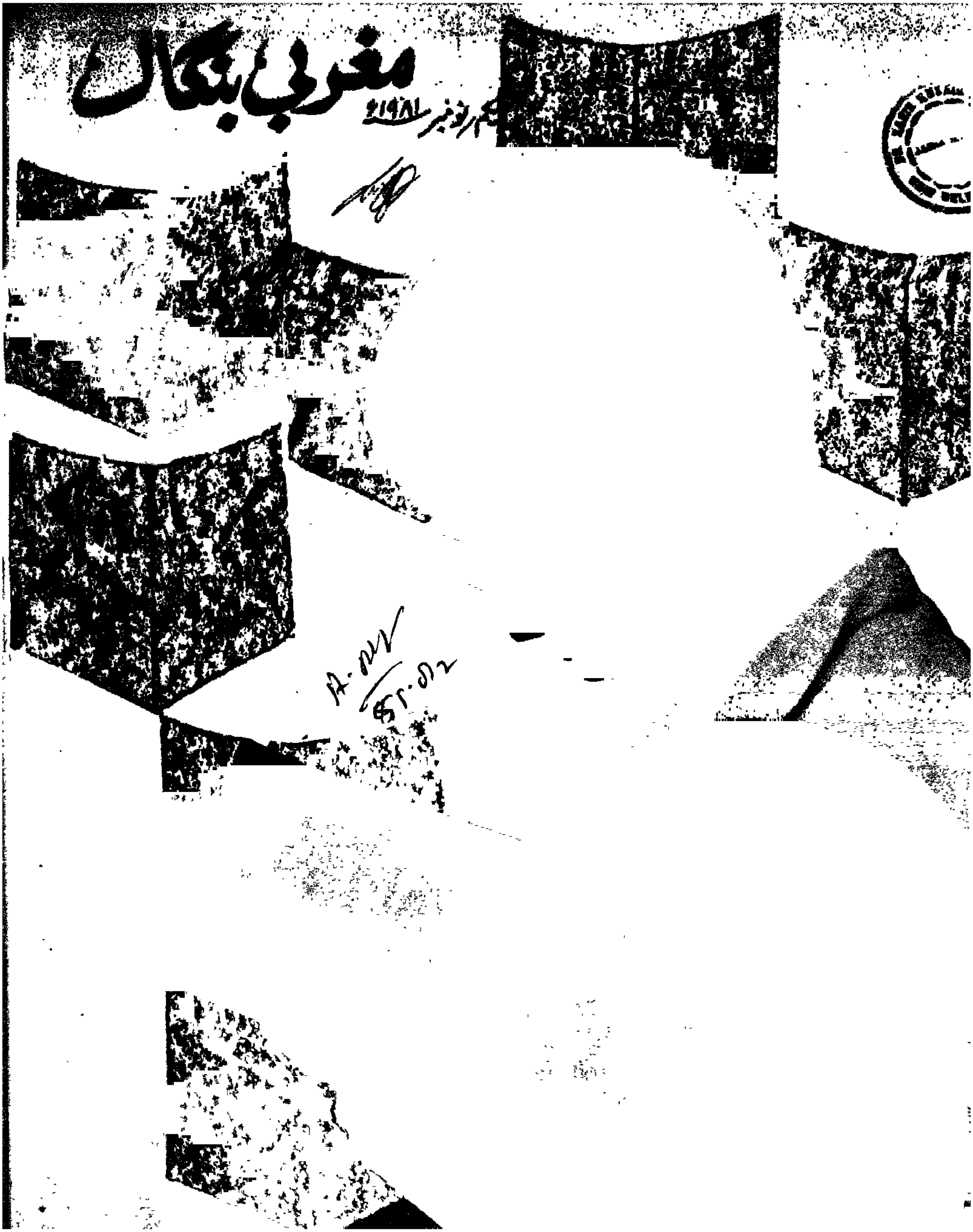


دت بگان، کلکتہ میں ڈی۔ وائی۔ ایف کے آنکھ اور خون عطیہ کیمپ میں وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو۔ اس کیمپ کا وزیر اعلیٰ نے افتتاح کیا۔



مغربی بنگال

یکم نومبر ۱۹۸۱ء



پشچم بنگ سرکار کا :-

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ :- ایس کے سین گپتا

مدیر معاون :- محمد اعظم

شرح خریداری :-

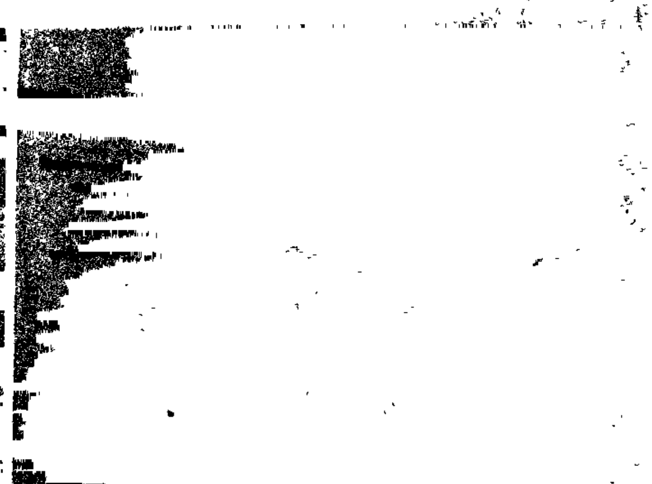
سالانہ ۳؍ روپے

قیمت :- بارہ پیسے فی پرچہ

جلد ۲۸	یکم ؍ نومبر ۸۱ء	شمارہ ۲۰

شری بھیرودت پانڈے، گورنر مغربی بنگال، ۲؍ اکتوبر ۸۱ء کو بارکپور میں گاندھی گھاٹ پر خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے۔





وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو، بدھان نگر، کلکتہ میں بدھان نگر تھانہ اور پولس کوارٹرس کا افتتاح کر رہے ہیں۔

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impresion 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012

ترقی اور معاشی ابتری

از:- ڈاکٹر اشوک مِترا

عام طور پر سماجی سائنسداں وقتاً فوقتاً پیچھے کی طرف مڑ کر دیکھتے ہیں اور اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ سماجی رفاہ میں ان کا دین کیا ہے قومی منظر ایک غمگین نظارہ پیش کرتا ہے یوں تو ہماری یہ فضا دتسنیع سے، لڑائی جھگڑے اور شکایتوں سے کثیف ہو چکی ہے ساتھ ہی رجائیت پسند لوگوں کی تعداد بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ اب زیادہ سے زیادہ لوگ اس بات پر یقین کرنے لگے کہ وراثت میں ہمیں جو کچھ ملا، اپنے اناڑی پن کی وجہ سے انھیں ہم بجا طور پر استعمال میں نہ لا سکے اور یہ کہ ہم نے اپنے امور کو اور بھی الجھا دیا، اور آزادی کے وقت ہندستان نے جو وعدے کئے تھے انھیں فراموش کر دیا گیا اور شاید اب کبھی بھی انھیں پورا نہ کیا جا سکے گا۔

اس نقطہ کو میں یوں وضاحت کرنا چاہتا ہوں۔ موجودہ معاشی منظر میں دو باتیں بالکل نمایاں ہو گئی ہیں۔ پہلی یہ کہ قوم کی معاشی ترقی میں نیم انجماد کی صورتحال پیدا ہو گئی ہے۔ اگر معاشی ترقی کی رفتار مایوس کن رہی ہے، تو اس کی وجہ جنگ نہیں ہے جو ہم نے لڑی اور نہ بارش کی کمی اس کا سبب ہے، بلکہ بہت ساری بنیادی باتوں کی وجہ سے ایسی صورت حال پیدا ہوئی ہے، جیسے مثال کے طور پر (۱) بچت میں کمی یا تشفی بخش طریقہ سے بچت کی رفتار میں اضافہ نہ ہوا۔ اور (۲) بچت کی رقم سے خاطر خواہ حد تک سرمایہ کی تشکیل نہ ہو سکی۔ اس کے ساتھ ہی ایک اہم وجہ آمدنی میں نابرابری میں اور بھی زیادہ اضافہ بھی ہے۔

نہ صرف یہ کہ آمدنی میں اضافہ کی شرح تشفی بخش نہیں ہوئی بلکہ جتنی بھی ترقی ہوئی، وہ مختلف علاقوں میں نہایت ہی غیر مساوی طور پر ہوئی۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ ان برسوں میں آمدنی کی تقسیم میں نمایاں طور پر نابرابری ہوئی۔

میرے خیال میں ایک اہم سیاسی مسئلہ یعنی مرکز۔ ریاست تعلقات سے متعلق مسئلہ کا ترقی اور از سر نو تقسیم کے مسئلہ سے اہم تعلق ہے۔ اور ان مسائل پر غور و خوض کرتے ہوئے، میرے خیال میں، ہماری نسل کے سماجی سائنسدانوں نے حد سے زیادہ پیروی کی نمائش کی ہے۔ ہمارے دستور کا ڈھانچہ وفاقی ہے اور اس میں ظاہراً مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کی ذمہ داریوں کی الگ الگ نشاندہی کی گئی ہے۔ لیکن عملی طور پر اس نام نہاد وفاقی نظام میں مرکز ہی سب سے زیادہ فعال ایجنٹ ہے۔ چونکہ حکومت کرنے میں وسائل پر اختیار محوری حیثیت کا حامل ہوتا ہے، اس لئے اس طریقہ کار کو دستور میں رکھی گئی مالیاتی گنجائش سے کافی تقویت پہونچی ہے۔

یہ مثل مشہور ہے کہ جس کا کھاتے ہیں اسی کا گیت گاتے ہیں، اس لئے مرکز کو دائرہ عمل میں بھی انتظامی اور قانونی فیصلوں کی صورتوں میں مرکز نے احکامات صادر کرنا شروع کر دیا۔ اس سلسلہ میں نہایت ہی ناتواں ادارہ یعنی مالیاتی کمیشن کو صرف حاشیائی کردار ادا کرنا پڑتا ہے کیونکہ منصوبہ بندی کمیشن اس پر حاوی ہو گیا اور چھا گیا لیکن منصوبہ بندی کمیشن کے قیام کے لئے دستور میں کسی قسم کی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ یہ کمیشن پارلیامنٹ کی منظور شدہ ایک قرارداد کے ذریعہ عالم وجود میں آیا۔ اسے مرکزی حکومت نے قائم کیا اور مرکز ہی اسے قائم رکھ سکتا ہے اور ختم بھی کر سکتا ہے۔

اس کی وجہ سے مرکزی حکومت کے حسب منشا ترقیاتی منصوبے اور پالیسیاں مرتب کی جانے لگیں۔ مشہور اور ممتاز لوگوں نے، جیسے پروفیسر گاڈگل نے وقتاً فوقتاً منصوبہ بندی کے لامرکزی ڈھانچہ کی افادیت کو بار بار بیان

ہیں لیکن ان کے باوجود وہ سب معاشی فیصلوں کی بڑھتی ہوئی مرکزیت کے رجحان کے رخ کو موڑ نہ سکے۔ اس سلسلہ میں میری نسل کے ماہرین معاشیات سے خلاف اندھی تقلید اور پیروی کرنے کی میری شکایت ہے۔ چند باتوں کے سلسلہ میں یہ تصور کر لیا جاتا ہے کہ یہ صحیح ہیں۔ ہم میں سے بعض حضرات ناقابل تقسیم معاشی ترقی کے کردار کو زیادہ خاص اہمیت دیتے ہیں کیونکہ ان لوگوں نے الفریڈ مارشل کی کتاب پرنسپلس (اصول) اور دیگر کتابوں کا غائر مطالعہ کیا ہے، اور ان کے تصورات سے فیض حاصل کرنے کی کوشش کی ہے بڑے بڑے صنعتی اور دیگر اداروں کی کارکردگی کی وجہ جو معاشی منظر سامنے آتا ہے اسے ذہین اور عالموں کی تفریح کا سرچشمہ کہا جا سکتا ہے۔ اگر معاشی ڈھانچہ مرکزیت پر مبنی ہو تو اس سے وابستہ بہت چیزیں غیر منقسم ہو جائیں گی۔ مثال کے طور پر مصنوعات کی بازار میں فروخت، قدرتی وسائل کے استعمال، وسائل معہ بیرونی وسائل کا اکٹھا کرنا، پیداواری سرگرمیوں میں ٹکنالوجی کا استعمال وغیرہ ــــ ان تمام مسئلوں پر الگ سے غور نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ماہرین معاشیات نے فوراً سے پیشتر مرکزیت پر مبنی پالیسی سازی کے تصور کو تسلیم کر لیا، اور میری ناچیز رائے میں ہمارے مسائل کا آغاز یہیں سے ہوا۔ ہمارے سیاسی لیڈروں نے ایک انتظامی کل کی حیثیت سے ہندوستان کا تصور کیا تھا۔ ہمارے دستور کی ظاہراً وفاقی نوعیت کے باوجود ملک کے کسی حصہ میں مرکز کی تقلید اور پیروی نہ کرنے کے رجحان کو شک و شبہ کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔ سیاسی یا معاشی اختلاف کے ہر اظہار کو ناقابل معافی انحراف تصور کیا جاتا ہے۔ مرکز کے ہاتھ مرکوز مالی اختیارات کو وحدانی [illegible] کرنے اور کثیر مرکز رجحانات کی ہمت افزائی نہ کرنے کے لئے بطور لیور استعمال میں لایا جاتا ہے۔

نظام سیاست اور نظام حکومت کے وحدانی ڈھانچہ کو برقرار رکھنے کی تشویش حالیہ برسوں میں تقریباً ایک خبط کی طرح ظاہر ہوتی ہے کہ مرکز میں جس سیاسی پارٹی یا محاذ کی پارٹیوں کی حکومت ہو، تو ریاستوں میں بھی وہی پارٹی یا پارٹیاں برسر اقتدار رہیں۔ ملک کے مختلف علاقوں میں جن سماجی طریقہ کار کو بروئے عمل لایا جا رہا ہے اگر انھیں پیش نظر رکھا جائے تو یہ بڑی تعجب خیز بات ہوگی کہ ملک کے ہر حصہ میں سیاسی خیالات ایک جیسے ہوں۔ اس کے باوجود اگر رجحانات کو کہ ہر جگہ ایک جیسے سیاسی خیالات اور طریقہ کار ہونے چاہئیں، قومی مقصد بنا لیا جائے تو حکام کے سامنے دو ہی راستے ہوں گے۔ پہلا یہ کہ مرکز ارتھیاں اور

منحرف علاقوں میں ان علاقوں کی وفاداری اور حمایت حاصل کرنے کی امید پر نہایت فراخدلی کے ساتھ وسائل فراہم کر سکتا ہے۔ جب ایسا کیا جاتا ہے تو اس وقت وسائل کی فراہمی کے مقابلتاً بہتری کے اصول کو فراموش کر دیا جاتا ہے۔ اس طریقہ کار کی جس طرح بھی تشریح کی جائے، ہم یہی کہیں گے کہ موضوعی اور داخلی اہمیت کے بنیادی نظام کے اصول ہی اس کے پیچھے کارفرما ہوتا ہے اور یہ اصول شگفتگی۔ معاشی پہلوؤں کو پرے ڈال دیتا ہے۔

سیاسی انحراف کو قابو میں کرنے کا دوسرا طریقہ آمریت کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے، لیکن معاشی لحاظ سے یہ طریقہ بھی سودمند نہیں ہے بلکہ اسے تضییع کہا جا سکتا ہے۔ مرکزی حکومت امن و امان قائم رکھنے والی قوتوں کو یکجا کر کے اختلاف اور نافرمانی کو کچل سکتی ہے۔ اس کے نتیجہ میں پولس اور فوج یعنی دفاعی عملہ پر، ساتھ ہی آلات و اسلحہ جات پر اخراجات بے تحاشہ بڑھ جاتے ہیں۔ اس طرح ترقیاتی بجٹ سے حالیہ بجٹ میں وسائل مسلسل منتقل ہوتے رہتے ہیں، اور فوج اور پولس کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کو نئے محاصل کے ذریعہ بھی پورا کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور ایسے مالی اخراجات سے افراط زر پیدا ہو جاتا ہے۔ جہاں تک قومی سطح پر ترجیحات کا سوال ہے، تو اس سلسلہ میں سیاسی اطاعت کو معاشی ترقی پر ترجیح دی جاتی ہے، نیز ریاستوں کے درمیان بھی تمیز کی جاتی ہے۔ ایک 'نیک اور اچھی' ریاست کی حقیقی معاشی ضرورتوں کو پورا کرنے کی بجائے ایک منحرف ریاست کی سیاسی وفاداری حاصل کرنے کو زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ کبھی اختلافات سے نپٹنے کے لئے دونوں طریقہ کار کو ایک ساتھ بروئے عمل لایا جاتا ہے۔ سیاسی انتشار کے علاقوں میں فوج اور پولس کی مدد پر نہ صرف زیادہ وسائل استعمال کئے جاتے ہیں بلکہ ان علاقوں کو خاموش اور خوش رکھنے کے لئے حکام ان علاقوں میں بہت سارے پروجیکٹوں کو پایہ تکمیل تک پہنچانے کی پیش کش بھی کرتے ہیں۔

منصوبہ بندی کا ایک اور اہم مقصد یہ ہے کہ لوگوں کے درمیان آمدنی اور اثاثے کی تقسیم کے ڈھانچہ میں تبدیلی لائی جائے، لیکن یہ مقصد بھی اسی طریقہ کار کا شکار بن گیا۔

چنانچہ اب ہم ایسے دور میں داخل ہو رہے ہیں، جہاں ترقی بھی کم ہوئی اور آمدنی کی از سر نو تقسیم کا کام بھی کم ہوا ہے۔ ایک طرف تو پالیسی یہ کہ معاشی استحکام لایا جائے تو دوسری طرف ترقیاتی کاموں کی رفتار سست پڑ جاتی ہے، اسکے

ساتھ سماجی نابرابری میں اضافہ سے معاشی بے چینی بڑھ جاتی ہے اور اس کی وجہ سے ہر جگہ اضطراب، شورش پھیل جاتی ہے، اور ایسی شورشوں کو روکنے کے لیے زیادہ سے زیادہ مختصر عرصہ کے لئے عارضی اقدامات کئے جاتے ایسے اقدامات پر فاضل سرمایہ خرچ کیا جاتا ہے، جس کی وجہ سے سرمایہ مختص کرنے میں کافی دشواریاں ہوتی ہیں۔

چنانچہ کفایت شعاری کرنے کی جگہ غیر ضروری مدوں پر زیادہ خرچ کیا جاتا ہے، وحدانی سیاسی نظام کو برقرار رکھنے کی کوشش کا معیشت پر بہت ہی برا اثر پڑتا ہے۔ بڑے پیمانے کے معاشی اقدامات سے حسب خواہ فوائد حاصل نہیں ہوتے۔

بین علاقائی مساوات کے مدنظر ان علاقوں سے وسائل، جہاں ان کی افراط ہے، دیگر پسماندہ علاقوں میں منتقل کئے جاتے ہیں۔ درحقیقت اس منتقلی سے حسب خواہ فائدہ نہیں ہوتا کہ پسماندہ علاقوں میں ترقی کی دیگر ضروری سہولتیں فراہم نہیں ہوتیں۔ وسائل کا حسب خواہ سمت میں ترقی لائے بغیر ضائع ہو جاتے ہیں۔ مرکزیت کا مقصد اگرچہ یہ ہے کہ سیاسی یکجہتی برقرار رکھی جائے لیکن اس کے معاشی نتائج اس قدر بے چینی پیدا کرتے ہیں جو قوم کی سالمیت کیلئے سب سے بڑا خطرہ بن جاتی ہے۔

اپنے تجربات سے ہم نے جو سبق حاصل کئے ہیں، ان کی روشنی میں کیا ہم اس بات کی کوشش نہیں کر سکتے کہ انتظامیہ میں بتدریج لامرکزیت لائی جائے؟ اور کیا ہم یہ فیصلہ نہیں کر سکتے کہ معاشی انتظام کی ابتدائی ذمہ داری بذات خود وفاقی ریاستوں کو سونپی جائے ساتھ ہی ان کے مالی اختیارات کو اس مطابق مستحکم بنایا جائے؟ اگر ایک بار ہم ایسا کر سکے، تو اس کے بعد مرکز اپنا وہی کلاسیکی کردار جو وفاقی نظام حکومت میں اسے سونپا گیا ہے، ادا کرنے لگے گا اور ریاستوں کے درمیان مصالحت کرانے والے کی طرح اور قوم کی معاشی تعمیرات کے لئے معمار کی طرح اپنے فرائض انجام دیگا۔ اس کے علاوہ دفاع، امور خارجہ، نقل و حمل عام معاشی ربط و ضبط قائم رکھنے کی ذمہ داری مرکز کے ہاتھ رہیگی اور ریاستوں کے مقابلہ میں مرکز کو کافی اختیارات حاصل ہوں گے۔ لیکن اب معاشی انتظام اور ترقی کے لئے مرکز براہ راست ذمہ دار نہیں ہوگا۔ یہ امتیازی حق تو ریاستوں کو منتقل کر دیا جائے گا، اس طرح ریاستیں خود اپنے بل بوتے پر کام کرنے لگیں گی اب انھیں وسائل میں کمی کو پورا کرنے کے لئے مرکز کے پاس دوڑنا نہیں پڑیگا اور نہ اب یہ ناکافی ترقی کے لئے مرکز کو مورد الزام ٹھہرا سکیں گی نیز اور بھی بہت ساری تبدیلیاں ہوں گی۔ اب اگر ایک ریاست اپنے معاشی امور کی اچھی طرح دیکھ بھال نہ کر سکے تو اسی کی ناکامی کی وجہ سے اس ریاست میں رونما ہونے والی عوامی بے چینی کو دبانے کے لئے مسلح طاقتوں کو استعمال میں لانے سے قبل اس ریاست کے حکام کو بہت ہی غور و خوض کرنا پڑیگا۔ اگر ایک بار تمام ریاستوں کو اس بات کا احساس ہو جائے تو وہ سب اگر کسی بات کے لئے بنیادی طرف زندہ رہنے کے لئے فضول خرچی اور نکماپن سے پرہیز کریں گی اور ضروری کاموں کی طرف اپنی کوششیں مرکوز کریں گی اور اس طرح معاشی انتظام میں بہتری آئیگی اور ترقی کی رفتار بھی تیز ہو جائے گی۔ اس کے ساتھ ہی اب مرکز کو بھی نئے حالات کے مطابق خود کو ڈھالنا پڑیگا، کیونکہ اب وہ مالی امور کے سلسلہ میں اختیار کلی کا مالک نہیں رہا۔ لیکن اس کے باوجود اگر وہ اب بھی کھلم کھلا مرکزیت پر مبنی نظام حکومت کے تصور سے محظوظ ہونے کی خواہشمند ہوگا تو اس کی یہ خواہش پوری نہ ہو سکے گی کیونکہ اب اسے وسائل پر حسب ضروری اختیارات حاصل نہیں ہوں گے۔

میرے ذہن میں متبادل ڈھانچہ کی جو بات ہے اس کا مرکزی نقطہ مالی اختیارات کی یہی از سر نو تقسیم ہے، اور بہت ساری دستوری ترمیمات کے ذریعہ اس کی تشکیل کی جا سکتی ہے۔ میرے خیال میں از سر نو قائم کردہ منصوبہ بندی کمیشن کو اس نئے ڈھانچہ میں مرکزی حیثیت حاصل ہونی چاہئے۔ یہ کمیشن نہ صرف مالیاتی کمیشن کے فرائض بلکہ مالی اختیارات کی تقسیم سے متعلق فرائض بھی انجام دیگا۔ حکومت کے گھر آنے والے محاصل مرکز اور ریاستوں کے درمیان کس طرح تقسیم کئے جائیں گے، اس سلسلہ میں منصوبہ بندی کمیشن کا فیصلہ ہی قطعی ہوگا۔ اس مقصد کے لئے منصوبہ بندی کمیشن مثال کے طور پر یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ پورے محاصل کی ایک چوتھائی مرکزی حکومت کے لئے مختص کی جائے اور باقی محاصل ریاستوں کے درمیان تقسیم کر دیئے جائیں۔ اس بات کا نہ مرکز اور نہ ریاستوں کو اختیار ہوگا کہ محصول کے کسی بھی ذرائع کو پہلے سے ہتھیا لیا جائے یا اپنے تصرف میں لایا جائے اور منصوبہ بندی کمیشن ہی اس بات کا فیصلہ کریگا کہ سرکاری خزانہ میں آنے والے محاصل کو کس طرح تقسیم کیا جائے۔

بلاشبہ ان تمام سرگرمیوں میں چند بنیادی باتوں کا پہلے سے تصور کر لیا جاتا ہے۔ فی الحال منصوبہ بندی کمیشن مرکزی حکومت کا کم و بیش ایک بازو ہے۔ اس کے فلسفہ اور اس کے طریقہ عمل میں مرکز کے طریقہ عمل کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ لیکن جس وقت اسے مرکزی حکومت اور ریاستی حکومتوں کے درمیان وسائل کی تقسیم کے سلسلہ میں ثالث کے فرائض انجام دینے کے لئے بلایا جائے گا تو اس وقت اس کا کردار اس کے موجودہ کردار کے بالکل برعکس ہوگا اس وقت وہ مرکزی حکومت کا ایک بازو نہیں ہوگا، بلکہ اسے خود اپنے طور پر اپنی

حیثیت اور حدود حاصل ہیں برابر [illegible] ہے۔

جس طرح [illegible] اور غیر ملکی زر مبادلہ کی تقسیم اور تعین کے لئے موجودہ مرکزی [illegible]ات کو ختم کرنے کی سفارش کر رہا ہوں، اس کے لئے مجھ پر چند بے [illegible] بکیوں کے الزامات عائد کئے جا سکتے ہیں۔ میرا مقصد یہ نہیں ہے کہ مالی وسائل یا دستیاب غیر ملکی زر مبادلہ کی پوری تفصیلات کے ساتھ تقسیم کا کام خود منصوبہ بندی کمیشن کو انجام دینا چاہئے بلکہ کمیشن تو صرف رہنما اصول مرتب کرے گا اور معاون ادارہ کو جیسے بینکوں کو تفصیلات مرتب کرنے کا کام سونپا جائے گا۔ مسلسل اور جاری آنے والے منصوبہ کے ڈھانچہ کے تحت ایسے رہنما اصول ہوں گے اور کمیشن وسائل کی تقسیم کے سلسلہ میں سالانہ کچھ رد و بدل کر سکتا ہے۔ لیکن اپنے اپنے دائرہ عمل میں وفاقی ریاستیں کامل اختیارات کی مالک ہوں گی۔ یہاں تک کہ مشترک موضوعات کے حلقہ عمل میں بھی، مرکز کو جس کے پاس اب مالی اختیارات نہیں ہیں احتیاط سے قدم بڑھانے کی ضرورت ہے۔ مرکزی حکومت کی ہر وزارت کو ریاستی حکومتوں کی متعلقہ وزارت کے ساتھ مل کر الگ الگ پروجیکٹوں کی تفصیلات مرتب کرنی چاہئے، نیز ایسے پروجیکٹوں کی تکمیل کے لئے ملکی اور غیر ملکی وسائل کی فراہمی کا انتظام کرنا چاہئے۔ مزید وسائل کا کھوج لگانے کے سلسلہ ضروری اقدامات کرنے کے لئے مرکز اور ریاستوں کے درمیان بات چیت ہونی چاہئے۔ نیز بین ریاستی حلقہ عمل سے متعلق مسائل یا ذمہ داری کی تقسیم کی بابت مرکزی حکومت ایک غیر جانبدار مشیر کا کام انجام دے گی۔ ان تمام معاملوں میں چند باتوں پر رضامندی ہوگی اور چند باتوں پر اتفاق رائے نہ ہوگا۔ ان بحث و مباحثے کی رپورٹ منصوبہ بندی کمیشن کے پاس داخل کر دی جائے گی کیونکہ تنازعات کے تصفیہ کی ذمہ داری انہی کی ہوگی اور اس کے فیصلہ کو تمام پارٹیوں کو تسلیم کرنا پڑے گا۔

ایسے حالات میں اپنی حدود کے اندر رہتے ہوئے مرکز رابطہ قائم رکھیگا دوسرے ثالث کا کام کرے گا، ایک مشیر کے فرائض انجام دے گا نہ کہ ایک منتظم بنے گا، فیصلہ سازی میں مدد دے گا، فیصلہ ساز نہیں بنے گا۔ سیاسی طور پر مرکز کے ساتھ خاص طور حقوق حاصل ہوں گے۔ وہ اب اپنی ترجیحات مرکز پر لاد سکیں گے اور [illegible] حاصل کرا سکیں گا۔ ایک بار منصوبہ بندی کمیشن دائرہ [illegible]

اخراجات پورا نہیں کر سکیں گے لئے مزید وسائل اکٹھا کرنے میں لگے [illegible] کو [illegible] سے اہم کا بندوبست کرنا پڑے گا۔ انھیں اس بات کا خیال رکھنا پڑے گا کہ ان کی حدود اربعہ میں زندگی [illegible] کے لئے کافی مواقع فراہم ہوں اور یہ کہ سماجی نابرابری میں کمی ہو۔ ریاستیں وفاقی ڈھانچہ میں کافی حد تک اختیارات کی مالک ہوں گی اگر وہ سب مستحکم حکومت فراہم کرنے اور ریاستوں کی تیز تر ترقی میں ناکام ثابت ہوں گی تو اس کا خمیازہ بھی انھیں ہی بھگتنا پڑیگا۔

اس بات کا خدشہ کہ اگر ریاستوں کو ترقیاتی منصوبہ بندی کی ذمہ داری دے دی جائے تو عدم توازن پیدا ہوگا اور لوگوں کا جھگڑا [illegible] ہو جائے گا، بے بنیاد ثابت ہوگا۔ ہر ریاست کو فراہم کردہ وسائل کی حدود میں رہ کر کام کرنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں ریاستیں خود اپنے طور پر مزید وسائل اکٹھا کرنے کے سلسلہ میں پیش کش کر سکتی ہیں۔ شروع شروع میں غلطیاں ہوں گی، طریقہ کار میں بھی خامیاں ہوں گی، وقتاً فوقتاً تعطل بھی ہوگا، لیکن اس کے باوجود جب ایک بار ان کے سر ذمہ داریاں لاد دی جائیں گی تو انھیں حالات کے دباؤ کے تحت مجبوراً ترقی اور مساوات کے لئے کوشش کرنی ہوگی۔ ہر ریاست میں مسابقت کا جذبہ پیدا ہوگا۔ اگر پڑوس کی ریاست تیزی سے ترقی کر رہی ہے تو اس ریاست کے پاس پیچھے رہ جانے کا کوئی جواز نہیں ہوگا اور اپنی پسماندگی کے لئے مرکز، منصوبہ بندی کمیشن کو مورد الزام ٹھہرانا اس کے لئے بہت ہی مشکل کام ہوگا۔ ایک ریاست کو عوام کی فلاح و بہبود کے لئے خلوص اور تندہی سے کام کرنا ہوگا، نہیں تو اسے عوام کے غم و غصہ کا شکار ہونا پڑے گا۔

جیسے جیسے ہر ریاست اپنے وسائل کو بہتر طریقہ سے استعمال کرنا سیکھتی جائیگی ویسے ویسے مرکز بھی طاقتور بنتا جائے گا۔ ریاستوں کی خوشحالی مرکز کو مستحکم بنائیگی چونکہ اب مرکز پر ریاستوں کو مالی وسائل فراہم کرنے کی ذمہ داری نہیں ہوگی، اس لئے وہ اپنے وسائل کو بہترین طریقہ سے استعمال کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ قوم کی سیاسی سالمیت کو برقرار رکھنے کے سلسلہ میں مصروفیت بھی کم ہو جائے گی۔ امن و امان کا مسئلہ کی شدت میں کمی ہوگی، اس کے نتیجہ میں تناؤ میں کافی کمی ہوگی۔ ریاستوں کے درمیان تنازعات قلم کی ایک جنبش سے ختم تو نہیں ہو جائیں گے، تاہم وہ اتنے شدید نہ رہیں گے جتنے کہ اب ہیں۔ ایک بار اگر ہم نیم انجماد کی حالت سے باہر نکل جائیں تو ان کے بعد [illegible] رقابت اور لڑائی جھگڑوں میں بہت حد تک کمی ہو جائے گی۔ [illegible] اب بہتری کی امید [illegible] گی۔

[illegible] باقی [illegible] پر

[illegible]

ہندوستان کے قبائل

از:- ڈاکٹر امل کمار داس، ڈائریکٹر
ثقافتی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ

مختلف ریاستوں میں آباد مختلف قبائلی فرقے مختلف بولیاں بولتے ہیں - ان کی تقریباً ۲۰۰ بولیاں ہیں- ان بولیاں کو تین حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ڈراویڈین، آسٹرک اور تبتی - چینی- ڈراویڈی گروپ میں گونڈی (گونڈ قبیلہ کی بولی)، کوئی اکو نڈھ کی بولی) کورکھ (اڑاون کی بولی) مالتو (مال پہاڑیہ کی بولی) شامل ہے- آسٹرک بولیوں میں سنتھالی منڈری، ہو، کھاریہ، بھومیجی، کورکو، سوارا، کاڑابا، کھاسی اور نکوبریس بولیاں شامل ہیں - تبتی - چینی بولیوں میں لیپچا، بھوٹیا، بوڑو، اکوڑ، میری، ڈفلا، میکر، ناگا اور لوشائی بولیاں شامل ہیں -

زبان کے معاملہ میں بھی ہندستان کے قبائلیوں کی اپنی الگ اور منفرد ثقافت ہوتی ہے - قبائلیوں کی سماجی- معاشی اور ثقافتی زندگی بھی مختلف علاقوں میں مختلف ہوتی ہے۔ بیرہور، کوروا، ہل ماریہ، جرقا اور سنتیالیس قبیلے کے لوگ اپنی بسراوقات کے لئے پھل چنتے ہیں اور شکار کرتے ہیں- بیگ پورکی (پہاڑیکا)، بھوئیاں، جونگ، کیتو، ٹیا کنڈھ اور شمالی مشرقی علاقہ کے دیگر قبیلے کے لوگ خانہ بدوش ہیں اور جہاں ڈیرا ڈالتے ہیں وہیں کھیتی باڑی کرتے ہیں- سنتھال، منڈا، اڑاون اور میدانی علاقوں کے زیادہ تر قبیلے کے لوگ بذریعہ ہل کاشتکاری کرکے بسراوقات کرتے ہیں- پہاڑی علاقوں میں ناگا، لیپچا اور دیگر قبیلے پہاڑوں کی ڈھلوان کو کاٹ کر ہموار بنا لیتے ہیں اور اس کے بعد اسی ہموار سطح پر کھیتی باڑی کرتے ہیں - ان کے علاوہ

بہت سارے قبائلی صنعتوں، کانوں اور باغات وغیرہ میں کام کرتے ہیں اور آج کل ان کے بہت سارے لوگ ملازمت بھی کرتے ہیں۔

ان قبائلیوں کی سماجی- ثقافتی زندگی میں تنوع پایا جاتا ہے گارو، کھاسی، ربھا وغیرہ قبیلے میں خاندان کی سربراہ ماں ہوتی ہے۔ لیکن سنتھالی، منڈا، اڑاون اور دیگر قبیلوں میں باپ ہی خاندان کا سربراہ ہوتا ہے- نیز ٹوڈ، ٹلو، کھاسا اور کنوّر وغیرہ قبیلے میں چند شوہری کا (یعنی ایک بیوی ایک ساتھ ایک سے زیادہ شوہر رکھ سکتی ہے) اور ناگا اور دیگر قبیلوں میں چند زوجیت کا (یعنی ایک مرد ایک ساتھ ایک سے زیادہ بیوی رکھ سکتا ہے) نظام رائج ہے- لیکن زیادہ تر قبیلوں میں ایک مرد کی ایک وقت میں ایک ہی بیوی رکھنے کا رواج ہے- وراثت کے سلسلہ میں بھی ان لوگوں کے اپنے الگ اصول ہیں، ان کے مذہبی اعتقادات اور طریقۂ کار اور ان کے تہواروں مع موسیقی و ناچ، کی اپنی منفرد خصوصیت ہوتی ہے- الغرض ایک طرف مختلف قبیلوں کے درمیان اور دوسری طرف ہندستان کی مختلف ریاستوں کے میدانی علاقوں کے لوگوں اور قبائلیوں کے درمیان ایک وسیع سماجی- ثقافتی خلیج حائل ہے -

(۴)

مغربی بنگال میں شیڈولڈ ٹرائب کی مجموعی آبادی ۲۵۳۲۹۶۹ ہے یہ پوری آبادی کا ۵٫۷۲ فی صد ہے- اس ریاست میں کل ۳۸ شیڈولڈ ٹرائب قبیلے ہیں اور ان میں سے مندرجہ ذیل قبیلوں کے لوگوں کی تعداد کے

قبائلیوں کی مجموعی تعداد کی ۹۰ فی صد ہے۔

سنتھال (۳۵٫۰۵ فی صد)، اڑاؤں (۹٫۲۴ فی صد)، منڈا ([illegible] فی صد)، بھومیج ([illegible] فی صد)، کوڑا (۳٫۶۹ فی صد)، میال ([illegible] فی صد)، لودھا کھیریا (۱٫۴۹ فی صد)، بھوٹیا (۳٫۴۳ فی صد)، مال پہاڑیہ (۱٫۴۳ فی صد)۔

مغربی بنگال میں مجموعی آبادی کے ۳۳٫۲۳ فی صد لوگ اور شیڈولڈ ٹرائب کی مجموعی آبادی کے ۸٫۹۲ فی صد لوگ خواندہ ہیں۔ اس طرح مغربی بنگال کی پوری آبادی کے ۴۲٫۸۱ فی صد مرد اور ۲۲٫۴۲ فی صد عورتیں خواندہ ہیں اور شیڈولڈ ٹرائب کے سلسلہ میں ایسے لوگوں کی تعداد علی الترتیب ۱۴٫۶۹ فی صد اور ۳٫۰۵ فی صد ہے۔ لیپچا خواندگی ۲۵٫۹۰ فی صد، بھوٹیا خواندگی [illegible] فی صد تک، و خواندگی [illegible] فی صد، چند قبائلیوں نے خصوصاً تعلیم کے میدان میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے۔

شیڈولڈ ٹرائب کے تقریباً ۸۰ فی صد قبیلے گزر اوقات کے لئے زراعت پر انحصار کرتے ہیں۔ ان میں سے ۳۱٫۱۸ فی صد کاشتکاری کرتے ہیں اور ۴۸٫۹۱ فی صد زرعی مزدور ہیں باقی ۲۰ فی صد مویشی پالتے ہیں، یا جنگلاتی پیداوار پر مبنی چھوٹی چھوٹی صنعتی یونٹوں میں کام کرتے ہیں، یا مچھلیاں پکڑتے ہیں یا باغات میں کام کرتے ہیں۔

مغربی بنگال کے شیڈولڈ ٹرائب کو نسلی لحاظ سے دو زمروں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ (۱) آدی آسٹریلیائی اور (۲) منگولیائی۔ ہندستان کے میدانی علاقوں میں رہنے والے قبائلی یعنی سنتھال، اڑاؤں، منڈا، بھومیج، کوڑا، لودھا کھڑیا، مال پہاڑیہ، بھومیہ وغیرہ خدوخال کے لحاظ سے آدی آسٹریلیائی اور بحیرۂ روم نسل کے اور شمالی بنگال کے قبائلی یعنی لیپچا، بھوٹیا، ربھا، میک، گارو وغیرہ منگولیائی نسل کے ہیں۔ اول الذکر قبائلیوں کی بولیاں مشرقی ہند۔ چینی اور دراوڑی کی بولیوں سے ملتی جلتی ہیں اور آخر الذکر قبائلیوں کی زبان تبتی۔ چینی ہے۔

اس صدی کے شروع تک اس ریاست میں قبائلیوں نے بہت بڑے بڑے جنگلات سے صاف کر کے قابل رہائش بنا لیا اور وہیں وہ سب آباد بھی ہو گئے لیکن بڑے افسوس کی بات ہے کہ ان لوگوں کو، جنھوں نے اتنے بڑے علاقہ کو قابل رہائش بنایا، کاروباریوں، مہاجنوں اور دیگر شاطر لوگوں نے آہستہ آہستہ چالاکی کے ساتھ، ان کی اپنی زمینوں سے نکال باہر کر دیا۔ اپنے پاس کے پالیسیوں کے ذریعہ اس قسم کے استحصال نے قبائلیوں کے درمیان ایک نفسیاتی رکاوٹ پیدا کر دی اور اس طرح سماجی اور ثقافتی امور کے معاملہ میں قبائلیوں اور غیر قبائلیوں کے درمیان ایک خلیج حائل ہو گیا۔

بہت سارے قبائلی فرقے جیسے سنتھال، اڑاؤں، منڈا، بھومیج، لیپچا، بھوٹیا، میک، گارو، ربھا صرف مغربی بنگال میں آباد نہیں ہیں۔ بلکہ یہ فرقے پڑوس کی ریاستوں، جیسے بہار، اڑیسہ، سکم، بھوٹان اور آسام میں بھی آباد ہیں اور ان فرقوں کے درمیان بہت ہی قریبی سماجی۔مذہبی تعلقات قائم ہیں۔

شمالی بنگال کے چند قبائلی فرقوں (یعنی میک، لیپچا اور گارو) کو چھوڑ کر دیگر قبائلی فرقوں میں عیسائیوں کی تعداد زیادہ نہیں ہے۔ لیکن تعداد میں کم ہونے کے باوجود عیسائی قبائلیوں نے معاشی، تعلیمی اور سیاسی میدانوں میں نمایاں کردار ادا کیا تھا اور سماج میں اعلیٰ مقام حاصل کیا۔ بعض علاقوں میں عیسائی اور غیر عیسائی قبائلیوں کے درمیان کچھ تناؤ بھی موجود ہے۔

(۵)

پانچویں پنجسالہ منصوبہ کو قطعی شکل دینے سے قبل قبائلی ترقی کے سلسلہ میں حکمت عملی پر کافی غور و خوض کیا گیا۔

قبائلی ترقی کے سوال کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

(۱) قبائلیوں کی گنجان آبادی کے علاقے اور (۲) منتشر قبائلی آبادی کے علاقے

قبائلی علاقوں کے لئے علاقائی ترقی، پلان مرتب کیا گیا۔ اس پلان کے تحت قبائلی فرقوں کی ترقی کے لئے خصوصی اقدامات کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان علاقوں میں جہاں قبائلیوں کی کثیر آبادی ہے، ترقیاتی کام کے لئے ضروری سہولتیں فراہم کرنے کے سلسلہ میں سرمایہ کاری کی جائے گی۔

منتشر قبائلی آبادی کی ترقی کے لئے ایک مختلف حکمت عملی کو اپنانا چاہئے ایسے علاقوں میں ترقی کے لئے ضروری سہولتیں فراہم کرنے کے لئے جو اقدامات کئے جائیں گے وہ عام ترقیاتی پروگرام کے جزو ہوں گے۔

ایسے پروگرام میں فرد اور جماعت پر خصوصی توجہ دینی چاہئے اور خاندان اور فرقہ کو ایک یونٹ مان کر ترقیاتی پروگرام مرتب کرنے چاہئیں۔

ان کے علاوہ ایک اور زمرہ کے قبائلیوں کی شناخت کی گئی ہے، اور بہت ہی قدیم قبائلی فرقہ ہیں۔ ان لوگ پھل چن کر یا شکار کر کے اپنی زندگی گزارتے ہیں۔ زندگی جانکاری کے لحاظ سے بھی یہ فرقہ بہت ہی قدیم ہے۔ ان کی تعداد بہت ہی کم ہیں اور تعلیم سے بے خبر ہیں۔ ترقی کے لئے ان کے کیس پر بھی غور و خوض کیا گیا اور ان کے لئے بہت ہی لچکدار ترقیاتی منصوبہ مرتب کیا گیا۔

پانچویں منصوبہ کو آخری شکل دینے سے قبل مندرجہ بالا اصطلاح کے مطابق باقاعدہ [illegible]

غزل

جگن ناتھ آزاد

نہ عشق نہ کوئی حسن کا فسانہ چلے
اب آج تذکرۂ گردشِ زمانہ چلے

اگر ہو مصرعِ اول میں ذکرِ جورِ شہاں
تو وہ جو دوسرا مصرع ہو قاتلانہ چلے

یہ اور بات کہ حالات سازگار نہ تھے
وگرنہ جب کبھی چلے ہم مجاہدانہ چلے

مجھے تو یاد بس اتنا ہے دوستوں کا سلوک
کہ میرے دوست مرے ساتھ تاجرانہ چلے

نئے زمانے کو اے جنگ باز دیکھ ذرا
نہ اب کوئی ترا حیلہ نہ اب بہانہ چلے

ہمارے ساتھ جو دنیا منافقانہ چلی
ہم اس کے ساتھ بانداز دوستانہ چلے

خبر نہیں اُسے انساں کہیں کہ اور ہی کچھ
سماج میں اگر انساں بھی وحشیانہ چلے

ہماری مصلحت اندیشیوں کا دور گیا
قلم چلے تو اب آزادؔ باغیانہ چلے

ہماری تعلیم اور ثقافت میں انگریزی کا مقام

از:- اے - آر - کامت
گوکھلے انسٹی ٹیوٹ آف پالٹیکس اینڈ اکنامکس - پونے

انگریزی زبان کے ذریعہ حصول تعلیم کی قوت کشش

اس امر سے مسلّم ہو جاتی ہے کہ گذشتہ تین دہائیوں کے دوران ان نام نہاد "پبلک اسکول" کی تعداد میں نہ صرف شہروں بلکہ دیہی علاقوں میں بھی معتدبہ اضافہ ہوا ہے۔ مثال کے طور پر مہاراشٹر میں انگریزی کا میڈیم اسکول دیہی علاقوں میں امداد باہمی شکر ملوں اور یہاں تک کہ ریاستی حکومت نے بھی قائم کئے ہیں۔ دیہی علاقوں میں جو نئی قیادت ابھری ہے وہ "انگریزی" تعلیم کی افادیت اور سودمندی سے بخوبی واقف ہے اور اب وہ اس وسیلہ کو موجودہ نسل یا بصورت دیگر آئندہ نسل کا مقدر، منصب، دولت اور طاقت کے اعتبار سے سنوارنے کے لئے بروئے کار لا رہی ہے۔ وزرا، سیاستداں، اور ماہرین تعلیم گرچہ اعلانیہ طور پر انگریزی میڈیم اسکولوں کے وجود، غلبہ اور مضر اثرات کی پر زور مذمت کرتے ہیں تاہم وہ اپنے بچوں کو بلا پس و پیش اور ضمیر کی چبھن کے بغیر انہی اسکول میں بھیجتے ہیں۔

اس لئے یہ بات تعجب خیز نہیں ہے کہ تعلیمی اداروں نے اعلیٰ طبقہ کے ان اسکولوں کے فروغ کو روکنے کے لئے کچھ بھی نہیں کیا جو مساویانہ سماج سے متعلق ان کے ادّعا کے بالکل متضاد ہے۔ اور ان اسکولوں کے فروغ کو روکنے کے لئے تھوڑی بہت جو کوششیں کی بھی گئیں وہ دستور ہند کے متعلقہ کلاز کے تحت جس کے بموجب لسانی اور دیگر اقلیتوں کے اپنی پسند کے اسکول قائم کرنے کے حق کا تحفظ کیا گیا ہے، عدالتی مداخلت سے ناکام بنادی گئیں۔ اس کلاز کا اتنا محدود مفہوم لیا گیا ہے کہ یہ اکثر تعلیمی اصلاحات میں اسی طرح سد راہ ہوتا ہے جیسا کہ سماجی۔ معاشی تانا بانا سازی میں یہی جائیداد کا حق ہوتا ہے۔ اور یہ بارہا تعلیم کے ضمن میں مساوات

اور سماجی انصاف کے ممکنہ اقدامات کے خلاف ذاتی مفاد پرستی کے تحفظ کے لئے بروئے کار لایا گیا ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مستقبل سے ہم کیا توقعات وابستہ کر سکتے ہیں۔ ہندوستان میں انگریزی زبان اور انگریزی تعلیم کا "مستقبل کیا ہوگا۔ لازمی طور پر ہمیں اس مسئلہ پر طویل مدتی اور قلیل مدتی تناظر میں غور کرنا ہوگا۔ کیا ہم ان کا اجمالی خاکہ پیش کر سکتے ہیں۔ ہم ان سوالات کے جواب دینے کی کوشش کریں گے۔

ہماری لسانی ترقی کا بنیادی مقصد لازمی طور پر عام آدمی کی مادی اور ثقافتی ترقی ہونا چاہئے۔ اس ضمن میں یہ یاد رکھنا چاہئے کہ حکمراں طبقے نہ صرف اقتصادی استحصال، سماجی تفریق اور سیاسی استبداد بلکہ ثقافت اور تعلیم کے ذریعہ بھی عوام کو محکوم اور زیر تسلط رکھتے ہیں جو طبقہ بالا کی لسانی پالیسی کا جزو لاینفک ہے۔ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ ہماری تعلیم میں انگریزی کی نمایاں ترین اہمیت عام آدمی کو علم اور ہنرمندی سے محروم رکھتی ہے اور اس طرح وہ مادی آسودگی سے محروم رہتے ہیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین رکھنا چاہئے کہ موجودہ پالیسی سے مستفید ہونے والے افراد موجودہ لسانی پالیسی میں کسی بڑی تبدیلی کے زبردست مخالف ہیں۔

لہذا ہمارا اصل مقصد طبقہ بالا کے مفاد پر مبنی موجودہ تعلیم کو عوامی تعلیم اور طبقہ بالا کے کلچر کو عوامی کلچر میں تبدیل کرنا چاہئے۔ عام طور پر زبانوں کی تعلیم اور خاص طور پر انگریزی کی تعلیم کے ضمن میں ہماری طویل مدتی پالیسی اس نہج کی ہونا چاہئے جس سے انقلابی تبدیلی کی رفتار تیز تر ہو جائے۔ کیونکہ زبانوں کی تعلیم، علم اور کلچر کے فروغ اور ابلاغ کے لئے بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

جلد جدید ہندوستانی سماج کی سریع ترقی کے لئے ایک اور امر قابل غور ہے۔ اور یہ ہے سائنس اور ٹیکنالوجی کی سریع ترقی اور سماج کے مختلف طبقوں میں پوری وسعت کے ساتھ سائنسی استدلال اور توجہ کی صلاحیت نیز سائنسی مزاج پیدا کرنا۔ تاریخ اس کی شاہد ہے کہ ایسی ترقی اُسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کو عام آدمیوں کی سماجی۔ اقتصادی سرگرمیوں، ان کے اعمال اور افکار نیز اُن کی عملی زندگی سے مربوط کر دیا جائے۔ لہٰذا یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ ایسی ترقی اس صورت میں ہرگز ممکن نہیں جبکہ سائنس اور ٹیکنالوجی کی تعلیم ایسی زبان میں دی جائے جس سے عام آدمیوں کی غالب اکثریت نابلد ہے اور جو بات سائنس اور ٹیکنالوجی کے لئے درست ہے وہ سماجی علوم، علم و ادب ہی نہیں بلکہ تمام علوم، ہنرمندی، قدروں اور افکار پر بھی صادق آتی ہے۔

مذکورہ بالا امور ہماری طویل مدتی لسانی پالیسی کا تعین کرتے ہیں۔ اجمالی طور پر اس کا مطلب یہ ہے کہ تمام ہندوستانی زبانوں کو تمام تعلیمی مرحلوں پر علم کی ترسیل، تحقیق کا جذبہ اور صلاحیت پیدا کرنے نیز کلچر کے تمام شعبوں میں تخلیقی صلاحیت پیدا کرنے کا وسیلہ ہونا چاہئے۔ کتنی تیزی اور خوش اسلوبی سے یہ معرض وجود میں آ سکتی ہے یہ تخلیقی سعی، اور ہندوستان کے دانشور اور اہل علم افراد کے لئے ایک چیلنج ہے۔

اس ضمن میں قدرتی طور پر دو سوال اُٹھتے ہیں۔ علم اور کلچر کے ضمن ہمارے طویل مدتی لائحہ عمل میں انگریزی کا کیا مقام ہوگا؟ اور ہندوستان کے مختلف طبقوں کے درمیان رابطہ کی کیا زبان ہوگی؟ ان سوالوں کے جواب لازمی طور پر قیاس آرائی پر مبنی ہوں گے۔ نیچے جن خیالات کا اظہار کیا گیا ہے وہ خوشگوار مستقبل سے متعلق ہمارے اندازوں پر مبنی ہیں۔

انگریزی بالآخر ذریعہ تعلیم نہیں رہے گی۔ ہندوستانی زبانیں اس کی جگہ لے لیں گی۔ لیکن تمام ثانوی اور اعلیٰ تعلیم میں انگریزی خاص دوسری زبان رہے گی حالانکہ دوسری زبان کے انتخاب کے وقت جدید افکار کی تمام زبانوں کو ملحوظ رکھنا ہوگا جن میں یورپی زبانیں خاص طور پر انگریزی، فرانسیسی، جرمن اور روسی زبانیں شامل ہیں لیکن اس خیال سے ثانوی اور اعلیٰ تعلیمی مرحلہ کے زیادہ تر طلبا انگریزی اپنانا پسند کریں گے کیونکہ وہ موجودہ لائبریریوں کے کتابی ذخیروں سے بہ آسانی مستفید ہو سکیں گے۔ لیکن انگریزی پڑھانے اور سیکھنے میں انگریزی پڑھنے سمجھنے اور آسان اسلوب میں لکھنے پر زور دیا جائے گا نہ کہ انگریزی سے گفتگو کی روانی اور انگریزی ادب کے مطالعہ پر

یہ صحیح ہے کہ انگریزی زبان میں خصوصی مہارت حاصل کرنی ضروری ہے لیکن سیکنڈری اسکول سرٹیفکیٹ یا ڈگری ہولڈروں کی اکثریت کے لئے ایسی مہارت حاصل ضروری نہیں ہوگی لیکن اگر وہ چاہیں تو اسے ضرور حاصل کر سکتے ہیں۔

یہاں اس امر کا ذکر ضروری ہے کہ کس عمر میں انگریزی (یا ایک دوسری زبان) کی تعلیم اسکول میں شروع ہو۔ ممتاز ناموں مثلاً پین فیلڈ، پائی گیٹ اور چومسکی کا حوالہ اکثر اس نظریہ کی تائید میں دیا جاتا ہے کہ انگریزی کی تعلیم پرائمری اسکول کی عمر کے گروپ میں شروع ہونی چاہئے۔ دراصل ان مشہور ماہرین کی ریسرچ کا موضوع یہ تھا کہ کس عمر میں بچہ میں زبان سیکھنے کی عام صلاحیت پیدا ہوتی ہے اور یہ نہیں کہ کس عمر میں دوسری زبان کی تعلیم کا آغاز کیا جائے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ انگریزی کی حمایت کرنے والے جو ان مشہور ناموں کا حوالہ دیتے ہیں یا تو اُن کی ریسرچ کی نوعیت سے ناواقف ہیں یا دیدہ و دانستہ اس کو توڑ مروڑ کر پیش کرتے ہیں۔

لہٰذا ہمیں اس مسئلہ پر ایک بالکل مختلف تناظر میں غور کرنا ہوگا اور اس ضمن میں عام تجربہ پر مبنی دو اصول ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں۔ اوّل یہ کہ بچہ پر ابتدائی عمر میں اُس وقت تک ایک دوسری زبان سیکھنے کا بار نہیں ڈالا جانا چاہئے جب تک وہ پہلی زبان پر عبور حاصل نہ کرلے دوم یہ کہ پہلی زبان کو مادری یا علاقائی زبان ہونا چاہئے۔ ہم سب جانتے ہیں کہ ایک مراٹھا بچہ یا بنگالی بچہ ہندی، انگریزی یا روسی زبان بڑوں کے مقابلہ میں زیادہ آسانی سے سیکھ سکتا ہے اگر وہ اپنے ابتدائی سال دہلی، لندن یا ماسکو میں گزارتا ہے۔ ایسا وہ اس لئے کر سکتا ہے کیونکہ یہ اُس کے سماجی ماحول، اور اسکول میں اور اُس کے باہر اُس کے ہمسروں کی زبان ہوتی ہے لیکن ہندوستانی بچّوں پر جو ہندوستان کے اسکولوں میں انگریزی سیکھتے ہیں۔ یہ امر صادق نہیں آتا بجز اُن چند گھرانوں کے جہاں لوگ انگریزی بولتے ہیں۔ اس لئے ہمارے حالات عام طور پر اس کی اجازت نہیں دیتے کہ انگریزی دوسری زبان کے بجائے پہلی زبان کے طور پر سیکھی جائے اور وہ بھی پرائمری اسکول کے بعد۔

اب ایک کل ہند رابطہ کی زبان پر غور کیا جائے۔ تمام حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ بالآخر ہندی، ہندوستانی کو ہندوستانی ریاستوں کی یونین میں بطور ایک رابطہ کی زبان کے اختیار کرنا ہوگا۔ یہ صحیح ہے کہ ہندی کے علاقوں میں حامیان ہندی اکثر جارحانہ وطن پرستی اور جنگجویانہ رویہ اختیار کرتے ہیں جن سے غیر ہندی علاقوں خاص طور پر شمالی۔ مشرقی اور جنوبی۔ مشرقی علاقوں میں سنجیدہ افراد میں بھی جو ہندی کے حامی ہیں اشک و شبہ اور مزاحمت پیدا ہوتا ہے۔ یہ امر بھی تسلیم کرنا ہوگا کہ بہت سے ہندی کے حامیوں نے ہندی کے

ذریعہ جدید علوم بشمول سائنس اور ٹیکنالوجی کی حصول تعلیم کے لئے ہندی کو سنسکرت آمیز بنانے کی مہم چلا کر ہندی کو رابطے کی زبان بنانے کے کاز کو مزید نقصان پہنچایا ہے۔ ان رکاوٹوں کے باوجود جو ہندی کے حامیوں نے گذشتہ تین دہائیوں میں پیدا کی ہیں اور دیگر موافق عوامل جیسے ہندی کا بولنے والوں کی کثیر تعداد، ان کے پھیلاؤ اور دوسرے اہم عناصر جیسے فلمی موسیقی اور آبادی کے متعدبہ طبقوں یہاں تک کہ شمالی، مشرقی اور جنوبی علاقوں میں بھی، ہندی کی شہری علاقوں میں مقبولیت کے پیش نظر یہ امید کی جاتی ہے کہ مستقبل قریب میں ہندی، ہندوستان کی رابطے کی زبان بن جائے گی۔ سر دست یہ بات نظاہراً امید ہی پر مبنی معلوم ہوتی ہے لیکن سماجی فلاح کے لئے بڑھتی ہوئی جدوجہد کی وجہ سے صورت حال میں لازمی طور پر تبدیلی ہوگی۔

اس ضمن میں مختصر مدتی لائحہ عمل یہ ہے کہ جمہوری بنانے کا دائرہ عمل کو جو اس وقت متوسط طبقہ تک پہنچ چکا ہے، سماج کے نچلے طبقوں تک لیجایا جائے۔ ہماری لسانی پالیسیوں کو جن میں انگریزی سے متعلق پالیسی بھی شامل ہے، ایسا ہونا چاہئے جو جمہوری بنانے کے اس عمل میں معاون ہوں اور سماج کے نچلے طبقوں کو سیاسی اور ثقافتی سرگرمیوں میں زیادہ سے زیادہ حصہ لینے کے قابل بنائے۔ اس حقیقت کو تسلیم کرنا ہوگا کہ ایسا صرف اس حد تک ہو سکتا ہے کہ ہندوستانی زبانیں زندگی کے زیادہ سے زیادہ شعبوں میں اپنا مناسب اور بجا مقام حاصل کر لیں اور انگریزی زبان کے علم کی اہمیت اور سماجی وقار کو کم کرنے کے لئے ٹھوس اقدامات کئے جائیں۔ مزید برآں ہماری زبانوں کو ترقی دینے اور مالا مال کرنے کے لئے بھی یہ طریقہ کار ضروری ہے۔

اگر اس لائحہ عمل کو تسلیم کر لیا جائے تو عبوری پالیسی کے تحت اقدامات اور پیش بینی دانشوروں کے فوری کام حسب ذیل ہوں گے۔

(الف) مادری زبان (یا علاقائی زبان) کو تعلیم کے تمام مرحلوں اور شاخوں میں ذریعہ تعلیم و رابطہ ہونا چاہئے۔ ایسا کرنے ہی سے طلباء اور عام شہری جلدی سیکھنے، صحیح نہج پر سوچنے، واضح طور پر اظہار خیال کرنے اور موثر طور پر رابطہ قائم کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

(ب) پرائمری تعلیم کو عام بنانے اور تعلیم بالغان کا بندوبست کرنے کے لئے ایک منظم مہم چلانا ضروری ہے تاکہ عام خواندگی کا مقصد جلد از جلد پورا ہو سکے جمہوریت کی راہ پر عوام کی مزید پیش رفت کے لئے نئی سماجی بیداری کے ضمن میں یہ ایک ضروری ابتدائی اقدام ہے۔ کیونکہ خواندگی کے بغیر سیاست محض خواہوں

چھوٹی باتوں اور تعصبات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ خواندگی کا مفہوم یہ نہیں ہے کہ انگوٹھے کا نشان لگانے کے بجائے دستخط کرنا آجائے بلکہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ پڑھنا آجائے اور پیشوں سے متعلق نیز سماجی اور سیاسی موضوعات پر آسان تحریروں کو سمجھنے اور ان پر اظہار خیال کرنے کی صلاحیت پیدا ہو جائے۔

(ج) ہائر سیکنڈری اور اعلی تعلیم کے موجودہ نظام اور ڈھانچہ میں بہت زیادہ ردوبدل کی ضرورت ہے۔ انگریزی کے علم کو جو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے اسے ختم ہونا چاہیے۔ تعلیم کے اعلی مرحلوں (نیز ملازمتوں وغیرہ کے لئے انتخاب میں) میں داخلہ کے لئے انگریزی کے علم کے بجائے لازمی امر یہ ہونا چاہیے کہ متعلقہ فرد کی ذہانت اور سیکھنے کی صلاحیت کتنی ہے۔ بسا اوقات انگریزی میں گفتگو کی روانی بہت زیادہ اہم معیار ہو جاتی ہے۔ اگر امیدوار میں سیکھنے کی کافی صلاحیت ہے تو انگریزی کے علم میں جو کمی ہے وہ انگریزی کے تدریجی کورس کے ذریعہ اس کو دور کیا جا سکتا ہے۔ زیادہ تر لوگوں کے لئے صرف یہ ضروری ہے کہ وہ انگریزی میں کام کاج کر سکیں اس میں ادبی مہارت حاصل کرنا ہرگز ضروری نہیں ہے۔

(د) تنخواہ کی موجودہ شرحیں اور مشاہرے انگریزی جاننے والوں اور بولنے والوں کے حق میں امتیازی ہیں۔ اس امتیاز و تفریق کو اگر بالکل ختم نہ کیا جا سکے تو اسے بہت کم کر دینا چاہیے۔

(ہ) ہر ہندوستانی زبان میں مطالعہ کے لئے سنجیدہ کتابوں کی تصنیف کے لئے ایک وسیع پروگرام شروع کرنا چاہیے۔ ہر مضمون یا کتاب کے ساتھ جو ہندوستانی اہل علم اور دیگر سنجیدہ مصنفین انگریزی میں لکھتے ہیں، اس کے ساتھ انھیں کم سے کم ایک کتاب اپنی زبان میں لکھنا چاہیے۔ اس نوعیت کی باقاعدہ کوشش ہی سے ہندوستانی زبانوں کو مالا مال کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت ملیالم، بنگلہ اور شاید ہندی کو چھوڑ کر کسی اور زبان میں اس قسم کی کوئی کوشش نہیں کی جا رہی ہے برطانوی عہد کے شروع میں صورت حال اس سے بہتر تھی جبکہ مشاہیر علم و ادب نے اپنی زبانوں میں کتابوں کے ترجمے کئے اور بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔

(و) اہم ادبی تصانیف اور شہ پاروں کے ترجموں کے ذریعہ ہندوستانی زبانوں کے درمیان براہ راست رابطہ قائم کرنے کے زیادہ سے زیادہ مواقع بہم پہنچانا جائیں۔

(ز) خواندہ اور ثانوی تعلیم یافتہ نوجوانوں کی ایک نئی نسل اس وقت منظر عام پر آگئی ہے اور ان میں سے بیشتر نئی معلومات اور خیالات سے آگاہ

باقی صفحہ پر

بائیں محاذ حکومت کی
چوتھی سالگرہ کی تقاریب

گذشتہ سال کی طرح اس سال بھی ملک کے بہت سارے علاقوں میں مغربی بنگال کی بائیں محاذ حکومت کی چوتھی سالگرہ بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منائی گئی۔ مختلف ریاستوں کی دارالسلطنتوں اور دیگر بڑے شہروں میں جلسے منعقد کئے گئے۔ نمائشوں کا انتظام کیا گیا۔ ثقافتی تقاریب منعقد کی گئیں۔ فلمیں دکھائی گئیں۔ ان تقاریب میں جوق در جوق لوگوں نے شرکت کی۔

لکھنؤ میں گذشتہ ۱۱ اور ۱۲ ستمبر کو اس تاریخی شہر کے ثقافتی مرکز رابندرالایہ میں دو روزہ پروگرام کا انتظام کیا گیا۔ اس پروگرام کے تحت ایک عام جلسہ ہوا، دو روزہ فلم فیسٹول منعقد ہوا اور ایک نمائش کا بھی انتظام کیا گیا جس میں گذشتہ چار برسوں میں بائیں محاذ کی سرگرمیوں کو اجاگر کیا گیا۔

عام جلسہ میں لوگوں کی اتنی بھیڑ ہوئی کہ ہال میں تل رکھنے کی جگہ نہ تھی اس جلسہ میں مہمان خصوصی عزت مآب شری جگدیش چندر ڈکشت، وزیر محنت، حکومت اتر پردیش، نے تقریر کرتے ہوئے اس بات کی ضرورت پر زور دیا کہ ریاستوں کو ایک دوسرے کے انتظامی تجربات سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔ انھوں نے موجودہ حکومت مغربی بنگال کو دستور ہند کے موجودہ ڈھانچہ میں رہتے ہوئے جمہوری نظم و نسق کے ایک نئے ڈھانچہ کی کامیابی کے ساتھ تشکیل کرنے پر مبارکباد دی۔

اس جلسہ میں جناب محمد امین، وزیر ٹرانسپورٹ اور جناب ہاشم عبدالحلیم، وزیر عدلیہ و امور قانون سازی، حکومت مغربی بنگال نے بھی شرکت کی۔ اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے جناب محمد امین صاحب نے بائیں محاذ حکومت کی کارگذاریوں کا تفصیل سے ذکر کیا اور خاص طور پر ان اقدامات کا ذکر کیا جن سے سماج کے غریب طبقے کے لوگوں، غریب کسانوں اور شہروں میں محنت کش لوگوں کا فائدہ پہونچا۔ انھوں نے تبدیل شدہ ٹیکس کے ڈھانچہ کا ذکر کیا جنھیں بائیں محاذ حکومت ۱۹۷۸ء سے بجٹ کے تحت بروئے عمل لا رہی ہے۔ نئے طریقہ کے تحت امیروں پر بتدریج اور باقاعدہ طور پر زیادہ ٹیکس عائد کیا جا رہا اور اس سے ریاستی محاصل میں کافی اضافہ ہوا۔ اس کے ساتھ ہی غریبوں پر کوئی نیا ٹیکس عائد نہیں کیا گیا۔ انھوں نے بائیں محاذ حکومت کے مخالفین کی ان کوششوں کی بابت بتایا کہ کس طرح یہ لوگ جمہوری طریقے سے کام کاج کرنے میں رکاوٹ ڈالتے ہیں اور امن و امان کی صورت حال پیدا کرتے ہیں۔

جناب ہاشم عبدالحلیم صاحب نے اپنی تقریر میں اس بات پر زور دیا کہ عوام میں ایک نئی بیداری پیدا ہوئی ہے اور ان میں اعتماد پیدا ہوا ہے۔ آج مغربی بنگال میں عوام کی فلاح و بہبود کے لئے ریاستی حکومت کے کئے گئے ترقیاتی اقدامات کی تکمیل کے کام میں زیادہ سے زیادہ تعداد میں لوگ شرکت کر رہے ہیں۔ انھوں نے کہا کہ یہ نیا رجحان بائیں محاذ حکومت کی عوام کی فلاح و بہبود پر مبنی پالیسیوں اور دیہاتوں اور شہروں میں مفاد پرستوں کو الگ تھلگ رکھنے کے لئے حکومت کی مرکوز کوششوں کا نتیجہ ہے۔ انھوں نے ۱۹۷۷ء کے بعد سے مغربی بنگال میں ہونے والے انتخابات کی مثال پیش کرتے ہوئے کہا کہ ان انتخابات میں بائیں محاذ کے امیدواروں کو زیادہ سے زیادہ ووٹ ملے، اس سے بائیں محاذ حکومت کی ہر دلعزیزی کا پتہ چلتا ہے۔

سامعین نے ان دونوں وزراء کی تقاریر کو کافی سراہا۔ لکھنؤ یونیورسٹی کے پروفیسر پی۔ ڈی۔ شریال نے اس جلسہ کی صدارت کی۔

رابندرالایہ کے دالان میں دو روزہ نمائش کا انتظام کیا گیا۔ اس نمائش کو ہزاروں لوگوں نے بڑی دلچسپی کے ساتھ دیکھا۔ اس کے ساتھ ہی دو روزہ فلم فیسٹول بھی منعقد ہوا۔ اس فیسٹول میں دو فیچر فلمیں 'ہیرک راجار دیشے' اور 'پرشورام' اور دو مختصر فلمیں 'خاموش مذمت' اور 'نیا افق' دکھائی گئیں۔ لوگوں نے ان فلموں کو کافی پسند کیا۔

اسی طرح پٹنہ کے شری کرشنا میموریل ہال میں محاذ حکومت کی چوتھی سالگرہ کا جشن منایا گیا۔ اس ہال میں ۱۵ ستمبر ۱۹۸۱ء کو ایک عام جلسہ ہوا۔ جلسہ کی کارروائی شروع ہونے سے قبل جن وادی سنسکرتک مورچہ کے آرٹسٹوں نے انقلابی گیت گاکر سامعین کو محظوظ کیا۔ اس جلسہ میں جس کی صدارت پٹنہ یونیورسٹی کے پروفیسر ایس۔ کے۔ بوس نے کی، وزیر ٹرانسپورٹ جناب محمد امین صاحب اور وزیر عدلیہ جناب ہاشم عبدالحلیم صاحب نے تقریریں کیں۔ انھوں نے اپنی تقاریر میں بائیں محاذ حکومت کی کارکردگی کا اور ان مسائل کا ذکر کیا جن سے ریاستی حکومت کو گذشتہ چار برسوں میں دوچار ہونا پڑا۔ جناب

حلیم صاحب نے اپنی تقریر میں ان اقدامات کی وضاحت کی جو بائیں محاذ حکومت نے بے روزگاروں کی مدد اور گاؤں میں روزگار کے مزید مواقع پیدا کرنے کے لئے کئے۔ انھوں نے مزید کہا کہ مغربی بنگال میں حالیہ برسوں میں لوگوں کی عملی شرکت پر مبنی جمہوریت کا ایک نیا شعور پیدا ہوا ہے۔ ہندوستان میں یہ ایک نیا تجربہ ہے۔ سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے انھوں نے ترقیاتی سرگرمیوں میں منتخب پنچایتوں کے کردار کا تفصیل سے ذکر کیا۔

جناب محمد امین صاحب نے اپنی تقریر میں ان اسباب کا تجزیہ کیا کہ کیوں مغربی بنگال کے باہر مفاد پرست لوگ اور مغربی بنگال کے عوام کے چند طبقے بائیں محاذ حکومت سے ناراض ہیں۔ سامعین نے دونوں وزراء کی تقریروں کو کافی سراہا اور انھیں داد تحسین دیا۔

ان دونوں شہروں میں دو وزراء نے پریس کانفرنس کو بھی خطاب کیا جو کامیاب رہا۔ ایسی کانفرنسوں میں ایک ابھر کر سامنے آئی اور وہ یہ کہ سارے ملک کے لوگ مغربی بنگال کے واقعات پر کڑی نظر رکھتے ہیں ۔ اور بائیں محاذ حکومت کی ترقیاتی سرگرمیوں کی تعریف کرتے ہیں۔

(باقی ص ۱۲ کا)

ہونے کے متمنی ہیں۔ تمام مصنفین کو اسکول، کالج یا یونیورسٹی کے لئے کتابیں تصنیف کرنے تک کو محدود نہیں رکھنا چاہئے بلکہ اس نئی نسل پر خصوصی توجہ دینا چاہئے اور اس ضمن میں اپنا فرض پورا کرنا چاہئے۔

سماجی انقلاب، جدید کاری، سیکولرزم، سوشلزم، قومی اور ثقافتی یک جہتی کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ زندگی کے ہر شعبہ میں لوگ زیادہ سے زیادہ حصہ لیں۔ لیکن اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ آنے والی نسلوں کو اس کے لئے تیار کیا جائے۔ نئی بیداری کے سلسلہ میں اس امر کا ذکر اوپر کیا جا چکا ہے۔ ظاہر ہے اس کے لئے کہ انگریزی ذریعہ بہت ہو سکتی بلکہ ہندوستانی زبانوں ہی کے ذریعہ یہ کام ہو سکتا ہے۔ دانشوروں کا یہ فرض ہے کہ وہ ہماری تعلیم، زندگی اور کلچر میں انگریزی کی نمایاں اہمیت کو ختم کریں۔ مزید براں انھیں ہندوستانی زبانوں کو اپنی گراں قدر تصانیف سے مالا مال کریں اور آنے والی نسلوں کو ان سے مستفید ہونے کا موقع عطا کریں۔

(تلخیص اور ترجمہ)

(باقی صفحہ کا)

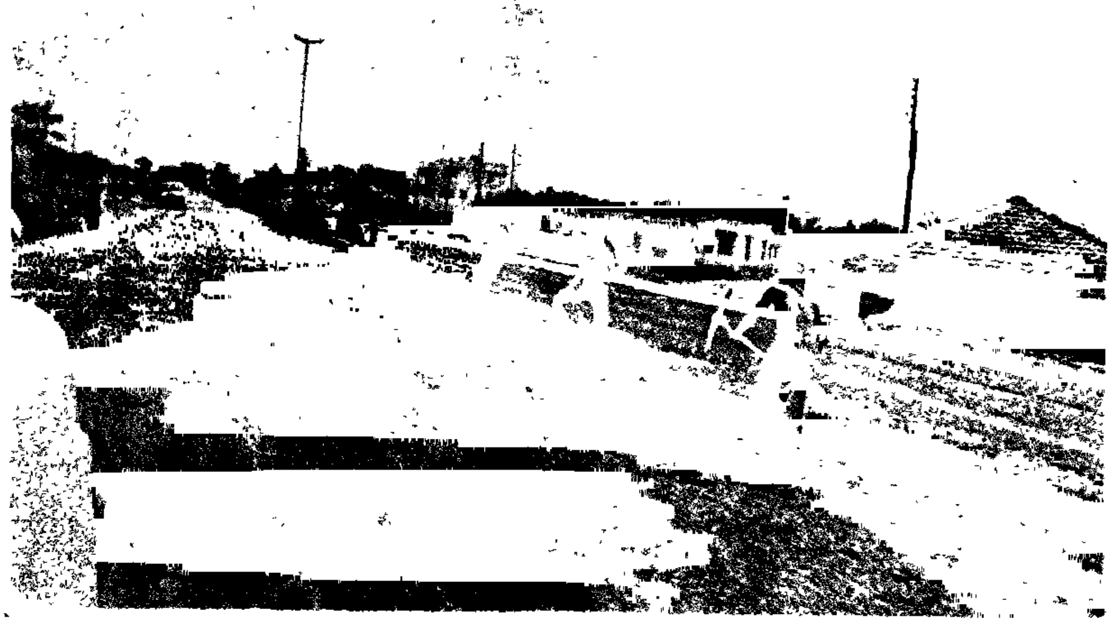
پہلے مرحلہ میں ان علاقوں کے لئے جہاں قبائلیوں کی گنجان آبادی ہے متعلق کے جامع پروگرام مرتب کئے گئے۔ اس کے ساتھ ساتھ سب سے زیادہ قدیم قبائلیوں کی ترقی و فلاح و بہبود کے پروگرام کو اعلیٰ ترجیح دی گئی ہے اور اس سلسلہ میں خصوصی اسکیمیں مرتب کی گئی ہیں۔ یہ فیصلہ کیا گیا کہ چھٹے منصوبہ کے عرصہ میں دوسرے مرحلہ پر منتشر قبائلی آبادی کے لئے مرکوز ترقیاتی پروگرام پر عملدرآمد کیا جائے۔

عام طور پر قبائلی چند مخصوص علاقوں میں رہتے ہیں جہاں وہ برسوں سے اپنی سماجی، مذہبی اور سیاسی انفرادیت کے عین مطابق اپنی روایتی نسلی ثقافت کو برقرار رکھ سکے۔ نسلی احساس کی وجہ سے ان لوگوں کو عام ہندوستانی معاشرہ میں نہیں لایا جا سکا۔ یہ نسلی بیداری ان میں باہمی بے اعتمادی پیدا کرتی ہے۔ کیونکہ انھیں اس بات کا خدشہ لاحق ہوتا ہے کہ اکثریت کی حکومت انھیں اپنے اندر ضم کر لیگی اور اس طرح ان کی منفرد حیثیت ختم ہو جائے گی۔ ان علاقوں میں کام کرنے والے حکام کو قبائلی بے چینی کے مسائل سے بار بار دوچار ہونا پڑ رہا ہے۔ قبائلیوں کی فلاح و بہبود کے لئے متحدہ اور متفقہ رویہ کے فقدان کی وجہ سے یہ معاملہ شدید بنتا جا رہا ہے۔ قبائلیوں کی ترقی کیلئے کیا کرنا چاہئے اس سلسلہ میں ہندوستان کی مختلف سیاسی پارٹیوں کے سیاسی نظریہ میں ہم آہنگی نہیں ہے۔ اس بات کی وجہ سے ساتھ ہی عام لوگوں میں قبائلی صورت حال سے ناواقفیت نے اس صورت حال اور کو پیچیدہ بنا دیا۔ گذرے دنوں کی (جب ان کی اپنی سلطنتیں تھیں) کی بھولی بسری یادوں، ساتھ ہی اپنی منفرد حیثیت کو برقرار رکھنے کی کوشش نے قبائلیوں کو ان کے حقوق اور دعووں کے سلسلہ میں کافی بیدار کر دیا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ سماجی۔ معاشی شعبوں میں ترقیاتی سرگرمیاں، ساتھ ہی استحصال کے خلاف اقدامات، ان لوگوں میں سماجی تعاون کی سطح پر یقیناً تبدیلیاں پیدا کریں گے لیکن صرف ایک واضح سیاسی حل، جسے نفسیاتی سمجھ بوجھ کی تائید حاصل ہو، کے ذریعہ ہی حسب خواہ نتائج حاصل ہو سکتے ہیں۔

میں (راہ) بہت سارے مسائل کا سامنا کرنا پڑیگا۔ دائرہ عمل کے سلسلہ میں پیدا ہوں گی نئے کردار کی از سر نو ترتیب ساتھ ہی ثقافتی پسماندگی سے متعلق باتوں کے اظہار پر مشکلات پیش آئیں گی۔ خاص طور پر مرکزی حکومت کے لئے اختیارات اور ذمہ داریوں سے منصوبہ بندی کمیشن اور ریاستوں کے حق میں دست بردار ہونا کافی تشویشناک بات ہوگی۔ ریاستوں کو حکومت چلانے کے کام میں کم و بیش مکمل آزادی دینے میں جو خطرات ہوں گے اس کے سلسلہ میں بھی قبائلی کارکنان بحث کر رہے تھے لیکن ... انقلاب یا ... قبائلیوں کو اپنانے میں نہیں بلکہ پرانے خیالات کو ترک کرنے میں ہو گیا۔



ریاستی اسمبلی کے ہال میں نیپالی شاعر بھانو بھکت کی تصویر کی نقاب کشائی



کلکتہ میں سڑکوں کی بہتری

MAGHREBI BENGAL
1st NOVEMBER

Regd. No. WB/CC-62
Vol. 28 No. 18
PRICE-15 Paise



ہم محنت کش جگ والوں سے جب اپنا حصہ مانگیں گے
اک کھیت نہیں اک دیش نہیں ہم ساری دُنیا مانگیں گے

فیض احمد فیض

مغربی بنگال

انقلاب نمبر

۱۵ ؍ نومبر ۱۹۸۱ء



پندرہ روزہ :-

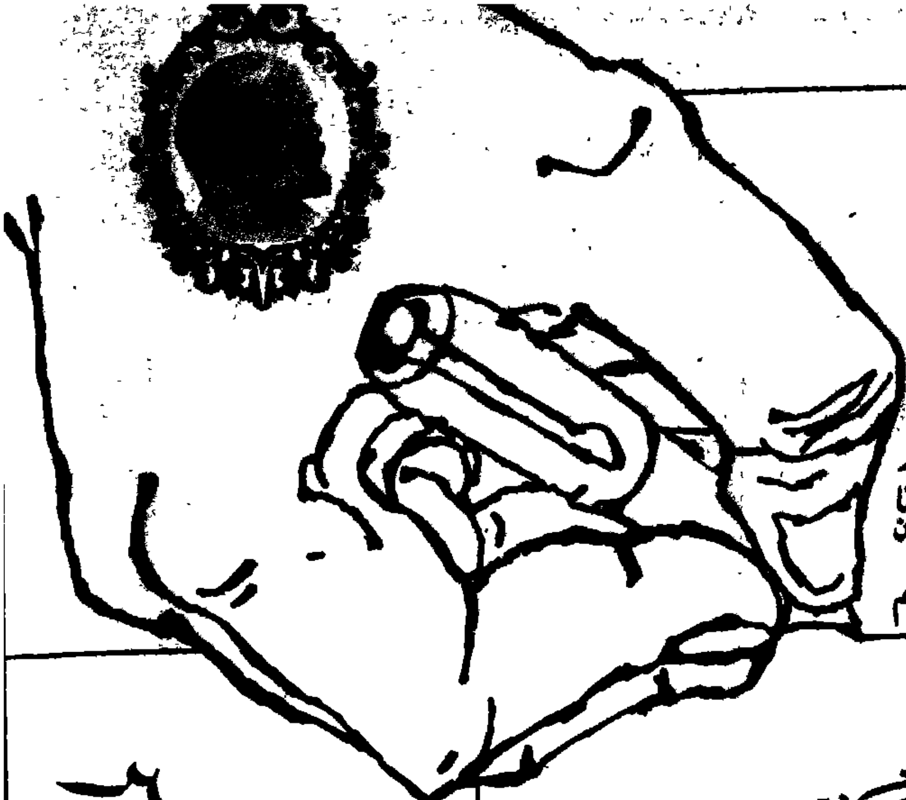
مغربی بنگال

کلکتہ

جلد نمبر ۲۸ — ۱۵ر نومبر ۱۹۸۱ء — شمارہ نمبر ۲۱

شرح خریداری:- سالانہ ۳۰ر روپیے || مدیر اعلیٰ:- ایس. کے. سین گپتا

قیمت:- ۱۲ ر پیسے || معاون مدیر:- محمد اعظم

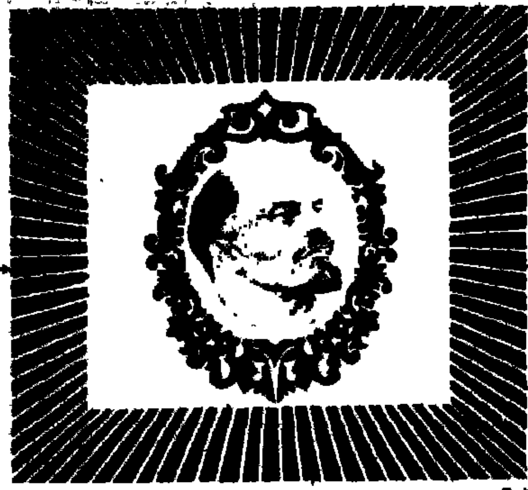


انقلاب نمبر

تزئین کار:- تارا پرشاد داس



فہرست :-



نغمۂ انقلاب

یوسف جمال



شہنشاہ زار نکولس کے جور و بربریت نے
کسانوں، کامگاروں کی حمیت کو تھا للکارا
مگر ان کے عزائم میں اضافے روز افزوں تھے
نہ ان کے حوصلوں میں انحطاط آئے نہ ان کی قوتوں میں کچھ کمی آئی
انہی محنت کشوں کے ہاتھوں میں سورج چمکتے تھے
کی زار شاہی نے ان کو کچلنے کی ہر اک سازش
انھیں روندا، انھیں پامال کرنے کی قسم کھائی
تھی یہ امید نکولس کو کہ یہ مزدور بزدل ہیں۔
ابھی ہے صبح جو ہوگی شام تو یہ بھاگ جائیں گے
یہ کیا جانیں سیاست اور کیا جانیں حکومت کو
نکولس نے تمامی عسکری، طاغوتی قوت سے
بڑھا آگے کہ سارے انقلابی کو کچل ڈالوں
دیا یہ حکم فوجیوں کو چلاؤ گولیاں ان پہ
مگر تاریخ ہے شاہد نکولس کے جو فوجی تھے
کیا اعلان کہ نہ گولیاں ان پہ چلائیں گے
یہ منظر دیکھ کر کے زار شاہی کا نشہ اکھڑا
ہزاروں انقلابیوں کا خون رنگ لایا وہ
کہ زار شاہی کی فرعونیت کی روح کانپ اٹھی

کہ Bolsheveks نے روشن سویرا لے کے جب آیا
اسے جا کر کے لینن نے دوامی روشنی بخشی
اسی کی روشنی دنیا میں چاروں سمت پھیلی ہے
خوش قسمت کہ مزدوروں، کسانوں کامگاروں نے
نومبر سات کی تاریخ کو عمر خضر دے دی۔
بظاہر کہ ۲۵ ر اکتوبر میں یہ انقلاب آیا
حقیقت میں نومبر سات ہی ہے انقلاب نو
حقیقت انقلاب ۱۹۱۷ء میں آیا ہے
کریملن کا وہ لال چوک جہاں پہ توپوں، لاکھوں، ٹینکوں، مزائل سے
کسانوں، کامگاروں اور مزدوروں نے شہادت کا مزہ چکھا
شواہد ہیں مورخ، انقلابِ روس کی خاطر
کم از کم دو کروڑ انسانوں نے قربانیاں دی ہیں
نہیں سترہ سو شہروں نے کھنڈر کا روپ دھارا ہے
کہ ان کے ساتھ ہوئے ویرانی بھی چھتیس ہزار گاؤں
کہیں پھر جا کے آخر زار شاہی کے قدم اکھڑے
کہ اس پہ بھی زمینداروں کے شامل ذریستوں نے
نہ اپنی ہار مانی ہے ہوس اقتدار میں
یہی کوشش کی کہ چھڑ جائے خانہ جنگی آپس میں

[illegible]
[illegible] انقلابوں کو کچل ڈالا
[illegible] کامیاب [illegible] لیکن
مگر [illegible] کہ ہر اک انقلابی نے
[illegible] کا قلع قمع کر کے
انھیں پسپا کیا ہے پھر شکست فاش دی ان کو
مگر ان نازیوں نے
محنت کش عوام کے جذبات کو کچلا
انھیں روندا، انھیں پامال کرنے میں نہیں چھوڑی کسر کچھ بھی
یہاں دو کروڑ انسانوں کا یہ رنگ لایا کہ
نیا اک انقلاب آیا
جسے محنت کشوں نے جذبہ و ایثار کے بدلے
بپا کیا انقلاب نو عظیم انسان لینن کی قیادت میں
اگر جذبات صادق ہوں دلوں میں جذبۂ ایثار کی قندیلیں روشن ہوں
تو ظالم جابر و فرعون کا ہر ظلم دریا برد ہو جائے
[illegible] اور روشنی پھر مسکرائے گی
اسی طرح سے یوم انقلاب کا زمانہ تھا
کہ ۹۳ سال قبل ـــــ ۱۹۱۷ء میں
اسی لال چوک سے
اٹھے محنت کشوں نے عزم نو کا لے کے پرچم جب
شکست فاش دی ہے زار شاہی کے سپاہی کو
یہ سن انیس سو اکتالیس عیسوی لال چوک سے
اٹھی ہے سرخ فوج ہٹلروں اور نازیوں کو دفن کرنے کو
یہی وہ لال چوک تھا جو ۴۵ عیسوی میں
کیا تھا لال فوج نے سبھی فاشسٹ پر قبضہ
یہی وہ لال چوک ہے، جہاں ہے قبر لینن کی
یہیں پیروں سے نازی پرچموں کو لال فوجوں نے
بہت سفاکی سے کچلا، انھیں روندا، انھیں خاکستر کر ڈالا
سبب پہلی بار
[illegible] فتح کا سہرا باندھا تھا روس کے سر پہ

اسی سرخ چوک میں سوویت کے عوام نے آ کر
گگارن کا کیا تھا خیر مقدم شادمانی سے
اسی لال چوک سے عوام کی آزادی کی مشعل ہوئی روشن
اسی لال چوک سے آواز حق پھیلی ہر اک جانب
اسی لال چوک نے ظالم کا قصہ پاک کر ڈالا
اسی لال چوک نے محنت کشوں کا سر کیا اونچا
یہی وہ لال چوک تھا، جہاں سے انقلاب نو ہوا وارد
سلام اے لال چوک تجھ کو
کہ تیری ہی بدولت سے
ہمیں لینن ملا کہ جس سے یوم انقلاب آیا
سلام اے انقلاب نو
سلام اے انقلاب نو

عظیم نومبر انقلاب کے چونسٹھ سال پورے ہو چکے۔ اس انقلاب سے فیض حاصل کرتے ہوئے ساری دنیا میں گذشتہ چونسٹھ برسوں میں استحصال اور ظلم کے شکار لوگوں نے نمایاں کامیابیاں حاصل کیں۔ نومبر انقلاب کے ذریعے تاریخ میں پہلی بار مظلوم طبقہ اور محنت کش طبقہ کے لوگوں نے عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لیا اور انقلاب کے بتائے ہوئے راستہ کی طرف تاریخ کے دھارے کو موڑنا شروع کر دیا۔ یہ تمام محنت کش طبقے اور استحصال کے شکار لوگوں اور قوموں کی نجات کا راستہ ہے۔



نومبر انقلاب کی سالگرہ کے موقعہ پر عہد

از: پرامود داس گپتا

[illegible] [illegible] پایا گیا،
[illegible] میں لینن ازم مارکسزم ہے
[illegible] اور بورژوائی ریاستی حکومت
[illegible] کا بلکہ [illegible] اس نئے دور کی متوازی طاقت کی حیثیت
سے پرولتاریہ ڈکٹیٹر شپ کی تشکیل کے لئے پہل بھی کی۔ یہ نومبر انقلاب ہی ہے جس کے ذریعہ مارکس کی پیشگوئی حقیقت بن گئی۔ اس کی جمہوری انقلابی طاقت بن گئی۔ اس نے امیر و رنگین گروہ کو خاموش کر دیا۔ سامراجیت اور پرولتاریت انقلاب کے دور میں یہ حسب خواہ تبدیلیاں لانے والی طاقت بن گئی۔

محنت کش طبقہ کے تحت جمہوری انقلاب سے سوشلسٹ انقلاب تک منتقلی انقلاب کے جمہوری اور سوشلسٹ مرحلے کے درمیان نمایاں حد بندی، اس بات کو سمجھنا کہ سامراجیت جان بلب سرمایہ داری کی بدلی ہوئی شکل ہے، محنت کشوں کے ہراول دستہ کی طرح جمہوری مرکزیت پر مبنی نئی شکل کی پارٹی کی تعمیر کرنا، بورژوائی نظام کو انقلاب کے ذریعہ مسمار کرنے کے بعد پرولتاریت حکومت جاری رکھنے کے لئے ایک ضروری وسیلہ کی طرح پرولتاریہ ڈکٹیٹر شپ کو روبہ استعمال لاتے ہوئے سوویتوں کے ذریعہ نئی قسم کی ریاست کی تشکیل کرنا، سامراجی جنگ کی مخالفت کرنا، اور حقیقت کے روس میں مزدور۔ کسان اتحاد کی خصوصی شکل کی حیثیت پرولتاریہ ڈکٹیٹر شپ کو سمجھنا ——— یہی سب ہتھیار تھے جن کے ذریعہ بالشویک پارٹی اور لینن کی سربراہی میں روس کے محنت کشوں نے روس کے شہنشاہ زار کو، روس کے امراء اور سرمایہ داروں کو شکست دی۔ اور ان ہتھیاروں سے لینن نے ان دنوں کے قدامت پرستوں اور اصلاح پسندوں کو بھی شکست دی۔ ان اہم بنیادی چیزوں پر لینن کی عملی فتح کے بغیر نومبر انقلاب فتح سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ سامراجیت اور پرولتاری انقلاب کے دور میں لینن ازم ہی مارکسزم ہے کیونکہ انہوں نے صرف ایک نئی صورت حال میں مارکسزم کے اصولوں کو مکمل طور پر اپنایا ہے بلکہ پھر بھی انہوں نے تمام اقسام کے انحراف کے خلاف کامیابی کے ساتھ مسلسل جدوجہد اور لڑائی کی۔ نومبر انقلاب ظالموں کے خلاف مارکسزم سے روگردانی کرنے والوں کے خلاف اور نیز اصلاح پسند قدامت پسندوں کے خلاف مسلسل عملی و تنظیمی جدوجہد کا نتیجہ ہے۔ کوئی بھی نومبر

انقلاب کے [illegible] سمجھتے ہیں جیسا کہ پرولتاریہ ڈکٹیٹر شپ کے ذریعہ نومبر انقلاب محنت کشوں کی جمہوریت کا پہلا مظہر بن گیا۔ لینن نے بار بار یہ کہا ہے کہ استحصال کرنے والوں کے ہاتھوں سے استحصال کی مشینری کو چھین کر، پرولتاری جمہوریت تمام معاشی، سیاسی اور ثقافتی وسائل کو محنت کشوں کی اکثریت کے تصرف کے لئے دے دیا جائے اور یہ بورژوائی جمہوریت کی اعلیٰ ترین ترقی یافتہ شکل سے ہزار گنا بہتر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ بورژوائی جمہوریت استحصال کے شکار لوگوں کو برائے نام رسمی مساوات اور حقوق دیتی ہے۔ پرولتاری ڈکٹیٹر شپ محنت کشوں کو جمہوریت کے حقوق اور مراعات سے انتہائی حد تک مالا مال کر دیتی ہے۔ یہ ڈکٹیٹر شپ استحصال کرنے والوں کو کچل دیتی ہے، استحصال کے شکار لوگوں کی حفاظت کرتی ہے اور انسان کے ہاتھوں انسان کے ذریعہ استحصال کو ختم کر دیتی ہے اور اس طرح ان تمام اقدامات کے ذریعہ یہ ایک آزاد اور نئے سماج کی تعمیر میں مدد دیتی ہے۔

لینن یوں رقم طراز ہیں "بورژوائی جمہوریت گرچہ قرون وسطی کے نظام کے مقابلہ میں تاریخی لحاظ سے ایک عظیم آگے کی طرف بڑھتا ہوا قدم ہے تاہم یہ (اور سرمایہ دارانہ نظام میں اس کے سوا اور یہ کچھ ہو نہیں سکتی) جمہوریت محدود ہے، کٹی چھنٹی ہے، جھوٹ ہے، پرفریب ہے، امیروں کی جنت ہے اور غریبوں کے استحصال کے لئے ایک جال ہے (پرولتاری انقلاب اور بھگوڑے کوٹسکی، وی۔ آئی۔ لینن منتخبہ تخلیقات جلد ۲، صفحہ ۳۷۰ ماسکو، ۱۹۴۷ء)

انھوں نے یہ بھی کہا "پرولتاری جمہوریت نے، جس کی سوویت حکومت ایک شکل ہے، جمہوریت کو عوام کی اکثریت کے لئے استحصال کے شکار لوگوں اور محنت کشوں کے لئے وسیع پیمانہ پر فروغ دیا۔ دنیا میں اس قسم کی مثال نہیں ملتی" (صفحہ ۳۷۳)۔

چنانچہ اس بات پر کسی قسم کی حیرت ہونی نہیں چاہئے کہ تمام ملکوں کے سامراجی اور سرمایہ دار نیز ان کے ایجنٹ اور پٹھو جیسے دائیں بازو کے سوشل ڈیموکراٹس، پرولتاری ڈکٹیٹر شپ کو اپنے غصہ کا نشانہ بناتے ہیں اور اسے اس طرح پیش کر رہے ہیں کہ یہ تمام اقسام کی جمہوریت کی قبر ہے لیکن ایک لمحہ کے لئے اس بات کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ صدیوں میں یہ عظیم نومبر انقلاب ہی تھا جس نے پہلی بار کروڑوں انسانوں کو

نت کشوں کے سامنے انقلاب لانے اور اسے کامیاب بنانے کا سائنسی طریقہ پیش کیا۔ اسی وقت سے ... بعد سے ہی دیگر ملکوں میں بھی پرولتاری انقلاب کے سائنسی سوشلزم اور نظریہ کی اشاعت ہونے لگی نومبر انقلاب نے لوگوں کے دلوں کو کمیونسٹ نظریہ اور انقلابی جوش وخروش بھر دیا

ر رہنما لینن اور اسٹالن کی کمیونسٹ پارٹی نے لوگوں کے سامنے انقلاب کا یک عظیم تصور اور سبق پیش کیا اور اس تصور اور سبق کی انقلابی کشش نے ختلف سرمایہ دارانہ ملکوں اور سامراجیوں کے زیر تسلط نو آبادیاتوں میں لوگوں کو مسحور کر دیا۔ یہ دیکھ کر کے افسوس نہیں ہوگا کہ اس تصور اور سبق ختلف ملکوں کی کمیونسٹ پارٹی کے ہاتھوں بے قدری کی جا رہی ہے؟ نومبر انقلاب ے اس موقعہ پر ہمیں ان تمام باتوں پر غور کرنا چاہیے۔

لینن اور اسٹالن نے یہ باتیں بتائیں کہ تمام محکوم ملکوں میں قومی آزادی کی تحریک ا محنت کش طبقہ کی سربراہی قائم کی جانی چاہیے۔ نومبر انقلاب نے قومی زادی تحریک کے پرانے بورژوائی طریقہ کار کو ختم کر کے ایک نئے دور کا آغاز یا ہے۔ اس کے بعد سے سوشلزم کے قیام کے لئے محکوم قوموں کے مزدوروں ور کسانوں نے تحریکیں شروع کر دیں۔ یہ تحریکیں ہر قسم کے جبر معہ قومی جبر کے خلاف ہیں۔ یہ تحریکیں خود ان کے اپنے ملک ساتھ ہی بیرونی ممالک ی بورژوائی حکومت اور عام طور پر سامراجیت کے خلاف ہیں۔

کامریڈ اسٹالن نے کہا تھا "نومبر انقلاب تاریخ میں پہلا انقلاب ہے جس نے مشرق کی مظلوم قوموں کے محنت کشوں کو ان کی دیرینہ نیند سے جگایا اور انھیں عالمی سامراجیت کے خلاف جنگ کرنے والوں کی صفوں میں لا کھڑا کیا۔

نومبر انقلاب نے نیم ترقی یافتہ اور ترقی یافتہ، ملکوں کے درمیان دوستی کے رشتہ کو مضبوط بنایا ہے اور انھیں سامراجیت کے خلاف عام جدوجہد میں شریک کر لیا ہے۔

کامریڈ اسٹالن نے ہندوستان کی مکمل آزادی حاصل کرنے کے سلسلہ میں کامیابی کی بابت یوں کہا تھا۔ شروع شروع میں اس بات کی کوشش کرنی چاہیئے کہ بورژوا کی مکاری کو بے نقاب کر کے اور بورژوائی نظریہ کے دائرہ اثر سے مزدوروں، کسانوں چھوٹے چھوٹے انقلابی بورژواؤں اور محنت کش عوام کو آزاد کرا کر جدوجہد میں محنت کش طبقہ کی سربراہی قائم کرنے کے لئے حالات پیدا کئے جائیں۔ لینن اور اسٹالن نے جن باتوں کو صاف صاف طور پر بار بار کہا تھا آج موجودہ دور میں وہی در حقیقت رونما ہو رہی ہیں۔

دوسری عالمی جنگ کے بعد بہت ساری سوشلسٹ ریاستیں قائم ہوئیں سوشلسٹ ریاستوں کی طاقت دن بدن بڑھتی جا رہی ہے اور اس کے ساتھ سامراجیوں کی طاقت گھٹتی جا رہی ہے۔ عظیم نومبر انقلاب سے حاصل کردہ سبق کو روبہ عمل لاتے ہوئے ان سوشلسٹ ملکوں پر لازم ہے کہ وہ دنیا کے دیگر علاقوں میں اس انقلاب کی رہنمائی کرنے کے لئے آگے بڑھیں اور سامراجیت کے زوال میں تیزی لائیں۔ ان مقاصد کو بروئے عمل لانے کے لئے مندرجہ ذیل اقدامات ضروری ہیں (۱) مارکسزم لینزم اور پرولتاری بین الاقوامیت کی بنیاد پر بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک میں اتحاد اور استحکام۔ (۲) ایک مشترکہ بنیاد پر سوشلسٹ ریاستوں کے درمیان اتحاد اور استحکام۔ (۳) سرمایہ دارانہ اور سامراجی ملکوں میں جدوجہد کرنے والے محنت کشوں کو سوشلسٹ ریاستوں کے ذریعہ ہر قسم کی مدد معہ فوجی اور معاشی امداد تاکہ یہ لوگ سامراجیت کے خلاف اپنی مسلسل جدوجہد کو جاری رکھ سکیں۔ (۴) مختلف ملکوں میں اجارہ دار سرمایہ داری کے خلاف محنت کش طبقہ کی جدوجہد کی سوشلسٹ ملکوں کی فعال حمایت اور (۵) سامراجیوں کی جارحانہ پالیسی کے خلاف مزاحمت۔

بین الاقوامی کمیونسٹ تحریک کی یہی عام رہنما پالیسیاں ہونی چاہیئے۔ ۱۹۵۷ء کے ماسکو اعلان اور سن ۱۹۶۰ء کے ماسکو بیان کا یہی انقلابی نچوڑ ہے۔ خاص طور پر سوشلسٹ ملکوں کے ذریعہ قومی آزادی تحریکوں کی مکمل حمایت اور مدد کا سوال بہت اہم ہے۔ لینن اور اسٹالن دونوں اس سوال کو بہت اہمیت دیا کرتے تھے۔ سویت یونین کی کمیونسٹ پارٹی کی ۱۹ویں کانگریس میں اسٹالن نے مختلف ملکوں کے کمیونسٹ پارٹیوں کو خوش آمدید کہتے ہوئے کہا تھا "ماضی میں سویت اور دیگر سوشلسٹ ملکوں کو آپ لوگوں سے کافی حمایت اور مدد ملی ہے۔ یہ حمایت اور مدد یونہی نہیں دی گئی۔ اس کے بدلہ یہ ریاستیں بھی آپ لوگوں کی جدوجہد میں ہر ممکن طریقہ سے مدد کریں گی"!

بڑے افسوس کی بات ہے کہ آج دنیا کی بہت سی کمیونسٹ پارٹیاں اس بین الاقوامی سوال کے پیش نظر اپنی ذمہ داریوں کو فراموش کر دیتی ہیں۔ آج اس عظیم نومبر انقلاب کے موقعہ پر ہمیں ان سبقوں کو حاصل کرنا ہے اور اس بات کا عہد کرنا ہے کہ ہم ان لوگوں کے خلاف جو ان راستوں سے بھٹک رہے ہیں جدوجہد کریں گے۔

ماخوذ۔ [illegible]

اکتوبر انقلاب ناگزیر تھا



روس میں کامیاب سوشلسٹ انقلاب نے جس نے ۶۴ سال پہلے دنیا کو ہلا دیا تھا، نوعِ انسان کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا۔ دنیا کے تمام ملکوں نے اس انقلاب کے اثرات کو محسوس کیا۔ اس کی بین الاقوامی اہمیت کا تجزیہ کرتے ہوئے سوشلسٹ تھیوری کے امریکی پروفیسر البرٹ گولڈ نے لکھا کہ اس سے پہلے عالمی تاریخ نے اتنی قلیل مدت میں عوام اور سماجی نظاموں میں ایسی زبردست تبدیلیاں نہیں دیکھی تھیں۔ یہ ایک حیرت انگیز واقعہ تھا اور ہم ابھی تک اس کے زیرِ اثر ہیں...... اس سیاسی زلزلہ کا تاریخی مرکز، جس کی صدائے بازگشت آج تک پوری دنیا میں گونج رہی ہے، روس میں بالشویک کا برسرِ اقتدار آنا تھا۔

اکتوبر انقلاب کا محرک کیا تھا جس نے عالمی تاریخ کے رخ کو ایک نیا موڑ دیا۔ یہ سوال عام آدمیوں اور سائنسدانوں کے لئے یکساں طور پر آج بھی موجبِ پریشانی ہے۔ اب بھی اس موضوع پر گرما گرم بحث ہوتی ہے اور شرکائے بحث یہ جاننا چاہتے ہیں کہ آیا اکتوبر انقلاب ایک حادثہ تھا یا اس کے پسِ پشت کچھ مقاصد تھے۔

جو لوگ اس عظیم اکتوبر انقلاب کے سرچشموں اور اسباب کی حقیقی، سائنسی اور مارکسی تفسیر کو تسلیم نہیں کرتے وہ طرح طرح کے دلائل پیش کرتے ہیں۔ کچھ لوگ اکتوبر انقلاب کو بے ضابطہ اور تاریخ کے قوانین کے منافی قرار دیتے ہیں۔ اور دیگر افراد اس انقلاب کی کامیابی کو لینن کے موضوعی شعور اور ارادوں کا مرہونِ منت سمجھتے ہیں جو اقدامات اور حالات سے فائدہ اٹھانے میں مہارتِ کامل رکھتا تھا۔ بہت سے مورخین اور ماہرین سماجیات کی رائے میں اکتوبر انقلاب روس کے مخصوص حالات کی دین تھا۔

ایک ناگزیر واقعہ

بہرحال اکتوبر انقلاب ایک ناگزیر واقعہ تھا جو معروضی حالات، نیز اندرونی اور بین الاقوامی سماجی، معاشی اور سیاسی عناصر کی بنا پر رونما ہوا۔ اس انقلاب سے پہلے روس میں سماجی طوفان برپا ہوئے جن میں ۱۹۰۵ء اور ۱۹۱۷ء میں دو بورژوائی جمہوری انقلابات شامل تھے۔

ہر ایک سماجی انقلاب استحصال کن سماج کے زبردست طبقاتی تضادات کا ماحصل ہوتا ہے۔ عظیم اکتوبر انقلاب سے پہلے روس میں یہ تضادات تب زیادہ شدید تھے۔ روس کو بجا طور پر بوڑھا اور بدحال زمیندار کہا جاتا تھا اور وہ عالمی سرمایہ دارانہ نظام کے تضادات کا مرکزی نقطہ اور اس کی کمزور ترین کڑی تھا۔ یہ کڑی سن ۱۹۱۷ء کے ناقابلِ فراموش ایام میں پاش پاش ہو گئی۔ مارکس نے لکھا کہ انقلابات تاریخ کے انجن ہیں۔ وہ عوام کے جوش کو حرکت میں لاتے ہیں، نئی سماجی قوتوں کو زبردست تحریک عطا کرتے ہیں اور طویل تاریخی ادوار کے لئے معاشرے کی ترقی کی سمت کا تعین کرتے ہیں

عظیم اکتوبر انقلاب نے کسی سابقہ انقلاب سے کہیں زیادہ تاریخ کے ارتقاء کی رفتار تیز تر کر دی تھی۔ یہ ایک عالمی پیمانہ کا انقلاب تھا۔ اس نے سرمایہ داری سے کنارہ کشی کرنے کی نوع انسان کی شدید ضرورت اور خواہش کی ترجمانی کی۔ ایسی سرمایہ داری جو ایک ایسے نئے سماجی نظام میں ایک رجعت پسند قوت بن گئی جو لینن کے مطابق غیر معمولی روشن امکانات کا حامل ہے۔
(مجموعہ مضامین لینن جلد ۳۳ صفحہ ۴۹۸)

سوشلزم کے مخالفین پُر زور الفاظ میں کہتے ہیں کہ اکتوبر انقلاب غلط اور غیر منطقی تھا کیونکہ یہ مارکس کی اسکیم پر کاربند نہیں رہا جنھوں نے یہ نظریہ پیش کیا تھا کہ سوشلسٹ انقلاب اولاً سب سے زیادہ ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ملکوں میں برپا ہوگا۔ اور ان لوگوں کا یہ کہنا ہے کہ روس ایک پس ماندہ ملک تھا اور انقلاب کے لئے تیار نہیں تھا۔

روس زبردست ترقی یافتہ سرمایہ دارانہ ملکوں کے زمرہ میں شامل نہیں تھا۔ روس سرمایہ دارانہ ترقی کی درمیانی سطح پر تھا۔ تاہم پسماندہ زراعت کے ساتھ روس میں جدید ترین کارخانے تھے اور بڑے بڑے سرمایہ دارانہ کاروباری اداروں میں بہت بڑی تعداد میں مجموعی طور پر صنعتی مزدور کام کرتے تھے۔ روس دنیا میں ورکروں کی تعداد کے اعتبار سے سرفہرست تھا۔ روس کا محنت کش طبقہ اور بعد ازاں لاکھوں غریب اور نادار کسانوں کا ہجوم انقلاب کے لئے زبردست قوت متحرکہ تھا۔

نئی ریاستی مشنری

محنت کش طبقہ کی برابر سربراہی بالشویکوں کی پارٹی نے کی جس نے جدوجہد کے مقصد کا تجزیہ اور ادراک کر لیا تھا اور بے خوفی کے ساتھ عوام کو اس مقصد کی جانب گامزن کیا۔ اکتوبر انقلاب کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ تھا کہ اس کی تکمیل کے بعد ہی ملک میں ایک نئی ریاستی مشنری "ورکروں، فوجیوں اور کسانوں کی سوویت" انقلاب پسند عوام نے قائم کر لی تھی۔ سماجی ترقی کے پورے دور نے محنت کش عوام کے دلوں میں سماجی انقلاب کی ضرورت کا احساس پیدا کر دیا۔

زمینداروں اور سرمایہ داروں نے شہنشاہیت کی حمایت میں جو سفاکانہ جنگ چھیڑ دی تھی اس نے ورکروں اور کسانوں کی پوزیشن ابتر کر دی۔ انھوں نے جنگ کو ختم کرنے اور بڑے بورژواؤں کی مذموم حرکتوں کی روک تھام کرنے کا مطالبہ کیا جو عوام کی تباہی اور بربادی سے دونوں ہاتھوں سے اپنی جھولیاں بھر رہے تھے۔ مزید براں انھوں نے زمینداری کو بھی جاگیرداری اور غلامی کی شرمناک یادگار رہتی، ختم کرنے کا مطالبہ کیا۔

اس معروضی صورت حال نے یہ بات بالکل واضح کر دی کہ سوشلزم کی راہ اپنائے بغیر پیش رفت نہیں کی جا سکتی۔ بالشویک پارٹی کے نعرے اور انقلابی کا پالیسی سے متعلق اس کا واضح پروگرام لاکھوں ورکروں کی امنگوں اور ولولوں کا آئینہ دار تھا۔ بالشویکوں کی کامیابی کا راز یہی ہے۔ انھوں نے عوام کی رہبری کی جو پرانے سڑے گلے نظام کو ختم کر کے ایک حقیقی عوامی انقلاب لانے کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اکتوبر انقلاب کے پہلے چند ہفتوں میں سوویت حکومت نے پورے ملک پر اپنا تسلط جما لیا۔

لینن کا رول

لینن نے انقلاب کے محرک اور قائد کی حیثیت میں ایک عظیم رول ادا کیا۔ لینن کی تخلیقات محنت کش طبقہ اور کسانوں کی تحریک اور اس کی قائم کردہ بالشویک (کمیونسٹ پارٹی) کی سرگرمیوں کا اٹوٹ حصہ ہیں۔ عوام کے انقلابی جوش و خروش پر مکمل اعتماد، عوام کی تحریک کی واضح تفہیم، ان کے مفادات کے احساس اور سماجی طریق عمل کے بنیادی امر کے کامل ادراک نے لینن کو لاکھوں ورکروں کو انقلابی جدوجہد کے لئے تحریک عمل عطا کرنے کے قابل بنا لیا۔

لینن نے اکتوبر انقلاب کی کامرانی کے لئے معروضی حالات کے بارے میں کئی بار اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ اگر معروضی عوامل اور ترقی پسند ورکر ہوں جو ایک سیاسی جماعت کے ذریعہ متحد ہوں اور محنت کش عوام اور استحصال کے شکار لوگوں کی سرگرم حمایت سے ریاستی مشنری پر قبضہ کرنے اور اسے عوام کے مفاد کے لئے بروئے کار لانے کے لئے تیار اور آمادہ ہوں تو دنیا کی کوئی طاقت اُن کو ایک نئے سماج وادی نظام کی تشکیل سے نہیں روک سکتی۔

سوویت دیش میں بعد میں ہونے والی انقلابی تبدیلیوں نے لینن کے نظریات کی صداقت کی تو ثیق کر دی۔ ترقی پسند انسانوں نے سوشلزم کا جو خواب دیکھا تھا وہ ایک حقیقی سوشلسٹ نظام کی شکل میں ایک ٹھوس حقیقت بن گیا۔ آج یورپ، ایشیا، لاطینی امریکہ اور افریقہ کے بہت سے ممالک سوشلزم کی راہ پر آگے بڑھ رہے ہیں۔

اکتوبر انقلاب کی عظمت اس حقیقت میں بھی پوشیدہ ہے کہ اس نے اس مارکسی نظریہ کی ناقابلِ تردید توثیق کردی کہ ایک انقلابی "چھلانگ" خواہ پُرامن ہو یا اس کے برعکس، کے بجز سوشلزم کے حصول کی کوئی اور راہ نہیں ہے محض ایک ایسا سماجی انقلاب، جو حکومت اور اقتدار کو استحصال کرنے والے طبقوں سے محنت کش طبقوں میں منتقل کردے صحیح معنوں میں سوشلزم کے حصول کی راہ ہموار کرتا ہے۔ اسی طرح ہم لینن کی اس رائے کے مفہوم سے واقف ہوسکتے ہیں کہ اکتوبر انقلاب کی بنیادی خصوصیات نہ صرف مقامی اور قومی، بلکہ بین الاقوامی اہمیت بھی رکھتی ہیں۔

تاریخی اہمیت

اکتوبر انقلاب سے تمام ممالک متاثر ہوئے، اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا تاہم اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ روس میں سماجی انقلاب کے دوران جو کچھ ہوا، کوئی دوسرا ملک اس کی میکانکی طور پر نقل کرے۔ اور یہ نقل خاص طور پر اس وجہ سے ناممکن ہے کیونکہ ہر ایک تاریخی لمحہ میں کسی ایک یا دوسرے ملک میں سماجی انقلاب کی کامیابی وہاں کی طبقاتی اور سیاسی قوتوں کی صف بندی نیز اس ملک کی بین الاقوامی پوزیشن پر منحصر ہوتی ہے۔ لینن نے ایک جگہ لکھا ہے کہ جملہ اقوام سوشلزم تک پہونچیں گی لیکن بالکل یکساں طریقے سے نہیں۔ ہر قوم کا طرز کی جمہوریت اور سماجی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں سماجی تبدیلی کی رفتار ترقی اپنا جداگانہ اور منفرد رول ادا کرے گی۔

اکتوبر انقلاب نے مارکس اور لینن کے اس استدلال کی توثیق کردی کہ سوشلزم کی کامیابی کسی ملک کے انقلابی طریقہ کار کے عام قوانین اور اس کی تاریخی، قومی اور دیگر خصوصیات کے صحیح امتزاج پر منحصر ہوتی ہے۔ اس عظیم اکتوبر انقلاب سے جو سبق حاصل ہوتا ہے وہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ کس طرح انقلاب لایا جانا چاہئے اور یہ کہ کسی ملک کے قومی مفادات کو تمام ملکوں کے محنت کش طبقہ کی بین الاقوامی جدوجہد سے اٹوٹ طور پر پیوستہ کرنا ضروری ہے۔

اکتوبر انقلاب نے سوشلزم کی راہ دکھلائی اور اسی لئے اس کی لازوال تاریخی اہمیت ہے۔

بقیہ۔ قومی انقلابی تحریک پر

والوں کے رویہ کی بابت، انھوں نے یوں لکھا۔

"انقلابیوں نے بھی اپنے ۱۵ برسوں کے تجربے کے نتیجے میں اس بات کا احساس کیا کہ ایک انقلاب برپا کرنا اتنا آسان نہیں ہے جتنا کہ اس کی بات کہنا۔ چند نوجوانوں کی مدد سے اور چند رائفلوں اور ریوالوروں کو جمع کرکے یہ ممکن ہوسکتا ہے کہ چند انگریزی افسروں کو جان سے مار ڈالا جائے، لیکن اس سے ملک کو آزادی نہیں ملے گی جب تک کہ عوام کے دل و دماغ میں خود بیداری کا نہ پیدا کی جائے، اس وقت تک چند لوگوں کو آزادی لانے کی کوشش بےکار ہوگی۔ اس لئے جب مہاتما گاندھی نے انگریزوں سے عدم تعاون کی پالیسی پر عمل کرنے شروع کیا تو اس وقت پرانے انقلابیوں نے، کچھ ابتدائی ہچکچاہٹ کے بعد ان کا ساتھ دینا شروع کیا۔ ان لوگوں نے یہ خیال کیا کہ خواہ سوراج حاصل کرنے کے لئے ہتھیار استعمال کئے جائیں یا نہیں کئے جاسکیں لیکن موجودہ وقت میں اس بات پر جھگڑنا ٹھیک نہیں ہوگا۔ جب ہمارے پاس ہتھیار نہیں ہیں تو ہمیں ایسا راستہ اختیار کرنا پڑیگا جہاں ہتھیار کی ضرورت نہ ہو۔ (پونگیر سندھان، اُپیندرا ناتھ بنرجی کی تحریریں، صفحہ ۳۵)

مذکورہ مضمون کے آخر میں شری بنرجی نے قومی تحریک کی کمزوری کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے۔ "ہم سب یہ جانتے ہیں کہ ہمیں کس چیز کی ضرورت نہیں ہے، لیکن درحقیقت ہمیں کس چیز کی ضرورت ہے اس کی بابت ہمارے خیالات واضح نہیں ہیں۔" آخر میں انھوں نے یہ سوال کیا کہ کیا موجودہ تحریک سچی ہے؟ یقیناً ایسا نہیں ہے ہمارے اندر اس خواہش کو اجاگر کریگا کہ ہم جھوٹ سے پرہیز کریں اور سچائی کی تلاش کریں۔ انھوں نے اپنے خیال کا اظہار کرتے ہوئے یوں کہا کہ جو لوگ درحقیقت آزادی چاہتے ہیں انھیں عوام کو سوفی صد کی آزادی دینے کیلئے تیار رہنا چاہئے یعنی عوام کو سیاسی، سماجی اور معاشی آزادی ایک ساتھ دینی چاہئے۔ (تلخیص اور ترجمہ)

دیہی ترقی نمائش

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ ادارہ برائے دیہی ترقی "دیہی بنگال۔ ۸۱" کے عنوان سے ایک نمائش کلکتہ میدان میں ۲۰ دسمبر ۱۹۸۱ء سے ۳ جنوری ۱۹۸۲ء تک منعقد کرے گی۔ اس نمائش کے انعقاد کا مقصد ان ترقیاتی کاموں کی جھلکیاں پیش کرنا ہے جو پنچایتوں نے ریاست میں دیہی ترقی کے مختلف سیکٹروں میں کئے ہیں۔



روسی انقلابات

ہندوستانی اخبارات کے آئینے میں

—— انور کے۔ ملا۔ ج ——

بیسویں صدی کے آغاز ہی میں عالمی انقلاب کا مرکز روس میں منتقل ہو چکا تھا۔ یہ امر اس حقیقت سے ثابت ہو جاتا ہے کہ تین زبردست انقلابات یعنی سنہ ۱۹۰۵ء کا انقلاب، فروری سنہ ۱۹۱۷ء انقلاب اور عظیم نومبر سوشلسٹ انقلاب، روس میں رونما ہوئے۔ ان میں سے آخر الذکر انقلاب ایک عہد ساز واقعہ تھا جس نے تاریخ کے رُخ کو موڑ دیا۔

یہ امر قابلِ ذکر ہے کہ ان تینوں انقلابات کا ہندوستان کی تحریک آزادی پر اثر پڑا۔

۱۹۰۵ء کے عوامی انقلاب کے زیر اثر ہندوستان کی سرزمین میں پہلی بار جمہوری خیالات پروان چڑھے۔

ہندوستانی اخبارات پر فروری انقلاب کے اثرات

ہندوستانی قومی پریس نے فروری انقلاب کا پُرجوش خیر مقدم کیا۔

اور اخبارات کے کالموں میں اس کی زبردست حمایت اور تائید کی گئی۔

اخبار نائیک (مورخہ ۱۲ مارچ ۱۹۱۷ء) نے اس بات کو خاص طور سے نوٹ کیا کہ یہ زبردست تبدیلی حیرت انگیز سرعت سے اور بغیر کسی خاص خونریزی کے جیسا کہ فرانس کے انقلاب میں ہوا یا کسی زبردست سماجی اتھل پتھل کے بغیر رونما ہوئی۔ اس نے اس پر زور دیا کہ یہ واقعہ اُن بیداری کا مظہر ہے جو اس جنگ میں لگی ہوئی تمام یوروپی نسلوں میں رونما ہوئی .... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے یورپ کے دانشور روس کی زبانی کہہ رہے ہوں۔ اے شہنشاہو، سماجی اور طبقۂ خواص کے لیڈرو، ہم اب تمہاری تلون مزاجی پر اپنی جانیں قربان کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ ہم اوپر اٹھنا چاہتے ہیں، ہم امن اور خوشحالی و آسودگی چاہتے ہیں۔ اور یہ سب ہم خود ہی حاصل کریں گے .... اب سے ہمارے لیڈر ہمارے ہی جیسے اور ہم میں سے ہی منتخب ہونا چاہئیں ..... بہرحال، روس میں رائے عامہ کا یہ ادعا لازمی طور پر یورپ کی تعمیر، صدیوں پرانی روایات سے انقطاع اور ترقی زندگی کو نئی سمتیں عطا کرنے میں مدد و معاون ہوگا۔"

سنجیونی (مورخہ ۲۲ مارچ ۱۹۱۷ء) نے لکھا ہے "پہلی بار اتنا عظیم انقلاب صرف تین دنوں میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ یہ عظیم نظریہ کہ جمہوری حکومت بہترین طرز حکومت ہے، بتدریج زور پکڑ رہا ہے اور خدا خود اس میں مدد کر رہا ہے۔"

حبل المتین (۲۳ اپریل ۱۹۱۷ء) کی رائے میں اس واقعہ سے مطلق العنانیت کا پرانا درخت جڑ سے اکھڑ گیا ہے۔ اس اخبار نے پرزور طور پر لکھا ہے کہ روسی انقلاب مشرق سے مغرب تک کا احاطہ کرے گا۔ روس ایشیا میں جمہوری حکومت کا پشت پناہ بن گیا ہے۔ اس امر کی پیشین گوئی کی گئی ہے کہ پورا ایشیا، روس اور چین کی طرح جمہوری ہو جائے گا۔
اس نے مزید لکھا ہے کہ برصغیر میں بیشتر بڑے ملکوں نے اس طرز حکومت کو اپنا لیا ہے۔

دیگر ممتاز اخبارات جیسے بنگ باشی، ہیتہ وادی اور بنگالی نے بھی انقلاب کا خیر مقدم کیا ہے اور کم و بیش موافق رائے زنی کی ہے۔
دی ماڈرن ریویو (اپریل ۱۹۱۷ء) لکھتا ہے "ہندوستان میں تمام مرد اور عورتیں جنھوں نے روس میں انقلاب کے بارے میں سنا ہے

اور اس کے مفہوم کو سمجھتے ہوں گے ان میں اپنا بہتری کے لئے زبردست خواہش پیدا ہوگی اور یہ یقین کامل ہوگا کہ وہ خود اقتدار اور حقوق کا استعمال کر سکتے ہیں۔ ہندوستان کے مخالفین یہ ثابت کرنے کے لئے کہ وہ ہوم رول کا اہل نہیں ہے، یہ دلیل پیش کر سکتے ہیں کہ ہندوستان میں بڑی تعداد میں مختلف نسلیں آباد ہیں جو مختلف زبانیں بولتی ہیں۔ روس میں آباد بے شمار نسلیں اس دلیل کا کاٹ کرتی ہیں۔ ذہین اور باخبر ہندوستانی کے ذہن میں یہ خیال نہیں پیدا ہوگا کہ ہندوستان میں ویسا ہی انقلاب برپا ہو سکتا ہے یا ہونا چاہئے کیونکہ دونوں ملکوں کے حالات بالکل مختلف ہیں۔ لیکن کسی ملک کے حالات جیسے بھی ہوں، یہ حقیقت ہر جگہ مسلمہ ہے کہ کسی قوم کے افراد خود اپنی قوم کی تعمیر کرتے ہیں۔ اگر ہندوستانی آزادی چاہتے ہیں تو انھیں لگن اور ایثار کے جذبہ سے کام لینا ہوگا جو سیاسی بہتری کے لئے لازمی ہے۔"

ہندستانی اخبارات پر نومبر انقلاب کے اثرات

بولشویک انقلاب کی کامیابی نے برطانوی سامراجیوں کے دلوں میں دہشت پیدا کر دی۔ انقلاب کی کامیابی کے فوراً بعد برطانوی سامراجیوں کے دلوں میں دہشت پیدا کر دی۔ انقلاب کی کامیابی کے فوراً بعد برطانوی سامراجیوں نے اس کے خلاف زبردست پروپگنڈا شروع کر دیا۔ وہ یہ ثابت کرنا چاہتے تھے کہ روس میں انقلاب افراتفری اور بدنظمی کے مترادف تھا۔ انھوں نے شد و مد کے ساتھ یہ پروپگنڈا کیا کہ بولشویک خون کے پیاسے، سفاک اور ظالم تھے یہی نہیں وہ سماج دشمن تھے جو خواتین کو قومی املاک بنانے پر تلے ہوئے تھے۔ انھوں نے یہ جھوٹا پروپگنڈا کیا کہ بریسٹ لٹووسک کا صلحنامہ روس کے لئے اہانت آمیز تھا اور اس صلحنامہ کے بعد روس، جرمنی کا محکوم ہو گیا تھا اور یہ کہ جرمنی ہندوستان پر بہت جلد حملہ کرنے والا ہے۔
یہ پروپگنڈا کہ بولشویک حکومت کے تعاون سے ہندوستان پر جرمنی کے حملہ کا فوری خطرہ ہے۔ ایک پلان کے تحت ہندوستانیوں کے درمیان کیا جاتا تھا۔
مزید برآں سامراجیوں نے یہ جھوٹا پرچار بھی کیا کہ بولشویک صورت حال سے فائدہ اٹھانے پر تلے ہوئے تھے۔ وہ براہ راست ہندوستان

میں اس مقصد کے لئے اپنے سفیر بھیجے رہے تھے لہٰذا ہندوستان میں برطانیوں کے خلاف تحریک کو ہوا دے رہے تھے۔

اگر کوئی اُس عہد کے ہندوستانی اخبارات کا جائزہ لے تو اُسے لازمی طور پر اس امر کا اعتراف کرنا ہوگا کہ کچھ مدیران اس پروپیگنڈا سے متاثر ہوگئے تھے لیکن اُن میں سے جو زیادہ زیرک اور محتاط تھے وہ اس قسم کے پروپیگنڈہ سے بالکل متاثر نہیں ہوئے۔ مثال کے طور پر "سنجیونی" اور مورخہ ۱۶ جنوری ۱۹۱۹ء کا لکھا ہے۔ "ہمیں یہ باور کرنے پر مجبور کیا گیا ہے کہ جرمنی بالشویکوں کی مدد سے ہندوستان میں انقلاب کو ہوا دے رہا ہے۔ ہم ایک عرصہ سے یہ بھی سُن رہے ہیں کہ جرمنی ہندوستانیوں کو بغاوت پر اکسائے گا۔ اب جبکہ جرمنی کچل دیا گیا ہے ہمیں یہ بتایا جا رہا ہے کہ اس ضمن میں چین نے اُس کی جگہ لے لی ہے۔ آخر اس پروپیگنڈا سے انجام کار حاصل کیا ہوگا۔

جب برطانیہ نے ہندوستان میں بالشویکوں کی مداخلت کا بہانہ بنا کر رولٹ بلوں کو پیش کرنے کی کوشش کی تو امرت بازار پتریکا نے کئی پرجوش آرٹیکل لکھے (۳، ۸ اور ۱۰ فروری ۱۹۱۹ء) پتریکا نے رائے زنی کی۔ وائسرائے کی آخری دلیل یہ ہے کہ چونکہ بالشویزم کی لہر جس نے پورے یورپ کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے، ہندوستان کو متاثر کئے بغیر نہیں رہے گی لہٰذا اس ملک کی ایگزیکٹو کو جسے از سر تا پا زارشاہی جیسے اختیارات پہلے ہی سے حاصل ہیں، دو بلوں میں مجوزہ مزید اختیارات دیدینا چاہئیں۔ لیکن بالشویزم ہمارے لئے ہنوز محض خواب ہے اور جبکہ یورپ میں یہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ اس کا زہر انگلینڈ میں بھی سرایت کر گیا ہے اور وہاں اور دوسرے مقامات میں تیزی سے پھیل رہا ہے۔ لہٰذا اگر رولٹ بلوں کا پیش کرنا کسی جگہ حق بجانب ہے تو وہ انگلینڈ نیز یورپ میں اس قسم کے دیگر مقامات ہیں لیکن اُس براعظم کے کسی حصہ میں اس قسم کی قانون سازی کی کوئی چرچا نہیں ہے جبکہ غریب ہندوستان کو جو بالشویزم کی برائیوں سے یکسر پاک ہے۔ ان ظالمانہ اور جبر آمیز بلوں سے دوچار ہونا پڑ رہا ہے کیا یہ ایک زبردست ہولناک مذاق نہیں؟

اینگلو انڈین پریس میں متواتر یہ زبردست پروپیگنڈا کیا جا رہا تھا کہ جس میں "انگلش مین" سر فہرست تھا کہ ہندوستان میں ترک موالات کی تحریک بالشویک پروپیگنڈا سے متاثر تھی۔ "ٹائمز" (۲۱ اپریل ۱۹۱۹ء) میں یہ رپورٹ شائع ہوئی۔

"ہندوستان میں موجودہ زبردست بے چینی (ستیہ گرہ اور تحریک ترک موالات) ایک سے زیادہ اینگلو انڈین اخباروں کی رائے میں ایک زبردست سازش کا نتیجہ ہے جس کی اساس بالشویزم ہے۔ لیکن ہمارے خیال میں یہ صحیح نہیں ہے کہ بالشویزم اس ملک میں در آئی ہے۔ ہندوستان میں بقا کے لئے جدوجہد بہت شدید ہو گئی ہے جس کے نتیجہ میں ایک ایسی بے چینی پھیل گئی ہے جو یہاں بالشویزم کی راہ ہموار کر سکتی ہے"۔

یہاں اس امر کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ ہندوستان میں قومی پریس میں ابتدا ہی سے سماجی انقلاب کے بالشویک نظریات سے متعلق ملے جلے خیالات کا اظہار کیا جاتا تھا۔ ایک مظلوم قوم کے نمائندوں کی حیثیت سے ہندوستانی صحافیوں نے جمہوری مطالبات کی حمایت اور تائید کی، جو مطلق العنانیت کے خلاف اس عظیم جدوجہد کا جزو لاینفک تھے۔

"محمدی" ۱۵ فروری ۱۹۱۸ء نے لکھا۔ "بالشویکوں نے ضبطی کی جو کارروائیاں کیں وہ اُن زیادتیوں اور مظالم کا قدرتی نتیجہ تھیں جو ماضی میں زمینداروں اور دہاجنوں نے ان پر ڈھائے تھے۔ وہ یہ محسوس کرتے ہیں کہ اب اُن کی باری آئی ہے اور وہ متمول طبقوں کو اُن کی زیادتیوں کا بڑھ چڑھ کر بدلہ چکا رہے ہیں۔

"محمدی" (۲۲ نومبر ۱۹۱۸ء) نے اسباب پر زور دیا کہ "دُنیا میں ایک نئی صبح طلوع ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسانوں اور مزدوروں نے زار روس سے اقتدار چھین لیا ہے"۔

اسی نہج پر "بنگالی" (۱۶ جنوری ۱۹۱۹ء) نے رائے زنی کی "شودروں کی بیداری کا زبردست اثر ہوا ہے۔ اسے خدا کی مدد شامل رہی ہے۔ جرمنی کی شکست اور روس میں انقلاب اور افراتفری سب اسی بیداری کی مرہون منت ہیں۔ یہ امریکہ اور ہندوستان تک پھیل گئی ہے . . . . . مغرور امراء کہیں کے نہ رہیں گے۔ اگر انھوں نے شودروں کے مطالبات کو تسلیم نہیں کیا۔

"نائیک" (۱۶ جولائی ۱۹۱۹ء) نے لکھا۔ "پرانے نظام کے تحفظ اور بقا کے لئے امریکہ، انگلینڈ اور فرانس کی تمام کوششیں یقینی طور پر ناکام ہوں گی۔ نئے اصول اور نظریات یورپ کی نو تعمیر کریں گے۔ یہ ایک عہد نو کا نقیب ہے۔ ہم چاہے اس کی کتنی ہی مخالفت کیوں نہ کریں یا اس کی مسلح مزاحمت کریں اسے کچلا یا نہیں جا سکتا۔ یہ یقینی طور پر ناقابل تسخیر رہے گی . . . . . نئے اثرات پوشیدہ طور پر ہندوستان میں سرایت کر رہے ہیں اور جیسے ہی یہ کافی مستحکم ہو جائیں گے یہ فرسودہ نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں گے"۔

امرت بازار پتریکا (۲۱ رجون ۱۹۱۹ء) نے یہ تجزیہ اخذ کیا کہ "تمام دنیا کے ہر حصے میں نفوذ پکڑ رہا ہے... بالشویزم کی نمایاں خصوصیات یعنی [illegible] اور دولت سے نفرت، جمہوریت پر عدم یقین، اجرت کمانے والوں کے مفاد [illegible] نظام پر اعتماد، مزدوروں اور فوجیوں کی کونسل کے ذریعہ اقتدار کی منتقلی..... یہ انقلاب ابھر رہا ہے جو اب یورپ کے مغربی حصوں میں پھیل رہا ہے۔ جمہور کا اقتدار نے بہت سے اقتدار کو ختم کر دیا ہے اور اب جمہور کی اقتدار کو بالشویزم سے خطرہ لاحق ہے۔

دینک بسومتی (۲۵ / نومبر ۱۹۱۹ء) رقمطراز ہے۔ "مختلف یورپی حکومتوں نے عوام کے سامنے بالشویزم کی ایک مسخ شدہ تصویر پیش کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے..... انھوں نے جو روداد پیش کی ہے وہ زیادہ قابل یقین ہوتی اگر ان کے ظلم و ستم اور خونریزی کے واضح ذکر کے ساتھ ان کی دیانت داری، حقیقی حب الوطنی، اپنے لیڈروں سے ان کی پرجوش عقیدت، ایثار اور حیرت انگیز جذبہ مساوات کو بھی واضح طور پر بیان کیا جاتا۔ زیادہ تر روسی اب بالشویک ہیں۔ بالشویک حکومت مسلمہ طور پر زار شاہی سے صد درجہ افضل ہے لیکن اس میں سرمایہ داروں کی کوئی گنجائش نہیں۔ لہٰذا بالشویزم کی تحقیر کرنا صد درجہ نامناسب ہے۔ اخبار نے اس بات پر زور دیا کہ "بڑی تعداد میں عوام نے جن انھوں کو جان سے زیادہ عزیز رکھا ان کو طاقت کے ذریعہ ختم کرنے کی کوشش دی گئی ہے"۔

یہ امر خالی از دلچسپی نہیں کہ سامراجی پروپیگنڈا کے برعکس قومی پریس نے اس حقیقت کا ادراک کیا کہ بالشویک حکومت مضبوط اور مستحکم ہے لہٰذا اس کا قیام پر تلی ہوتی ہے (دینک بسومتی۔ ۳۱ دسمبر ۱۹۱۹ء)۔

قومی پریس جس کے مالکان اور سرپرست زمیندار، بیوپاری اور سرمایہ دار تھے، قدرتی طور پر بالشویزم کے خوف سے مبرا نہیں تھے۔ تاہم وہ ہندوستان میں کتنی ہی زیادہ تبدیلیاں چاہتا ہو یہ ہرگز نہیں چاہتا تھا کہ ہندوستان میں ایک سماجی انقلاب برپا ہو جو جائیداد کی بنیاد ہی پر کاری ضرب لگائے۔

ابتدا میں کچھ اخبارات نے سامراجیوں کے اس پروپیگنڈا کو پر اعتماد کیا کہ بالشویک جاہلوں کا ایک ٹولہ ہے جو خونریزی کو قریبانے پر تلی ہوئی ہے۔ لیکن زیادہ تر رسالوں نے اس پروپیگنڈا کو ابتدا ہی سے سامراجیوں کے فریب عمل سمجھتے ہوئے مسترد کر دیا تھا۔

قومی پریس میں بالشویزم پر بحث جینی طبقاتی عصبیت پر مبنی تھی۔ بالشویزم کے نظریہ مساوات کو قومی پریس موجودہ سماجی نظام کی تخریب کے

خطرے سے خوف محسوس کرتا تھا۔

دینک بسومتی (۱۰ رجنوری ۱۹۲۰ء) نے لکھا کہ بالشویک ایک عجیب نظریہ مساوات کا پرچار کر رہے ہیں۔ اس امر کے متعلق لوگوں کو زبردست شک و شبہ ہے کہ اس نظریہ کی بنیاد پر کوئی سماجی نظام قائم کیا جا سکتا ہے۔

نائیک (۶ رجنوری ۱۹۱۹ء) یہ امر تسلیم کرتا ہے کہ بالشویزم زبردست سماجی نابرابری کی بنا پر معرض وجود میں آئی۔ لیکن اخبار کے ایڈیٹر کے مطابق اس کا حل بالشویزم نہیں ہے۔ بالشویزم کے غلبہ سے یورپی سوسائٹی افراتفری اور غیر یقینی صورت حال سے دوچار ہو گی۔

ہندوستانی پریس میں یہ نکتہ جینی عام تھی کہ بالشویزم، ہندوستانی روایات کی مخالف ہے۔ سبت وادی (۱۸ راپریل ۱۹۱۹ء) نے لکھا کہ "ہندوؤں، مسلمانوں اور بدھوں کے اس ملک میں بالشویزم کا خیر مقدم نہیں کیا جائے گا"۔

بنگالی (۲۱ رمئی ۱۹۱۹ء) کے مطابق بالشویزم پنر جنم اور کرم کی مخالف ہے۔ محمدی رقمطراز ہے "بالشویزم ہندوستان میں کبھی بھی جڑ نہیں پکڑ سکے گی کیونکہ ہندوستانی ایک غیر مذہبی سماجی انقلاب کی ہرگز پذیرائی نہیں کریں گے"۔

خاص بات یہ ہے کہ پوری قومی پریس میں بالشویزم سے متعلق ملا جلا ردعمل ہوا۔ مطلق العنانیت اور غلامی کے خلاف بالشویکوں کی زبردست کامیابی سے ہندوستانی قوم پرور متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے لیکن وہ اس بات سے خوف زدہ تھے کہ بالشویک انقلاب موجودہ سماجی نظام کے لئے خطرہ بن سکتا تھا۔

ہندوستانی مدیران چاہے وہ بالشویزم کی زیادتیوں کو کتنا ہی ناپسند کیوں نہ کرتے ہوں، روسی انقلاب سے صحیح سبق حاصل کرنے میں پیچھے نہیں رہے۔

انھوں نے اس حقیقت کا ادراک کیا کہ جہاں کہیں غریبی ہو گی وہاں بالشویک خیالات اور نظریات کی ترویج کی زرخیز زمین ہو گی۔ کلکتہ سماچار (۲۰ راپریل ۱۹۱۹ء) نے لکھا۔ "اس میں کوئی شک و شبہہ نہیں ہے کہ بالشویزم کو ایک ایسے ملک میں جہاں غریبی ہے اور غذائی اشیاء کی قلت ہے، بہت زیادہ سازگار ماحول ملتا ہے"۔

دینک بسومتی (۹ رمئی ۱۹۱۹ء) لکھتا ہے۔ "ہندوستان میں غریبی کا مسئلہ روز بروز زیادہ پیچیدہ ہوتا جا رہا ہے اور غذائی اشیاء کی قلت سے لوگ غیر مطمئن اور پریشان ہیں۔ غالباً اسی وجہ سے اگر یہی

گویا اندیشہ ہے کہ بالشویزم یہاں بھی پھیل جائے گی۔

ہندوستانی پریس نے صحیح تجزیہ کیا کہ بالشویک انقلاب کا یہاں کے محنت کش طبقہ پر گہرے اثرات پڑیں گے۔ یہ محض ایک اتفاق نہیں تھا کہ روس میں کامیاب بالشویک انقلاب کے بعد ہندوستان میں ہڑتالوں کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔ مدراس میں بکنگھم اور کرناٹک ملوں میں زبردست ہڑتال ہوئی۔ کھڑگ پور ریلوے ورکشاپ میں ورکروں کی ہڑتال چل رہی تھی۔ بمبئی کی ملوں میں بھی زبردست ہڑتال ہوئی اور چپراسی بھی ہڑتال پہ تھے۔

بنگالی (۲۹ جنوری ۱۹۱۹ء) لکھتا ہے "بمبئی کی ملوں میں ہڑتال پر بالشویزم کی کچھ چھاپ معلوم ہوتی ہے"۔

امرت بازار پتریکا (۱۶ جنوری ۱۹۱۹ء) نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ۔

"محنت کش طبقہ دنیا کے ہر حصہ میں اپنا قدم جما رہا ہے۔ ہندوستان میں بھی وہ اپنے حقوق کا ادعا کر رہے ہیں جیسا کہ بمبئی ملوں میں ہڑتال سے صاف ظاہر ہے۔ ان کی تعداد تخمیناً ایک لاکھ ہے"۔

بالشویک انقلاب کے اثرات کے تحت ہندوستانی پریس کو ورکروں کی تنظیم کی اہمیت کا بخوبی احساس ہو گیا۔

دینک بھارت مترا (۲۵ ستمبر ۱۹۱۹ء) نے یہ رائے ظاہر کی کہ انگریز مزدوروں کی موجودہ حالت اُن کی یونینوں کی وجہ سے ہے جو انھوں نے بنائی ہیں۔ اس قسم کی تنظیموں کے ذریعہ وہ سرمایہ داروں کا مقابلہ کرنے کے قابل ہوئے ہیں۔ اب یہ اشد ضروری ہو گیا ہے کہ ہندوستان میں ایسی یونینیں نہ صرف مزدور بلکہ کلرک اور گماشتے بھی قائم کریں۔

بالشویک انقلاب کے دو پہلو تھے، جمہوری اور سوشلسٹ۔ جہاں تک جمہوری پہلو کا تعلق ہے ہندوستان میں بورژوائی اسٹیبلشمنٹ اس کے بارے میں بہت پرجوش تھے لیکن اس کی سماجواد کا پہلو سے قطعی طور پر خوف زدہ تھے۔

تاہم بالشویک انقلاب کا ہندوستانی قومی تحریک کے انقلابی عناصر پر بہت گہرا اثر ہوا۔ ان کے لئے یہ انقلاب ایک قابلِ تقلید مثال بن گیا۔ ورکروں نے یہ سیکھا کہ ہڑتال کو کس طرح ایک سیاسی حربے کے طور پر استعمال کیا جا سکتا ہے۔ کسانوں کی ایک انقلابی تحریک کا داغ بیل ڈالی گئی۔ دانشوروں کا ایک طبقہ جو عوام کی قومی اور سماجی نجات کے کاز کی حمایت کرتا تھا، مارکسزم لینن ازم کے نظریات سے صد درجہ متاثر ہوا۔ اکتوبر انقلاب کے براہِ راست اثر کے تحت ہندوستانی تحریک میں ایک سماجی قومی انقلابی رجحان پیدا ہو گیا۔

آل انڈیا سروسز ٹریننگ سنٹر میں داخلہ

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ آل انڈیا سروسز ماقبل امتحان ٹریننگ سنٹر این۔ ای۔ ایچ۔ یو، شیلانگ ۳۔ شمالی شرقی خطہ کے مرکزی علاقوں نیز بہار، اڑیسہ، مدھیہ پردیش، گجرات، مغربی بنگال اور گجرات کے مندرجہ فہرست اقوام اور قبائل کے اُن امیدواروں سے جو سول سروسز ابتدائی امتحان ۱۹۸۲ء میں بیٹھنے کے اہل ہیں، درخواستیں طلب کرتا ہے۔ ایسے امیدوار بھی درخواست دے سکتے ہیں جو صفائی کے کام میں لگے ہوئے ہیں۔ داخلہ امتحان انٹرویو کے بعد ہو گا۔ سنٹر میں آرٹس کے مضامین میں صرف انگریزی کے ذریعہ کوچنگ ہو گی۔ صرف وہی امیدوار درخواست دے سکتے ہیں جنھوں نے ڈگری امتحان میں مجموعی طور پر کم سے کم ۴۵ فیصدی نمبر حاصل کئے ہوں اور ان کے والدین / سرپرستوں نیز خود ان کی آمدنی ملا کر ۹۰۰۰ روپیہ سالانہ سے زائد نہیں ہو گی۔ منتخب امیدواروں کو ابتدائی امتحان کی تکمیل تک سنٹر کے ہوسٹل میں رہنا ہو گا۔ کھانے، ہوسٹل میں قیام اور تعلیمی فیس کے اخراجات مرکزی حکومت برداشت کرے گی۔

مقررہ فارم پہ درخواست کی وصولی کی آخری تاریخ ۱۵ فروری ۱۹۸۲ء ہے۔ درخواست کے فارم (۱) ڈائرکٹر آل انڈیا سروسز پری اگزامینیشن سنٹر این۔ ای۔ ایچ۔ یو۔ بجٹ کمپلیکس لوئر لکھم شیلانگ (۲) ریاستوں اور مرکزی علاقوں کے ایجوکیشن سکریٹریوں سے ۲۳ × ۱۰ سنٹی میٹر کے لفافہ کے ساتھ جس پر درخواست دہندہ کا پتہ تحریر ہو اور ایک روپیہ دینے پہ ۵ فروری ۱۹۸۲ء تک دستیاب ہو سکتا ہے۔



خون اپنا ہو یا پرایا ہو
نسلِ آدم کا خون ہے آخر
جنگ مشرق میں ہو کہ مغرب میں
امنِ عالم کا خون ہے آخر

بم گھروں پر گریں کہ سرحد پر
روحِ تعمیر زخم کھاتی ہے
کھیت اپنے جلیں کہ اوروں کے
زیست فاقوں سے تلملاتی ہے

اے شریف انسانو

ساحر لدھیانوی



ٹینک آگے بڑھیں کہ پیچھے ہٹیں
کوکھ دھرتی کی بانجھ ہوتی ہے
فتح کا جشن ہو کہ ہار کا سوگ
زندگی میتوں پہ روتی ہے

جنگ تو خود ہی ایک مسئلہ ہے
جنگ کیا مسئلوں کا حل دے گی
آگ اور خون آج بخشے گی
بھوک اور احتیاج کل دے گی

اس لئے اے شریف انسانو!
جنگ ٹلتی رہے تو بہتر ہے
آپ اور ہم سبھی کے آنگن میں
شمع جلتی رہے تو بہتر ہے

(۲)

برتری کے ثبوت کی خاطر
خوں بہانا ہی کیا ضروری ہے
گھر کی تاریکیاں مٹانے کو
گھر جلانا ہی کیا ضروری ہے

جنگ کے اور بھی تو میدان ہیں
صرف میدانِ کشت و خوں ہی نہیں
حاصلِ زندگی خرد بھی ہے
حاصلِ زندگی جنوں ہی نہیں

آؤ اس تیرہ بخت دنیا میں
فکر کی روشنی کو عام کریں
امن کو جن سے تقویت پہنچے
ایسی جنگوں کا اہتمام کریں

جنگ وحشت سے بربریت سے
امن تہذیب و ارتقا کے لئے
جنگ مرگ آفریں سیاست سے
امن انسان کی بقا کے لئے

جنگ، افلاس اور غلامی سے
امن، بہتر نظام کی خاطر
جنگ بھٹکی ہوئی قیادت سے
امن، بے بس عوام کی خاطر

جنگ سرمائے کے تسلط سے
امن جمہور کی خوشی کے لئے
جنگ، جنگوں کے فلسفے کے خلاف
امن، پُر امن زندگی کے لئے

نومبر انقلاب

ہمارے ملک کے عام آدمیوں کے لئے اس کی اہمیت

از۔ بھبوتوش رائے



تاریخ بہت سے انقلابات کی شاہد ہے۔ اُن میں سے کچھ کامیابی سے ہمکنار ہوئے اور کچھ ناکامی سے۔ نومبر انقلاب کامیاب انقلابات میں سے ایک ہے جو آج سے ۶۴ سال قبل سنہ ۱۹۱۷ء میں روس میں اس کی تنظیم کی گئی۔ اس انقلاب کے قائد عظیم انقلابی وی۔ آئی۔ لینن تھے۔ یہ نومبر انقلاب کے نام سے مشہور ہے کیونکہ نومبر کے مہینہ میں اس کی تنظیم کی گئی تھی۔ اس انقلاب کی اہمیت سمجھنے کے لئے ہمیں اس کی امتیازی خصوصیت کا ادراک کرنا ہوگا یعنی کس حد تک یہ دیگر انقلابات کے مقابلہ میں منفرد اور امتیازی خصوصیت کا حامل ہے۔

انقلابات تاریخ کا دھارا موڑ دیتے ہیں اور ایک اچانک دھچکہ کے ساتھ سماج کو اوپر اُٹھاتے ہیں۔ بلاشبہ یہ بات اُن انقلابات پر صادق آتی ہے جو کامیابی سے ہمکنار ہوئے ہیں۔ اُس دن سے جبکہ لوگوں نے جتنی واقعی ضرورت ہے اُس سے زیادہ کے حصول کے لئے ذرائع تلاش کئے، سماج مختلف طبقات میں بٹ گیا۔ دوسرے الفاظ میں سماج میں ایسے لوگوں کا گروپ وجود میں آیا جس نے دوسروں کی محنت سے پیدا کی گئی دولت ہتھیالی۔ استحصال کرنے والوں کا یہ گروپ استحصال کا شکار لوگوں کی کثیر تعداد کے مقابلہ میں ہمیشہ بہت قلیل رہا۔

روس میں نومبر انقلاب کے پہلے تمام انقلابات نے استحصال کرنے والے ایک طبقہ کی جگہ ایسے ہی دوسرے طبقہ کو مسلط کر دیا اور ایسے انقلابات کے بعد بھی سماج مختلف طبقوں میں بدستور منقسم رہا۔ ان انقلابات کا ماحصل سماج میں مختلف قوتوں کے درمیان طاقت کے توازن کو تقسیم کرنے اور کسی نئے طبقہ کے لئے گنجائش پیدا کرنے تک محدود رہا جو پیداوار کے طریقوں میں تبدیلیوں کی وجہ سے معرض وجود میں آیا۔ عام آدمیوں کا استحصال تو برقرار اور جاری رہا صرف عہد بہ عہد استحصال کا طریقہ بدلتا گیا۔ نومبر سنہ ۱۹۱۷ء کے روسی انقلاب میں پہلی بار تاریخ میں ایک ایسے دور کا آغاز ہوا جو استحصال سے پاک تھا۔ انقلاب کے بعد جو طبقہ برسراقتدار آیا وہ محنت کش طبقہ تھا۔ بلاشبہ طبقات باقی رہے لیکن وہ ماضی کے طبقات سے بالکل مختلف تھے۔ ماضی کے تمام ادوار میں اقلیتی گروپ برسراقتدار طبقہ کی حیثیت سے سرگرم عمل رہا اور غالب

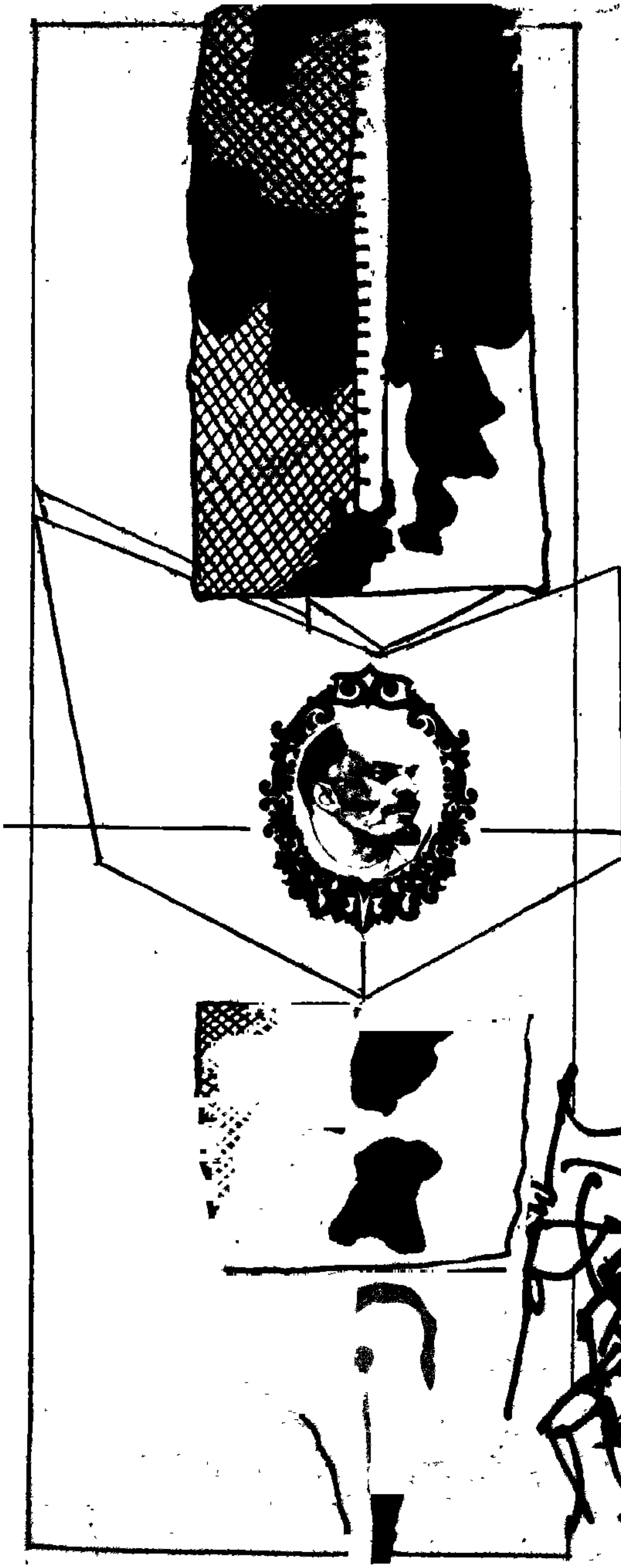
اکثریت کو دبا کر اُس کا استحصال کرتا رہا۔ اس کے برعکس روسی انقلاب میں غالب اکثریت نے محض معمولی اقلیت کو دبایا جو اب تک استحصال کرتی آ رہی تھی۔ دوئم یہ کہ اب تک دنیا بھر میں لوگوں کو یہ یقین کامل تھا کہ ایسا کوئی سماج ہو ہی نہیں سکتا جہاں امیر اور غریب کے درمیان تفریق نہ ہو۔ امیر اور غریب، استحصال کرنے والوں اور استحصال کے شکار افراد، ظالم اور مظلوم کے درمیان سماج کی ایسی تقسیم کو قدرتی سمجھا جاتا تھا۔ عام آدمی اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ غریبی بالکل ختم کی جا سکتی ہے یا یہ کہ اس سرزمین پر کوئی ایسی جگہ بھی ہو سکتی ہے جہاں تباہی کی غربت کو انسانوں کے عزم مصمم کے سامنے سرنگوں اور مغلوب ہونے پر مجبور کیا جا سکتا ہے۔ نومبر انقلاب نے اُس وقت کے حکمران طبقہ کو شکست دے کر نیز پرولتاریوں کی ڈکٹیٹرشپ قائم کر کے انسانوں کے اس خیال اور یقین کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا اور عملی طور پر کر دکھایا کہ فاقہ اور بھوک ناگزیر نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ نومبر انقلاب نے اس تھیوری کو بھی مسترد کر دیا کہ استحصال ناگزیر ہے۔

نومبر انقلاب کی یہ خصوصیات ملک میں ہم سب لوگوں کے لئے جو عرصہ دراز سے بربریت آمیز استحصال اور ظلم کو سہتے آئے ہیں، نمایاں ترین اہمیت رکھتی ہیں۔ ناقابل برداشت اور ناقابل بیان صعوبتیں برداشت کرنے کے باوجود ہمارے ملک کے بیشتر افراد رجعت پسندانہ خیالات کے اسیر ہیں جو یہ تعلیم دیتے ہیں کہ اس دُنیا میں انسان کا مقدر اُس کے پچھلے جنم کے اعمال پر منحصر ہوتا ہے اور یہ کہ ایک قادر مطلق ہے جسے آپ چاہے گاڈ یا اللہ یا بھگوان کہیں جو ہماری زندگی کے جزو کا نظم اور تعین کرتا ہے اور جب تک وہ قادر مطلق نہیں چاہتا آپ اپنے مقدر کو نہیں بدل سکتے چاہے کتنی ہی کوشش کیوں نہ کریں۔

ہمارے یہاں اس اعتماد یا یقین کی کمی پائی جاتی ہے کہ انسان تاریخ کا دھارا موڑ سکتا ہے اور ایک ایسے سماج کی تشکیل کر سکتا ہے جو اُس کی پسند کے ڈھانچہ کے مطابق ہو۔ اگر ہم نومبر انقلاب کے اس پیغام کے ساتھ عوام کی جھونپڑیوں میں جائیں جن کی محنت اور پیداوار کا صلہ صرف فاقہ، محرومی اور استحصال ہے۔ تو ہم اُن پر یہ امر بخوبی واضح کر سکتے ہیں کہ یہ انسان ہی ہے جس نے عہد ماضی کے تمام سماجوں سے بالکل مختلف ایک نیا سماج بنا کر معجزہ کر دکھایا ہے۔ ہم اُن کو انتہائی مایوسی اور دل شکستگی کے حصار سے باہر نکال سکتے ہیں۔ یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ اُن میں سے بیشتر یہ بھی نہیں جانتے کہ اس دنیا میں ایسا بھی نظام ہو سکتا ہے جس میں کوئی بھی شخص بنیادی ضروریات زندگی سے محروم نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس وہ یہ سمجھتے ہیں کیونکہ انھیں ایسا سمجھنے کی تعلیم دی گئی ہے، کہ اس دھرتی پر لازمی طور پر ایسے بہت سے لوگ ہوں گے جو تکلیف اٹھائیں گے اور محض تھوڑے سے لوگ سکھ اٹھائینگے۔ اُن کے نزدیک یہ صورت حال ابدی حقیقت کا ایک جز رہے اس لئے استحصال کرنا یا استحصال کا شکار ہونا غلط نہیں ہے۔ نومبر انقلاب کے حقائق اور سبق اندازہ جو کچھ ہوا کس طرح پرانے نظام کی جگہ نیا نظام معرض وجود میں آیا، جس میں غریب، غریب نہیں رہا اور کوئی بھی بھوکا نہ رہا، ان سب باتوں سے مقدر کے اٹل ہونے اور سماجی نظام ناقابل تبدیلی ہونے سے متعلق ان کا عقیدہ یا یقین کلی لازمی طور پر متزلزل ہو سکتا ہے۔ نومبر انقلاب اس امر میں رہنمائی کرے گا کہ کامیاب انقلاب کی کس طرح تنظیم کی جائے اور کس وقت آخری ضرب لگائی جائے اور کس طرح کامیابی حاصل کی جائے۔ وہ یہ جان لیں گے کہ جب تک انقلاب کی قیادت کے لئے ایک مستحکم تنظیم نہیں ہوگی، کچھ بھی نہیں کیا جائیگا۔ وہ اس حقیقت کا بھی ادراک کر لیں گے کہ عزم راسخ، جرأت اور ضرورت پڑنے پر جان قربان کرنے کا جذبہ کسی انقلاب کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کے لئے لازمی شرطیں ہیں۔

ہمارے ملک نے ۱۹۴۷ء میں آزادی حاصل کی۔ حصول آزادی کے بعد ۳۴ برسوں کی طویل مدت گزر چکی۔ لیکن اب بھی بورژوائی زمینداروں کے طبقے ہمارے ملک پر حکومت کر رہے ہیں اور ریاست اُن کے کنٹرول میں ہے۔ جس کے نتیجہ میں، شہری اور دیہی دونوں علاقوں میں ہمارے عوام ناقابل بیان مصائب برداشت کر رہے ہیں جو کسی طرح اُن صعوبتوں سے کم نہیں ہیں جو انھوں نے برطانوی دور حکومت میں برداشت کی تھیں۔

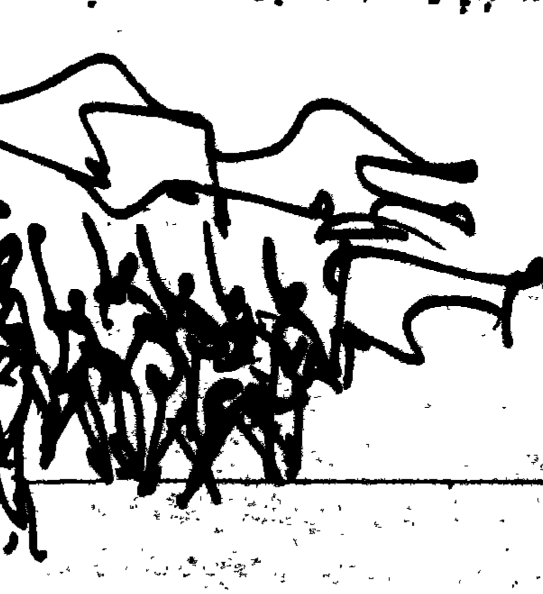
وقت آ گیا ہے کہ ہمارے عوام گرد و پیش کا جائزہ لیں اور دُنیا میں جو تبدیلیاں ہو رہی ہیں ان کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ سوشلسٹ دُنیا اب دنیا کی ایک تہائی آبادی کا احاطہ کرتی ہے۔ سوشلسٹ دُنیا سرمایہ دارانہ دُنیا سے یکسر مختلف ہے۔ سرمایہ دارانہ دُنیا استحصال پر مبنی ہے۔ سوشلسٹ میں اس کی بالکل گنجائش نہیں ہے کہ امیر اور متمول افراد عام آدمیوں کا استحصال کر سکیں۔ سوشلسٹ دنیا ۱۹۱۷ء میں نومبر انقلاب کی کامیابی کے بعد معرض وجود میں آئی۔ لہٰذا نومبر انقلاب ہمارے عوام کو اُمید، تحریک عمل،



قومی انقلابی تحریک پر اکتوبر انقلاب کا اثر

از:- ستیندرا نارائن مجمدار

جب روس میں رونما ہونے والے عظیم اکتوبر سوشلسٹ انقلاب (یعنی کیلنڈر کے مطابق عظیم نومبر انقلاب) کی خبریں اور دیگر تفاصیل ہندوستان کے محب وطنوں کے ہر مکتب خیال کے قوم پرور لوگوں کے لیے خوش آئند تھیں۔ سامراجی حلقوں کی طرف سے اس بات کی زبردست کوششیں کی گئی تھیں کہ ایسی خبریں ہندوستان نہ پہنچیں اور اس مقصد کے لیے انہوں نے زور و شور سے پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا، تاہم انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوئی اور ہندوستان کے لوگ روسی انقلاب سے باخبر ہونے لگے۔ روسی انقلاب ہندوستانیوں کے لیے مندرجہ ذیل باتوں کا مظہر ثابت ہوا (۱) ایک جابر حکومت کے خلاف مظلوم عوام کی ان کی مسلسل اور طویل جدوجہد میں فتح (۲) سماجی انصاف کی فتح (۳) تمام محکوم لوگوں کی آزادی کے کاز کی حمایت اور اسے بڑھاوا دینے والا سامراجیت کا کٹر دشمن۔ ان باتوں کے علاوہ عوام کے جوش و خروش میں شرکت کرتے ہوئے قومی انقلابیوں کو اس بات سے بھی خوشی حاصل ہوئی کہ انہیں اپنی زندگی میں ایک کامیاب انقلاب دیکھنے کا موقع ملا۔ اس انقلاب نے تمام ہی کو جتنی دلچسپی پیدا کی تھی اس کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ہندوستانی نیشنلسٹ اور انقلابی پارٹیوں کے رسائل اور جرائد میں روسی انقلاب سے



متعلق مضامین شائع ہونے لگے۔ یہاں اس سلسلہ میں انقلابیوں کے شائع کردہ تین رسالے یعنی 'آتما شکتی' 'سچی باجوتی' اور 'سدیشیر بانی' کا خصوصی ذکر نا بہتر ہوگا۔

سشری آپندرا نا تھ برج جیسی قابل ہستی کے زیر ادارت 'آتما شکتی' نے اس سلسلہ میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ایک ریسرچ مدد کرنے نہایت ہی صبر آزما محنت کے بعد بنگلہ رسالوں پر روسی انقلاب کے اثر کا ذکر کرتے ہوئے انقلاب سے متعلق مضامین کو مندرجہ ذیل زمروں میں تقسیم کیا ہے۔

(۱) اوائل میں ان رسالوں کی یہی کوشش رہی کہ سامراجیوں کے پروپگنڈا کے خلاف روسی انقلاب کا دفاع کیا جائے۔ ان رسالوں نے اس سلسلہ میں مختلف ذرائع سے مواد حاصل کئے اور انھیں شائع کیا اور اس طرح انھوں نے روسی انقلاب کی صحیح تصویر پیش کرنے کی کوشش کی (۲) بعد میں ان رسالوں میں شائع ہونے والے مضامین میں لینن اور بالشوزم پر زور دیا گیا۔ (۳) اس کے بعد جو مضامین شائع ہوئے ان میں سوویت روس کے سامراج دشمن کردار کی بڑی تعریفیں کی گئیں۔ (۴) انقلاب کے بعد کے عرصہ میں روس میں نئے سماجی نظام کی تعمیر کے لئے کئے جانے والے اقدامات کی تائید میں مضامین شائع ہوئے۔ (۵) ان رسالوں میں ایسے بھی مضامین شائع ہوئے جن میں اس بات پر زور دیا گیا کہ ہمیں روس میں سوشلسٹ انقلاب سے سبق حاصل کرنا چاہئے، نیز ایسے مضامین میں کسانوں اور مزدوروں کی تنظیموں کی تشکیل پر زور دیا گیا۔

'آتما شکتی' اور 'شنکھا' رسالے کے بہت ساری جلدوں کے معائنہ کے بعد میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ مضامین کی مذکورہ بالا زمروں میں تقسیم صحیح ہے۔ اس میں پہلے ایک تا ۴ زمرہ کے مضامین کا اختصار کے ساتھ ذکر کروں گا، اس کے بعد آخری زمرہ کے مضامین کا تفصیل سے ذکر کروں گا۔ اس سلسلہ میں یہاں اس بات کو ذہن میں رکھنا ہوگا کہ (الف) زیر غور عرصہ میں، خاص طور پر اس صدی کی دوسری دہائی کے اوائل میں روسی انقلاب پر کوئی صحیح اور مصدقہ کتاب دستیاب نہ تھی۔ (ب) مارکسزم سے ایک نظریہ کے طور لوگ بالکل واقف نہ تھے۔ صرف انقلابیوں میں چند افراد اس نظریہ سے واقف تھے اس لئے ان مضامین میں اس بات کی امید کرنا کہ سماجی نظریہ کی وضاحت ہوگی، بے سود ہوگا۔ اس مضامین کی اہمیت اس حقیقت پر مبنی ہے کہ ہندوستان کے قومی انقلابیوں کو، ایک انقلابی نظریہ اور پروگرام کی تلاش میں روسی انقلاب میں ایک نئی سمت نظر آئی۔ انھوں نے اس تلاش کو جاری رکھا۔

'شنکھا' (شمارہ ۳، جلد ۱، سنہ ۱۹۲۱ء) میں سنجد رانا تھ

سیاشیاں کے مضامین بعنوان 'لینن اور ہمعصر روس' آٹھ شماروں میں مسلسل شائع ہوئے۔ ان مضامین کے دیباچہ میں انھوں نے یہ کہا کہ صحیح خبر پانے کا وقت ابھی تک نہیں آیا ہے۔

اپنے اس مضمون کے لئے انھوں نے انگلینڈ اور امریکہ کے مصنفین کی تخلیقات سے مواد حاصل کئے۔ نیز انھوں نے جی۔ ٹی۔ کرشنا راؤ کے کتابچہ 'لینن' سے بھی استفادہ کیا۔ اپنے مضمون کے پہلے حصہ میں مصنف نے لینن کو بدنام کرنے کے لئے سامراجیوں نے جو پروپگنڈہ چلا رکھا، اس کی پرزور تردید کی۔ اس کے بعد انھوں نے لینن کی زندگی، سیاسی نظریہ اور پروگرام کا تجزیہ کیا۔ مضمون کے اختتام میں مصنف نے لینن کی مثال قائم کرنے کی کوشش کی۔

لینن کا سائنسی نظریہ تھا اور ان میں محکوم اور روحانی انقلابی کا شائبہ تک نہ تھا۔ مصنف نے اور بھی مختلف ذرائع سے حاصل کردہ مواد اور اعداد و شمار کے ذریعہ اس وقت روس کے شہروں اور گاؤں کے حالات کا تجزیہ پیش کیا کہ کس طرح اس ملک میں سرمایہ دار نظام عالم وجود میں آیا اور کس طرح ان لوگوں نے روس کی صنعت و حرفت اور زراعت پر اپنا تسلط قائم رکھا۔ مصنف نے اپنے مضمون کے آخر میں یوں لکھا۔

"لینن کی تمام تحریروں سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ روس کے محنت کش عوام پر، جو تعداد میں آبادی کی تین چوتھائی ہیں اور جن کی محنت کے بغیر سماج کا کوئی کام پایہ تکمیل تک نہیں پہونچ سکتا، ہر ممکن طریقہ سے سماج ظلم و ستم ڈھا گیا۔ اپنے مصائب کو ختم کرنے کے لئے سرمایہ دارانہ طبقہ کے ساتھ جنگ یا تصادم ناگزیر بن گیا۔ درحقیقت، یہ امیر ہی لوگ ہیں جو سماج کی ساری دولت سے لطف اندوز ہوتے ہیں اور اس سماج میں جتنی نابرابری ہے وہ زیادہ تر ان امیروں کی پیدا کردہ ہیں۔ لیکن صرف روایتی جمہوریت کے قیام سے ہی ان کی غربت کے مسائل حل نہ ہوں گے کیونکہ اس وقت بھی یہی سرمایہ دار برسر اقتدار ہوں گے۔"

لینن نے نہایت ہی خوبی کے ساتھ اس حقیقت کو عیاں کرنا شروع کیا۔ روسی منظر میں لینن کے ظاہر ہونے سے قبل اس سوال پر روسی انقلابیوں کے درمیان شدید اختلاف رائے نہ تھا۔ عملی طور پر لینن ہی پہلے شخص تھے جنھوں نے کارل مارکس کی سوشلزم کو موثر طور پر روسی میدان سیاست میں قائم کیا۔ اس سے قبل تقریباً تمام پارٹیاں روایتی مساوات، اخوت اور آزادی کے جھنڈے تلے کام کرتی تھیں۔ جو لوگ سوشلزم کے حق میں تھے وہ

انھوں نے نظریے کی تمام باتوں کو خلوص کے ساتھ تسلیم نہ کر سکے۔ ان میں سے بہت لوگ امیروں کے ساتھ مصالحت کرنے کے حق میں تھے۔ ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ سب سے پہلے زار کی آمریت کو ختم کر کے حقیقی معنوں میں جمہوریت قائم کی جائے۔ اس کے بعد محنت کشوں کے معاشی مسائل حل کئے جائیں گے۔ لیکن یہ ہی تھے جو سب سے پہلی بار ان تصورات کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور نہایت ہی ذہانت کے ساتھ انھوں نے اس میدان میں اور عملی میدان میں اقدامات کئے۔ اس سلسلہ میں اپنی جلاوطنی کے دوران انھوں نے اپنا پمفلٹ کتابچہ لکھا جس میں انھوں نے اس بات کی صاف طور پر وضاحت کی کہ محنت کشوں کی اجرتوں میں ایک آنہ فی روپئے کے حساب سے اضافہ کر کے یا پہلے زار کے خلاف پھر بعد میں امیروں کے خلاف جدوجہد کر کے یہ مسئلہ حل ہونے کا نہیں۔ اس لئے انقلاب کے رخ کو بیک وقت زار اور امیروں کے خلاف مرکوز کرنا چاہئے۔ (اشونکھا شمارہ ۲۲، جلد ۱، مورخہ ۸ مارچ ۱۹۲۳ء)

اس مضمون سے ایک بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اس نے قومی آزادی کی بنیادی قوتوں یعنی محنت کش عوام کے مسائل کی طرف انقلابیوں کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے۔

اسی طرح کا ایک اور شاندار مضمون آتماشکتی میں مسلسل چھ ہفتوں تک یعنی ۱۸ راپریل سے ۲۳ رمئی ۱۹۲۳ء تک شائع ہوا۔ اس مضمون کا عنوان تھا لینن اور اس کے مصنف شری اموالسار دھیکاری تھے۔ ساری دنیا کے مظلوم لوگوں کے لئے اکتوبر سوشلسٹ انقلاب کی اہمیت کا بیان کیا۔ انھوں نے یوں لکھا۔ "بالشویکس شہنشاہیت کے مخالف ہیں، اسی وجہ سے برطانوی، فرانسیسی، دیگر شہنشاہیت کے حامی اس خود مختار ریاست کو تباہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ لیکن اس کا مرضی مختلف ہے۔ لینن کے زیر انتظام بالشویکس آخر میں فاتح ہوا۔ فاتح بالشویکس ساری دنیا میں آزادی، مساوات اور بھائی چارگی کا پیغام پھیلانے کی کوشش کر رہا ہے۔ آج مظلوم انسانیت لینن اور بالشویکس کی طرف نجات کی امید کے ساتھ تک رہی ہے (اقتباس۔ کمیونزم اور بنگال کی آزادی کی تحریک، از۔ گوتم چٹو پادھیائے، صفحہ ۴۳)"

روسی انقلاب کا ہندوستان کے قومی انقلابیوں پر فوری اثر نہ ہوا کہ ان میں بہت سارے لوگ صحیح معنوں میں محنت کشوں کی بات سنے سے

سے غور کرنے لگے۔ انھیں اس بات کا احساس ہونے لگا کہ (ا) یہ محنت کش عوام ہیں، جو قومی آزادی کے لئے جدوجہد کے سلسلہ میں قوت فراہم کرتے ہیں، (ب) ان کی شرکت، ضمیر اور بیداری، اور منظم شمولیت اس لڑائی کی کامیابی کے لئے ضروری ہے، (ج) حصہ داری اسی وقت کامیاب ہو سکتی ہے جب عوام کی بنیادی اقتصادی مانگ کو قومی آزادی کے لئے سیاسی مطالبات سے منسلک کر دیا جائے اور (د) اس مقصد کے لئے لوگوں کے سامنے ایک جامع پروگرام کو پیش کرنا چاہیئے۔

شنکھا کے ۳۰ راکتوبر ۱۹۲۲ء کے شمارہ میں مشہور انقلابی ڈاکٹر بھوپندر ناتھ دت نے "ہمارا کیا مقصد ہے" کے نام سے ایک مضمون شائع کیا۔ اس مضمون میں شری دت یوں رقم طراز ہے۔

کس کے لئے سوراج ہے، کن لوگوں کے لئے آزادی ہے؟ عوام کی غربت کو دور کرنے کے لئے کیا پروگرام ہے؟ ہندوستان کے اقتصادی مسائل کو کیسے حل کیا جائیگا کوئی بھی اس کی بابت کچھ نہیں کہتا۔ عوام کی تکالیف کو کیسے دور کرنا چاہیئے؟

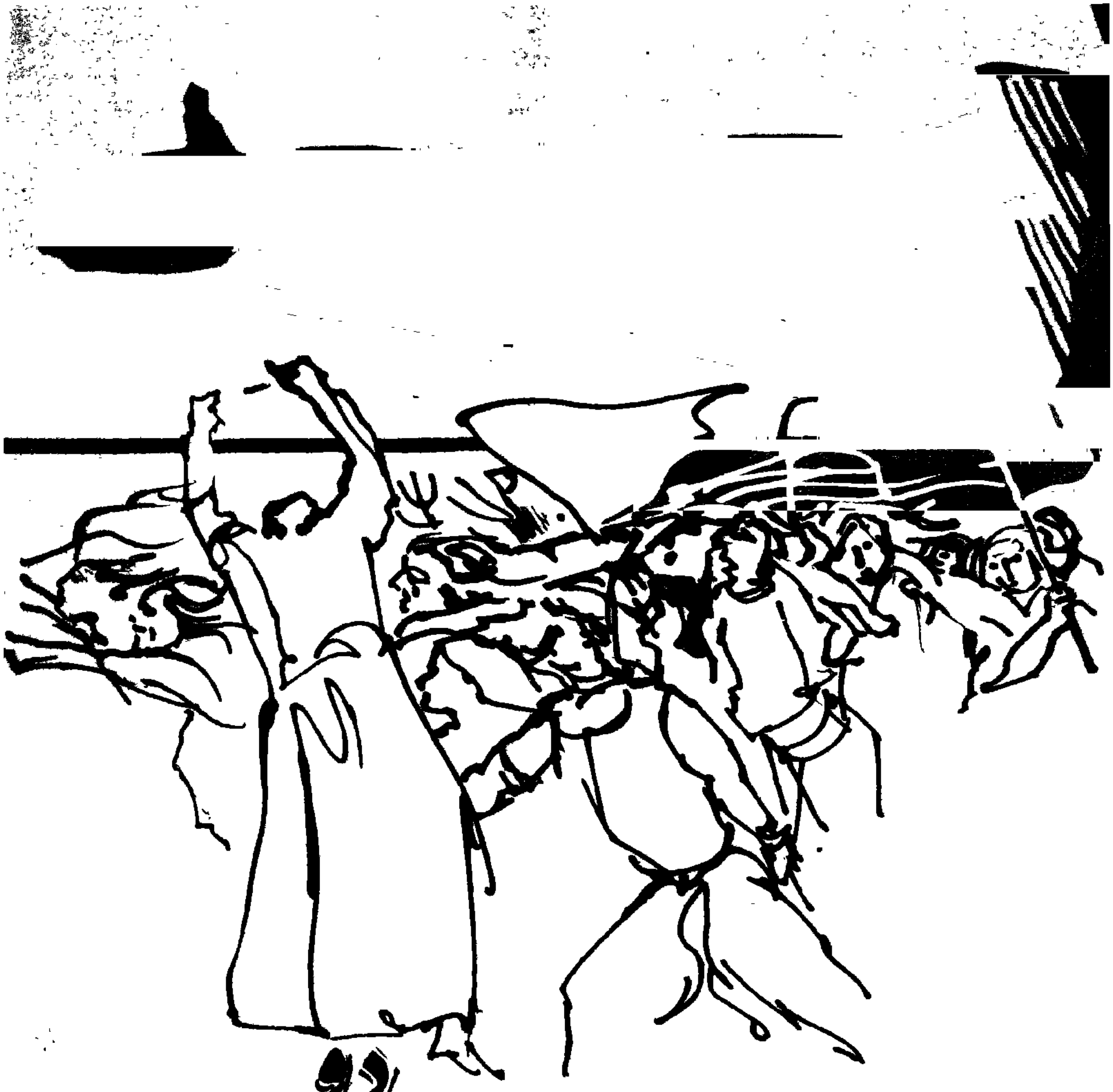
اصل مقصد یہ ہونا چاہئے کہ عوام کی معاشی اور سماجی آزادی ہی ہمارا مقصد ہونا چاہیئے۔ ان لوگوں کے مفادات کی حفاظت کے لئے اور تمام اقسام کے سیاسی، سماجی، معاشی، مذہبی ظلم اور بے جا استعمال کے خلاف عوام کی مدد کرنے کے لئے ہمیں کام کرنا پڑیگا۔ اسی وقت عوام ہماری تائید کریں گے اور ہمارے لئے وہ اثاثے بن جائیں گے۔

شنکھا نے ۴ ردسمبر ۱۹۲۲ء کے شمارہ میں انڈین نیشنل کانگریس کے گیا سیشن میں داخل کردہ کمیونسٹ اپیل کا خلاصہ، نیز مندرجہ ذیل اداریہ شائع کیا۔ اداریہ یوں ہے۔

"مشہور ہندوستانی انقلابی مانابیندرا ناتھ رائے نے گیا کانگریس سیشن، جو کل سے شروع ہونے والا ہے، کو ایک پروگرام بھیجا ہے اس پروگرام، جو رائٹر کی ایجنسی کے ذریعہ اس ملک کو پہونچا ہے، کا لب و لباب یہ ہے۔"

جو باتیں دستیاب تھیں انھیں بغیر اداریہ تشریح کے شائع کر دیا گیا لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسے شائع کر دیا گیا۔ یہ بات کو ثابت کرتا ہے کہ کس حد تک اسے ایڈیٹر اہمیت دیتے ہیں۔

اپیندر ناتھ بنرجی جو آتماشکتی کے ایڈیٹر تھے، کسانوں کی تحریک اور عوام کے مسائل کی بابت بہت سارے مضامین لکھے۔ ایک مضمون میں عدم تعاون تحریک اور تجارت کرنے



دو ناقابل فراموش دن

نومبر ۶ اور ۷ ۱۹۱۷ء

از:- محمد اعظم

۲۴ اکتوبر (۶ نومبر) ۱۹۱۷ء

روس میں اقتدار کے لیے مسلح جدوجہد شروع ہو گئی۔ ملٹری انقلابی کمیٹی نے تین اعلان شائع کیے۔ مقصد یہ تھا کہ انقلاب کی طاقتوں کو ہوشیار رکھا جائے اور عارضی حکومت کے انقلاب دشمن اقدامات سے لوگوں کو باخبر رکھا جائے۔

پہلا اعلان پوری آبادی کے نام تھا:

" پیٹروگراد کے عوام، شہریو!

"انقلاب [illegible] کے دشمنوں نے اپنے ارادوں کو ظاہر کر دیا ہے۔ سوویت کانگریس کی
سوکگریس کو [illegible] آئین ساز اسمبلی کو توڑنے کے لئے کورنیلوف شروع کیا
شاید کہ اسے [illegible] کے ساتھ ہی لوگوں کا منظم طریقے سے خون کرنے والے
پریشانی پیدا کر سکتے ہیں اور پیٹروگراڈ کے راستے پر خون خرابہ کر سکتے ہیں۔
اس لئے ورکروں اور سپاہیوں کے ڈپٹیوں کے پیٹروگراد سوویت کو اس بات
کی ہدایت دی گئی ہے کہ وہ مذکورہ لوگوں کے خلاف انقلابی قانون اور امن و
امان کی حفاظت کرے۔"

پیٹروگراد فوج لڑائی جھگڑے اور ظلم کی اجازت نہیں دے گی۔ عوام سے
یہ درخواست کی جاتی ہے کہ وہ بدمعاشوں اور کالا سو کے ممبروں کی سرگرمیوں
پر نظر رکھیں اور انھیں گرفتار کر کے اپنے نزدیک کے ملٹری یونٹوں پر کمیس
کے کمیشروں کے حوالے کر دیا۔ شہریو! آپ لوگ امن و امان قائم رکھیں۔
آرڈر اور بغاوت مستحکم ہاتھوں میں ہیں۔
ملٹری انقلابی کمیٹی"

دوسری اپیل بولشویک جہاز ارورا کے ریڈیو سے نشر کی گئی۔

"سپاہیو! مزدورو! شہریو!"
"عوام کے دشمنوں نے کل رات حملہ کیا تھا۔ ان لوگوں نے ورکروں
اور سپاہیوں کے نائبوں کے پیٹروگراڈ سوویٹ کے پیچھے چھری مارنے کی کوشش
کی۔"

"پیٹروگراد سوویت اس بغاوت کی حفاظت کرتا ہے۔ ملٹری انقلابی
کمیٹی سازشیں کرنے والوں کا مقابلہ کر رہی ہے۔ پیٹروگراڈ کی پوری فوج اور محنت کش طبقہ
عوام کے دشمنوں کو شکست فاش دینے کے لئے تیار ہے۔"
"سپاہیوں، ورکروں اور کسانوں کی امیدوں کو عظیم خطرہ لاحق ہے۔
لیکن انقلاب کی طاقتیں دشمنوں کی طاقتوں سے کافی بہتر ہے۔"
"عوام کا کاز مضبوط ہاتھوں میں ہے۔ سازش کرنے والوں کو کچل
دیا جائے گا۔"

"اپنی طاقت، قوت برداشت اور مصمم ارادہ کا اظہار کیجیے۔"
"انقلاب، زندہ باد"
"ملٹری انقلابی کمیٹی"

تیسری اپیل ارورا ریڈیو سے اس فوج کے نام جاری کی گئی جو
دارالسلطنت کو جانے والے راستوں کی حفاظت کر رہی تھی۔

لیکن صبح کے وقت ملٹری انقلابی کمیٹی اور آر ایس ڈی ایل پی نے اپنی سستی اور
غیر فیصلہ کن مظاہرہ کیا۔ لینن نے مرکزی کمیٹی سے یہ اجازت حاصل کر لی تھی کہ مسلح
بغاوت کے انتظام کی ضرورت کو پورا کیا جائے لیکن کچھ ممبران انتظار کرو اور
دیکھو کے اصول کو برسرِ عمل لا رہے تھے۔

۲۴ر اکتوبر (۶ر نومبر) کی سہ پہر کو سوشلسٹ کی دوسری کانگریس کے
بولشیوک حصّے کی ایک میٹنگ میں مرکزی کمیٹی کی پوزیشن کی یوں وضاحت کی گئی۔
(۱) ملٹری انقلابی کمیٹی میں دو خیالات پائے جاتے ہیں (۱) ایک فوری
بغاوت، (۲) فوجوں کا اکٹھا کرنا۔ مرکزی کمیٹی دوسرے خیال کی تائید کرتی ہے۔
سنٹرل کمیٹی کے ممبر اے۔ لوموف نے یوں لکھا "ہم لوگ انتظار کر رہے
ہیں، اسبابات کو پیش نظر بھی رکھا ہے کہ ہماری فوج ابھی بہت زیادہ منظم نہیں
ہے۔"

کمینیو اور ٹروٹسکی نے اس بغاوت کو قانونی حدود کے اندر رکھنے کی کوشش
کی۔ اس دن سہ پہر ٹروٹسکی نے سیٹی ڈوما کے نمائندوں سے جو عارضی حکومت اور
سوشیس کے درمیان ثالث کرنے کے خواہاں تھے بات چیت کی۔ ڈوما نے ایک کر
سی جس کے سربراہ ایم بیٹرو تھے، ایک وفد بھیجا۔ ایم بیٹرو نے وفد سے ملاقات
کے بعد کہا کہ ٹروٹسکی نے کہا کہ پیٹروگرام سوویت کا فی الحال یہ مقصد نہیں ہے کہ
اقتدار اپنے ہاتھوں میں لے۔ صرف اگر عارضی حکومت سوویتوں کے
کانگریس کی بات نہ سنے اور اس کے ہاتھ حکومت منتقل نہ کرنے، تو یہ کانگریس
خود اقتدار اپنے ہاتھ لے لیگا۔"
لیکن لینن نے اپنے مخالفوں کا جواب دیتے ہوئے یوں رکھا "یہ تباہ کن
ہوگا کہ ۲۵ر اکتوبر (۷ر نومبر) کی ووٹ کا انتظار کیا جائے۔ عوام کو یہ حق
حاصل ہے، اور یہ ان کا فرض بھی ہے کہ ایسے سوالوں کا فیصلہ ووٹ کے ذریعہ
نہیں بلکہ طاقت کے ذریعہ کیا جائے۔"
لینن نے اس بغاوت پر کڑی اور گہری نظر رکھی، فیصلہ کن اقدام کے لئے
عوام کو کہا۔ انھوں نے بولشیوک سنٹرل کمیٹی کے ممبروں کو لکھا۔

دوستو!
۲۴ر اکتوبر (۶ر نومبر) کی شام کو یہ باتیں لکھ رہا ہوں۔ صورت حال
بہت ہی نازک ہے در حقیقت اب یہ بات عیاں ہو گئی کہ اس بغاوت
میں تاخیر کرنا بہت نقصان دہ ہوگا۔"
لینن کی اس رائے کی سبھوں نے تائید کی۔

ملٹری انقلابی کمیٹی کے کمیسروں نے اپنے اپنے طور پر فیصلہ کرنا شروع کیا۔ ان لوگوں نے پلوں پر قبضہ کر لیا۔ ان مکانوں کو جہاں کرینسکی کے وفادار فوجیں رہتی تھیں اور ملٹری اسکولوں کو اپنے احاطہ میں کر لیا۔ فوری قبضہ کے لئے لینن کے پلان کے مطابق میں دارالسلطنت میں اہم اہم جگہوں پر قبضہ کر لیا۔

پیٹروگراڈ ملٹری علاقہ کے کمانڈر نے نیوا دریا کے اور اس کی شاخ ندی علاقہ اور بوشیا نیوکا کے آر پار تمام پلوں پر قبضہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہ خبر پاتے ہی ایک ایم آر سی کمیشر اسے۔ ایوان زمینسکی نے اپنے نزدیک کے پلوں کو اپنی حفاظت میں رکھا۔

لینن سردوبولسکے اسٹریٹ میں ایک پوشیدہ جگہ پر رہتے تھے۔ لیکن لینن کی زندگی کو خطرہ لاحق ہو گیا اور عارضی حکومت نے انھیں ریاستی مجرم، قرار دیا، اس بات کے پیش نظر مرکزی کمیٹی نے لینن کو اپنی پوشیدہ جگہ سے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی۔

اس دن سے لینن نے فوقتاً فوقتاً کو یہ بات معلوم کرنے کے لئے کہ کیوں ان لوگ اس کے 'اسمولنی' جانے کے خلاف ہیں، سنٹرل کمیٹی کو تین بار بھیجا۔ لیکن بعد میں لینن نے اسمولنی جانے کا فیصلہ کیا۔

انھوں نے راہیا کو اپنے ساتھ لیا۔ دونوں نے بھیس بدلا۔ اس کے بعد ان لوگوں نے پہلے ٹرام میں، پھر ریل میں سفر کیا۔ اس کے بعد وہاں ان لوگوں نے عارضی حکومت کے فوجیوں اور پولیس کے سامنے خود کو بیمار اور راہیا نے خود کو شرابی کی طرح پیش کیا۔ ان لوگوں نے انھیں کوئی اہمیت نہ دی، لیکن اس کے ساتھ یہ دونوں 'اسمولنی' تک پہونچ گئے۔

اب تک ایم۔ آر۔ سی نے اپنے کمیشروں کی رپورٹوں سے صورت حال کی صحیح تصویر حاصل کر لی تھی۔ لینن کی ہدایتوں کو تسلیم کرتے ہوئے کمیٹی لیڈروں نے تمام عملی کام کرنا شروع کر دیا۔

۲۴ر اکتوبر/۶ر نومبر کی شام کو ایم۔ آر۔ سی کی میٹنگ کے بعد ایک لیڈر این۔ پوڈوائسکی نے یوں لکھا "ہم لوگوں نے لینن کی ہدایت کی بنیاد پر اہم اور عملی پلان کو آخری شکل دینے کی کوشش کی۔ یہ نہایت ضروری تھا کہ سب سے پہلے تمام پلوں، ریلوے اسٹیشنوں، آمد و رفت اور ٹرانسپورٹ کے ذرائع اور دشمنوں کے ہاتھوں سے بندوق اور دیگر ہتھیار کو قبضہ میں رکھنا چاہئے۔ یہ انقلابی فوجیوں کو ہتھیار فراہم کریگا اور اہم اہم جگہوں پر کامیابی کا موقع فراہم کریگا۔ یہ دشمنوں کو کمزور بنا دیگا، اور ونٹر پیلیس کے ساتھ انقلاب کے مخالفوں کے تمام دہشت کو توڑ دیگا۔

دشمن کے اہم اہم مراکز کو مفلوج بنا کر تمام ریلوے اسٹیشنوں، ٹیلیفون ایکسچینج، ٹیلیگراف دفتروں، اہم راستوں، میدانوں اور پلوں پر قبضہ کر لیا جائے گا۔ اس کے بعد ونٹر پیلیس، ملٹری علاقہ ہیڈکوارٹرس اور منسٹریوں کو اپنے گھیرے میں رکھا جائے گا۔ اگر عارضی حکومت ان لوگوں کی بات تسلیم کرنے سے انکار کر دے تو اس پیلیس پر حملہ کیا جائے گا اور اسے اپنے قبضہ میں کر لیا جائیگا۔

۲۵ر اکتوبر/۷ر نومبر ۱۹۱۷ء

اس بغاوت کے لئے لینن کے منصوبہ کو اپنایا گیا۔

۲۵ر اکتوبر/۷ر نومبر کی ابتدائی رات ناقابل فراموش تھی۔ پیٹروگراڈ میں جگہ جگہ آگ لگ گئی تھی، ہر جگہ، کارخانوں، بیرکوں میں اور انقلابی بالٹک فلیٹ کے جہازوں میں سوویت کی تائید میں میٹنگس ہو رہے تھے۔ قرار دادیں پاس ہو رہی تھیں۔ مسلح گاڑیاں راستوں کا دورہ کر رہی تھیں، اس شہر کو بہت سے علاقوں میں تقسیم کر دیا گیا تھا، اور ہر علاقہ میں انقلابی یونٹس اور ریڈ گارڈس تھے۔

نیز اسی رات لینن نے لوگوں کو بھیجا کہ وہ ونٹر اور مارینسکی محلوں کو اپنے گھیرے میں رکھے۔ اس کے بعد اسے۔ لوگوں نے خبر دی۔

۲۵ر اکتوبر/۷ر نومبر کی ۲ بجے صبح کو صورت حال بہت عیاں ہو گئی تھی۔ اب ہمیں انقلابی کام متاثر طریقہ سے شروع کرنے کے لئے ایک حکومت قائم کرنی ہے۔ اسی روز اس سے قبل یعنی ۲ بجے صبح کو اسمولنی کی پہلی منزل میں لینن کے زیر صدارت بالشویک سنٹرل کمیٹی کی ایک میٹنگ ہوئی جہاں نئی سوویت روسی حکومت کے قیام کے سلسلہ میں فیصلہ کیا گیا۔ لینن نے یہ تجویز پیش کی کہ نئی حکومت کے وزیروں کو عوامی کمیشر کہا جائے۔

۲۵ر اکتوبر/۷ر نومبر کی صبح کو صورت حال بالکل عیاں ہو گئی، جب ٹیلیفون ایکسچینج، ٹیلیگراف دفاتر، ریڈیو اسٹیشن، نیوا کے آر پار پلیں، ریلوے اسٹیشنوں اور دارالسلطنت کے اہم اہم جگہوں پر بغاوت کرنے والے ورکروں اور سپاہیوں کا قبضہ ہو گیا۔ عارضی حکومت ونٹر پیلیس کے اندر چلی گئی۔

۲۵ اکتوبر (۷ نومبر) کی صبح کو ملٹری انقلابی کمیٹی نے روس کے باشندوں کے نام اپیل جاری کی۔ یہ اپیل لینن کی لکھی تھی۔ اس میں یہ کہا گیا۔

"عارضی حکومت ختم ہو چکی ہے۔ ورکروں اور سپاہیوں کے نائبوں کے پیٹروگراڈ سوویت کے ہاتھ تمام ریاستی اختیارات دے دیئے گئے۔

وہ اسباب جن کے لئے عوام کو لڑنا پڑا یعنی جمہوری امن کی فوری پیش کش، زمین کی ملکیت کا اختتام، پیداوار پر ورکروں کا کنٹرول اور سوویت حکومت کا قیام، ان تمام اسباب پر اختیار حاصل لیا گیا۔ ورکروں، سپاہیوں اور کسانوں کی بغاوت، زندہ باد۔

ورکروں اور سپاہیوں کے نائبوں کے پیٹروگراڈ کی انقلابی ملٹری کمیٹی — ۱۰ بجے دن، ۲۵ اکتوبر (۷ نومبر ۱۹۱۷ء)

اسی دن یعنی ۲۵ اکتوبر (۷ نومبر) کو انقلاب دشمنوں کی تمام سرگرمیوں اور مزاحمتوں پر قابو پا لیا گیا۔ ایک گولی چلائے بغیر انقلابیوں نے مرینسکی پیلس کو جہاں ابتدائی پارلیامنٹ ہو رہی تھی، اپنے قبضہ میں کر لیا۔

اسی دن دو بجکر ۳۵ منٹ پر ورکروں اور سپاہیوں کے نائبوں کے پیٹروگراڈ سوویت کی اسمبلی میں ایک غیر معمولی میٹنگ ہوئی جس میں لینن نے کہا۔

"دوستو! ورکروں اور کسانوں کی بغاوت، جس کی ضرورت کا احساس بالشویکوں کو ہمیشہ رہا ہے۔ پوری ہو گئی۔

"..... اس بغاوت کی ایک اہمیت یہ ہے کہ اب ہماری اپنی سوویت حکومت ہوگی، ہماری اپنی حکومت کرنے والی باڈی ہوگی جس میں کوئی بورژوا شامل نہ ہوگا۔ مجبور عوام بذات خود طاقت تیار کریں گے۔ پرانی ریاستی انتظامیہ کو بالکل ختم کر دیا جائیگا اور سوویت تنظیموں پر مشتمل ایک نئی حکومت قائم کی جائے گی۔

چنانچہ روس کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہو چکا ہے اور یہ تیسرا روسی انقلاب سوشلزم کی فتح کی طرف لے جائے گا۔"

اس کے ساتھ ہی ملٹری انقلابی کمیٹی کے لیڈروں کے ساتھ لینن نے ونٹر پیلس پر قبضہ کرنے کے لئے ایک پلان مرتب کیا جو درج ذیل ہے

۱۔ ۹ بجے رات کو ونٹر پیلس کو ایک وارننگ دیا جائے۔

۲۔ اگر عارضی حکومت اپنے ہتھیار ڈالنے سے انکار کرے، تو پیٹر اور پال قلعے سے لالٹین چلایا جائیگا تاکہ دوسروں کو معلوم ہو جائے۔

۳۔ اس کے ارورا تین بار شاٹ کریگا۔

۴۔ اس کے بعد پیٹر اور پال قلعے سے ونٹر پیلس پر فائر کیا جائیگا۔

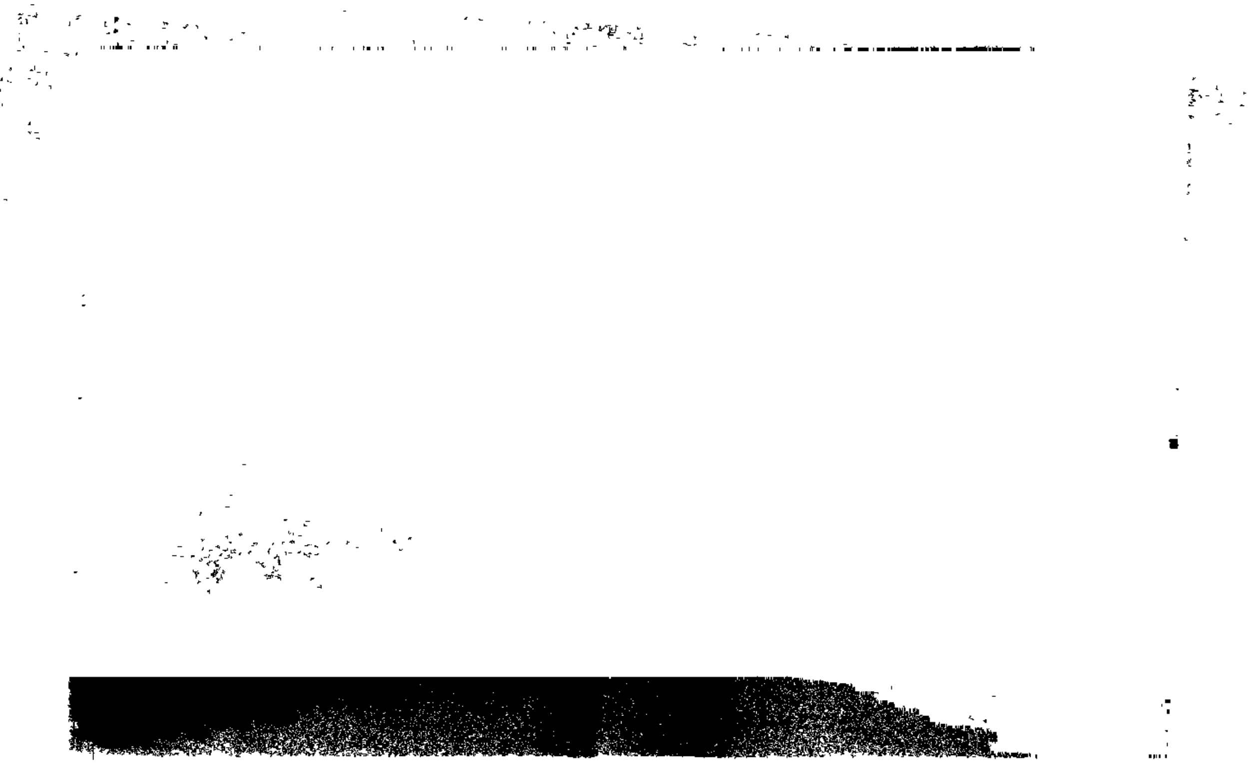
۵۔ یہ اشارہ پاتے ہی ریڈ گارڈس اور سپاہی ونٹر پیلس پر فائرنگ شروع کر دینگے۔

۲۵ اکتوبر (۷ نومبر) کی صبح چھ سے سات بجے کے درمیان ونٹر پیلس پر حملہ شروع ہوا۔ اس کے ساتھ ہی پیٹر اور پال قلعوں سے کارروائی شروع کی گئی۔ ونٹر پیلس کو گھیرنے کا کام تقریباً ۴ بجے شام سے شروع ہوا اور شام ہونے تک اس پیلس کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ امید تھی ونٹر پیلس ہتھیار ڈال دیگا اور کسی قسم کی مزاحمت پیش نہیں کریگا، لیکن وقت گذرتا گیا اور عارضی حکومت کو چھوڑنے سے اس وقت بھی انکار کر دیا۔ لیکن بعد میں عارضی حکومت کے وزیروں نے اس پیلس کو باغی فوجیوں کے حوالے کر دیا کیونکہ اس دن ۱ ½ بجے دن مختصر لیکن بہت ہی شدید جنگ کے بعد انقلابیوں نے ونٹر پیلس کو اپنے قبضہ میں کر لیا۔ پھر ۲ بجکر دس منٹ دوپہر کو ایم۔ آر۔ سی کے حکم سے عارضی حکومت کے تمام ۱۳ وزیروں کو گرفتار کر کے انھیں پیٹر اور پال قلعہ میں بھیج دیا گیا۔ صرف وزیر اعلیٰ مسٹر کیرنسکی، ان میں موجود نہ تھے کیونکہ وہ اس وقت وہاں سے بھاگ گئے تھے۔

پیٹروگراڈ میں انقلاب کامیاب ہوا۔

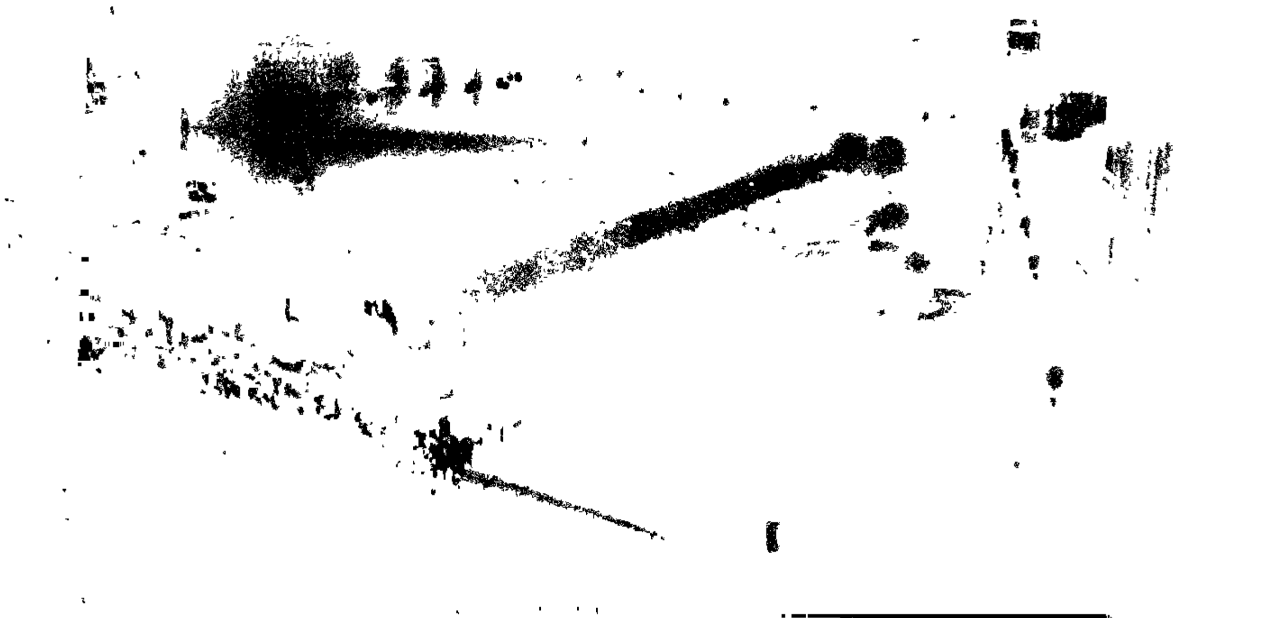
جیسے ہی لینن کو یہ معلوم ہوا کہ ونٹر پیلس پر قبضہ حاصل ہو چکا ہے اور عارضی حکومت کے ممبروں کو گرفتار کر لیا گیا ہے۔ انھوں نے پوڈوائسکی کو رپورٹ دینے کے لئے اسمولنی بلایا۔ اسی رات ان سے بات چیت کے دوران بتایا "اب یہ ملٹری تنظیم ہونے کی حیثیت سے آپ کا یہ فرض ہے کہ سوویت ریپبلک کے دفاع کے لئے فوج تیار کرے۔"

لینن نے بہت ہی سوچ بچار کے بعد تین مہینے کے بعد اس قسم کی فوج تیار کی۔ بعد میں لینن نے کہا "ہم لوگوں نے ایسے فرض کو اپنایا جسے دنیا میں کسی نے بھی اتنے بڑے پیمانہ پر بروئے عمل لانے کی کوشش کی۔ ہم لوگوں تجربہ پر تجربہ کرتے گئے اور دیئے ہوئے صورت حال میں اپنے مسائل کا حل تلاش کرنے کے لئے تجربات کا جائزہ لیا۔"

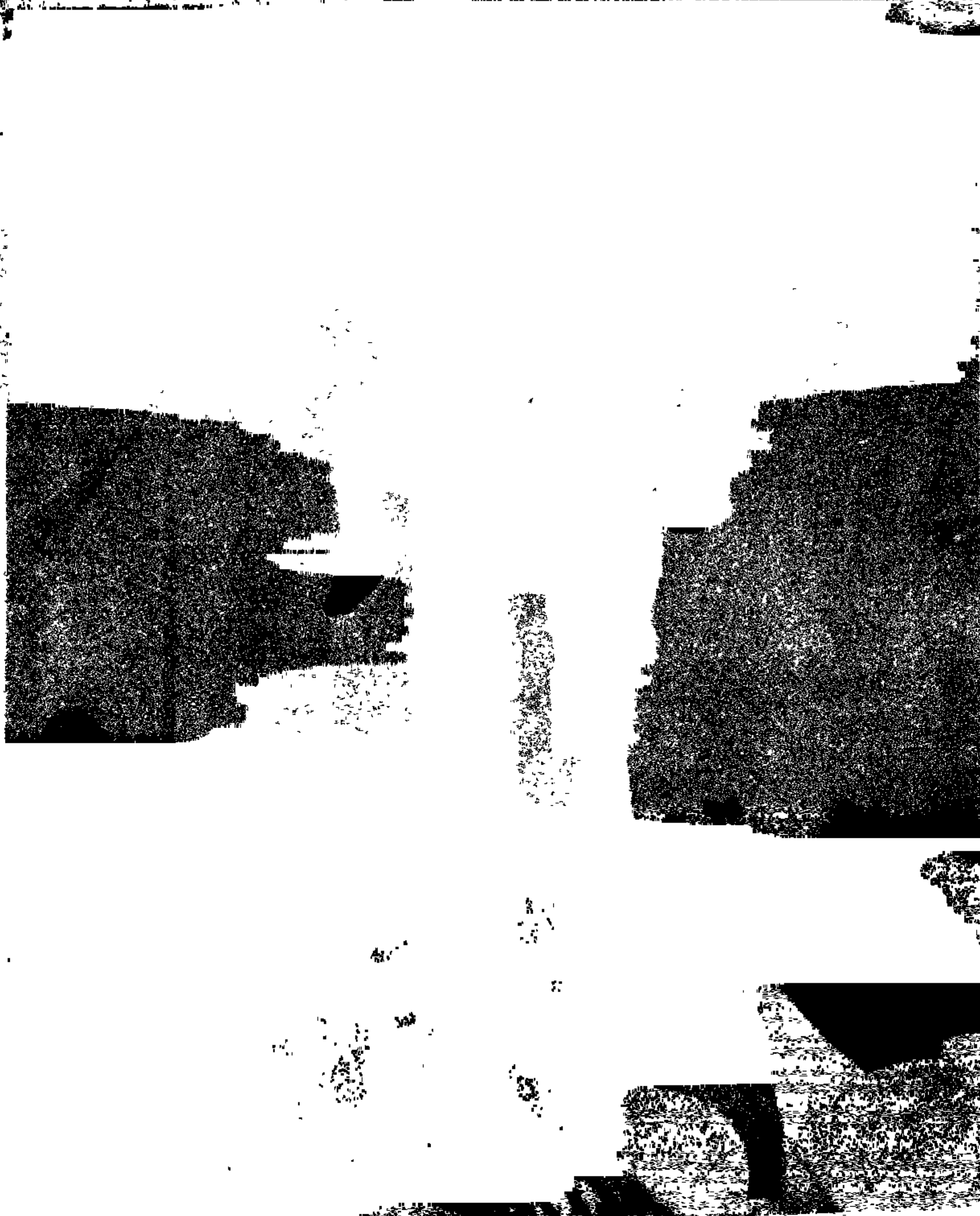


روس کے ونٹر پیلیس کے باہر ۹ رجنوری سنہ ۱۹۰۵ء کو ورکروں پر فائرنگ

سنہ ۱۹۱۷ء کے بعد سے روس کے ونٹر پیلیس کے سامنے پیلیس اسکوئر میں تہوار عامہ کا منظر ـ



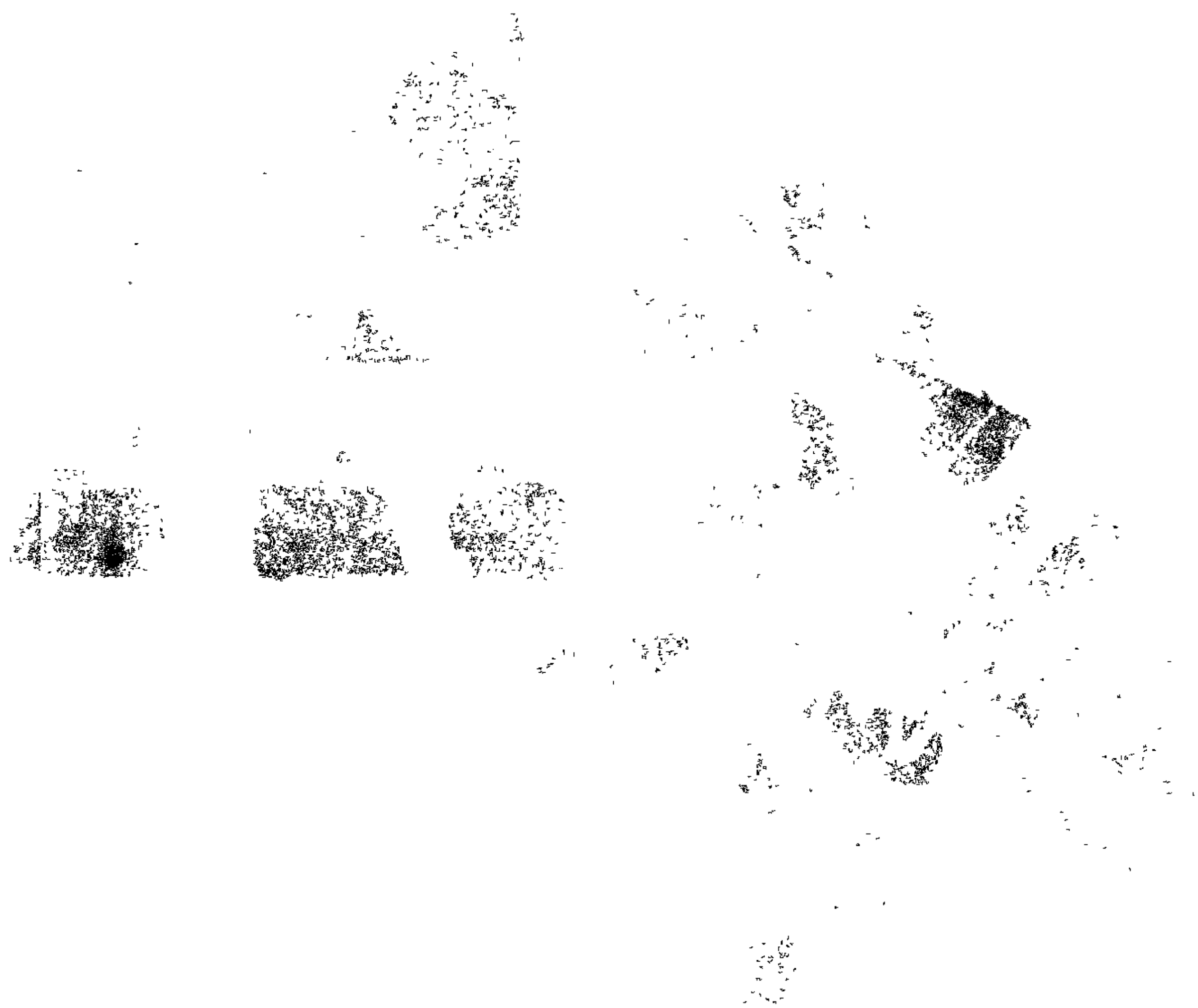
Vol. 2[illegible] No. 19
PRICE: [illegible] Paise
15 NOVEMBER

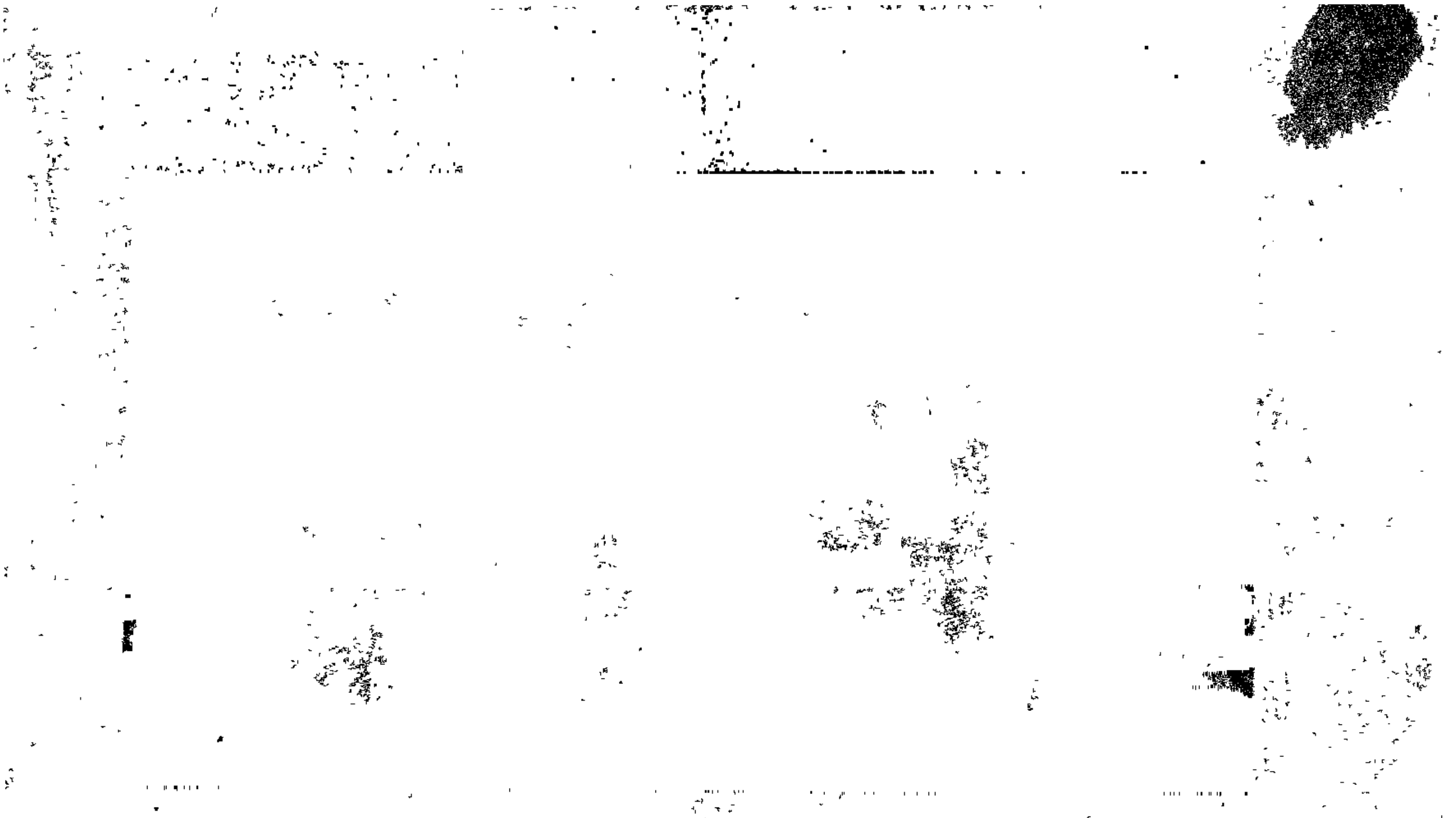


روس کے بائیلو رشیا میں واقع خواتین گاؤں میں ایک یادگار مجسمہ جسے ۱۹۴۳ء میں جرمن کے نازیوں نے اس گاؤں پر حملہ کر کے اسے جلا دیا تھا۔ اس وقت نازیوں نے ۱۴۹ باشندوں کو جن میں ۷۶ بچے بھی تھے ایک کمرہ میں بند کر کے جلا دیا۔

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impression 57, Sree Gopal Mallick Lane,

مغربی بنگال





شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ حکومت مغربی بنگال حال ہی میں کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں منعقدہ اخباروں کی سماجی ذمہ داریاں پر ایک سیمینار کو مخاطب کرتے ہوئے۔



سرورق نمبر ۱۔ جناب سید منصور حبیب اللہ اسپیکر مغربی بنگال اسمبلی کلکتہ انفارمیشن سنٹر میں منعقدہ ہندوستانی صحافت کے ۲۰۰ سالہ اس نمائش کا منصور حبیب اللہ صاحب نے ۳۰ نومبر ۱۹۸۰ء کو افتتاح کیا تھا۔

پندرہ روزہ

مغربی بنگال

کلکتہ

مدیر اعلیٰ: ایس۔ کے۔ سین۔ گپتا
مدیر معاون: محمد اعظم

شرح خریداری
سالانہ — ۲۰ روپئے
قیمت
۱۲ پیسے فی پرچہ

جلد نمبر [illegible] | ۱۵؍دسمبر سنہ ۱۹۸۱ء | شمارہ نمبر ۲۲-۲۳

واقعات کو سیدھے سادے الفاظ میں صحیح طریقہ سے بیان کرنا چاہیے

وزیر اعلیٰ شری جیوتی باسو

"صحافیوں کو خبروں پر آزادانہ اظہار خیال کے حق کو برقرار رکھتے ہوئے اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ خبروں کی رپورٹ پیش کرتے وقت واقعات جیسے جیسے رونما ہوئے انھیں اسی طرح سیدھے سادے الفاظ میں بیان کیا جائے" شری جیوتی باسو، وزیر اعلیٰ حکومت مغربی بنگال نے "اخباروں کی سماجی ذمہ داریوں" پر ایک سیمینار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔ یکم دسمبر سنہ ۱۹۸۱ء کو کلکتہ انفارمیشن سینٹر میں ہندوستانی اخبارات کی اشاعت کی دوسری صدی کی تقریب منانے کے لئے دو روزہ ریاستی تقریب کے موقع پر مذکورہ سیمینار منعقد کیا گیا تھا۔

وزیر اعلیٰ نے مزید کہا کہ اس بات کی امید کرنا بھی مشکل ہے کہ اخبارات مکمل طور پر غیر طرفدار رہیں گے۔ انھوں نے کہا "لیکن صحافیوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ ایک صورت حال کی صحیح تصویر پیش کریں۔" سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے انھوں نے کہا کہ بعض اخباروں کی سپلائی کردہ غلط خبروں پر کچھ کہنا جس میں نہایت ہی غیر ذمہ دارانہ حرکت سمجھتا ہوں اور یہ کہ حقائق کی جانچ کے بغیر کچھ لکھنا نہایت ہی نامناسب حرکت ہے۔ انھوں نے بہت ساری خبروں کی مثالیں پیش کیں، جو حقائق پر مبنی نہیں ہیں۔

ریاستی تقریب کے دوسرے دن یہ سیمینار منعقد کیا گیا۔ مشہور و معروف صحافیوں جیسے شری کلدیپ نائر، شری گوبند تلوار(?) شری اے۔ رگھون نے اس سیمینار میں شرکت کی۔ جناب سید منصور حبیب اللہ، اسپیکر، مغربی بنگال اسمبلی نے اس سیمینار کا افتتاح کیا اور شری شنکر گھوش، ایڈیٹر امرت بازار پتریکا نے اس کی صدارت کی۔ شری نند گوپال سین گپتا جو بہت ہی پرانے اور تجربہ کار صحافی ہیں، اس موقع پر تقریر کرتے ہوئے مغربی بنگال میں صحافت کی ترقی کی تفصیل کے ساتھ ذکر کیا۔ اس کے ساتھ ہی انھیں آزادی کے بعد کے عرصہ میں اخباری رجحانات کا بھی ذکر کیا۔

جناب سید منصور حبیب اللہ نے ۳۰ر نومبر سنہ ۱۹۸۱ء کو کلکتہ انفارمیشن سینٹر میں اس ریاستی تقریب کے پہلے دن ہندوستانی صحافت ۲۰۰ سال پر بھی ایک نمائش کا افتتاح کیا۔

باقی صفحہ پر



سنہ ۱۷۸۰ء میں سب سے پہلے جیمس اگسٹس ہائی کی کا بنگال گزیٹ شائع ہوا۔ اس لئے ہم لوگ سارے ہندوستان میں ہندوستانی صحافت کی دوسری صدی منا رہے ہیں۔ اس انگریزی اخبار کے ساتھ ساتھ بہت سارے اخبارات اور اس کے بعد میں بھی اخبارات شائع ہوئے لیکن وہ سب انگریزی میں شائع ہوئے۔ ہماری ہندوستانی زبان کے اخبار و اشاعت کے لئے سنہ ۱۸۱۸ء تک انتظار کرنا پڑا جب جے سی۔ مارشمین نے ایک بنگلہ ماہنامہ کی ادارت کی اور اسے شائع کیا۔ اس سال انھوں نے ایک ہفتہ وار اخبار 'سماچار درپن' بھی شائع کیا۔

بنگال کے بعد مدراس نے مدراس کوریئر، سنہ ۱۷۸۵ء میں شائع کیا۔ اس کے بعد بمبئی نے ۱۷۸۹ء میں بمبئے ہیرالڈ، شائع کیا۔ ۱۷۸۹ء سال فرانسیسی بغاوت کے لئے بھی مشہور ہے۔

لیکن ہم لوگوں کو کیرالا میں ایک اخبار کے لئے برسوں انتظار کرنا پڑا۔ جون ۱۸۴۷ء میں کیرالا میں ایک آٹھ صفحے کا سائیکلو اسٹائل کردہ تھا چھپ شائع کیا گیا تھا۔ اس کا نام تھا 'راجیہ سماچارم' (ملک کی خبریں) مشہور جرمن باسلے مشن سوسائٹی کا مشنری، ڈاکٹر ہرمان گنڈرٹ نے اسے شائع کیا۔ گرچہ گنڈرٹ ایک مشنری تھے تاہم جدید ملایالم کی تاریخ میں انھیں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ گنڈرٹ تیلی چیری کے ایک جگہ الی کنو میں رہتے تھے اور اسی جگہ 'راجیہ سماچارم' سب سے پہلے شائع ہوا۔ گنڈرٹ نے ایک اور سائیکلو سٹائل رسالہ بھی شائع کیا جس کا نام تھا پچھم داییان (مغرب کی فلاح) ہم لوگوں کا پہلا چھپا رسالہ گنانک شیم، (عقل کا خزانہ) تھا جو سنہ ۱۸۴۸ء میں کوٹائم سے شائع ہوا۔ ہمارا پہلا انگریزی رسالہ 'ویسٹرن اسٹار' تھا جسے کوچین سے سنہ ۱۸۶۰ء میں شائع کیا گیا۔ ویسٹرن اسٹار سے قبل جتنے رسالے شائع ہوئے وہ زیادہ مذہبی نوعیت کے تھے۔ ویسٹرن اسٹار کو کیرالا کا پہلا سیکولر رسالہ کہا جا سکتا ہے۔ ٹی۔ جے" پائی آئی" کے زیر ادارت اس رسالہ کا ملایالم زبان میں ترجمہ بھی شائع کیا جانے لگا۔ اس کے بعد بہت سارے اخبارات، ماہنامے اور دیگر رسالے شائع ہوئے۔ ان میں صرف تین چار اخبارات اور رسالے اور ان کے ایڈیٹر اور انھیں شائع کرنے والے تاریخی دلچسپی کے حامل ہیں۔ کوٹائم کے کرشچین مشنری سوسائٹی پریس (سی ایم ایس) کیرالا

میں سب سے قدیم پریس ہے۔ یہ ۱۸۲۱ء میں قائم ہوا۔ ۱۸۴۹ء میں کیرالا کے گنانک شیپم کے پہلے شمارہ کو اسی پریس میں چھاپا گیا۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے سی ایم ایس پریس اور تخلیقات میں بائبل بھی شامل تھا اور یہ مشنری سرگرمیاں تھیں۔ کیرالا میں صحیح معنوں میں کاروباری پریس قائم کرنے اور باقاعدہ اخبار شائع کرنے میں گجراتی کاروباری دیوجی بھیم جی نے بہت اہم کردار ادا کیا۔ وہ اول ذکر کردہ ویسٹرن اسٹار کی انگریزی اور ملیالم اڈیشن سے وابستہ تھے۔ انھوں نے ۱۸۶۵ء میں اپنا پریس قائم کیا اور ۱۸۸۱ء میں اپنا ملیالم رسالہ 'کیرالا مترم' (کیرالا کے دوست) شائع کیا۔ اس کے پہلے ایڈیٹر مشہور کنداتھیل ورگیس مپلائی تھے۔ بعد میں کیرالا کے سب سے بڑے شائع کردہ روزانہ اخبار 'ملیالہ منورما' کے بانی ایڈیٹر اس کے رسالہ کے ایڈیٹر تھے۔ 'کیرالا مترم' پہلی بار کوچن سے شائع کیا گیا۔ 'کیرالا مترم' میں دلچسپ اقسام کی خبریں 'خیالات' اور دیگر مضامین شائع کیے جاتے۔ بھیم جی کی جرأت مند خیالات اور تنقیدیں راجہ کو پسند نہ تھیں لیکن انھوں نے اپنی زندگی تک اپنے اصول کے لیے جد و جہد کی۔ بھیم جی کا ۱۸۹۴ء میں انتقال ہوا اور ان کا رسالہ ان کے بعد کئی سالوں تک جاری رہا۔

دوسرا اہم نام جسے یاد رکھنا چاہئے چنگالتھ کنجی رمن مینن کا ہے۔ ساتھ ہی ان کے ہفتہ وار کیرالا پتریکا کو بھی یاد رکھنا چاہئے۔ مینن شاید پہلے جدید ملیالی تھے جنھوں نے اپنے رسالہ میں ہندوستانی قومیت اور حب الوطنی کا اظہار کیا۔ ۱۹ ویں صدی کے ۲۵ ویں برس میں ان دونوں باتوں کا بہت چرچا شروع ہوا تھا۔ انھوں نے ۱۸۸۴ء میں کلکتہ میں منعقدہ انڈین نیشنل ایسوسی ایشن کے اجلاس میں شرکت کی۔ اس ایسوسی ایشن کے بعد انڈین نیشنل کانگریس قائم ہوا۔ بعد میں انھوں نے لندن میں منعقدہ ایڈیٹروں کی بین الاقوامی کانگریس میں شرکت کی۔

جب مینن نے اپنا ہفتہ وار رسالہ شائع کیا تو اس وقت کیرالا سیاسی اور ثقافتی لحاظ سے ایک عظیم جذباتی دور سے گذر رہا تھا۔ کیرالا کی اس حالت کو بنگال کے ۱۹ ویں صدی کے پہلے چوتھائی دور کے جذبات سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے۔ اس وقت راجہ رام موہن رائے جیسے لوگوں نے بنگال کی رہنمائی کی۔ بنگال کے جذبہ کو جذب کرنے والے پہلے لوگوں میں مینن بھی تھے اور مینن کی تنظیم ثقافت اور سیاست دونوں کے سلسلہ میں ایک نیا جذبہ بیدار کرنے لگی۔ اس وقت (اور ۱۹۵۶ء میں ریاستوں کی از سر نو تنظیم سے قبل تک) کیرالا تین حصوں میں منقسم تھا، دو دیسی ریاستیں ٹراونکور اور کوچین کی اور شمال میں مالابار ضلع، جو مدراس صوبہ کے تحت انگریزوں کے زیر حکومت تھا۔ جب برٹش ہندوستان میں جو قومی جذبہ بیدار ہوا تھا اس نے مالابار کے دور دراز کے گاؤں کو متاثر کرنا شروع کیا، تو اس وقت جنوب میں یعنی ٹراونکور ریاست میں یہ مختلف شکل اختیار کر رہی تھی۔ یہاں کے لوگ اس بات کی کوشش کر رہے تھے کہ نظام حکومت میں زیادہ سے زیادہ ملیالیوں کو جگہ دی جائے۔

لیکن مطلق العنان مہاراجہ ریاست کے نظم و نسق کے لئے غیر ملیالی لوگوں کو سرکاری عہدہ پر فائز کیا۔ لیکن اسی صوبہ کے نئے تعلیم یافتہ لوگوں نے حکومت کے اس فیصلہ سے اتفاق نہیں کیا اور انھوں نے عام احتجاج شروع کیا، جسے عام طور سے ملیالی میموریل کہتے ہیں اور مہاراجہ کے پاس ایک عام درخواست داخل کی۔ اسے کیرالا میں جدید قسم کا پہلا عوامی احتجاج کہا جاتا ہے اور تاریخ دانوں کے خیال سے عوامی ریاست میں یہ ہم لوگوں کا پہلا تجربہ تھا۔

جب چنگالتھ رمن مینن نے کالکٹ سے شائع ہونے والے اپنے کیرالا پتریکا میں برٹش ہندوستان میں تحریک کا ذکر کیا۔ دوسری طرف ایک اور رسالہ بنام 'ملیالی' پہلی بار ۱۸۸۱ء میں ترویندرم میں شائع ہوا۔ یہ ملیالی میموریل تحریک کا غیر سرکاری رسالہ تھا۔ ساتھ ہی یہ ملیالی سوشیل رفاہ لیگ کا بھی رسالہ تھا اور مشہور ریتایل رمن پلائی آسن اس کے ایڈیٹر تھے۔ ۱۹۱۱ء تک اسے روزانہ اخبار میں تبدیل کر دیا اور اس وقت سے لیکر آزادی کے دنوں تک اس اخبار نے بہت ہی نمایاں اور اہم خدمات انجام دیں۔

اس صدی کے شروع ہونے سے قبل دو اور ایڈیٹروں نے بہت ہی اہم خدمات انجام دیں۔ وہ لوگ موجودہ دنوں کے کیرالا کے دو روزانہ اخبارات 'دیپکا' اور 'ملیالہ منورما' کے پہلے ایڈیٹر تھے۔ ۱۸۹۰ء میں کوٹایم سے 'ملیالہ منورما' نے ایک ہفتہ وار اخبار بھی شائع کرنا شروع کر دیا۔ اس کے بانی ایڈیٹر کنداتھل ورگیس مپلائی تھے۔ اس کے انھوں نے ملیالم حروف کی بہتری، پھر انھیں ٹائپ میں تبدیل کرنے اور ان کی اشاعت کرنے کے سلسلہ میں گرانقدر خدمات انجام دیں۔ اس کے علاوہ وہ دیوجی بھیم جی اور رسالہ کیرالا

[illegible] ... اخبارات ... [illegible]

[illegible] ... پانچ ... [illegible]

[illegible] ... کے اخبارات میں ایک نمایاں مقام حاصل ہو گیا ... [illegible] ۱۹۲۲ء ... [illegible] ... اس پر پابندی عائد کردی لیکن ... [illegible] ... ماتربھومی کی پھر سے اشاعت کی جانے لگی۔

[illegible] ... ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس صدی کے شروع ہوتے ہوتے ملیالم صحافت کافی ترقی کر چکی تھی اور ایسے حالات ... [illegible] ... اور ... بڑھ چڑھ کر حصہ لینا شروع کیا۔ اس عرصہ میں ... [illegible] ... کی تعداد میں بھی کافی اضافہ ہوا ان میں ... [illegible] ... دیپیکا ... [illegible] ... وغیرہ قابل ذکر ہیں۔

بغاوت اور استبدادِ عمل

کیسری ... [illegible] ... جیسے ... اپنے مضامین کی وجہ سے حکام اور حکومت کے تحت ... ہو چکے تھے۔ رام کرشنا پلائی (۱۸۷۸ء – ۱۹۱۶ء) کی آمد کے بعد ... جاگیرداری کی مطلق العنانی اور بدعنوانی پر کھلے پیمانہ سے تنقید کیا جانے لگا۔ شری پلائی ایک زبردست مصنف تھے۔ ایک زبردست ادبی نکتہ چین تھے اور بدعنوانی اور مطلق العنانی کے خلاف ایک زبردست مجاہد تھے۔ انھوں نے ملیالم میں صحافت پر پہلی کتاب لکھی اور عظیم اکتوبر انقلاب سے پانچ سال قبل مارکس کی پہلی سوانح حیات لکھی۔ انھوں نے بہت سارے رسالوں کی ادارت کی۔ لیکن ... سودیشا بھیمانی سے انھیں کافی شہرت حاصل ہوئی، لیکن اس کے ساتھ ہی انھیں ایک خصوصی شاہی اعلان کے ذریعہ ۱۹۱۰ء میں ٹراونکور ریاست سے باہر نکل جانا پڑا۔ جلاوطنی کے بعد ... مدراس اور ملابار سے اپنی خدمات انجام دیتے رہے لیکن ۱۹۱۶ء میں ان کا یکایک انتقال ہو گیا۔

رام کرشنا پلائی کی جلاوطنی اور موت نے سیاسی صحافت پر گہرا اثر چھوڑا لیکن اس کے ساتھ ہی اس دور میں ادبی اور اصلاحی تحریکیں

سے متعلق ... [illegible] ... کوئی ترقی ... [illegible] ... اخبارات ... ہیں ... [illegible] ... تاریخ ... [illegible] ... بھیمانی ... [illegible] ... نام سے شائع کرنا شروع کیا تھا۔ اس صدی کے پہلے ... [illegible] ... میں ایک نیا رجحان دیکھا گیا ... [illegible] ... شاعروں نے اور ... [illegible] ... اہم خدمات انجام دیں۔ اس دور میں کماران ... [illegible] ... آسان ... [illegible] ... سودیشا بھیمانی کے ... [illegible] ... سے متاثر ہو کر قومی اور سیاسی ... [illegible] ... کی اشاعت کرنا شروع کر دیا۔

قومیت کا جذبہ:- اس کے بعد جنگِ عظیم ۱۹۱۴ء سے ۱۹۱۸ء شروع ہو گئی اور اس کا خبر رسانی پر بہت بڑا اثر پڑا۔ متحدہ افواج کی فتح اور روس میں ... [illegible] ... سے سارے ہندوستان پر اثر پڑا۔ عدم تعاون تحریک، خلافت، ملابار بغاوت ... [illegible] ... ٹراونکور میں اقلیتوں اور پسماندہ طبقوں کی سیول رائٹس تحریک وغیرہ نے کیرالا کی سیاسی اور سماجی دنیا میں نمایاں تبدیلی لائی۔

قدرتی طور پر صحافت نے بھی ایک نئی شکل اور ایک نیا رخ اختیار کر لیا۔ دونوں عالمی جنگ کے درمیانی عرصہ میں بہت سارے مشہور اخبار شائع ہوئے اور جن کے ایڈیٹر بھی عظیم مجاہد ثابت ہوئے۔ اس سلسلہ میں تین اخبارات ... [illegible] ... ماتربھومی ... [illegible] ... اور کیرالا کوموڈی نے بہت اہم کردار ادا کیا۔

ماتربھومی ۱۹۲۳ء سے کالی کٹ سے شائع ہونا شروع ہوا۔ یہ کیرالا پردیش کانگریس کمیٹی کا رسالہ تھا۔ آزادی حاصل کرنے سے قبل ... اس پر کئی بار پابندیوں کا سامنا کرنا پڑا اور آزادی کے بعد کے عرصہ میں اس نے کافی اہم خدمات انجام دیں۔

کیرالا کوموڈی کی ابتدا ۱۹۱۱ء سے ہوئی۔ ۱۹۳۰ء سے اس اخبار نے پسماندہ طبقوں کی فلاح و بہبود کے لیے پرچار کرنا شروع کیا۔ اس کے بانی شری سی۔ وی۔ کنجی رمن بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے۔ وہ بہت اچھے

شاعر اور سماجی مصلح تھے۔ ان کے بیٹے کے۔ سکومرتی ان کے بعد اس اخبار کی ذمہ داری کو سنبھالا اور سن ۱۹۴۲ء میں اس اخبار کو روزانہ بنا دیا۔

اس عرصہ میں مختصر عرصہ تک بھی بہت سے رسالے شائع ہوئے۔ انھوں نے ملایالم کی تاریخ اور بہتری میں نمایاں کردار ادا کیا۔ ان میں کیساری بال کرشن پلائی (سن ۱۸۸۹ء - سن ۱۹۶۰ء) کا اور ان کے رسالوں کا ذکر کرنا یہاں بہتر ہوگا۔ ان کا اہم رسالہ ہفتہ واری 'کیساری' تھا۔ بال کرشن پلائی بہت بڑے عالم تھے اور ادب اور سیاست دونوں میں انھوں نے ایک باغی کا کردار ادا کیا۔ انھوں نے ملایالیوں کو نئے ادبی اور دیگر خیالات سے روشناس کرانے میں نمایاں خدمات انجام دیا۔ انھوں نے برٹش حکام اور ریاستوں کے راجاؤں کے خلاف کافی جدوجہد کی۔ انھیں کئی بار سزا دی گئی اور آخر ان کا رسالہ بند کر دیا گیا اور انھیں شہر بدر کر دیا گیا۔ ان کے رسالہ 'کیساری' کے بند ہونے کے بعد بہت برسوں تک وہ کیساری کے ایڈیٹر کی حیثیت سے دستخط کرتے رہے۔

سودیشی بھیمانی رام کرشن پلائی کے داماد اور بعد میں ایم۔ اے کرنے کے ساتھ بیرسٹر لے کے پلائی نے اس صدی کی دوسری دہائی میں 'سوارت' نامی ایک ماہانہ رسالہ کی اشاعت کی۔ یہ بائیں رسالوں میں سب سے پہلا رسالہ تھا 'سوارت' اور اس کے ساتھ ہی اپنے رسالہ 'ساہودرن' نے ملایالیوں کو اکتوبر انقلاب اور ان کے لیڈروں کی بابت بتایا۔

'آل امین' ایک مسلمان نیشنلسٹ رسالہ تھا، جسے مشہور مجاہد محمد عبدالرحمان نے قائم کیا۔ سن ۱۹۲۴ء میں کالی کٹ سے یہ ہفتہ وار رسالہ سن ۱۹۳۰ تک شائع ہوتا رہا، اس کے بعد یہ روزانہ اخبار کی طرح شائع کیا جانے لگا اور آج یہ ایک شام کے اخبار کی حیثیت سے جاری ہے۔

بائیں خیال کا سب سے پہلا رسالہ سہرانوبر میں شائع ہوا جب سن ۱۹۳۸ء میں نئے قائم کردہ کانگریس سوشلسٹ پارٹی کی طرف سے مجبور ہو کر نے 'پربھاتم' شائع کرنا شروع کیا۔ جب اس نے مشہور شہید بھگت سنگھ کی تعریف میں ایک نظم شائع کی اس سے بہت بڑا ضمانت طلب کی گئی۔ ضمانت نہیں دی گئی اور رسالہ کو بند کر دینا پڑا۔ پھر کالی کٹ میں اس کی دوبارہ اشاعت کی کوشش کی گئی لیکن جنگ کے چھڑ جانے سے اسے ایک بار پھر بند کر دینا پڑا۔

'دیپکا'، 'ملایالہ منورما' اور 'متھرو بھومی' کے علاوہ تقریباً تمام دیگر اخبارات اور رسالے جنھیں آج ہم کیرالا میں دیکھتے ہیں، سن ۱۹۴۷ء اور سن ۱۹۵۰ء کے درمیان کے عرصے سے شائع کئے جا رہے ہیں۔ ہم نے یہ دیکھا کہ کیرالا کومودی، سن ۱۹۴۰ء میں روزانہ اخبار بن گیا۔

'کیرالا کومودی' سن ۱۹۴۰ء سے روزانہ اخبار میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی 'ایکسپریس آف ترچور' مشرق کے کرشنن کی زیر ادارت شائع ہونے لگا۔ ان دونوں کی پالیسیاں آزاد تھیں۔ سی پی آئی کا اب سی پی آئی ایم کا 'دیش بھیمانی' سن ۱۹۴۲ء سے ہفتہ وار شائع ہونے لگا اور سن ۱۹۴۶ء سے یہ روزانہ اخبار بن گیا۔ سن ۱۹۵۰ء کے اوائل سے سی پی آئی نے دو روزانہ اخبارات، 'جنایوگم' کوئیلون سے اور 'نوجیون' ترچور سے شائع کرنا شروع کر دیا۔ لیکن نوجیون ایک مختصر عرصہ تک شائع ہونے کے بعد بند ہو گیا۔ دوسری طرف 'جنایوگم' کالی کٹ سے بھی شائع کیا جانے لگا۔ کیرالا میں دیگر پارٹیوں کے اخبارات یہ ہیں:- کوچین سے کے پی سی سی کا 'وکشانم' کالی کٹ سے یونین مسلم لیگ کا 'چندریکا' اور کالی کٹ سے ہی آل انڈیا مسلم لیگ کا 'لیگ ٹائمس'، 'وکشانم' اور 'لیگ ٹائمس' تو سن ۱۹۷۰ء سے شائع کئے جا رہے ہیں لیکن چندریکا کی اشاعت سن [illegible] سے ہونے لگی۔

سن ۱۹۴۷ء اور سن ۱۹۵۰ء میں بہت سارے اخبارات جیسے 'دیش بندھو' (کوٹایم)، 'پربھاتم' (کوئلن)، 'دینا بندھو' (ارناکولم)، 'کوٹم اکوماتی' (تریچور)، 'پورنا کیرالم' (کالی کٹ)، 'ملاہا ریل' (ارناکولم)، 'وےمپم' (ارناکولم)، شائع ہونے لگے لیکن بعد میں یہ سب چند نئے اور بڑے بڑے اخباروں کا مقابلہ نہیں کر سکے کیونکہ ان اخباروں نے سن ۱۹۵۰ء اور سن ۱۹۶۰ء کے دوران چھپائی کے لئے جدید مشینیں اور جدید طریقہ کار کو اپنانا شروع کر دیا، اور اس کی وجہ سے یہ اخبارات ان کے سامنے ٹک نہ سکے اور انھیں اپنی اپنی اشاعت بند کر دینی پڑی۔

اس کے بعد سے گذشتہ بیس برسوں میں یہاں اور نئے اخبارات شائع نہیں ہوئے۔ پرانے رسالوں میں 'وکشانم' اور 'لیگ ٹائمس' کا ذکر کیا جا سکتا کہ وہ اب بھی شائع ہوتے ہیں۔

باقی ص۱۷۱ پر

سنتھالیوں کی زندگی اور سرگرمیوں کی ایک جھلک

از:- ڈاکٹر امل کمار داس :-
ڈائرکٹر کلچرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ
کلکتہ

ہندوستان میں کثیر تعداد والے مندرجہ فہرست قبائل میں سے سنتھالی ایک ہیں۔ یہ بنگلہ دیش و نیپال میں بھی ہیں۔ سنتھالی بہار، اڑیسہ، مغربی بنگال، تریپورہ، آسام اور بنگلہ دیش کے وسیع اور عریض علاقوں میں آباد ہیں۔ ہندوستان کے قبائل میں منفرد خصوصیات اور مقام کی بنا پر برطانوی عہد حکومت کے آغاز ہی سے سنتھالی اہل قلم، مبلغوں، سیاحوں اور ماہرین علم الانسان کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے۔ انھیں ہندوستان کے قبائل میں سب سے بڑا اہم و فعال تسلیم کیا جاتا ہے۔ تعداد کے اعتبار سے گونڈ اور بھیل نسبتاً بڑے فرقے ہیں لیکن وہ مختلف النسل قبائلیوں کے گروہوں کا مجموعہ ہیں۔

سنتھالیوں کو بہار (۱۸۰۱۳۰۴)، اڑیسہ (۴۵۲۹۵۳)، مغربی بنگال (۱۳۷۶۹۸۰) اور تریپورہ (۲۲۲۲) میں بحیثیت ایک مندرجہ فہرست قبیلہ تسلیم کیا جاتا ہے اور سنتھالی مجموعی طور پر ہندوستان کی کل قبائلی آبادی (۳۸۰۱۵۱۶۲) کا ۹ر۵۵ فیصد (۳۶۳۳۴۵۹) ہیں۔

ہندوستان میں سنتھالیوں کی کل آبادی کا ۴۹ر۵۸ فیصد بہار اور ۳۷ر۹۰ فیصد مغربی بنگال، ۱۲ر۴۶ فیصد اڑیسہ اور ۰ر۰۶ فیصد تریپورہ میں سکونت پذیر ہے۔

بہار میں سنتھالیوں کی تعداد اس ریاست کی کل آبادی کا ۳ر۲۰ فیصد ہے جبکہ مغربی بنگال، اڑیسہ اور تریپورہ میں ان کی تعداد کا تناسب ان ریاستوں کی کل آبادی کا بالترتیب ۳ر۱۱ فیصد، ۲ر۰۶ فیصد ہے۔

مغربی بنگال میں سنتھالی اس کی کل قبائلی آبادی (۲۵۳۲۹۶۹) کا ۵۴ر۳۰ فیصد، بہار میں کل قبائلی آبادی (۴۹۳۲۷۶۷) کا ۳۶ر۵۲ فیصد، اڑیسہ میں کل قبائلی آبادی (۵۰۷۱۹۳۷) کا ۸ر۹۳ فیصد اور تریپورہ کی کل قبائلی آبادی (۴۵۰۵۴۴) کا ۰ر۴۹ فیصد ہیں۔

تقریباً ۹۸ر۰۰ سنتھالی دیہی علاقوں میں رہتے ہیں۔ شہری علاقوں میں رہنے والے سنتھالیوں (۶۹۷۹۶) کا ۵۶ فیصد بہار، ۳۲ فیصد مغربی بنگال اور بقیہ ۱۲ فی صد اڑیسہ میں سکونت پذیر ہیں۔ بہار کے شہری علاقوں میں سنتھالیوں کی کثیر تعداد شہر کا۔ صنعتی کمپلیکس کی وجہ سے ہے جو قبائلی علاقوں کے گرد و پیش قائم ہیں۔

سنتھالیوں کی آبادی کے ارتکاز کے مخصوص علاقے ہیں جہاں انھوں نے صدیوں سے اپنی انفرادی روایات قائم کی ہیں۔ یہ علاقے بہار میں سنتھال پرگنہ، سنگھ بھوم اور مان بھوم کے اضلاع، اڑیسہ میں میور بھنج، سرائے کیلا اور کھرسوان کے اضلاع اور مغربی بنگال میں پرولیا، مدنا پور، بانکوڑا اور بیر بھوم کے اضلاع ہیں۔

سنتھالیوں کو اپنی انفرادیت اور ورثہ کا شدید احساس ہے۔ اُن کا استحکام اُن کی باہمی ہم آہنگی کے اصول پر مبنی ہے یعنی ان کی مشترکہ ثقافتی خصوصیات جو اُن کو ایک رشتہ میں منسلک رکھتی ہیں۔ اُن میں سے بیشتر نے اپنی مادری زبان برقرار رکھی ہے جو اُن کو متحد رکھنے کا زبردست وسیلہ ہے۔ وہ عام طور پر دو لسانی ہیں اور انھوں نے اپنی مادری زبان سنتھالی کے علاوہ علاقائی زبانوں (ہندی، اڑیہ، بنگلہ) کو اپنا لیا ہے۔

رومن، دیوناگری، اڑیہ اور بنگلہ رسم الخط میں سنتھالی کتابیں لکھی گئی ہیں اُن کا ایک مقبول عام مطالبہ یہ ہے کہ "اول چیکی" رسم خط کو سرکاری طور پر تسلیم کیا جائے، جو سنتھالی بولی کی تمام خصوصیات کی مظہر ہے۔ حکومت مغربی بنگال نے سنتھالی بولی میں درسی کتابیں وغیرہ تیار کرنے کے لئے اس رسم خط کو حال میں تسلیم کر لیا ہے۔

بیرونی طاقتیں کو جو اندرونی استحکام درہم برہم کرنے کے در پے ہیں اکثر ’ڈیکو‘ ’’ (باہری افراد) کہا جاتا ہے۔ مہاجن‘ مجھ لیڈر سیاسی مداخلت کار اور اسی قسم کے دوسرے استحصال کرنے والے اس زمرہ میں آتے ہیں۔

سنتھالیوں کے نزدیک دو واقعات تاریخی اہمیت رکھتے ہیں۔ (۱) دامنی کوہ میں ۱۸۳۲-۳۳ میں سنتھال کالونی کا قیام‘ جو انتشار کے وقت قرابتی تحفظ کا مرکز بن گیا اور (۲) ۱۸۵۵ء میں سنتھالیوں کی بغاوت‘ جس میں کم سے کم دس ہزار سنتھال موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے اور بعد ازاں نئی آبادیوں کی تلاش میں مختلف سمتوں میں بکھر گئے۔

ایسی شاندار روایات اور ورثہ کے حامل قبیلہ کو منصوبہ بند ترقی کے اس عہد میں کوئی مخصوص مقام حاصل نہیں ہو سکا۔ جیسا کہ حسب ذیل حقائق اور اعداد و شمار سے عیاں ہے۔

نیچے دیئے ہوئے چارٹ سے مختلف ریاستوں میں سنتھالیوں کی خواندگی کی پوزیشن معلوم ہوتی ہے

خواندگی اور تعلیم یافتہ افراد کا فیصد

ریاست	کل آبادی	قبائلی آبادی	سنتھالیوں کی آبادی
بہار	۱۹٫۹۴	۱۱٫۶۴	۷٫۵۱
مغربی بنگال	۳۳٫۲۰	۸٫۹۲	۷٫۹۲
اڑیسہ	۲۶٫۱۸	۹٫۴۶	۹٫۰۶
تریپورہ	۳۰٫۸۷	۱۵٫۰۳	۹٫۷۹

ان چار ریاستوں میں رہنے والے کل سنتھالیوں کا صرف ۷٫۸۶ فیصد خواندہ ہے مردوں اور خواتین میں خواندگی کا فی صد بالترتیب ۱۱٫۱۳ اور ۳٫۰۲ رہا ہے۔

مغربی بنگال میں لئے گئے نمونہ کے ایک جائزہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ تقریباً ۵۰ فی صد سنتھالی طلبا پرائمری تعلیم ختم کرنے کے بعد سیکنڈری کا مرحلہ میں داخلہ نہیں لیتے اور اونچے درجوں میں سنتھالی طلبار کی تعداد میں ۳۰ سے ۴۰ فی صد تک کمی ہو جاتی ہے۔ ان میں سے جو طلبار میٹرک کے بعد تعلیم حاصل کرتے ہیں وہ آرٹس یا کامرس میں داخلہ لیتے ہیں۔ یہی ایک بڑی وجہ ہے کہ وہ پیشہ وارانہ تعلیم حاصل نہیں کرتے تعلیمی میدان میں خاطر خواہ پیش رفت نہ ہونے کی وجہ سے سنتھالیوں کے پیشوں میں تنوع پیدا نہیں ہو سکا۔

سنتھال ماضی میں جنگلات کی پیداوار کو اکٹھا کرنے‘ شکار‘ مچھلیاں پکڑنے اور پہاڑی ڈھلوان پر کاشت کرنے کے کام کرتے تھے۔ ان کا خاص تجارتی کام تیل نکالنا اور رسی تیار کرنا تھا۔ اس وقت زیادہ تر سنتھال کھیتی باڑی میں لگے ہوئے ہیں لیکن وہ زیادہ تر بیگانہ ادنیٰ زرعی مزدوروں اور چھوٹے کسانوں کی حیثیت میں کام کرتے ہیں اور ان کی بڑی تعداد شمالی بنگال اور آسام کے چائے باغات میں کام کر رہی ہے اور اندرونی دھنباد سنتھال پرگنہ۔ آسنسول کے علاقوں میں کوئلہ کانوں کی کارگذار مزدوروں کی حیثیت سے شہرت حاصل ہے کچھ تربیت یافتہ سنتھالی مزدور صنعتی کارخانوں میں بھی کام کرتے ہیں۔

پولس‘ فوج اور درس و تدریس کے پیشوں میں بھی سنتھالی پائے جاتے ہیں۔ اور تب تھوڑے سے لوگ مختلف دفتروں میں کام کرتے ہیں۔
تعلیم کی طرح سنتھال اقتصادی طور پر بھی پسماندہ ہیں۔ پچاس فی صدی سے زیادہ سنتھالی زرعی مزدور ہیں اور کاشتکاروں میں جو آبادی کا ایک تہائی ہیں‘ زیادہ تر چھوٹے کسان اور بٹائی دار ہیں۔ زرخیز نہ ہونے اور کھیتی باڑی کے جدید اور بہتر طریقے نہ اپنانے کی وجہ سے وہ اپنی زمینوں کے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔

(باقی آئندہ)

بقیہ:۔ واقعات کو سیدھے سادے

پہلے روز کی تقریب کی صدارت جناب حبیب اللہ صاحب نے کی اور اس تقریب کے شری دیویکا نند اسکھر جی مہمان خصوصی تھے۔ اس موقعہ پر شری جیون لال بنرجی‘ شری پرشانت سرکار اور شری انیل بسواس نے تقاریر کرتے ہوئے ہندوستانی صحافت میں ترقی کا ذکر کیا۔

نومبر انقلاب اور کسانوں کے مسائل

از۔ نابابیری کوٹی مائز

تاریخ میں کسانوں نے بہت اہم کردار ادا کیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ "کسان" آبادی، پیداوار اور سیاسی اقتدار کا بہت ہی اہم حصہ ہے۔ جیسے ایک پسماندہ سماج میں کسان کو صرف تعداد میں آبادی کی اکثریت حاصل ہے، بلکہ وہ پیداوار کا سب سے زیادہ اہم اوزار ہیں۔ مزید یہاں وہ انقلابی توانائی کا نہ ختم ہونے والا ذریعہ ہے۔

عالمی تاریخ کے درمیانی عرصہ میں کسان ہی انقلابی تبدیلی لانے کے پیچھے اہم بنیادی طاقت ثابت ہوئے۔ تاریخ کسانوں کی انقلابی بغاوت جیسے جیکیری (۱۳۵۸ء) بکھیتا ہے، انگلینڈ میں واٹ ٹائلر کی بغاوت (۱۳۸۱ء) جرمنی میں کسانوں کی جنگ (۱۵۲۵ء) وغیرہ موجودہ زمینداری نظام کو زبردست چوٹ پہونچایا۔ لیکن ایسی بغاوتیں یکایک ہوئیں اور الگ تھلگ ہوئیں۔ اس لئے حکمران طبقہ کے لئے ان بغاوتوں کو کچل دینے میں نسبتاً آسانی ہوئی۔

عظیم فرانسیسی انقلاب کے دوران کسانوں نے بہت ہی اہم کردار ادا کیا۔ انقلاب کے بعد لوگوں کو زمینداری بندھنوں سے آزادی مل گئی اور کسانوں کے اعلیٰ فرقہ کے لوگوں کو زمینیں بھی ملیں۔ لیکن جہاں تک چھوٹے کسانوں اور شہروں کے غریب لوگوں کا تعلق ہے انھیں اس اقدام سے کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچا۔ بڑے پیشہ والوں کو جو انقلاب کا تعلق ہے انھیں اس اقدام سے کوئی خاص فائدہ نہیں پہونچا۔ جیسے بلڈ ماروں کو جو انقلاب کے لیڈر تھے کافی فائدہ پہونچا۔

روس کا نومبر انقلاب تاریخ میں واحد انقلاب ہے جس نے غریب کسانوں اور کام کرنے والے لوگوں کے لئے آزادی دلائی۔ اس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ کسانوں کے ساتھ مل کر کام کرنے والے طبقہ نے یہ کامیابی حاصل کی۔ انقلاب کی فتح کے بعد انقلابی حکومت کا پہلا ایکٹ زمین پر ڈگری (۸ر نومبر ۱۹۱۷ء) تھا زمین پر ڈگری نے زمینداری کے نظام کو ختم کر دیا۔ مجموعی طور پر ۳۶ کروڑ ایکڑ زمین عوام کے نام منتقل کر دی گئی۔ تاریخ میں پہلی بار کسانوں کو ان کی زمین کے قرض سے نجات ملی۔ اس ڈگری نے زمین کے لئے سالانہ کرایہ کی ادائیگی سے کسانوں کو مستثنیٰ کر دیا۔ زمین کے سلسلہ میں ڈگری نے کسانوں کی برسوں پرانی امیدوں کو مستقل شکل عطا کی۔ زمین کی پرائیویٹ ملکیت ختم کر دی گئی اور تمام زمین عوام کی ملکیت بن گئی۔ زمین پر ڈگری نے کام کرنے والے کسانوں اور کام کرنے والے لوگوں کے اتحاد کو اور بھی مضبوط بنا دیا۔

نومبر انقلاب نے زمیندار۔کرایہ دار کے سوال کو اس طرح حل کیا جس سے دیگر ملکوں میں کام کرنے والے لوگوں کو تشفی حاصل ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے زمینداروں اور دیگر لوگوں کے درمیان پریشانی پیدا کی۔ اس انقلاب نے ہندوستانی لوگوں کے، جو بذات خود کسان ہیں، دل و دماغ پر کافی اثر کیا۔ اس انقلاب نے صاف طور پر یہ دکھا دیا کہ کسان ہی محنت کش لوگوں کے دوست ہیں۔ یہ بات عیاں ہو گئی کہ محنت کش طبقہ کی لیڈرشپ کے بغیر کسان غیر منظم رہیں گے۔ کسانوں کے تعاون کے بغیر محنت کش طبقہ بھی مجبور ہے اور یہ انقلاب میں کامیابی حاصل نہیں کر سکتا۔

نومبر انقلاب سے حاصل کردہ سبق ہندوستانی لوگوں کے تجربہ سے بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ ۱۹ ویں صدی میں ہندوستان میں بہت سارے کسانوں کی بغاوتیں ہوئیں (مثال کے طور پر ۱۸۵۵ء کی سنتھالی بغاوت، ۱۸۱۰ء کی اندرگجو جنرل ہترتال اور ۱۸۷۵ء کی دکھنی بغاوت) جنھوں نے ہندوستانی زمینداری ردعمل اور برٹش حکومت کے خلاف بہت ہی اہم اثر کیا۔ لیکن ان کی انفرادیت کی وجہ سے انھیں کامیابی سے دبا دیا گیا۔

نومبر انقلاب کے ساتھ ساتھ ہندوستانی کسانوں میں ایک نئی بیداری پیدا ہوئی۔ اب انھیں اس بات کا احساس ہوا کہ ان کے صحیح دوست محنت کش طبقے ہیں اور محنت کشوں اور کسانوں کا اتحاد واحد ذریعہ ہے جس کے ذریعہ دونوں زمینداری اور نوآبادیاتی ظلم سے خود کو آزاد کر سکتے ہیں۔ یہ اتفاق نہیں ہے کہ نومبر انقلاب کے فوراً بعد ایک نئے قسم کی کسان تحریک عالم وجود میں آئی کسانوں کی تحریک ایک طبقہ پر منظم ہوا۔ ایک کسانی تحریک جس نے کسانوں کی انقلابی تحریک کو جنم دیا۔ آل انڈیا کسان سبھا (۱۹۳۶ء)۔ نومبر انقلاب کے تحت جو بات سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ اس ملک میں کسانوں کی تحریک اس وقت کے سب سے زیادہ اہم تصور کے تحت آئی اور یہ سوشلزم کے تصورات سے زیادہ متاثر ہو گیا۔

جدید اردو کا نقیب
حالی

محمد رضی الدین معظم

جدید اردو نثر کا آغاز دراصل ۱۸۵۷ء کی "رستخیز" کے بعد سے شروع ہوا۔ ۱۸۵۷ء کی قیامت صغریٰ نے ہندوستان کی قسمت کی کایا پلٹ دی۔ بے بسی مایوسی اور بیچارگی کا دردناک مرقع ہماری آنکھوں کے سامنے کھینچ دیا۔ ہماری ہر چیز تاریکی میں آ گئی اور ہم غلامی کے شکنجہ میں جکڑ دیتے گئے۔ ہندوستان کو غلام آباد کہا جانے لگا، اور آزادی ہم سے چھین لی گئی۔ مولانا حالی جو اپنے دل میں حقیقی قومی درد رکھتے تھے اور جو شرافت اور سیرت میں اپنی آپ نظیر تھے، ۱۸۵۷ء کے طوفان کو دیکھ کر کیوں خاموش بیٹھتے چنانچہ مولانا نے اگر ایک طرف اپنی شاعرانہ اعلیٰ صلاحیتوں کو قومی خدمت کے لئے وقف کر دیا تو دوسری طرف نثر کو بھی قوم و ملت کی اصلاح کے لئے مختص کر دیا۔ سر سید جیسی عظیم شخصیت کے ہم عصر ہونے کی وجہ سے حالی کی خیالات و افکار میں روز بروز تبدیلی نمایاں ہونے لگی یعنی یہ کہ سر سید کی تحریکات سے حالی شدید طور پر متاثر ہوئے اور جو وقتاً فوقتاً حالات اور واقعات پیش آتے تھے ان کے مطابق نثر میں اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ چنانچہ اپنے پُر آشوب زمانہ کی سیاست معاشرت اور معیشت کی جو کیفیت تھی اور جو مشکل مسائل درپیش تھے ان کے متعلق انھوں نے کثرت سے مضامین لکھے جن کا مجموعہ انجمن ترقی اردو کی جانب سے "مقالات حالی" کے نام سے دو جلدوں میں شائع ہوا۔ مقالات حالی کے مضامین نے قوم میں بیداری کا صور پھونکا۔ ان مضامین نے قوم کی اصلاح اور بیداری میں زبردست حصہ لیا۔ یہ مضامین دراصل زمانہ اور وقت کے ترجمان تھے۔ مسلمان قوم کی اصلاح اور ترقی کے علمبردار تھے قوم جو تنزل کے انتہائی نقطہ پر پہنچ چکی تھی۔ اور اس کی جو وجوہ تھیں حالی نے ہر وجہ اور سبب کو مضمون کا ایک عنوان دے کر اپنے خیالات اور افکار کا اظہار کیا۔ ایک طرف سر سید کے "تہذیب الاخلاق" میں شائع ہونے والے مضامین نے مسلمان قوم کے معاشرہ کی اصلاح کی تو دوسری طرف مولانا حالی کے مضامین نے تمام ملک میں تہلکہ مچا دیا تھا۔

مولانا حالی کا مقام اردو ادب میں عالی مرتبت شاعر کے علاوہ ایک اعلیٰ نقاد بہترین سوانح نگار اور ایک عظیم مصلح کی حیثیت سے ہے۔ مولانا حالی جدید تنقید کے بانی اور مجتہد ہیں۔ آپ نے "مقدمہ شعر و شاعری لکھ کر پہلی مرتبہ اردو ادب کو شاعری کے معیار سے واقف کرایا"۔ "مقدمہ شعر و شاعری" اردو ادب کا شاہکار ہونے کے علاوہ اردو تنقید میں سب سے پہلی کوشش ہے۔ اپنی نوعیت کی پہلی کوشش ہونے کے سبب یہ ہمارے ادب میں ارسطو، ڈرائیڈن، بارسی اور ابن رشیق کی تالیفات کی اہمیت رکھتا ہے۔ اس کتاب میں شاعری کے بنیادی اصول مرتب کر کے اس کے لئے ضروری شرائط بتلاتے ہوئے اور مختلف اصناف سخن کی تعریف اور خصوصیات پیش کی گئی ہیں۔ اس کتاب سے اردو ادب میں ادبی تنقید کا معیار قائم ہو گیا۔ اور میدان تنقید کی راہ کھل گئی۔ عملی نقاد کی حیثیت سے مولانا حالی ہمیں تقریظوں میں نظر آتے

۱۱

ہیں جو مجموعہ کی شکل میں مقالات حالی کے حصہ دوم میں شامل ہیں۔ اس مجموعہ میں حالی کی ستائیس تقریظیں ہیں۔ حالی سے پہلے کسی نے بھی فن سوانح نگاری کی طرف توجہ نہیں کی تھی۔ لیکن حالی ہی ہے جو سب کا پیشرو ہے۔ "یادگار غالب" "حیات جاوید" اور "حیات سعدی" نے ادب میں سیرت نگاری اور سوانح نگاری کا فن قائم کیا۔ "یادگار غالب" میں حالی نے جو عقلی سنجیدگی سے کام لیا ہے اس کی داد دیئے بغیر رہا نہیں جاتا۔ غالب کے سوانح حیات قلمبند کرنے میں ترتیب اور انداز بیان کے حسن کو برقرار رکھا گیا ہے۔ غالب کے گوناگوں اور متضاد نوعیت کے حالات اور واقعات کو نہایت ہی عمدگی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ لطیفوں کو برمحل لاکر کتاب کے لطف میں مزید اضافہ کر دیا گیا ہے۔ "یادگار غالب" میں حالی نے تعلّی سے قطعاً گریز کیا ہے۔ اور یہی وہ صنعت ہے جو اعلیٰ معیار کے انشا پرداز میں ہوتی ہے۔ وہ اگر چاہتے تو اپنی ذات کے متعلق اور غالب کے ساتھ گہرے تعلقات کے بارے میں بہت کچھ لکھ سکتے تھے۔ لیکن ان کی فطرت میں خود نمائی، تعلّی اور غرور نام کو نہ تھا جس کی بنا پر وہ اپنے ذکر سے حتی الامکان پرہیز کرتے ہیں۔ غالب کیا ہے اور غالب کی شاعری اور نثر کس قسم کی ہے؟ اس کا مکمل جواب "یادگار غالب" سے ملتا ہے۔ غالب کی شاعری اور نثر پر مولانا حالی نے جو کچھ تنقید کی ہے اس سے ادب کے تنقید کے اصول متعین ہوتے ہیں چونکہ حالی کی عمر کا بیشتر حصہ غالب کی صحبت میں گذرا ہے اس لئے "یادگار غالب" میں حالی نے غالب کے حالات زندگی کے متعلق جو مواد فراہم کیا ہے وہ سند کی حیثیت رکھتا ہے۔ سرسید کے متعلق بھی حالی نے "حیات جاوید" میں جو کچھ لکھا ہے وہ استناد کا درجہ رکھتا ہے۔ "حیات جاوید" مولانا حالی کی عظیم الشان تصنیف ہے جو تقریباً ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب میں سرسید کی زندگی اور مشاغل کے ہر پہلو پر جامعیت کے ساتھ تنقیدی بحث کی گئی ہے یہ شاہکار سرسید کے واقعات زندگی، اخلاق و عادات کردار سرسید معاشرتی تعلیمی مذہبی ادبی صحافتی سیاستی اور خطیبانہ مشاغل وغیرہ کی مکمل تصویر ہے۔ لیکن اس کے باوجود "حیات جاوید" کے متعلق کہا جاتا ہے کہ "یہ نہایت ناقص اور ناتمام مہتسر ہے" کیونکہ سرسید پر "یک سر و ہزار سودا" کی مثل صادق آتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ سرسید عظیم انسان تھے اور مولانا حالی نے جو کچھ ان کی حیات اور کارناموں کے متعلق لکھا وہ اپنی صلاحیتوں کے مطابق لکھا۔ اور جامعیت کے اعتبار سے حالی نے اپنا پورا پورا حق ادا کر دیا۔ عام طور پر "حیات جاوید" کا مقابلہ باسول کی "حیات جانسن" سے کیا جاتا ہے لیکن "میری رائے میں" یہ ایک حد تک درست نہیں ہے کیونکہ باسول نے اٹھارہویں صدی کے سیاسی معاشی اور معاشرتی ماحول اور حالات کا نقشہ کھینچا ہے اور اس ماحول میں اپنے ہیرو کو بہترین انداز سے پیش کیا ہے۔ لیکن حالی نے اپنے ہیرو یعنی سرسید کے ماحول، ان کی ابتدائی زندگی جوانی اور اس کے قبل کے حالات اور بہت سی دوسری جزئیات کا بیان جتنی تفصیل سے پیش کرنا چاہیئے تھا پیش نہیں کیا ہے۔ صرف اجمالی طور پر ان چیزوں کا ذکر کیا گیا ہے جس کی وجہ سے سرسید ان چیزوں کے حالات میں مکمل طور پر نظر نہیں آتے۔ ان دو کتابوں کے علاوہ سوانح نگاری میں تیسری اہم کتاب "حیات سعدی" ہے جو اردو ادب میں سعدیؒ کی شخصیت اور ان کی شاعری و نثر پر سب سے پہلی کتاب ہے۔ اس کے بعد جو بھی کتابیں سعدیؒ کے متعلق لکھی گئیں ہیں وہ "حیات سعدی" کی خوشہ چیں ہیں۔ "حیات سعدی" میں مولانا حالی نے نہایت ہی علمی انداز اختیار کیا ہے جو اردو ادب کے لئے بالکل جدید ہے۔ اس کتاب میں سعدیؒ کے سفر کے حالات اور ان کی زندگی کے واقعات و حالات کو جس حسن ترتیب سے پیش کیا گیا ہے اور ان کی تلخیص کرنے میں جو اصول پیش نظر رکھے گئے ہیں وہ اردو زبان کے لئے خاص کر اور دوسرے اسلامی ممالک کی زبان کے لئے عام طور پر نئے تھے۔ اس کے علاوہ اس میں تحقیق و تنقید کے جدید اصولوں کی پابندی کی گئی ہے۔ اسی وجہ سے یہ کتاب اردو زبان کی پہلی حقیقی سوانح عمری ہے۔ مولانا حالی نے "گلستان" پر تفصیلی طور پر لکھا ہے۔ "گلستان" کی اہمیت کو ثابت کرنے اور اس کے ترجموں اور شرحوں اور فرہنگوں کے ذکر پر کافی محنت کی گئی ہے "گلستان و بہارستان" "گلستان و خارستان" اور "گلستان و پریشان" کا مقابلہ نہایت ہی قابل تعریف ہے۔ اور حالی نے اپنی سنجیدگی اور متانت کا کافی ثبوت دیا ہے۔ اس کے علاوہ "گلستان" کے اشعار اور فقرے جو ضرب المثل ہو گئے ہیں ان کی ایک فہرست بھی دی ہے۔ اسی طرح سے "بوستان و شاہنامہ" "بوستان و سکندر نامہ" اور "بوستان و خرابات شیخ علی حزین" کا مقابلہ بھی خاص چیز ہے۔ حالی نے سعدی کی غزلیات و قصائد پر تنقید کی صحیح روشنی میں اپنے علمی جولانی دکھائی ہے۔ "حیات سعدی" وہ کتاب ہے جس سے حالی کی باضابطہ ادبی

وعلمی نثر نگاری کا آغاز ہوتا ہے۔ مولانا حالی کی ابتدائی کوششوں میں "تریاق مسموم" "مولود شریف" "علم طبقات الارض" "مجالس النساء" سوانح عمری حکیم ناصر خسرو اور تاریخ محمدی پر منصفانہ رائے قابل ذکر ہے۔

مولانا حالی کے نثری کارناموں میں ہمیں کافی سے زیادہ رنگارنگی اور بوقلمونی دکھائی دیتی ہے چنانچہ مذہب، اخلاق، تعلیم، ادب، فلسفہ اور سیاست وغیرہ ان کے مخصوص موضوع ہیں۔ حالی کی نثر نگاری میں سلاست اور سادگی کے علاوہ جاذبیت اور لوچ ہے۔ پڑھنے والا یہ محسوس کرتا ہے کہ حالی جو کچھ لکھتے ہیں وہ عوام الناس کے احساسات اور جذبات میں سما کر لکھتے ہیں۔ یہی وہ اہم خصوصیت ہے جس کی بنا پر حالی کو جدید اردو نثر کا نقیب کہا جاتا ہے کیونکہ مولانا نے اپنا طرز اسلوب اور زبان کے ذریعہ اردو نثر کا معیار قائم کیا ہے۔ اور اردو کس قسم کی لکھی جائے یا بولی جائے یا کس قسم کا انداز تحریر اختیار کیا جائے؟ ان سوالات کا جواب حالی کی نثر نگاری سے ملتا ہے۔ اس کے علاوہ ان کی نثر نگاری میں اثر کی کیفیت حد درجہ ہے۔ اور یہ صفت تحریر میں اسی وقت پیدا ہوتی ہے جبکہ لکھنے والے کی سیرت اور شرافت ایسی ہو کہ جو نہ کبھی اس کا ساتھ چھوڑتی ہو اور نہ بدلتی ہو۔ اس کے علاوہ اس کی تحریر اور زندگی میں یکسانیت پائی جائے۔ حالی کی تصانیف کا مطالعہ کرنے والا جگہ جگہ ان کی بے لوثی اور ان کے خلوص سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ صفحوں کے صفحات پڑھ ڈالئے کہیں کوئی شخصی اشارہ، ذاتی خصوصیت یا شخصی جھلک نظر نہ آئیں گے۔ ان کی تحریر میں نفاست، سنجیدگی، متانت، میانہ روی اور پختگی ہے۔ وہ پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کو عام فہم اور آسان انداز میں بیان کرتے ہیں۔ مولانا خیال کے اعتبار سے زبان اور بیان اختیار کرتے ہیں۔ اور موثر دلچسپ انداز میں اپنے مافی الضمیر کو ادا کرتے ہیں۔ ان کی نثر تصنعات اور تکلفات اور رنگینی سے بالکل پاک ہے۔ سلاست و سادگی کے ساتھ ساتھ زور بیان اور فصاحت نے حالی کی نثر کے حسن کو دوبالا کر دیا ہے کیونکہ حالی فصاحت اور صفائی بیان اور سلیس انداز کو انشاپردازی اور نثر کا ہنر سمجھتے ہیں۔ حالی کی نثر نہ صرف ادیبانہ انشاپردازانہ ہے بلکہ علمی اور خالص تنقیدی ہے۔ معنوی نثر کی خوبیوں میں سے سب سے اہم چیز جو مجھے خاص طور پر نظر آتی ہے وہ یہ کہ نثر میں استدلال پایا جاتا ہے وہ اپنے خیالات کو نہایت مدلل طریقے سے پیش کرتے ہیں۔ اگر میں یہ کہوں تو بیجا نہ ہوگا کہ حالی کی تحریروں میں مشکل سے کوئی ایسا خیال ملتا ہے جس کی بنیاد استدلال پر نہ ہو۔ وہ اپنے خیال کو اس طریقہ سے پیش کرتے ہیں اور ایسی قابل قبول چیزیں بیان کرتے ہیں کہ ہر شخص مجبوراً ان کے استدلال کو مان لیتا ہے۔ حالی نے نثر میں تمثیلیہ نگاری سے کام لیا ہے جس سے حالی کی قوت مشاہدہ اور ان کے مختلف النوع تجربات کا ثبوت ملتا ہے۔ ان کی تمثیلیں نہایت ہی دلچسپ، نازک، لطیف اور برمحل ہوتی ہیں۔ چنانچہ "مقدمہ شعر و شاعری" اور "یادگار غالب" میں برمحل تمثیلات انگوٹھی میں نگینہ کی طرح نظر آتی ہیں۔ مولانا نے متروک اور غیر مستعمل الفاظ کو اپنی نثر میں جگہ دے کر ان کے رتبہ کو نہ صرف بڑھایا بلکہ اردو زبان کو سنوارا۔ اس کے علاوہ سرسید کی تقلید میں حالی نے انگریزی الفاظ کا بے تکلف استعمال کیا ہے جو کہ ان کی تحریر کا ایک عیب ہونے کے علاوہ ان کی مرعوبانہ ذہنیت کا ثبوت ہے۔ حالانکہ ان الفاظ کا ترجمہ اپنے حقیقی معنی کے ساتھ اردو میں کر سکتے تھے۔ مثلاً سیولائزیشن، بایوگرافی، کریٹیکس، اور نمیلسٹ، پبلک اسپیکنگ، ایڈا، رائٹر، اپنی دوسری جام صحت پروپوز کرنا، اسٹائل پریمینگ، آرکیالوجی، لیٹرنگ، آرٹیکل وغیرہ وغیرہ۔ ان کی نثر میں اکثر خطابت کا رنگ نمایاں ہوتا ہے۔ جو کہ ان کی نثر نگاری کا ایک اور عیب ہے۔ اس کے علاوہ وہ اپنی تحریروں میں بہت سی باتوں کی تکرار بھی کرتے ہیں۔ اور جب کوئی بات شروع کرتے ہیں تو بات پر بات نکالتے ہیں اور اپنے موضوع سے ہٹ جاتے ہیں مثلاً "انبیاء کی ضرورت" کا مضمون جو دس صفحات پر پھیلا ہے اصلی موضوع سے ہٹا ہوا ہے۔ نو صفحات تک پڑھتے جائیے کہیں بھی انبیاء کا ذکر نہیں ملتا البتہ دسویں صفحہ کی آخری پانچ چھ سطروں میں اصلی موضوع کے متعلق کچھ لکھ کر مضمون کو ختم کر دیا گیا ہے۔ دوسرا ایک اہم عیب یہ ہے کہ ان کے مضامین کے عنوانات یا سرخیاں گمراہ کن ہوتے ہیں یعنی یہ کہ مضمون کا عنوان جو ہوتا ہے اس کے متعلق مضمون کچھ اور ہی ہوتا ہے۔ مثلاً "ہمدردی" والا مضمون میں کہ "زمانہ جب بدلے تو تم بھی بدل جاؤ"، اور "مزاح" ابتداء سے لیکر آخر تک مسلمانوں کی مذمت اور ان کی برائی سے بھرا ہوا ہے۔ اصل عنوان کے تحت برسبیل تذکرہ کچھ خیالات بیان کر دیے

گئے ہیں۔ حالی نے مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے اس میں شک نہیں کہ تقریر اور طرز کا بہتر طریقہ اختیار کیا ہے لیکن جو کمزوری عام طور پر نظر آتی ہے وہ یہ کہ عنوان کے تحت ہمیں حالی کے خیالات بہت کم ملتے ہیں۔ حالی کے انداز تحریر کا یہ عیب ہے کہ وہ حروف ربط "استدراک" اور استفسار وغیرہ کا بڑی تکرار کرتے ہیں۔ چنانچہ "یادگار غالب" کے ابتدائی چند صفحات ہی کو پڑھ لیں تو معلوم ہوگا کہ ہر جملے کے بعد "اور" اور کی مسلسل تکرار ظاہر ہو جائے گی۔

مولانا حالی قوم کے ایک اچھے مصلح و ریفارمر تھے اس لئے ان کا ہر مقالہ یا مضمون اصلاحی اور ان کی ہر تصنیف اجتہادی ہوتی تھی۔ ان کی نظر ہمیشہ ہندوستانی معاشرت کی خرابیوں پر رہا کرتی تھی۔ وہ ایک نئے معاشرہ کی تشکیل چاہتے تھے۔ اور قدامت پسندی اور پرانی تقلید کو قطعاً پسند نہ کرتے تھے کیونکہ قوم کو نئی روشنی اور نئے زمانہ کی رفتار کے مطابق نئی زندگی کی ضرورت تھی۔ اس لئے مسلمانوں کو ذہنی و معاشرتی پستی کو دیکھ کر ان کی طبیعت میں ایک قسم کی تلخی ہوگئی تھی۔ اور ان کی تلخی احساس بیزاری کا نتیجہ تھی۔ احساس بیزاری نے ان کی فطرت میں خاص قسم کی کیفیت پیدا کر دی تھی جس کی وجہ سے وہ ہر وقت قوم و ملک کی اصلاح پر تلے بیٹھے اور اپنی اعلیٰ صلاحیت کے مطابق اصلاح کرتے۔ لیکن اس اصلاح کے جذبے نے اور ان کے احساس بیزاری نے ان کے اکثر مضامین میں واعظانہ رنگ اور خشکی پیدا کر دی۔

مختصر یہ کہ مولانا حالی نے اردو ادب پر ناقابل فراموش احسانات کیے ہیں اس لئے وہ ہمارے زبردست محسن ہیں۔ ان کی نثر نگاری سے اردو ادب کی نشاۃ ثانیہ تاریخ کا آغاز ہوتا ہے۔ رنگین عبارت اور مسجع و مقفیٰ نثر نگاری کا رواج ختم ہوتا ہے۔ حالی نے زمانہ اور حالات کے تقاضہ کے مطابق زبان کو ایجاد کیا جس کی بنا پر وہ مجتہد بھی ہیں اور مصلح بھی۔ بانی بھی ہیں مربی بھی۔ حالی ایک قادر الکلام اور عالی مرتبت شاعر ہیں اس کے علاوہ اردو ادب کے بہترین نقاد، بہترین نثار اور اعلیٰ درجہ کے سوانح نگار ہیں اس لئے آپ کو عام طور پر ہندوستان کا سعدی کہا جاتا ہے۔

نذیر بیادور

بقیہ :- چھوٹے اور درمیانی درجہ کے اخبارات سے

دہندگان کو اخباری کاغذ کا فروری کو شروع ہو چکا ہے اور اُن کی تعداد تقریباً ۸۰ ہے۔ درخواستیں اب بھی لی جا رہی ہیں اور جب کوٹہ ہولڈرز کی ایک معقول تعداد ہو جائے گی تب چھوٹی صنعت ترقیاتی کارپوریشن کے ذریعہ بڑی مقدار میں اخباری کاغذ کی سپلائی کے سوال پر غور کیا جائے گا۔

اخباری کاغذ کی خریداری سیلز ٹیکس سے مستثنیٰ کرنے سے متعلق کمیٹی کی سفارش منظور کی جا چکی ہے اور چھوٹے اور درمیانی درجہ کے اخبارات نے سنہ ۱۹۸۱-۸۲ء میں جو سیلز ٹیکس ادا کیا ہے اُس کے برابر رقم بطور امدادی گرانٹ سنہ ۱۹۸۲-۸۳ء میں دی جائے گی۔

اخبارات کی پابندی سے اشاعت اور اُن کے معیار کو بہتر بنانے کے پیش نظر ریاستی حکومت نے سرکاری اشتہارات پانے کے مستحق ہونے کے لئے چھوٹے اخبارات پر کچھ شرطیں عائد کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ شرطیں یہ ہیں۔ (۱) ایک معیاری اخبار کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ ہاف کراؤن سائز کے کم سے کم چار صفحات یا اس سے کم سائز کے ۶ صفحات پر مشتمل ہو (۲) کم سے کم ۶۰ فی صدی حصہ خبروں اور مضامین وغیرہ پر مشتمل ہو اشتہارات کا حصہ ۴۰ فی صدی سے زیادہ نہ ہو (۳) عام حالات میں ایک سال کے اندر روزنامہ اخبارات کے کم سے کم ۲۵۰ شمارے ہفتہ وار کے ۴۴، پندرہ روزہ کے ۲۲ اور ماہناموں کے ۱۰ شمارے ہونا چاہئیں۔ (۴) سرکاری اشتہارات پانے کے اہل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ روزنامے کم سے کم دو مہینوں ہفتہ وار کے ۴۴، پندرہ روزہ کے ۲۲ اور ماہناموں کے ۱۰ شمارے ہونا چاہئیں۔ (۴) سرکاری اشتہارات پانے کے اہل ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ روزنامے کم سے کم دو مہینوں ہفتہ وار اور پندرہ روزہ پرچے کم سے کم تین مہینے اور ماہنامے کم سے کم چھ مہینوں تک متواتر شائع ہوئے ہوں۔ (۵) کم سے کم ۵۰۰ خریدار ہوں (۶) تمام اخباروں کو اشاعت سے متعلق چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ کا سرٹیفکیٹ پیش کرنا ہوگا۔ (۷) اشاعت کے متعلق پرنٹر کا بھی سرٹیفکیٹ پیش کرنا ہوگا

چھوٹے اور درمیانی درجے کے اخبارات کے متعلق کمیٹی کی سفارشات پر عمل درآمد

حکومت مغربی بنگال نے ریاست کے چھوٹے اور درمیانی درجے کے اخبارات کے حالات کا جائزہ لینے اور اُن کو خود کفیل اور نفع بخش بنانے کی تدابیر کی تجویز کرنے کے لئے شری ماشٹا نک شیکھر سانیال سابق ایم پی کی صدارت میں ایک کمیٹی فروری سنہ ۷۹ء میں مقرر کی تھی۔ کمیٹی نے ۴۴ سفارشات کے ساتھ اپنی رپورٹ جون سنہ ۱۹۸۰ء میں پیش کر دی تھی۔

ریاستی حکومت نے ان میں سے ۲۲ سفارشات مکمل طور پر اور ۸ جزوی طور پر ترمیم کے ساتھ منظور کر لیں۔ ان میں سے کچھ سفارشات ریاستی حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر تھیں اور وہ مرکزی حکومت یا خود اخبارات کے دائرہ اختیار میں تھیں۔ ایسی سفارشات کے سلسلے میں مرکزی حکومت سے رجوع کیا گیا۔ ریاستی حکومت کی منظور شدہ سفارشات میں سے کچھ پر عمل درآمد کیا گیا ہے۔ اور کچھ عمل درآمد کے مراحل میں ہیں۔

کمیٹی کی سفارشات کے بنیاد پر ریاستی حکومت نے چھوٹے اور درمیانی درجے کے اخبارات کا حصہ ۸ فی صدی سے بڑھا کر ۱۵ فی صدی اور درمیانی درجے کے اخبارات کا حصہ ۲۹ فی صدی سے بڑھا کر ۳۵ فی صدی کر دیا ہے۔

کلکتہ سے باہر ریاست بھر میں چھوٹے اور درمیانی درجے کے اخبارات کے لئے سرکاری اشتہارات کی شرحوں میں معتدبہ اضافہ کر دیا گیا ہے اور یکساں بنا دیا گیا ہے۔ سرکاری اشتہارات کی شرحیں، اخبارات کی اشاعت کے اعتبار سے ۴ روپیہ اور ۱۲ روپیہ فی کالم سنٹی میٹر کے درمیان ہیں۔ پہلے بلحاظ اشاعت اشتہارات کی شرح میں ضلع بہ ضلع ۲ روپیہ اور ۵ر۲ روپیہ کے درمیان تھیں۔ تو مختلف اضلاع میں تعمیرات سے متعلق کلاسیفائیڈ (درجہ بند) اشتہارات پانچ لاکھ روپے کی رقم تک، مقامی ضلع اخبارات کے لئے مخصوص کر دیئے گئے ہیں۔

سرکاری اشتہارات حاصل کرنے کے لئے رجسٹرار آف نیوز پیپرز آف انڈیا کے یہاں رجسٹریشن کرانے کی لازمی شرط کو چھوٹے اخبارات کے معاملہ میں ختم کر دیا گیا ہے۔

چھوٹے اخبارات کے لئے اشتہارات حاصل کرنے کے لئے اہل ہونے کے لئے متواتر اشاعت کی ضروری مدت بھی کم کر دی گئی ہے۔

خبروں کی حصول میں چھوٹے اخبارات کی مدد کرنے کے لئے کمیٹی نے صدر مقامات پر نیوز بیورو کی سروس کو بہتر بنانے نیز چھوٹے اخبارات کو ترقیاتی خبریں فراہم کرنے کے لئے ضلع اطلاعاتی تنظیموں کو زیادہ مفید بنانے سے متعلق جو سفارشات کی ہیں اُن کو حکومت نے منظور کر لیا ہے۔

ضلع اخبارات کے اڈیٹروں اور رپورٹروں کو پریس کارڈ (Accredi-tion card) کے اجراء کے قواعد نرم کر دیئے گئے ہیں تاکہ وہ اسے مقامی طور پر ضلع مجسٹریٹ سے حاصل کر سکیں۔

اڈیٹروں/رپورٹروں کو خبروں وغیرہ کی رپورٹنگ کے لئے بسوں کے سفر کے مفت پاس کے اجراء کے سلسلہ میں تا حال بنگال اسٹیٹ ٹرانسپورٹ، شمالی بنگال کے صحافیوں کو یہ سہولت پہلے ہی سے دے رہا ہے۔ ہوم (ٹرانسپورٹ) ڈیپارٹمنٹ نے دوسرے علاقوں میں اس سہولت کی فراہمی کے لئے مختلف اضلاع کی ڈسٹرکٹ ٹرانسپورٹ اتھارٹیز سے رجوع کر رہا ہے۔

چھوٹے اخبارات کو اخباری کاغذ کی سپلائی کے ضمن میں درخواست کے فارم اور دیگر متعلقہ کاغذات چھاپے گئے ہیں اور پبلیشروں کو بھیج دیئے گئے ہیں اور اخباروں میں اشتہارات کے ذریعہ پبلیشروں کو طریق کار سے آگاہ کر دیا گیا ہے۔ ضلع افسران اطلاعات کے توسط سے اُن سے درخواستیں حاصل کی گئیں اور اُن کو ہیڈ کوارٹرز میں ضروری جانچ پڑتال کے بعد رجسٹرار نیوز پیپرز آف انڈیا کے یہاں بھیج دیا گیا۔ ان میں سے بیشتر درخواست

باقی صفحہ ۱۴ پر

حکومت مغربی کی

تعطیلات برائے سنہ ۱۹۸۲ء

حکومت مغربی بنگال نے سنہ ۱۹۸۲ء کے لئے حسب ذیل عام تعطیلات کا اعلان کیا ہے۔

میلاد النبی (فاتحہ دوازدہم)	۸ر جنوری سنہ ۸۲ء
نیتا جی کا جنم دن	۲۳ر " "
یوم جمہوریہ	۲۶ " "
شری پنچمی	۳۰ " "
دول جاترا	۹ر مارچ "
گڈ فرائی ڈے	۹ر اپریل "
بنگلہ نیا سال	۱۵ر " "
یوم مئی	یکم رمئی "
بینک کی ششماہی بندی	۳۰ر جون "
عیدالفطر	۲۳ر جولائی "
جنم اشٹمی	۱۲ر اگست "
عیدالاضحیٰ	۲۸ر ستمبر "
مہاتما گاندھی کا جنم دن	۲ر اکتوبر "
مہالایہ	۱۶ر اکتوبر "
درگا پوجا	
اشٹمی	۲۵ر " "
نومی	۲۶ر " "
دشمی	۲۷ر " "
محرم	۲۸ر " "
لکشمی پوجا	یکم رنومبر "
گرو نانک کا جنم دن	یکم ردسمبر
کرسمس	۲۵ر دسمبر سنہ ۱۹۸۲ء
میلاد النبی (فاتحہ دوازدہم)	۲۸ر دسمبر "
بینک کی سالانہ بندی	۳۱ر " "

نوٹ :-

(۱) اتوار نگوشی ایبل انسٹرومنٹس ایکٹ کے تحت عام تعطیلات کے دن ہیں۔

(ب) اگر مذکورہ بالا مسلمانوں کے تہواروں میں سے کوئی تہوار دن میں سے کوئی تہوار اعلان شدہ تاریخوں کو نہیں پڑتا تو مسلمان سرکاری ملازمین کو اعلان شدہ دن کے ساتھ اس دن کو طبقہ واری تعطیل دی جاسکتی ہے جس دن وہ تہوار واقعی منایا جاتا ہے۔

(س) چونکہ سنہ ۱۹۸۲ء میں ربندر ناتھ کا جنم دن (۹ر مئی) یوم آزادی (۱۵ر اگست) درگا پوجا کی سپتمی (۲۴ر اکتوبر) اور کالی پوجا (۱۴ر نومبر) اتوار کے دن پڑتے ہیں نگوشی ایبل انسٹرومنٹس ایکٹ کے تحت عام تعطیل کے دن ہیں، لہٰذا یہ دن عام تعطیلات کی فہرست میں شامل نہیں کئے گئے ہیں۔

خزانوں اور ذیلی خزانوں کو چھوڑ کر سرکاری دفاتر ۳۰ر جون سنہ ۸۲ء اور ۳۱ر دسمبر سنہ ۸۲ء کو کھلے رہیں گے جو این-آئی-ایکٹ کے تحت عام تعطیلات کے دن قرار دیئے گئے ہیں۔

ان کا اطلاق ان دفتروں پر ہوگا جہاں دوسرے اور چوتھے سنیچر والا پورے دن کی چھٹی نہیں ہوتی۔

(۲) سنہ ۱۹۸۲ء کے دوران حسب ذیل دنوں کو جو عام تعطیلات کے دن قرار نہیں دیئے گئے ہیں، رجسٹرار آف اشورنس کلکتہ اور کلکٹر آف اسٹامپ ریونیو کلکتہ کے دفتروں کو چھوڑ کر حکومت مغربی بنگال کے تحت تمام دفاتر بند رہیں گے۔

یوم سال نو	یکم جنوری سنہ ۸۲ء
درگا پوجا	۲۹ر اکتوبر "
	۳۰ر "

(۳) مندرجہ ذیل دن مختلف فرقوں کے ملازمین کے لئے طبقہ واری تعطیلات کے دن ہونگے۔

مہابیر جینتی (صرف جینیوں کیلئے)	۶ر اپریل "
ایسٹر سٹرڈے (صرف عیسائیوں کے لئے)	۱۰ر " "
بدھ پورنیما (صرف بدھوں کے لئے)	۸ر مئی "
بیساکھی (صرف سکھوں کے لئے)	بعد میں اعلان کیا جائے گا۔

بقیہ: کیرالا کے پریس

اور اپنی بقا کے لئے انھیں مالی امداد پر انحصار کرنا پڑتا ہے۔ اب رجحان یہ ہے کہ موجودہ اخباروں کو نئی نئی جگہوں سے شائع کیا جائے۔ چنانچہ ملایالہ منورما اور متھروبھومی تین جگہوں سے اور دیشا بھیمانی مینا یوگم اور دیپکا دو جگہوں سے شائع ہو رہے ہیں۔ امید کی جاتی ہے کہ کیرالا کومودی اپنا دوسرا ایڈیشن اور دیشا بھیمانی اپنا تیسرا ایڈیشن بہت جلد شروع کریگا۔ انڈین اکسپریس نے اپنا ایک اور ایڈیشن کوچین سے شائع کرنا شروع کر دیا ہے۔ اب کیرالا میں (اور شاید ہندوستان میں تیلیگو اینا ڈو جیسے چند اخباروں کو چھوڑ کر) اخبار صنعت اب اس حالت میں پہونچ گئی ہے جہاں اور نئے اخباروں کے امکانات محدود ہو گئے ہیں۔

ہم لوگ یہاں ان اہم اخباروں کا ذکر کر رہے ہیں جن کی تعداد اشاعت ۵۰۰۰ سے ۱۰۰۰۰ کے درمیان ہیں، لیکن کیرالا میں بہت سارے شام کے اخبارات اور چند صبح کے اخبارات ہیں جن کی تعداد اشاعت ۱۰۰۰ سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہاں بہت سارے شائع کئے جاتے ہیں اور ان کی تعداد اشاعت کئی ہزاروں سے لیکر کئی سو ہزاروں تک ہوتی ہے۔

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق ۱۹۷۸ء میں کیرالا میں روزنامہ اخبارات کی تعداد ۱۹۶ اور ہفتہ وار اخبارات کی تعداد ۹۰ تھی۔ دیگر رسالوں کی تعداد ۵ ۲ ۴ تھی۔ ان کی مجموعی تعداد اشاعت ۲۵ لاکھ تھی، جبکہ سارے ہندوستان میں اخباروں اور رسالوں وغیرہ کی تعداد اشاعت کل ۵ء۳ کروڑ تھی۔ کیرالا میں آبادی کی تعداد پورے ہندوستان کی آبادی کا ۴ فی صد ہے، لیکن یہ شائع ہونے والے اخبارات اور رسالوں کی تعداد تقریباً ۸ فی صد ہے۔

دیویکا نند سیوا سدن کو گرانٹ

حکومت مغربی بنگال نے دیویکا سیوا سدن منڈرا، ہگلی کو مالی سال رواں کے دوران کے اخراجات کے لئے ۲۰ ہزار روپیہ کی غیر مکرر گرانٹ منظور کی ہے۔

اسلامیہ اسپتال کو ایک لاکھ روپیہ منظور کی ہے

حکومت مغربی بنگال نے اسلامیہ اسپتال کلکتہ کو اس کے پارک سرکس ونگ اور نرسز ٹریننگ سنٹر کے اخراجات کے مالی سال رواں کے دوران ایک لاکھ روپیہ کی غیر مکرر گرانٹ منظور کی ہے۔

بلڈ گیس کی جانچ کے لئے ایک خودکار مشین کی خریداری

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ این۔آر۔ایس میڈیکل کالج اور اسپتال کے کارڈیو تھوریکک ڈپارٹمنٹ کے لئے بلڈ گیس کی جانچ کے لئے ایک خودکار مشین ڈنمارک سے درآمد کی جائے گی۔ ریاستی حکومت نے اس مقصد کے لئے ڈھائی لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔

ضلع ہگلی فلاحی کمیٹی کے نئے ممبر

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ مندرج فہرست اقوام اور قبائل کی فلاح سے متعلق ضلع ہگلی کمیٹی میں اڈیشنل ضلع مجسٹریٹ ہگلی اور مندرج فہرست اقوام اور قبائل کی فلاح کے پروجیکٹ افسر کو نئے ممبر کی حیثیت سے شامل کیا گیا ہے۔

دماغی امراض کے اسپتال کو سرکاری گرانٹ

حکومت مغربی بنگال نے لمبنی پارک مینٹل اسپتال کلکتہ کو اس کے اخراجات کے لئے ۸۲ ہزار روپیہ کی غیر مکرر گرانٹ منظور کی ہے۔

ہنومان اسپتال ہوڑہ کو گرانٹ

حکومت مغربی بنگال نے ہنومان اسپتال ہوڑہ کو مالی سال رواں کے دوران اس کے بڑھتے ہوئے اخراجات کو پورا کرنے کے لئے ۱۵ ہزار روپیہ کی غیر مکرر گرانٹ منظور کی ہے۔

جھاڑگرام کی ترقیاتی اسکیموں کے لئے ۱۸ء۴۰ لاکھ روپیہ صرف کی منظوری

حکومت مغربی بنگال نے ضلع مدناپور میں جھاڑگرام کے علاقہ کی ترقی کے پروگرام کے تحت ۱۸ء۴۰ لاکھ روپیہ کے صرف کی منظوری دی ہے۔ ان اسکیموں پر متعلقہ پنچایت سمیتیاں جھاڑگرام ترقی بورڈ کی نگرانی میں عمل درآمد کریں گی۔

دارجلنگ میں سیر و سیاحت کی ترقی

حکومت مغربی بنگال نے دارجلنگ میں سیر و سیاحت کی ترقی کے لئے متعدد اسکیمیں منظور کی ہیں۔ محکمہ ترقی و منصوبہ بندی نے ان اسکیموں کے لئے ۱۴ء۳۱ لاکھ روپیہ منظور کیا ہے۔ اسکیموں کی تفصیل یہ ہے (۱) میرک میں سیر و سیاحت کی ترقی (۲) لیبونگ میں ٹورزم کی مرمت اور درستی (۳) ٹورسٹ ریسپشن سنٹر کرسیانگ (۴) سندا کپھو میں سہولت کمپلیکس میں سیر و سیاحت کی ترقی (۵) ہیپی ویلی ٹورسٹ لاج کی مرمت اور درستی اور (۶) [illegible] ٹورسٹ لاج اور [illegible] کی مرمت اور درستی۔

کمیونٹی میڈیکل سروس کے ڈپلوما کورس میں داخلہ درخواستیں ۳۱ر دسمبر تک لی جائیں گی

حکومت مغربی بنگال کا ایک پریس نوٹ مظہر ہے کہ کمیونٹی میڈیکل سروس کے سہ سالہ ڈپلوما کورس کے ۱۹۸۱-۸۲ء کے سیشن میں داخلہ کی درخواستیں دارجلنگ، جلپائی گوڑی، بالورگھاٹ، بہرام پور، پرولیا اور مدناپور میں واقع اداروں کے متعلقہ چیف میڈیکل آفیسر آف ہیلتھ ۳۱ر دسمبر ۱۹۸۱ء تک وصول کریں گے۔ درخواست دہندگان کے لئے ضروری ہوگا کہ انہوں نے فزکس، کیمسٹری اور بایولوجی کے مضامین کے ساتھ مذکورہ اضلاع کے کسی اسکول یا کالج سے ہائر سیکنڈری کا (۱۰+۲) کورس کا امتحان پاس کیا ہو۔ کسی اور ضلع

کی تعلیم [illegible] سے جو امتحان پاس کرنے والے درخواست دینے کے اہل نہ ہوں گے۔ منتخب امیدواروں کو [illegible] فارم میں [illegible] تحریر کرنا

ہوگا کہ وہ اپنے علاقہ میں [illegible] کی تکمیل کے بعد دیہی [illegible] میں کم سے کم پانچ سال تک کام کریں گے۔ [illegible] میں ۲۸ [illegible] میں ۴۶ نشستیں درج فہرست اقوام اور [illegible] درج فہرست قبائل کے طلباء کے لئے محفوظ ہیں۔ اس سلسلہ میں مزید تفصیلات متعلقہ اداروں کے چیف میڈیکل افسر آف ہیلتھ سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

سینیر مدرسہ ایجوکیشن سسٹم سے متعلق کمیٹی کی میعاد میں چھ ماہ کی توسیع

حکومت مغربی بنگال نے سینیر مدرسہ ایجوکیشن سے متعلق موجودہ کمیٹی، جس کی تشکیل جولائی ۱۹۷۸ء میں ہوئی تھی کی میعاد میں ۹ر نومبر ۱۹۸۱ء سے مزید چھ مہینے کی توسیع کر دی ہے۔

کلچرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی مشاورتی کمیٹی کی نو تشکیل

حکومت مغربی بنگال نے کلچرل ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کی ریسرچ مشاورتی کمیٹی کی نو تشکیل کی ہے۔ یہ کمیٹی ۱۱ ممبروں پر مشتمل ہے۔ مندرجہ فہرست اقوام اور قبائل کی فلاح کے محکمہ کے انچارج وزیر شری شمبھو ناتھ منڈی اس کے چیرمین اور شری [illegible] کول آئی۔ اے۔ ایس اس کے سکریٹری ہیں۔

دارجلنگ میں قالین بافی کی صنعت

محکمہ ترقی اور منصوبہ بندی نے دارجلنگ کے پہاڑی علاقوں میں قالین بافی کی صنعت کے لئے ۴۰ء۲ لاکھ روپیہ کے صرف کی منظوری دیدی ہے۔ یہ رقم ڈپٹی کمشنر دارجلنگ کے زیر اختیار دیدی گئی ہے۔

کلکتہ اور مضافات کے لئے سرکاری بسوں کی تعداد میں اضافہ۔ تصویر میں شری محمد امین وزیر ٹرانسپورٹ حکومت مغربی بنگال نئی بسوں کا افتتاح کر رہے ہیں۔

آخری صفحہ پر نیچے کی تصویر:- گذشتہ انفارمیشن سنٹر میں منعقدہ اخباروں کی سماجی ذمہ داریاں پر سیمینار میں حصہ لینے والے (دائیں) محمد امین، شری چپال کانتو بنرجی، شری گوبند پسیلائی اور سید نذیر کشمیر کا نئی گوشی۔

Regd. No. WB/CC-62
Vol. 25 No. 21
PRICE-12 Paise

MAGHREBI BENGAL
1st December



[illegible] اشتراکی [illegible] وزیر قانون، حکومت مغربی بنگال، پروفیسر پی۔ ڈی۔ کاشے [illegible] اور شری محمد امین، وزیر ٹرانسپورٹ، حکومت مغربی بنگال
[illegible] میں منعقد ایک جشن [illegible] میں تقریر کرتے ہوئے۔ مغربی بنگال کے بائیں محاذ حکومت کے چار برس مکمل ہونے کے موقع پر حکومت مغربی بنگال کے شعبہ
اطلاعات و ثقافتی امور [illegible] اس جشن کا انتظام کیا تھا۔ اس موقع پر مقررین نے سامعین [illegible] کو مغربی بنگال میں بائیں محاذ حکومت کی عوام کی فلاح و بہبود کے لئے
کارگزاریوں سے واقف کرایا

Chief Editor : S. K. Sen Gupta, Associate : Md. Azam. Published by the Information & Cultural Affairs Deptt. Govt. of West Bengal and printed by Impressive Impression 57, Sree Gopal Mallick Lane, Calcutta-700 012